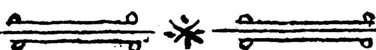
اقتباس از دیباچۂ طبع اوّل



اس کتاب کی ظاہری صورت اور اس کی حدود بندی کے متعلق مقدمہ میں اس قدر صراحت کر دی گئی ہے کہ دیباچہ میں اس موضوع پر اور زیادہ بحث کرنا تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے۔ ان موضوعات کے متعلق جن پر اس کتاب میں بحث کی گئی اس قدر اختلاف رائے ہے کہ مجھ کو ہرگز یہ امید نہیں کہ مابہ النزاع معاملات میں میری رائے بلا رد و قدح مستند مان لی جائے گی۔ علاوہ ازیں مضمون کی نوعیت اور پیچیدگی کی وجہ سے مجھے یہ بھی امید نہیں کہ باوجود کوشش واقعی قابل گرفت غلطیوں سے یہ کتاب بالکل مبرا ہو گی۔ لیکن میرے نزدیک ناظرین کتاب اور نقادان فن آشنا ضرور کریں گے کہ اس کتاب پر وہ ویسی ہی نظر ڈالیں جیسا کہ ایک نئے طالب تحقیق کے کام پر ڈالنی چاہیئے۔

اسکندر اعظم کے قابل یادگار ہندی حملے کو اس کتاب میں اس وجہ سے بالتفصیل بیان کیا گیا ہے کہ یہ مضمون نہایت دلچسپ ہے۔ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی موجودہ کتاب میں اس کا بیان صریح اور صاف نہیں کیا گیا۔

دیباچۂ طبع سوم



کتاب کے اس ایڈیشن میں قدیم ہندوستان کی تاریخ کو اس صورت میں ظاہر کیا گیا ہے جس کا تخیل میرے دماغ میں کم و بیش چالیس برس کی متصل اور مسلسل محنت کے بعد پیدا ہوا ہے۔ یہ صورت جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا میں نے بالکل مکمل اور صحیح پیش کی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کتاب کو موضوع کتاب کی آخری شکل نہیں قرار دینا چاہیئے کیونکہ تاریخ ہند قدیم کے جیسے روز افزوں ترقی کرتے ہوئے مضمون کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرنا بالکل ناممکن ہے۔ پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ اس کتاب کی طبع دوم شائع کی گئی تھی۔ اسی قلیل عرصے میں نیا مواد اور اس موضوع پر نئے مباحث اس کثرت سے جمع ہو گئے ہیں کہ اس فیصلہ کو برقرار رکھنا کہ کتاب کی ایک ہی جلد ہو اور اس کی قیمت کم ہو ناممکن سا معلوم ہونے لگا۔ اور اصل یہ ہے کہ اس کو موجودہ حجم سے دگنی صورت میں پیش کرنا نہایت ہی آسان کام ہے۔ باوجود اس کے کہ طوالت کا خوف متواتر دل میں کھٹک رہا تھا اس ایڈیشن میں کتاب کے مضمون میں بہت کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔ اور پرانے ایڈیشنوں کے بعض مضامین بالکل خارج کر دیئے گئے ہیں۔

میں ناظرین کی توجہ اس طرف مبذول کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ

اس کتاب کا موضوع درحقیقت سیاسی تاریخ تھا اور اب بھی یہی ہے۔ بعض نقادان فن کا یہ خیال ہے کہ اس کو قدیم ہندی روایات کی ایک انسائیکلوپیڈیا بنا دینا چاہیئے تھا۔ مگر مصنف نے کبھی یہ نکتۂ خیال اپنے پیش نظر نہیں رکھا۔ مصنف کی کتاب "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" (سنہ ۱۹۱۱ء) موجودہ کتاب کی مدد کے لئے لکھی گئی تھی۔ اور اس میں ہندوستان کے فنون لطیفہ کے متعلق جو کچھ بھی معلوم تھا جمع کر دیا گیا ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ہذا میں ان چیزوں کا ذکر بالتفصیل کیا جائے۔ جو ناظرین خاص خاص موضوعات کو زیادہ تفصیل سے مطالعہ کرنے کے خواہشمند ہیں ان کو چاہیئے کہ ہندی علم ادب۔ فلسفہ۔ سائنس۔ اور مذہب کے متعلق مختلف کتابوں کا مطالعہ کریں۔ کیونکہ یہ تمام مضامین ایسے ہیں کہ اس کتاب میں ان کا صرف حوالہ ہی دیا جا سکتا ہے اور بس ؛

آخر میں یہ لکھ دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ضمیمہ جات کو محض علماء فن کی خاطر سے اضافہ کیا گیا ہے تاکہ اگر وہ متن کتاب کے کسی متنازعہ فیہ یا ادق معاملے کے متعلق زیادہ تحقیق و تدقیق سے کام لینا چاہیں تو وہ ان کو مطالعہ کر لیں۔ مگر عام شایقین اور طلبہ ان کو بالکل نظر انداز کر سکتے ہیں ؛

وی۔ اے۔ سمتھ

مورخہ ۳۱۔ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

۱۔ مقدمہ

ایلفنسٹن اور کاول کی رائے ہندوؤں کے زمانے کی تاریخ پر

فاضل مورخ ایلفنسٹن نے اپنی تاریخ ہند مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں لکھا تھا کہ "سکندر اعظم کے ہندوستان کے حملے سے پہلے کسی واقعے کی تاریخ کا تعین ناممکن ہے۔ اور مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے پیشتر کی کوئی مسلسل تاریخ نہیں لکھی جا سکتی"۔ اس کے ستائیس برس بعد پروفیسر کاول نے ایلفنسٹن کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے اپنے ناظرین کو تنبیہ کر دیا تھا۔ کہ یہ قول ہندوؤں کے زمانے کی تاریخ کے دوران میں ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ اور اس تنبیہ کی وجہ اس نے یہ قرار دی تھی کہ "صرف اسی وقت جبکہ بیرونی اقوام ہندوؤں سے ملی ہیں ہم قدرے یقین کے ساتھ کسی واقعے کی تشریح اور تعین کر سکتے ہیں۔

ایلفنسٹن کے قول کے پہلے حصے کو اگر ہم اب نہایت سختی سے جانچیں تو وہ اب بھی درست نکلے گا۔ کیونکہ اس وقت بھی سکندر اعظم کے حملے سے پہلے کے کسی واقعے کی تاریخ کا تعین ناممکن ہے۔ مگر اس قول میں موجودہ تحقیقات کی وجہ سے بہت کچھ ضعف آ گیا ہے اور اس تحقیقات کی وجہ سے سکندر کے زمانے کے قبل کے بہت سے واقعات تقریباً اس قدر

صحت کے ساتھ معلوم ہو چکے ہیں۔ جتنا کہ عام طور سے ضرورت پڑتی ہے۔

موجودہ تحقیقات کے نتائج۔ لیکن جب ہم اُس قول کے دوسرے حصے کو کہ مسلمانوں کے حملے اور فتح ہند سے پہلے کی کوئی مسلسل تاریخ نہیں لکھی جا سکتی تاریخ ہند کے موجودہ معلومات سے جانچیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ گذشتہ ستّر سال کے عرصے میں اس گم شدہ تاریخ کے متعلق ہم کو بہت کچھ معلومات حاصل ہو گئے ہیں۔ مختلف عالموں کی تحقیقات نے جو انھوں نے مختلف علوم میں کیں ہمارے سامنے تاریخ ہند کے اس قدر مواد کو ظاہر کر دیا ہے۔ جس کی بالکل توقع نہ تھی اور اس مواد سے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ زمانۂ قدیم کی تاریخ ہند لکھی جا سکے۔ تمام ضروری ابتدائی مرحلے اس قدر طے ہو چکے ہیں کہ یہ روز افزوں مواد جو فراہم ہوا ہے اُس کو مہذب اور مدوّن کر سکتے ہیں۔ اب یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ محققین نے زمانۂ قدیم کے مطالعے سے جو نتائج نکالے ہیں اُن کو ایک مسلسل بیان کی صورت میں پیش کر دیا جائے۔ یہ عام ناظرین کے لئے اتنا ہی صاف اور قابل فہم ہو گا جتنی ایلفنسٹن کی مسلمانوں کے زمانے کی تاریخ ہند ہو سکتی ہے۔

سیاسی تاریخ۔ اس کتاب کی طبع اول میں پہلی مرتبہ یہ کوشش کی گئی تھی کہ اٹھارہ سو برس کی تاریخ ہند کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اس وقت بھی اگرچہ اس کتاب میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے مگر یہ کوشش صرف سیاسی واقعات اور تغیر و تبدل کے بیان کر دینے تک ہی محدود ہے۔ ہندوستان کے مذہبی۔ ادبی اور فنون لطیفہ کی تاریخ لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم شاہی خاندانوں کی تاریخ عزل و نصب سے کماحقہٗ واقف ہو جائیں۔ اگرچہ اس کتاب میں ہندوستان کے مذہب۔ علم ادب اور فنون لطیفہ کی طرف صرف اشارہ ہی کیا گیا ہے۔ مگر کتب کے جو حوالے ضمناً دئے گئے ہیں وہ شاید ناظرین کو یہ باور کرانے کے لئے کافی ہوں۔ کہ ان سب کے لئے مختلف خاندانوں کی تاریخ کا تعین از بس ضروری ہے۔

مشرق و مغرب یورپ کے وہ عالم جن کی تمامتر توجہ اس بات کی طرف مبذول رہی ہے کہ موجودہ ترقی و تہذیب کی بنیاد یونانی رومی تہذیب ہے شاید جرمن فلسفی کے اس قول کو ماننے کے لئے تیار ہوں کہ "چینی۔ مصری۔ اور ہندی آثار قدیمہ کسی حالت میں بھی

عجائبات سے زیادہ نہیں ہو سکتے [1]" مگر یہ خیال گوئٹے کے زمانے میں خواہ کتنا ہی صحیح تسلیم کیا جائے لیکن اس زمانے میں کسی طرح یہ مسلمہ تسلیم نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ سو سال کے اندر مستشرقین کی علمی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ مشرق قدیم اور مغرب موجودہ میں بہت کچھ تعلق ہے۔ اور اس وقت یونانی علوم کا کوئی ماہر مصری اور بابلی تہذیب سے بالکل ناواقفیت ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ یہی دونوں عناصر ہیں جن پر کہ موجودہ یورپ کے تمام آئین وقوانین مبنی ہیں یہاں تک کہ چین کا تعلق بھی یورپ سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مغربی ممالک کی زبانوں۔ علم ادب اور فلسفے کا تعلق ہندوستان کے ساتھ بیشمار امور سے ثابت ہوتا ہے۔ اگر زمانۂ حال میں ہندوستان کے بڑے طاقتور بادشاہوں کے ناموں سے بھی عام ناظرین ناواقف ہیں۔ اور ان سے صرف وہی لوگ حظ اٹھاتے ہیں جو اس علم کے لئے اپنے آپ کو مخصوص کر چکے ہوں۔ لیکن یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں کہ اگر ہندوستان قدیم کے جو حالات دریافت ہو چکے ہیں اُن کو یکجا کر کے مرتب کر دیا جائے تو وہ ان مخصوص علما کے علاوہ عام ناظرین کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ اور جس طرح رفتہ رفتہ لوگ اس مضمون سے زیادہ تر مانوس اور آشنا ہوتے جائیں گے اُسی طرح معلوم ہوتا جائے گا یہ بھی اس قدر توجہ اور فکر وغور چاہتا ہے جیسے اور تاریخی علوم کے لئے ضرورت ہے۔ زمانۂ حال کے ایک ہندوستانی مصنف نے بالکل صحیح کہا ہے کہ "دنیا میں ہندوستان کی بے قدری کی وجہ نہیں ہے کہ ہندیوں نے کوئی بڑا نمایاں کام دنیا میں انجام نہیں دیا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن تمام کاموں سے جو ہندیوں نے کئے ہیں دنیا یکقلم ناواقف اور نابلد ہے [2]۔ اس کتاب کے صفحات شاید یہ ثابت کر سکیں کہ ہند قدیم کے لوگوں نے بھی ایسے کام کئے ہیں جو اس قابل ہیں کہ ان کو یاد رکھا جائے۔ اور فراموشی اور نسیان کے ان گہرے غاروں سے ان کو پھر نکالا جائے جن میں کہ وہ صدیوں سے دبے پڑے ہوئے ہیں۔

[1] میکسمز اینڈ ریفلکشنز آف گوئٹے" نمبر ۳۲۵ مترجمہ بیلے ساؤنڈرس۔
[2] سی۔ این۔ کے۔ ایئر۔ کتاب سری سنکر آچاریہ۔ ہز لائف اینڈ ٹائمز دیباچہ۔ صفحہ ۴

سکندر اعظم اس کتاب کا وہ حصہ جو سکندر اعظم کے حملے کے متعلق ہے شاید اُن ناظرین کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث ہوگا جن کی توجہ تمامتر یونانی اور رومی مضامین پر مبذول رہتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں سکندر کے اس عجیب وغریب حملے کے متعلق جتنے تذکرے اب تک شائع ہوئے ہیں اور ان میں سے تھرلول کا بیان شاید سب سے اچھا ہے۔ وہ عام طور پر اس قصے کو تاریخ یونان کے ضمیمے کے طور پر بیان کرتے ہیں نہ تاریخ ہند کا ایک حصہ سمجھکے۔ اور اسی وجہ سے وہ موجودہ جغرافیہ دانوں اور آثار قدیمہ کے عالموں کی تحقیقات سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس کتاب میں یہ تمام حملہ تاریخ ہند کا ایک مشہور ومعروف اور قابل یادگار فسانہ سمجھکے لکھا گیا ہے۔ اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ جدید تحقیقات کی پوری روشنی کو جمع کرکے قدیم مصنفوں کے بیانات پر ڈالا جائے۔

مصنف کا مقصد اس کتاب میں مصنف کا مقصد یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو ہندوستان قدیم کی تاریخ ایک مسلسل بیان کی صورت میں ناظرین کے سامنے پیش کردے۔ اور یہ بیان تا حدِ امکان صرف محقق اور معتبر ثبوت پر مبنی ہو۔ تمام واقعات جو کسی طرح ثابت ہوچکے ہیں بلا رو و رعایت ان کو مدوّن کردے۔ اور تاریخی مسائل پر منصفانہ بحث کرے۔ اس نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ہوسکے گوئٹے کے مندرجہ ذیل قول پر عمل کرے:۔ مورخ کا فرض یہ ہے کہ سچ کو جھوٹ سے صحیح کو غلط سے اور مشکوک کو غیر مشکوک سے الگ کردے۔ ہر ایک محقق کو چاہئے کہ ہر وقت اس بات کو پیش نظر رکھے کہ اس کی حیثیت اُس شخص کی سی ہے جو حکم مقرر کیا گیا ہو۔ اس کا صرف یہ کام ہے کہ وہ شہادت کی صراحت اور تکمیل پر غور کرے اور اس کے بعد نتیجہ نکالکے اپنی رائے دے اور یہ نہ سوچے کہ اس کی رائے صدر (فورمین) کی رائے کے موافق ہے یا نہیں“[1]

اگر اس اصول کی پابندی التزام سے کیجائے تو ضرورۃً عام روایات کے مقابلے میں محض بے سروپا افسانوں اور کہاوتوں سے قطعی انکار کرنا پڑتا ہے اور بہت سی دلکش

---

[1] میکسمز اینڈ ریفلکشنز۔ آف گوئٹے نمبر ۵۴۳ ۔ ۵۴۴ ۔

لنکا کی پالی تاریخیں لنکا کی پالی زبان کی تاریخوں میں دیپاومس جو چوتھی صدی مسیحی میں اور مہاومس جو اس کے ڈیڑھ صدی بعد لکھی گئی بہت مشہور ہیں۔ ان میں قدیم ہندوستان اور خصوصاً موریا خاندان کے متعلق بہت سی بے سروپا اور مختلف روایات ملتی ہیں۔ یہ لنکا کی تاریخیں جن کی بعض اوقات مبالغے سے تعریف کیجاتی ہے۔ اتنی ہی محتاط تنقید کی محتاج ہیں جتنی کہ اور مذہبی اور ادبی کتابیں ہوسکتی ہیں[1]

پران ہندی تاریخی روایتوں کا سب سے اچھا اور مرتب ذخیرہ پرانوں کے شاہی خاندانوں کی فہرست میں محفوظ ہے۔ ان اٹھارہ پرانوں میں سے پانچ پران یعنے وایو۔ متسیا وشنو۔ برہمانڈ۔ اور بھاگوت میں ایسی فہرستیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں متسیا سب سے زیادہ قدیم اور مستند ہے۔ ان کتابوں کے موضوع کے لحاظ سے پران میں مفصلہ ذیل پانچ مضمون ہونا ضروری ہیں۔ ابتدائی پیدایش۔ ثانوی (دوسری) پیدائش جو منو گذر چکے ہیں ان کی پیدایش۔ دیوتاؤں اور خاندانوں کے بزرگوں کے نسبی شجرے۔ حکمرانوں کے حالات۔ اور قدیم شاہی خاندانوں کی تاریخیں۔ ان پانچ مضامین میں سے صرف آخری ہی مورخ کے کام کا ہوتا ہے[2]۔ یورپ کے موجودہ علماء پرانوں کی قدر کو

---

[1] لنکا کی تاریخوں کے تعریفی حالات کے لئے دیکھو رہس ڈیوڈس کی بدہسٹ انڈیا۔ اور دوسرے پہلو کے لئے دیکھو فولکس کی "دسیسیوڈس آن دی بڈہسٹ لٹریچر آف سیلون" (انڈین انٹی کویری جلد ۱۷ صفحہ ۱۰۰) "بدھا گھوسا" (انڈین۔ انٹی کویری جلد ۱۹ صفحہ ۱۰۵) تا۔سین۔ کو۔"کلیانی انس کرپشنز" (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ صفحہ ۱۴)۔ وی۔ اے۔ سمتھ۔ اسوکا دی بدہسٹ امپرر آف انڈیا۔ دوسری ایڈیشن سنہ ۱۹۰۹ء۔ مہاومس کے تین مختلف نسخے ملتے ہیں۔ مگر ہم نے اس نسخے کا حوالہ دیا ہے جس کا ٹرنر نے ترجمہ کیا ہے۔ اور وجیسمہا نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ سب سے آخری ترجمہ پروفیسر گیگر اور مسز بوڈ کا ہے (پالی ٹکسٹ سوسائٹی سنہ ۱۹۱۲ء) مسٹر جان سٹل کا "انڈکس ٹو دی مہاومس" بھی مفید کتاب ہے (کولمبو سنہ ۱۹۰۱) دیپاومس کا ترجمہ پروفیسر اولڈنبرگ نے کیا ہے۔ اور دیکھو گیگر کا دیپاومس اینڈ مہاومس (لیزگ سنہ ۱۹۰۵) انگریزی ترجمہ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۱۵۳۔

[2] میکڈانل کی "ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر" صفحہ ۳۰۱۔ وشنو پران کا ترجمہ ایچ۔ ایچ ولسن نے کیا تھا۔ اور ہال نے اسکے ترجمے کی نظر ثانی کی اور اس پر حاشیے ایزاد کئے۔ مختلف پرانوں کی تاریخیں جو بھنڈارکر نے "ارلی ہسٹری آف دی دکن" (بمبی گزیٹر جلد اول حصہ دوم ۱۸۹۶) میں لکھی ہیں انھیں مسٹر پرگیٹر نے درست کیا ہے دیکھو ضمیمہ الف اس باب کے آخر میں

کم کرنے کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں۔ لیکن غور و تحقیق سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ ان میں بہت کچھ اصلی اور صحیح تاریخی مواد موجود ہے۔

دارا کٹیسیس اور ہیرو ڈوٹس

ہندوستان کے متعلق بہت قدیم حالات کا ذکر جو غیر ملکوں میں ملتا ہے۔ وہ ان کتبوں میں درج ہے جو دارا گشتاسپ نے اصطخر اور نقش رستم میں کندہ کرائے تھے۔ موخر الذکر کتبہ کم از کم ۴۸۶ق م کا ہے۔[1] ہیرو ڈوٹس جس نے اپنی کتاب پانچویں صدی کے آخری حصے میں لکھی ہندوستان اور ایران کی سلطنتوں کے باہمی تعلقات پر بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ اور یہ حالات مذکورۂ بالا کتبوں کے مجمل بیانات پر اضافہ کرتے ہیں۔ کینڈوس کے رہنے والے کیٹسیس نے بھی جو اردشیر کے زمانے میں شاہی طبیب تھا مشرقی ممالک کے متعلق مختلف حکایتیں جمع کی تھیں۔ مگر اس کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے۔[2]

سکندر کے افسر اور اس کے ایلچی

سکندر کی فوج کشی اور اس کے افسروں کی خبروں کے شایع ہونے کے وقت تک یورپ ہندوستان سے بالکل بے خبر تھا۔ اس کے مرنے کے بیس برس بعد شام اور مصر کے بادشاہوں نے اپنے سفیر موریا شاہنشاہوں کے دربار میں روانہ کئے۔ انھوں نے اس ملک کے حالات نہایت ہی احتیاط کے ساتھ لکھے ہیں۔ یہ حالات مختلف رومی اور یونانی مورخین اور مصنفین کی کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ان میں سے مگستھنیز کی کتاب کے اجزا سب سے زیادہ کارآمد ہیں۔[3]

آرین وغیرہ

آرین نے جو دوسری صدی عیسوی کا ایک یونانی رومی عامل تھا۔ ہندوستان کا نہایت ہی عمدہ حال لکھا ہے جو قابل قدر ہے۔ اس کے علاوہ اس نے، سکندر اعظم کے ہندوستانی حملے کے حالات بھی نہایت ہی تدقیق کے ساتھ جمع کئے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں بیگاس کے بیٹے ٹولمی، سکندر کے دوسرے

---

[1] رالنسن۔ ہیرڈوٹس۔ جلد دوم صفحہ ۴۰۳۔ جلد چہارم صفحہ ۲۰۷۔

[2] ایکا میک کرنڈل نے انڈین انٹی کویری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۶ میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ علیحدہ بھی کلکتہ میں ۱۸۸۲ء شایع ہوا ہے۔

[3] اسکو شوینک نے ۱۸۴۶ء میں صحیح کر کے شایع کرایا اور میک کرنڈل نے ۱۸۷۷ء میں ترجمہ کیا۔

افسروں۔ اور دوسرے یونانی سفیروں کے حالات پر مبنی ہیں۔ اس لئے جہاں تک ہندوستان کی چوتھی صدی قبل مسیح کی تاریخ کا تعلق ہے تقریباً ہمعصر تاریخی سند کا حکم رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوینٹس کرٹیس وغیرہ دیگر مصنفین جنھوں نے سکندر کے ہندوستانی حملے کی تاریخ لکھنے کی کوشش کی ایسے مستند نہیں مانے جا سکتے۔ مگر وہ بھی بجائے خود ایک اچھی چیز ہیں۔ [1]

طوانہ کا اپولونیس فلاسٹریٹاس نے ۲۱۵-۲۱۰ء میں ملکہ جیولیا ڈومنا کی فرمائش سے طوانہ کے اپولونیس کی مدح میں ایک فلسفیانہ قصہ لکھا تھا۔ اس میں اس نے بظاہر ہندوستان کے نہایت ہی مفصل اور دلچسپ حالات جمع کئے تھے جو بقول مصنف ممدوح کے چشم دید ہیں جس نے شمال مغربی ہند کی سیر کی تھی۔ پروفیسر ٹیری کی رائے ہے کہ یہ سفر ۴۳-۴۱ء میں کیا گیا تھا۔ اگر وہ تمام حالات جو اس نے لکھے ہیں مستند ہوتے تو اس کی کتاب نہایت ہی قیمتی ہوتی۔ مگر کتاب کا ایک بڑا حصہ ایسی کہانیوں سے پر ہے جن کی وجہ سے مصنف کے کسی قول کو بھروسے اور اعتماد کے ساتھ قبول نہیں کیا جا سکتا اصل یہ ہے کہ یہ بھی اب تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ اپولونیس کبھی ہندوستان آیا بھی تھا یا نہیں [2]

چینی مورخین چین کے موجد تاریخ سسوما چین نے ۱۰۰ق م میں اپنی کتاب کی تکمیل کی۔ چینی مورخین کے تمام طویل سلسلے میں سے وہ سب سے پہلا شخص ہے جس کی تصنیفات سے ہندوستان قدیم کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے۔

---

[1] ہندوستان کے متعلق رومی اور یونانی مصنفین کے لکھے ہوئے بیانات کو ایک بڑی تعداد میں ڈاکٹر میک کرنڈل نے چھ کتابوں میں جمع کیا ترجمہ کیا اور ان پر بحث کی یہ ۱۸۷۶ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیان شایع ہوئیں۔ (۱) کٹیسیس۔ (۲) مگستھینز اور آرین کی کتابیں "انڈکا" (۳) "پیریپلیس آف دی ایریتھرین سی" (۴) ٹولمی کی جغرافیہ۔ (۵) "سکندر کا حملہ" (۶) "اینشنٹ انڈیا۔ رومی اور یونانی مورخین کے تاریخوں کے مطابق۔

[2] اس کتاب کے معتبر ہونیکے متعلق دیکھو "انڈین ٹریولز آف اپولونیس آف طانفانہ" مصنفہ پریلو ۱۸۷۳ء پروفیسر فلنڈرس پیٹری کی کتاب "پرسنل ریلیجن ان ایجپٹ بیفور کرسٹیینٹی" ۱۹۰۹ء اور ان کے علاوہ فلاسٹرتیاس کے کتاب کے دو ترجمے جو پروفیسر فلیمور اور فی سی کونی بیر نے ۱۹۱۲ء میں شایع کئے ہیں۔

چینی مورخین واقعات کی تاریخ کے تعین میں زیادہ صحت سے کام لیتے ہیں۔ اور اس لئے زیادہ قابل قدر سمجھے جانے چاہئیں۔[1]

فاہیان چینی جاتری

چینی جاتریوں کی بھیڑ جو کئی صدیوں تک ہندوستان میں جس کو وہ اپنی "ارض مقدس" سمجھتے تھے آتی رہی۔ فاہیان سے شروع ہوتی ہے۔ اس نے اپنا سفر ۳۹۹ء میں شروع کیا تھا۔ اور پندرہ برس کے بعد چین واپس پہنچا۔ وہ کتاب جس میں اس نے اپنے سفر کے حالات لکھے ہیں۔ تمام وکمال ہم تک پہنچی ہے۔ اور ایک مرتبہ فرانسیسی زبان میں۔ اور چار مرتبہ انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اس میں دریائے گنگا کے متصل صوبوں۔ کے حالات چندرگپت دوم بکرماجیت کی حکمرانی کے زمانے کے نہایت ہی دلچسپ اور قابل قدر ملتے ہیں[2]۔ اس کے علاوہ اور بہت سے جاتریوں نے اپنے سفرنامے لکھے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک ہندوستان کی قدیم تاریخ پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈالتا ہے۔ چنانچہ آئندہ ہر ایک کا حوالہ کتاب میں دیا جائے گا۔

ہیون سانگ

ان چینیوں میں سب سے بڑا اور مشہور جاتری ہیون سانگ ہے اس کی عالم مذہب و شریعت ہونے کی حیثیت سے اب تک بدھ مذہب کے پیرووں میں بڑی شہرت ہے۔ اس کے سفرنامے کا نام "مغربی دنیا کے حالات" ہے۔ اور اس کا فرانسیسی۔ انگریزی اور جرمنی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ اسکے سفر کا زمانہ ۶۲۹ء سے لیکر ۶۴۵ء تک ہے۔ اور اسکی سیر و سیاحت کا رقبہ نہایت ہی وسیع ہے۔ اس میں تقریباً تمام ہندوستان سوائے انتہائے جنوب کے شامل ہے۔ اس کی کتاب صحیح حالات کا ایک ایسا قیمتی ذخیرہ ہے جس سے واقف ہونا تاریخ ہند قدیم کے ہر ایک طالب العلم کے لئے ضروری ہے۔ اس کتاب نے آثار قدیمہ

---

[1] ایم۔ چاونیس نے سسو ماچین کی کتاب کی نو جلدوں میں سے پانچ جلدیں شایع کر دی ہیں۔ فرانسیسی چینی علوم کے ماہر خاص طور پر چینی علم ادب میں ہندوستان کی تاریخ معلوم کرنے پر مائل رہے ہیں۔ اور ان کی بہت سے کتابوں کے حوالے اس تاریخ میں دئے جائیں گے۔

[2] ہم نے اس کتاب میں موریا خاندان کے شاہنشاہ کو چندرا گپتا اور گپت خاندان کے بادشاہ کو چندرگپت لکھا ہے۔ تاکہ دونوں ناموں میں تفریق رہے اور ان میں ابہام نہونے پائے۔ ۱۲۔

سے بھی کہیں زیادہ گم شدہ تاریخ ہند کی تحریر میں مددی ہے۔ اگرچہ ہیون سانگ کی کتاب کا اصل تاریخی وصف یہ ہے کہ اس سے ہم اُس عہد کے سیاسی۔ مذہبی۔ اور معاشرتی آئین وقوانین کو معلوم کرسکتے ہیں۔ مگر ہم اس کے اور بھی زیادہ اس وجہ سے ممنون ہیں کہ اس نے قدیم روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرکے محفوظ کردیا ہے۔ ورنہ کوئی شک نہیں کہ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ تمام ضرور ضایع ہوجاتیں۔ اس کے دوست ہیوی لی نے اس کی سوانح عمری لکھی۔ اور اس کی کتاب[۱] کے حالات پر کچھ اور بڑھایا۔ مگر وہ باتیں اس کی کتاب کی طرح مستند اور معتبر نہیں ؎

البیرونی مسلمانوں میں شاید فاضل مہندس اور ہیئت داں البیرونی ہی ایک ایسا شخص گذرا ہے جس نے سنسکرت پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی۔ ورنہ عام طور پر مسلمان اُنھیں کو بت پرستوں کی زبان سمجھتے رہے۔ اور اسلئے اسکے نزدیک وہ قابل نفرت ہی رہی۔ البیرونی محمود کی فوج کے ساتھ ہندوستان میں آیا۔ اس کی کتاب تحقیق الہند ۱۰۳۰ء میں تمام ہوی۔ اور ہندی رسم ورواج۔ فنون اور علم ادب کے لئے نہایت ہی قابل قدر ہے۔ مگر اس میں اس قسم کے حالات بہت کم ملتے ہیں جو سیاسی تاریخ کے مرتب کرنے میں مدد دیسکیں[۲] ؎

مارکوپولو وینس کا مشہور سیاح مارکوپولو ۱۲۹۴-۹۵ء میں جنوبی ہند میں آیا۔ اور اس طرح اس کی سیاحت اس تاریخ کے عین خاتمے پر واقع ہوی[۳]۔

مسلمان مورخین مسلمان مورخین اسلامی فتوحات کے بیان کرنے ہی میں کارآمد ہوسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اوائل اسلام کے مسلمان سیاحوں کے سفرناموں سے زمانۂ وسطیٰ کی ہندی سلطنتوں کے حالات معلوم کرنے میں بھی مدد ملتی ہے[۴] ؎

---

[۱] دیکھو ضمیمہ ج۔ چینی جاتری اس باب کے آخر میں ۱۲۔ ؎

[۲] اس کتاب کی زخاؤ نے تصحیح کی اور ترجمہ کیا۔ مصنف کا پورا نام ابوریحان محمد ابن احمد تھا۔ مگر آخر میں وہ استاد ابوریحان کے نام سے مشہور ہوگیا۔ اور البیرونی اس کا لقب ہوگیا ۱۲۔

[۳] ایم کارڈیر نے ۱۹۰۳ء یول کے ترجمے کو نئے سر سے شایع کیا۔ ۱۲۔

[۴] مسلمان مورخین اور سیاحوں کی کتابیں پڑھنے کا بہترین ذریعہ الیٹ اور ڈوسن کی کتاب ہسٹری آف انڈیا

قدیم عمارات کی شہادت۔ علم آثار قدیمہ کا وہ حصہ جو عمارات کے متعلق ہے اگر اس کو ان عمارات کی دیواروں کے کتبوں سے الگ کر کے دیکھیں تو وہ باوجود اس کے کہ سیاسی تاریخ کے لئے زیادہ مواد بہم نہیں پہنچا سکتا۔ مگر پھر بھی اس کی تشریح اور توضیح میں بہت کچھ مدد دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ طالب العلم کو گذشتہ شاہی خاندانوں کی عظمت و جبروت کے صحیح اندازہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔

کتبے اگر اس میں کچھ بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ قدیم تاریخ ہند کے سب سے زیادہ ضروری اور کثیر التعداد ماخذ کتبے ہیں۔ تاریخ کے گم شدہ حصوں کا صحیح علم جو اب ہم کو حاصل ہو گیا ہے وہ صرف گذشتہ ستر یا اسی سال میں ان ہی کتبوں کے پڑھنے اور استقلال کے ساتھ ان کے حل کرنے سے ہی حاصل ہوا ہے۔ یہ کتبے کئی قسم کے ہیں۔ مہاراجہ اشوک کے فرامین یا پند و نصائح جو پتھر پر کندہ ہیں۔ اور تمام کتبوں سے بالکل جدا ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد کسی بادشاہ نے اس کی طرح اس قسم کے مواعظ کبھی چٹانوں پر کندہ نہیں کرائے۔ اسی طرح اجمیر میں دو اور دھار کے مقام پر ایک سنسکرت ڈراما کا پتھر پر کندہ پایا جانا بھی اپنی آپ ہی نظیر ہے چتوڑ کے عظیم الشان مینار پر جو کتبہ کندہ ہے وہ دراصل علم تعمیر کی ایک کتاب کا حصہ ہے۔ مگر ان کے علاوہ کتبوں کا بڑا حصہ یا تو بطور یادگار ہے یا بطور نذرانہ۔ اور یا بطور بخشش۔ اول اور دوسری قسم کے کتبوں میں مختلف اقسام کے حالات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض میں تو صرف کسی جاتری کا نام یا صرف دستخط ہی پایا جاتا ہے۔ اور بعض میں کامل طولانی قصیدے نہایت فصیح و بلیغ سنسکرت میں ملتے ہیں۔ عام طور پر یہ پتھر میں کندہ ہوتے ہیں۔ تیسری قسم کے کتبے یعنے وہ جن میں انعام یا عطیے کا ذکر ہوتا ہے۔ عموماً تانبے کی لوحوں پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہی دھات ہے جس کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ ایز آف لاء بائی انس اور ہسٹو ریکل نوٹ ہے (دو جلد ۱۸۷۲ سے ۱۸۸۰ تک) یہ نہایت قیمتی کتاب ہے اگرچہ غلطیوں سے بالکل پاک نہیں۔ یہ غلطیاں اکثر جگہ بیدر ڈیل نے درست کر دی ہیں۔ بیلی اور ڈوسن کی ہسٹری آف گجرات (۱۸۸۶) جس کی فقط ایک جلد ہی شایع ہوئی ہے بڑی کتاب کا ایک طرح ضمیمہ ہے۔ اس کے علاوہ دیکھو ابو تراب کی تاریخ گجرات مصححہ ڈینی سن راس۔ شایع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ۱۹۰۹ء

ذریعے سے غیر منقولہ جائداد کے انتقال کا دائمی ثبوت رکھا جاتا تھا۔

جنوبی ہند کے کتبے

جنوبی ہند میں تقریباً ہر قسم کے کتبوں کی خاص طور پر کثرت ہے۔ یعنے پتھر اور تانبے دونوں پر کندہ کئے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض بہت طولانی ہوتے ہیں۔ جنوبی ہند کے جو کتبے دریافت ہو چکے ہیں اُن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ اور بہت سے ابھی دریافت نہیں ہوئے۔ مگر یہ کتبے باوجود اپنی کثرت کے اتنے دلچسپ اور مفید نہیں جتنے کہ شمالی حصے کے کمیاب اور نادر الوجود کتبے ہیں۔ کیونکہ وہ نسبتہً زمانۂ حال کے قریب ہیں۔ سن مسیحی سے قبل کا کوئی کتبہ سوائے میسور کے جہاں مہاراجہ اشوک کے مختصر فرامین کی نقل اور بھٹی پرولو کا صندوق ہو۔ جنوبی ہند میں نہیں پائے گئے۔ اصل یہ ہے کہ ساتویں صدی عیسوی سے پہلے کے کتبے کم ہیں۔

بہت قدیم کتبے

ایک زمانے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ شمالی ہند کا سب سے قدیم کتبہ وہ ہے جو پپراوا کے مقام پر بدھ کے تبرکات کے نذرانے کے طور پر لکھا ہوا تھا۔ یہ عام خیال تھا کہ وہ ۴۵۰ ق م کا کندہ کیا ہوا ہے۔ مگر موجودہ تنقیح نے اس خیال کے صحیح ہونے میں شبہ پیدا کر دیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ شمال اور جنوب دونوں حصۂ ملک میں مہاراجہ اشوک کے زمانے یعنے تیسری صدی قبل مسیح سے پہلے کا کوئی ایسا کتبہ دستیاب نہیں ہوا۔ جسے یقین کے ساتھ ان سے زیادہ قدیم کہا جا سکے۔ سن قبل مسیح کے کتبوں کی تعداد شمال میں بہ نسبت جنوب کے کہیں زیادہ ہے۔ تیسری صدی عیسوی کے بعد کے بہت کم کتبے باقی رہگئے ہیں۔ لیکن اگر کشان بادشاہوں کی تاریخیں جن پر اس کتاب میں عمل کیا گیا ہے۔ درست ہیں، تو دوسری صدی کے کتبے بکثرت دستیاب ہوتے ہیں۔

اس سلسلے کا کام جو باقی رہگیا ہے

اگرچہ آثار قدیمہ کے سلسلے میں بہت کچھ مفید کام ہو چکا ہے۔ لیکن اب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندی کتبوں کا تفحص ختم ہو گیا۔ ابھی بہت کام ہے۔ کام کرنے والوں کی تعداد میں اضافے کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ ایسے ہوں جن کو ذاتی شوق ہو۔ کام ہی کو اور معلومات ہی کے حاصل کرنے کو اپنی اجرت قرار دیں۔ اور دنیا کے علم میں

اضافہ کرنے کی کوشش کریں[۵]۔

سکے۔ بہ ہیئت مجموعی سکوں کی شہادت بہ نسبت کتبوں کے زیادہ دستیاب ہو سکتی ہے۔ ہندی سکوں کی اکثر اقسام پر مخصوص کتابوں میں بحث ہو چکی ہے۔ اور ان سے تمام تاریخی مواد اخذ کر لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر ریپسن کی کتاب سے جس میں اس نے تمام سکوں کو ایک جگہ فراہم کر کے اُن پر بحث کی ہے عام ناظرین کو یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ تاریخ کو سکوں کی موجودگی سے کہاں تک مدد ملی ہے۔

سکندر کے حملے کے بعد سے مورخ کو سکوں کے ذریعے سے تاریخ کے ہر زمانے کے متعلق اپنی تحقیقات میں بہت مدد ملتی ہے۔ مزید برآں سلطنتہائے باختر۔ ہندی یونانی۔ اور ہندی پارتھیا کے لئے دراصل صرف یہی ایک قابل اعتبار ماخذ ہو سکتے ہیں[۵]۔

---

[۵] دیکھو ڈاکٹر فلیٹ کا مضمون انڈین اینٹی کویری سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۔ اور اسی کا لکھا ہوا باب "ایپی گریفی" انڈین گزیٹیر جلد دوم۔ سنہ ۱۹۰۸ء۔ ہندی کتبوں کے متعلق تمام شایع شدہ کتابوں کی فہرست کا درج کرنا بالکل ناممکن ہے۔ مگر اچھے تصحیح کردہ کتبے مفصلہ ذیل کتب میں ملیں گے۔ انڈین انٹی کویری ایپی گریفیا انڈکا۔ ساؤتھ انڈین انسکرپشن۔ ان کتب کے علاوہ ہندی آثار قدیم کے محکمے کی تمام رپورٹوں میں کتبوں کا کچھ نہ کچھ اچھا خاصا حال مل جاتا ہے۔ مسٹر کیوس رائس نے "ایپی گریفیا کرناٹیکا" وغیرہ میں ہزارہا کتبوں کا حال لکھا ہے جن کا خلاصہ "میسور اینڈ کرگ فرام انسکرپشنز" میں درج ہے۔ (کانسٹیبل سنہ ۱۹۰۹ء) پروفیسر کیلہارن اور پروفیسر لیوڈر کی "لسٹ"۔ او ایپی گریفیا انڈکا کے ضمیمہ نمبر ۵-۷-۸-۱۰ — بیش بہا چیزیں ہیں۔

[۵] ہندی سکوں کے متعلق چند جدید کتابیں یہ ہیں۔ ریپسن کی "انڈین کائنز" (سٹراسبرگ سنہ ۱۸۹۸ء) "کیٹلاگ آف دی کائنز آف دی اندھرا ڈائنسٹی ان دی برٹش میوزیم" کننگھیم کی کائنز آف اینشنٹ انڈیا" (سنہ ۱۸۹۱ء) کائنز آف میڈیول انڈیا سنہ ۱۸۹۴ء۔ فان سیلٹ کی کتاب "ڈی ننچ فولگر الکزینڈرس دی گراسن ان بکٹرین اینڈ انڈین" (برلن سنہ ۱۸۷۹ء) پی گارڈنر کی کتاب "کائنز آف دی گریک اینڈ سیتھک کنگس آف بکٹریا اینڈ انڈیا ان دی برٹش میوزم (سنہ ۱۸۸۶ء)۔ وی۔ اے سمتھ دی خاندان گپت کے سکوں پر تین مضامین (جے۔ ا۔ ے۔ ایس۔ بی جلد ۵۳ حصہ اول سنہ ۱۸۸۴ء۔

اُسی زمانے کے ادبیات۔

تاریخ قدیم کا چوتھی قسم کا ماخذ اسی زمانے یا تقریباً اُسی زمانے کے ادبیات ہیں۔ مگر ایسی کتابیں بہت ہی کم ہیں جن کو ہم علم تاریخ کی کتابیں کہہ سکیں۔ ان میں کشمیر کی تاریخ (راج ترنگنی) اور آسام اور نیپال کی مقامی تاریخوں کے علاوہ سنسکرت اور پراکرت کی معدودے چند کتابیں اور تامل زبان کی کچھ نظمیں شامل ہیں۔ ان میں سے کوئی کتاب خالص تاریخ کے فن پر نہیں۔ اور سب کم و بیش حکایات کی قسم کی کتابیں ہیں۔ اس لئے واقعات کو بہت کچھ افراط و تفریط کے ساتھ بیان کرتی ہیں ؎

ان میں سب سے مشہور کتاب "ہرش چرت" ہے جسے بان نے ۶۲۰ء میں اپنے بادشاہ اور مربی ہرش شاہ تھانیسر و قنوج کی مدح میں لکھا تھا۔ یہ کتاب باوجود چند ظاہری نقائص کے نہایت ہی کارآمد ہے۔ اس میں قدیم روایتوں کے علاوہ اُس عہد کی تاریخ کا حال بھی پایا جاتا ہے[1]۔ اسی قسم کی ایک اور کتاب "وکرامانک چرت" بھی ہے جو بارھویں صدی عیسوی کے ایک شاعر بلہن کی لکھی ہوئی ہے۔ اور دراصل ایک زبردست بادشاہ کی شان میں ایک قصیدہ ہے جو ۱۰۷۶ء اور ۱۱۲۶ء کے درمیان جنوب اور مغرب کے ایک بڑے علاقے پر حکمراں تھا[2]۔ ایک اور قابل قدر نظم "رام چرت" بھی بنگال کے پال خاندان کے متعلق ایک قصیدہ ہے ۱۸۹۷ء میں دریافت ہوئی۔ اور ۱۹۱۰ء میں شایع ہوئی[3]۔ ان کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جو بلہن کے سوا عموماً اور جین

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۶۳ حصہ اول ۱۸۹۴ء۔ جے آر۔ اے۔ ایس جنوری ۱۸۹۹ء "اندھرا ہسٹری اینڈ کائینج" (زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۱ء) کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول ۱۹۰۶ء) ایلیٹ کی کتاب کائنز آف سدرن انڈیا انکے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتابیں اس قدر ہیں کہ وہ درج نہیں کیجا سکتیں جیمز پرنسپ اور دوسرے لوگوں کی کتابیں اب پرانی ہوکر بیکار ہوگئی ہیں ؎

[1] اس کتاب کا پروفیسر کاول اور ٹامس نے ترجمہ کیا ہے (اورینٹل ٹرانسلیشن فنڈ۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۷ء) ۱۲

[2] بیوہلر نے ایک انگریزی مقدمے کیساتھ اس کو شایع کیا (بمبی سنسکرت سیریز۔ نمبر ۱۴ ۱۸۷۵ء) ۔ اور انڈین انٹی کوری (جلد ۵ صفحہ ۳۲۴ و ۳۱۷ ۱۸۷۶ء و جلد ۳۰ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲) میں اس پر مکمل بحث کی ہے۔

[3] میمائرس۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد سوم ۱۹۱۰ء صفحہ ۵۶۔ ۱۲

مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں مغربی ہند کے چلوکیا خاندان کے بادشاہوں کی تاریخ ملتی ہے[1]۔ تامل زبان کی نظموں میں قدیم ترین نظم کے متعلق خیال ہے کہ وہ پہلی یا دوسری صدی عیسوی کی لکھی ہوئی ہے۔ ان نظموں میں سے جو عموماً یا تو رزمیہ ہیں یا جنوب کے مشہور بادشاہوں کے متعلق قصائد ہیں بہت کچھ تاریخی مواد حاصل ہو سکتا ہے[2]۔

تعیین تاریخ کی مشکلیں۔ وہ چیز جو اس قدر مدت تک ہندوستان قدیم کی مسلسل تاریخ لکھے جانے میں مزاحم رہی۔ یہ نہ تھی کہ تاریخ کے مواد کی کمی ہو۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ تاریخوں کا صحیح تعیین ناممکن تھا جس کی طرف الفنسٹن اور پروفیسر کاول نے بھی اشارہ کیا ہے۔ مگر غیر مرتب تاریخی مواد کی اس قدر کمی نہیں جتنا کہ فرض کیا جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ قدیم اقوام کی تاریخ کے ڈھانچے کو کھڑا کرنے کے لئے مواد ہر جگہ کم ہی ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہوتا بھی ہے وہ ایسے بے سر و پا اور لایعنی بیانات پر مبنی ہوتا ہے جو آخر میں عوام کے دماغ میں خرافات اور قصص اصنام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہندوستان قدیم کے مورخ کے پاس ان روایات۔ فہرس۔ اور قصص اصنام کی کمی نہیں۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ زمانے کے ان تنقیدی اصولوں کو ان پر استعمال کیا جائے جو مشرق و مغرب کی قدیم تاریخوں کے لکھنے میں کام آتے ہیں۔ تاریخ ہند کے متعلق ان اصول کا استعمال کسی طرح بھی اس سے زیادہ مشکل نہیں جتنا کہ بابل۔ مصر۔ یونان اور روم کی تاریخ کے متعلق ہو سکتا ہے۔ حقیقی مشکل یہ ہے کہ تاریخوں کے تعین کا ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ تاریخ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے واقعات کی تاریخوں کا تعین یقین اور وثوق کے ساتھ ہو سکے۔ اور بغیر اس کے تاریخ کا لکھا جانا ناممکن ہے۔

بیشمار سنین کا رواج ہندوستان کی مختلف اقوام نے اپنی تاریخ کو اگر محفوظ رکھنے کی

---

[1] پروسیڈنگس۔ اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۹۱۰ء۔ صفحہ ۲۶ نیز جی۔ ایچ۔ اوجھا کی کتاب "ارلی ہسٹری آف دی سولنکیز" حصہ اول صفحہ ۲۔ اجمیر ۱۹۰۷ء۔ یہ کتاب ہندی میں ہے۔

[2] مسٹر وی کے۔ پلے نے اس پر انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ صفحہ ۲۵۹۔ و جلد ۱۹ صفحہ ۳۲۹۔ و جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۱ میں بحث کی ہے۔ اسکے علاوہ دیکھو "دی تاملز اٹین ہنڈرڈ ییرس اگو" مدراس ۱۹۰۴ء۔

کوشش بھی کی تو اس کے طریقے نرالے اختیار کیے جن کا سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ اور چند سال پہلے بالکل ناممکن تھا۔ جن سنین کا انھوں نے اپنے تاریخی واقعات کے تعین کے لئے اختراع کیا ہے وہ نہ صرف دنیا بھر کی قوموں کے سنین سے مختلف ہیں۔ بلکہ تعداد میں بیشمار اور اپنی ابتدا اور استعمال کے لحاظ سے بالکل پوشیدہ اور نامعلوم ہیں۔ کننگھم نے اپنی کتاب "سنین ہند" میں بیس سے زیادہ سنین گنوائے ہیں جو ہندوستان کے مختلف حصوں اور اس کی تاریخ کے مختلف زمانوں میں جاری رہے ہیں۔ اس پر بھی اس کی فہرست کامل نہیں کہی جا سکتی۔ علماء نے یکے بعد دیگرے اپنی زندگی ہندوستان کے مختلف مقامی سنین کے تفحص اور ان کے ذریعے سے بھولی ہوئی تاریخ کے دریافت کرنے کے لئے وقف کر دی ہے۔ ان کی بے لوث کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر ان سنین کا علم جو کتبوں وغیرہ میں استعمال ہوئے ہیں بالکل کامل اور صحیح ہو گیا ہے[1] ان تمام نتائج کو کام میں لا کر اب یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ہند قدیم کا مورخ ہر ایک واقعے کے تعین تاریخ اور سن کے لحاظ سے تاریخ کو مسلسل صورت میں مرتب کر لے۔ آج سے اسّی تو کیا چالیس برس پہلے بھی یہ بات ناممکن تھی۔

یونانی ہم زمانہ تاریخیں

ایک زمانے تک ہندوستان قدیم کی تمام تاریخ میں وہ واقعہ جسکی تاریخ تقریباً بالکل صحت کے ساتھ متعین ہوئی تھی صرف چندراگپتا موریا کی تخت نشینی کا واقعہ تھا۔ اس کا تعین اس وجہ سے ممکن ہو گیا تھا کہ یونانی مورخوں نے "سنڈراکوٹس" ایک ہندی بادشاہ کو سیلوکس نیکیٹر کا ہمعصر بتلایا ہے۔ اور یہ مان لیا گیا تھا کہ سنڈراکوٹس سے چندراگپتا موریا ہی مراد ہے۔ اس کے بعد ۱۸۳۸ء میں چندراگپتا کے پوتے راجہ اشوک کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ سیلوکس کے پوتے انٹیاکس تھیوس اور دوسرے چار یونانی

---

[1] پروفیسر کیلہارن۔ پروفیسر جیکوبی۔ مسٹر آر سیول اور ڈاکٹر جے۔ الیف فلیٹ نے سنین کے متعلق سب سے زیادہ اہم کام انجام دیا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حضرات بھی اس طرف متوجہ اور ہمارے علم میں ایزاد کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہندوستانیوں میں سب سے زیادہ قابل قدر کام دیوان ایل۔ ڈی سوامی کنو پلے نے کیا ہے۔ ۱۲ع

بادشاہوں کا ہم عصر تھا۔ اس طرح موریا خاندان کے بادشاہوں کے سنین کا پوری صحت کے ساتھ تعین ہوگیا اور اب اس میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہا۔

ان دو متعینہ تاریخوں اور ساتویں صدی عیسوی کے بعض واقعات کے سنین کے سوا جن کا تعین چینی جاتری ہیون سانگ کے سفرنامے سے ہوگیا تھا۔ تاریخ ہند کے تمام سنین کا تقرر نہ ہوسکا تھا اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق ان کو ہیر پھیر سکتا تھا۔

خاندان گپت کا مروجہ سن۔

جب ڈاکٹر فلیٹ نے خاندان گپت کے سن کا تعین کردیا جو اب تک محض وہم وخیال کا تختۂ مشق رہا تھا۔ تو تاریخ ہند کے سنین کے باب میں بہت کچھ ترقی ہوی۔ اس فیصلے سے کہ خاندان گپت کا سن ۳۱۹ء یا ۳۲۰ء سے شروع ہوتا ہے ہندوستان قدیم کے ایک مشہور خاندان کے سنین کا تعین ہوگیا اور جس پر اس سے پہلے صرف تاریکی چھائی ہوی تھی اب وہ روز روشن کی طرح نمایاں ہوگیا۔ اسی سے پانچویں صدی عیسوی کا فاہیان کا لکھا ہوا بیان اپنی اصلی جگہ پر قایم ہوگیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ اس کا سفرنامہ ہندوستان کے سب سے نامی بادشاہ چندرگپت ثانی یا بکرماجیت کی سلطنت کا گویا ایک مرقع ہے۔ اس اہم دریافت کے بعد جس کو ڈاکٹر فلیٹ نے ۱۸۸۷ء میں شایع کیا۔ خاندان گپت کے سنین کے متعلق اور تمام باقی ماندہ مشکلات کا فیصلہ اس وقت ہوگیا جب ایم۔ سلوین لیوی نے اس بات کا تعین کیا کہ سمندرگپت اور میگھ ورن شاہ لنکا دونوں ہم عصر تھے۔ (تقریباً ۳۵۲ء سے لیکر ۳۷۹ء تک زمانہ)

اندھر خاندان کی ہم زمانہ تاریخیں۔

اسی طرح اندھر خاندان کی ایک مسلسل فی الجملہ ناکامل تاریخ کا لکھا جانا اس طرح ممکن ہوگیا ہے جبکہ اندھر خاندان کے بادشاہ اور مغربی ایرانی ستراپ ہمعصر ثابت ہوے۔

شمالی ہند کی تمام تاریخیں سوائے کشان خاندان کے سب متعین ہوچکی ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ متعدد علمار کی محنتوں کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ شمالی ہند کی قدیم تاریخ کا ایک ڈھانچہ قائم کرنے کے قابل ہوگئے ہیں۔ یہ وہ تاریخی زمانہ ہے جو عہد قدیم سے شروع ہوکر اسلامی فتوحات پر ختم ہوتا ہے۔ مگر اس میں بھی کشان یا ہندی سیتھیا خاندان کا

زمانہ اب تک زیر بحث ہے۔ کشان خاندان کے وہ سنین جو اس کتاب میں استعمال کئے گئے ہیں ایسے ہیں جن کے لئے مزید غور کی ضرورت ہے۔ مگر وہ بالفعل کام چلانے کے لئے کافی ہیں۔ اگر بالآخر ان کو بھی مان لیا گیا تو شمالی ہند کی تاریخ بالکل کامل ہو جائیگی۔ اگرچہ پھر بھی بہت سی تفصیلی باتیں باقی رہ جائینگی؛

جنوبی ہند کی تاریخیں۔ جنوبی ہند کے خاندانوں کے متعلق بھی بہت سی تاریخوں کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ پلوا خاندان کی تاریخیں بھی جس کے نام سے بھی ۱۸۸۰ء سے پہلے یورپ کے لوگ بالکل ناواقف تھے۔ بہت کامیابی کے ساتھ حل ہو چکی ہیں؛

مسلسل تاریخ کے لکھے جانے کا امکان۔ تمام مذکورہ بیان کے پڑھنے سے میرے نزدیک ناظرین کے ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ اب اس قدر مواد موجود ہے اور سنین کا تعین اس حد تک ہو چکا ہے کہ فتوحات اسلامی سے قبل کی تاریخ ہند ایک مسلسل اور مرتب صورت میں دنیا کے سامنے پیش کر دیجائے؛

ضمیمۂ الف

پران کا زمانۂ تصنیف

اسکی تاریخ کے متعلق ایچ۔ ایچ ولسن کا غلط خیال۔ ایچ۔ ایچ ولسن نے پرانوں کی چند عبارتوں کا یہ غلط مطلب سمجھ لیا کہ ان میں مسلمانوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر اس نے یہ رائے ظاہر کی کہ وشنو پران ۱۰۴۵ء میں تصنیف ہوی۔ یہ غلطی ولسن کے زمانے میں قابل معافی تھی۔ مگر افسوس یہ ہے باوجود اس کے کہ چند سال پیشتر کے واقعات سے اس کی تردید بھی ہو چکی ہے۔ لیکن پھر بھی اب تک یہ خیال برابر دُہرایا جاتا ہے۔ اس اعادے کی

وجہ سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعے پر چند ایسے عام فہم اور قطعی ثبوت بیان کردیئے جائیں۔ جن سے یہ ثابت ہو جائے کہ پران اصل میں اس سے کہیں زیادہ قدیم ہیں۔ جیسا کہ ولسن کا خیال تھا۔

البیرونی کی شہادت

البیرونی جس نے کہ ہندوستان کے حالات میں اپنی کتاب سنہ ۱۰۳۰ء میں لکھی۔ اٹھارہ پرانوں کی فہرست نقل کرتا ہے جن کو "نام نہاد رشیوں" نے لکھا تھا۔ ان میں سے تین پران خود اس نے اپنی آنکھ سے دیکھے تھے۔ یعنی متسیا۔ آدیتیا اور وایو پرانوں کے حصے۔ اس کے علاوہ وہ پرانوں کی اٹھارہ کتابوں کے مختلف نام بھی جو وشنو پران میں پائے جاتے ہیں دیتا ہے۔ اس لئے اب یہ ظاہر ہے کہ آجکل کی طرح سنہ ۱۰۳۰ء میں بھی پران تعداد میں اٹھارہ ہی تھے اور سمجھا جاتا تھا کہ عہد قدیم سے اسی طرح چلے آتے ہیں اور قدیم رشی جن کا ذکر محض افسانہ ہے اس کے مصنف تھے۔

بانا کی شہادت

ہرش بادشاہ کے قصیدے "ہرش چرت" کا مصنف جو سنہ ۶۲۰ء میں زندہ تھا۔ پران کی قدامت کو اور چار صدی پیشتر لیجاتا ہے۔ جب وہ اپنے گاؤں کو گیا جو دریائے سون پر واقع تھا جسے آج کل ضلع شاہ آباد کہتے ہیں تو اس نے سدرشتی کو وایو پران گاتے ہوئے سنا۔[1] ڈاکٹر فیوہرر کو یقین تھا کہ یہ بات ثابت ہوسکتی ہے کہ بان نے اگنی بھگوت اور مارکنڈیا اور ان کے علاوہ وایو پران سے خود استفادہ کیا تھا۔[2]

بنگال کا قدیم نسخہ

سکند پران کے اُسی عہد میں موجود ہونے کا مستقل ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ اس وقت کا قلمی نسخہ اسی کتاب کا خاندان گپت کے زمانے کے خط میں لکھا ہوا دستیاب ہوا ہے۔ جس کے متعلق خط کی قدامت کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ساتویں صدی کا لکھا ہوا ہے۔[3]

کتاب سوالات ملندا

کسی نہ کسی صورت میں کتاب "سوالات ملندا" کا مصنف بھی

---

(۱) کاول اور ٹامس کا ترجمہ صفحہ ۷۲ ۱۲

(۲) فیوہرر اورنٹیل کانگریس کی روئداد۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۵ ۱۲

(۳) جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۹۳ ۱۲

پرانوں سے واقف تھا۔ جو اس زمانے میں ویدوں، اور رزمیہ نظموں کے ساتھ قدیم مذہبی کتابوں میں شمار ہوتی تھیں۔ اس کتاب کا پہلا باب جس میں کہ پرانوں کا ذکر آتا ہے بلاشبہ اصلی اور حقیقی کتاب کا جزو ہے۔ اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ وہ ۶۰۰ء کے قبل لکھا گیا تھا[1]۔

گپتا خاندان اس کے علاوہ بیو ہلر نے پرانوں کی بہت سی عبارتیں اور دوسرے حوالے جمع کئے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ "وایو پران۔ وشنو پران۔ متسیا پران۔ اور برہمانڈ پران میں زمانۂ مستقبل کے بادشاہوں کا تذکرہ گپت اور اس کے ہمعصر خاندانوں پر آکر ختم ہوتا معلوم ہوتا ہے[2]"۔ بیو ہلر نے زمانۂ آئندہ کے بادشاہوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ پرانوں میں تمام تاریخی واقعات پیشین گوئی کی صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ تاکہ ان کے بے انتہا قدیم ہونے کی صورت قائم رہے۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ وہ اپنی اصلی اور پرانی شکل میں بہت قدیم ضرور ہیں۔

مسٹر پارگیٹر کی تحقیقات کے نتائج۔ مسٹر پرگیٹر اپنی مفید کتاب "دی ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج" (کلیرنڈن پریس۔ آکسفورڈ۔ ۱۹۱۳ء) میں اس کے متعلق اور زیادہ کامل ثبوت بہم پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انھوں نے یہ ثابت کیا ہے "بھاویش پران" اپنی قدیم تر شکل میں دراصل متسیا اور وایو پرانوں کے شاہی خاندانوں کی فہرستوں کا حقیقی ماخذ تھا۔ ان تمام فہرستوں کا حال جو متسیا۔ وایو۔ برہمانڈ پرانوں میں موجود ہے۔" اور ان کا درحقیقت ایک اور صرف ایک ہی ماخذ ہو سکتا ہے"۔ مگر متسیا پران کی فہرست ان سب میں قدیم اور بہتر ہے۔ وشنو اور بھگوت پران اسی کی مختصر فہرستیں ہیں۔ اور بھاوشیا پران اپنی موجودہ شکل میں تاریخی لحاظ سے بالکل بیکار کتاب ہے۔ کیونکہ ان میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے۔ تاریخ کے لئے صرف متسیا۔ وایو اور برہمانڈ پران ہی کارآمد ہو سکتی ہیں۔ ان میں

[1] ایس۔ بی۔ ای۔ جلد ۳۵ صفحہ ۱۰ و صفحہ ۲۴۷۔
[2] انڈین انٹی کویری جلد ۲۵ (۱۸۹۶ء) صفحہ ۳۲۳ تا ۱۲۔

بعض باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی خاندانوں کا سنسکرت زبان میں لکھا ہوا حال جیسا کہ آجکل ان کتابوں میں پایا جاتا ہے دراصل پراکرت کی نظموں سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے باور کرنے کی بھی وجہ موجود ہے کہ یہ کتابیں سب سے قدیم زمانے میں کروشی خط میں لکھی ہوئی تھیں۔

مسٹر پرگیٹر کی رائے ہے کہ تاریخی مواد کی سنسکرت زبان میں ترتیب اندھر خاندان کے بادشاہ یجنسری کے عہد یعنے دوسری صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ اور یہ ترتیب ۲۶۰ء میں بھاوشیا پران میں داخل کرکے اس پر اور اضافہ کردیا گیا۔ ۳۱۵-۳۲۰ء کے درمیان بھاوشیا پران پر نظرثانی ہوئی اور وہ وایو پران کے نسخے میں شامل کردی گئی۔ اور پھر ۳۲۰-۳۲۵ء کے درمیان اس پر مکرر نظرثانی ہوئی۔ اور وایو کے دوسرے نسخے اور برہمانڈ میں شامل کی گئی۔ اور اس وقت سے پرانوں میں بھاوشیا کی تاریخی روایتیں محفوظ ہوگئیں۔ متسیا پران سے معلوم ہوتا ہے کہ بھاوشیا پران کی فہرستیں کسی قدر قدیم صورت میں محفوظ ہیں۔ جن کی تاریخ شاید تیسری صدی عیسوی کا آخری حصہ ہو۔

مسٹر پرگیٹر کی کتاب چھتیس مختلف نسخوں کے مطالعے پر مبنی ہے۔ اور اس وجہ سے اس قابل ہے کہ اس پر غور و فکر کیا جائے۔ انھوں نے بکثرت حوالے بھی دیئے ہیں۔

پران چوتھی صدی قبل مسیح میں۔ اس تمام بیان پر میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی صورت میں پران چوتھی صدی قبل مسیح ہی میں مستند سمجھی جاتی تھیں۔ ارتھ شاستر کا مصنف اتھروید اور اتیہاس کو چوتھی اور پانچویں وید مانتا ہے۔ (باب اول فصل ۳) اور بادشاہ کو صلاح دیتا ہے کہ تیسرے پہر کو اتیہاس کا مطالعہ کیا کرے۔ اس میں چھ چیزیں شامل ہیں۔ (۱) پران۔ (۲) اتیورت (تاریخ)۔ (۳) آکھیائک (حکایات)۔ (۴) اُداہرن (تمثیلات) (۵) دہرم شاستر اور (۶) ارتھ شاستر (باب اول فصل ۵)

ضمیمۂ ب

چینی جاتری

*

چینی نام: فاہیان

چند در چند وجوہ سے چینی ناموں کے لکھنے میں اس قدر دقّت واقع ہوتی ہے۔ کہ ان کو مختلف ہجّوں سے لکھا جاتا ہے۔ سب سے پہلے جاتری کا نام فاہین (لیگ)۔ ف۔ ہیان۔ (لیڈلے اور بیل) ف۔ ہسین (گائل اور ویٹرس)، لکھا جاتا ہے۔ فاہیان کی کتاب "فو۔کو۔کی" یعنے "بدھ مذہب کی سلطنتوں کے حالات" میں ۳۹۹ء سے لیکر ۴۱۴ء تک کے حالات ملتے ہیں[1]۔

فرانسیسی ترجمہ

فاہیان کی کتاب کا فرانسیسی ترجمہ ریموسٹ۔ کلپرو۔ اور لینڈرس نے ۱۸۳۶ء میں شایع کیا تھا۔ اور ۱۸۴۸ء میں اس ترجمے سے جے۔ ڈبلیو۔ لیڈلے نے انگریزی میں ترجمہ کر کے کلکتہ میں بغیر اپنا نام ظاہر کئے شایع کیا۔ اور بہت سے حاشیے اس پر زیادہ کئے۔ یہ اس وقت بھی اس قابل ہے کہ اس سے استفادہ کیا جائے۔

بیل کا انگریزی ترجمہ۔

بیل نے ۱۸۶۹ء میں "بدھسٹ پلگرمز" کے نام سے ایک بالکل نیا ترجمہ شائع کیا۔ مگر اس میں بیشمار غلطیاں تھیں۔ یہی ترجمہ ترمیم کے بعد "بدھسٹ ریکارڈ آف دی ویسٹرن ورلڈ" کی پہلی جلد میں شایع ہوا (ٹریو نبر۔ اورنیٹل سیریز ۱۸۸۵ء) مگر گذشتہ اڈیشن کے تمام حاشیے اس میں نقل نہیں کئے گئے تھے۔

گائل کا ترجمہ

گائل کا انگریزی ترجمہ ۱۸۷۷ء میں، لندن اور شنگھائی سے بیل کے دونوں ترجموں کے درمیان کے زمانے میں شایع ہوا۔ حاشیوں میں زیادہ تر بیل کے ترجمے پر سخت تنقیدیں ہیں۔ اور ان میں ایسی باتیں کم ملتی ہیں جن سے جاتری کے بیانات سے ہندوستان کے حالات کے اخذ کرنے میں مدد مل سکے۔ مگر مسٹر گائل کا

---

[1] ایم۔ چاوینز اس بات میں وٹمیٹر اور لیگ سے متفق ہے کہ فاہیان نے اپنا سفر ۳۹۹ء میں شروع کیا تھا۔ ۱۲

اب نایاب ترجمہ اس سبب سے ضرور قابل قدر ہے کہ وہ ایک نہایت لائق زبانداں کا بالکل اچھوتا ترجمہ ہے۔ اس کی بعض غلطیوں کو ویٹرس نے اپنے مضامین "فاہیین اور اس کا انگریزی مترجم" میں درست کر دیا ہے (چائنا ریویو۔ جلد ۸)؎

لیگ کا ترجمہ

ڈاکٹر لیگ کا نیا ترجمہ (آکسفورڈ کلیرنڈن پریس ۱۸۸۶ء) بہیئت مجموعی سب سے زیادہ کارآمد ہے۔ کیونکہ مصنف کو گذشتہ مترجمین کی کتابوں سے بھی مدد لینے کا موقع ملا ہے۔ مگر حاشیوں میں کچھ اور بڑھانے کی ضرورت باقی ہے۔ فاہیان کے سفرنامے کا آخری ترجمہ جس میں ایسی شرح بھی شامل ہو۔ جو ہندوستان اور چین دونوں کی تاریخی ضرورتوں کو پورا کر سکے ابھی تک نہیں ہوا۔ اور اصل یہ ہے کہ ایسے ترجمے کا صرف ایک شخص کی ہمت سے انجام پانا تقریباً محال ہے؎

ہیون سانگ کا نام

ہیون سانگ کے صحیح ہجّے کے متعلق تمام معاملہ زیر بحث رہا ہے۔ اور کسی زمانے کا کیا ذکر اب تک اس میں اختلاف باقی ہے[1]۔

مگر اب مسئلے کو پروفیسر چاؤینز کی رائے کے مطابق بالکل طے شدہ امر قرار دے لینا چاہئے۔ اس کا خیال ہے کہ اس نام کا تلفظ درحقیقت ہیون سانگ ہی ہے۔ اور پروفیسر ڈی لاکوپرے بھی اس سے متفق ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کتاب میں یہی نام استعمال ہوا ہے۔ مسٹر بیل کا مستعملہ نام ہیون سیانگ جس سے تمام انگریزی داں واقف ہو گئے تقریباً یہی ہے؎

جولین اور بیل کے ترجمے۔

ایم۔ جولین کی مہتم بالشان کتاب جس میں ہیون سانگ کی سوانح عمری اور سفرنامے کا فرانسیسی ترجمہ شامل تھا۔ اب تک بجائے خود لاجواب ہے۔ اگرچہ اب وہ بہت نادر الوجود ہو گئی ہے اور اس کا دستیاب ہونا مشکل ہے۔ (پیرس ۵۸-۱۸۵۳ء) مسٹر بیل کا کیا ہوا سفرنامے کا انگریزی ترجمہ

---

[1] ہیون سانگ کے نام کے اختلاف حسب ذیل ہیں:-

ہیودن تسانگ۔ (جولین اور دیہ) ہیون چانگ (میرس) یون چانگ (ویلی) ہیون سیانگ (بیل) یہون چانگ (لیگ) ہہیون سانگ (نجیو) یان چانگ (ریس ڈیوڈس)۔ یہ فہرست کامل نہیں ہے J. R. A. S. - 1892.

۱۸۸۵ء میں اُن جلدوں میں شایع ہوا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ۱۸۸۸ء میں اس کا سوانح عمری کا ترجمہ بھی شایع ہوا۔ اس پر حاشیہ زیادہ تر ڈاکٹر برگس کا لکھا ہوا ہے۔ تاریخ ہند کا لکھنے والا بعض دفعہ مجبور ہو جاتا ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی دونوں ترجموں کو کام میں لائے۔ دونوں ترجموں کی شرحیں اب پرانی ہو چکی ہیں۔ مگر یہ نقصان ایک حد تک مسٹر ڈ یٹرس کی کتاب نے پورا کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب "آن یون چانگس ٹریولز اِن انڈیا" دو جلدوں میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے ۱۹۰۴ء میں شایع کی۔ ہیون سانگ کی سوانح عمری اور سفرنامے کے قابل اعتبار مشرح ترجمے کے لئے علماء کی ایک جماعت کی ضرورت ہے جو ملکر کام کریں۔ اور اس فرض کو انجام دیں۔ اس کی کتاب "ثاٹانگ۔ ہسی۔ یو۔ چی" یعنے "ٹانگ زمانے میں مغربی ممالک کے حالات" اپنی ابتدائی صورت میں ۶۴۶ء میں شاہنشاہ چین کے سامنے پیش کی گئی۔ مگر موجودہ کتاب ۶۴۸ء سے قبل اُس کی تکمیل نہیں ہوی تھی۔ غالباً مصنف کی زندگی ہی میں یا اس کے کچھ بعد اس کے قلمی نسخے ابتدائی صورت ہی میں نقل ہوے اور لوگوں میں پھیل گئے۔ آج کل اس کی مختلف اڈیشن ملتی ہیں۔ جن میں نہ صرف متن میں بلکہ حاشیوں۔ شرحوں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ "ہن سشن" کی تالیف ہی شاید اب تک یورپ میں پہنچی ہے۔ اور یہ منگ زمانے کی مطبوعہ کتاب معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ویٹرس نے تین اور اڈیشنوں کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ اور زیادہ اہم اختلاف کو ظاہر کیا ہے (آن یون چانگ۔ باب اول) جاتری کے راستے کا پتہ ان نقشوں سے لگ سکتا ہے جو اس تاریخ کے مصنف نے ویٹرس کی کتاب کی دوسری جلد میں زیادہ کئے ہیں۔

باب ۱۰ – ۱۲ کی بیلے وقعتی۔ ناظرین کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہیون سانگ کے سفرنامے کے باب ۱۰ – ۱۱ – اور ۱۲ – شروع کے ابواب سے کہیں کم مستند ہیں۔ اس کے متعلق مسٹر ویٹرس کے خیال حسب ذیل ہیں:–

"حالات" کے بیان کے مطابق جاتری ملکوت سے سنگ کا یو یعنے لنکا کی طرف روانہ ہوا۔ مگر سوانح عمری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان ملکوں کے صرف نام اور حالات سنے تھے۔ اگر ہمارے پاس "حالات" کے سوا اور کوئی کتاب موجود نہ ہوتی تو ہم بڑے

شوق سے یہ ماننے کے لئے تیار ہو جاتے کہ وہ لنکا بھی گیا تھا۔ اور وہاں سے دراود واپس آیا تھا۔ مگر شاید یہ خیال زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس نے ملکوت اور لنکا کے حالات دراود میں سنے تھے یا کتابوں میں پڑھے تھے۔ دسویں اور گیارھویں باب میں بہت کچھ ایسی باتیں ہیں جو اصلی نہیں معلوم ہوتیں۔ اور یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ بعد کے قدیم نسخوں مثلاً سی (C) میں ان دو بابوں کا تالیف کرنے والا ہین۔چی کو نہیں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ دو باب معہ بارھویں باب کے "پی" کے لفظ سے ممیز کر دئے گئے ہیں۔ جس سے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشتبہ ہیں۔ اس لئے یہ ضروری نہیں معلوم ہوتا کہ سفرنامے کے اس حصے کی کہانیوں اور حکایتوں پر زیادہ محنت کی جائے" (جلد۔ دوم صفحہ ۲۴۳)

سنگ یون اور یوکنگ۔ سنگ یون اور یوکنگ کی چھٹی صدی کے ابتدائی حصے کی سفارت کے مختصر حال کا ترجمہ مسٹر بیل نے "ریکارڈس" کی پہلی جلد میں شایع کر دیا ہے۔ اس کے بعد ایم۔ چاؤنیز نے ایک ترمیم شدہ فرانسیسی ترجمہ معہ حاشیے کے شایع کیا ہے[۱]

اوکنگ کے سفرنامے کا جو آٹھویں صدی میں جاترا کے لئے آیا سلوین لیوی اور ایم۔ چاؤنیز نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہے[۲]۔

ساتویں صدی کے ساٹھ چینی جاتری ایم چاؤنیز نے ای سنگ کی کتاب کا ترجمہ بھی شایع کیا ہے۔ (پیرس ۱۸۹۴ء) اس سے بدھ مذہب کے ساٹھ جاتریوں کا حال معلوم ہوتا ہے جو ساتویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان آئے۔

ای سنگ ای سنگ جو ۷۱۳ء میں اناسی برس کی عمر میں فوت ہوا خود بھی ایک مشہور جاتری تھا۔ "یہ عظیم الشان راہب جو چین میں

---

[۱] دا انجنرری سنگ یون دینش لی ادیانا ایٹ لاگندھارا۔ (ہنوئی ۱۹۰۳ء) اس قابل قدر کتاب میں اور بھی قدیم جاتریوں کے حالات ملتے ہیں۔ جن میں چی۔منگ (بھی جو ۴۰۴ء میں فاہیان سے صرف پانچ سال بعد چین سے روانہ ہوا) اور فانینگ (جو ۴۲۰ء میں روانہ ہوا) کے نام بھی شامل ہیں۔ ۱۲ ۔ ؟

[۲] جرنل ایشیاٹک ۱۸۹۵ء۔ ۱۲ ؟

اتنا ہی مشہور ہے جتنا کہ ہیون سانگ۔ دراصل ایک عالم اور ان تمام چینی جاتریوں میں جن سے کہ ہم واقف نہیں ہیں سنسکرت داں شخص تھا۔ وہ سماٹرا میں ہندو مدرسوں میں ایک مدت تک رہا۔ اس کے بعد دس برس تک وہ نلندا کی مشہور و معروف جامعہ میں مقیم رہا۔ جہاں اس کو اس زمانے کے بہترین استاد ملے۔ اسی وجہ سے وہ سنسکرت کے پڑھانے اور اس زبان کے پورے تعلیمی نصاب سے جو اُس زمانے میں مروج تھا کامل طور سے واقف تھا۔ اور اسی لئے وہ اس کو نہایت صحت کے ساتھ بیان کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہ عجیب و غریب بیان اس کی کتاب "بدھ مذہب کی رسوم و رواج ہندوستان میں" کے چونتیسویں باب پر مشتمل ہے[۵] اس کی دلچسپ کتاب کا ترجمہ ڈاکٹر جے تکاکسو نے نہایت عمدگی سے کیا ہے۔ (آکسفورڈ۔ کلیرنڈن پریس ۱۸۹۶ء) یہ کتاب اگرچہ بدھ مذہب کی تاریخ اور سنسکرت کے علم ادب کے لئے بہت کافی ہوسکتی ہے مگر سیاسی تاریخ کیلئے بہت ہی کم مواد اس میں سے ملتا ہے۔

باب دوم

سکندر سے قبل کے خاندان

از سنہ ۶۰۰ ق م تا سنہ ۳۲۶ ق م

تاریخ سنین کے علم کے ساتھ محدود ہے۔ | ایک راسخ الاعتقاد ہندو کے لئے ہندوستان کی سیاسی تاریخ تین ہزار برس قبل مسیح سے اس وقت شروع ہوتی ہے جبکہ دریائے جمنا کے کنارے پر

---

[۵] بے۔ اینڈ۔ پروسیڈنگز اے۔ ایس۔ بی۔ سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۳۰۹۔ ۱۲۔

کورو اور پانڈو کے درمیان مہابھارت کی مشہور و معروف جنگ ہوئی[1] مگر موجودہ زمانے کے ایک نقاد مورخ کو ان نظموں میں کہیں صحیح معنوں میں تاریخ کا نام و نشان نہیں ملتا۔ اور اس کو مجبور ہونا پڑتا ہے کہ ایک طولانی زمانے کو نظر انداز کر دے۔ اور آخر میں اس زمانے میں پہنچے جب اس کو اصلی اور تحقیقی واقعات تاریخ کا پتہ لگ سکے۔ تاریخی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ واقعات ایسے ہوں جن کو سنین کے سلسلے میں لا سکیں۔ اور اگر پوری صحت کے ساتھ ان کی تاریخوں کا تعین نہ ہو سکے تو کم از کم ایسا تو ہو کہ وہ صحت کے نزدیک تر ہو جائیں۔ ایسے واقعات جن کی تاریخ نہ معلوم ہو سکے علم زبان۔ علم نسل اور دیگر علوم و فنون کے لئے شاید کارآمد ہو سکیں۔ مگر مورخ کے لئے کبھی مفید نہیں ہو سکتے۔ جدید تحقیقات نے ہندوستان کے زمانۂ قبل تاریخ کے متعلق بہت سی نہایت ہی کارآمد اور مفید باتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر ازبسکہ ان تمام باتوں کے سنین کا تعین یقین کے ساتھ نہیں ہو سکتا اس لئے مورخ کو مجبوراً انھیں پس پشت ڈال دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی حالت میں بھی اس حد سے باہر نہیں جا سکتا جو سنین معینہ اور غیر معینہ کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔

تاریخی زمانے کا آغاز

ہندوستان کی تاریخ اس حد بندی کے لحاظ سے اگر اسکے قدیم ترین زمانے کو لیا جائے تو ساتویں صدی قبل مسیح کے نصف سے ہوتی ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں کہ بحری تجارت کو ترقی ہوئی۔ اور جس میں غالباً رسم تحریر عام ہو گیا۔ اس وقت تک ہندوستان کے سب سے شایستہ باشندے بھی رسم تحریر سے بالکل ناآشنا معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان میں علم کے حاصل کرنے اور باقی رکھنے کا صرف یہی ذریعہ تھا کہ اپنی یادداشت پر بھروسہ کریں۔[2]

---

[1] کلجگ کا زمانہ ۳۱۰۲ ق م سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہ عشتر کے سن اور مہابھارت کی جنگ کا ایک ہی زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر بعض ہیئت داں اس جنگ کو چھ صدی بعد کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ (کننگھم "انڈین ایراس" صفحہ ۶-۱۳)۔ دیکھو فلیٹ کا مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۱ء صفحہ ۶۷۵ اور آر۔ شام شاستری "گوام آیانا" (میسور ۱۹۰۸ء) ۱۲-

[2] جے۔ کینیڈی کا مضمون "دی ارلی کمرس آف انڈیا وودھ بیبلون" ۸۰۰ ق م سے ۳۰۰ ق م۔

شمالی ہند کی سولہ سلطنتیں۔

اس زمانے میں ملک کے بہت بڑے بڑے حصوں میں گنجان جنگل تھے۔ جن میں یا تو وحشی جانور رہتے تھے۔ اور یا کہیں کہیں جنگلی آدمیوں کی بستیاں دکھائی دیتی تھیں۔ مگر اس وقت بھی شمالی ہند کے وسیع قطعات میں بے شمار صدیوں سے ایسی قومیں آباد تھیں جو کم و بیش شایستہ تھیں۔ اور زمانۂ قبل تاریخ میں شمال مغربی سرحد کے پہاڑوں کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہوئی تھیں۔ دراور قومیں جو غالباً ان قوموں کے مثل ہی متمدن تھیں۔ کب۔ کہاں سے اور کس طرح ہندوستان میں داخل ہوئیں۔ اور کس طرح بتدریج تمام دکن اور جنوبی ہند میں پھیل گئیں۔ ان تمام باتوں کا علم ہم کو بالکل نہیں۔ ہمارا تمام مبلغ علم اس قوی اور مضبوط قوم کی تاریخ تک محدود ہے جو ایک آریہ زبان بولتی ہوئی کوہ ہندوکش اور پامیر کی سطح مرتفع کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئی۔ اور پنجاب اور دریائے گنگا کے بالائی میدانوں کو ایک مضبوط اور قوی دماغ کی نسل سے معمور کر دیا۔ جو بلاشک و شبہ ملک کے اصلی باشندوں پر کہیں فوق رکھتے تھے۔ کوہ ہمالیہ سے لیکر دریائے نربدا تک کا تمام علاقہ متعدد خود مختار ریاستوں میں منقسم تھا۔ جن میں سے بعض تو بادشاہ کے ماتحت تھیں اور بعض میں جمہوری حکومت قائم تھی۔ یہ تمام سلطنتیں کسی بڑے شہنشاہ کے زیر اثر نہ تھیں۔ دنیا سے بالکل جدا تھیں اور اپنی مرضی سے آپس میں آزادانہ جنگ و جدال میں مشغول ہو سکتی تھیں سب سے قدیم ادبی روایتیں جو غالباً چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں جمع کی گئیں اور ان میں اس سے بہت قدیم زمانے کے حالات موجود ہیں۔ اس قسم کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۹۶ء صفحہ ۲۸۸۔۔۲۴۱)۔ بیوھلر۔ انڈین انٹی۔ جلد ۳۳۔ سنہ ۱۹۰۴ء ضمیمہ "آن دی اوریجن آف دی براہم اینڈ کھروشتی الیفبیٹ" مارنل۔ این ایپی گرافیکل نوٹ آن پام لیف پیپر اینڈ برچ بارک (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۶۹ حصہ اول۔ سنہ ۱۹۰۰ء) طرز تحریر ممکن ہے کہ آٹھویں صدی قبل مسیح میں یا اس سے بھی پہلے سوداگروں نے مغربی ایشیا سے حاصل کر کے پھیلایا ہو۔ وہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ شمالی ہند میں پھیلا جہاں یہ غالباً ساتویں صدی قبل مسیح میں عام طور پر مروج ہو گیا۔ مگر بہر حال صحیح سنین قائم کرنے کے لئے کوئی مواد موجود نہیں۔ مگر اتنی بات بالکل صاف ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح کے کتبوں کے لکھے جانے سے پہلے رسم تحریر ضرور عام ہو گیا ہو گا۔ ۱۲

سولہ مختلف سلطنتوں کے حالات بیان کرتی ہیں جو پنجاب کے انتہائے شمال مشرقی علاقے گندھارسے لیکر جو آجکل پشاور۔ اور راولپنڈی کے اضلاع شامل ہیں۔ اونتی یا مالوا تک جس کا دارالسلطنت اُجین تھا۔ اور وہی پرانا نام اب تک قایم ہے۔ پھیلی ہوئی تھیں[1]

مذہب اور تاریخ۔ قدیم ہندی مصنفین کی وہ کتابیں جن سے ہم اپنی تاریخ کا تمام مواد اخذ کرتے ہیں دراصل حقیقی معنوں میں تاریخ کے فن کی کتابیں نہیں بلکہ مذہبی مضامین پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں مذہبی عنصر ہر حالت میں زیادہ ہوتا ہے اور دنیاوی معاملات پر کم توجہ کی جاتی ہے۔ سیاسی تاریخ کے وہ واقعات جن کا ضمناً ان کتابوں میں ذکر آجاتا ہے۔ صرف ان ملکوں کے متعلق ہوتے ہیں جن میں ہندوستان کے مذاہب نے نشو ونما پائی ہو۔

جین مت اور بدھ مت۔ وہ مذاہب جو آجکل جین مت اور بدھ مت کے نام سے مشہور ہیں دراصل زمانۂ قبل تاریخ کے فلسفیوں کی فراموش شدہ موشگافیوں سے پیدا ہوئے تھے۔ لیکن جس صورت میں کہ وہ ہمارے سامنے آئے ان کے بانی وردھمان مہاویرا اور گوتم بدھ تھے۔ یہ دونوں فلسفی جو ایک مدت تک ہمعصر بھی رہے ہیں سلطنت مگدھ یا موجودہ جنوبی بہار کے علاقے میں یا اس کے قریب پیدا ہوئے۔ وہیں زندگی بسر کی اور وہیں مر گئے۔ مہاویر ویسالی کے جو دریائے گنگا کے شمال میں ایک مشہور شہر تھا ایک امیر کا بیٹا تھا۔ اور سلطنت مگدھ کے شاہی خاندان کا قریبی رشتہ دار تھا وہ موجودہ ضلع پٹنہ کے قریب پاوا مقام پر اسی سلطنت کے حدود میں فوت ہوا۔

گوتم بدھ اگرچہ انتہائے شمال میں نیپال[2] کی پہاڑیوں کے دامن میں

---

[1] ان کی مفصل فہرست کے لئے دیکھو رہس ڈیوڈس کی کتاب "بدھسٹ انڈیا" صفحہ ۲۳۔ اس کتاب کے پہلے دو باب میں پالی زبان کی کتابوں کے کامل حوالے ملتے ہیں۔ جن سے پانچویں اور چھٹی صدی قبل مسیح کی سلطنتوں اور قبائل کا حال معلوم ہوتا ہے۔ پروفیسر رہس ڈیوڈس ان پالی کتابوں کو دوسرے علما کی رائے کے برخلاف زیادہ قدیم بتلاتے ہیں۔ ۱۲۔

[2] ساکیا سلطنت جو موجودہ بستی اور گورکھپور کے اضلاع کے شمال میں واقع تھی اور کوسل

ساکیا ریاست کے حدود کے اندر پیدا ہوا۔ مگر اس نے مگدھ کے علاقے کے اندر گیا مقام پر اپنی تمام ابتدائی اور قابل یاد ریاضتوں کو پورا کیا۔ اور اس کے مذہب کی تبلیغ کا ایک زمانہ اسی سلطنت میں گزرا۔ اس لئے بدھ اور جین مذہبوں کی کتابیں ورجی اتحاد پر جس کا دارالسلطنت ویسالی[۵۱] تھا اور مگدھ اور اس کی ماتحت سلطنت ان کا (بھاگلپور) کے واقعات پر کچھ روشنی ڈالتی ہیں ؛

کوسل اور کاسی کوسل کی ہمسایہ سلطنت۔ یعنے موجودہ اودھ کا صوبہ بہت سے تعلقات کی وجہ سے مگدھ کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس کا دارالسلطنت سراوستی جو دریائے راپتی کے کنارے پر شمال میں پہاڑوں کے دامن میں واقع تھا۔ بدھ کی بہت سی وعظوں اور کتھاؤں کے لئے مشہور ہے[۵۲]؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ سلطنت کی ماتحت تھی" وہ مبارک ذات کوسلا کی رہنے والی تھی" (راک ہل کی کتاب " لایف آف بدھ" صفحہ ۱۱۳) دیکھو جاتک نمبر ۴۶۵ (کیمبرج کا ترجمہ جلد ۴ صفحہ ۹۲)۔ ۱۲ ؛

[۵۱] بساڑ۔ اور بکھیرا کا قریب کا موقع جو ضلع مظفر پور میں پٹنہ کے (۲۷) میل شمالی مغرب میں واقع ہے بلا شبہ وہ مقام ہے جہاں قدیم ویسالی کا شہر آباد تھا۔ (دی۔ اے۔ سمتھ " ویسالی" جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۶۷ سے صفحہ ۲۸۰ تک)۔ دیکھو ڈاکٹر بلاک کا مضمون " اکسکویشنز ایٹ بسار" آرکی آلوجی کلاسر دے رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲۲۔ ۸۱۔ ۱۲ ؛

[۵۲] لیکن اس بات کا نہ ماننا ذرا مشکل ہے کہ شمالی اودھ میں اضلاع گونڈا اور بھرائچ کی سرحد پر سہیٹھ مہیٹھ کے مقام پر جو کھنڈریائے جاتے ہیں وہ در اصل قدیم سراوستی ہی کے ہیں۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۶۸-۱۰۶۶) یہ بات اب بھی باقی رہجاتی ہے کہ یہ جائے وقوع فاہیان اور ہیون سانگ کے سفرناموں کے مطابق نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا موقعہ دریائے راپتی کے کنارے پر نیپال کی سرزمین میں بتاتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۰۲-۵۳۱ میں دکھایا ہے۔ اور نقشہ دیا ہے۔ (ایضاً سنہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۴-۱) میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ بغیر کسی عذر کے یہ نہیں مان سکتا کہ دونوں جاتریوں نے غلطی کی۔ اس بیان میں سراوستی کے قریب جن چار قصبوں کا ذکر ہے ویسے ہی چار قصبے سہیٹھ مہیٹھ کے قریب بھی پائے جاتے ہیں۔ زیادہ قابل ثبوت ہے۔ ۱۲ ؛

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی قبل مسیح میں کوسل کی سلطنت کی وہی قدر و منزلت تھی جو آخر میں مگدھ کو حاصل ہو گئی۔ اور وہ شمالی ہند کی سب سے عظیم سلطنت شمار ہوتی تھی۔ اور اسی وجہ سے حریف سلطنت کے پہلو بہ پہلو اس کا ذکر بھی آتا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تاریخی زمانے کے شروع ہی میں کاسی یا بنارس کی چھوٹی سلطنت کی خود مختاری سلب ہو چکی تھی۔ اور وہ کوسل کے ساتھ اس طرح ملحق ہو چکی تھی کہ اب اس کے تمام تعلقات اسی کے ساتھ وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ مختصر سی سلطنت صرف اسی وجہ سے مشہور نہیں کہ کوسل کی عظیم الشان ہمسایہ سلطنت سے اس کا تعلق تھا۔ بلکہ اس سبب سے بھی مشہور ہے کہ بدھ مذہب کی تاریخ میں وہ ایک سب سے پاک مقام ہے۔ اور وہ جگہ ہے جہاں بدھ نے اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور (۱) دھرم کے پہیے کو گھمایا تھا۔

سلطنت مگدھ کے بادشاہ۔ مگدھ کی سلطنت میں بنارس اور گیا کی جو شہرت راسخ الاعتقاد ہندوؤں میں ہے اس کی وجہ سے حاصل شدہ تاریخی مواد میں کچھ بہت زیادتی نہیں ہوتی۔ یہ تمام مواد جین اور بدھ مذہب کی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے۔ جن کو قدیم دیوتاؤں کے پوجنے والے کافر سمجھتے تھے۔ مگر پرانوں میں جو صدیوں بعد ان ہی دیوتاؤں کی مدح میں تالیف ہوئیں خوش قسمتی سے مگدھ سلطنت کے جو ان کی تالیف کے زمانے کے قبل ہی سے ہندوستان کا سیاسی اور مذہبی مرکز ہو گیا تھا۔ بدھ مذہب کے ادوار بادشاہوں کی فہرست محفوظ رہ گئی ہے۔ اس طرح جین۔ بدھ اور برہمنوں کے مذہب کی یہ سب کتابیں ملکر ہم کو مگدھ۔ انگا۔ کوسل۔ کاسی اور ویسالی کی تاریخ کے بہت سے حالات سے آگاہ کرتی ہیں۔ مگر ان کے علاوہ ملک کے اور سب حصوں کے حالات بالکل تاریکی میں رہ جاتے ہیں۔

سیسناگ خاندان پرانوں کی ان فہرستوں میں سب سے قدیم خاندان جو تاریخی

---

(۱) متسیا جو سب سے قدیم پران ہے موجودہ شکل میں غالباً تیسری صدی بعد مسیح کی تالیف ہے۔ اور وایو پران چوتھی صدی کے نصف اول کی۔ ۱۲۔

تقریباً ۶۰۰ ق م

حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے بانی خاندان سیشناگ کے نام پر سیشناگ کے خاندان کے نام سے مشہور ہے بظاہر وہ ایک چھوٹی سی ریاست کا راجہ یا بادشاہ تھا جس میں موجودہ زمانے کے اضلاع پٹنہ اور گیا شامل تھے۔ اس کا دارالسلطنت گیا کی پہاڑیوں کے قریب راج گیر (راج گریہ) کے مقام پر تھا۔ اس کے عہد کی تاریخ کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس نے اپنے بیٹے کو بنارس میں چھوڑا اور راج گیر کے قریب گیر یہ راج میں رہنے لگا۔ اس کے بعد کے دوسرے۔ تیسرے۔ اور چوتھے بادشاہوں کے بھی سوائے نام کے اور کچھ معلوم نہیں تو

بمبسار تقریباً ۵۴۳ ق م

سب سے پہلا بادشاہ جس کے کچھ حالات واقعی طور سے معلوم ہیں بم بسار یا سرنیک تھا۔ اور وہ اپنے خاندان کا پانچواں بادشاہ تھا۔ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے نیا راج گریہ قدیم قلعے کی پہاڑیوں کے سلسلے کے باہر شمال کی طرف تعمیر کرایا۔ علاوہ بریں اس نے انگا کی چھوٹی سلطنت کو جو مشرق میں آجکل کے ضلع بھاگل پور کے مقام پر واقع تھی۔ اور جس میں ضلع مونگھیر[1] شامل تھا اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیا۔ انگا کی سرزمین کا قبضہ مگدھ سلطنت کی اُس عظمت و شان کا جو اسے آئندہ صدی میں حاصل ہوئی پیش خیمہ تھا۔ اس طرح ہم بمبسار کو ہم حقیقتہً مگدھ سلطنت کی عظمت کا حقیقی بانی سمجھ سکتے ہیں۔ اس نے ہمسایہ سلطنتوں کے خاندانوں میں

---

[1] جیکوبی - انٹروڈکشن - جلد ۲۲ - ایس - بی - ای - راج گیر گیا سے شمال مشرق اور پٹنہ سے جنوب جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ان پہاڑیوں کے دائرے کے اندر کا نہایت ہی قدیم شہر روایت کے مطابق راجہ جرا سندھ نے آباد کیا تھا۔ اور کوسا گار پور کے نام سے مشہور تھا۔ اس وسیع جگہ کا بہترین حال مارشل نے اینوئل رپورٹ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا سنہ ۱۹۰۵-۶ میں لکھا ہے۔ اس میں اس نے گزشتہ مطبوعات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اور ایک عمدہ نقشہ بھی ساتھ لگایا ہے۔ مگر اس دلچسپ جگہ پر اب تک جتنی کچھ کہ تحقیقات ہوئی ہے برائے نام ہی ہے۔ پوری کھدائی کا کام شاید کئی برس میں ختم ہوگا۔ ہندوستان کے قدیم شہروں کے مخفی رازوں کو کھولنے کی ابھی بہت کم کوشش کی گئی ہے۔ ۱۲ ÷

شادی کرکے اس نے اور بھی اپنی قوت میں اضافہ کیا۔ ایک شادی اس نے کوسل کے شاہی خاندان میں کی اور دوسری ویسالی کی زبردست لکھوی خاندان میں اس موخر الذکر شاہزادی کا بیٹا اجاتستر تھا جو کونِک۔ یا کونیہ بھی کہلاتا ہے۔ یہی آخر میں۔ بم بسار کا ولی عہد مقرر ہوا۔ اگر ہمارے اسناد قابل اعتبار سمجھے جائیں تو بم بسار نے اٹھائیس برس حکومت کی۔ اور روایت ہے کہ اپنی حکومت کے آخر میں اس نے تمام شاہی طاقت کی باگ اپنے چہیتے بیٹے کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اور خود سلطنت سے دست کش ہوگیا۔ مگر نوجوان شہزادہ اپنے باپ کی موت کے لئے بےچین تھا۔ اور اتنا طویل انتظار نہ کرنا چاہتا تھا کہ فطرت اپنا کام آہستہ آہستہ کرے۔ نہایت قابل اطمینان شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پدرکشی کا مجرم تھا۔ اور یہ کہ اس نے اپنے باپ کو فاقہ دے کے ہلاک کرڈالا۔

دیودت بدھ مذہب کے راسخ الاعتقاد پیروؤں کی روایات کے مطابق بدھ کے چچازاد بھائی دیودت نے اس قبیح جرم پر اجاتستر کو اکسایا تھا۔ دیودت ایک بد اندیش نتفتنی اور شریر تفرقہ انداز ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔[۲] مگر اس الزام کے لگانے میں یہ بھی ممکن ہے کہ مقتدایان مذہب بھی شریک ہوں۔ دیودت نے یقیناً گوتم بدھ کی تعلیمات ماننے سے انکار کردیا تھا۔ اور گزشتہ بدھوں کی تعلیمات کو مرجح سمجھکر خود ایک مذہبی فرقے کا بانی ہوگیا تھا جو ساتویں صدی عیسوی تک باقی رہا۔[۳]

---

[۱] لکھوی قوم بدھ مذہب کی کتابوں میں بہت مشہور ہے۔ جین اسی قوم کو لچھکی کہتے ہیں (جیکوبی اس۔ بی۔ ای۔ جلد ۲۲ صفحہ ۲۶۶۔ تبتی تلفظ کے متعلق دیکھو انڈائنٹی۔ سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳۳۔ ۱۲۔

[۲] رہس ڈیوڈس کی "بدھسٹ انڈیا" صفحہ ۱۴۔ راک ہل کی "لائف آف بدھ" صفحہ ۹۰ و صفحہ ۹۴۔ ۱۲۔

[۳] فاہیان نے ان منکروں کو سنہ ۴۰۵ء میں سراوستی کے مقام پر دیکھا تھا۔ وہ کہتا ہے "دیودت کے پیروؤں کی ایک تعداد اب تک موجود ہے۔ وہ باقاعدہ طور پر گزشتہ تین بدھوں کے نام پر قربانی چڑھاتے ہیں۔ اور ساکیا منی کے نام پر نہیں چڑھاتے" (لیگ کا ترجمہ۔ سفرنامہ۔ باب ۲۲۔ اس واقعے کے متعلق تمام تراجم متفق ہیں) ساتویں صدی عیسوی میں ہیون سانگ نے

راسخ الاعتقاد لوگوں کے خیال کے مطابق فرقہ بندی بدترین گناہوں میں شمار ہوتی ہے۔ اور ہر زمانے میں مذہب کا وہ منکر جو اپنے حریف کے مقابلے میں ناکامیاب رہا ہو۔ فاتح فریق کی نگاہ میں بدترین خلایق ہو جایا کرتا ہے۔ غالباً دیودت کے بہت سے فتنہ و فساد کی حکایتوں کی اصلی غایت یہی امر ہو۔ اور اس کے ساتھ ممکن ہے کہ اپنے مربی کو اس کے باپ کے قتل کے لئے اشتعالک دینا بھی اسی قسم کی حکایتوں میں شامل ہو۔

اس میں بظاہر کوئی شک نہیں معلوم ہوتا کہ جین مت کا بانی وردھمان مہابیر اور آخری بدھ۔ گوتم۔ جو بدھ مت کا بانی ہوا بمبسار ہی کے عہد حکومت میں مگدھ کی سلطنت میں اپنے مذاہب کی تبلیغ کر رہے تھے۔ مگر ان روایات کے سنین کو واقعات سے مطابقت دینی مشکل ہے۔

مہابیر اور بدھ کی موت۔

جین مت کا بانی جو اجاتشتر کی ماں کا قریبی رشتہ دار تھا غالباً بمبسار کے عہد حکومت کے آخری زمانے میں فوت ہوا۔ اور گوتم بدھ کی موت اجاتشتر کی سلطنت کے آغاز میں مہابیر کی موت کے تھوڑی مدت بعد ہی واقع ہوئی۔ یہ باور کرنے کی وجہ موجود ہے کہ بدھ کی تاریخ وفات سنہ ۴۸۷ ق م یا اس کے قریب ہے[۱]۔

بدھ اور اجاتشتر کی ملاقات۔

جس وقت کہ اجاتشتر یا بقول جین کونک مگدھ کے تخت پر سنہ ۵۰۲ ق م یا سنہ ۵۰۰ ق م مسیح میں بیٹھا بدھ بلاشک و شبہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: سرسنورن۔ بنکال جین۔ دیودت کے پیروؤں کی تین خانقاہیں دیکھی تھیں۔ (بیل کی ریکارڈ۔ جلد ۲ صفحہ ۲۰۱۔ لائف صفحہ ۱۳۱) دیودت کے متعلق مفصل حالات راک ہل کی لایف آف بدھ میں ملیں گے۔ اور اسی کتاب میں اس کے فرقے کے ریاضت کے طریقے صفحہ ۸۷ میں درج ہیں۔ اشوک نے کنکمنی کے سٹوپ کی دو دفعہ مرمت کرائی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے بدھ مذہب کو اختیار کرنے سے ان لوگوں کی کم عزت نہیں کیجاتی تھی۔ ان گذشتہ بدھوں کی تعلیمات کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں۔ ان میں سے تین دراصل آسان تھے۔ یعنے کرکچند۔ ککمنی اور کاسیپ۔ ۱۲ تر

[۱] اختلاف سن کے متعلق دیکھو اس باب کے آخر میں ضمیمہ ج۔ ۱۲ تر

عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ اجاتستر نے کم از کم ایک مرتبہ ضرور اس سے ملاقات کی ہے۔

بدھ مذہب کی ایک قدیم کتاب میں بدھ کی اجاتستر سے ایک ملاقات کا نہایت ہی مفصل حال محفوظ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اجاتستر نے اپنے گناہ پر افسوس اور ندامت کا اظہار کیا۔ بدھ کو مانا اور اس نے اس کے گناہ کا کفارہ قبول کیا۔ اس حکایت کا آخری حصہ یہاں اس وجہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ اس بدھ مذہب کے خیال کے مطابق حکومت اور مذہب کا آپس میں تعلق معلوم ہوتا ہے۔

"اور جب یہ سب کچھ وہ کہہ چکا تو راجہ اجاتستر نے مقدس بزرگ سے کہا۔" اے بزرگ آپ کا یہ ارشاد بہت بجا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح کوئی شخص گری ہوئی چیز کو پھر اس کی جگہ پر رکھ دے۔ یا پوشیدہ راز کو ظاہر کر دے۔ یا راہ گم کردہ شخص کو سیدھے راستے پر لگا دے۔ یا اندھیرے میں چراغ لے آئے تاکہ آنکھوں والے گرد و پیش کی چیزوں کو دیکھ سکیں۔ بعینہٖ اسی طرح اے بزرگ مقدس بزرگ نے راستی کو کئی شکلوں میں میرے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب اے بزرگ میں مقدس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ اس کے دامن میں پناہ لوں اور سچائی اور سچے مذہب سے ہم آغوش ہو جاؤں۔ دعا ہے کہ وہ بزرگ مجھکو اپنا چیلا بنا لیں۔ ایسا چیلا جو آج کے دن سے لیکر تمام بقیہ زندگی ان ہی چیزوں کی پناہ میں گذارنا چاہتا ہے۔ اے بزرگ گناہ مجھ پر غالب آگیا۔ چونکہ میں کمزور۔ بے عقل اور غلط کار تھا۔ میں نے بادشاہت کیلئے اپنے پارسا باپ اور بادشاہ کو قتل کر دیا۔ دعا ہے کہ وہ مقدس بزرگ میرے اقرار جرم کو قبول فرمائیں گے۔ مجھے اپنے گناہ کا اعتراف ہے تاکہ میں آئندہ اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکوں۔"

"اے راجہ بیشک اس کام میں گناہ تم پر غالب آگیا۔ مگر اس لئے کہ اب تم خود اس کو گناہ سمجھتے ہو۔ اور سچائی سے گناہ کا اعتراف کرتے ہو۔ ہم اسکے متعلق تمھارے اعتراف کو قبول کرتے ہیں۔"

"کیونکہ اے بادشاہ۔ شرفا کی ریاضت کے متعلق یہ دستور ہے۔ کہ ان میں سے جو اپنے قصور کو قصور سمجھ لے اور پھر راستبازی سے اس کا اعتراف کرلے۔ وہ زمانۂ مستقبل میں اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔"

"جب وہ یہ سب کچھ کہہ چکا تو اجاتستر نے کہا کہ" اے بزرگ اب میں جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں بہت مصروف ہوں۔ اور کام بہت زیادہ ہے۔"

"اے راجہ جو تمہارے خیال میں اچھی بات ہے کرو۔"

"تب راجہ اجاتستر مقدس بزرگ کی گفتگو سے خوش وخرم ہو کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور مقدس بزرگ کو سلام کر کے اس کے دست راست کی طرف سے گذرتا ہوا باہر چلا گیا۔"

"اب مقدس بزرگ نے راجہ اجاتستر کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی بھائیوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ" اے بھائیو یہ راجہ سخت متاثر ہوا ہے۔ اور بہت غمگین تھا۔ اگر راجہ اس پارسا انسان اور پرہیزگار بادشاہ یعنے اپنے باپ کو ہلاک نہ کرتا تو اس کی راستی کی صاف شفاف آنکھ ضرور یہیں بیٹھے بیٹھے کھل جاتی۔"[1]

"یہ تھا جو مقدس بزرگ نے کہا۔ تمام لوگ اس کی باتوں سے خوش وخرم ہو گئے۔"

اس واقعے پر رائے مگر بھائیوں کی اس خوشی وخرمی میں شریک ہونا ذرا مشکل ہے۔ بدھ کی گفتگو میں ایسے بدترین گناہ کی ملامت کے لئے وہ زوردار اور خوفناک الفاظ نہیں ملتے جن کی اخلاق کے معلم سے امید ہونی چاہئے۔ اور ایک درباری کے طریق سے وہ بات پوری نہیں ہوتی۔ بہرحال تائب بادشاہ کی صدق دلی اور اس کے معترف ہونے کے متعلق ناظرین کا خواہ کچھ ہی خیال ہو۔ مگر بدھ مذہب کی روایتوں کے متفق ہونے سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب ضرور ہوا۔ اور واقعی اجاتستر نے تخت حاصل کرنے کے لئے اپنے باپ کو قتل کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جب لنکا کی تاریخیں ہمیں یہ بتلائیں کہ اس کے بعد بھی اور چار پدرکش بادشاہ ایک دوسرے کے بعد تخت پر بیٹھے اور آخر میں

---

[1] رہس ڈیوڈس نے سامنا پھالا سُترا سے ترجمہ کیا۔ (ڈائیلوگس آف بدھ ۱۸۹۹ء صفحہ ۹۴) اسی سُترا کا تبتی ترجمے کا راک ہل نے ترجمہ کیا ہے۔ (لائف صفحہ ۹۵)۔ یہ ملاقات بھرہت کے ستوپ پر منقش بھی ہے۔ (دیکھو کننگھم کی "ستوپا آف بھرہٹ" صفحہ ۱۶۔ اور رہس ڈیوڈس کی "بدھسٹ انڈیا" صفحہ ۱۴ و شکل ۲)۔ ۱۲۔

چوتھے کو اس کے وزیر نے خود اس کے رعایا کی مرضی کے موافق تخت سے اُتار دیا۔ تو ان واقعات کا ماننا باوجود اسکے کہ بعینہٖ اس قسم کے واقعات پارتھیا کی تاریخ میں ملتے ہیں۔ بالکل ناممکن ہو جاتا ہے[1]۔

کوسل کے ساتھ جنگ۔ وہ جرم جس سے کہ اس نے تخت حاصل کیا۔ قدرتی طور پر کوسل کے راجہ کے ساتھ ایک جنگ کا سبب ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس راجہ کی بہن یعنے بم بسار کی ملکہ نے اپنے شوہر کے غم میں جان دے دی۔ جنگ میں قسمت نے کبھی ایک فریق کا ساتھ دیا اور کبھی دوسرے فریق کا۔ اور ایک موقع پر کہا جاتا ہے کہ اجاتستر قید ہو کر اپنے دشمن کے دارالسلطنت میں بھیج دیا گیا تھا۔ آخر میں صلح ہو گئی۔ اور کوسل کی ایک شہزادی مگدھ کے راجہ سے بیاہی گئی۔ اس جنگ کے تمام واقعات تاریکی میں ہیں کیونکہ وہ مختلف حکایتوں میں اس طرح پوشیدہ ہیں کہ ان سے ان کا نکالنا بالکل ناممکن ہے۔ مگر غالباً اجاتستر نے کوسل کے بادشاہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ اس کے بعد کوسل کی خود مختار سلطنت کا پھر کبھی ذکر نہیں آتا۔ اور چوتھی صدی قبل مسیح میں وہ صریحاً مگدھ کی سلطنت کا ایک جزو قرار پا جاتی ہے[2]۔

ویسالی کی فتح۔ کوسل کی ذلت سے اس کی فتوحات کی حرص پوری نہ ہوئی اور اب اجاتستر نے دریائے گنگا کے شمالی حصے کو جسے آجکل ترہٹ کہتے ہیں۔ فتح کرنے پر کمر باندھی۔ اس میں اس وقت لکھوی قوم آباد تھی جو بدھ مذہب کی روایتوں میں بہت مشہور ہے۔ اور جو غالباً تبتی نسل سے ہے۔ اسی قوم کا اس علاقے میں دور دورہ تھا۔ یہ حملہ بالکل کامیاب ثابت ہوا۔ لکھوی قوم کا پائے تخت

---

[1] مہاونس۔ باب چہارم۔ پارتھیا کے بادشاہوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ اورو ڈیس۔ فراٹیس چہارم۔ فراٹیس پنجم۔ جنوبی بہار کی مقامی جین روایات اس کو پدر کشی کا مرتکب نہیں سمجھتیں۔ اور اس کی عہد حکومت کے متعلق کہتی ہیں کہ "اس نے ملک پر اسی سال اپنے باپ کے قوانین کے مطابق حکومت کی"۔ جو جین مذہب کا تھا۔ اور بھاگلپور وغیرہ میں بہت سی عمارتوں کا بانی ہوا

[2] انڈین انٹی کویری جلد ۳۱ (۱۹۰۲) صفحہ ۱۰۱

فتح ہوگیا۔ اور اس طرح اجاتستر اپنے نانا کی سلطنت کا مالک ہوگیا[1]۔ یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ اس فتح کے بعد بھی فاتح نے دم نہیں لیا بلکہ پہاڑوں کے دامن تک کا تمام علاقہ زیر کرلیا۔ اور یہ کہ اس وقت سے دریائے گنگا اور ہمالیہ کے درمیان کا تمام علاقہ مگدھ سلطنت کے ماتحت ہوگیا۔

پاٹلی پتر کی بنا۔ فاتح نے پاٹلی گاؤں کے مقام پر دریائے سون اور گنگا کے سنگم پر اپنی حریف لکھوی قوم کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اسی قلعے کے زیر پناہ ایک شہر کی بنیاد اس کے پوتے اُدّیا نے ڈالی۔ اس طرح جو شہر آباد ہوا تھا مع دوسری بستیوں کے جو مختلف زمانوں میں اس کے قریب پیدا ہوگئیں کسمپور۔ پشپپور یا پاٹلی پتر کے ناموں سے مشہور ہوگیا۔ اور اس نے بتدریج شان و شوکت اور وسعت میں اس قدر ترقی کی کہ موریا خاندان کے زمانے میں وہ نہ صرف مگدھ بلکہ تمام ہندوستان کا دار السلطنت بن گیا[2]۔

ساکیا کا قتل عام پہلے بیان ہوچکا ہے کہ بدھ اجاتستر کے عہد حکومت میں فوت ہوا۔ اور بقول جہاوِمس کے جو اور تفصیلوں کے لئے

---

[1] جین روایتوں کے مطابق اجاتستر کی ماں چلنا نامی۔ ویسالی کے راجہ چیتک کی بیٹی تھی۔ (دیکھو جیکوبی انٹروڈکشن۔ ایس۔ بی۔ ای جلد ۲۲) تبتی کتاب دُلو کے مطابق اس کی ماں کا نام واسوی تھا۔ اور وہ گوپال کی بھتیجی تھی۔ (راک ہل۔ لائف آف دی بدھ صفحہ ۶۳)۔ ۱۲۔

[2] کسمپور اور پشپپور دونوں نام مترادف ہیں۔ یعنے "گلزار شہر" پاٹلی کے معنے ایک قسم کے پھول کے ہیں۔ اس قلعے کا تمام حال بدھ مذہب کی کتاب "آزار عظیم" (مہاپارستان) میں درج ہے۔ جس کے تبتی ترجمے کا خلاصہ راک ہل نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ (صفحہ ۱۲۷) اُدّیا کے شہر تعمیر کرنے کا حوالہ وایو پران میں ملتا ہے۔ اشوک نے پاٹلی پتر کو باقاعدہ پائے تخت مقرر کرلیا۔ مگر اس کے دادا چندر اگپت کے زمانے میں ہی جب میگستھنیز اس کے دربار میں آیا اس کو بادشاہ کی سکونت کا شرف حاصل ہوچکا تھا۔) ہیون سانگ۔ بیل۔ ریکارڈ۔ جلد دوم۔ صفحہ ۸۵)۔ مختلف بادشاہوں کے پائے تخت غالباً ایک ہی جگہ پر واقع نہ تھے۔ ۱۲۔

قابل اعتبار نہیں۔ یہ واقعہ اس کی حکومت کے آٹھویں سال میں واقع ہوا[۱] اس کی موت کے کچھ عرصے قبل اس کے وطن کپل وستو کو کوسل کے راجہ وِرُودھک نے فتح کیا اور روایت کے مطابق بدھ کی قوم ساکیا کا نہایت بے دردی سے قتل عام کرایا۔ اور یہ تمام واقعات اس قدر خوارق عادات کی حکایتوں سے بھرے ہوئے ہیں کہ اسکی تفصیل پورے یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہوسکتی۔ مگر یہ تمام رنگ آمیزی ضرور ہے کہ واقعات ہی پر ہوئی ہو۔ اور ہم یہ مان سکتے ہیں کہ واقعی ساکیا کی قوم نے وِرُودھک کے ہاتھوں بہت مصیبت اٹھائی تھی[۲]

ایرانی فتوحات اگر سنین و تواریخ کا وہ سلسلہ جو اس کتاب میں استعمال کیا گیا ہے تقریباً صحیح ہو تو بھی بم بسار اور اجاتستر دارا گشتاسپ شاہ ایران کے (جس نے ۵۲۱ق م سے ۴۸۵ق م تک حکومت کی) ہمعصر سمجھے جاسکتے ہیں۔ دارا ایک نہایت ہی لایق بادشاہ تھا۔ اور اس نے اپنے افسروں کو مختلف مہموں پر روانہ کرکے ایشیا کے ایک بڑے حصے کو چھان ڈالا۔

تقریباً ۵۱۶ق م ان ہی میں سے ایک مہم ۵۱۶ق م کے بعد روانہ کی گئی تاکہ دریائے سندھ کے دہانے اور ایران کے درمیان بحری راستہ دریافت کرے۔ اس کے امیرالبحر سکائیلکس نے جو کیریا کے ایک

---

[۱] تبتی کتابوں کے مطابق بدھ اجاتستر کی جس نے ۳۲ سال حکومت کی۔ حکومت کے پانچویں سال فوت ہوا۔ (راک ہل۔ لائف آف دی بدھ صفحہ ۹۱ و صفحہ ۲۳۳)۔ مگر یہ تمام بیانات خواہ سیلون کی کتابوں میں پائے جائیں۔ اور یا دوسری کتابوں میں قابل اعتبار نہیں ہوسکتے۔ ۱۲۔

[۲] یہ حکایت بدھ مذہب کی ہر ایک کتاب میں پائی جاتی ہے۔ رہس ڈیوڈس (بدھسٹ انڈیا صفحہ ۱۱) نے پالی کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔ کپل وستو کے جائے وقوع۔ اور کھنڈرات کے متعلق دیکھو مکرجی اور وی۔ اے سمتھ کی کتاب "انٹی کوئیٹیز ان دی ترائی۔ نیپال" (کلکتہ سنہ ۱۹۰۱ء) یہ در اصل آرکیالوجیکل سروے رپورٹ۔ امپیریل سیریز کی جلد ۲۶ کا حصہ اول ہے۔ اور ہیسٹنگس کی انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ ۱۲ء

قصبہ کرینڈا کا رہنے والا تھا۔ گندھار کے علاقے میں پنجاب کے دریاؤں پر جہازوں کا ایک بیڑا تیار کرایا۔ اور وہاں سے بحر ہند کو عبور کرتا ہوا تیسویں مہینے میں بحیرۂ قلزم میں داخل ہوا۔ اس عجیب وغریب سفر کے تمام حالات بالکل ضائع ہو گئے ہیں۔ مگر یہ معلوم ہے کہ اس امیرالبحر نے جو خبریں اثنائے سفر میں جمع کیں وہ ایسی تھیں جن پر عمل کر کے دارا نے دریائے سندھ کے میدانوں پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے جہاز بحر ہند تک پہنچا دیئے۔ چنانچہ دارا کی فوج میں ہندی تیر اندازوں کا دستہ سب سے زیادہ قابل سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ پلاٹیا کے مقام پر مارڈونئس کی شکست میں شریک تھا۔ (۴۷۹ قم۔)۔

ہندی ستراپی

ہندوستان کا مفتوحہ حصہ ایک علیحدہ بیسویں ستراپی (یا صوبہ) بنایا گیا۔ اور وہ تمام ایرانی سلطنت میں سب سے زیادہ دولتمند اور آباد صوبہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا خراج ۳۶۰ تیلنٹ سونا۔ یا ۱۸۵ ہنڈرڈ ویٹ تھا۔ جو انگریزی سکے کے ایک ملین کے برابر ہوتا ہے۔ یہ خراج ایرانی سلطنت کے تمام ایشیائی صوبوں کے خراج کا ایک تہائی حصہ تھا۔ اگرچہ اس وقت اس صوبے کے صحیح حدود کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ مگر ہم کو یہ معلوم ہے کہ وہ ایریا (ہرات) اراکوسیا (قندھار) اور گندھیر یا (شمالی مغربی پنجاب) کے علاقے نہ تھے۔ اور اس لئے وہ دریائے سندھ کے گرد کا علاقہ ہوگا۔ یعنے کالاباغ سے سمندر تک کی تمام زمین جس میں تمام سندھ اور شاید دریائے سندھ کے مشرق میں پنجاب کا ایک بڑا حصہ تھا۔ لیکن اس زمانے کے دو سو برس بعد جب سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ تو دریائے سندھ ہندوستان اور سلطنت ایران کے درمیان حد فاصل تھا۔ اور سندھ اور پنجاب پر بیشمار ہندی راجہ حکمران تھے[1]۔

[1] سکائلکس کا بحری سفر (ہیروڈوٹس جلد چہارم صفحہ ۴۴) کتاب "پیریپلس" جو سکائلکس کے نام پر منسوب ہے اگرچہ حقیقت میں ۳۳۸ اور ۳۲۵ قم میں لکھی گئی لیکن اس میں ہندوستان کا ذکر نہیں۔ (دیکھو میلر کی جغرافیہ یونان جلد اول صفحہ ۱۱۔ اور صفحہ ۹۔ ۱۵۶)۔ پکٹیین سکے ملک کے شہر کس پپےٹائی روس کو جہاں سے سکائلکس نے اپنا سفر شروع کیا۔ ہیکاٹائس نے

زمانۂ قدیم میں دریاؤں کے راستے آج کل کے راستوں سے بالکل مختلف تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- ملک گندھر کاکس پے پیروس بیان کیا ہے۔ اس شہر کا موقعہ معلوم نہیں ہو سکتا اور اس وجہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ شہر کا اصلی نام کیا ہے۔ گندھر موجودہ ضلع پشاور اور گردونواح کے تھوڑے سے علاقے کا نام تھا۔ کس پے ٹائی روس یا کس پے پی روس کا کشمیر سے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کوئی تعلق نہیں۔ (دیکھو سٹائن کی راج ترنگنی۔ ترجمہ جلد دوم صفحہ ۳۵۳) ستر پیونکے متعلق دیکھو ہیروڈوٹس جلد سوم صفحہ ۱۰۶ – ۸۸۔ خصوصاً صفحہ ۹۴۔ ایوبک تیلنت کا وزن ۱۶ء۷۵ پاؤنڈ ہوتا تھا۔ اس طرح ۳۶۰ تیلنت = ۳۰ء۲۰ پاؤنڈ۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایک آؤنس چاندی کی قیمت ۵ شلنگ (یعنے ایک ساورن کا چوتھائی حصہ) یا چار ساورن فی پاؤنڈ ہو گی۔ اور چاندی اور سونے میں ۱۳:۱ کی نسبت ہو گی تو ۳۶۰ تیلنت ۱۰۷۸۲۷۲۱ ساورن ہونے چاہئیں۔ اور ایوبک تیلنت کا وزن بجائے ۸ء ۷۰ کے ۷۰ منی قرار دیا جائے تو وہ ہیروڈوٹس کے بیان کے مساوی نکلے گا۔ ۳۶۰ سونے کے تیلنت ۴۶۸۰ چاندی کے تیلنت کے برابر ہونگے۔ تمام ایشیائی صوبوں کا خراج بھی شامل تھا جس میں افریقہ کا چھوٹا سا صوبہ لیبیا۔ چاندی کے وزن میں ۷۶۰۵۴ تیلنت تھا۔ (دیکھو کننگھم کی کتاب ہندوستان قدیم کے سکہ جات صفحہ ۱۲ – ۱۴ – ۲۶ – ۳۰)۔

سنہ ۵۱۶ ق م کے بہستان کے کتبے میں ہندوستان ایرانی سلطنت کے صوبوں میں شامل نہیں۔ مگر اصطخر اور نقش رستم کے کتبوں کی فہرستوں میں شامل ہے۔ موخرالذکر کتبہ جو دارا کی قبر پر کندہ ہے سب سے زیادہ مفصل ہے۔ (دیکھو رالنسن کی کتاب ہیروڈوٹس جلد دوم صفحہ ۴۰۳۔ حاشیہ۔ اور جلد چہارم صفحہ ۲۰۷ و ۱۷۷)۔

دارا کی فوج میں ہندوستانی دستے کے حال کے لئے جو روئی کے کپڑے پہنے تھا اور بید کی کمانوں اور بید ہی کے تیر جن میں لوہے کے پیکان تھے مسلح تھا دیکھو ہیروڈوٹس جلد ہفتم صفحہ ۶۵۔ ہندوستانی سپاہیوں میں لوہے کا سنہ ۴۸۰ ق م میں استعمال قابل ذکر ہے۔

اور پنجاب اور سندھ کے وہ وسیع قطعے جو آج کل ویران اور غیر آباد پڑے ہیں کسی زمانے میں سرسبز و شاداب تھے[۱] یہی بات اس خراج کی عظیم تعداد کو سمجھانے کے لئے کافی ہے جو سلطنت ایران کو اپنے بیسویں صوبے سے وصول ہوتا تھا۔

تقریباً ۴۷۵ق م درسک۔

جب اجاتسترکی خونخوار زندگی ختم ہوگئی تو پرانوں کے بیان کے مطابق اس کا بیٹا درسک نامی اس کا جانشین ہوا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا اُودَیا[۲] تخت پر بیٹھا۔ بدھ مذہب کی کتابیں غلطی سے درسک کے درمیانی نام کو حذف کر جاتی ہیں۔ اُودَیا کو اجاتستر کا جانشین اور بیٹا بتلاتی ہیں۔ مگر درسک کے وجود اور اس کے راجہ مگدھ ہونے کا ثبوت بھاس کے ڈراما واسودت کے دریافت سے ملتا ہے جو شاید تیسری صدی بعد مسیح میں لکھا گیا۔ اور جس میں درسک کا ذکر ہے کہ وہ وتس کے راجہ اُدَیان۔ اور اونتی کا اجین کے راجہ مہاسین کا ہمعصر تھا۔[۳]

---

[۱] دیکھو ریورٹی کا مضمون سندھ کا دریائے مہران اور اُس کے معادن۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۸۹۲ء حصۂ اول۔ خصوصاً صفحہ ۳۰۱-۳۱۱-۳۴۰-۳۶۱-۳۷۵-۳۷۷-۴۲۵-۴۸۹) ۴۔

[۲] اُودیا کا نام پرانوں میں مختلف طرز پر لکھا ہے۔ مثلاً اُدَین۔ اُدَیاسَو۔ وغیرہ۔ بدھ مذہب والے اسے اُدَمی بھَدَّا (اُدَیسی بھَدَّرک) کہتے ہیں۔ اور اسے اجاتستر کا بیٹا بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ پرانوں کے مطابق وہ اجاتستر کا پوتا تھا۔ (دیکھو مہاؤمس باب ۴۔ ڈلو۔ راک ہل کی کتاب سوانح بدھ صفحہ ۹۱۔ اور رہس ڈیوڈس کی کتاب مکالمات (۱۸۹۹ء صفحہ ۶۸) وایو پران میں اُدَیا کا پاٹلی پتر۔ یا" اپنی سن جلوس کے چوتھے سال میں کسم پور کے دریائے گنگا کے جنوبی کنارے پر آباد" کرنے کا ذکر ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کسم بہت پرانا شہر یعنے کسمپور دریائے گنگا کے کنارے پر واقع تھا۔ اور زمانہ مابعد کے دارالسلطنت پاٹلی پتر سے بہت دور تھا۔ جو سون کے کنارے پر واقع تھا۔ ۱۲۔

[۳] مہاسین کی بیٹی راجہ اُدَیان کی ملکہ تھی جس کی سلطنت بعینہ کوسامبی کا علاقہ تھی۔ راجہ درسک کی بہن پدماوتی تھی۔ اور اونتی کے راجہ پرادیوت مہاسین کے بیٹے کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کے لئے اس کی خواہش کی تھی (دیکھو بی۔ ترجمہ واسودت

اُدیا وغیرہ تقریباً ۵۰۰سنہ ق م	اُدیا کی حکومت قیاساً ۵۰۰سنہ ق م میں شروع ہوئی۔ اسکے متعلق صرف یہی روایت ہے کہ اس نے پاٹلی پتر یا زیادہ صحیح طور پر کسمپور کو تعمیر کرایا۔
۴۶۷سنہ ق م	پرانوں کی فہرستوں کے مطابق اس کے جانشین نندِوردھن اور مہانندن ہوے۔ ان کے صرف نام ہی نام معلوم ہیں۔

اور کچھ اور حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ ان کا طولانی عہد حکومت۔ یعنے نندِوردھن کی چالیس یا بیالیس سال اور مہانندن کے تینتالیس سال۔ جو مجموعاً تراسی یا پچاسی برس کی مدت ہے۔ بظاہر غلط نہیں ہوسکتی۔ خاندان کے آخری بادشاہ مہانندن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک شودر یا نیچ ذات کی عورت سے اس کا ایک بیٹا مہاپدم نند نامی تھا۔ اس نے تخت کو غصب کر لیا اور اس طرح نند خاندان کا بانی ہوا۔

۳۷۲سنہ ق م	یہ واقعہ غالباً ۳۷۲سنہ ق م ہوسکتا ہے۔
نند خاندان۔	اس مقام پر پہنچ کے ہماری تمام سندیں فہم اور اعتبار کے قابل نہیں رہتیں۔ پرانوں کے مطابق نند خاندان نے صرف

دو پشت حکومت کی جس میں ایک مہاپدم تھا جو اٹھاسی برس حکمراں رہا۔ اور اس کے بعد اس کے آٹھ بیٹے جنھوں نے مجموعی طور پر صرف بارہ سال حکومت کی۔ اور جن میں سے پہلے کا نام سُکلپ تھا۔ جس کا نام مختلف طور پر لکھا جاتا ہے۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ جو علوم کے بین الاقوامی ماہواری رسالے میں شایع ہوا ہے۔ مارچ سنہ ۱۹۱۳ء) اس بات سے یہ پتہ لگتا ہے پران کی فہرستیں مہاومس کے پراگندہ اور پریشان بیانات سے کہیں زیادہ وقعت رکھتی ہیں۔ مگر پروفیسر جیکوبی مہاومس کو "بلاکم و کاست تاریخ ... میں بالکل نامل نہیں کرتے"۔ فاضل پروفیسر کہتے ہیں "پرانوں میں اجاتستر اور اُدیان کے درمیان ایک بادشاہ درسک وغیرہ کا نام مذکور ہے۔ اور یہ ایک صریح غلطی ہے۔ پالی کتاب میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے اُدیبھدر اجاتستر کا بیٹا اور غالباً اس کا جانشین بھی تھا۔ (ترجمہ مہاومس سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ li اور xli) مگر بدقسمتی سے یہ صاف بیانی اکثر جگہ غلط ہے۔ ۱۲۔

[1] پرانوں کے بعض قلمی نسخے مہاپدم کی حکومت کو صرف اٹھائیس سال بتاتے ہیں۔ مگر بظاہر

اس طرح یہ فرض کیا جاتا ہے کہ ان دو پشتوں نے سو برس حکومت کی جین مذہب والے اور بھی زیادہ عقل سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس خاندان کا زمانۂ حکومت ۱۵۵ برس بتلاتے ہیں۔ ان کے بعد بدھ مذہب والوں کی کتابیں مہاونس۔ دیپاونس۔ اور اسوکاودان ایسی متضاد اور پریشان حکایتیں بیان کرتی ہیں جن کا ذکر تک کرنا بالکل بیکار ہے۔ اس سے تمام حالات پر اور زیادہ تاریکی چھا جاتی ہے۔ "نو نندوں" کی تاریخ کو اس طرح تمام روایات میں خراب کرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ مگر اس وقت اس وجہ کے متعلق کسی قسم کا خیال ظاہر کرنا بھی مشکل ہے۔

یونانی بیانات یونانی اور رومی مورخین نے ہندوستان کے متعلق تمام معلومات مگزتھنیز یا سکندر کے ساتھیوں سے حاصل کیے تھے۔ اور اس طرح ہم ان کو ایسی ہمعصر شہادت مان سکتے ہیں جنھوں نے دوسرے کی باتیں بیان کی ہوں۔ یہ لوگ حقیقی تاریخ پر تھوڑی بہت روشنی ڈالتے ہیں جب سکندر دریائے ہائے فےسس پر آکر سنہ ۳۲۶ ق م میں رک گیا ہے تو ایک ہندی راجہ بھگل یا بھگیل نے اسے بتایا اور پورس نے اس کی تصدیق کی گنگیر دی اور پارسی قوم کا بادشاہ جو دریائے گنگا کے کنارے پر حکمراں تھا۔ اور اس کا نام جہاں تک کہ یونانی ان غیر مانوس الفاظ کو ادا کر سکتے تھے زندرامس یا اگرامیس تھا۔ اس راجہ کے متعلق مشہور تھا کہ اس کی فوج میں (۲۰۰۰۰) سوار (۲۰۰۰۰۰) پیادے (۲۰۰۰) رتھیں (۳۰۰۰) یا (۴۰۰۰) ہاتھی شامل تھے۔ کیونکہ بلا شک و شبہ پارسی قوم کا پایۂ تخت پاٹلی پتر میں تھا۔ اس لیئے یہ تمام خبریں جو سکندر کو دی گئیں صرف مگدھ کے راجہ کے متعلق ہو سکتی ہیں۔ اور مگدھ کا یہ بادشاہ ضرور دیسی روایتوں کے مطابق نند خاندان کا کوئی نہ کوئی راجہ ہوگا۔[۱] اس بیان کے مطابق راجہ اپنے مظالم اور اپنے کمینہ پن کی وجہ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ خاندان نے کل سو برس حکومت کی ۔۱۲۔

[۱] کرٹیس۔ باب نہم فصل دوم۔ اصلی کتاب کے نام پھگیلس کو بھگل سلوین لیوی کے بیان کے مطابق پڑھا گیا ہے (جرنل ایشیاٹک سنہ ۱۸۹۰ صفحہ ۲۳۹)۔ شمالی ہند میں بھگیلو نام اب بھی سننے میں آتا ہے۔ گنگرڈی اور پارسی اقوام کے نام بعض نسخوں میں بہت بگڑ گئے ہیں۔ (میک کرنڈل۔ اسکندر۔ حاشیہ Dd و Le)۔۱۲۔

بہت ہی بدنام تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک حجام کا بیٹا ہے۔ جس نے شاہی خاندان کے آخری بادشاہ کی ملکہ کے ساتھ تعلق پیدا کیا تھا۔ اور بالآخر بادشاہ کو قتل کر کے۔ اسکے بیٹوں کا سرپرست بننے کے بہانے سے ان پر قبضہ کیا اور آخر تمام شاہی خاندان کے افراد کو قتل کر کے تخت حاصل کر لیا۔ اس کے بعد اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا جو سکندر کے حملے کے وقت برسر حکومت تھا۔ اور "اپنے باپ کے آبائی پیشے سے زیادہ مناسبت رکھنے کی وجہ سے اپنی رعایا میں نہایت حقیر و ذلیل تھا"[۱]

ہندی روایات

یہ حکایت پرانوں کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے کہ نند خاندان کی ابتدا مشتبہ تھی۔ اور اس کی صرف دو پشتوں نے حکومت کی۔ سب سے قدیم پران میں نند خاندان کے پہلے بادشاہ مہاپدم کا ذکر اس طرح کیا جاتا ہے کہ "قسمت نے اس کی یاوری کی۔ اور اس کے حکمراں ہونے سے چھتری یعنے اعلیٰ ذات کے بادشاہوں کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور نیچ ذات یعنے شودروں کی سلطنت کا آغاز ہوا" کتاب مہاونس جس میں نند خاندان کے آخری بادشاہ کو "دھن" یعنے "دولت" کا خطاب دیا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے نند کو حریص اور لالچی ہونے کا الزام لگا رہی ہے۔ چینی جاتری ہیون سانگ بھی نند خاندان کے راجہ کو بہت دولتمند بیان کرتا ہے[۲]

---

[۱] اگرانیس (کرٹیس باب نہم فصل دوم) ترندراسس ڈائوڈورس باب ۱۷ فصل ۹۳) اس حکایت کے متعلق تمام ہندی اور یونانی روایتوں کو ایچ۔ایچ ولسن نے مدراراکشس کے دیباچے میں جمع کر دیا ہے۔ (تھیٹر آف دی ہندوز۔ جلد دوم صفحہ ۱۵۰ - ۱۱۹) ورہت کتھا۔ اور سنسکرت کے قلمی نسخے کی حکایتیں۔ محض کہانیاں ہیں۔ ۱۲۔

[۲] پاٹلی پترا کے پانچ ستوپ جو اشوک کے نام سے منسوب ہیں ایک اور روایت کے مطابق نند خاندان کے راجہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسکے خزانے سمجھے جاتے ہیں۔ (بیل۔ جلد دوم۔ صفحہ ۹۴) مدراراکشس ایکٹ اول میں چانکیا نند کی "حریص روح" کا نہایت حقارت سے ذکر کرتا ہے۔ ۱۲۔

خلاصہ تمام حالات کو خیال میں رکھ کے ہم تقریباً پوری صحت کے ساتھ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ نند خاندان کی ابتدا واقعی نیچ ذات سے ہوتی ہے۔ کہ اس نے اصلی بادشاہ کو قتل کر کے سلطنت حاصل کی۔ اور صرف دو پشتوں تک اس پر قابض رہے۔ ان غاصبوں کی فوجی قوت کی عظمت۔ جس کا ثبوت یونانی شہادت سے ملتا ہے۔ دراصل بم بسار۔ اور اجاتسترو کی فتوحات کا نتیجہ تھی جس کو ان کے جانشینوں نے بھی بظاہر جاری رکھا۔ مگر نند خاندان کی سلطنت کی حدود کا صحیح اندازہ نہیں لگ سکتا۔ اور نہ ان کے سنین کا تعین صحت اور یقین کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ دو پشتیں ایکسو پچاس برس تک قائم نہیں رہیں۔ اور قرینہ ہے کہ وہ سو برس تک بھی نہ رہی ہونگی۔ بہرحال ان کی صحیح مدت کا تعین ناممکن ہے[1]۔ پچاس برس کا زمانہ زیادہ قرین قیاس سمجھ کے اُس کو سنین کے سلسلے میں جگہ دیگئی ہے۔ کیونکہ سو برس کی مدت کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

چندرا گپت موریا کا عروج۔ ”نند“ خواہ وہ کوئی رمز ہو۔ اگر تعداد ان کی بلاشبہ نو تھی تو اس میں شک نہیں کہ ان کے آخری بادشاہ کو۔ چندرا گپتا موریا نے جو اس خاندان کا شاہزادہ ناجائز تعلق سے تھا تخت سے اُتار کے قتل کیا[2]۔ اس روایت کا ماننا کسی طرح دشوار نہیں کہ اس انقلاب میں معتول بادشاہ کے

---

[1] بادشاہوں کے دو پشتوں کا طویل ترین زمانے کا ذکر اڑیسہ کی تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چوڑ گنگ نے سک سن کے ۹۹۸ سے ۱۰۶۹ تک حکومت کی تھی۔ جو تقریباً ۱۰۷۶ء سے ۱۱۴۷ء تک کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس کے چار بیٹوں نے جو یکے بعد دیگرے اس کے جانشین ہوئے ۱۱۹۸ء تک حکومت کی۔ ان پانچ بادشاہوں اور دو پشتوں کی حکومت کا زمانہ (۱۲۲) برس ہوتا ہے (دیکھو ایم۔ ایم۔ چکرادرتی ”سنین مشرقی گنگ شاہان اڑیسہ“ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول۔ جلد ۷۲۔ ۱۹۰۳ء)

[2] کلنگا کے جین بادشاہ سری کھارویل مہامیگھ واہن کے ادیاگری کے کتبے میں نند راجہ کا دو دفعہ ذکر آتا ہے۔ یہ کتبہ جو بدقسمتی سے بہت ناقص ہے اس بادشاہ کے عہد حکومت کی تاریخ ہے۔ جس نے اپنے جلوس کے دوسرے سال ساتاکنی (اندھر بادشاہ) کے علی الرغم مغرب کی طرف ایک فوج

تمام عزیز تہ تیغ کیے گئے۔ کیونکہ مشرق میں ایسے انقلاب بغیر بے انتہا خونریزی کے نہیں ہوتے۔ علاوہ بریں یہ بیان بھی ناقابل اعتبار نہیں کہ غاصب پر تمام شمالی قوتوں نے جن میں کشمیر بھی شامل تھا۔ متحد ہو کر حملہ کیا تھا۔ اور یہ حملہ چندر اگپتا کے میکولی قسم کے وزیر کی سازشوں کی وجہ سے بالکل ناکام رہا۔ اس وزیر کا نام مختلف طور پر چانکیا۔ کوٹلیا۔ یا وشنو گپتا بیان کیا جاتا ہے۔ مگر تفصیل کے متعلق ہم کو اپنی صرف واحد سند پر اعتماد کرنا مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ڈراما واقعات مذکورہ سے صدیوں بعد کا لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح ان عجیب وغریب حکایتوں کا اعادہ بالکل فضول ہوگا جو زیادہ تر دنیا کی عام کہاوتوں میں شامل ہیں۔ اور مختلف کتابوں میں ہو بہو مذکور ہیں۔ اور اُن میں یہ بیان ہے کہ ہندوستان کے پہلے شاہنشاہ چندراگپتا کی پیدائش اور جوانی کے زمانے میں بہت سے خوارق عادات ظہور میں آئے تھے[۵۱]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- روانہ کی۔ اور پانچویں سال میں پانی کے اُس راستے کی مرمت کی جو نند راجہ یا راجاؤں کے وقت سے (۱۰۳) برس سے بالکل استعمال نہ ہوا تھا۔ نند راجہ کے متعلق دوسرا حوالہ ذرا مجمل ہے۔ (۱۰۳) برس کا ذکر ہی سنین کے متعلق بڑا اہم امر ہے۔ اس کے سوا اس کتبے میں اور کوئی تاریخ نہیں پائی جاتی۔ اس کتبے کا نہایت ہی قابل اطمینان بیان پروفیسر لیوڈرس نے ایپی گریفیکا انڈیکا جلد دہم ضمیمہ صفحہ ۱۶۰ میں "فہرست کتبہائے براہمی" کے مقام پر کیا ہے۔ اس نے گذشتہ شرحوں اور ترجموں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اگر ہم ۳۲۲ سنہ ق م نند خاندان کی آخری تاریخ فرض کر لیں تو کھارویل کا پانچواں سن جلوس (۱۰۳) برس بعد یعنے ۲۱۹ سنہ ق م میں ہوگا اور اس کی تخت نشینی کی تاریخ ۲۲۳ سنہ ق م قرار پائیگی۔ اس طرح ساتاکنی اس وقت برسر حکومت ہوگا۔

سرجی۔ گیرسن سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ نند خاندان کے راجہ برہمنوں کے سخت دشمن مشہور تھے۔ اور اسی وجہ سے سنین کے شمار میں بارھویں صدی عیسوی میں چاند شاعر نے ان کی مدت حکومت کو سنین کے شمار میں داخل نہیں کیا۔ اس نے "انند" (یعنے بغیر نند) بکرم سنین کا استعمال کیا جو معمولی حساب سے نوّے۔ یا اکانوے سال کم ہوتا ہے۔ نند کا لفظ معلوم ہوتا ہے کہ "نو" کے مرادف کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ (۹۰ — ۱۰۰ — ۹۱) - ۱۲ -

[۵۱] مدرا راکشس کے ڈرامے میں اس انقلاب کا نہایت ہی مفصل اور دلچسپ حال موجود ہے۔ علماء کا خیال تھا کہ یہ ڈراما ساتویں صدی عیسوی کا ہے (رپیسن۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۰ء)۔

چندراگپت کی تخت نشینی

مگدھ کے تخت پر اس کا سن جلوس بالکل صحت کے ساتھ ۳۲۲ق م قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس زمانے میں مگدھ کے راجہ کی سلطنت وسیع تھی۔ اور یقینی طور پر اس میں ان قوموں کے علاقے شامل تھے جنھیں یونانیوں نے پارسی۔ گنگریڈی لکھا ہے۔ اور غالباً کوسل۔ ترہوت یا شمالی بہار۔ اور بنارس کی سلطنتیں بھی اس کے ساتھ ملحق تھیں۔ پاٹلی پتر کے اس انقلاب سے تین یا چار برس پہلے سکندر اعظم طوفان برق و باد کی طرح پنجاب اور سندھ میں سے گذرا تھا۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت چندراگپتا جو بالکل جوان تھا عظیم الشان مقدونی سے ملا تھا[۱۵]۔ بہر حال یہ حکایت خواہ صحیح ہو یا غلط۔ اور میرے نزدیک اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اتنا یقینی ہے کہ ۳۲۳ق م میں سکندر کی وفات کے بعد جو فتنہ و فساد برپا ہوا اس نے نوجوان چندراگپتا کو اپنے لئے ہاتھ پیر مارنے کا موقع دیا۔ وہ پردیسیوں کے برخلاف دیسی بغاوت کا سرغنہ ہو گیا۔ اور بہت سی مقدونی افواج کو برباد کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ صفحہ ۵۳) جیکوبی نے یہ دیکھکر کہ بعض قلمی نسخوں میں چندراگپتا کے بجائے اونتی ورمن شاہ کشمیر کا نام مندرج ہے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ یہ اسی بادشاہ کے سامنے ۲۔ دسمبر ۸۶۰ء کو دکھایا گیا تھا۔ (دی انڈین اورنٹیل جرنل۔ جلد دوم ۱۸۸۸ء صفحہ ۲۱۲) مگر ہلبرنٹ۔ سپیر۔ اور ٹامانی اس کو بہت قدیم مانتے ہیں۔ اور ان کا یقینی خیال ہے کہ پنچ تنتر کے قدیم ترین نسخے اور بھرتری ہری سے جو ۶۵۱ء میں فوت ہوا۔ یہ کتاب زیادہ قدیم ہے۔ یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ ممکن ہے کہ ڈراما چندرگپت ثانی کے زمانے میں ۴۰۰ء کے لگ بھگ لکھا گیا ہو۔ میں پروفیسر ہلبرنٹ سے متفق ہوں کہ مصنف نے "اپنے ڈرامے کو بہت کچھ صحیح اور اصلی درباری روایتوں پر مبنی کیا ہے"۔ ٹامانی کے بیان کے متعلق دیکھو جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰۹-۱۲۔

[۱۵] پلوٹارک۔ سوانح سکندر باب (۶۲)۔ پلوٹارک کے الفاظ یہ ہیں:۔ اندراکوٹس جو اس وقت بالکل جوان تھا۔ خود سکندر سے ملا۔ اور بعد میں کہا کرتا تھا کہ سکندر بڑی آسانی سے تمام ملک پر قبضہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ راجہ کی رعایا اسکی فطرتی ظلم و جور اور اسکی کمینہ اصل کی وجہ سے اس سے متنفر تھی۔ اور اسے حقیر سمجھتی تھی۔ (ملک کرنڈل۔ ترجمہ)۔ ۱۲۔

ہماری سندوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی نند خاندان کی بربادی دریائے سندھ کی پرےلیوں کے علاقے کے حملے سے پہلے واقع ہوئی۔ یہ انقلاب ایک لمحے میں کامل نہیں ہوا۔ کیونکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تمام منزلیں اور مرحلے طے کرنے میں کم سے کم ایک سال گذرا ہوگا۔ جب تمام مخالفت کا بزور شمشیر یا دھوکہ اور فریب سے خاتمہ ہوگیا۔ تو چندرا گپتا عین ایام شباب میں تمام شمالی ہند کا بادشاہ بن کر نمودار ہوا۔ مگر قبل اس کے کہ ہم چندرا گپتا اور اس کے ان جانشینوں کے حالات بیان کریں جو مگدھ کے تخت پر بیٹھے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم "فلپ کے جنگجو بیٹے" کے ہندی حملے کی تاریخ بیان کردیں ؛

ضمیمہ ت

سنین خاندانہائے سیس ناگ و نند

امور متعینہ اگرچہ ممکن الحصول مگر متفرق روائتی مواد سے سیس ناگ اور نند خاندانوں کے سنین کا تعین صحت کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ مگر پھر بھی میں یہ خیال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ صحت کے قریب تر درجہ حاصل کرلیا جائے۔ وہ متعینہ امر جس سے کہ گذشتہ زمانے کا حساب لگایا جاسکتا ہے چندرا گپتا موریا کا سن جلوس یعنے ۳۲۲ء ق م ہے جو یقیناً بالکل درست ہے۔ یا غلطی کا امکان صرف تین سال کے اندر محدود ہے۔ دوسرا امر متعینہ سیس ناگ کے دس بادشاہوں کی فہرست ہے جو پرانوں یعنے متسیا اور وایو کے قدیم ترین تاریخی سندوں میں ملتی ہے۔ ان کی صحت کا ثبوت چند اور شہادتوں سے بھی ہوتا ہے۔ تیسرا امر بدھ کا اغلب ترین سن وفات ہے ؛

عہد حکومت کی مدت۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ سیس ناگ کے خاندان میں دس بادشاہ ہوئے۔ لیکن پران نے اس خاندان کے عہد حکومت کی بہیئت مجموعی یا انفرادی طور سے جو مدت قرار دی ہے وہ

وہ ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ طولانی سلسلے میں ایک پشت کے لئے پچیس سالہ اوسط شاذ و نادر ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اوسط اور بھی زیادہ اس وقت شاذ ہوجاتی ہے جب کہ ہم ایک پشت کی جگہ مختلف عہد حکومت پر نظر رکھیں۔

تاریخ انگلستان میں دس بادشاہوں یعنے چارلس ثانی سے لیکر ملکہ وکٹوریہ تک کا عہد حکومت اگر چارلس ثانی کو ہم اس کے باپ کی موت ہی سے بادشاہ قرار دے لیں تو سنہ ۱۶۴۹ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک صرف ۲۵۲ برس کا ہوتا ہے۔ اس میں ملکہ وکٹوریہ اور جارج ثالث کی طولانی حکومتیں بھی شامل تھیں۔ اس لئے ۲۵۲ برس کی اوسط کو بڑی سے بڑی مقدار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے سیس ناگ کے خاندان کا عرصۂ حکومت زیادہ سے زیادہ ۲۵۲ برس ہی ہو سکتا ہے۔ پرانوں کی تعداد یعنے (۳۲۱) (متسیا کی) اور (۳۳۲) (وایو کی) جو مختلف بادشاہوں کے عہد حکومت کو جمع کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس قابل ہے کہ اسکو بلا تامل ناممکن قرار دے کر رد کر دیا جائے۔ متسیا کا بیان ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔ "یہ دس سیس ناگ (خاندان) کے بادشاہ ہوں گے سیس (۳۶۰) برس تک جاری رہیں گے اور چھتریوں کے بادشاہ رہیں گے"۔ مسٹر پرگیٹر تجویز کرتے ہیں کہ (۳۶۰) کے بجائے (۱۶۳) پڑھا جائے۔ اگر یہ تاویل قبول کرلی جائے تو ہر ایک بادشاہ کی حکومت کا اوسط ۱۶٫۳ پڑتی ہے۔ اس حالت میں بدھ کو (سن وفات تقریباً سنہ ۴۸۷ ق م) بمبسار اور اجات شتر کا ہمعصر ثابت کرنا ناممکن ہوگا۔ مگر بہرحال یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ خاندان دو صدیوں سے زیادہ قائم رہا۔

سن کی پیشیں حدود جیسا کہ نفس کتاب میں بیان ہوا ہے نند خاندان کی دو پشتوں کے لئے (۱۰۰) یا (۱۵۵) برس کی مدت جو بداہتاً مذکور ہے۔ قابل تسلیم نہیں۔ دفع الوقتی کے لئے پچاس برس قرین عقل مدت قرار دیجا سکتی ہے۔ اس طرح سیس ناگ اور نند خاندانوں کے لئے مجموعاً (۳۰۲) (۵۰ + ۲۵۲) برس کی مدت قرار پاتی ہے۔ اور سن متعینہ (سنہ ۳۲۲ ق م) سے پیچھے کی طرف شمار کرنے سے سنہ ۶۲۴ ق م کا سن پہلے بادشاہ سیس ناگ کے لئے سب سے قدیم تاریخ تسلیم کیجاتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اصلی تاریخ شاید یا ضرور اس کے کچھ بعد ہوگی۔

کیونکہ یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ بارہ حکومتوں (یعنے دس سیس ناگ اور دو نندوں) کی اوسط (۱۶ء ۲۵) برس ہو۔

قرین قیاس اصلی عہود حکومت۔

پانچویں اور چھٹے بادشاہ بم بسار یا سرینک۔ اور اجاتستر یا کونک۔ کی عہد حکومت اس وجہ سے اچھی طرح یاد رہیں کہ ان میں تاریخ مذہب کے متعلق محاربے اور معرکے پیش آئے۔

اس لیئے ہم فرض کرسکتے ہیں کہ ان حکومتوں کے زمانے کی تعداد کم و بیش صحت کے ساتھ یاد رہی ہوگی۔ اور اس طرح ہم وایو اور متسیا کی اس شہادت کو قبول کرنے میں حق پر ہیں کہ بم بسار نے اٹھائیس برس حکومت کی تھی۔

اجاتستر کا عہد حکومت مختلف پرانوں میں پچیس یا ستائیس سال اور تبت اور لنکا کی بدھ مذہب کی روایتوں میں بیس برس بتایا گیاہے میں سب سے قدیم پران یعنے متسیا کی فہرست کی صحت کو مان کر اس کی مدت حکومت کو ستائیس سال قرار دیتا ہوں۔ درسک کا اصلی وجود (جس کو متسیا نے غلطی سے وَنسک لکھا ہے) بھاس کے ڈرامے "واس وَدَت" سے ثابت ہوچکا ہے۔ متسیا کی فہرست کے مطابق اس کا عہد چوبیس سال کا قرار دیا جاسکتا ہے۔ اودیا جس کا ذکر بدھ مذہب کی کتابوں میں آتا ہے۔ اور جس کے متعلق روایت ہے کہ اس نے پاٹلی پتر کو تعمیر کیا پرانوں میں اس کا عہد حکومت بتیس برس کا قرار دیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے۔

وایو اور متسیا نویں اور دسویں بادشاہوں کے لیئے ایک دوسرے کے بعد بچاسی اور تراسی برس کا عرصہ قرار دیتی ہیں۔ مگر یہ اعداد خلاف قیاس ہیں۔ اور یہ بھی خلاف قیاس ہے کہ ان دو حکومتوں نے پچاس برس سے زیادہ کا زمانہ لیا ہو۔ اس لیئے (۴۰) کے عدد کو صحیح تسلیم کیا گیاہے۔

جہاں تک شہادت سے ثبوت ملتاہے۔ اور در اصل یہ ثبوت کچھ توی نہیں۔ یہ معلوم ہوتاہے کہ آخری حکومتوں کی مدت طبعی عدد سے بہت زیادہ تھی۔ اس لیئے ہم فرض کرسکتے ہیں کہ شروع کی چار حکومتیں جن کے متعلق ہم کو کچھ علم نہیں مقابلتہً قلیل مدت کی تھیں۔ اور مجموعی طور پر ستر یا اسی برس سے زیادہ نہ ہونگی۔

اگر فرض کر لیں کہ یہ حکومتیں بھی طولانی تھیں تو خاندان کی مجموعی مدت جس کے آغاز کا سن ۳۶ھ ق م یا اس سے ذرا قبل ٹھا بے طرح زیادہ ہو جاتی ہے۔

مہاویرا اور گوتم کی روائتی سنین۔ بہت سی مفصل روایتوں کے موجود ہونے سے جو محض لایعنی حکایتیں ہی نہیں۔ یہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ مہابیر۔ جین مت کا بانی اور گوتم بدھ ایک بہت زمانے تک ایک دوسرے کے ہمعصر رہے تھے۔ اور بمبسار اور اجاتستر کے معاصر تھے[1]۔ روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مہابیر بدھ سے پہلے فوت ہوا تھا۔ ان دونوں بانیان مذہب کی موت ہندوستان کی تاریخ مذاہب کے نہایت ہی روشن زمانوں کا آغاز ہے۔ اور مذہبی مصنفین سنین کے ظاہر کرنے کے لئے اسکے برابر حوالے دیتے ہیں۔ اس لئے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ ان دونوں واقعات کے روایتی سنین فوراً خاندانی سنین کا پتہ اور سراغ دیں گے۔ مگر متضاد روایتوں پر غور کرنے سے مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ مہابیر کی وفات کا سب سے زیادہ مشہور سن یعنے ۵۲۷ء (۵۲۷-۶ھ) ق م محض بہت سے روایتی سنین[2] میں سے ایک ہے۔

---

[1] جیکوبی۔ مقدمہ ایس۔ بی۔ ای۔ جلد ۲۲-۴۵۔ کونیا (اجاتستر کی ملاقات کا ذکر جین کتاب "اُواسگ دَسَاؤ" صفحہ ۹ میں (ببلوتھیکا انڈکا مصححہ و مترجمہ ہارنل)۔ اور بدھ مذہب کی کتاب ڈلوہیں (راگ ہل۔ سوانح بدھ صفحہ ۱۰۴) میں پایا جاتا ہے۔ یہ حوالے ڈاکٹر ہارنل نے براہ عنایت مجھے بتلائے ہیں۔ ۱۲۔

[2] برگیس۔ انڈین انٹی کویری۔ جلد دوم صفحہ ۱۳۹۔ ہارنل (انڈ۔ انٹی۔ جلد ۲۰۔ صفحہ ۳۰) جین کی متضاد سنین پر بحث کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ اگرچہ ڈگمبر اور سوتیامبر دونوں فرقے مہاویر کی موت کے واقعے کو ۶۰۵ء قبل بکرمی کے بتلاتے ہیں جس کا سن ۵۸ء ق م میں شروع ہوا۔ مگر فرقہ ڈگمبر بکرم کی پیدائش سے اور سوتیامبر اس کے سن جلوس سے اپنی تاریخوں کا شمار شروع کرتے ہیں۔ کتابوں میں معلوم ہوتا ہے کہ ۵۵۱ھ یا ۵۴۳ھ یا ۴۶۷ھ ق م۔ روایتی تاریخ مانی جا سکتی ہے۔ جین کے سنین کے متعلق دیکھو۔ انڈ۔ انٹی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۳۶۳ + جلد ۹۔ صفحہ ۱۵۸ + جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۵ + جلد ۱۳ صفحہ ۲۷۹ + جلد ۲۱ صفحہ ۵۷ + جلد ۲۳۔ صفحہ ۱۶۹ + خاص طور پر اس

اور یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ جین روایات کو آپس میں یا چندر اگپتا کی تقسیم بھی صحت کے ساتھ دریافت شدہ تاریخ کو کسی طرح مطابقت دی جا سکے۔

سن وفات۔ بدھ ۴۸۷ ق م۔

بدھ کی وفات[۱] کے واقعے کی تاریخ کا اختلاف اس قدر ہے کہ وہ شمار نہیں ہو سکتا۔ مگر تین بالکل مستقل دلیلوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقریباً صحیح تاریخ ۴۸۷ ق م یا ۴۸۶ ق م ہے:-

(۱) نقطوں سے شمار کا دفتر جو کینٹن میں ۴۸۹ ق م تک رکھا گیا ہے۔ اس سن تک (۹۷۵) نقطے ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنے ۴۸۹ - ۹۷۵ = ۴۸۶ کے (ٹکلس۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۱)

(۲) سوانح وَسُبَندُھ کے مصنف پَرَمارتھ نے ورش گن۔ اور وندھیا واس دو مبلغوں کا موجود ہونا۔ جو دراصل پانچویں صدی عیسوی میں زندہ تھے۔ نروان کے دس صدی بعد بتلایا ہے۔ (۴۸۷+۴۱۳ = ۹۰۰)+

(۳) ختن کی روایت کی ایک صورت دھرم اسوک کا بدھ کے نروان سے ۲۵۰ برس بعد واقع ہونا بیان کرتی ہے۔ اور اس کو چینی شاہنشاہ شی۔ ہانگ۔ تی۔ سد چین (جس کو دیوار قہقہہ کہتے ہیں) کے بانی کا ہمعصر بتلاتی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- بیان پر غور کرو کہ سنٹھو ل بھدر مہاویر نویں جانشین مہاویر کے ۲۱۵ یا ۲۱۹ برس بعد اس سن میں فوت ہوا جس سال کہ چندر اگپتا نے نند کے آخری بادشاہ کو قتل کیا۔ (انڈ۔ انٹی۔ جلد ۱۱ صفحہ ۲۴۶) میر تُنگ نے پشیامتر کو جو تقریباً ۱۸۵ق م میں تخت پر بیٹھا مہاویر کے بعد ۳۲۳ء سے ۳۵۳ء تک حکمران بتلایا ہے۔ (دیکھو ویبر کی سیکرڈ لٹریچر آف دی جینز صفحہ ۱۳۲۔ ۱۲۰)۔

[۱] بدھ کی وفات کے مختلف سنین جو چینی جاتریوں اور دیگر اسناد سے نقل ہوئے ہیں۔ اس قدر بیشمار اور عام ہیں کہ ان کا اعادہ فضول ہے۔ ڈاکٹر فلیٹ ایک زمانے میں ۴۸۲ ق م کے متعلق یہ سمجھتے تھے "کہ یہ تاریخ یہاں تک کہ ہم اس کو حاصل کر سکتے ہیں سب سے زیادہ قرین قیاس اور تشفی کے قابل ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۶۶۷) اب بظاہر ہر ایک اس بات پر متفق ہو گیا ہے کہ یہ واقعہ ۴۸۷ ق م اور ۴۸۶ ق م میں ہوا۔ اس کے برخلاف۔ لنکا کی روائتی تاریخ یعنے ۵۴۴ء یا ۵۴۳ ق م کہ اب کوئی

یہ شاہنشاہ ۲۴۶ ق م میں تخت پر بیٹھا۔ ۲۲۱ ق م "بادشاہ عالم" ہوگیا۔ ۲۱۰ ق م تک حکومت کی۔ (سرت چندرا داس۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول ۱۸۸۶ء صفحہ ۳۰۲ - ۱۹۳) ؎

امور جو اس طرح حاصل ہوئے۔ اگر یہ فرض کرلیں کہ بدھ ۴۸۷ ق م کے قریب قریب مرا ہے تو اس کا لابُدی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اجاتسترنے اس سال سے قبل حکومت کرنی شروع کی۔ اور اس طرح سیس ناگ کے خاندان کے سنین کے لئے ٹھیک اور معینہ مواد مل جاتا ہے۔

پروفیسر گیگر کے خیالات۔ میں نے پروفیسر گیگر کے مہاومس کے ترجمے کے مقدمے کو نہایت غور سے پڑھا ہے۔ مگر مجھے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ میں معاملات زیر بحث کے متعلق اپنی رائے کو بدلوں۔ درسک حالات سے مہاومس کے قدیم ہندی راجوں کی فہرست کا مقابلہ پرانوں کی فہرستوں سے کم حیثیت ہونا ظاہر ہوگیا ہے۔ میں اب بھی کالاسوک کو باور نہیں کرتا۔ وہ روایات جو مگدھ کے علاقے میں محفوظ رہیں ہر حال میں ان روایات سے زیادہ قابل اعتبار ہیں جو ایک مدت بعد دور و دراز کے ملک لنکا میں چند راہبوں نے جمع کی ہوں۔

موریا کے قبل کے بادشاہوں کے سنین کا صحت کے ساتھ تعین ناممکن ہے۔ مندرجۂ ذیل نقشہ میں ان کے نام اور سلسلے کو جیسا کہ متسیا اور وایو قدیم پرانوں کی فہرستوں میں پایا جاتا ہے صحیح تسلیم کرلیا گیا ہے۔ مگر ان کی حکومت کی مدت پر کسی قسم کا اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔ ان میں بعض ممکن ہے کہ صحیح ہوں۔ مگر چند کے متعلق یقین ہے کہ وہ غلط ہیں۔



بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: یہ تسلیم نہیں کرتا۔ ۴۸۳ ق م کو اب ڈاکٹر فلیٹ اور پروفیسر گیگر ترجیح دیتے ہیں۔ ۱۲۔ ؎ تبتی روایات کی دوسری صورتیں سرت چندرا داس اور راک ہل (سوانح بدھ صفحہ ۲۳۳ یا صفحہ ۲۳۷) نے بیان کی ہیں۔ ۱۲۔

سنین ۔ (قرین قیاس) خاندان ہائے سیس ناگ و نند

نمبر شمار	اسماء بادشاہاں (متسیا پران)	مدت حکومت (متسیا پران)	قرین قیاس سن جلوس	کیفیت
	خاندان سیس ناگ		ق ۔ م	
۱	سیس ناگ	۴۰	۶۰۲ سنہ	ان کے متعلق کچھ حال معلوم نہیں ۔
۲	کاک ورن	۲۶	--	
۳	کشیمدھرمن	۳۶ (۱۲۶)	--	
۴	کشیمجت (یاکشتراجس)	۲۴	--	
۵	بمبسار	۲۸	تقریباً سنہ ۵۳۰	راج گریہ تعمیر کرایا ۔ انگا پر قبضہ کیا ۔ مہاویر اور بدھ کا ہمعصر تھا ۔
۶	اجات شتر	۲۷	" سنہ ۵۰۲	بدھ کی وفات ۴۸۷ ق م ۔ پاٹلی پترا کا قلعہ تعمیر کیا ۔ کوسل اور ویسالی سے جنگ ۔
۷	درسک	۲۴	" سنہ ۴۷۵ ق م	دیکھو بھاس کا "واسودتا"
۸	اُداسن یا اُدیا	۳۳	" سنہ ۴۵۱	کسمپور کو شہر پاٹلی پتر کے قریب آباد کیا ۔
۹	نندی وردھن	۴۰ (۸۳)	سنہ ۴۱۸ (؟)	ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں ۔
۱۰	مہانندن	۴۳		مدت حکومت غالباً کم تھی ۔ ۳۶ برس لگائے گئے ہیں ۔
	میزان	۳۲۱	تقریباً ۲۳۰	
	اوسط	۳۲ / ۱	۲۳ / ۰	متسیا ۔ ۳۶۰ یا ۱۳۳ برس (؟) (دیکھو گیگر صفحہ ۶۹) اس خاندان کے لئے مقرر کرتا ہے ۔
	خاندان نند :۔			
۱۱ / ۱۲	مہاپدم وغیرہ تعداد نو + دو پشت	۱۰۰	سنہ ۴۲۲ ق م	۵۰ برس اندازہ ۔
	موریا خاندان			
۱۳	چندراگپتا	۲۴	سنہ ۳۲۲ ق م	

باب سوم

سکندر کی ہندوستان پر فوجکشی: پیش قدمی

سکندر اعظم نے باختر کو زیر نگیں کرنے کے بعد کارناموں میں ڈائیو منی ساس۔ ہرکلیس۔ اور سیمیرس کے ساتھ ہمسری کرنے بلکہ ان سے سبقت لے جانے کے دلی مقصد کو ہندوستان پر حملہ کر کے پورا کرنا چاہا۔ ۳۲۷ ق م کے موسم بہار کے آخر میں جب آفتاب کی تمازت نے برف کو کافی طور پر پگھلا دیا تھا تو سکندر نے اپنی فوج کے ساتھ جس میں شائد ۵۰ یا ۶۰ ہزار یورپین سپاہی تھے۔ کوہ ہندوکش یا ہندی کوہقاف کے دروں خاوک اور کوشاں کو قطع کیا۔ اور دس روز کے سخت تکلیف دہ کوہستانی سفر کے بعد وہ اس سرسبز میدان میں نمودار ہوا جو اب کوہ دامن کے نام سے مشہور ہے[1]

یہاں پر اس سے دو سال قبل باختر پر فوجکشی کے وقت۔ اس نے ایک شہر کی بنا ڈالی تھی۔ اور حسب معمول اس کا نام اسکندریہ رکھا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مجوزہ حملے کے وقت وہ فوجی چوکی کا کام دے سکے۔ اس شہر کا عامل جس کی حکومت ناکام ثابت ہوئی تھی برطرف کیا گیا۔ اور نکنور جو بادشاہ کے ندیم پارمے نین کا بیٹا تھا اس کی جگہ مقرر ہوا۔ گرد و نواح کے اضلاع سے اور لوگوں کو جمع کر کے

---

[1] ایرین کے قول کے مطابق یہ اپریل کے آخر یا مئی کے اوائل کا زمانہ تھا۔ دروں کی شناخت کیلئے دیکھو ہولڈچ کی "رپورٹ آف پامیر باؤنڈری کمیشن" صفحہ ۳۰ و ۲۹ + انڈیا آفس کے نقشۂ ہندوستان کے مطابق درۂ خاوک کی بلندی ۱۳۲۰۰ فٹ ہے۔ اس فوج کی تعداد جس کے ساتھ سکندر نے ہندوکش کو قطع کیا۔ معلوم نہیں۔ پلوٹارک کا بیان ہے (اسکندر۔ باب ۶۶) کہ وہ (۱۲۰۰۰) پیادے اور (۱۵۰۰۰) سواروں کے ساتھ داخل ہوا۔ ممکن ہے کہ درست ہو اور ممکن ہے کہ غلط ہو۔ بہر حال اس میں تاویل کی گنجایش ہے۔ ۱۲۔

آبادی بڑھائی گئی۔ شہر کی مقیم فوج میں ان سپاہیوں کو شامل کر کے اس کو اور مضبوط کیا گیا۔ جن کا آیندہ حملے میں ساتھ لے جانا بالکل بیکار معلوم ہوا[۱]

نیکیا

اس طرح حسب معمول احتیاط کے ساتھ اسکندریہ کی اہم جگہ کو جو تینوں کوہستانی راستوں کی نگھبانی کے لئے کافی تھی قابو میں لانے کے بعد ان دروں اور دریائے کوفین یا کابل کے درمیانی علاقے کے انتظام کیلئے ٹائی رئیسپیز کو صوبہدار مقرر کیا۔ اس طرح جب سکندر کو اطمینان ہو گیا کہ اس کا آمد و رفت کا راستہ بالکل محفوظ ہو گیا ہے تو وہ اپنی فوج کے ساتھ نیکیا نامی شہر کی طرف بڑھا۔ جو کابل سے ہندوستان کے راستے پر موجودہ جلال آباد کے مغرب میں واقع تھا[۲]

جون یا جولائی ۳۲۷ ق م ہے فی اسٹئان اور پرڈکس

یہاں پر بادشاہ نے اپنی فوج کی تقسیم کی۔ ہے فی اسٹئان اور پرڈکس دو جنرلوں کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ تین پیادہ دستوں آدھے رسالے اور جملہ تنخواہ دار سپاہیوں کو لے کر سیدھے ہندوستان کی طرف روانہ ہو جائیں۔ اون کو حکم تھا کہ دریائے سندھ کا راستہ لیں اور پیوکیلیٹوٹس پر قبضہ کر لیں جو اس علاقے میں واقع ہے جس پر آجکل یوسف زئی کا قبضہ ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ وہ

---

۱ اس کو اسکندریہ "زیر کوہ قاف" "پروپنی سڈیٹی" کہتے ہیں۔ تاکہ اس کو اس نام کے اور شہروں سے تمیز کیا جا سکے۔ اس کا اصلی موقعہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ممکن ہے کابل کے شمال میں تیس میل پرے اسکے موقعہ پر آجکل اوپین یا ہوپین کے کھنڈر جاریکر ہیوں پہلے اس کو بامیان سمجھے تھے وہ غلط ہے۔ (میک کرنڈل۔ انویشن آف انڈیا بائی اسکندر دی گریٹ۔ دوسری ایڈیشن صفحہ ۵۸۔ اور نوٹ بی کننگھم اینشنٹ جیاگرفی آف انڈیا صفحہ ۲۶-۲۱۔ خان شوارز نے اس اسکندریہ کو کابل سمجھا ہے۔ (سکندر دس گروسن فلڈ زوگ ان ترکستان صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۱ و ۹۴) ۱۲۔

۲ میک کرنڈل نے نیکیا کے موقعے کے متعلق تمام مخالف رایوں کو جمع کر دیا ہے (دیکھو کتاب مذکورہ حاشیہ گذشتہ۔ نوٹ بی) میں یہاں جنرل ایبٹ کی رائے کو مانتا ہوں۔ کیونکہ وہ بالکل صحیح لکھتا ہے کہ جلال آباد ہی وہ مقام ہے جہاں قدرتی طور سے فوج کی تقسیم ہو سکتی ہے۔ بعض مقامی امیر مثلاً سلاطین چترال اپنے آپ کو سکندر کی اولاد میں ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں۔ (ریورٹی۔ نوٹس آن افغانستان صفحہ ۵۱-۴۸) ۱۲۔

بجائے درۂ خیبر کے دریائے کابل کی وادی میں ہو کے گذرے ہونگے[1]

اگست ۳۲۷ ق م دیسی حکمرانوں کا طریق عمل۔

بہت سے قبائل کے سرداروں نے اطاعت قبول کرنا پسند کیا۔ مگر ایک ہستی نام سردار نے مقابلے کی جرأت کی۔ اس کا قلعہ جس نے تیس روز تک دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ مفتوح ہونے کے بعد برباد کر ڈالا گیا۔ مشرق کی طرف سفر کے اثنا میں ہے فی استئان اور پرڈکس کے ہمراہ دریائے سندھ کے پار کے عظیم الشان شہر ٹکسلا کا راجہ بھی تھا جس نے فوراً سکندر کی دعوت کو قبول کیا۔ اور حملہ آور کے سامنے اپنی تمام امدادی قوت پیش کر دی۔ دریائے سندھ کی مغربی جانب کے سرداروں نے بھی یہی طریق عمل اختیار کیا۔ اور ان مقامی سرداروں کی مدد سے مقدونی جنرل اس قابل ہوگئے کہ دریائے سندھ پر پل باندھنے کا کام جو بادشاہ نے ان کے سپرد کیا تھا جلد ختم کر لیں۔

اگست ستمبر ۳۲۷ ق م سکندر کا یکطرفہ کوچ۔

سکندر نے فوج کے دوسرے حصے کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی۔ جس میں پیادہ جو ہائی پس پسٹ کے نام سے مشہور تھا۔ پیادہ سپاہی اگرینین یا تھریسین ہلکے ہتھیاروں سے مسلح پیادہ فوج۔ تیر انداز۔ سوار۔ اور تمام خلاصے کی سوار فوج شامل تھی۔ اس فوج کے ساتھ اس نے دریائے کابل کے شمال کی دشوار گذار پہاڑیوں میں سے ایک ایک جانب محفوظ رکھنے کے لئے کوچ کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ تاکہ وہ اس علاقے کی ان وحشی قوموں کو جو اُس زمانے میں اور اب بھی وہاں آباد ہیں محکوم کر لے۔ اور اس طرح آمد و رفت کے ذرائع بھی محفوظ ہو جائیں۔ اور فوج کے

---

[1] قدیم راستہ درۂ خیبر میں سے نہ گذرتا تھا (دیکھو ہولڈچ کی انڈین بارڈرلینڈ سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۳۸)۔ فوشے کے "قدیم گندھر کی جغرافیہ پر نوٹ" (ہنوئی سنہ ۱۹۰۲ء۔ رسالہ انجمن فرانسیسی برائے زبانہائے مشرق بعید) درۂ خیبر کا راستہ غالباً ایک دفعہ محمود اور یقیناً چند مرتبہ بابر اور ہمایوں کام میں لائے۔ اٹھارھویں صدی میں نادر شاہ۔ احمد شاہ ابدالی۔ اور اس کا پوتا شاہ زماں سب درۂ خیبر سے گذر کر ہندوستان میں داخل ہوئے۔ (ریورٹی کی نوٹس آن افغانستان صفحہ ۳۴ و ۳۸)۱۲۔

پہلو اور پشت کی طرف سے حملے کا خطرہ بھی نہ ہے۔ اس تمام کام کی شکلیں جو ملک کی ناہمواری۔ موسم گرما کی سخت گرمی۔ موسم سرما کی برف باری اور خود ان قبائل کی جنگجوئی سے پیدا ہوتی تھیں۔ بہت سخت تھیں۔ مگر ہر مشکل سکندر کی ہمت اور اُسکی قابلیت کے مقابلے میں ہیچ تھی[۵۱]

اس کے راستے کی تفصیل معلوم نہیں

اگرچہ اس کی تمام نقل و حرکت کا صحت کے ساتھ پتہ لگانا۔ یا ان قبیلوں کا نام قرین قیاس صحت کے ساتھ بتلانا جن سے کہ اس کا مقابلہ ہوا۔ یا ان قلعوں کے نام گنوانا جن کو اس نے اپنے پانچ ماہ کوچ کے زمانے میں فتح اور برباد کیا۔ قطعی ناممکن ہے۔ مگر یہ یقینی ہے کہ اس نے دریائے کونر یا چترال کے کنارے ایک بڑے فاصلے تک سفر کیا تھا۔ ان ہی پہاڑیوں میں ایک گمنام شہر کے مقام پر اس کے شانے میں برچھے سے زخم آیا۔ اور اس واقعے نے اس کے سپاہیوں کو ایسا برافروختہ کردیا کہ انھوں نے تمام قیدیوں کا قتل عام کیا اور شہر کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا[۵۲]

---

[۵۱] اس تمام احتیاط کی جنوبی راستے کے لئے ضرورت نہ تھی کیونکہ وہاں پہاڑیاں "ایسی نہیں کہ جنگجو جتھوں کی گنجایش ہو" (ہولڈیچ۔ دی گیٹس آف انڈیا صفحہ ۹۵)۔ ۱۲۔

[۵۲] قیاسی شناخت شدہ قوموں اور جگہوں کے ناموں کی ایک فہرست بیلو کی کتاب "ایتھنوگریفی آف افغانستان" صفحہ ۶۷ - ۶۴ (ووکنگ ۱۸۹۱ء) میں ملیگی۔ کننگھم اور دوسرے مصنفوں کے خیالات بھی بالکل تشفی بخش نہیں ہوتے۔ میں مسٹر پنکوٹ سے اس بات میں متفق نہیں کہ شمال میں سکندر چترال تک پہنچا ہوگا (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۶ء صفحہ ۶۸۱) مگر بالفعل یہ ناممکن ہے کہ اُس جگہ کا صحیح پتہ لگایا جائے جہاں سے وہ مشرق کی طرف پھرا اور پہاڑوں کے پار باجور میں داخل ہوا۔ بہر حال یہ یقینی ہے کہ اس نے درّوں کی راہ اختیار کی تھی۔ جن میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ اور انھیں میں سے ہو کے باجور کے علاقے میں داخل ہوسکتے ہیں۔ ریورٹی دیسی خبروں کی بنا پر باجور میں داخل ہونیکے دو راستے بیان کرتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ سکندر باجور میں مشرقی راستے سے چڑھ کر داخل ہوا ہو جس پر کہ کوزدھائی گاؤں آباد ہے۔ اور جہاں سے دو راستے ہوجاتے ہیں۔ ایک چترال کو جاتا ہے اور دوسرا باجور کے پایۂ تخت شہر کو (ریورٹی کی کتاب کے نوٹ صفحہ ۱۱۸ - ۱۱۴)۔ ۱۲۔

فوج کی دوسری تقسیم۔

اس افسوس ناک واقعے کے بعد سکندر نے اپنی فوج کو پھر تقسیم کیا۔ اور کریٹیروس کو جو اس کا سب سے زیادہ وفادار ملازم تھا۔ اور جسے وہ اپنے مثل ہی سمجھا کرتا تھا۔ پیچھے چھوڑا کہ دریائے کونر کے میدان کے قبائل کو مطیع کرے۔ اور خود بادشاہ چیدہ سپاہ لیکر اسپیسین قوم کے مقابلے کو روانہ ہوا۔ جنکو خونریز جنگ کے بعد اس نے شکست دی۔[1]

باجور میں داخلہ

اس کے بعد پہاڑوں کو قطع کرتا ہوا وہ اُس میدان میں داخل ہوا جس کو آجکل باجور کہتے ہیں۔ جہاں اسے ایک شہر آریگیان ملا جس کو اس کے باشندوں نے جلاکر ویران چھوڑ دیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ شہر باجور کے موجودہ صدر مقام نواگئی کے قریب واقع ہو۔[2] کریٹیروس دریائے کونر کے میدان میں اپنا کام پورا کرنے کے بعد پھر اپنے آقا سے آملا۔ اب ایسی تدابیر وتجاویز اختیار کی گئیں جن سے اقصائے مشرق کے اقوام کو زیر فرمان کیا جاسکے۔ کیونکہ ان کا مطیع ہونا پہلے ہی ضرور تھا۔ تاکہ کامل اطمینان کے ساتھ ہندوستان پر فوج کشی کی جاسکے۔

اسپیسین لوگوں کی آخری شکست

بالآخر اسپیسین لوگوں نے ایک دوسری بڑی جنگ میں شکست فاش کھائی جس میں کہ کہا جاتا ہے انھوں نے چالیس ہزار قیدیوں اور دو لاکھ تیس ہزار بیلوں کا نقصان اُٹھایا۔ سکندر کے اپنے یورپی مقبوضات کے سلسلۂ آمدورفت کے انتظام کی تکمیل کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس شکست کے بعد اس نے بہت سے عمدہ اور خوبصورت بیل چھانٹ کے مقدونیہ روانہ کردیئے تاکہ وہاں زراعت میں کام آسکیں۔

نیسا

یونانی حکایات کو نیسا اور ڈیونی ساس کے ایک خیالی تعلق کیوجہ سے یونانیوں کو پہاڑی ریاست نیسا کے ساتھ ایک خاص دلچسپی پیدا ہوگئی

---

[1] ایرین۔ انبس۔ باب ۷ فصل ۱۲۔

[2] ہولڈچ۔ دی گیٹس آف انڈیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۰۳۔

اور اس وجہ سے اُنھوں نے اور جگھوں کے ساتھ اب اس پر حملہ کیا[1]۔ دریا کے عمق کی وجہ سے وہ یورش کر کے اس قلعے کو فتح کرنے میں ناکامیاب ہوے اس لئے سکندر نے اس کے محاصرہ کرنے کی تیاری شروع کی ہی تھی کہ اس اثنا میں وہاں کے باشندوں نے خود بخود اُس کی اطاعت قبول کر لی اور اس کی طرف سے مزید کوشش کی ضرورت نہ رہی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس بنا پر رحم کی درخواست کی کہ ڈیونی ساس اور یونانیوں کے وہ قریبی عزیز ہیں۔ کیونکہ انگور اور ایک خاص قسم کی بیل ان کے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ اور وہ تکونا پہاڑ جو شہر کے سرے پر واقع تھا۔ در اصل کوہ میراس ہی تھا۔ سکندر نے جو اس قسم کے تمام خیالات کو اپنے اور اس سپاہیوں کی طبیعتوں کو متحرک کرنے کا اچھا ذریعہ خیال کرتا تھا۔ اس ڈیونی ساس کی قرابت کے سلسلے کی بہت کچھ زیادہ تحقیق نہ کی۔ بلکہ نیسا کے باشندوں کی درخواست کو منظور کیا اور ان کے ساتھ رحم اور آشتی کا برتاؤ کیا۔

جشن خود اپنے تجسس و تفحص کے خیالات کو پورا کرنے اور دوسرے اپنی بہترین فوج کو دم لینے کا وقت دینے کے لئے سکندر اس پہاڑ پر گیا جسے آجکل غالباً کوہ مور کہتے ہیں۔ اور سوار اور پیادوں کی ایک جماعت اس کے ہمرکاب تھی۔ موجودہ زمانے کے کافرونکے ان آبا و اجداد کا رقص و سرود یونانیوں کی مے نوشی کے جلسوں سے اس قدر مشابہ تھا کہ اس سے ان لوگوں کے یونانیوں کے قرابتی ہونے کی پوری پوری تصدیق ہوتی تھی جو نیسا کے باشندوں کے دعوے کا بین ثبوت تھا اور یہ بات فوج کے سپاہیوں کے دل میں یہ خیال پیدا کرنے کے لئے کافی تھی کہ وہ اپنے وطن سے اس دور و دراز مقام میں بھی ایسے لوگوں میں بیٹھے ہیں جو ان کے ہم مذہب ہیں۔ اور جن کے متعلق یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ ان کے قریبی عزیز بھی ہیں۔ سکندر نے بھی اس مناسب وقت فریب کو نہ کھولا اور فوج کو رخصت دی کہ اپنے دیس کے دوستوں کے ساتھ ملکر دس دن جنگلوں میں خوشی و خرمی سے گذاریں۔ نیسا کے لوگوں نے اپنی طرف سے اس کے رحم کے شکریہ کا اظہار اس طرح کیا کہ تین سو سوار سکندر کو مستعار دیئے جو تمام فوجکشی کے زمانے میں اس کے

[1] کرٹیس (باب ہشتم فصل ۱۰) نے نیسا کی فتح کو مسّنکا کے محاصرے سے پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔ ۱۲

ساتھ رہے اور اکتوبر ۳۲۶ ق م کے قبل جبکہ دریاؤں کے راستے سے بحری سفر کی تیاری ہو رہی تھی وطن کو واپس نہ بھیجے گئے ہو۔[۵]

۵۔ ایرین انبس باب ۵ فصل ۱۔ باب ۶ فصل ۲ کرٹیش باب ۸ فصل ۱۰ جسٹن باب ۱۲۔ فصل ۷ پلوٹارک۔ سکندر باب ۵۸ سٹریبو۔ باب ۱۵۔ فصل ۹۔ ۲ وہ قیاسات جو میک کرنڈل نے اپنے ضمیمہ (جی) میں نیسا کے موقعے کے متعلق جمع کئے ہیں۔ ان سے تشفی نہیں ہوتی۔ سرایچ۔ ٹی۔ ہولڈچ۔ سرحدی معاملات میں جس کی مہارت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ کرنڈل سے زیادہ اس معاملے میں کامیاب ہوا ہے۔ اور نیسا کے موقعے کو تقریباً صحت کے ساتھ پیدا کر دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "کسی اور جگہ پر (جیاگریفیکل جرنل۔ جنوری ۱۸۹۶ء) میں نے وہ تمام وجوہات بیان کئے ہیں جن کے سبب سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ کافرستان کے کافر جنھوں نے غلام قیدکرکے اسکی فوج میں یرغمال بھیجے تھے ان نیسا کے لوگوں کی اولاد سے ہیں جنھوں نے سکندر کو اپنا ہم مذہب اور ہم وطن ظاہر کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے سکندر نے ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا تھا وہ کوہ مور (یونانی کوہ میراس) کے دامن میں سوات کے میدان میں اس قدر قدیم زمانے سے آباد تھے۔ کہ اہل مقدونیہ انکے وہاں آنے اور آباد ہونے کا کوئی پتہ نہ دے سکتے تھے۔ یہ لوگ سوات کے ملک میں بدھ مذہب کے زمانے تک آباد رہے۔ کوہ مور کا زیرین حصہ اور میدان وہ جگہ ہے جہاں کسی زمانے میں نیسا (یا نوسن) شہر آباد تھا۔ بظاہر روئے زمین پر اس کا اب کوئی نشان نہیں۔ مگر تیس برس کے پرانے نقشوں میں اس کا نام باقی تھا۔ اور اپنے نام کی وجہ سے ایک اہم مقام سمجھا جاتا تھا۔ مے نوشی کے جلوس اور سرود اس وقت بھی کافرستان میں پائے جاتے ہیں۔" (ہولڈچ دی انڈین بورڈرلینڈ۔ میتھیون ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۴۲ و ۲۷۰ و دی گزیٹیئر آف انڈیا ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۲۳)۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ میراس اس تین چوٹیوں والے پہاڑ کی صرف ایک چوٹی کا نام ہے۔ باقی دو چوٹیوں کا نام کرسیبی اور کندسبی تھا۔ یہ تینوں چوٹیاں پشاور سے نظر آتی ہیں۔ کنائی اور "رشتہ دار کافروں" کی حکایت کا مقابلہ کرو۔ (ریورٹی۔ نوٹس صفحہ ۱۲۹)۔ فلاسٹریٹس (اپولینیاس باب دوم۔ فصل ۹) بیان کرتا ہے کہ "نیسا کے باشندے اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ سکندر پہاڑ پر چڑھا تھا۔" اور آگے چل کر لکھتا ہے کہ "اس واقعے کو سکندر کے ساتھیوں نے صحیح نہیں لکھا۔" ۱۲۔

اسکنوئی اور مَسّکا

سکندر نے اب بذات خود اسکنوئی نام ایک زبردست قوم کو مفتوح کرنے کا تہیہ کیا۔ کیونکہ ان کے متعلق یہ بیان کیا گیا تھا۔ کہ وہ بیس ہزار سوار۔ تیس ہزار پیادے۔ اور تیس ہاتھیوں سے اُس کے مقابلے کا انتظار کر رہے ہیں۔ باجور کے علاقے کو چھوڑ کر سکندر نے دریائے گورئیس (پنجکوڑہ) کو چیدہ فوج کے ساتھ جس میں حسب معمول سواروں کی تعداد زیادہ تھی۔ عبور کیا۔ اور اسکنوئی قوم کے علاقے میں مَسّکا[1] کے شہر پر حملہ کرنے کے لئے داخل ہوا۔ جو اس نواح کا سب سے بڑا شہر اور سلطنت کا مستقر تھا۔ یہ زبردست قلعہ جو غالباً درّۂ ملاکنڈ کے شمال میں قریب ہی واقع تھا۔ مگر جس کے موقعے کا تعین اب تک نہیں ہوا۔ قدرتی اور مصنوعی طور پر بہت مضبوط واقع ہوا تھا۔ مشرق کی طرف ایک بڑے زور سے بہتا ہوا تیز رفتار پہاڑی نالے کے بلند کنارے حائل تھے۔ اور جنوب و مغرب میں مہیب چٹانیں۔ عمیق غار۔ اور دھوکا دینے والی دلدلیں واقع تھیں جو حملہ آور فوج کو گذرنے سے روکتی تھیں۔ جہاں کہیں قدرت نے قلعے کے کسی حصے کو اچھی طرح مضبوط نہ کیا تھا۔ وہاں انسانی صنعت نے اس کمی کو پورا کر دیا تھا۔ اور قلعے کے گرد ایک زبردست اینٹ۔ پتھر۔ اور لکڑی کی فصیل بنادی تھی۔ جس کا محیط تقریباً چار میل (۳۵ سٹیڈیا) تھا۔ اور ایک گہری خندق اُس کے گرداگرد بنی ہوئی تھی (دیکھو۔ کرٹئس باب ۸۔ فصل ۱۰) اس مہیب قلعے کے گرد پھرنے اور محاصرے کی تیاری کی تجاویز میں سکندر کے

---

[1] یونانی اور رومی مورخین اس نام کو مختلف طریقوں سے لکھتے ہیں۔ یعنے مَسّگا۔ مسّکا۔ مزاگا۔ مسوگا۔ ہولڈیچ کا بیان ہے کہ یہ قلعہ مشکنائی مقام پر یا اس کے قریب واقع تھا۔ (دی گیٹس آف انڈیا۔ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۲۸)۔ ایم۔ فوشے کا خیال ہے کہ وہ کٹگلا (کاتگلا) تھا جو چند میل شمال میں واقع ہے۔ (ہندوستان و افغانستان کی سرحد۔ پیرس ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵۸)۔ منگلور یا منگلور کا مقام جو اس کے موقعے کے لئے تجویز کیا گیا ہے اور بعض وجوہ سے مناسب بھی ہے۔ بہت دور مشرق میں واقع ہے۔ منگلور کے لئے دیکھو۔ ریورٹی نوٹس آن افغانستان صفحہ ۲۲۴ و ۲۰۰۔ اسٹین۔ آرکیالوجیکل ٹوران جنیر۔ لاہور ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۳۔ ڈین۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۶ء صفحہ ۶۵۵۔

شانے میں پھر زخم لگا۔ مگر یہ زخم ایسا نہ تھا جو اس کو محاصرے کے اہتمام سے باز رکھتا۔ یہ محاصرہ کلیتہً اس کے عالی دماغ نے خود تجویز کیا تھا اور خود ہی اس نے اس کی نگرانی کی تھی۔

قلعے پر حملہ۔ ایسے سپہ سالار کے ماتحت کام کرنے سے ہر ایک معمولی سپاہی بھی غیر معمولی کام انجام دے سکتا ہے۔ فوج نے اسقدر تندہی سے کام کیا کہ نو دن میں انھوں نے ایک ایسا ٹیلا بنالیا جو قلعے کی سطح کی ہموار تھا اور اس سے خندق پر پل بندھ سکے۔ اور اس کے علاوہ متحرک برجوں کو قلعے کے قریب لیجا سکیں۔ محصور فوج اپنے جنرل کی ناگہانی موت کیوجہ سے جو منجنیق کے ایک گولے کے لگنے سے واقع ہوی بالکل ناامید ہوگئی۔ اور پہلے ہی ہلے میں قلعہ سر ہوگیا۔ کلیوفس اس مقتول سردار کی زوجہ اور اس کا یتیم بچہ سکندر کے پاس قید ہوکے آئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ کلیوفس سکندر کے محل میں داخل ہوی اور اس سے سکندر کا ایک بچہ بھی ہوا[۱]۔

تنخواہ دار فوج کا قتل عام۔ مستکا کی محصور فوج میں سات ہزار ہندوستان کے میدانوں کے رہنے والے تنخواہ دار سپاہی بھی شامل تھے۔ ایک خاص معاہدے کے مطابق سکندر نے ان لوگوں کو اس شرط پر امان دیدی تھی کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر اس سے مل جائیں۔ اور اس کی فوج میں شامل ہوجائیں۔ اس عہدنامے کی رو سے ان کو اجازت دی گئی کہ وہ قلعے کو چھوڑ کر مقدونی کیمپ کے سامنے کی ایک پہاڑی پر خیمے لگالیں جو کیمپ سے

[۱] ایرین (انبس باب ۴ فصل ۲۷) "ایسا کیناس کی ماں اور بیٹی کا" ذکر کرتا ہے۔ کرٹیئس (باب ۸ فصل ۱۰) کا بیان ہے کہ "ایسکنس اس شہر کا بادشاہ مرچکا تھا۔ اور اسکی ماں کلیوفس اس شہر اور سلطنت پر حکمراں تھی۔" اور وہ آگے بیان کرتا ہے کہ "ملکہ نے اپنے بیٹے کو جو ابھی بچہ ہی تھا سکندر کی گود میں دیدیا۔ اور اس طرح امان بھی حاصل کی۔ بہرحال آخر میں اس کے ایک بچہ ہوا جس کا نام خواہ اس کا باپ کوئی بھی ہو۔ سکندر رکھا گیا۔" بظاہر کلیوفس اُس سردار کی بیوہ ہوگی جو اس محاصرے میں ایرین کے بیان کے مطابق مارا گیا تھا۔ ۱۲ ت

تقریباً ۹ میل (۸۰ سیٹیڈیا) کے فاصلے پر واقع تھی۔ ان سپاہیوں کو یہ پسند نہ تھا کہ ایک اجنبی شخص کو اپنے بادشاہ کے مطیع کرنے میں مدد دیں اور اس لئے وہ اس ناگوار عہد کے پورا کرنے سے بچنا چاہتے تھے جس کو انھوں نے طوعاً وکرہاً منظور کرلیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ رات کے وقت چپ چاپ وہاں سے چلے جائیں اور اپنے گھروں کی راہ لیں۔ سکندر کو ان کے اس ارادے کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے عین اس وقت جبکہ یہ ہندوستانی چین سے سو رہے تھے ان پر دفعتہً حملہ کردیا۔ اور اُن کو سخت نقصان پہنچایا۔ مگر جونہی وہ اس اچانک حملے سے بیدار ہوئے اور ہوش میں آئے۔ انھوں نے ایک دائرے کی شکل اختیار کرلی۔ اور بچوں اور عورتوں کو درمیان میں لیکر سکندر کا بڑی سختی اور بہادری سے مقابلہ کیا جس میں کہ عورتوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ لیکن بالآخر ان چند دلیر جنگجو سپاہیوں کی سکندر کی فوج کی تعداد کے سامنے کچھ نہ چلی۔ اور ایک قدیم مورخ کے الفاظ کے مطابق "وہ اسطرح لڑتے ہوئے کام آگئے۔ اور اس قسم کی موت پر انھوں نے ذلت کی حیات کو ترجیح نہ دی" فوج کے غیر مسلح ہمراہیوں اور عورتوں کو امان دی گئی[1]۔

اس واقعے پر رائے اس واقعے کے متعلق قدیم اور دور حاضرہ کے مصنفین سکندر کو بہت کچھ مطعون کرتے ہیں کہ اس کا یہ فعل نہایت شرمناک طور پر نقض معاہدہ تھا۔ مگر جیسا کہ ڈیوڈرس نے فرض کرلیا ہے۔ یہ کسی طرح بھی سکندر کی طرف سے تنخواہ دار سپاہیوں کے ساتھ بیرحمی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ جیسا کہ ایرین نے بیان کیا ہے کہ اس فوج کے قتل عام کی وجہ وہ پیمان شکنی تھی جس کا خود ہندوستانی ارادہ کرچکے تھے۔ اور اگر یہ بیان صحیح ہے تو جو سزا ان کو دی گئی وہ اس کے مستحق تھے۔ کیونکہ اگر یہ تربیت یافتہ اور بہادر سپاہی سکندر کی قلیل فوج میں شامل ہوجاتے تو اس کی طاقت میں معتد بہ اضافہ ہوجاتا۔ لیکن اسکے برعکس ان کا دشمن سے ملجانا میدانوں میں خود اسکے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتا۔ اور اسی لئے میرے نزدیک وہ بالکل حق پر تھا کہ دشمنوں کی تعداد میں اضافہ

[1] ایرین۔ انبس۔ باب ۴ فصل ۲۷۔ ڈیوڈرس۔ باب ۱۷ فصل ۸۴۔ کرٹیس باب ۸ فصل ۱۰۔

ہونے سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے ؏

قبائل کا آرناس میں نقل مکان

اس کے بعد سکندر نے ایک شہر اودرا یا نورا کو فتح کیا۔ اور ایک اہم مقام بزیرا پر قبضہ کیا۔ جس کے باشندوں نے اور شہروں کے باشندوں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے[1] آرناس قلعے کو اپنا مامن قرار دیا تھا۔ سکندر کو اس قلعے کی فتح کا خیال جس کی تسخیر محال سمجھی جاتی تھی دو وجہ سے تھا۔ اول تو فوجی ضرورتوں سے اس پر قابض ہونا ضروری تھا۔ اور دوسرے یہ روایت چلی آتی تھی کہ ہرقل جس کو کہ وہ اپنا جد اعلیٰ سمجھتا تھا اس قلعے کی تسخیر میں ناکامیاب رہا تھا ؏

آرناس کی کیفیت

ڈیوڈرس کے بیان کے مطابق اس پہاڑ کے جنوبی جانب دریائے سندھ بہتا تھا۔ جو ہندوستان کا سب سے بڑا دریا ہے۔ اور خاص اس مقام پر بہت گہرا تھا۔ اور ایسے ناہموار۔ اور بلند پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا کہ اس طرف سے قلعے تک پہنچنا ناممکن تھا۔ دوسری جانب منتکا کی طرح یہاں بھی ایسے غار۔ چٹانیں اور دلدلیں موجود تھیں جو بہادر سے بہادر حملہ آور کی ہمت کو پست کر دیں۔ ایرین کا بیان ہے کہ صرف ایک راستہ پہاڑ کی چوٹی پر جاتا تھا۔ جہاں پانی کثرت سے دستیاب ہو سکتا تھا۔ اور اس قدر قابل زراعت زمین وہاں موجود تھی کہ اس کی کاشت کے لئے ایک ہزار مزدوروں کی ضرورت ہوتی۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک ایسی ڈھلوان اور بلند چٹان واقع تھی جو بجائے خود ایک قدرتی قلعے کا کام دے۔ اور بلاشک و شبہ مصنوعی طور سے بھی اس کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کیا گیا تھا ؏[2]

---

[1] ہولڈیچ کے خیال کے مطابق اودرا اور بزیرا رستم کے مقام پر یا اس کے قریب مردان اور درۂ امبیلا کے درمیان واقع تھا (دی گیزٹ آف انڈیا صفحہ ۱۰۶)۔ مگر میرے خیال میں یہ جگہ بہت دور جنوب میں واقع ہے۔

[2] ایرین باب ۴ فصل ۲۸ ڈیاڈرس باب ۱۸ فصل ۸۶۔ کرٹیس باب ۸ فصل ۱۱۔ اسٹریبو باب ۵ فصل ۸۔ مختلف لوگ کسی پہاڑ کے محیط کا اندازہ اس وجہ سے جدا جدا کریں گے کہ وہ سلسلۂ کوہ کے ساتھ کی پہاڑیوں کو چھوڑ دیں یا ان کو شامل کریں۔ مگر ڈیوڈرس کا اندازہ کہ

ابتدائی کارروائیاں | اس زبردست قلعے کا محاصرہ شروع کرنے سے پہلے سکندر نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: پہاڑ کا محیط (۱۰۰) سٹیڈیا یا ساڑھے گیارہ میل تھا۔ ایرین کے اندازے یعنی (۲۰۰) سٹیڈیا کی نسبت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ایرین نے ان پہاڑوں کی سب سے کم بلندی کا اندازہ (۱۱) سٹیڈیا یا (۶۷۰۰) فیٹ کیا ہے جو ڈیوڈرس کے اندازے یعنی (۱۶) سٹیڈیا کی نسبت زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ آرناس کے موقعے کے تعین کے متعلق تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئی ہیں۔ اس کے موقعے کو مہابن قرار دینے کے بظاہر ان سب وجوہ کو سر ایم۔ اے اسٹین کی تحقیقات نے غلط ثابت کر دیا ہے (رپورٹ آف آرکی آلوجیکل سروے ان دی این۔ ڈبلیو۔ فرنٹیئر پراونس ۱۹۰۴-۵) یہ باور کرنا ذرا مشکل ہے کہ یونانی مصنفین نے اس قلعے کو دریائے سندھ پر قرار دینے میں غلطی کی ہو۔ یونانی افسر اس دریا کے موقعے سے بخوبی واقف تھے۔ کیونکہ وہ اس پر پل باندھنے میں مشغول تھے۔ مہابن کا مقام آرناس کے موقعہ ہونے کے نہ صرف ان وجوہ سے ناقابل ہے جو اسٹین نے بیان کی ہیں۔ بلکہ اس سبب سے بھی ناممکن ہے کہ کرٹیس کے قول کے مطابق (باب ۸۔ فصل ۱۲) سکندر امبولیما سے کوچ کر کے دریائے سندھ اس وقت تک نہیں پہنچا جب تک اس نے سولہ منزلیں طے نہیں کر لیں۔ اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کم از کم (۷۰) یا (۸۰) میل کا سفر نہایت ہی دشوار گذار علاقے میں کیا ہوگا۔ میں سر ٹامس ہولڈچ سے اس بات میں متفق ہوں کہ آرناس کے موقعے کو دریائے سندھ پر مہابن کے اوپر۔ اور شانگلا کے قریب تلاش کرنا چاہئے جو کوتکئی کے قریب دریا کے گھاٹ سے اوپر کیطرف واقع ہے۔ ہم کو یاد رکھنا چاہئے کہ دریائے سندھ اس قلعے کی جنوبی دیوار سے ٹکرا کر بہتا تھا۔ (دیکھو ہولڈچ کی دی گیٹس آف انڈیا صفحہ ۱۲۱)۔ میں سمجھتا ہوں کہ اغلب یہ ہے کہ سکندر واپس پھر کر درۂ امبیلا میں سے گذرا تھا۔ اور پھر رستم کے مقام پر یا اسکے قریب دریا کی طرف مڑا ہوگا۔ یہ ضروری ہے کہ اس نے ایک وسیع چکر لگایا ہو۔ مسٹر مرک اس شہادت کو قبول نہیں کرتا کہ آرناس کو دریائے سندھ پر تلاش کیا جائے۔ اسکے نزدیک وہ سوات کے علاقے میں واقع تھا۔ (جرنل رائل سوسائٹی آف آرٹس ۱۹۱۱ صفحہ ۷۶)۔

اس کے قبل کے تمام بیان اس کتاب کی طبع دوم کے ڈی ضمیمہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ مگر اب ان کو پھر دوبارہ شائع کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جلی بیٹس بینی سے اپنے عقب کو محفوظ رکھنے کے لئے اور اِمسکا۔ بزیرا۔ اور وبیٹس کے شہروں اور سوات اور بُنیر کی پہاڑیوں میں فوجوں کی چھاؤنیاں ڈالیں ؛

اس کے علاوہ اس نے قلعے کو دوسرے وسائل سے اس طرح اور بھی قطع کر دیا۔ کہ وہ بذات خود غالباً درۂ شاہ کوٹ[1] سے اُتر کر میدان میں داخل ہوا۔ اور ایک اہم شہر پیوکیلیوٹس (چارسدّہ) ۔ اور اس کے اردگرد کے اس علاقے کو زیر نگیں کیا جسے آجکل یوسف زئی کا ملک کہتے ہیں۔ اس تمام فوجی کارروائی کے اثنا میں دو مقامی سرداروں نے اس کی مدد کی۔ اس کے بعد وہ کسی طرح امبولیما گیا جو دریائے سندھ کے کنارے پر ایک چھوٹا سا شہر آرناس کے دامن میں واقع تھا۔ یہاں پر اس نے کرلیٹراس کی ماتحتی میں ایک فوجی مرکز قائم کیا کہ اگر ہلّہ کرنے میں فوج ناکامیاب ہو۔ اور محاصرے کے دائرے کو تنگ کرنا پڑے تو اس حالت میں یہ مرکز اگر محاصرے کو طول ہو تو پوری فوجی مرکز کا کام دے ؛

ابتدائی فوجی تحقیقات۔ آخر اس طرح غور و فکر سے محاصرے کے تمام معاملات کو درست کرنے کے بعد سکندر نے ایک مختصر فوج لیکر جس میں زیادہ تر ہلکے اسلحہ سے مسلح سپاہی تھے دو دن بذات خود قراولی میں صرف کیے۔ خود تمام موقعے اور جگہ کا معائنہ کیا مقامی بدرقے کی مدد سے جن کو انعام کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملا لیا گیا تھا لیگاس کے بیٹے ٹولمی نے پہاڑ کے مشرقی جانب ایک نہایت مفید مطلب جگہ پر قبضہ کر لیا۔ جہاں اس نے اپنے آدمیوں کو خندق سے گھیر کر ٹھہرا دیا۔ اس موقعے پر بادشاہ کی طرف سے اس کو

---

[1] وہ قدیم راستہ جس کو ہیون سانگ نے اختیار کیا تھا وہ ہے یو۔ لو۔ شا۔ سے درۂ شاہ کوٹ ہو تا ہوا سوات جاتا ہے۔ یہی درۂ شاہ کوٹ ہے جس کو موجودہ زمانے میں ہندوستانی "ہاتھی لار" کہتے ہیں۔ وہ ۱۸۹۵ء سے قبل سب سے زیادہ اہم پہاڑی مقام مانا جاتا تھا۔ مگر جب اس سنہ میں انگریزوں نے ملاکنڈ کو چترال کی سڑک کا فوجی مرکز قرار دیا تو اس کی اہمیت جاتی رہی (فوشے۔ کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۴۰)

مدد دینے کی کوشش میں ناکامیابی کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ ہندیوں نے ٹولمی کی خندقوں پر نہایت دلیرانہ حملہ کیا جس کو سخت لڑائی کے بعد پسپا کیا گیا۔

راستوں کی تیاری

سکندر کی یہ دوسری کوشش کہ اپنے نائب افسر کے ساتھ جا کے ملجائے۔ باوجود محصورین کی بیحد جدّوجہد کے کامیاب ہوئی۔ اور اب مقدونی سپاہ اطمینان سے اس مفید موقعے پر قابض ہوگئی جہاں سے قدرتی قلعے پر حملہ کرنا آسان ہوگیا۔

حملہ آور جس کام کو کرنا چاہتے تھے وہ سخت دشوار تھا۔ کیونکہ سب سے اونچی چٹان اور بلندیوں کی طرح ارتفاع کی مناسبت سے کوئی ڈھال نہ رکھتی تھی۔ بلکہ سرے سے نہایت ناہموار مثلث کی صورت میں بالکل سیدھی قائم تھی۔ مقام کے معائنہ سے یہ معلوم ہوا کہ بخط مستقیم حملہ کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ بعض غاروں کو بھر نہ دیا جائے۔ کیونکہ گرد و نواح کے پہاڑوں میں جنگل کثرت سے تھا اس لئے سکندر نے درختوں کو کاٹ کے راستہ بنانے کے لئے کام میں لانا چاہا۔ خود اس نے اپنے ہاتھ سے پہلا درخت غار میں پھینکا۔ اس کے اس فعل کی تمام فوج نے داد دی جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ فوج بھی بدل اس کام کی خواہاں ہے۔ جس میں بادشاہ ان کا شریک حال ہو اور اس سے وہ کسی طرح باز نہ رہ سکتے تھے۔

محصور فوج کا قلعے کو خالی کرنا۔

چار ہی دن میں سکندر ایک ایسی چھوٹی سی پہاڑی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا جو اس چٹان سے بالکل مسطح تھی۔ اور اس طرح سب سے اہم مقام اس کے قبضے میں آگیا۔ اس کارروائی کی کامیابی کے بعد محصور فوج کو بالکل یقین ہوگیا کہ قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے کچھ مدت ہی چاہئے ورنہ اور کوئی مشکل حائل نہیں رہی چنانچہ انھوں نے اپنے آپ کو حوالے کردینے کی شرائط کی بحث کے لئے سلسلۂ جنبانی شروع کردی۔

محصورین دراصل بجائے ایک عہد نامے کی تکمیل کے فرار ہوجانا چاہتے تھے۔ انھوں نے رات کے وقت اس سنگستان کو خالی کرکے تاریکی میں بھاگ جانے کی کوشش کی۔ مگر سکندر کی ان تھک بیدار مغزی نے

ایک حد تک ان کی اس کوشش پر پانی پھیر دیا۔ اپنے ساتھ (۷۰۰) آدمیوں کو لیکر عین اُس وقت جبکہ محصور فوج قلعے کو چھوڑ رہی تھی۔ وہ پہاڑی پر چڑھ گیا۔ اور ان میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔

مقدونوی فوج کا قیام۔

اس طرح یہ ناممکن التسخیر قلعہ جس کے فتح کرنے میں ہرقل بھی ناکامیاب رہا تھا۔ سکندر کے ہاتھوں سر ہوا۔ بادشاہ کا فخر اس کامیابی پر بالکل بجا تھا۔ اس نے دیوتاؤں کی پرستش کی۔ ان کے نام پر بھینٹ چڑھائی۔ اتھینے اور نیکے کے نام پر مندر تعمیر کرائے۔ اور ایک قلعہ بنوایا جس میں اس نے اپنی فوج مقیم کی۔ اس اہم جگہ کا افسر ایک شخص سی سی کوٹس (سسی گپتا) نامی ایک ہندو کو مقرر کیا۔ جو بہت دن پہلے بیتر کے باغی صوبہ دار بسیس کی فوج کے ہندی رسالے سے نکل آیا تھا۔ اور اس وقت سے مقدونوی فوج میں نہایت وفاداری سے کام کر رہا تھا۔

دریائے سندھ کی طرف کوچ

اس فتح کے بعد سکندر نے اسکنوئی قوم کی فتح کی تکمیل کے لئے ان کے ملک پر از سر نو دھاوا کیا۔ اور شہر ڈرٹا پر جو غالباً آرناس کے شمال میں واقع تھا۔ قبضہ کر لیا۔ اس شہر کے اور گرد و نواح کے تمام علاقے کے باشندے اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور دریائے سندھ کو عبور کر کے دریائے ہائی ڈس پیز (جہلم) اور اکے سینز (دریائے چناب) کے درمیان ابھسار[1] کے کوہستانی علاقے میں پناہ لی تھی۔ اس کے بعد

[1] ڈرٹا کے موقعے کے تعین کی متعدد اور مختلف کوششیں بے سود ثابت ہوئی ہیں۔ ابھسار کے موقعے کا صحیح پتہ سب سے پہلے ایم اے اسٹین نے لگایا۔ وہ لکھتا ہے "دارو ابھسار (یعنے دارو اور ابھسار) میں وہ تمام علاقہ شامل تھا جو ویتستا (جہلم) اور کندر بھاگا (دریائے چناب) کے درمیان واقع ہے۔ راجوری کی کوہستانی ریاست اس میں شامل تھی۔ ایک عبارت کی بنا پر اس نام کا اطلاق محدود ہو جاتا ہے۔ اور اس میں صرف نیچے کی پہاڑیاں ہی شامل رہتی ہیں۔" راجوری اور بھمبھر (قدیم ابھسار) کی ریاستیں آجکل کی کشمیر کی ریاست کی حدود کے اندر واقع ہیں۔ ابھسار کسی زمانے میں غلطی سے ہزارہ کا

آہستہ آہستہ وہ جنگلوں میں سے گذر کر اوہند تک پہنچا۔ اگرچہ سیدھے راستے کا فاصلہ کچھ زیادہ نہو سکتا تھا مگر ایسا راستہ بنانے کا کام جس میں سے فوج گذر سکے اسقدر دشوار تھا کہ ہے فس ٹیان کے کیمپ تک پہنچنے کے لئے پندرہ یا سولہ منزلیں طے کرنا پڑیں[۵]؛

اوہند کے مقام پر پل۔ دریائے سندھ پر پل کے اصلی مقام کے تعین کے متعلق بہت اختلاف رائے ہے مصنفین کی کثیر تعداد کا رجحان اسطرف ہے کہ وہ پل اٹک کے مقام پر تھا۔ جہاں دریائے سندھ کا پاٹ بہت ہی کم رہ گیا ہے۔ مگر ایم۔ فوشے کی تحقیقات نے یہ بات صاف طور پر ثابت کر دی ہے کہ۔ یہ پل جو غالباً کشتیوں کا بنا ہوا تھا۔ اوہند یا اُہند کے مقام پر اٹک کی شمال کے جانب سولہ میل کے فاصلے پر تھا۔ پل کے مقام پر پہنچکر سکندر نے نہایت شان وشوکت سے دیوتاؤں کے نام بھینٹ

جنوری ۳۲۶ ق م سے فروری ۳۲۶ ق م تک چڑھائی۔ اور اپنی فوج کو تیس دن کی تعطیل آرام لینے کے لئے دی۔ اور کھیل کود سے ان کا دل بہلائے رکھا[۵]؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ جو در اصل ارسا یا آرسکیس کی سلطنت کا علاقہ ہے۔ (دیکھو اسٹین کی کتاب راج ترنگنی۔ ترجمہ۔ حصہ اول صفحہ ۱۸۰۔ حصہ پنجم صفحہ ۲۱۷۔ میکرنڈل۔ صفحہ ۳۷۵) آرناس سے آگے کوچ کا راستہ معلوم نہیں۔ ۱۲؛

[۵] کرٹیئس (باب ۷۔ فصل ۱۲۔) کا نام ان پندرہ یا سولہ منازل کی تعداد کے لئے پیش کیا جا سکتی ہے " درہ (امبیسلا) سے گذرنے کے بعد سولہ منزلیں طے کر کے وہ دریائے سندھ پہنچا"۔ ۱۲؛

[۵] ایرین باب ۵۔ فصل ۳۔ ڈیوڈرس۔ باب ۱۷۔ فصل ۸۶۔ دریائے کابل کی وادی سے ہندوستان میں داخل ہونے کا قدیم راستہ پرشپور (پشاور) پشکلاوتی (پیوکے لیئائس) ہوتی مردان۔ اور شاہ بازگڑھی (جس کو چینیوں نے پو۔ لو۔ شا لکھا ہے) سے گذر کر اوہند۔ یا اُہند کے مقام پر پہنچتا تھا۔ اٹک کا براہ راست راستہ دور حاضرہ ہی میں صاف کیا گیا ہے۔ اُہند کا تلفظ خود اُس شہر کے باشندے استعمال کرتے ہیں جس کو پشاور اور مردان کے لوگ اُوہند کہتے ہیں۔ اس کا سنسکرت نام اُدبھاندپور ہے۔ (دیکھو کننگھم۔ اینشنٹ جیاگریفی صفحہ ۵۲

ٹکسلا سے سفارت

اوہند کے مقام پر امبھی (آمفس[1]) کی ایک سفارت سکندر کو ملی۔ یہ ٹکسلا کے تخت پر متمکن تھا۔ یہ عظیم الشان شہر دریائے سندھ سے تین منزل کے فاصلے پر واقع تھا۔ امبھی کا پیشرو سکندر سے نیکیا کے مقام پر ملا تھا۔ اور اس کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ اس کے بیٹے (ی) طرف سے اس سفارت نے اسی اطاعت کی تجدید کی۔ ساتھ ہی اس معاہدے کی استواری کے اظہار کیلئے (۷۰۰) سوار امداد کے طور پر روانہ کئے۔ اور ان کے علاوہ اور بہت سا اسباب جس میں (۳۰) ہاتھی۔ (۳۰۰۰) فربہ بیل۔ (۱۰۰۰۰) بھیڑیں اور (۲۰۰) ٹیلنٹ چاندی شامل تھی۔ اس کے پاس بھیجا۔

ٹکسلا کے راجاؤں کی اس آسانی کے ساتھ اطاعت قبول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی ہمسایہ سلطنتوں کے مقابلے میں اس سے مدد لینا چاہتے تھے۔ اس وقت ٹکسلا کی سلطنت ابھسار کی کوہستانی ریاست اور اس سلطنت کیساتھ جس کے بادشاہ کا نام یونانیوں کے بیان کے مطابق پورس تھا۔ اور جس کے علاقے میں موجودہ جہلم۔ گجرات۔ اور شاہ پور کے اضلاع شامل تھے۔ برسرپیکار تھی[2]۔

فروری یا مارچ ۳۲۶ ق م دریائے سندھ کو عبور کرنا۔

اس وقت موسم بہار کا آغاز ہوچکا تھا۔ اور چونکہ نیک شگون اور فال نے بھی راہ دی اور فوج بھی آرام لے چکی اس لئے اب اس چست و چالاک فوج نے ایک دن علی الصباح دریا کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ اسٹین راج ترنگنی۔ ترجمہ۔ حصہ دوم صفحہ ۳۴۶۔ فنشر کی کتاب مذکورہ بالا صفحہ ۶۴ ۔ معہ نقشہ ۲)۔ میجر ریورٹی کا خیال ہے اوہند صحیح تلفظ اور ہیجے ہیں)۔ اور یہ ہنی کل سنکرت سے قریب تر ہے۔ ۱۲۔

[1] امبھی کے نام کو دوبارہ رواج دینے میں ایم۔ سلوین لیوی کا ممنون ہونا چاہئے۔ (جرنل ایشیاٹک۔ ۱۸۹۰ء۔ صفحہ ۲۳۴) ۱۲۔

[2] کرٹیئس باب ۸۔ فصل ۱۲۔ پورس کا ملک ہائی ڈسپیز (جہلم) اور اسکے سینیز (چناب) کے درمیان واقع تھا۔ اور اس میں (۳۰۰) شہر آباد تھے (اسٹریبو۔ باب ۱۵۔ فصل ۲۹)۔ یونانیوں نے جس نام کو پورس لکھا ہے اسکی ہندی صورت کا پتہ نہیں لگتا۔ یہ قیاس کہ وہ پورو ہوگا قابل تسلیم نہیں۔ ۱۲۔

عبور کرنا شروع کیا۔ اور ٹکسلا کے بادشاہ کی مدد سے بخیر و خوبی ہندوستان کی زمین پر قدم رکھنے کے قابل ہو گئے۔ جہاں اس سے قبل کبھی کوئی یورپی سیاح یا حملہ آور نہ پہنچا تھا۔[1]

عجیب واقعہ۔ ٹکسلا کے کوچ کے آخری دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جب سکندر شہر سے صرف (۴) یا (۵) میل کے فاصلے پر تھا تو وہ اچانک ایک زبردست فوج کو اپنی طرف مقابلے کے لئے بڑھتا ہوا دیکھکر چونک پڑا۔ اس کو فوراً خیال ہوا کہ بے ایمانی اور دغا بازی سے اب اسکے ساتھ مقابلہ کیا جائیگا۔ اور اس نے ہندیوں پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ عین اس وقت آمبھی چند حاشیہ نشینوں کے ساتھ بھاگا ہوا اس کی طرف آیا۔ اور اس نے بیان کیا کہ اس فوج کے اجتماع کا مطلب اظہار اطاعت ہے۔ اور اب اس کا مالک سکندر ہے۔ اس طرح جب یہ اشتباہ صاف ہو گیا تو مقدونوی فوج آگے بڑھی اور شہر میں پہنچکر شاہانہ شان شوکت سے اس کی مہمان نوازی کی گئی۔

ٹکسلا۔ ٹکسلا جس کے کھنڈر آجکل بارہ میل کے گرد میں راولپنڈی کے

---

[1] سنین کا تعین اسٹربو باب ۱۵ فصل ۷ اسے کیا ہے۔ اس نے ارسٹو بولس کی سند پر جو سکندر کا ندیم اور مورخ تھا بیان کیا ہے کہ "وہ موسم سرما میں اس کوہستانی علاقے میں رہے جو اسپاسوئی اور اسکنوئی اقوام کے قبضے میں تھا۔ موسم بہار کے آغاز میں وہ میدانوں اور ٹکسلا کے عظیم الشان شہر میں اترے جہاں سے وہ دریائے ہائی ڈس پیز اور پورس کی سلطنت کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلی بارش اُسی وقت ہوئی جبکہ وہ ٹکسلا میں ٹھیرے ہوئے تھے۔" اس طرح دریائے سندھ کے عبور کرنے کا وقت فروری یا مارچ ۳۲۶ ق م ہی ہو سکتا ہے مسٹر پیرسن کا بیان ہے کہ "جب برنز راجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ لاہور میں تھا تو بہار کے موسم کا تیوہار نہایت دھوم دھام سے ۶۔ فروری کو منایا گیا تھا۔ (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء۔ صفحہ ۲۷۵) ٹکسلا کی بارش کی وجہ ضرور کوئی اتفاقیہ طوفان ہوگا۔ کیونکہ باقاعدہ بارش کا موسم جون سے پہلے نہیں شروع ہوتا۔ ۱۲۔

شمال مغرب اور حسن ابدال کے جنوب مشرق میں پائے گئے ہیں۔ اس نواح کے سب سے بڑے شہروں میں سے تھا۔ شمالی ہند میں یہ شہر ہندوؤں کے علوم و فنون کے مرکز کی حیثیت سے مشہور تھا۔ یہاں تمام طبقوں کے طالب علم تعلیم اور خصوصاً علم طب کی تحصیل کے لئے جمع ہوا کرتے تھے[1]۔

---

[1] یونانی اور رومی مصنفین نے اس کا نام "ٹکسلا" لکھا ہے جو پالی یا پراکرت کے لفظ "تکسلا" سے قریب تر ہے۔ سنسکرت نام تکشسلا ہے۔ شاہ دھیری جو حسن ابدال سے آٹھ میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اور دیگر دیہات کی ابتدائی پیمایش اور بیان کننگھم نے شائع کیا تھا (رپورٹ جلد دوم صفحہ ۱۵۔ ۱۱۱) مگر اس موقعے پر اور زیادہ غور و فکر کے ساتھ تحقیق و تدقیق کی ضرورت ہے۔ جس کو محکمۂ آثار قدیمہ۔ نے اب شروع کر دیا ہے۔ تین ماہ کی تحقیقات کے نتائج ڈاکٹر جے۔ ایچ۔ مارشل نے ایک لکچر موسومہ "آرکی آلوجیکل ڈسکوریز ایٹ ٹکسلا" میں جو ۴ ستمبر ۱۹۱۳ء کو پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی کے سامنے دیا گیا۔ بیان کر دیئے ہیں۔ ان کھنڈروں میں تین جدا جدا شہروں کے نشان ملتے ہیں۔ یعنے بیر۔ موریا خاندان اور اس سے قبل کے زمانے کا۔ سرکپ۔ ہندی یونانی۔ پارتھی۔ اور کڈفائی سس اول کا۔ اور سرسکھ کنشک کے زمانے کا۔ زمین کی تہ کے مقابلہ کرنے سے یہ بات بالکل صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اول تو کنشک پارتھی۔ اور کڈفائی سس بادشاہوں کے بعد ہوا۔ اور دوسری یہ کہ وہ پہلی یا دوسری صدی مسیحی میں حکمراں تھا۔ کھنڈر جہاں تک کہ اب تک دریافت ہوئے ہیں بودھ مت کے زمانے کے ہیں۔ لیکن اس زمانے سے قبل کے آثار غالباً ابھی تک زیر زمیں ہی ہیں۔ بودھ مت کی عمارتیں جب ہیون سانگ آیا ہے تو بربادی کی حالت میں تھیں۔ (بیل جلد اول صفحہ ۱۳۶ - ۳۲ - واٹیرس جلد اول صفحہ ۲۴۰)۔ اور اُس وقت یہ سلطنت کشمیر کی باجگذار تھی۔ جاتک کی حکایات ٹکسلا کے جائے علوم و فنون کے حوالوں سے مملو ہیں۔ مثلاً جلد ۲۔ (مترجمہ راؤس) صفحہ ۲ و ۳ و ۵۹۔ وغیرہ شسیم بالک کے مطابق یہ گندھر کے ملک یعنے پیو کے لیئائس اور پشاور کے علاقے میں واقع تھا۔ بالک۔ اکثر غالباً سکندر کے بعد کی ہیں۔ طیانہ کے اپولونئس کی تاریخ میں جس کا مصنف فلاسٹریٹس ہے پہلی صدی مسیحی کے ٹکسلا کی بابت۔ اگر ہم اس کتاب پر یقین کر سکیں۔ بہت دلچسپ باتیں

امبھی کا مطیع ہونا امبھی نے سکندر کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ اور اس سے اپنے باپ ٹیکسلا میں باضابطہ جانشین ہونے کی باقاعدہ سند حاصل کی۔ اس عزت افزائی کے بدلے میں جو حملہ آور کی جانب سے ہوئی امبھی نے مقدونوی فوج کے لئے بیحد و حساب سامان رسد بہم پہنچایا۔ اور سکندر کے سامنے اَسّی تیلنت مسکوک چاندی[۱] ۔ اور اس کے اور تمام دوسرے دوستوں کے لئے سونے کے تاج پیش کئے۔ سکندر بھی اس فیاضی میں پیچھے نہ رہنا چاہتا تھا اُس نے ان تمام تحائف کو واپس کیا۔ اور ان کے پیش کرنے والے کو مال غنیمت میں سے ایک ہزار تیلنت اور ان کے علاوہ بہت سے سونے اور چاندی کے برتن ایرانی قالین۔ اور تیس خاصے کے گھوڑے جن پر کہ وہ خود سوار ہو چکا تھا۔ دئے۔ یہ بے انتہا فیاضی۔ اگرچہ اس کے مقدونی افسروں کو ناپسند تھی۔ مگر اس کی اصل غایت محض نمود اور نمائش نہ تھی بلکہ حکمت عملی تھی۔ اس نے (۵۰۰۰) سپاہیوں کی ایک امدادی فوج کو "خرید لیا" اور نہایت ہی مفید دوست کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ملتی ہیں (مترجمہ فلپ مور۔ آکسفورڈ ۱۹۱۳ء۔ باب دوم فصل ۲۰-۲۴ تک)۔ پروفیسر فلنڈرس پٹری کا خیال ہے کہ اپولونئس نے ضرور ہندوستان کا سفر ۴۲-۴۴ء میں کیا تھا۔ (پرسنل ریلیجن ان ایجپٹ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۴۱)۔۱۲۔

[۱] یہ "مسکوک" یا "ممہور" چاندی غالباً چاندی کے مسطح ٹکڑے تھے جسے کہ علم سکہ کے ماہر "چھدا ہوا سکہ" کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ کسی سانچے میں ڈھلے ہوئے نہیں ہوتے بلکہ مختلف مقامات پر بے قاعدہ طور پر چھدے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس قسم کے عجیب و غریب سکے کے لئے جو اس وقت تمام ہندوستان میں مستعمل تھا۔ دیکھو ریپسن کی "انڈین کائنز" فقرہ ۶-۴۔ کننگھم کی "کائنز آف اینشنٹ انڈیا" صفحہ ۶۰-۵۴۔ لوح اور ۲۔ فہرست "کائنز ان دی انڈین میوزیم" جلد اول صفحہ ۲۲-۱۳۱۔ یہ سکے ایران کے شاہی خاندان "ایکیمینی" کی سکوں سے (۵۰۰ ق م سے ۳۳۰ ق م تک) جیساکہ ایم۔ جے۔ اے دیکورڈ مانشر نے ثابت کیا ہے ماخوذ ہیں۔ (دیکھو جنرل ایشیاٹک (جنوری۔ فروری ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۴۳-۱۷۸)۔ ہند کے قدیم تانبے کے سکے کا حال اُن کتابوں میں موجود ہے جن کا ذکر کیا گیا۔۱۲۔

وفاداری کو پختہ کردیا۔ (کرٹیئس۔ باب ۸۔ فصل ۱۲۔ ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۸۶۔ ایرین باب ۵۔ فصل ۸)

ابھسار کا راجہ اور پورس۔

اس اثنا میں کہ سکندر ٹکسلا ہی میں مقیم تھا۔ ابھسار کے کوہستانی علاقے کے راجہ نے جو درحقیقت پورس کے ساتھ شامل ہو کر سکندر کو ملک سے نکال دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ (ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۸۷) سکندر کے پاس اپنے سفیر روانہ کئے جنھوں نے اپنے راجہ کی طرف سے اُس کے تمام مقبوضات سکندر کے حوالے کر دیئے۔ اس سفارت کی اچھی طرح خاطر مدارات کی گئی۔ اور سکندر کو یہ امید ہوئی کہ پورس بھی اپنے ساتھی کی طرح اطاعت قبول کرے گا۔ مگر جب اس کو دعوت دی گئی کہ وہ اطاعت اور خراج دینا منظور کرے۔ تو اس نے مغرورانہ جواب دیا کہ وہ حملہ آور سے ملاقات کے لئے حدود ضرور آئے گا۔ مگر فوج کے ساتھ جو جنگ کے لئے تیار ہو گی۔

ہائی ڈس پیز کیطرف پیش قدمی۔ اپریل ۳۲۶ ق م

سکندر کچھ مدت تک ٹکسلا کے آرام وہ مقام پر چند روز ٹھیرا اور اپنی فوج کو آرام لینے کا موقع دیا۔ (ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۸۷) اس کے بعد وہ اپنی فوج کو لیکر جس میں اب ٹکسلا کے آدمی اور چند ہاتھی بھی شامل تھے۔ مشرق کی طرف پورس کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ ہائی ڈس پیز (دریائے جہلم) کے کنارے پر اس کے آنے کا منتظر ہے۔ ٹکسلا سے دریائے ہائی ڈس پیز کے مقام جہلم تک کا جنوب مشرقی راستہ جس کا فاصلہ اس راستے کی مناسبت سے جو اختیار کیا گیا (۱۰۰) یا (۱۱۰) میل ہوگا غالباً پندرہ دن میں طے ہوا۔ کیونکہ راستہ دشوار گذار تھا[1]۔ موسم گرما زوروں

---

[1] سکندر نے ضرور یا تو شمالی راستہ اختیار کیا ہوگا جو درۂ بکرال میں گذرتا ہے اور رہتاس کے پاس سے ہوتا ہوا جہلم کے مقام پر پہنچتا ہے۔ اور یا (۲۰) میل اور جنوب کا راستہ لیا ہوگا جو درۂ نُنہار میں سے ہو کر جلال پور کو آتا ہے۔ غالباً اس نے دونوں راستوں کو اختیار کیا۔

بڑھا۔ مگر سکندر کے لئے فوجکشی کے واسطے سب موسم برابر تھے۔ اور وہ فوج کو لئے ہوئے کوچ پر کوچ اور فتح پر فتح کرتا ہوا بغیر برف پوش پہاڑوں۔ اور میدانوں کی آگ کی سی گرمی کی پرواکئے آگے بڑھتا تھا۔ مئی کے شروع میں

مئی ۳۲۶ ق م

وہ جہلم کے مقام پر پہنچا۔ اور دریائے جہلم کو پہاڑوں کی برف کے پگھلنے کی وجہ سے طغیانی کی حالت میں پایا۔ وہ کشتیاں جن سے کہ سندھ کو عبور کیا گیا تھا۔ ٹکڑے ٹکڑے کرکے گاڑیوں میں لادکر ساتھ لائی گئی تھیں۔ اور اب ان کو پھر کام میں لایا گیا۔ اور دریائے جہلم کے کنارے پر ان کو جوڑ کر ان کے ذریعے سے پھر دریا کو عبور کیا گیا۔ (ایرین باب ۵ فصل ۸)

دریا کو عبور کرنے کی تیاریاں۔

تمام محنت طلب تیاریوں کے باوجود دشمن کی زبردست فوج کے روبرو دریائے ہائی ڈس پیز کے عبور کرنے کا مسئلہ بغیر مقامی حالات کی دقیق واقفیت کے حل نہ ہوسکتا تھا۔ اور سکندر کو آخری فیصلے سے پہلے مجبور ہونا پڑا کہ اول تمام ضروری مقامی حالات سے واقف ہوجائے۔ وہاں پہنچ کے اس نے دیکھا کہ پورس کی فوج جو تعداد میں (۵۰۰۰۰) تھی دریا کے دوسرے کنارے پر پڑی ہے۔ یہ بالکل ظاہر تھا مقدونی سواروں کے گھوڑے جن پر کہ سکندر کو سب سے زیادہ اعتماد تھا ہاتھیوں کی کثیر تعداد کے مقابلے میں بلند کناروں پر نہ چڑھ سکیں گے۔ اور اس لئے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے کسی نہ کسی حیلے کی ضرورت ہے ہو

کشتیوں کی تیاری

اس وجہ سے ایرین کے الفاظ کے مطابق سکندر نے فیصلہ کیا کہ "راستے کو چرالے" آسان ترین طریقہ یہ تھا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دریا کے کنارے پہنچنے کے بعد وہ میدان جنگ کو خود منتخب کرسکتا تھا۔ (پیرسن کا مضمون "اسکندر۔ پورس۔ اور پنجاب۔ انڈین انٹی کویری۔ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۵۳ مع نقشہ)۔ ۱۲۔

حملہ آور فوج اکتوبر یا نومبر تک صبر کے ساتھ وہیں پر انتظار کرتی رہے۔ کیونکہ اُس وقت پانی کا زور کم ہو جائے گا۔ اور دریا قابل عبور ہو جائیگا۔ اگرچہ سکندر کے عالی خیالات اس قسم کی حکمت عملی کو پسند نہ کر سکتے تھے۔ مگر اس نے دشمن کو دھوکا دینے اور اس کو خواب خرگوش میں ڈالنے کے لئے فوج میں یہ مشتہر کر دیا کہ وہ موسم کی تبدیلی کا وہیں ٹھیر کر انتظار کرے گا اور زیادہ وثوق کے لئے اس نے اپنی فوج کو گرد و نواح کے علاقے میں لوٹ مار اور سامان رسد کا بڑا ذخیرہ جمع کرنے کے واسطے روانہ کیا۔ ساتھ ہی اس کے جہازات کا بیڑا بھی دریا میں ادھر اُدھر چکّر لگاتا اور کسی پایاب جگہ کی تلاش میں رہا۔ جیسا کہ ایرین نے لکھا ہے "اس تمام کارروائی کی وجہ سے پورس نہ تو آرام لے سکا اور نہ اپنی تمام تیاریوں کو ایک جگہ جمع کر سکا تاکہ مقابلے کے لئے کسی ایک جگہ کو سب پر ترجیح دیکر وہاں اپنی فوج کو اکٹھا کر دے" (باب ۵ فصل ۹)۔ بڑے جہاز اور چھوٹی کشتیاں پوشیدہ طور پر بنائی گئیں۔ اور ان کو دریا کے بالائی حصوں کے جنگلوں اور ٹاپوؤں میں چھپا دیا گیا۔ ان ابتدائی تیاریوں میں چھ یا سات ہفتے تمام ہو گئے۔ اس اثناء میں برسات کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور طغیانی میں زیادتی ہو گئی تھی۔ زمین کے حالات پر نہایت غور و فکر کے بعد سکندر کو یہ معلوم ہوا کہ دریا کو سلامتی کے ساتھ عبور کرنے کی بہترین جگہ کیمپ سے آگے (۱۰) میل کے فاصلے پر ہے۔ جہاں دریا یکایک ایک طرف مڑ جاتا ہے۔ اور وہاں اس کا کشتیوں میں سوار ہونا بھی کنارے کی ساخت اور ٹاپو کے سبب جو گھنے جنگل سے معمور ہے چھپا رہے گا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد سکندر نے فوراً اس پر عمل کیا۔ اور یہ عمل ایرین کے قول کے مطابق نہ صرف "نہایت دلیرانہ" تھا۔ بلکہ کامل پیش بینی اور احتیاط پر مبنی تھا۔

اوائل جولائی ۳۲۶ق م اندازختہ فوج۔

اس نے ایک بڑی فوج کے ساتھ جس میں ٹکسلا کے (۵۰۰۰) آدمی بھی شامل تھے کریٹیراس کو پیچھے چھوڑا کہ وہ جہلم کے کیمپ کی حفاظت کرے اور اس کو نہایت سخت ہدایات کیں کہ کس طرح وہ اس فوج کو عام حملے کے وقت مدد کرنے میں

استعمال کرے۔ کیمپ اور عبور کرنے کی جگہ کے عین درمیان میں تین افسر مع تنخواہ دار سوار اور پیادہ فوج کے مقرر کئے گئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ جونہی وہ دیکھیں کہ ہندوستانی لڑائی میں مشغول ہو گئے ہیں دریا کو عبور کر لیں۔ فوج کے تمام حصے ان سنتریوں کے ذریعے سے جو کنارے پر مقرر تھے ایک سلسلے میں جکڑے ہوئے تھے۔

شبخون کی تیاری

جب پیش بندیوں کی تکمیل ہو چکی تو سکندر نے بذات خود (۱۰۰۰۰) یا (۱۲۰۰۰) آدمیوں کی چیدہ جماعت کو جس میں پیادے۔ سوار۔ تیر انداز۔ اور (۵۰۰۰) مختلف قسم کے سوار شامل تھے، دریا کو عبور کرنے کے لئے اپنے ساتھ لیا۔ نگاہوں سے بچنے کے لئے اس نے رات کے وقت کیمپ سے تھوڑی دور کوچ کیا۔ اس کی نقل و حرکت اس رات کے طوفان ابر و باد کے سبب اور بھی پوشیدہ رہی۔ اور مقام عبور پر وہ بلا وسواس آپہنچا۔ اور چھوٹے اور بڑے جہازوں اور کشتیوں کے بیڑے کو بالکل تیار پایا۔ دشمن کو اس تمام معاملے کا اس وقت تک کوئی شبہ بھی نہ ہوا جب تک کہ یہ بیڑا اس ٹاپو سے جس پر گنجان جنگل تھا آگے نکل کر کھلے دریا میں نہ پہنچ گیا۔ اور اس طرح صبح کے وقت بغیر کسی مزاحمت کے سکندر نے اپنی فوج کو دوسرے کنارے پر اتار دیا۔ جب وہ اتر چکا تو اس کو یہ معلوم کر کے مایوسی ہوئی کہ اس کے آگے ایک اور عمیق رود موجود ہے۔ جس کو عبور کرنا ضروری ہوگا۔ بہت مشکل سے ایک پایاب جگہ ملی۔ اور اسی میں سے سواروں نے جو گلے تک پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور جن کے گھوڑوں کے صرف سر ہی پانی سے باہر تھے۔ بہ ہزار دقت دریا کو عبور کیا۔ پورس کے کیمپ کا صرف ایک ہی راستہ تھا۔ جس سے گزرنا ممکن تھا۔ یہ راستہ بڑے پھیر کا تھا۔ اسی سبب سے فوری مزاحمت بالکل ناممکن ہو گئی۔ اور سکندر کو بلا مزاحمت موقعہ مل گیا کہ اپنی فوج کو بغیر کسی مزاحمت کے خشکی پر اتار کر آراستہ کر لے۔

میدان جنگ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ ہندی بادشاہ کا بیٹا (۲۰۰۰) سوار اور (۱۲۰) رتھوں کو ساتھ لئے علی العجلت تمام مقابلے کے لئے آیا۔

اس ناکافی فوج کو آسانی سے شکست دی گئی۔ اور ان میں (۴۰۰) آدمی مارے گئے۔ اور تمام رتھیں ضائع ہوگئیں۔ مفرور سپاہیوں نے اس حادثے کی خبر پورس کے کیمپ میں پہنچائی۔ اب وہ خود اپنی فوج کی ایک کثیر تعداد کو ہمراہ لیکر لڑائی کے لئے نکلا۔ اور تھوڑی سی فوج وہاں چھوڑ آیا کہ کریٹراس کے مقابلے میں جو اس کے انتظار میں دریا کے پار کنارے پر پڑا ہوا تھا۔ حفاظت کرے۔ ہندوستانی فوج اس مقام پر آراستہ ہوی جوان کو مل سکتا تھا۔ یعنے وہ میدان جسے کرری کہا جاتا ہے۔ یہ شمال ومشرق میں نیچی نیچی پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ اور عرض میں زیادہ سے زیادہ پانچ میل تھا۔

ہندوستانی فوج۔ یہ فوج جو ہندی بادشاہ نے ایک دلیر بیرونی حملہ آور کی زد سے اپنے ملک کو بچانے کے لئے اس وقت مہیا کی تھی نہایت ہی شاندار تھی۔ دوسو قوی ہیکل ہاتھی تھے جو ایک دوسرے سے کم از کم ایک سو فٹ کے فاصلے پر کھڑے کئے گئے تھے۔ اس طرح ان کی آٹھ قطاریں بنائی گئی تھیں۔ یہ قلب فوج کے سامنے کا حصہ تھا۔ پورس کو ان ہی مہیب جانوروں پر سب سے زیادہ بھروسہ تھا۔ کیونکہ خیال یہ تھا کہ وہ اجنبی سپاہیوں کو مرعوب کر دیں گے۔ اور اس طرح یونانیوں کے خوفناک سواروں کے رسالے تتر بتر ہو کے قابو سے نکل جائیں گے۔ ہاتھیوں کے عقب میں (۳۰۰۰۰) پیادوں کا انبوہ کثیر تھا جو دہنے بائیں دونوں طرف ہاتھیوں کی قطاروں کے بیچ سے پھیلے ہوے تھے۔ یہ پیادے آگے بڑھا دیئے گئے تھے۔ اس حالت میں ہندوستانی فوج نے "ایک شہر کی سی صورت اختیار کرلی تھی۔ ہاتھی گویا اس شہر کے برج تھے۔ اور مسلح سپاہ کا یہ معلوم ہوتا تھا کہ دو برجوں کے درمیان کی فصیل ہے۔" (ڈیوڈرس۔ باب ۱۷۔ فصل ۸۷۔) میسرہ اور میمنہ کی حفاظت کیلئے مقابل میں سوار تھے اور ان کے سامنے رتھیں کھڑی تھیں۔ سواروں کی تعداد (۴۰۰۰) تھی اور رتھوں کی (۳۰۰)۔ ہر ایک رتھ میں (۴) گھوڑے جتے ہوے تھے۔ اور چھ آدمی ان میں سوار تھے۔ ان میں سے دو تیر انداز تھے جو گاڑی کے دونوں جانب مقرر کئے گئے تھے۔ دو سپر بردار اور دو گھوڑوں کو ہانکنے والے تھے۔

جو گھمسان لڑائی کے موقعوں پر گھوڑوں کی باگوں کو چھوڑ بھالوں سے جنگ کرنے لگتے تھے۔ (کرٹس۔ باب۔ ۸۔ فصل ۱۴)*

ہندوستانی اسلحہ پیادوں میں سے ہر ایک آدمی ایک بھاری اور چوڑی تلوار اور بیل کے چمڑے کی لمبی ڈھال سے مسلح تھا۔ ان ہتھیاروں کے علاوہ ہر شخص کے پاس یا تو ایک برچھی ہوتی تھی اور کمان۔ کمان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ "وہ تیر انداز کے قد کے برابر ہوتی ہے۔ اس کو وہ زمین پر ٹکا کر۔ اور اپنے بائیں پیر سے اس کو پیچھے کی طرف دبا کر تیر لگاتے ہیں۔ اور اس طرح کمان کے وتر کو پیچھے کی طرف کھینچتے ہیں۔ ان کا تیر لمبائی میں تین گز سے ذرا ہی کم ہوتا ہے۔ ہندی تیر انداز کے تیر کی مزاحمت نہ تو ڈھال کر سکتی ہے۔ اور نہ چار آئینہ۔ اور نہ کوئی اور حفاظت کا آلہ۔ اگر کوئی ایسی ایجاد ممکن ہو۔ (ایرین۔ انڈیکا۔ باب ۱۶۔)*

ہندی کمان کا زور بہت تھا۔ مگر وہ ایسی بے ڈھنگی تھی کہ تیز رفتار مقدونی سواروں کے حملے کو نہ روک سکتے، تھے، سطح زمین پر پھسلن تھی اس وجہ سے ہندی سپاہی اپنے ہتھیار کو زمین میں نہ گاڑ سکے۔ اور سکندر کے سپاہیوں نے اس سے پہلے اُن پر حملہ کر دیا کہ وہ اپنے ہتھیاروں کو ٹھیک کر سکیں۔ (کرٹس۔ باب ۸ فصل ۱۴) ہندی سوار جن میں سے ہر ایک کے پاس دو برچھے اور ایک ڈھال تھی۔ سکندر کے سپاہیوں کے مقابلے میں جسمانی طاقت اور فوجی تربیت و ترتیب میں کچھ نہ تھے۔ (ایرین۔ باب ۵۔ فصل ۱۷)*

اس فوج اور ان ہتھیاروں کے زعم میں پورس اس طباع سپاہ دار کے مقابلے کے لئے تیار تھا جس کا نظیر دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔

سکندر کی فوجی تدابیر سکندر کو معلوم ہو گیا کہ اگر مختصر سی فوج نے دشمن کے قلب پر حملہ کیا تو کامیابی کی امید بے سود ہے۔ اور اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ سوار فوج ہندی میسرہ پر حملہ کرے تو کامیابی کا قوی احتمال ہے اس نے چھ ہزار پیادہ سپاہ کے افسروں کو حکم دیا۔ کہ وہ منتظر خاموش کھڑے رہیں۔ اور اس وقت تک جنگ شروع نہ کریں جب تک وہ نہ دیکھ لیں کہ ان سواروں کے حملے نے جو بذات خود سکندر کے زیر کمان تھے۔ ہندی پیادہ اور سواروں میں اضطراب نہیں پیدا کیا۔

جنگ کا پہلا حصہ اس نے جنگ کا آغاز اس طرح کیا کہ ایک ہزار سوار تیراندازوں کو ہندی فوج کے میسرہ کے مقابلے کے لیئے روانہ کیا۔ جو یقیناً دریا کے کنارے کے قریب تک پھیلی ہوی ہو گی۔ ان تیراندازوں نے اپنے تیروں سے ایک طوفان برپا کردیا۔ اور نہایت تندہی سے حملے کیئے۔ ان کے پیچھے سوار فوج بھی جس پر سکندر خود کمان کر رہا تھا۔ ہندی میمنہ کی سوار فوج بعجلت تمام عقب کے راستے سے اپنی میسرہ کے ساتھیوں کو بچانے کے لیئے روانہ ہوی۔ مگر اسی اثنا میں یونانیوں کے دو رسالے کیانوس کے زیر کمان جن کو خاص اسی مقصد کے لیئے سکندر نے فوج سے علیحدہ رکھا تھا۔ نہایت تیزی سے پورس کی جمی ہوی فوج کے سامنے سے گذرے۔ اور میمنہ کے گرد پھر کر ہندی رسالے اور رتھوں پر عقب سے حملہ آور ہوے۔ اب اس وقت جبکہ ہندی رسالے کوشش کر رہے تھے کہ اپنے مقابل کو اس حملے سے بچانے کے لیئے کچھ تبدیلی کرلیں۔ ان میں خواہ مخواہ کچھ اضطرابی حرکت پھیل گئی۔ اور سکندر کو موقع مل گیا۔ اس نے عین اسی وقت جبکہ ہندی فوج کا رسالہ اپنا رخ بدل رہا تھا۔ ان پر سخت حملہ کیا۔ ہندی میمنہ و میسرہ دونوں بالکل پاش پاش ہوگئے۔ اور لوگ "ہاتھیوں کے زیر سایہ اس طرح پناہ لینے کے لیئے بھاگے۔ جس طرح کوئی قلعے کی دیوار کے نیچے پناہ لیتا ہے۔" اس طرح جنگ کے پہلے حصے کا خاتمہ ہوا۔

جنگ کا دوسرا حصہ اب مہاوتوں نے کوشش کی کہ مقدونوی فوج کے درمیان اپنے جانوروں کو بڑھایا جاے تاکہ اس مصیبت کو کسی طرح روکیں۔ مگر اب فلینکس آگے بڑھا۔ اور اس نے لڑائی میں حصہ لینا شروع کیا۔ مقدونوی سپاہیوں نے ہاتھیوں پر اور ان کے سواروں پر متواتر برچھیاں برسانی شروع کیں۔ یہ جانور دیوانہ وار آگے بڑھے۔ اور فلینکس کی ان گندھی ہوی قطاروں کو جن میں اضطراب پیدا کرنا انسان کی طاقت سے باہر تھا اپنے پیروں سے روند ڈالا۔ ہندی سواروں نے اس نازک موقع کو غنیمت سمجھا اور پہلی شکست کا بدلا اتارنے کے لیئے پھر کر سکندر کی سوار فوج پر حملہ آور ہوے۔ مگر ہندی اس کام کے قابل نہ تھے جس کے پورا کرنے کی انھوں نے کوشش کی۔ اور پسپا ہو کر

ہاتھیوں کے درمیان میں پھنسکر رہ گئے۔ لڑائی کا دوسرا حصہ اب ختم ہوا۔

جنگ کا تیسرا حصہ

تیسرا اور آخری حصہ مقدونی سواروں کے حملے سے شروع ہوا۔ جنھوں نے ہندی فوج کی شکستہ قطاروں پر گھوڑے ڈال کے خون کے دریا بہا دیئے۔ دن کے آٹھویں ساعت۔ (پلوٹارک۔ لائف۔ باب ۶۰) کشت و خون کے اس تلاطم میں جنگ ختم ہوئی)۔ جس کو ایرین کے لفظوں میں بہترین طریقے سے بیان کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا بیان ان لوگوں کے چشم دید بیانات پر مبنی ہے جو اس جنگ میں شریک تھے۔

ہندیوں کی شکست

وہ لکھتا ہے کہ "اب چونکہ ہاتھی ایک تنگ مقام میں گھر گئے تھے۔ انھوں نے اپنوں کو بھی اتنا ہی نقصان پہنچایا جتنا کہ اپنے دشمنوں کو۔ انھوں نے ان کو رخ بدلنے اور بھاگنے کی حالت میں روند ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سواروں کا کثیر تعداد میں قتل عام ہوا۔ کیونکہ وہ ہاتھیوں کے گرد ایک تنگ مقام میں گھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے مہاوت مارے گئے۔ اور ہاتھیوں میں سے بھی چند زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے سوا جتنے اور بچے انھوں نے زخمی ہونے اور مہاوت کے نقصان کی وجہ سے جنگ میں اپنے فریق کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ زخموں کی تکلیفوں کی وجہ سے دیوانہ وار بلا تمیز دشمن و دوست سب کو ڈھکیلنا۔ روندنا۔ اور ہر ممکن طریقے سے مارنا شروع کیا۔ اس کے برخلاف مقدونوی فوج کھلے ہوئے وسیع میدان میں تھی۔ اُن کی نقل و حرکت کو کوئی چیز مانع نہ تھی۔ جب ہاتھی حملہ کرتے تو وہ ان کے راستے سے ہٹ جاتی۔ اور جب وہ واپس جانے لگتے تو ان کا تعاقب کر کے ان پر برچھیوں سے حملہ کرتی۔ اس کے برعکس ہندی جوان جانوروں میں گھرے ہوئے تھے وہ ان کے غیظ و غضب کے بہت کچھ شکار ہوئے۔

"جب ہاتھی بالکل تھک گئے۔ اور ان کی شورش کم ہوئی تو وہ ان جہازوں کی طرح جو پانی پر ڈگمگا رہے ہوں پیچھے ہٹے۔ اور دشمن کی طرف مُنہ نہ کیا۔ اسوقت سکندر نے اپنے رسالے سے تمام ہندی فوج کو گھیر لیا۔ اور اشارہ کیا کہ پیادہ فوج اپنے پرے جمائے اپنی ڈھالوں کو ملائے ہوئے فلینکس کی طرح آگے بڑھے۔

اس طرح ہندیوں کے رسالے کے تھوڑے ہی سوار بچے ہونگے باقی تقریباً بالکل تباہ ہو گئے پیادہ فوج کا بھی یہی حشر ہوا۔ کیونکہ اب مقدونی ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے آگے بڑھے چلے آتے تھے؛

"یہ حالت دیکھ کر سب کے سب مقدونی فوج میں جہاں کہیں ان کو ذرا سی راہ نظر آئی بھاگ کر نکل گئے"

پورس کی گرفتاری اس اثنا میں کریٹراس اور دوسرے افسروں نے جو مقابل کے کنارے پر چھوڑے گئے تھے دریا کو عبور کیا۔ اور انکی تازہ دم فوج نے ہزیمت خوردہ سپاہیوں کا تعاقب شروع کیا۔ ہندی فوج بالکل فنا ہو گئی۔ ہاتھی یا تو مارے گئے اور یا قید ہوئے رتھیں برباد ہو گئیں۔ (۳۰۰۰) سوار اور کم از کم (۱۲۰۰۰) پیادے مارے گئے۔ اور (۹۰۰۰) قید ہوئے مقدونیوں کا نقصان زیادہ سے زیادہ (۱۰۰۰) کا ہوا؛

خود پورس جو ساڑھے چھ فٹ قد کا اونچا مضبوط اور توانا آدمی تھا۔ آخری وقت تک لڑتا رہا۔ مگر آخر کار نو زخم کھا کے نیم مردہ حالت میں گرفتار ہوا۔ سکندر اپنے بہادر حریف کے ساتھ نہایت ہی عالی ہمتی سے پیش آیا۔ اور بکشادہ پیشانی اس کی مغرورانہ درخواست کا جواب دیا کہ "وہ بادشاہ کی طرح سلوک کا متمنی ہے"۔ فاتح نے نہ صرف مفتوح راجہ کو پھر اس کا آبائی ملک دیدیا۔ بلکہ اپنی طرف سے بہت وسیع علاقہ اس میں بڑھا دیا۔ اور اس فیاضی کی وجہ سے ہندوستان کے قلیل قیام کے دوران میں اسکو اپنا ممنون احسان اور وفادار دوست بنا لیا۔[۱]

---

[۱] عبور دریا۔ تاریخ و موقع جنگ کے مابہ النزاع مسائل کے لئے دیکھو ضمیمہ ہائے م ش و ج ۔ کیونوس کی نقل و حرکت کے متعلق اختلاف آراء ہے۔ مگر مجھے کتاب کی عبارت بالکل صاف معلوم ہوتی ہے۔ آسانی سے نقل و حرکت کرنے والے رسالے کے لئے یہ کچھ مشکل کام نہ تھا کہ وہ پورس کی فوج کے سامنے سے گذر جائے۔ اگرچہ یہ کام اس وقت ناممکن ہوتا اگر اس فوج کے پاس بندوقیں ہوتیں۔ ایرین کی جنگ کے متعلق صاف بیان کو اگرچہ زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ مگر دوسرے مصنفوں سے بھی اس میں مدد لی گئی ہے۔ ۱۲۔

بوک فلا

اس فتح کی یادگار قائم کرنے کے لیئے دو شہروں کی بنیاد ڈالی گئی۔ ایک نیکیا۔ جو میدان جنگ کے مقام پر ہی واقع تھا۔ اور دوسرا بوک فلا۔ جو اس مقام پر واقع تھا جس جگہ سکندر نے ہائیڈس پیز کو عبور کیا تھا۔ اس دوسرے شہر کا نام سکندر کے مشہور گھوڑے کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جس نے اس کو اتنے خطرناک مقامات سے صحیح و سلامت گذار دیا تھا۔ اور اب تکان ماندگی۔ اور بڑھاپے کے سبب آخر کار جان دی۔ بوک فلا اپنے موقع کے لحاظ ایسے مقام پر تھا جہاں سے مغرب کی سمت سے ہندوستان کے وسط کے علاقے میں شاہراہ گذرتی تھی۔ اس لیئے ایسا مشہور اور اہم شہر ہوگیا کہ پلوٹارک نے اس کو سکندر کے سب سے بڑے شہروں میں شمار کیا۔ یہ شہر تقریباً اسی مقام پر واقع تھا جہاں آجکل جہلم شہر آباد ہے۔ اس کے موقع کا نشان زیادہ صحت کے ساتھ وہ بڑا ٹیلا ہے جو موجودہ شہر کے مغرب میں واقع ہے۔[1]

نیکیا

نیکیا کے موقع کا جس کو بوک فلا کی سی شہرت کبھی نصیب نہ ہوئی۔ اس قدر صحت کے ساتھ تعین نہیں کیا جا سکتا۔ مگر وہ غالباً میدان کرری کے جنوب میں سکھ چین پور گاؤں کے مقام پر آباد تھا۔ یہی وہ مقام ہے جو سکندر کا میدان جنگ تھا۔[2]

جنگ کا یادگار تمغا

اس جنگ کی یادگار سکّے کی صورت میں وہ مشہور عجیب و غریب تمغے ہے جو اب برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔" اس کے ایک طرف تو ایک مقدونی سوار اپنے سامنے ایک بھاگتے ہوئے ہاتھی کو

---

[1] ایرین نے (باب ۵۔ فصل ۲۰) بوک فیلس کی موت کا ذکر صحیح کیا ہے۔ بوک فلا کے موقع کو میری تسلی و تشفی کے قابل ایبٹ نے معلوم کیا (آن دی سائٹ آف نیکیا اینڈ بوک فلا جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۵۲ء صفحہ ۲۳۱)۔ مذکورۂ بالا ٹیلا مقامی طور پر پنڈی کے نام سے مشہور ہے۔ اور بڑی بڑی پرانی اینٹیں اور یونانی سکّے اس میں پائے جاتے ہیں۔ بوک فلا کا ذکر پلینی نے پٹنگر کی فہرست (باب ۶ فصل ۲۰) پیری پلس کے مصنف نے (فصل ۴۷) اور پلوٹارک نے (فارچون آف اسکندر خطبہ اول ۹) میں کیا ہے کننگھم کا دریافت کیا ہوا موقع اس وجہ سے رد کر دیا گیا ہے۔ کہ اس نے عبور دریا کا مقام جلال پور کو قرار دیا ہے۔ ۱۲

ہانک رہا ہے۔ جس پر دو آدمی سوار ہیں۔ اور دوسری طرف سکندر کھڑا ہے۔ رعد کا ایک چابک اس کے ہاتھ میں ہے۔ اور سر پر ایرانی خود ہے۔ مسٹر برسٹلے ہیڈ کے نزدیک ایسے وجوہ ہیں جن سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ وہ تمغا ہے جسے سکندر نے ان مقدونی افسروں کو انعام دینے کے لیئے ہندوستان میں مسکوک کیا تھا جو اس جنگ میں شریک تھے[1]

گلاسیا۔ اور پورس ثانی

سکندر نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ مقتولین کی تجہیز و تکفین کرنے کے بعد حسب دستور قربانیاں کیں۔ اور تفریح کا سامان بہم پہنچایا۔ اس کے بعد اس نے کریٹرس کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ پیچھے چھوڑا۔ اور حکم دیا کہ چوکیوں کو قلعبند کرے۔ اور وسائل آمدورفت کو کھلا رکھے۔ خود بادشاہ نے فوج کے چند دستوں کو ساتھ لیکر گلاسیا۔ یا گلاگینیکوئی نام ایک قوم پر حملہ کیا جس کا علاقہ پورس کے ملک سے ملحق تھا۔ سینتیس بڑے بڑے شہروں اور بیشمار قصبوں نے فوراً اطاعت قبول کی۔ اور وہ پورس کے وسیع ملک میں شامل کر دیئے گئے۔ نیچے کی پہاڑیوں کے بادشاہ نے جس کو یونانیوں نے ابی سرنز لکھا ہے۔ مقاومت کو فضول اور بے سود دیکھ کر دوبارہ اطاعت قبول کی۔ ایک اور پورس نام کا راجہ جو ہزیمت خوردہ راجہ پورس کا بھتیجا تھا۔ گنڈرس نام ایک علاقے پر حکمران تھا اس نے ایلچی بھیجے اور اس بادشاہ کے مطیع ہونے کا جس پر غالب آنا محال تھا۔ وعدہ کیا۔ دوسرے اور خود مختار قبائل نے بھی ان بادشاہوں کی پیروی کی ؛

وسط ماہ جولائی ۳۲۶ ق م عبور دریائے اکسینز

سکندر پہلے سے زیادہ مشرقی جانب کو روانہ ہوا۔ اور اکسینز (دریائے چناب) کو ایک نامعلوم مقام پر عبور کیا۔ مگر یہ مقام یقینی طور پر دامن کوہ کے قریب واقع تھا۔ دریا کو عبور کرنے میں اگرچہ کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوی۔ مگر یہ کام اس وجہ سے دشوار ہو گیا کہ دریا میں سیلاب آیا ہوا تھا۔ اور دھارا اس زور سے چل رہا تھا کہ

[1] دیکھو نیومسمیٹکل کرانکل بابت سنہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۹۔ لوح اول۔ نمبر ۹۔

وہ عرض میں (۳۰۰) گز (۵ اسٹیڈیا) تھا۔ اور دریا میں بہت سی زبردست چٹانیں تھیں۔ جن سے ٹکرا کر بہت سی کشتیاں پاش پاش ہوگئیں۔ [۱]

ہائڈروٹیس کا عبور

سکندر کمک سامان رسد اور وسائل آمد و رفت کا مناسب انتظام کرنے کے بعد مشرق کی طرف بڑھا چلا گیا۔ اور غالباً سیالکوٹ کے قدیم قلعے کے پاس سے گذرا۔ ہائڈروٹیس (دریائے راوی) کو کیونکہ بغیر کسی مزاحمت کے عبور کر لیا تھا اس لیئے ہفیسٹئن کو واپس روانہ کیا گیا کہ نوجوان پورس کو پھر مطیع کرے جس نے کہ اپنے دشمن چچا کے ساتھ سکندر کے سلوک کو دیکھ کر حسد و رشک کی وجہ سے بغاوت اختیار کی تھی۔ [۲]

خودمختار قبائل

سکندر نے جنگ کے لیئے اس اہم متحدہ خودمختار قبائل کو اپنا حریف منتخب کیا جس کا سردار کتھوئی کا قبیلہ تھا۔ جو دریائے راوی کے بائیں یا مشرقی جانب آباد تھا۔ اور جنگی معاملات میں بہت کچھ شہرت رکھتا تھا۔ ان کے ہمسائے قبیلۂ آکسی ڈریکائی۔ جو دریائے ہائی فی سس کے میدان میں۔ اور ملوئی جو دریائے ہائڈراٹیس کے زیریں جانب لاہور کے جنوب میں آباد تھے۔ مشہور زمانہ جنگجو تھے۔ اور اس قبائلی اتحاد میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ مگر اب تک شامل نہ ہوئے تھے۔ کتھوئی کی مدد کے لیئے اسوقت تک قرب وجوار کے چھوٹے چھوٹے قبیلے بھی آمادہ تھے۔ اور وہ ہولناک مصیبت جو ملوئی پر آنے والی تھی چندروز کے لیئے ملتوی ہوگئی تھی۔

سیم پرام اور سنگلا

ہائڈروٹیس کے عبور کے دوسرے دن سکندر نے سیم پرام نامی

---

[۱] یہ تمام باتیں جو ایرین نے بیان کی ہیں۔ (باب ۵۔ فصل ۲۰) صاف ظاہر کرتی ہیں۔ کہ اکسینز کو وزیرآباد سے (۲۰)، (۳۰) میل شمال کی جانب جہاں مبکہ کرنڈل نے معبر قرار دیا ہے عبور کیا ہوگا۔ دریائے چناب نے اپنا راستہ بہت کچھ بدل دیا ہے۔ اور نیچے اتر کر (۳) میل کے رقبے میں اپنا رخ تبدیل کیا ہے۔ (ریورٹی صفحہ ۳۴۳) ۔۱۲۔

[۲] ان قبائل کے صحیح موقع کے متعلق دیکھو مصنف کا مضمون "دی پوزیشن آف دی اٹانومس ٹرائبس آف دی پنجاب کنکرڈ بائی اسکندر دی گریٹ" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس اکتوبر ۱۹۰۳ء) دیکھو نقشہ یہ اسی رسالے سے منقول ہے۔ اور کچھ تبدیل کردی گئی ہے۔ ۱۲۔

ایک شہر کو چند شرائط پر مطیع کیا۔ یہ شہر ایک قوم کی ملک تھا جس کو ایرین اڈرابسٹائی لکھا ہے۔ ایک دن آرام کرنے کے بعد اس نے سنگلا کا محاصرہ کر لیا جس کو کتھوئی اور دوسرے متحدہ قبائل نے اپنا سب سے اہم قلعہ قرار دیا تھا۔ ان قبائل نے اپنے کیمپ کو جو نیچی نیچی پہاڑیوں کے دامن میں واقع تھا۔ گاڑیوں کی تین قطاروں سے محفوظ کر کے سخت مقابلہ کیا۔

اسی اثنا میں پڑاورس محاصرین کی کمک کے لئے (۰۰۰ ۵) پیادے۔ ہاتھی اور محاصرے کی مشین لے کر پہنچ گیا۔ مگر قبل اس کے کہ فصیل شہر میں کسی قسم کا شگاف ہو مقدونی فوج سیڑھیاں لگا کر قلعے پر چڑھ گئی۔ اور متحدین کو شکست دی جن میں سے ہزاروں مارے گئے۔ سکندر کا نقصان مقتولین میں تو صرف (۱۰۰) کا ہوا۔ مگر بارہ سو آدمی زخمی ہوئے۔ جو یقیناً بہت بڑی تعداد تھی۔

اس سخت مقابلے کی سزا دینے کے لئے جو سنگلا کے آدمیوں نے کیا سنگلا کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا[1]۔

دریائے ہائی فےسس پر آمد۔

ان دریاؤں کے علاوہ ہائی فےسس (دریائے بیاس) بھی اس اولوالعزم بادشاہ کے راستے میں ابھی اور حائل تھا۔ اور وہ اس کے کنارے پر پہنچکر اس کے عبور کرنے کی فکر کرنے لگا۔ تاکہ اس کے پار کی اقوام کو بھی زیر نگیں کرے کیونکہ انکے متعلق

---

[1] سنگلا کے موقعے کے متعلق بہت کچھ لغویات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ مقام ہندو مصنفین اور ہیون سانگ کے ساکل نام جگہ سے بالکل مختلف تھا۔ کننگھم کا یہ خیال کہ یہ دونوں مقامات ایک ہی ہیں۔ اس کے یہ ماننے کی بنیاد ہوا کہ سانگلا ٹبہ یعنے ضلع جھنگ کے ایک مقام کو سکندر کا سنگلا مقام تبلائے۔ متوفی مسٹر سی۔ جے۔ راجرس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ یہ خیال غلط ہے۔ (رپورٹ آف سانگلا ٹبہ۔ نیوز پریس لاہور۔ ۱۹۰۲ء۔ پروسیڈنگس آف اے۔ ایس۔ بی ۱۸۹۶ء صفحہ ۸۱)۔ سنگلا کا موقعہ جس کو مسمار کر دیا گیا تھا صحت کے ساتھ معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ گروہ گرداسپور کے ضلع میں واقع تھا۔ ساکل۔ جہراگل کے پائے تخت کے مقام پر موجودہ سیالکوٹ کا شہر آباد ہے۔ شمال عرض بلد ۳۲۔۳۰۔۳۲ مشرقی طول بلد ۷۴۔۳۲۔

مشہور تھا کہ وہ نہایت جنگجو کاشتکار ہیں - ایک قابل تعریف حکومت امراء کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں - اور ان کی زمینیں سرسبز و زرخیز ہیں جن میں زبردست اور قوی ہیکل ہاتھی بکثرت پائے جاتے ہیں ؛

سکندر کا خطبہ

سکندر نے یہ دیکھکر کہ اس کی فوجیں پرانی خوشی اور جوش کے ساتھ اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں - اور نہ وہ اس بات پر راضی ہیں کہ اور دور و دراز مقامات پر اس کے ہمرکاب رہیں - اس نے ان کے جوش و خروش کو نئے سرے سے مشتعل کرنے کے لئے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں ان کو مخاطب کیا جن میں اس نے ہلس پونٹ سے لے کر دریائے ہائی فے سس تک کے تمام قطعۂ زمین کی فتح کا حال بتلایا - اور ان سے وعدہ کیا کہ تمام ایشیا کی دولت وہ ان کے ہاتھ میں دے دیگا - مگر اس کے ان جملوں کا بالکل کوئی اثر نہ ہوا - بلکہ فوج نے انھیں نہایت ہی تکلیف وہ خاموشی کے ساتھ سنا - اور بہت دیر تک ساکت رہی ؛

کیونوس کا جواب

آخر کار رسالے کے معتمد علیہ افسر کیانوس کو جس نے پورس کی فوج پر حملے میں پیش قدمی کی تھی اتنی ہمت ہوئی کہ سکندر کو جواب دے - اور اس نے بدلائل یہ ثابت کرنا چاہا کہ فوج کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی کوئی انتہا ہونی چاہیئے - اس نے اصرار کیا کہ بادشاہ اس بات کو یاد رکھے کہ ان یونانیوں اور مقدونیوں میں سے جنھوں نے آٹھ برس قبل ہلس پونٹ کو عبور کیا تھا - بعض تو بیمار ہو کر وطن واپس چلے گئے اور بعض نو آباد شہروں میں بلا طیب خاطر جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں - بعض زخموں کی وجہ سے بیکار ہیں - اور ایک بہت بڑی تعداد وبا اور تلوار کی نذر ہو چکی ہے -

ستمبر ۳۲۶ ق م

مگر امر واقعی یہ تھا کہ اب سکندر کے جھنڈے تلے بہت ہی کم آدمی رہ گئے تھے - اور جو تھے وہ بھی مفلس قلاش دائم المریض - غیر مسلح اور مایوسی کی حالت میں تھے - اس نے اپنے خطبے کو مفصلۂ ذیل الفاظ پر ختم کیا ؛

"اے بادشاہ! عین کامیابی کے دوران میں اعتدال بہترین خوبیوں

میں سے ایک خوبی ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ایسی بہادر فوج کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی انسانی دشمن کی پروا یا خوف نہ ہونا چاہئیے۔ مگر پھر بھی انسان خدا کے قضا و قدر کو نہ تو پیش از وقت معلوم کر سکتا ہے اور نہ اس سے محفوظ رہ سکتا ہے[1]۔

مراجعت کے احکام کیانوس کے یہ الفاظ جس گرمجوشی سے قبول کئیے گئے۔ اس سے اب فوج کے سپاہیوں کے مزاجوں کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ رہ گیا۔ سکندر سخت شکستہ دل ہو گیا۔ مگر پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔ جب تیسرے دن باہر آیا تو اس کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اب آگے بڑھنے کا خیال بالکل عبث ہے۔ عین اسی وقت منجموں نے بڑی عقلمندی سے یہ تبلایا کہ دریا کو عبور کرنے کے لئے شگون اچھے نہیں۔ چنانچہ سکندر نے بادلِ ناخواستہ ستمبر ۳۲۶ ق م میں فوج کو مراجعت کا حکم دے دیا۔

قربان گاہ۔ اپنی پیش قدمی کے انتہائی مقام پر یادگار کے طور سے اس نے بارہ قربان گاہ تعمیر کرائے جو مربع پتھروں سے بنائے گئے تھے۔ اور پچاس مکعب بلند تھے۔ ان میں سے ہر ایک ایک دیوتا کے نام منسوب کیا گیا تھا۔ اگرچہ فوج نے دریا کو عبور نہ کیا تھا۔ مگر پلنی کے خیال کے مطابق جس کو بظاہر غلط خبر پہنچی تھی۔ یہ قربان گاہ دریا کے دوسرے کنارے پر تعمیر کئیے گئے تھے۔ جہاں وہ مدت تک آیندوروند کے لئے حیرت اور عبرت کے منظر رہے۔ ممکن ہے کہ ان کے نشانات اب تک باقی ہوں۔ ان کو بیاس کے سب سے قدیم رودمیں کوہستانی اضلاع گرداسپور۔ ہوشیارپور یا کانگڑے میں سے کسی میں تلاش کرنا چاہئیے۔ جہاں سوائے ڈگنے[2] کے اب تک اور

---

[1] کیانوس کا یہ خطبہ جس کو ایرین نے پورا نقل کیا ہے۔ مجھکو اصلاً ایک حقیقی خطبے کی صحیح روئداد معلوم ہوتی ہے اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خود مورخ نے ایک مناسب حال عبارت گھڑ لی ہو۔ ۱۲ ؎

[2] ڈگنے کی کتاب۔ اے پرسنل نے رے ٹیو آف اے وزٹ ٹو غزنی۔ کابل اینڈ افغانستان (۱۸۴۳ء) صفحہ ۱۱۔ ممکن ہے کہ اب کوئی مقامی افسر اس مسئلے کو حل کر دے۔ ۱۲ ؎

کسی نے انھیں نہیں ڈھونڈا۔ دانشمند ایرین صرف یہ لکھتا ہے کہ:۔

"سکندر نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جس کو اس نے حکم دیا کہ بارہ قربان گاہ تیار کریں جو اونچائی میں سب سے بلند فوجی برجوں کے برابر ہوں۔ وہ ان کو دیوتاؤں کی شکر گذاری میں کہ انھوں نے اس مقام تک فتح و ظفر میں اس کا ساتھ دیا۔ قربان گاہ کے طور پر بھی استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنے کارناموں کی یادگار کے طور پر بھی ان کو اپنے پیچھے چھوڑنا چاہتا تھا۔ جب یہ قربان گاہ تعمیر ہو چکے۔ تو اس نے دستور کے مطابق ان پر قربانی کی۔ اور کھیل و تفریح میں وقت گذارا۔"

قربان گاہ پر چندر گپت کی عبادت۔

یہ عمارتیں جن کو اس قدر مذہبی رنگ کے ساتھ دیوتاؤں کے نام پر منسوب کیا گیا تھا وہ مقصدوں کے پورا کرنے کے لیے تھے۔ تاکہ دنیا کے سب سے بڑے جنرل کی دینداری اور اس کے کارناموں کی سب سے بہتر اور عمدہ یادگار رہے۔ ہندوستان کی سلطنتوں نے جنھوں نے سکندر کی قوت کے آگے سر تسلیم خم کیا تھا ان کی کماحقہ قدر کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے پہلے شاہنشاہ چندر گپتا موریا جو سکندر کے فتوحات کا مالک ہوا۔ اور اس کے جانشین صدیوں تک برابر ان قربان گاہوں کی تعظیم کرتے رہے۔ اور ان کی عادت تھی کہ ان پر قربانی چڑھانے کے لئے وہ دریا کو عبور کر کے آیا کرتے تھے[1]۔

---

[1] "اس طرح سکندر نے ... قتل کے نام اور اس کوشش (چندر گپتا) نے سکندر کے نام کی عزت کرتے ہوئے خود بھی اعزاز اور رتبہ حاصل کیا۔" (پلوٹارک تقریباً سنہ ۹۰ء) "کس طرح ایک شخص بلا بغض و حسد پیدا کئے اپنی تعریف کر سکتا ہے۔" فقرہ (۱۱) ۱۹۰۱ء سنا... مو بنز مترجم شلینٹو)۔ یہی مصنف لائف آف الکزنڈر میں لکھتا ہے کہ "اس نے دیوتاؤں کے نام پر قربان گاہ تعمیر کرائے۔ جن کی کہ پردیسی قوم (یعنے مگدھ) کے بادشاہ اس وقت تک تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اور دریا کو عبور کر کے ان پر یونانی طریقے سے قربانیاں چڑھاتے ہیں۔ ایرین۔ کرٹنس اور ڈیوڈرس اس بات میں متفق ہیں کہ بارہ قربان گاہیں تعمیر ہوئی تھیں۔ کرٹنس نے مربع پتھروں" کا

سیاحوں کی حکایتیں

لیکن اگر کرٹیس اور ڈیوڈرس کے بیان پر اعتبار کرلیا جائے تو ان یادگار قربان گاہوں کی عظیم الشان سادگی کو بادشاہ کی طفلانہ خود نمائی نے ایک اضافہ کرکے بدنما۔ اور بدصورت کردیا تھا۔ یہ حکایت سب سے مفصل طور پر ڈیوڈرس نے بیان کی ہے۔ وہ نہایت سنجیدگی کیساتھ لکھتا ہے۔ کہ ان قربان گاہوں کی تکمیل کے بعد سکندر نے حکم دیا کہ فوج کا ایک کیمپ تیار کیا جائے۔ جو اس کی فوج کی قیام گاہ سے تین گنا زیادہ ہو۔ اور گرد ایک خندق پچاس فیٹ چوڑی اور چالیس فیٹ گہری ہو۔ اور ایک فصیل بھی تعمیر ہو جس کا طول عرض بلندی معمول سے بہت زیادہ ہو۔ آگے چل کر حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ "اس نے یہ بھی حکم دیا کہ پیادوں کے لیئے مکانات تعمیر ہوں اور ان میں سے ہر ایک میں ایک شخص کے لیئے دو پلنگ چار ہاتھ لمبے بنائے جائیں اسکے علاوہ دو مکان جو معمولی مکانات سے دگنے ہوں ہر ایک سوار کے لیئے بنائے جائیں۔ اسی طرح جو کچھ مال و اسباب پیچھے چھوڑا جانے والا تھا اس کے متعلق بھی حکم

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ذکر کیا ہے۔ اور ڈیوڈرس نے پچاس مکعب کی بلندی کا۔ فلاسٹریٹس نے مفصلۂ ذیل بیان میں ان سے اختلاف کیا ہے۔ "ہائی ڈراوٹیس کو عبور کرنے اور چند اقوام میں سے گذرنے کے بعد وہ دریائے ہائی فے سس پر پہنچے۔ (۳۰) سٹیڈ اس دریا کے پار وہ ان قربان گاہوں پر پہنچے جن پر یہ عبارت کندہ تھی۔ اب محترم ایمان اس کا بھائی ہرقل۔ اتھینا قضا و قدر خدا اولمپیا کے زوس۔ سموتھریس کے کبیرائی۔ ہندوستان کے سورج اور ڈلفیا کے اپالو کے نام پر۔" کہتے ہیں کہ ایک پیتل کی لاٹ بھی تھی جس پر یہ الفاظ کندہ تھے: "یہاں اسکندر نے قیام کیا" ۱۲

" ان قربان گاہوں کو ہم سکندر کا بنایا ہوا سمجھ سکتے ہیں جس نے اس طرح اپنی سلطنت کے حدود کی شان دکھائی۔ مگر میرا خیال ہے کہ یہ کتبہ دریائے ہائی فے سس کے دوسری جانب کے رہنے والے ہندوستانیوں نے نصب کیا تھا۔ کہ اس سے خود ان کی شان زیادہ ہو جائے کہ انھوں نے اسکندر کو یہاں سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربان گاہیں جو سات دیوتاؤں کے نام سے معنون کی گئی تھیں دریا کے مغربی کنارے پر واقع تھیں۔ اور غالباً واقعی بات بھی یہی ہے ۱۲۔

ہوا کہ بشبۃ وہ بھی رو چند تعداد میں چھوڑا جائے"۔ اس تمام قصے کا یہ منشا ہے کہ ہم سمجھیں کہ ان تمام احمقانہ باتوں سے سکندر ملک کے باشندوں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ حملہ آور عام آدمیوں سے زیادہ قدآور اور قوی الجثہ تھے[۵۱]
اس بات کا یقین کرنا بالکل ناممکن ہے کہ سکندر اس قسم کی خودنمائی کا مرتکب ہوا ہو۔ اور اس حکایت کو بے تامل اس بنا پر رد کیا جا سکتا ہے کہ وہ اُن حکایتوں کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے جو ان سیاحوں نے جنھوں نے کہ یہ قربان گاہیں دیکھی تھیں بیان کی ہونگی ؛

ضمیمہ ث

سکندر کا کیمپ۔ دریائے ہائی ڈس پیز کے عبور کی جگہ اور جنگ پورس کا موقعہ

یہ مسائل قابل حل ہیں میرے نزدیک دریائے ہائی ڈس پیز کے کنارے پر سکندر کے کیمپ۔ اس دریا کا جائے عبور اور میدان جنگ کا موقعہ ایسے سوالات ہیں۔ جو کافی صحت کے ساتھ حل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ قدیم مورخین کے بیانات اور اصلی جغرافی حالات پر بغور و فکر نظر کیجائے ؛

دریائے ہائی ڈس پیز دریائے ہائی ڈس پیز (وتستا۔ بہت یا جھلم) نے پنجاب کے اور دریاؤں کے مقابلے میں اپنا راستہ بہت کم تبدیل کیا ہے۔ اور جلال پور کے شمال کا حصہ جو کہ اس وقت زیر بحث ہے

---

[۵۱] ڈیوڈرس باب ۱۷- فصل ۹۵- کرٹیس- باب ۹- فصل ۳ ؛

...بھی کم تبدیل ہوا ہے ۔ اس طرح ما بہ النزاع سوالات کا حل اس وجہ سے زیادہ پیچیدہ نہیں ہوا کہ دریا کے قدیم راستے کے متعلق ان میں شکوک کو ...دی جائے[1]

ٹکسلا اسی طرح ہندوستان کے اس عظیم الشان شہر ٹکسلا کے متعلق بھی جہاں سے سکندر نے اپنا کوچ اندرونی ملک میں دریائے ہائی ڈس پیز کی طرف شروع کیا کوئی شک و شبہ نہیں ۔ اگرچہ اس شہر کے کھنڈروں کے متعلق ...نگھم کا بیان اکثر وجوہ سے ناکافی ہے ۔ مگر اس کا ٹکسلا کے موقع کو شاہ ڈھیری یا اس کے قریب کے مقام کو قرار دینا یقیناً صحیح ہے ۔ یہ کھنڈر جو محض ٹیلوں کی صورت میں مختلف کھیتوں میں منتشر ہیں راولپنڈی کے شمال مغرب میں (۲۰) میل کے فاصلے پر اور حسن ابدال کے گاؤں کے جنوب مشرق میں تقریباً نو میل کے فاصلے پر واقع ہیں[2]

ٹکسلا سے ہائی ڈس پیز تک کا فاصلہ ٹکسلا کے موقع سے جہلم کے شہر کا فاصلہ جیسا کہ موجودہ نقشوں سے ظاہر ہوتا ہے صرف (۹۰) میل کا ہے ۔ اور ٹکسلا سے جلال پور کا فاصلہ تقریباً تیس اور دریا کے

---

[1] سنسکرت میں اس دریا کا نام وتستا ہے ۔ پراکرت میں ودستا کشمیری میں ویتھ ۔ پنجابی میں بہت یا وہت ۔ مسلمان مصنفین اسکو دریائے جہلم لکھتے ہیں ۔ یعنے وہ دریا جو شہر جہلم کے پاس سے گذرتا ہو ۔ جہاں شاہ گذر واقع تھا موجودہ دستور کے مطابق دریا کا نام ہی جہلم ہو گیا ہے ۔ سوائے اس کے کہ دریائے چناب کے سنگم کے مقام پر اس میں کچھ تبدیلی ہو گئی ہو دریا کے راستے میں اور کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا ۔ مگر خود چناب اکثر اور بڑی حد تک تبدیل ہو گیا ہے ۔ (ریورٹی "دی مہران آف سندھ اینڈ اٹس ٹری بیوٹریز" جے ۔ اے ۔ ایس ۔ بی حصہ اول ۔ ۱۸۹۲ء صفحہ ۳۱۹ - ۳۲۹ - ۳۳۲ - سٹائن کا ترجمہ راج ترنگنی جلد دوم صفحہ ۴۱۸)

[2] شاہ ڈھیری شمالی عرض بلد ۳۳° - ۴۷' - اور مشرق طول بلد ۲۲° - ۴۹ پر واقع ہے (امپیریل گزٹیئر ۱۹۰۸ء) - یہ کھنڈر بیس مربع میل میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ اور کننگھم نے وہاں (۵۵) ستوپ ۔ (۲۸) خانقاہیں ۔ اور ۹ مندر گنے تھے (رپورٹ ۔ جلد دوم صفحہ ۱۵۱) - ۱۳ ؏

جنوب میں چند میل اور زیادہ ہے۔ شاہ ڈھیری (ٹکسلا) سے جہلم کا شمالی یا بالائی فاصلہ براہ رہتاس و درۂ بکرال (۹۴) انگریزی میل ہے۔ وہ راستے یا پک ڈنڈیاں جو براہ دوھیال و درۂ بنہار شاہ ڈھیری سے جلال پور کو جاتی ہیں طول میں (۱۰۹) اور (۱۱۴) میل کے درمیان ہیں[۹۱]۔

اس بات پر ہر ایک کو اتفاق ہے کہ سکندر دریائے جہلم پر ضرور جہلم یا جلال پور کے مقام پر پہنچا ہوگا۔ اور ان کے سوا دوسرے مقامات سب بعید از قیاس ہیں۔ یہ دونوں مقام ان قدیم راستوں پر واقع ہیں۔ جہاں پرانے معبر موجود تھے۔

جہلم کا راستہ بظاہر بلاشک و شبہ حملہ آور کا مطمع نظر ضرور جہلم ہی ہوگا۔ جو ٹکسلا کے مقام سے بہت نزدیک ہے۔ اور جہاں پر وہ معبر ہے۔ جو "بہت آسان گذار اور جلال پور کے معبر سے عرض میں صرف ایک تہائی ہے" ان دونوں معبروں کی طرف جانے کا راستہ ناہموار اور دشوار گذار ہے۔ مگر بہر حال جلال پور کی طرف ایک بڑی فوج کو کوچ کرتے ہوئے پیچ در پیچ نمک کے پہاڑوں میں پھنس جانے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ اور زیادہ دقتوں کا سامنا ہوگا بہ نسبت اس کے کہ وہ جہلم کے راستے کو اختیار کرے۔ اور اسی لیئے قیاس یہ ہے کہ سکندر نے قریب اور آسان راستہ اختیار کیا ہوگا۔ اور جہلم کے قریب چھاؤنی ڈالی ہوگی۔ یہ رائے کہ اس نے یہ قدرتی اور بظاہر آسان راستہ اختیار کیا تھا برنس۔ کورٹ اور ایبٹ نے ظاہر کی اور یہ تینوں اپنے فوجی تجربے اور مقامی معلومات کی صحت کے لحاظ سے اس قابل تھے کہ معاملۂ زیر بحث میں ان کی رائے مستند سمجھی جائے۔

مگر اس کے برعکس یہ قیاس کہ سکندر کی چھاؤنی جلال پور کے مقام پر

---

[۹۱] کننگھم کی۔ آرکی آلوجیکل سروے رپورٹ جلد دوم صفحہ ۱۱۲ و صفحہ ۱۶۲۔ ۱۲۔

[۹۲] ایبٹ۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۸۵۲ء صفحہ ۲۱۹۔ ۱۲۔

قائم کی گئی تھی۔ اور یہ کہ دریا کو اسی شہر کے چند میل شمال میں عبور کیا گیا تھا۔ ایسے لوگوں کی ذات سے وابستہ ہے جیسے ایلفنسٹن۔ کننگھم۔ اور چزنی۔ اور چونکہ یہ لوگ یورپ میں اپنے مدمقابل علماء سے زیادہ مشہور اور نامور تھے اس لئے باوجودیکہ جلال پور والا نظریہ بعید از قیاس ہے تاہم وہ دنیا کو اس کے منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

کننگھم کے خیالات

اس نظریے کو نہایت تفصیل کے ساتھ کننگھم نے ثابت کیا ہے اس کے دلائل اور بھی زوردار ہو جاتے اگر وہ اس مقام کو بغور دیکھ لیتا جس کو ایبٹ نے کامل پیمائش کے بعد سکندر کا میدان جنگ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ایبٹ کا خیال ہے اگر جنگ کری کے میدان میں ہی ہوئی تھی تو سکندر کی چھاؤنی ضرور جہلم کے مقام پر یا اس کے قریب ہی ہو گی اور دریا کو بھی ضرور اس شہر کے ذرا شمال میں عبور کیا گیا ہو گا۔ مگر بدقسمتی سے کننگھم نے نہ ایبٹ کے دلائل پر غور کیا۔ اور نہ شہر کے شمال میں دریائے جہلم کے راستے کو غور سے دیکھا۔ ۱۸۴۶ء میں یہ نظریہ قائم کر کے کہ سکندر کی چھاؤنی جلال پور ہی کے مقام پر تھی اس نے ۱۸۶۳ء میں جلال پور کے مقام کو بنظر تعمق دیکھا۔ اور اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح جغرافی حالات کو اپنے نظریئے کے مطابق بنا سکے۔ وہ جنرل ایبٹ کے مضمون کی طرف صرف "ایک عالمانہ مضمون" کہہ کے اشارہ کرتا ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے اس کو بغور مطالعہ کیا تھا[1]۔

اس کی دریا کے فاصلے کی دلیل

کننگھم نے جلال پور کو سکندر کی چھاؤنی قرار دینے کے تین بڑے دلائل بیان کیئے ہیں۔ ان میں سے تیسرا یہ ہے کہ ایرین کے مطابق (انیس آف الکزنڈر۔ باب ۵ فصل ۴ و ۳) جہازوں کا بیڑا جب نیکیا کے مقام سے دریائے ہائی ڈس پیز پر سے گذر رہا تھا تو وہ کان نمک کے بادشاہ سوفائی ٹیز کے پایۂ تخت تین دن میں پہنچا۔

---

[1] ریورٹی۔ جلد دوم صفحہ ۴ ۱۷۔ ۱۲۔

کننگھم کے خیال کے مطابق سوفائی ٹیز کا یہ پایۂ تخت احمد آباد کے مقام پر واقع تھا جو ایک بار بردار کشتی کے لیئے جلال آباد سے "ٹھیک تین دن کا راستہ ہے" حالانکہ وہ جہلم سے چھ دن کے فاصلے پر ہے[1] اور اس لیئے جلال پور جہلم سے زیادہ ان حالات کیلئے موزوں ہے - یہ دلیل جس پر کننگھم نے سب سے زیادہ زور دیا ہے اس بات پر منحصر ہے کہ سوفائی ٹیز کے پایۂ تخت کے موقعے کا صحیح پتہ لگایا جائے اور کیونکہ یہ نشان جو کننگھم نے بتلایا ہے محض قیاس ہی قیاس ہے - اور کسی شہادت سے ثابت نہیں ہوتا - اس لیئے وہ دلیل جو ایسے دعوے پر قائم ہو قابل بحث نہیں ؛

سٹرابو کی کتاب سے دلیل - دوسری اور زیادہ اہم دلیل وہ ہے جو سٹرابو (باب ۱۵ - فصل ۳۲) کے اس بیان پر مبنی ہے کہ سکندر کا "راستہ ہائی ڈس پیز تک زیادہ تر جنوب کی طرف تھا - اور اس کے بعد ہائی پنس (یعنے ہائی فے سس) تک زیادہ مشرقی جانب ہو گیا - مگر ہر حالت میں وہ میدانوں کی نسبت پہاڑوں سے زیادہ نزدیک تر تھا"۔ جلال پور بالکل جنوب میں واقع ہے - اور اس کے برخلاف جہلم ٹکسلا سے تقریباً جنوب مشرق میں ہے - اس لیئے سرسری نظر سے دیکھنے پر جلال پور کا موقعہ چھاؤنی کے لیئے سٹرابو کے بیان کے پہلے حصے کے مطابق بمقابلہ جہلم کے زیادہ مناسبت رکھتا ہے ؛

اس دلیل کی تردید مگر حقیقت میں دونوں مقام عبارت کے مطابق درست ہیں - ہم کو ان مقامات کا کچھ حال معلوم نہیں - جہاں پر سکندر نے دریاؤں کو ایک دوسرے کے بعد عبور کیا - یعنے اکسینز - ہائی ڈرائیٹز اور سب سے آخری دریا ہائی فے سس - یہ خیال کہ سکندر نے دریائے اکسینز کو وزیر آباد کے مقام پر عبور کیا تھا کسی شہادت پر مبنی نہیں - کننگھم اور دیگر

---

[1] - پورش جلد دوم صفحہ ۱۸۰ و ۳۸۰ و ۳۷۰ صفحہ ۴۰ پر کننگھم بیان کرتا ہے کہ بھیرہ سوفائی ٹیز کا پایۂ تخت تھا - مگر صفحہ ۳۰ میں وہ یہی دعویٰ احمد آباد کے متعلق کرتا ہے - جو دوسرے کنارے پر واقع ہے - ۱۲ ؛

مصنفین جو جلال پور کے نظریئے پر زور دیتے ہیں۔ سٹریبو کی عبارت کے اس آخری حصے کو بھول جاتے ہیں۔ کہ تمام راستہ دامن کوہ کے قریب ہی طے کیا گیا تھا۔ ایک اور جگہ (باب ۱۵ فصل ۲۶) سٹریبو یہ ظاہر کرتا ہے کہ سکندر نے اس راستے کو اس وجہ سے اختیار کیا تھا کہ جو دریا اس راستے میں آتے ہیں۔ اپنے منبع کے قریب بہ نسبت اور جگہ کے زیادہ آسانی سے عبور کیئے جا سکتے ہیں؛

میک کرنڈل میک کرنڈل نے اس عام بیان کو فراموش کر کے جس میں ٹکسلا سے ہائی فے سس تک کا تمام راستہ شامل ہے ایک نقشہ تیار کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر پہاڑیوں سے دور رہا اور جلال پور۔ وزیر آباد۔ لاہور اور امرتسر کے پاس سے ہوتا ہوا پنجاب کے میدانوں میں اتر آیا۔ مگر کوچ کا اصلی راستہ ضرور ہے کہ بہت کچھ شمال کی طرف ہو۔ دریائے ہائی ڈس پیز جس جگہ جہلم کے شمال میں پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ اسی جگہ عبور کیا گیا ہو گا۔ اور اس طرح فوج لامحالہ ریاست کشمیر (جموں) کی سرحد۔ کے قریب قریب ہوتی ہوئی سیالکوٹ اور گرداسپور کے پاس سے گذری ہو گی؛

یہ قیاس کہ سکندر نے فوج کے کوچ کے لیئے یہی راستہ اختیار کیا ہو گا۔ سٹریبو کی عبارت کے عین مطابق ہے۔ اگر جہلم سے سیالکوٹ یا اس کے شمال میں ایک لکیر کھینچی جائے تو وہ ٹکسلا سے جہلم کی لکیر کی بہ نسبت کہیں زیادہ مشرقی سمت میں ہو گی۔

اس طرح جلال پور کے نظریئے کو ثابت کرنے کے لیئے کننگھم کی دوسری دلیل بھی تیسری دلیل کی طرح ناقابل قبول ہے؛

پلنی کی کتاب سے دلیل۔ وہ دلیل جس کو کننگھم نے سب سے پہلے بیان کیا ہے۔ اور جس پر کہ وہ سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ پلنی کے ان اعداد پر مبنی ہے جو اس نے ہیوکولائی ٹس (چارسدہ) براہ ٹکسلا سے ہائی ڈس پیز کے فاصلے کے متعلق بیان کیئے ہیں (باب ۶-

فصل (۲) - پلینی نے مفصلۂ ذیل فاصلے بیان کئے ہیں۔ (۱) پیوکیلوٹس سے ٹکسلا تک (۶۰) رومی = (۵۵) انگریزی میل۔ (۲) ٹکسلا سے ہائی ڈس پیز تک (۱۲۰) رومی = (۱۱۰) انگریزی میل اور کننگھم بدلائل ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ فاصلے جہلم کی بہ نسبت جلال پور سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ مگر ایک مشہور بات ہے کہ پلینی کے اعداد عام طور پر غلط ہوتے ہیں۔ مثلاً اسی عبارت میں جس کا حوالہ دیا گیا ہے پلینی نے ہائی ڈس پیز سے ہائی فے سس تک کا فاصلہ (۳۹) رومی میل قرار دیا ہے۔ جو ظاہر ہے کہ بالکل غلط ہے۔ اس لیئے پلینی کی موجودہ کتاب کے اعداد پر بھروسہ کرنا تحقیق کے خلاف ہے۔ خود کننگھم کو بھی یہ معلوم تھا کہ پیوکیلوٹس اور ٹکسلا کے درمیان کا فاصلہ براہ اُہنڈ۔ جہاں سکندر نے دریائے سندھ کو عبور کیا پلینی کے بیان کئے ہوئے فاصلے سے زیادہ ہے۔ اور اس بنا پر اس نے تجویز کیا تھا کہ کتاب کی عبارت کو صحیح کر دیا جائے۔ (رپورٹ جلد دوم - ۱۱۲)

اس دلیل کی تردید لیکن اگر ٹکسلا سے دریائے ہائی ڈس پیز تک (۱۲۰) رومی میل کے فاصلے کو صحیح بھی مان لیا جائے۔ تو بھی یہ نظریہ رد نہیں ہوتا کہ سکندر کی چھاؤنی جہلم کے مقام پر ہی تھی۔ کننگھم کے بیان کے مطابق (رپورٹ جلد دوم صفحہ ۱۷۹) ایک پرانی سڑک کے لحاظ سے یہ فاصلہ (۹۴) میل کا ہے۔ پلینی کے بیان سے فاصلہ (۱۱۰) انگریزی میل ہے۔ اور اس طرح دونوں میں صرف (۱۶) میل کا فرق ہے اور یہ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں۔ کہ نہایت دشوار ملک میں سے سکندر کے راستے کا ہم کو صحیح علم نہیں اور نہ یہ ہم کو معلوم ہے کہ بائیس صدیوں میں کیا کیا تغیرات وقوع میں آ چکے ہیں۔ اس طرح یہ دلیل جو پلینی کے اعداد پر مبنی ہے خواہ وہ اعداد صحیح ہوں یا غلط بالکل فضول اور ہیچ ہے ؎

میں نے اس طرح یہ ثابت کر دیا ہے کہ جلال پور کے نظریئے کو ثابت کرنے کے لیئے کننگھم کے تمام دلائل ناکامیاب ہیں۔ اور یہ کہ جہلم کا نظریہ بجائے اس کے کہ سٹرابو کی شہادات کے مخالف ہو عین اس کے مطابق ہے ؎

سرزمین متعلقہ - ایلفنسٹن اور کننگھم کا نظریہ سٹرابو کے بیان کے علاوہ

سرزمین گردو نواح کے حالات کی وجہ سے اور بھی زیادہ خلاف ہے ؛

ایرین کے بیانات جو کہ ایک محقق مصنف ہونے کے علاوہ بہترین ہمعصر اسناد سے مستفید ہوا تھا۔ اور ان کی ہر ایک شہادت کو پرکھ چکا تھا۔ اس مسئلے کے متعلق نہایت صاف ہیں ؛

دریا کے شمال میں وہ جگہ جہاں سکندر رات کے وقت پوشیدہ دریا کو عبور کرنے کے لئے گیا۔ دریا میں ایک "عجیب و غریب موڑ" پر واقع تھی اور اس نے اس کی نقل و حرکت کے پوشیدہ رکھنے میں مدد دی۔ جلال پور کے شمال میں مندیالہ اور کوتھیرا کے گاؤں کے درمیان جہاں کننگھم معبر قرار دینا چاہتا ہے کوئی ایسا موڑ واقع نہیں (رپورٹس ۔ جلد دوم ۔ لوح ۶۶) مگر جہلم کے قریب بھُونا کے مقام پر جہاں ایبٹ معبر قرار دیتا ہے ایسا موڑ موجود ہے ؛

رات کا کوچ ۔ ایرین کے نہایت ہی عمدہ اور شگفتہ بیان (باب ۵ فصل ۱۱) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے یہ رات کا کوچ دریا کے بالکل متوازی کیا تھا جنگل سے گھری ہوئی بلند زمین اور اس عجیب و غریب موڑ کے قریب کے ٹاپو کا ذکر کرنے کے بعد وہ کہتا ہے :-

"یہ بلند زمین اور ٹاپو اس زبردست چھاؤنی سے (۱۵۰) سٹیڈیا (یعنے تقریباً (۱۷) انگریزی میل) تھے ۔ مگر تمام کنار دریا کے ساتھ ساتھ اس نے کچھ کچھ فاصلے پر اس طرح ہرکارے مقرر کر دیئے تھے کہ وہ اپنی جگہ سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں۔ اور تمام فوج میں ان احکام کو سرعت کے ساتھ شائع کر دیں جو رات کو بادشاہ کسی مقام سے صادر کرے "؛

چھاؤنی اور معبر کے عین درمیان ملیگر اور دوسرے افسر مقرر کیئے گئے تھے ۔ اور ان کو حکم تھا کہ وہ جونہی یہ دیکھیں کہ ہندی فوج جنگ میں مشغول ہو گئی ہے فوراً تھوڑی تھوڑی تعداد میں دریا کو عبور کر لیں۔ اس کے بعد مورخ لکھتا ہے کہ "سکندر دریا کے کنارے سے بہت کچھ دور چلا گیا تا کہ نظر نہ آسکے"!

ان بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سکندر نے اپنے رات کے کوچ میں دریا کے

کنارے کے متوازی تقریباً سیدھا راستہ اختیار کیا۔ مگر پھر بھی اتنا دور تھا کہ وہ دشمن کی نظر سے بچا رہا۔

کننگھم کا قیاس غلط ہے۔

یہ تمام باتیں کننگھم کے اس نظریئے کے بالکل برعکس پڑتی ہیں جو اس نے اپنے نقشے (ریپورٹس جلد دوم۔ لوح ۶۶) میں ظاہر کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کوہستان نمک کے غاروں میں سے ایک مستطیل کے تین اضلاع کے گرد گھوما۔ اور جلال پور سے تقریباً بالکل شمال میں سات یا آٹھ میل ملک کے اندرونی حصّے میں داخل ہوا۔ اور پھر مشرقی سمت میں سات میل جانے کے بعد آخر کار دو یا تین میل دریا کی طرف واپس آیا۔ جلال پور کے مقامی حالات کسی طرح بھی رات کے کوچ کے اس بیان کی مطابقت نہیں کرتے جو ایرین نے بیان کیئے ہیں اور کننگھم کے نقشے میں دراصل ایک سخت کوشش اس امر کی گئی ہے۔ کہ امور غیر مطابق کو ایک دوسرے سے مطابقت دے دی جائے۔ اور حسب دلخواہ اپنے نظریئے کو غلط بیانات کی بنا پر قائم کر دیا جائے۔

دریا کا بیان

دریا کے وہ حالات بھی جن کو قدیم مورخین نے اس وقت کے متعلق بیان کیا ہے جب سکندر نے اُسے عبور کیا تھا۔ جلال پور کے نظریئے کے بالکل برخلاف ہیں۔ تمام اسناد اس بات پر متفق ہیں کہ عبور کے وقت کوہستان پر برف کے پگھلنے اور بارش کی کثرت کی وجہ سے دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ مگر باوجود اس کے دریا کا عرض صرف چار سٹیڈیا یا ۸۰۹ گز تھا۔ حالانکہ اس زمانے میں۔ اواخر جون یا آغاز جولائی میں جلال پور کے مقام پر دریا کا پاٹ اس کے دگنے سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ دریا کی روانی میں بہت سے ٹاپو اور زیر آب چٹانیں بھی حائل تھیں۔ مگر جلال پور کے مقام پر نہ تو چٹانیں ہیں اور نہ ٹاپو[1]۔

---

[1] جنگ سے قبل جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پڑی ہوئی تھیں۔ طرفین کے سپاہی پیر کر ان ٹاپوؤں میں آجاتے تھے اور دست بدست لڑتے تھے۔ دریا جو دونوں طرف سے

صحیح نظریہ اگر جلال پور کے نظریئے کو بالکل ترک کر دیا جائے اور سکندر کی چھاؤنی جھلم یا جہلم کے قریب قرار دی جائے۔ تو جغرافی مشکلیں سب حل ہو جاتی ہیں۔ اس وقت یہ معلوم ہوگا کہ سکندر کا رات کا کوچ دریا کے مغربی کنارے کچھ تھوڑے سے فاصلے پر دریا کے تقریباً متوازی کیا گیا تھا۔ اور اس کا رخ دریا کے "عجیب وغریب موڑ" کی طرف اس کی چھاؤنی کے مفروضہ موقعے سے بخط مستقیم (۱۳) یا (۱۴) میل تھا۔ اس فاصلے کو کوچ کیلئے سہولت کے ساتھ (۱۷) میل قرار دیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ راستہ ذرا پیچدار ہو۔ مگر یہ بالکل ناممکن ہے کہ سکندر کے کیمپ کے اصلی موقعے اور جگہ کا پتہ صحت کے ساتھ لگایا جا سکے جہاں کہ فوج اس خطرناک سفر کے لیئے کشتیوں میں سوار ہوئی۔ اور یہ ممکن ہے کہ جنرل ایبٹ کے نقشے میں دو یا تین میل کا فاصلہ زیادہ کر دیا جائے۔

منگلا کے جنوب مشرق میں بھونا کے قریب "عجیب وغریب موڑ" کے پاس کوچ کرنے سے سکندر کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ وہ اس قابل ہو گیا کہ ایک محفوظ علاقے میں سے گذر جائے۔ اس کے برعکس دریا کے دوسرے کنارے پر اس کے دشمن کو مجبوراً ایک موڑ کے گرد سے گذرنا پڑا۔ اگر سکندر کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- بلند کناروں سے گھرا ہوا تھا۔ زیر آب چٹانوں کے اوپر سے نہایت تیزی کے ساتھ بہتا تھا (کرٹس باب ۸۔ فصل ۱۳) دریائے ہائی فےسس کی طرف کوچ کے عرصے میں (۷۰) دن تک فوج ابر و باد کے طوفان میں گھری رہی۔ (ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۹۴ - سٹربیو باب ۱۵ فصل ۲۷)۔ جولائی میں ایلفنسٹن نے دریا کو جلال پور کے مقام پر ایک میل۔ ایک فرلانگ اور (۲۵) پیچ عریض اور (۹) سے (۱۴) فیٹ عمیق پایا تھا۔ (تھارٹن گزیٹیر مضمون جہلم) جہلم کے مقام پر بہ نسبت جلال پور معبر عرض میں صرف ایک تہائی ہے۔ اور موخر الذکر مقام پر کوئی ٹاپو نہیں پائے جاتے۔ (ایبٹ۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۵۲ء صفحہ ۲۱۹)۔ مسٹر پیرسن لکھتا ہے کہ جہلم اور جلال پور کے درمیان میں دارا پور کے مقام پر اب بھی ایسے ٹاپو پائے جاتے ہیں جن پر گھنے جنگل ہیں" ۱۲

زمانے میں بھی ریگ رواں ایسی جگہ پر موجود تھا جہاں وہ اب ہے تو پورس کی فوجوں کو مقدونی فوجوں تک پہنچنے میں ضرور ایک بڑا چکر پڑتا ہوگا۔ بہرحال وہ فاصلہ جو ہندی فوجوں کو طے کرنا پڑا اس سے کہیں زیادہ تھا جو سکندر نے طے کیا۔

میدان جنگ

جب مقدونی فوج جس میں (۱۱۰۰۰) آدمی شامل تھے۔ دریا کو عبور کرنے کے تمام مصائب پر غالب آگئی اور خشکی پر اتری تو ایک میدان میں داخل ہوئی جسے "کری" کہتے ہیں۔ اور جو شمال و مشرق سمت نیچی پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہ میدان زیادہ سے زیادہ پانچ میل چوڑا ہے۔ اور اس میں جنگ کے لیئے اگر بہت زیادہ نہیں تو کم از کم کافی جگہ ضرور ہے۔ معبر کے پاس دریا پتھروں کے اوپر سے گذرتا ہے۔ اور ایک ٹاپو جو اس وقت بھی موجود ہے۔ اور "دوسروں سے بڑا ہے" اس جگہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ جہاں یونانی مورخین کے بیان کے مطابق سکندر پہلے خشکی پر اترا تھا۔ اور جو اس کے وقت سے بہتیرے شاید باقی رہا ہو یا نہ رہا ہو۔

سکندر کی ندی

وہ ندی جسے "سکندر کی ندی" کہا گیا ہے۔ اور جو اب بہت کچھ بند ہوگئی ہے۔ وہی ندی معلوم ہوتی ہے جسے مقدونی فوج نے عبور کیا تھا۔ اور وہ اگر بالکل وہی نہ ہو تو کم از کم اسی ندی کے قریب ہوگی جسے سکندر نے عبور کیا۔ جنرل ایبٹ اپنے نقشے کے متعلق یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ اس نقشہ (۱۸۴۸ء) دریا کی حالت سکندر کے مورخین کے بیانات سے اس قدر مطابق ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقشہ بجائے دور آخر کے قدیم زمانے کا ہو۔ جنرل ایبٹ کا فاضلانہ مضمون صبح سے شام تک پورے دو دن کی محنت شاقہ سے کی ہوئی حقیقی پیمائش پر مبنی ہے۔ اور اس کے خیالات کی نہ تو مخالفت ہوئی اور نہ وہ رد کیے گئے۔ مستشرقین نے ان کو محض نظر انداز ہی کر دیا تھا۔

گروٹ کی رائے

یونان کا مورخ گروٹ ہی ایک ایسا مشہور مصنف ہے جس نے ایبٹ کی محنت کی داد دی ہے۔ اور اس نے مان لیا ہے کہ جنرل کا

مضمون" اس نظریئے کے لیئے کہ معبر جہلم ہی کے قریب تھا بہت کچھ قابل قبول دلائل وبراہین سے مملو ہے" مسٹر گریٹ کی یہ رائے بلا شک وشبہ تمام علمی دنیا کی رائے ہو جاتی اگر جنرل ایبٹ کا مضمون اس طرح شائع کیا جاتا کہ وہ سب کے پاس پہنچ جائے۔ مگر چونکہ وہ ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک پرانے رسالے میں تقریباً مدفون ہو گیا ہے اس لئے بہت کم لوگوں نے اس کو پڑھا ہے۔ اس کے برخلاف سر الکزنڈر کننگھم کی اشاعات سرکاری تھیں اس لیئے زیادہ شائع ہوئیں اور لوگوں نے بلا ردو قدح ان کو تسلیم کر لیا۔

خاتمہ۔ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ سکندر نے ہائی ڈس پیز کی طرف کوچ کے لیئے سب سے قریب اور آسان راستہ اختیار کیا تھا۔ وہ دریا کے کنارے جہلم یا اس کے قریب کے مقام پر پہنچا تھا۔ جہاں اس نے چھاؤنی ڈالی۔ اس نے دریا کو اس مقام پر عبور کیا جہاں وہ تنگ اور پتھریلا تھا۔ اور پورس کے ساتھ جنگ کری کے میدان میں واقع ہوئی تھی۔ دریائے ہائی ڈس پیز اور ہائی ڈسس کے درمیان کے کوچ کا راستہ صحت کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا۔ مگر وہ یقیناً جہاں تک ممکن تھا دامن کوہ کے پاس پاس واقع تھا۔ اور ضرور سیالکوٹ کے پاس سے گذرا ہوگا۔ میجر ریورٹی آنجہانی کی بھی یہی رائے تھی۔ اس نے مجھے ۱۹۰۵ء میں لکھا تھا" سکندر کے ہائی ڈس پیز کے معبر کے متعلق میں تم سے بالکل متفق ہوں۔ مجھکو اچھی طرح یاد ہے کہ جب جنگ گجرات کے بعد ہم نے سکھوں اور افغانوں کے تعاقب میں دریا کو عبور کیا تھا تو اسی مقام کو اختیار کیا تھا جس کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اس وقت بھی اس معاملے پر بحث ہوئی اور جنرل ایبٹ کے نظریئے کے موافق ہی فیصلہ ہوا تھا۔ ہم کو بہرحال سکندر کے جنگی معلومات کے متعلق تو معترف ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ اس کے لئے کافی ہوگی کہ وہ دریاؤں کے منبع کے قریب قریب رہے تاکہ ان کو بآسانی عبور کر سکے۔ اور اس طرح شمالی کوہستان نے اس کی فوج کے پہلو کو محفوظ رکھا ہوگا۔"

ؔ جنگ گجرات ۲۱۔ فروری ۱۸۴۹ء کو ہوئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۲۔

ضمیمۂ ج

جنگ ہائی ڈس پیز کا سن وقوع

اصل سن مشکوک ہے قدیم مورخین کی اس شہادت کا ذکر کہ دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ اور جنگ سے پہلے۔ اس کے دوران میں اور اسکے بعد بارش لگاتار ہوتی رہی گذشتہ ضمیمہ (ث) میں آچکا ہے۔ اسی شہادت سے بلا کسی قسم کے شک و شبہ کے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جنگ ضرور اواخر جون یا آغاز جولائی میں ہوئی ہوگی۔ لیکن اس کے علاوہ اور چند صریح بیانات ایسے ہیں جو سنین کے تعین کا ادعا کرتے ہیں۔ اور ضروری ہے کہ ان پر غور کر لیا جائے۔

ایرین کا پہلا بیان ایرین کا پہلا بیان یہ ہے کہ یہ جنگ گرمی میں آفتاب کے انقلاب صیفی کے بعد واقع ہوئی۔ یعنے ۲۱۔ جون کے بعد یہ بیان بلاشک و شبہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ دریا کی حالت کے متعلق شہادت اور ڈیوڈرس کے اُس بیان کے مطابق ہے کہ جب فوج ہائی فےسس پر پہنچی تو وہ (۷۰) دن تک برق و باد کے طوفان کا مقابلہ کرچکی تھی ؎

ایرین کا دوسرا بیان مگر ایرین کا دوسرا بیان (انیبس آف الگزنڈر۔ باب ۵ فصل ۹) کہ جنگ "ماہ مُنی کیئان میں اس سال لڑی گئی جبکہ ہے گے مان ایتھنز میں آرکن تھا" ایک حد تک غلط ہے۔ اسکے علاوہ ڈیوڈرس کا یہ بیان (باب ۷، فصل ۸۷) کہ جنگ سے پہلے کے موسم بہار میں ٹکسلا میں داخلہ اس سال ہوا " جبکہ کریس ایتھنز کا آرکن تھا جس میں کہ رومیوں نے پبلیس کارنی لیئس اور آلس پوسٹیومیئس کو اپنا کونسل مقرر کیا" بظاہر قطعی غلط ہے۔ اس میں کونسل اور آرکن میں سے کوئی بھی درست نہیں ؎

تقویم مقدونوی اس واقعے کے اصلی ماخذ یعنے سکندر کی فوج کے مقدونی افسروں نے اس کی تاریخ کو مقدونی تقویم کے مطابق

بیان کیا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ مورخین کے بیانات میں اس غلطی کی وجہ سے تفاوت پڑ گیا ہو جو مقدونی سنین کو رومی یا ایٹک کے سنین میں تبدیل کرنے سے واقع ہو گئی ہو۔ اور جیسا کہ مسٹر ہوگرتھ نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانے کے کسی عالم کے لئے یہ ناممکن ہے کہ اس تبدیلی کو جانچ پڑتال سکے۔ کیونکہ مقدونی تقویم کے متعلق ہمارے معلومات نہایت ہی ناقص ہیں۔ اور ان طریقوں کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں جن سے کہ مقدونی سنین کو دوسرے سنین میں تحویل کر کے بیان کیا جاتا تھا؛

مُنی کُئیان۔ یہ یقینی ہے کہ جنگ ۳۲۶ ق م میں واقع ہوئی۔ اور اس کے مقابلے کے ایٹک سن (دال ۴ ۱۱۳) کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ وہ ۲۵ جون ۳۲۷ ق م کو شروع ہوا اور ۱۵ جون ۳۲۶ ق م کو ختم ہوا[1]۔ لیکن دسویں مہینے مُنی کُئیان کو اگر ہم سال میں ایک فاضل مہینہ بھی شامل کر دیں تب بھی ۲۰ جون کے بعد تک اس کو نہیں لایا جا سکتا۔ اور اگر اور مہینہ زیادہ کیا جائے تو مُنی کُئیان ۲۰ جون یا اس کے قریب ختم ہو جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں جنگ ۲۱ جون کے بعد واقع ہوئی تھی۔ اور اس طرح یہ بالکل ظاہر ہے کہ[2] ایرین نے اس مہینے کا نام غلط لکھا ہے۔ قلمی نسخے میں بجائے مُنی کُئیان کے میٹاجیٹیان پڑھنے کی تجویز جیسا کہ ژوٹ نے لکھا ہے "محض قیاس" ہی ہوگا۔ اور اس کے علاوہ یہ تاریخ جو ہے گی ان کے آرکن ہونے سے اور بھی زیادہ دور پڑتی ہے؛

آرکن۔ کریس یقیناً ہوا تھا گے ماں کے بعد آرکن ہوا۔ مگر اگر ایٹک سن ۳۲۶ ق م کو...

---

[1] ہوگرتھ کی فلپ اینڈ الکزنڈر آف میسیڈون (مرے ۱۸۹۷ء) ضمیمہ ج

[2] دیکھو انگر کی زائٹ رخیلنگ ڈر گرخن اُنڈ رومر (رومی و یونانی علم سنین و تواریخ) مطبوعہ گرنڈ رِس ڈبس کلیس۔ آلٹرتھم (اقوام قدیم کا خاکہ) صفحات ۴۴-۴۳-۴۲-۵۱-۷۰۔ مگر ان تحقیقات کے نتائج مشکوک معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھو اس کے علاوہ کننگھم کی انڈین ایراز صفحہ ۱۰۳ و ۴۴ و ۴۹۔ اور میک کرنڈل کے "ان ویشن آف انڈیا بائی الکزنڈر دی گریٹ" (طبع دوم) کا پہلا حاشیہ صفحہ ۲۷۴۔ ۱۲ ق

۱۵-جون کو ختم کرنے میں حق پر ہے تو ڈیوڈرس اگرچہ اس کا ٹکسلا میں داخلے کو کریمس کے آرکن ہونے کے ساتھ مطابقت دینا غلط ہی ہو مگر اس حالت میں وہ بالکل صحیح ہوگا اگر وہ اپنے ناظرین پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ جنگ اس وقت واقع ہوئی جب کریمس آرکن ہو چکا تھا۔ لیکن جیسا کہ دیگر مصنفین کا خیال ہے اگر کریمس ۲۸ جولائی سے پہلے آرکن ہی نہیں ہوا تو ایرین کا یہ بیان صحیح ہوگا کہ جب جنگ ہوئی تو ہیگے مان آرکن تھا۔

اس غلطی کی تشریح۔ ایرین کی مُنی کیشان کے ذکر کرنے کی غلطی کی بظاہر اس طرح تاویل کی جا سکتی ہے کہ سکندر اس مہینے میں دریا کے کنارے پر پہنچا تھا۔ اور ایک ذرا سی غلطی کی وجہ سے اس کے دریا کے کنارے پہنچنے کی تاریخ کو جنگ پورس کی تاریخ قرار دے لیا گیا ہے۔ بادشاہ کی دریا کو عبور کرنے کے لئے زبردست خفیہ تیاریوں میں ضرور بہت سا وقت کم از کم چھ یا سات ہفتے خرچ ہوئے ہونگے۔ اور اگر چھاؤنی ماہ مُنی کیشان یعنے اوائل مئی میں قائم کی گئی تھی تو لڑائی ضرور جون کے اواخر میں یا غالباً اوائل جولائی میں ہوئی ہوگی۔

خاتمہ۔ کامل اور یقینی صحت ناممکن الحصول ہے۔ اور گرڈشمڈ کے ان الفاظ کی حد سے باہر جانا بھی ناممکن ہے کہ "جہاں تک رائے قائم کی جا سکتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آخر جون یا شروع جولائی ۳۲۶ق م میں موسم برسات کے شروع ہونے کے بعد ہوئی تھی۔ وہ ہیگے مان کے آرکن ہونے کا زمانے کا ختم۔ اور کریمس کے آرکن ہونے کے زمانے کا آغاز تھا۔"

---

[1] ہسٹری آف گریس۔ جلد ۱۲۔ صفحہ ۱۵۔ حاشیہ مطبوعہ ۱۸۶۹ء۔ مگر مسٹر پیرسن جس کی رائے دریاؤں کے متعلق تمام سال اور ہر حالت میں اس کے ذاتی علم پر مبنی ہے لکھتا ہے کہ "ہائیڈسپیز کے عبور کرنے کی اصلی تاریخ جیسا کہ آرین نے لکھا ہے ہیگے مان کے آرکن ہونے کے زمانے ہی میں مُنی کیشان کے مہینے میں تھی۔ اور یہ کہ مُنی کیشان اس سال بجائے جون میں واقع ہونے کے اپریل میں واقع ہوا تھا۔ یہ نہایت ضروری تھا کہ طغیانی سے پہلے دریا کو عبور کر لیا جائے۔ اور اس مفروضہ دیر کی کوئی

میں ہے گے ہاں کے آرکن ہونے کو ایرین کی سند پر مان لیتا ہوں۔ اور یقین کیئے لیتا ہوں کہ جنگ اوائل جولائی ۳۲۶ قم میں ایٹکسن کے آخری مہینہ سیکروفورین میں کریس کے آرکن ہونے سے چند روز قبل ہوئی تھی ۱۲ مسا

باب چہارم

سکندر کی ہندوستان پر فوجکشی: مراجعت

اکسینز کی طرف مراجعت مراجعت کرتی ہوئی فوج پھر انھیں قدموں واپس ہوئی اور بلا کسی قسم کے واقعات و مزاحمت کے اکسینز (دریائے چناب) کے کنارے پہنچی ہے فے آسٹین نے ایک قلعہ بند شہر کی تعمیر اسی وقت ختم کی تھی۔ گرد و نواح کے علاقے میں سے بطیب خاطر آباد ہونے والے اور تنخواہ دار سپاہیوں سے وہ لوگ جو لڑنے بھڑنے کے قابل نہ تھے اس قلعے اور شہر میں بسا دیئے گئے۔ اور سکندر نے دریاؤں کی راہ سے بحر اعظم تک سفر کی تیاری کی ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ وجہ نہیں بتلائی جاتی" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۵۷) مسٹر پیرسن اس طرح اس بات پر مجبور ہے کہ ہماری تمام تاریخی اسناد کے موسم کے متعلق بیانات کو رد کردے۔ مگر "اس مفروضہ کی نہایت سادہ تشریح یہ ہے کہ سکندر اس سے پہلے پوشیدہ طور پر دریا کو عبور نہ کرسکا۔ اور اس طرح مجبوراً اس کو سب سے بدتر حالات سے کام پڑا جن میں کہ پورس کے ہوشیار رہنے کی وجہ سے وہ پڑ گیا تھا۔ ۱۲ ع

صوبہ دار کا تقرر

اسی وقت تھت کوہستانی علاقوں (جو آجکل راجوری اور بھمبر اور برطانی علاقۂ ہزارا کے نام سے مشہور ہیں) کے بادشاہوں کے ایلچی خراج لیکر حاضر ہوئے۔ سکندر نے جو اپنے ہندی فتوحات کو اپنی سلطنت کا مستقل جزو سمجھتا تھا۔ اور یقیناً اس ملک میں واپسی کا ارادہ رکھتا تھا ابھسار (بھمبر اور راجوری) کے علاقے کے بادشاہ کو اپنی طرف سے صوبہ دار مقرر کیا۔ اور ارسا (ہزارا) کے بادشاہ پر بالادستی کے اختیارات عطا کیے۔ اس بادشاہ کا نام ایرین نے آرسکیز لکھا ہے۔[1]

کمک

اسی اثنا میں ایک امدادی فوج جس کی بہت ہی ضرورت تھی تھریس سے (۵۰۰۰) سوار اور (۷۰۰۰) پیادوں کے مجموعی اندازے میں آئی جس کو بادشاہ کے چچازاد بھائی ہرپلس صوبہ دار بابل نے بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ (۲۵۰۰۰) زرہ بکتر تھے جن میں سنہری روپہلی کام تھا۔ یہ نئے اسلحہ فوراً فوج میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اور پرانے جلا دیئے گئے۔[2]

سفر کیلئے تیاریاں

پھر سکندر ہائیڈاسپیز (دریائے جہلم) کی طرف بڑھا۔ اور اس کے کنارے پر غالباً اُس مقام پر ٹھیرا جہاں پہلے پورس کی چھاؤنی تھی۔ اب چند ہفتے دریائی سفر کی آخری تیاریوں میں صرف ہوئے۔ تمام دیسی ساخت کی کشتیاں جو دریا پر موجود تھیں اس کام کے لئے بیگار میں لے لی گئیں اور جو کمی رہتی تھی اس کو نئی کشتیاں تیار

---

[1] آرسکیز کا نام غالباً ارسا ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اور اس کی بظاہر یونانی شکل محض اتفاقی ہے۔ م۔ع

[2] کرٹیس باب ۹ فصل ۳۔ ڈیوڈورس (باب ۱۷ فصل ۹۵) نے اس سے زیادہ بڑی اور بعید از قیاس تعداد بیان کی ہے۔ یعنی (۳۰۰۰۰) پیادے اور (۶۰۰۰) سوار۔ مگر زرہ بکتر کی تعداد کے متعلق دونوں مورخوں کا اتفاق ہے۔ ان کے لئے باربرداری کی بہت کچھ ضرورت ہوتی ہوگی۔ ڈیوڈورس یہ اور اضافہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی (۱۰۰) تیلنٹ دوائیں بھی آئی تھیں۔

کر کے پورا کیا جن کے لیئے قرب وجوار کے جنگلوں میں بکثرت سامان موجود تھا۔ بحری کام سے واقف جو قومیں ساحل پر آباد تھیں ان کی امدادی افواج یعنی فنیشیا۔ قبرس۔ اور مصر کے لوگوں سے ملاحی کا کام لیا گیا۔ جو فوج کے ساتھ تھے۔ چنانچہ اکتوبر سنہ ۳۲۶ ق م کے آخر تک تیاری پوری ہو گئی تھی۔ یہ بیڑا جس میں (۳۰) چپوؤں کے آٹھ جہاز۔ اور گھوڑوں اور دیگر ہر قسم کے سامان کے لیئے باربرداری کی کشتیاں تھیں۔ غالباً سب ملاکے (۸۰۰) کشتیوں پر مشتمل تھا۔[۱]

پورس کے درجے میں ترقی۔

سفر کے شروع کرنے سے پہلے سکندر نے اپنے افسروں اور ہندی راجاؤں کے ایلچیوں کو ایک مجلس میں جمع کیا۔ اور ان کے سامنے پورس کو ہائی ڈسپیز اور ہائی فیسس کے درمیان کے تمام مفتوحہ علاقے کا بادشاہ بنا دیا۔ ان علاقوں میں بیان کیا گیا ہے کہ سات قومیں گلاسائی۔ کیتھوئی وغیرہ آباد تھیں۔ اور ان میں (۲۰۰۰) شہر تھے۔ اسی موقعے پر پورس اور اس کے قدیم دشمن راجہ ٹکسلا کے درمیان صلح کرا دی گئی۔ چنانچہ اس صلح کو خاندانوں کے باہمی ازدواج نے بھی تقویت دی۔ ٹکسلا کا راجہ جو فاتح حملہ آور کی خدمت گزاری میں اپنے حریف سے سبقت لیجانا چاہتا تھا۔ اپنے مقبوضہ علاقے دریائے سندھ اور ہائی ڈسپیز کے درمیانی ملک کا بادشاہ تسلیم کیا گیا۔

---

[۱] ایرین (انیبس آف الکزنڈر باب ۶ فصل ۲) نے لیگاس کے بیٹے ٹولمی کی سند پر بیان کیا ہے جو آخر میں مصر کا بادشاہ ہو گیا۔ یہی مصنف اپنی کتاب انڈیکا میں (فصل ۱۹) غالباً نیارکس کی سند پر جہازوں کی تعداد (۸۰۰) بیان کرتا ہے۔ کرٹیئس اور ڈیوڈرس کا اندازہ (۱۰۰۰) لکھا ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ (۸۰۰۰) فوج۔ کئی ہزار گھوڑے۔ اور بے شمار سامان ساتھ لیجانا تھا۔ ٹولمی کا بڑھا ہوا اندازہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بعض مولفین نے محض اپنے خیال کی بنا پر انڈیکا کے (۸۰۰) کے بجائے (۱۸۰۰) لکھدیا ہے۔ مگر اصلی اور صحیح تحریر (۸۰۰) ہی ہے۔ ۱۲

سوبھوتی کی سلطنت

سکندر اپنی فوج کے عقب اور پہلوؤں کی نگرانی اور یورپ سے اپنے دور و دراز فوجی مرکزوں کے ساتھ سلسلۂ آمد و رفت کے قایم رکھنے سے کبھی غافل نہ ہوتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے ہے فے اسٹئین اور کریٹراس کو حکم دیا کہ بعجلت کوچ کر کے راجہ سوبھوتی (سوفائی ٹیز) جو دریائے جہلم سے دریائے سندھ تک کے کوہستان نمک کے زیریں علاقے کا بادشاہ تھا۔ اس کے پائے تخت پر فوراً قبضہ کرے۔ اس نے بغیر جنگ اطاعت قبول کرلی[1]

سپہ سالاران فوج

بیڑے کو (۱۲۰۰۰) آدمیوں کی ایک فوج سے اور زیادہ محفوظ کیا گیا۔ جو دریا کے دونوں کناروں پر مذکورۂ بالا سپہ سالاروں کی سرکردگی میں کوچ کرتی تھی۔ دریا کے داہنے یا مغربی کنارے کی فوج کی کمان کریٹراس کے ہاتھ میں تھی۔ اور فوج کا بڑا حصہ جس میں کہ دو سو ہاتھی بھی شامل تھے بائیں یا مشرقی کنارۂ دریا پر ہے فے اسٹیئان کے ماتحت تھا۔

دریائے سندھ کے مغربی ممالک کے صوبہ دار فلپس کو حکم تھا کہ تین دن بعد عقب کی فوج کے ساتھ اُن کے پیچھے آئے۔

اکتوبر ۳۲۶ ق م

پہلے اتصال دریا کی طرف سفر

اس طرح محفوظ ہو کر اس عظیم الشان بیڑے نے اپنا مشہور سفر شروع کیا۔ سکندر نے دریا کے دیوتاؤں اپنے جدِ اعلیٰ ہرقل۔ ایمان اور دوسرے دیوتاؤں کے نام پر جن کی وہ

---

[1] سوفائی ٹیز کی سلطنت کے موقع سٹرابو (باب ۱۵۔ فصل ۳۰) کے اس بیان سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس میں "ایک نمک کا پہاڑ شامل تھا۔ جو تمام ہندوستان کے ملک کے لئے کافی تھا" کرٹئس (باب ۹۔ فصل ۱) نے سوفائی ٹیز کی سلطنت ہائی فے سس کے مغربی کنارے پر غلط بیانی کی ہے۔ اور میک کرنڈل نے اسی کی پیروی کی ہے۔ اس کے نقشے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلطنت امرتسر کے شمال میں واقع تھی۔ جو بالکل ناممکن ہے۔ کننگھم (اینشنٹ جیاگریفی صفحہ ۱۵۵) سوفائی ٹیز کے پایۂ تخت کو جہلم کے مغربی کنارے پر بھیرا کے مقام کو قرار دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ غلط ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ صحیح ہو۔ ۱۲ ۔ ک

پرستش کرتا تھا سونے کے ایک پیالے میں شراب چڑھائی۔ اور طبل بجوا کے کوچ کا حکم دیا۔ نہایت شاندار جلوس کی صورت میں بغیر کسی قسم کی بے ترتیبی یا بدنظمی کے جہازوں نے لنگر اُٹھایا۔ اور ان دیسیوں کی حیرت بھری نگاہوں کے سامنے جو دونوں طرف کناروں پر کھڑے تھے اپنا دریائی سفر شروع کیا۔ ہزارہا ڈانڈوں کی چھپ چھپ۔ حکموں کی پکار۔ اور ملاحوں کے گیتوں نے قرب وجوار میں ایک ہمہمہ پیدا کر دیا جو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گونج رہا تھا۔ اور منہ کھلے حیرت زدہ تماشائیوں کے مزید تحیر کا باعث تھا۔ تیسرے دن یہ بیڑا ایک مقام پر جو غالباً بھیرا تھا پہنچا۔ جہاں کریٹراس اور ہے فےسٹیاں کو حکم دیا گیا تھا کہ دریا کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے اپنے خیمے لگائیں۔ یہاں دو دن قیام کیا گیا۔ تاکہ فلپس کی عقب کی فوج بھی آملے۔ اس سپہ سالار کے وہاں پہنچنے پر حکم دیا گیا کہ اُسے عقب کے بجائے مقدمۃ الجیش میں تبدیل کر دیا جائے اور وہ دریا کے کنارے کنارے کوچ کرے۔

اس جگہ سے سفر کر کے پانچویں دن بیڑا اُس مقام پر پہنچا۔ جہاں ہائی ڈس پیز اپنے سے بڑے دریا اکسینز سے ملتا تھا۔ وہ راستہ جہاں کہ ان دونوں دریاؤں کے پانی ملتے تھے۔ اس وقت ایسا تنگ تھا کہ وہاں بہت خطرناک گرداب پڑتے تھے۔ اور ان کی وجہ سے بیڑے میں بہت بے ترتیبی اور بدنظمی پڑ گئی۔ دو جنگی جہاز مع اپنے آدمیوں کی ایک بڑی تعداد کے غرق ہو گئے۔ اور قریب تھا کہ وہ جہاز جس میں سکندر سوار تھا اسی ورطۂ بلا میں پڑ جائے۔ بادشاہ اور دوسرے افسروں کی نہایت ہی سخت محنت و مشقت کے بعد بیڑے کا بڑا حصہ ایک محفوظ راس کے قریب لنگر انداز ہوا۔ اور تلافی مافات کی تدبیریں کی گئیں۔

اتصال کا موقعہ

اس مقام کو صحت کے ساتھ معلوم کرنا جہاں یہ واقعات پیش آئے ناممکن ہے۔ تمّو (عرض بلد شمال۔ ۳۱-۱۰) کے مقام پر اس وقت ان دونوں دریاؤں کا اتصال نہایت سکون کے ساتھ

ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ خصوصیتیں نظر نہیں آتیں جن کا ذکر ایرین اور کرٹیئس نے اس شد و مد کے ساتھ کیا ہے۔ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ سکندر کے زمانے میں یہ مقام اتصال بہت کچھ شمال کی طرف واقع ہوگا۔

دریاؤں کے راستے

پنجاب اور سندھ کے دریاؤں کے راستوں کے متعلق ہمارا صحیح علم سنہ ۷۱۲ء میں سکندر کی فوج کشی سے ایک ہزار سال سے زیادہ کے بعد شروع ہوتا ہے۔ ان تبدیلیوں کے متعلق جو ان ہزار سال میں واقع ہوئیں ہمکو کچھ معلوم نہیں۔ مگر اس بارہ سو برس میں جو عربوں کی فتوحات کے بعد گذری ہیں یہ معلوم ہے کہ بے انتہا تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں۔ اور یہ یقینی ہے ایسی ہی تبدیلیاں سکندر اعظم اور محمد ابن قاسم کے درمیانی زمانے میں بھی ہمیشہ فطرتی اسباب و علل سے ہوئی ہونگی۔ اس زمانۂ معلومہ کے دوران میں۔ زلزلے۔ طغیانیاں۔ سطح زمین کے نشیب و فراز میں تبدیلیاں۔ زمین کی تباہی اور افزونی۔ اور آب و ہوا کی تبدیلی یہ سب وہ اسباب و علل ہیں جنھوں نے سطح زمین کے تغیر و تبدل میں بہت کچھ کام کیا ہے۔ دریائے سندھ کا ڈلٹا (۵۰) میل سے زیادہ آگے بڑھ گیا ہے۔ اور اس طرح دریاؤں کے راستوں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے پانی کے زور اور اتار چڑھاؤ کو کم کر دیا ہے۔ ایک زبردست دریا یعنی ہکرا یا واہندہ جو بیکانیر۔ بھاولپور اور سندھ کے ویران میدانوں کو سرسبز و شاداب کرتا تھا معدوم ہوگیا ہے۔ دریائے بیاس (ہائی فےسس) نے اپنا قدیم اور غیر مشترک راستہ چھوڑ دیا ہے۔ اور ستلج[1] کا ایک معاون دریا

---

[1] ریورٹی نے اس دریا کے نام کا تلفظ مختلف طور پر سُتلج۔ سُتلاج۔ اور شُتلج لکھا ہے۔ اس دریا کو جسے سنسکرت میں ستودرو کہتے ہیں شاذ و نادر ہی یونانی اور رومی مصنفین نے بیان کیا ہے۔ کسی ذریں لکھا ہے۔ سترہیو کا بیان کیا ہوا ہائی پےفس۔ دراصل ہائی فےسس ہی کی ایک دوسری شکل ہے پہلی ایڈیشن کا ایک نقاد لکھتا ہے۔ "اس عجیب و غریب بیان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ قدیم زمانے میں بیاس دریائے ستلج کا معاون نہ تھا۔ (صفحہ ۵۸) کیونکہ رگ وید میں لکھا ہے کہ ایک دریا

ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے دریاؤں مثلاً سندھ جہلم (ہائی ڈس پیز) چناب (اسکینز) اور راوی (ہائی ڈرو ٹینز) کے راستے اور مقامات اتصال متعدد مرتبہ تبدیل ہوتے رہے ہیں ؁

تعین موقعہ کی کوشش بیکار ہے

یہ امور اگرچہ بلاشک و شبہ درست ہیں۔ مگر ان کو عملی طور پر سکندر کے تمام مورخین فراموش کر دیتے ہیں۔ اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ موجودہ نقشوں سے وہ اس کے دریائی سفر کا خاکہ دکھا سکتے ہیں۔ اور مختلف دریاؤں کے کناروں پر تمام شہروں کے موقعے قرار دے سکتے ہیں۔ مگر یہ سب تعینات عبث ہیں۔ کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ قدیم راستوں میں سے کس میں دریائے چناب یا کوئی اور دوسرا دریا بہتا تھا۔ اور یہ بالکل صاف و صریح ہے کہ جب دریاؤں کے موقعے متعین نہیں ہو سکتے۔ تو ہم ان کے کناروں پر شہروں کے محل وقوع کے معلوم کرنے میں کیوں کر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ سفر کے راستے کو ظن غالب کے طریقے سے بتا دیا جائے۔ اور ان اقوام کے محل سکونت کو ظاہر کر دیا جائے جن سے سکندر کو سابقہ پڑا۔ ان شہروں اور دریاؤں کے سنگم اور معابر کے موقعوں کا پتہ لگانا جن کو قدیم مورخین نے لکھا ہے محال ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں دریاؤں کا طول آجکل کے زمانے سے بہت کم تھا۔ اس لئے ان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دوسرے سے ملجاتا " صرف وہ مقام جہاں رگ ویدمیں وپاس کا ذکر ہے۔ تیسرا باب۔ ۳۳ واں راگ ہے۔ اور اسکی یہ تاویل کیجا سکتی ہے کہ دونوں دریا ایک دوسرے کے کم و بیش متوازی بہتے تھے نہ یہ کہ وہ مل بھی جاتے تھے۔ وپاس اور ستدرے کے متعلق برمی ہریوناد مصححہ میکڈانل۔ جلد اول صفحہ ۱۱۴) میں حوالے کا موازنہ کرو۔ پنجاب کے تمام دریاؤں میں ستلج سب سے زیادہ بدلنے والا دریا ہے۔ جب سے کہ بیاس کا نام تاریخ میں سنا جاتا ہے اس نے سنہ ۱۷۹۶ء میں پہلی دفعہ اپنا راستہ بدلا۔ اور مشرق کی طرف ہو کر ستلج سے جا ملا۔ جو اسی وقت مغرب کی طرف ہٹ گیا۔ (ریورٹی صفحات ۵۰۴ - ۵۰۵ - دیکھو آئینہ حاشیہ) ۱۲؁

مقامات اتصال آجکل کے مقامات سے بہت زیادہ شمال کی طرف ہوں گے۔ اور اس نتیجے کو دریاؤں کے قدیم راستوں کے مشاہدے سے اور زیادہ تقویت پہنچتی ہے۔ ان چار مقامات اتصال سے جن کا ذکر ایرین نے کیا ہے اکسنیز اور ہائی ڈس پیز کا سنگم اس زمانے میں غالبًا موجودہ شہر جھنگ سے بہت دور واقع نہ ہوگا۔ اور تقریبًا شمالی عرض بلد ۱°۳۲ ہوگا۔[۱]

سبوئی اور اگلسوئی — سکندر نے یہاں اپنی فوجوں کو خشکی پر آتارا کہ قرب وجوار کی قوموں سبوئی اور آگلسوئی کو مطیع کرے۔ اور ان کو قرب کی زبردست قوم ملوی (سنسکرت مالوا) سے جو دریا کے زیرین حصے میں بستی تھی اور جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ مقابلے کی تیاری کر رہی ہے۔ نہ ملنے دے۔ سبوئی نے جو بیان کیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں تھیں۔ اور جنگلی جانوروں کی کھالیں

---

[۱] یہ بیان ریورٹی کے قابل قدر مضمون "دی مہران اینڈ اٹس ٹری بیوٹریز۔ اے جیاگریفیکل اینڈ ہسٹاریکل سٹڈی" (جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۹۲ء حصۂ اول) پر مبنی ہے جس میں بے شمار نقشے ہیں۔ اور جس پر ابتک ویسی توجہ نہیں کی گئی جیسی چاہئے تھی۔ یہ مضمون جس میں (۵۹۰) حاشیے ہیں اپنے طرز بیان میں ایسا ناقص ہے کہ اس کا مطالعہ مشکل ہے۔ سکندر کی ہندی مہم کے متعلق خیالات تمام مضمون اور حاشیوں میں پراگندہ ہیں۔ اور مختلف قسموں کے مضامین میں ملے جلے ہوئے ہیں۔ موجودہ تقریر موقعہ کی بیکاری کے متعلق دیکھو صفحہ ۱۵۵ - ۲۲۶ - ۲۵۰ - ۴۶۹ - اور نوٹ ۵۳۹ - وغیرہ۔ دریائے ہائی ڈس پیز (جہلم) کے لئے دیکھو صفحہ ۵۲ - ۳۳۶ - اکسنیز (چناب) صفحہ ۵۲ - ۳۳۶ - ہائی ڈروٹیز (راوی) صفحہ ۱۷ - ۳۵۲ - ہائی فیسس (بیاس - یا بیاہ) صفحہ ۹۰ - ۲۸۱ - ستلج صفحہ ۱۸ - ۳۹۱ - ہکرا صفحہ ۲۲ - ۴۱۸ - وصفحہ ۲۲ - ۴۵۴ - نتائج صفحہ ۵۰۸ - ۴۶۹ - زلزلے اور سیلاب صفحہ ۳۹۲ - ۴۶۸ - ۴۷۳ وغیرہ۔ سطح زمین کی تبدیلی صفحہ ۳۰۰ وصفحہ ۴۷۴ - ساحل کی توسیع صفحہ ۲۷۲ (نوٹ ۲۳۵) صفحہ ۳۱۷ - ۴۶۹ - ۵۰۱ وغیرہ۔ آب وہوا کی تبدیلی صفحہ ۲۸۲ - ۳۵۴ - ۴۱۷ - تمام مضمون اس قابل ہے کہ اس کا نہایت غور سے مطالعہ کیا جائے۔ مصنف نے پورے حوالے دیئے ہیں۔ اور اس طرح اسکے تمام بیانات کی تصدیق بھی کیجا سکتی ہے۔

پہنے ہوئے اور ڈنڈوں سے مسلح تھیں۔ اطاعت قبول کرلی۔ اور ان کی آزادی برقرار رکھی گئی۔ اگلسوئی (۴۰۰۰۰) پیادے اور (۳۰۰۰) سوار جمع کر لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اور مقابلہ کرنے کی ہمت کی۔ ان کا انجام نہایت عبرت انگیز ہوا۔ انبوہ کے انبوہ تلوار کی نذر ہوئے۔ اور بے شمار غلام بنا کر پکڑ لے گئے۔ سکندر ان کے ملک کے اندرونی حصے میں تیس میل تک چلا گیا۔ اور ان کے پایۂ تخت کو فتح کرلیا۔ ایک دوسرے شہر پر اسے سخت مقابلہ پیش آیا۔ جس میں کہ بہت سے مقدونیوں کا نقصان ہوا۔ باشندے جو تعداد میں (۲۰۰۰۰) کہے جاتے ہیں۔ جب کامیابی سے مایوس ہو گئے تو شہر کو آگ لگا دی۔ اور اپنے آپ کو مع بیوی بچوں کے اس آگ میں جھونک دیا۔ مگر قلعہ اس آگ کی زد سے بچ رہا۔ اور ایک حصۂ فوج وہاں چھوڑا گیا۔ اس کے محافظین میں سے (۳۰۰۰) کی جان بخشی کی گئی[1]۔

---

[1] ایرین۔ انبس آف الکزنڈر۔ باب ۶۔ فصل ۵۔ کرٹئس باب ۹ فصل ۴۔ ڈیوڈرس باب ۱۷۔ فصل ۹۶۔ اگلسوئی کو صرف ڈیوڈرس نے مشہور کیا ہے۔ جس کا بیان ہے کہ سکندر نے شہر کو آگ لگائی۔ شہر کے باشندوں کا بلطیب خاطر جل مرنیکے بیان میں کرٹئس کا تتبع کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ واقعہ ہندوؤں کے رسم و رواج کے عین مطابق ہے۔ اور آئندہ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے۔ سبوئی غالباً ان نیم وحشی خانہ بدوش جاٹوں کے آبا و اجداد تھے جو اب اس علاقے میں رہتے ہیں۔ جغرافی حالت کے مباحثے کے لئے دیکھو میرا مضمون "دی پوزیشن آف دی آٹونومس ٹرائبس آف دی پنجاب کنکرڈ بائی الکزنڈر دی گریٹ" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء) ان اقوام کا ذکر سنسکرت ادبیات میں ساتھ ہی ساتھ آتا ہے۔ ڈیبر لکھتا ہے کہ آپسلی جس کا ذکر پننی نے کیا ہے۔ مرکب لفظ "کشودرک مالوا" کا بیان کرتا ہے۔ "یعنے کشودرک اور مالوا کی فوج"۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصہ اول جلد ۱۶ صفحہ ۹۰) مہابھارت میں ان کو ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ کورو کی فوج میں شامل تھے (دیکھو گیئرسن جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۲۹ جس میں مہابھارت باب ششم۔ ۲۱۰۶۔ ۲۵۸۲۔ ۲۶۴۶۔ ۳۸۵۲۔ ۳۸۵۳۔ ۴۸۰۸۔

دوسرے مقام اتصال کی طرف سفر

یہ واقعات غالباً جھنگ کے شمال مشرق میں پیش آئے۔ اور یہ تمام فوجی کارروائی سکندر کے معمول کے مطابق اپنی فوج کے عقب اور پہلو کو محفوظ رکھنے کے لیئے کی گئی تھی ؛

یہاں یہ خبر معلوم ہوئی کہ ملوئی۔ آکسی ڈریکائی اور دریائی وادیوں کی رہنے والی دوسری خود مختار قومیں اس غرض سے اتحاد کرنا چاہتی ہیں کہ سکندر کے حملے کا سختی سے مقابلہ کریں۔ یہ سن کر سکندر نے اپنے بیڑے اور فوج کو بعجلت تمام کوچ کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ وہ ان اتحادیوں کو قبل اس کے کہ وہ اپنی تجویزوں کو پختہ اور افواج کو متحد کر سکیں۔ جا لے۔ اور بیہم ان کو شکست دے۔ بیڑے اور فوج کے بڑے حصے کو حکم دیا گیا کہ اگلے سنگم یعنے ہائی ڈرو ٹیز (راوی) اور اکسنیز (چناب جس میں ہائی ڈس پیز یا جہلم بھی شامل تھا) کے مقام اتصال پر جمع ہوں ؛

متحد اقوام

سکندر بذات خود ایک چیدہ فوج کے ساتھ جس میں حسب دستور سواروں کی تعداد زیادہ تھی خشکی پر اترا۔ تاکہ وہ ان متحدین میں سے سب سے زیادہ زبردست قوم ملوئی پر حملہ کرے جو دریائے ہائی ڈرو ٹیز (راوی) کی زرخیز وادی میں دریا کے دونوں کناروں پر آباد تھی۔ ان کے ہمسائے آکسی ڈریکائی جو دریائے ہائی فے سس کے شمالی جانب اس کے کناروں پر آباد تھے اگرچہ عام طور پر ملوئی سے برسرپیکار رہا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت انھوں نے اپنی پرانی دشمنی اور رقابت کو فراموش کر دیا اور حملہ آور کے مقابلے کے لیئے اپنے دشمنوں سے میل کر لیا۔ ان دونوں حریف قوموں نے اس اتحاد کو کثرت سے شادیاں کر کے مضبوط کیا۔ چنانچہ ہر ایک قوم نے دوسرے کو دس ہزار عورتیں شادی کرنے کے لیئے دے دیں[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ۴۴ م ۵ ۔ باب ہفتم ۔ ۱۰۳ ۔ ہشتم ۱۳۷ ۔ کا حوالہ دیا گیا ہے ۔) ۱۲ ؛

[1] ڈیوڈرس ۔ باب ۱۰ ۔ فصل ۹۸ ۔ ۱۲ ؛

مگر ذاتی رقابتیں جنھوں نے ہر زمانے میں ہندوستان کے سیاسی اتحادات کو بیکار اور ہیچ کر دیا ہے۔ اس وقت بھی بروئے کار آئیں۔ اور اس اتحاد سے کوئی نتیجہ مترتب نہ ہوا۔ اس اثناء میں کہ یہ متحدین ہم پلہ جرنلوں کے دعووں کا فیصلہ کر رہے تھے اور یہ تصفیہ ہو رہا تھا کہ ان میں کون فوج کی کمان کرے۔ سکندر نے نہایت ہوشیاری سے ملوئی پر حملہ کیا اور قبل اس کے آکسی ڈریکائی ان کی مدد کو پہنچ سکیں اس نے ان کی فوجی طاقت کا خاتمہ کر دیا۔ ان اتحادیوں کے پاس جس قدر فوج تھی اگر صحیح طور پر اس سے کام لیا جاتا تو وہ سکندر کے مختصر سے رسالے کو تباہ و برباد کر دینے کے لیئے کافی تھی۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ان کی فوج میں (۸۰۰۰۰) یا (۹۰۰۰۰) کامل مسلح پیادے (۱۰۰۰۰) سوار (۷۰۰) سے (۹۰۰) تک رتھیں شامل تھیں[۲]

سکندر کی فوجی حکمت عملی۔ مقدونی فوج کی صحیح تعداد بیان نہیں کی گئی۔ مگر ضرور ہے کہ وہ بہت ہی مختصر ہوگی۔ اور اس میں چند ہزار سے زاید سپاہی شامل نہ ہوں گے[۱]۔ مگر تعداد کی کمی کو فوج کی بآسانی نقل و حرکت اور اس کے جنرل کی طباعی پورا کر دیتی تھی۔ مقدونی سپاہ مقابل فوج کی تعداد و مقدار کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی۔ اور سکندر نے بدقت تمام اپنے ایک فصیح و بلیغ خطبے کے ذریعے سے ہائی فےسس کے عذر کے اعادہ کو رد کیا تھا۔ ان بے آب و گیاہ سطحات مرتفعہ میں سے جن کو آجکل بار کہتے ہیں اور جو دریائے اکسینز اور ہائی ڈروٹیز کی وادیوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ سکندر یلغار کرتا ہوا گذرا اور دو ہی منزلوں میں راستے کو طے کر کے دفعتہً اس وقت ملوئی پر جا پڑا جبکہ وہ بے فکر نہتے اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے بدقسمت بغیر کسی قسم کے مقابلے اور

---

[۱] اس میں ہائی پیس لپسٹ پیادے۔ پیادے تیر انداز اور تھریس کے ہلکے اسلحہ سے مسلح سوار پیادہ فوج بیتھصان کے زیر کمان تمام سوار تیر انداز۔ اور نصف سوار فوج شامل تھی۔ یہ تمام فوج بمشکل تعداد میں (۸۰۰۰) ہوگی۔ ۱۲۰ ف

مزاحمت کے نہایت ظلم اور بے دردی سے قتل کیئے گئے۔ اور جو قتل سے بچ رہے وہ شہروں میں قلعہ بند ہو گئے۔

شہروں کی فتح۔ ان میں سے ایک شہر پر جس کا قلعہ ایک بلندی پر بنا ہوا تھا۔ خود سکندر نے حملہ کیا۔ اور محصورین میں (۲۰۰) آدمی مارے گئے۔ ایک اور شہر جس کے برخلاف پرڈکس کو روانہ کیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس کے باشندے اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اور شہر غیر آباد ہے۔ باشندے دریا کی وادی کی دلدلوں میں فرار ہو گئے۔ مگر یہاں سرکنڈوں اور جھاڑیوں کے جنگلوں میں بھی مقدونی سواروں کے اسلحہ سے ان کو نجات نہ ملی۔ سکندر اس کے بعد دریائے ہائی ڈروٹیز تک چلا گیا اور پسپا ہونے والے ملوئی کو معبر کے پاس جا لیا اور ان کو دل کھول کے قتل و غارت کیا۔ اس نے ان کو دریا کے مشرق کی طرف اس علاقے میں ڈھکیل دیا جس کو آجکل ضلع منٹگمری کہا جاتا ہے اور ایک قلعہ جس میں برہمن آباد تھے سرنگیں لگا کر اور دیواروں پر چڑھ کر فتح کر لیا۔ سکندر نے حسب معمول خطرے کی کچھ پروا نہ کی اور سب سے پہلے دیوار پر چڑھ گیا۔ شہر کو نہایت بہادری سے بچانے کی کوشش کی گئی۔ مگر بے سود۔ ان میں سے تقریباً (۵۰۰۰) آدمی مارے گئے۔ اور چونکہ وہ جوشیلے اور جنگجو لوگ تھے۔ اس لیئے بہت کم قید ہوئے۔

ملوئی قوم کی مراجعت۔ ملوئی لوگ اب بہت شکستیں کھا چکے تھے اس لیئے انھوں نے ہائی ڈروٹیز (راوی) کو عبور کیا۔ اور سکندر کی فوج کے عبور کرنے میں (۵۰۰۰۰) آدمیوں سے مزاحم ہوئے۔ مگر ملورین قوم کے سپاہیوں کے سامنے ان کی کچھ نہ چلی۔ اور وہ "سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگے"۔ اور قریب ہی ایک سب سے بہتر قلعہ بند شہر میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ چھوٹا سا شہر جس کے موقعے کا اب صحیح پتہ نہیں لگ سکتا۔ غالباً کہیں جھنگ اور منٹگمری کی سرحد پر ملتان سے (۸۰) یا (۹۰) میل شمال مشرق میں واقع تھا۔ اور سکندر کی زندگی کے ایک سب سے

عجیب واقعے سے اس کا تعلق ہے۔ جسے ایرین نے نہایت خوبی سے اس مواد کی بنا پر بیان کیا ہے جو اسے ٹولمی نے بہم پہنچایا تھا۔[۱]

سکندر کا خطرناک زخم۔

مقدونی جو پہلے اس شہر کے مالک ہو گئے تھے۔ اسکے قلعے پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس وقت سکندر نے یہ سمجھ کر کہ سپاہی خواہ مخواہ لیت ولعل کر رہے ہیں۔ ایک سیڑھی سپاہی کے ہاتھ سے چھین کر دیوار سے لگائی اور اس پر چڑھ گیا۔ اس کے ساتھ تین آدمی پیوکس ٹس۔ لیوناٹاسس اور ابریس تھے۔ اپنے زرق برق اسلحہ پہنے ہوئے سکندر دیوار پر کھڑا ہوا تھا۔ اور ہر قسم کے تیرو نیزوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ اور یہ خیال کر کے کہ جہاں وہ کھڑا ہے وہاں سے وہ بغیر مدد کے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ نہایت دلیری سے اپنے ساتھیوں سمیت دیوار پر سے قلعے میں کود پڑا۔ ابریس فوراً مارا گیا۔ اور سکندر ایک درخت سے جو دیوار کے قریب ہی تھا اپنی پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اسی حالت میں ہندی گورنر کو قتل کیا۔ اور تمام حملہ آوروں کے مقابلے میں اپنی حفاظت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا سینہ ایک تیر سے چھد گیا۔ اور وہ گر پڑا۔ پیوکس ٹس جہاں وہ گرا تھا اس پر کھڑا ہو گیا۔ اور اس متبرک ڈھال سے جو الئیان سے لائی گئی تھی اس کو چھپائے رہا۔

---

[۱] یہ شہر چھوٹا سا تھا۔ (سٹریبو۔ باب ۱۵۔ فصل ۳۳)۔ موجودہ بیان کہ اسے ملتان کا شہر (مُولستھان پور۔ دیکھو بیل کی کتاب ہیون سانگ جلد دوم صفحہ ۲۷۴) قرار دیا جائے بالکل بے سند ہے۔ اشتقاق کی رو سے ملتان کے نام اور ملوئی میں کوئی تعلق نہیں۔ اور ملتان کا شہر بہت جنوب میں واقع ہے۔ ملوئی کے برخلاف جنگ دریائے ہائی ڈرو ٹیز کی وادی میں ہوئی تھی جہاں یہ لوگ اس زرخیز کوہستان کے دامن کی زمین کے مالک تھے۔ جو آجکل ضلع منٹگمری اور ضلع جھنگ کا کچھ حصہ ہے۔ دیکھو ریورٹی صفحہ ۳۶۴۔ اور میرا مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اکتوبر ۱۹۰۳ء۔ ٹولمی نے جیسا کہ بعض مصنفین کا خیال ہے۔ سکندر کی حفاظت میں شرکت نہیں کی تھی۔ ۱۲ ک

اور لیوناٹاس نے جو اگرچہ اپنے ساتھی کی طرح سخت زخمی تھا۔ اُس کو ارد گرد کے حملوں سے محفوظ رکھا۔ سیڑھیاں چونکہ ٹوٹ گئی تھیں اس لیئے مقدونی اپنے بادشاہ کی مدد کرنے سے بالکل عاجز تھے۔ مگر آخر کار ان میں سے چند بھی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور دوسرے دروازے کے راستے سے داخل ہوئے۔ اور اس طرح سکندر کو بچا لیا۔ جو صرف بیہوش ہی ہوا تھا ؛

اسکی صحت یابی۔ تیر کو عمل جراحی کے ذریعے سے نکالا گیا جسکی وجہ سے بہت کچھ خون بہ گیا۔ اور فوری موت کا اندیشہ تھا۔ مگر سکندر کی قدرتی طاقت اس پر آخر کار غالب آئی۔ اور یہ خطرناک زخم مندمل ہو گیا۔ غیظ و غضب میں بھری ہوئی فوج نے باشندوں پر حملہ کیا۔ اور بلا تمیز مرد و زن و بچہ سب کو تہ تیغ کیا ؛

جب سکندر رو بصحت ہو گیا تو اسے ہائی ڈروٹیس کی طرف لے گئے اور وہاں سے کشتی میں دریائے اکسینیز کے سنگم کو لے گئے۔ یہاں اسے اس کی فوج اور بیڑے ملے۔ جو بالترتیب ہے فے اسٹیان۔ اور نیارکس کے زیر کمان تھے ؛

قوم ملوی اور آکسی ڈریکائی کا اطاعت قبول کرنا ملوی کے بقیۃ السیف افراد نے جن کی قوم سکندر کے ظلم و تعدی کو پوری طور پر برداشت کر چکی تھی۔ اب نہایت عاجزی سے اس کی اطاعت قبول کرلی۔ اور آکسی ڈریکائی جو اپنے تذبذب اور التوا کی بدولت بچ رہے تھے۔ اب مقاومت اور مقابلے کو بے سود سمجھ کر فاتح سے رحم کے طالب ہوئے۔ اور خراج اور تحفے دیکر اس کے مطیع ہو گئے۔ سکندر۔ جو اپنے مقابلہ کرنے والے کے ساتھ درشتی اور کبھی کبھی بے رحمی سے پیش آتا تھا مگر اپنے مطیع کے ساتھ ہمیشہ دوستی اور اخلاق کا سلوک کرتا تھا۔ اُن کی عرضداشتوں اور تحفوں اور قوم کے ایلچیوں کے عذرات کو فوراً قبول کرلیا۔ یہ ایلچی تعداد میں سو تھے۔ اور بیان کے مطابق نہایت

رعب دار اور قوی جثہ آدمی۔ سرخ زریں لباس پہنے ہوئے رتھوں میں سوار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان تحفوں میں (۱۰۳۰) چار گھوڑوں کی رتھیں (۱۰۰) دیسی ساخت کی سپرپ (۱۰) تیلنت فولاد۔ بیشمار روئی کا سامان۔ ایک بڑی مقدار کچھوے کی ہڈیاں۔ بڑے بڑے گرگٹوں کے چمڑے۔ پالتو شیر ببر۔ اور شیر شامل تھے۔ ان کے علاوہ (۵۰۰) سواروں کی امدادی فوج تھی۔[1]

دریائے سندھ کے مقام اتصال کی طرف سفر۔

اس کے بعد فلیپوس کو مفتوحہ اقوام کا سترپ (صوبہ دار) مقرر کیا گیا۔ اور بیڑا اس سنگم سے گذرا جہاں ہائی فے سس بڑے دریا سے ملتا تھا۔ جو سے تھے سنگم اکسنیز (چناب) جس میں دریائے ہائی ڈفس پیز (دریائے جہلم) ہائی ڈرو ٹیز (دریائے راوی) اور ہائی فے سس (دریائے بیاس) بھی شامل تھے اور

---

[1] یہ تمام تفصیل کرٹس (باب ۹۔ فصل ۸، ۷) سے لی گئی ہے۔ ایرین (باب ۶۔ فصل ۱۴) (۵۰۰) رتھوں ہی کا ذکر کرتا ہے۔ مگر غالباً کرٹس کے پاس اپنے بیان کے ثبوت میں اچھے دلائل موجود تھے۔ قدیم مصنف ہندی روئی کو "کتان" لکھتے ہیں۔ جو ہندوستان میں کبھی تیار نہیں ہوئی۔ اعلیٰ درجے کا فولاد بہت قدیم زمانے سے ہندوستان میں بنتا تھا۔ کرٹس اسکو "فیرم کندیدم" کہتا ہے۔ یعنے "فولاد" نہ کہ "ٹین"۔ کچھوے کی ہڈیاں پہلی صدی عیسوی کے زمانے میں بھی ہندی تجارت کا جزو تھیں۔ (پیری پلس۔ دیکھو انڈین انٹی کویری۔ جلد ۸۔ صفحہ ۱۱۱) کرٹس (باب ۹ فصل ۷) کا یہ بیان کہ سکندر نے ملوئی اور آکسی ڈریکائی پر ایک خراج لگایا تھا۔ جو وہ باقساط ارکوسیہ کی قوم کو ادا کیا کرتے تھے؟ ناقابل فہم ہے۔ اور خود ارکوسیہ کا نام بھی غلط معلوم ہوتا ہے۔ ارکوسیہ یعنے قندھار کا علاقہ کسی طرح ممکن نہیں کہ مشرقی پنجاب کی اقوام سے خراج وصول کرتا ہو۔ میکین ملے آکسی ڈریکائی کا ایک عجیب وغریب اور غلط حوالہ اپنے مضمون "آن دی ووسی سی ٹیوڈس آف تھنگس" میں دیا ہے۔ اور وہ براہ راست فلاسٹریٹس کی کتاب "لائف آف اپولونئس آف ٹیانہ" جلد دوم۔ ۳۳۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۳۲۵) سے نقل کرتا ہے۔

اُس دریا سے ملتے تھے جسے قدیم مورخین دریائے انڈس (سندھ) کہتے ہیں۔ لیکن غالباً اُس زمانے میں "سندھ کا مفقود دریا" ہکڑا یا دہندہ اس وقت موجود تھا۔ اور پنجاب کے تمام دریا مع دریائے سندھ کے اس میں جا ملتے تھے۔ اور اس طرح یہ ایک عظیم الشان دریا بن جاتا تھا جو بعدہ دریائے مہران کے نام سے نامزد ہوا ؕ

دریاؤں میں تغیرات یہ قطعی ناممکن ہے کہ سکندر کے زمانے کے مقامات اتصال کا پتہ صحیح طور پر لگایا جاسکے لیکن بہت زمانے بعد شروع شروع کے عرب مصنفوں کے زمانے میں تمام دریا ایک مقام پر ملتے تھے جو "دوش آب" کہلاتا تھا۔ اور موجودہ ریاست بہاول پور کے علاقے میں واقع تھا۔[1] ہم چونکہ دریاؤں کے تمام راستوں سے قطعی ناواقف ہیں۔ جو جیساکہ قدیم راستے ظاہر کرتے ہیں۔ آخری مقام اتصال سے کم و بیش ایک سو دس میل کے علاقے میں چکر لگاتے رہے ہیں۔ اس لئے سکندر کا باقی ماندہ دریائی سفر ہمارے لئے بہت زیادہ دلچسپی کا باعث نہیں ہے۔ بالائی سندھ میں اس کا راستہ مظنون صحت کے ساتھ بھی نہیں بتایا جاسکتا۔ اور یہ ناممکن ہے کہ صحت کے ساتھ ان شہروں کے موقعے یا قوموں کے محل سکونت کا تعین کیا جائے جن کا مورخین ذکر کرتے ہیں ؕ

نظم و نسق کے انتظامات۔ پنجاب کے دریاؤں کا دریائے "سندھ" کے ساتھ اتصال جہاں کہیں وہ واقع ہو۔ فلیوس کے صوبے کی جنوبی سرحد قرار دی گئی۔ اور تھریس کی تمام فوج

---

[1] ریورٹی صفحہ ۴۷۳۔ دوش آب کا مقام بھکل یا بگھل کے مقام پر تھا۔ جو انڈیا آفس کے ہندوستان کے نقشے پر تقریباً شمال عرض بلد ۲۸-۴۰- اور مشرق طول بلد ۰۷-۳۰ پر واقع ہے۔ آرین نے چاروں مقامات اتصال کو انبس آف الکزنڈر میں بیان کیا ہے۔ اسی مصنف کی کتاب انڈیکا کا متناقض اور ناقابل فہم بیان۔ بالکل خبط ہوگیا ہے۔ ۱۲ ک

مع ایک ایسی تعداد سواروں کے جو اس صوبہ کو قابو میں رکھ سکے حوالے کی گئی۔ اسی زمانے میں ملک باختر کا ایک امیر آکسیر ٹیز جو سکندر (؟) بیوی روشنک کا باپ تھا پیروپنیسدی یعنے صوبۂ کابل کا بجائے ٹائی رسپیز کے جس کی حکومت قابل اطمینان ثابت نہ ہوئی تھی۔ صوبہ دار مقرر کیا گیا تھا۔ اور تمام دریاؤں کے سندھ کے ساتھ سنگم کے مقام پر ایک شہر بسایا گیا جس کے متعلق سکندر کو امید تھی کہ پھلے پھولیگا۔ ایک بحری گودام بھی وہاں تعمیر کیا گیا۔ بعض خود مختار قبائل نے جن کے نام آرین ابسٹنوی۔ زتھروئی یا اکسیتھروئی۔ اور آسٹروئی بتلاتا ہے۔ یا تو اطاعت قبول کرلی یا ان کو مطیع کیا گیا۔ اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ تیس ڈانڈ کے جہاز اور باربرداری کشتیاں زتھروئی نے بنائیں اور سکندر کی خدمت میں پیش کیں[۱]۔ اگرچہ یہ ناممکن ہے کہ شمالی سندھ کے ان قبائل کا

---

[۱] ایرین (انبس آف الکزنڈر باب ۶۔ فصل ۱۵)۔ کرٹئس (باب ۹۔ فصل ۸) کے بیان کے مطابق سکندر کی مڈبھیڑ ایک اور قوم ٹلی نام سے (جسے میک کرنڈل نے دریائے راوی کی ملوئی قوم کے ساتھ خبط کر دیا ہے) اور اسکے بعد ایک اور قوم سبرسی سے ہوئی جو بڑی طاقتور تھی اور بغیر بادشاہ کے جمہوری طرز کی حکومت رکھتی تھی۔ ان کی فوج کے متعلق بیان تھا کہ اس میں (۶۰۰۰۰) پیادے (۶۰۰۰) سوار اور (۵۰۰) رتھیں شامل تھیں۔ اور وہ تین مشہور و معروف جنرلوں کے زیر کمان تھی۔ اس قوم نے اطاعت قبول کرلی۔ زتھروی (یا اکسیتھروئی) معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کشتریا کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ سبرسی کو ڈیوڈرس سمبسٹئی لکھتا ہے اور وہ کرٹئس کے ساتھ انکی طرز حکومت اور فوج کی تعداد کے متعلق متفق ہے۔ ڈیوڈرس (باب ۱۷ فصل ۱۰۲) یہ اضافہ کرتا ہے کہ دو اور قومیں سوڈرئی اور مسّانوئی دریا کے دونوں کناروں پہ سکونت پذیر تھیں۔ اور انکی حدود کے اندر ایک شہر اسکندریہ بنایا گیا تھا جس میں (۱۰۰۰۰) آبادکار چھوڑے گئے تھے۔ میک کرنڈل اور دیگر مصنفین کی یہ کوشش کہ ان اقوام و قبائل کی اصلی جائے سکونت کا پتہ لگائیں بالکل بیکار ہے۔ کیونکہ ہم کو یہی معلوم نہیں کہ اس وقت دریا کہاں واقع تھا۔ انبس آف الکزنڈر (باب ۶۔ فصل ۱۵) میں آکسیر ٹیز کا پیتھان۔ جنوبی دریائے سندھ کے علاقے کے صوبہ دار کا

صحیح نام یا اصلی مقام سکونت کا پتہ لگایا جا سکے جن کا ذکر قدیم مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ لیکن اندازاً وہ علاقہ جس میں یہ اقوام آباد تھیں شمال عرض بلد ۲۸° کے شمال جنوب۔ مشرق طول بلد ۶۹° اور ۳۰ - ۷۰° کے درمیان واقع تھا۔ ہم کے اس زمانے میں کریٹراس جو شروع ہی سے تمام دریاؤں کے دہنے یا مغربی کنارے پر سفر کرتا رہا تھا۔ اب مشرقی یا بائیں جانب کو منتقل کر دیا گیا۔ جہاں نقل و حرکت آسان تھی۔ اور دوسرے کنارے کی بہ نسبت وہاں ایسی قومیں آباد تھیں جن سے کم مزاحمت کی امید تھی۔ ؎۱

موسی کناس کی مملکت۔ اس کے بعد سکندر بعجلت تمام آگے بڑھا۔ تاکہ اس بادشاہ پر جس کا نام آرین نے موسی کناس لکھا ہے۔ اور جس نے نہایت ہی نخوت اور غرور کے ساتھ نہ تو حملہ آور کی خدمت میں ایلچی روانہ کئے تھے اور نہ تحائف پیش کئے تھے۔ دفعتہً جا پڑے۔ اس سرکش بادشاہ کا پائے تخت غالباً۔ مگر نہ یقیناً الور یا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- شریک رتبہ ہونے کا ذکر جیسا کہ جناک نے صحیح طور پر بیان کیا ہے۔ آرین کا بیان کے غتر بود ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ تھریس کی وہ فوج جو فلپوس کے حوالے کی گئی بظاہر پیادہ فوج معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ اگریئین ہلکے اسلحہ سے مسلح رسالہ جو تھریس کا ہی تھا۔ آئندہ کی جنگوں میں شریک رہا تھا۔؎

؎۱ ایرین (انبس آف الکزنڈر باب ۶۔ فصل ۱۵) کے الفاظ جن میں وہ کریٹراس کے دہنے کنارے سے بائیں کنارے پر منتقل ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ بظاہر محض ایک حاشیہ ہے جو غلطی سے متن کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ڈیلٹا کے شروع کی طرف سے کریٹراس کو "کرمانیہ میں براہ ارکوٹی اور زرنگوئی روانہ کر دیا گیا تھا" جیسا کہ فصل (۱۷) میں مذکور ہے۔ میک کرنڈل کا یہ قیاس کہ کریٹراس پہلے فصل (۱۵) کے مطابق روانہ کیا گیا تھا۔ اور بعد میں پھر واپس بلا لیا گیا۔ میرے نزدیک قابل تشفی نہیں۔ اس کے قبل میں نے اسی باب کی ایک اور غلطی کو بھی ظاہر کیا تھا۔ جس کی وجہ بھی غالباً یہی تھی کہ غلطی سے زائد عبارت کو متن میں جگہ دیدی گئی ہے۔ ۱۲ ؎

اروڑ کے مقام پر واقع تھا جو سندھ کا قدیم دارالسلطنت تھا۔ یہ اب ضلع سکھر میں شامل۔ اور شمال عرض بلد ۲۷ ۔ ۹ ۔ ۳ ۔ اور مشرق طول بلد ۶۸ ۔ ۵۹ میں واقع ہے۔
اس سلطنت کی خصوصیتوں نے مقدونیوں کو حیرت و استعجاب میں ڈال دیا۔ مشہور تھا کہ اس ملک کے باشندے عام طور پر ایک سو تیس برس کی عمر کو پہنچتے ہیں۔ اور اس طول عمر کی وجہ یہ ہے کہ وہ غذا میں اعتدال کے رکھنے سے تندرستی کو قائم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کے ملک میں چاندی اور سونا دونوں کی کانیں موجود تھیں۔ مگر وہ ان دونوں دھاتوں کے استعمال سے محترز رہتے تھے۔ دوسری ہندی قوموں کے برعکس ان میں غلام نہیں پائے جاتے تھے۔ اور انکی بجائے "جس طرح کریٹ کے لوگ افمیوٹئی قوم کے افراد کو۔ اور لیسی ڈےمون کے باشندے ہیلوت کو استعمال کرتے تھے۔ یہ بھی نوجوانوں سے محنت مشقت کا کام لیتے تھے" وہ اس امر میں بھی لیسی ڈےمونیا کے باشندوں سے مشابہ تھے کہ ان کے ہاں بھی خوان یغما کا دستور تھا۔ جس پر شکار کئے ہوئے جانور چنے جاتے تھے۔ وہ طب کے سوا تمام علوم و فنون کے مطالعے سے بالکل منکر تھے۔ اور ان کے متعلق مشہور تھا کہ ان کے ہاں کوئی ضابطۂ دیوانی نہیں بلکہ عدالتوں کے اختیارات قتل اور اسی قسم کے سنگین جرایم کے فیصلے تک محدود ہیں ۔[1]

موسی کناسس کی اطاعت اور بغاوت

موسی کناس کو بھی کیونکہ سکندر رلوئی قوم کی مانند اس پر اس طرح اچانک جا پڑا کہ قبل اس کے کہ پرانی چھاؤنی سے اس کے کوچ کی اطلاع ملے وہ بادشاہ کے ملک میں داخل ہو گیا۔

---

[1] سٹریبو باب ۱۵ فصل ۳۴ ۔ ۵۴ ۔ سٹریبو اُنیسکریٹاس کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ اور مصنفین یہ بیان کرنے میں حق پر نہیں تمام ہندوستان میں غلامی کا وجود نہ تھا۔ میگستھنیز (آرین۔ انڈیکا باب ۱۰) کا بیان ہے کہ ہندوستان میں بڑی اچھی بات یہ تھی کہ تمام ہندی آزاد تھے اور کوئی ہندی غلام موجود نہ تھا۔ مگر درحقیقت نہایت قدیم زمانے سے ہندوستان میں خانگی قسم کی غلامی نہایت معتدل حالت میں موجود تھی ۔ ۱۲

اس کے سوا اور کوئی مفر نہ تھا کہ فاتح کی ملاقات کے لئے آئے۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھ اپنے تمام ہاتھی۔ اور عمدہ عمدہ تحائف جو ہندوستان میں مہیا ہو سکتے تھے لے کر آیا۔ سکندر جو عادۃً اطاعت التماس کو جلد منظور کر لیا کرتا تھا۔ بادشاہ کے ساتھ باخلاق پیش آیا۔ اس کی سلطنت اور پایۂ تخت کی بہت تعریف کی۔ اور اس کو اس کی بادشاہت پر مستقل کر دیا۔ مگر موسی کناس جو اپنے برہمن مشیروں کا تابع تھا اس طرح فوری اطاعت قبول کرنے سے بچتا یا اور بغاوت کی۔ اگینور کا بیٹا پیتھون جو فلیپس کی صوبہ داری کے جنوبی علاقے کا عامل تھا۔ باغی کے تعاقب میں بھیجا گیا۔ اور سکندر نے بذات خود شہروں کو فتح کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان میں سے چند خراب و برباد کر دیئے گئے۔ اور چند میں فوجیں مقیم کی گئیں۔ موسی کناس جس کو پیتھون نے قید کر لیا تھا مع اپنے برہمن مشیروں کے جنھوں نے اسے بغاوت پر آمادہ کیا تھا قتل کیا گیا۔[۲]

آکسی کیناس اور سمباس۔ اس کے بعد سکندر ایک چالاک فوج لے کر آکسی کیناس نام ایک سردار کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ اور اسے قید کر لیا۔ جب اس کے دو بڑے شہر خراب و برباد کئے جا چکے تو دوسرے شہروں نے اپنے آپ کو بلا مزاحمت اس کے حوالے کر دیا۔ "ہندوستانیوں کے دل و دماغ کی حالت سکندر کے خوف اور اس کی فتوحات کی وجہ سے یہ ہو گئی تھی"[۳] ایک اور سردار سمباس نے جس کا پائے تخت سندمن[۴] تھا۔ اور جو

---

[۱] پیتھون دریائے سندھ کے جنوبی علاقے کا بلا شرکت غیرے صوبہ دار تھا۔ آکسی آرٹیز کے اس کے ساتھ شریک رتبہ ہونیکے ذکر کی وجہ سے متن کتاب میں خرابی پڑ جاتی ہے۔ (دیکھو گذشتہ حاشیہ)۔ ۱۲ ؤ

[۲] اس فقرے کا ترجمہ میک کرنڈل نے یہ کیا ہے کہ سکندر نے باغی کو پھانسی دیئے جانے کا حکم دیا۔ ۱۲ ؤ

[۳] یہ ترجمہ میک کرنڈل کا ہے۔ کرٹس اس قوم کا ذکر کرکے جو مُسکنی کہلاتے تھے۔ اور وہ آکسی کیناس کو پورٹیکینس کہتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے کہ اسکی رعایا پرستی قوم تھی۔ اس کے مطابق پورٹیکینس مارا گیا۔ یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ سمباس کی فوج زہر آلود تلواریں استعمال کرتی تھی (باب ۹ فصل ۳)۔ ۱۲ ؤ

[۴] سندمن ممکن ہے سہوان ہو۔ اس کو صرف اس وجہ سے سہوان کا مترادف مان لیا جاتا ہے کہ

سکندر کے ڈر سے بھاگ گیا تھا۔ اس کی اطاعت قبول کرلی۔ اور بہت سے برہمن جنھوں نے ایک بے نام ونشان شہر کے باشندوں کو بغاوت پر اکسایا تھا قتل کئے گئے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ دریائے سندھ کے نیچے کے علاقے کی اس مہم کے دوران میں (۸۰۰۰۰) ہندی مارے گئے۔ اور بیشمار غلام بناکر بیچڈالے گئے ؛

موسی کناس کے قتل کے بعد ڈلٹا (جسے یونانیوں نے پٹلینی لکھا ہے) کا حکمران اپنے دارالسلطنت پٹالہ سے سکندر کے کیمپ میں آیا۔ اور اپنی بادشاہت کے لئے سکندر کی اطاعت قبول کی۔ اور اس نے منظور کیا۔ وہ پھر اپنے ملک میں واپس بھیجدیا گیا۔ تاکہ فوج کے استقبال کی تیاری کرے ؛

کریٹراس وطن بھیجدیا گیا۔

اس زمانے میں کریٹراس جو سکندر کا سب سے بڑا معتمد علیہ افسر تھا فوج سے الگ کیا گیا اور اسے حکم ہوا کہ فوج کے ایک بڑے حصے کو براہ ارکوسیہ۔ (قندھار) اور ڈرنگیانہ (سیستان) کرمانیہ میں لے جائے۔ اس فوج میں جسے کریٹراس کے حوالے کیا گیا اٹلاس۔ میلیگر۔ اور انٹی جینیز کے رسالے۔ اور ان کے علاوہ کچھ تیرانداز محافظ پیادوں کا دستہ۔ اور وہ مقدونوی سپاہی جو فوجی حیثیت سے بیکار ہوگئے تھے شامل تھے۔ اسی فوج کے ساتھ تمام ہاتھی بھی کردئے گئے ؛

سکندر کی پٹالہ کی طرف سبقت

سکندر نے بذات خود اس فوج کی کمان لی جو سفر مینا کا کام کرتے تھے۔ اور باقی فوج کا افسر ہیفےاسٹیان کو بنایا۔ اور وہ دریا کے دہنے کنارے پر روانہ ہوا۔ کریٹراس کو جو دریائے سندھ کے بالائی حصے میں بائیں کنارے تبدیل کیا گیا تھا۔ جب وطن واپس جانے کا حکم ملا۔ تو اسے لامحالہ دریا کو نئے سرے عبور کرنا پڑا۔ بائیں کنارے پر اسکی جگہ اب اگینور کا بیٹا پیتھون قایم مقام ہوا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دونوں نام سین سے شروع ہوتے ہیں۔ قلمی نسخے میں، سندونلیا ہے۔ سٹریبو کی کتاب کے ناموں کے متعلق بہت کچھ شک کی گنجایش ہے۔ دیکھو کتاب مصحوڈیونبر۔ پیرس سنہ ۱۸۵۳ء ؛

اس کو کچھ نیزہ بردار سوار اور انگریزی فوج دی گئی۔ اور حکم ہوا کہ بعض قلعبند شہروں میں نئے آباد کار بسائے۔ بغاوت کی روک تھام کرے۔ انتظام قائم رکھے۔ اور بالآخر پٹالہ کے مقام پر سکندر سے آملے۔ اس شہر کا حکمراں اور اس کے باشندے سکندر کے خوف سے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر ان میں سے اکثروں کی تسلی کر دی گئی۔ اور ان کو اپنے گھروں میں واپس آنے کی ترغیب دی گئی تھی[1]۔

پٹالہ۔ شہر پٹالہ کے موقعے کے متعلق بہت کچھ بحث ہوی ہے۔ مگر سب سے بہتر رائے یہ ہے کہ وہ قدیم شہر بہمن آباد کے مقام پر یا اس کے قریب ہی یعنے شمال عرض بلد ۲۵°۔ ۵۲ مشرق طول بلد ۶۸°۔ ۴۶ میں اس سے لسنبتہً جدید شہر منصوریہ سے چھ میل کی طرف مغرب میں واقع تھا۔ ڈلٹا کا سرا غالباً کلری کے مقام پر بہمن آباد سے چالیس میل بسمت شمال تقریباً شمال عرض بلد ۲۶°۔ ۴۰۔ اور مشرق طول بلد ۶۸°۔ ۳۰ میں واقع تھا۔ سکندر کی نقل و حرکت پر بحث کرنے کے لئے پٹالہ اور بہمن آباد کے موقعوں کو فرض کر کے تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے[2]۔

---

[1] تمام ماہرین فن اس بات میں متفق ہیں کہ کریٹراس نے زیادہ آسان راستہ جو قلات کے قریب سے درۂ ملا میں سے ہوتا ہوا قاقلون کے موجودہ راستے کو اختیار کیا ہوگا۔ بولان اور کوئٹہ کا راستہ بہت عنقریب زمانے سے کام میں لایا گیا ہے۔ (ہولڈچ گیٹس آف انڈیا۔ ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۴۷۔ سائکس یٹین تھاؤزنڈ مائلز ان پرشیا۔ صفحہ ۴۹) - درۂ ملا تمام سال سفر کے لئے کھلا رہتا ہے۔ (میسن کا سفرنامہ۔ جلد دوم صفحہ ۱۲۰) - ۱۲ ڈ

[2] بہمو آباد۔ یا بھمنیا بھمنو۔ نہ کہ برہمن آباد جیسا کہ عوام میں غلط طور پر لکھا جاتا ہے۔ یہ شہر بہمن آباد کے نام سے اسفندیار کے بیٹے بہمن نے "گشتاسپ ایران زمین کے فرمانروا کے عہد" میں آباد کیا تھا۔ بہمن آرٹرزرخیز لانگیملن یا اہاوردس کا ایک دوسرا نام جس نے ۴۶۵ ق م سے ۴۲۵ ق م تک حکومت کی۔ (ریورٹی کا لو مضمون نوٹس صفحہ ۱۰

ڈلٹا کی تفتیش۔ سکندر نے یہ سمجھ کر پٹالہ کا مقام بہت فوجی اہمیت رکھتا ہے۔ ہیفے ستیان کو حکم دیا کہ وہاں ایک قلعہ تعمیر کرائے۔ اور گرد و نواح کے علاقے میں کنوئیں کھدوائے۔ اس نے تجویز کیا کہ عین اس مقام پر جہاں دریا دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے ایک زبردست بحری چھاؤنی قائم کرے۔ اور اسی وجہ سے وہ وہاں کافی مدت تک ٹھیرا کہ گودی اور بندر کی تعمیر جو شروع ہو گئی تھی اس کی فی الجملہ تکمیل بنظر خود دیکھ لے۔ اس کے بعد اس نے ارادہ کیا کہ وہ بذات خود دریا کی دونوں شاخوں کا سمندر تک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ریناڈ۔ انڈین انٹی کویری۔ جلد ۸۔ صفحہ ۳۳۶) وہ گشتاسپ کا پوتا تھا۔ مگر یہ جگہ اور بھی زیادہ قدیم ہے۔ اور اس میں بڑے وسیع قبل تاریخی زمانے کے آثار پائے جاتے ہیں۔ (میڈ گرسن رپورٹ۔ آرکیالوجیکل سروے ڈبلیو آئی ۹۷-۱۸۹۶ء حصہ ۵۰۔ ۳۔ ایضاً ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲۴۔ ۱۳۳) برہمن آباد کے مقام کو مسٹر بلیسس نے ۱۸۵۴ء میں دریافت کیا تھا (جے۔ بو۔ بر۔ آر۔ اے۔ ایس۔ جنوری ۱۸۵۶ء)۔ منصوریہ پرانے شہر کے کھنڈر کے ملبے سے تقریباً اسی موقع پر قایم کیا گیا تھا۔ (کوسنس۔ اینوئل رپورٹ۔ اے۔ ایس۔ ڈبلیو۔ انڈیا ۰۴-۱۹۰۳ء صفحہ ۴۴-۱۳۲۔ ۹-۱۹۰۸ء صفحہ ۸۰۔ ۹۷) ۔ ریورٹی (کتاب مذکورہ صفحہ ۲۰۵۔ ۱۹۶) کا پیچیدار نوٹ بہت کچھ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ ڈلٹا کے سرے اور پٹالہ کے شہر کے موقع کے متعلق دیکھو مضمون مذکورۂ بالا صفحہ ۲۳۶۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ جنرل ہیگ کی رائے جو ڈلٹا کے بڑھنے کے اندازے کو بہت کچھ کم کر دیتا ہے۔ یقیناً اس امر میں غلط ہے کہ پٹالہ حیدر آباد کے عرض بلد کے نیچے واقع تھا۔ (شمال عرض بلد ۲۵° - ۲۳′ - مشرقی طول بلد ۶۸° - ۲۵′)۔ اسی مصنف کو ان تمام شہادتوں کی خبر نہ تھی جن کی بنا پر ریورٹی نے ڈلٹا کے قدیم ترین معلوم شدہ سرے کو برہمن آباد سے (۴۰) میل شمال میں قایم کیا تھا۔ (دیکھو دی انڈس ڈلٹا کنٹری صفحہ ۱۔ ۱۲۹۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ شایع کردہ کیگن پال اینڈ کو ۱۸۹۴ء)۔ بہت سی کتابیں (مثلاً بلفور کی سائکلو پیڈیا) بالکل غلط طور پر پٹالہ کو حیدر آباد کا موجودہ شہر بتاتی ہیں۔ ۱۲ع

معائنہ کرکے ان کی تفتیش کرے۔ وہ پہلے مغربی یا دہنے جانب کی شاخ پر روانہ ہوا۔ جو دیبل کے قریب یا اس کے ذرا نیچے غالباً ایک تنگ راستے سے گذرتی تھی۔ دیبل سندھ کا قدیم بندرگاہ تھا۔ اور ٹھٹھ سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس کے ملاح جو بحیرۂ روم کے بھیڑے ہوئے سمندر کے عادی تھے مدو جذر کو دیکھ کر بہت پریشان اور خوف زدہ ہوگئے۔ لیکن بالآخر سکندر اس بات میں کامیاب ہوا کہ اپنے چند تیز رفتار جہازوں کو لیکر کھلے سمندر میں اُتر آئے۔ وہ سمندر میں چند میل آگے بڑھا چلا گیا۔ وہاں اس نے پوسیڈن کے نام پر بیلوں کی قربانی چڑھائی۔ اس کے بعد شراب کے چڑھاوے کی رسم ادا کی۔ اور سونے کے برتن جو اس رسم کے ادا کرنے میں استعمال ہوئے تھے شکریہ کے طور پر سمندر میں ڈال دیئے گئے۔[۱]

[۱] کرٹش نے (باب ۹۔ فصل ۹) نہایت ہی مفصل اور جوشیلے حالات پٹالہ سے سمندر تک کے سفر کے لکھے ہیں۔ ٹھٹھ شمال عرض بلد ۲۴-۴۵ مشرق طول بلد ۶۷-۵۸ میں واقع ہے۔ سترھویں صدی میں (سر ٹامس ہربرٹ۔ تھیونو وغیرہ) دیبل یا دیول سندھ کا انتہائے جنوب کا شہر تھا۔ اور اس طرف کا بڑا بندرگاہ اور ٹھٹھ سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ شہر اب بالکل معدوم ہوچکا ہے۔ مگر یقیناً وہ پیر پٹھو کی درگاہ کے قریب یا ایک ذرا جنوب مغرب کوہ مکھلی کے دامن میں، دریائے سندھ کے معاون دریائے بھاگر کے پاس جو اس زمانے میں اچھا بڑا دریا تھا۔ آباد تھا۔ (ریورٹی۔ مہران آف سندھ صفحہ ۳۱-۳۷۱۔ حاشیہ ۳۱۵)۔ ہیگ اس کو ٹھٹھ کے جنوب مغرب میں (۲۰) میل کے فاصلے پر پرانے کھنڈروں کے مقام پر بیان کرتا ہے۔ (ہولڈچ۔ دی گیٹس آف انڈیا۔ صفحہ ۳۱۰)۔ یہ موقعہ درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ریورٹی (صفحہ ۳۲۱) نے یہ غلطی کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ہربرٹ دیول کے مقام پر اترا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ سورت کے قریب "سوالی روڈ" پر لنگر انداز ہوا تھا۔ (سفرنامہ مطبوعہ ۱۶۷۷ء۔ صفحہ ۴۲)۔ اس نے صفحہ ۸۰ پر دیول کا بندرگاہ کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ۱۲ ک

ہندوستان کو خیر باد کہنے کی تیاری۔

اس کے بعد وہ پٹالہ واپس آیا جہاں اس نے دیکھا کہ بحری چھاؤنی کے کام میں بہت ترقی ہو چکی ہے۔ اور وہ دریا کی مشرقی یا بائیں شاخ کی تفتیش کے لیئے روانہ ہوا اس کے دہانے کے قریب وہ ایک بڑی[1] جھیل میں سے گذرا۔ جو غالباً موجودہ زمانے کی جھیل سماراہ ہوگی جو امرکوٹ کے مغرب میں واقع ہے۔ اور پھر وہ ساحل سمندر پر تقریباً عرض بلد ۲۵° میں پہنچا۔ یہاں ساحل پر

[1] جھیل سماراہ کے حال کے لیئے دیکھو۔ ریورٹی (مضمون مذکورۂ بالا) صفحہ ۴۷۴ و ۶۵۴۔ انڈیا آفس کے نقشۂ ہندوستان پر اسے سمرَو لکھا ہے۔ سکندر کے زمانے میں رن کچھ یقیناً سمندر کی شاخ یا کھاڑی ہوگی۔ اور شمال کی طرف تقریباً ۲۵° تک پھیلی ہوگی۔ جہاں پر اس بڑے دریا کی یہ شاخ اس میں گرتی تھی۔ جھیل دریا کے دہانے سے بہت تھوڑے فاصلے پر تھی۔ (آرین انبس آف الکزنڈر۔ باب ۱۹، فصل ۲۰)۔ ساحل سمندر بہت کچھ آگے بڑھ گیا ہے۔ مغل ہین کا مقام جہاں ملکہ الیزبتھ کے وقت میں اکبر کا امیر آکر سمندر کا نظارہ دیکھنے کے لیئے کھڑا ہوا تھا۔ آجکل سمندر سے (۵۰) میل کے فاصلے پر ہے۔ اور زیادہ مغرب کی طرف دریائے پرالی کے قریب سونمیانی کے مقام پر ساحل سمندر سکندر کے وقت سے اس وقت تک کم از کم (۲۰) میل آگے بڑھ گیا ہے۔ لوہن کے جنوب میں جو شمال عرض بلد ۲۴° - ۳۰ میں واقع ہے زمین کا بہت سا حصہ اکبر کے زمانے سے اب تک پیدا ہوا ہے۔ ساحل سمندر آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں کے حملے کے وقت اوسطاً ۲۴° - ۳۰ تھا۔ اس وقت سے ہزار برس پہلے سکندر کے زمانے میں ساحل یقیناً بہت کچھ شمال کی طرف ہوگا۔ مگر اب یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص اس کا ایسا اندازہ لگا سکے جو صحت کے قریب ہو۔ ۲۵° کے متوازی خطوط کے متعلق فرض کیا جا سکتا ہے کہ سکندر نے وہیں سفر کیا تھا۔ دریائے گھرائی کے دہانے پر زمین اب ۲۳° - ۳۰ تک پھیلتی جاتی ہے۔ (دیکھو ریورٹی۔ صفحات ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۷ وغیرہ۔ ہیگ۔ صفحات ۱۲۶ - ۱۳۹۔ اور مسٹر آر۔ سیورائٹ کا قابل قدر مضمون "کچھ اینڈ دی رن"۔ جیاگریفیکل جرنل جلد ۲۹ (۱۹۰۷ء) صفحہ ۵۱۸)۔ ان کے علاوہ دیکھو سر بارٹل فریر کا مضمون۔ نوٹس آن دی رن آف کچھ رسالہ مذکورہ۔ سنہ ۱۸۷۰ء

تین دن تک پھرنے۔ اور کنوؤں کے متعلق انتظام کرنے کے بعد وہ پٹالہ کو واپس آیا۔ جھیل کے ساحل پر بندرگاہ اور گودیاں تعمیر کی گئیں۔ اوران میں فوج رکھی گئی۔ چار مہینے کے لئے فوج کے واسطے رسد مہیا کی گئی۔ اوراُن دو دلیرانہ مہموں کے لئے جن کا اس نے قصد کیا تھا تمام ضروری تیاریاں کی گئیں۔ مہمیں یہ تھیں کہ بیڑا خلیج فارس کے ساحل کے پاس پاس روانہ ہو اور وہ خود فوج کے ساتھ گدروسیہ کے علاقے میں سے ہوتا ہوا جہاں تک ممکن ہو بیڑے کے متوازی فوج کے ساتھ رہے ؛

سکندر کے منصوبے اس کے منصوبے نہایت ہی وسیع تھے۔ نیارکس یعنے اس امیرالبحر کو جس نے نہایت کامیابی سے بیڑے کی دریائے جہلم سے لیکر سمندر تک کے دس مہینے کے سفر میں رہنمائی کی تھی۔ اس کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام بیڑے کو ساحل سمندر کے گرد ہوتا ہوا خلیج فارس میں دریائے فرات کے دہانے تک لے آئے۔ اور راستے میں جتنے عجیب وغریب ممالک اور سمندروں میں سے وہ گذرے ان کے حالات نہایت احتیاط کے ساتھ لکھتا جائے۔ سکندر نے بذات خود فوج کی کمان لی تاکہ اسے وہ اس جنگلی علاقے میں سے ایران کو لے جائے جسے اس زمانے میں گدروسیہ اور آجکل مکران کہتے ہیں۔ اور جس میں سے اس سے قبل سوائے سیمیرمیس کی فوجوں کے جس کا محض فسانہ چلا آتا ہے اب تک کوئی اور نہ گذرا تھا۔ اوران دونوں سے وہ اس معاملے میں سبقت لیجانا چاہتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ کے سفر پر ہوا اور موسم کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے اکتوبر ۳۲۵ء قم میں روانہ ہو گیا۔ نیارکس موسمی ہواؤں کی تبدیلی کے بعد ہی روانہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے اُسے مجبوراً سکندر کے چلے جانے کے دو یا تین ہفتوں کے بعد لنگر اُٹھانا پڑا ؛

لہ نیارکس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ دریا میں سے ایتھنز کے مہینے بودرومئان کی بیسویں تاریخ کو روانہ ہوا تھا۔ (یعنے ستمبر اکتوبر ۳۲۵ء قم۔) یہ تاریخ بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ سکندر نے دو یا تین ہفتے قبل ہی اپنا سفر شروع کیا ہو۔ ارسٹو بیولوس

گدروسیہ

اگرچہ گدروسیہ کا علاقہ عام طور پر ہندوستانی فرمانروائی یا سیاست کے دائرے سے باہر ہے۔ مگر یہ تمام صوبہ یا اس کا کچھ حصہ وقتاً فوقتاً ہندی راجاؤں کی سلطنتوں کے ساتھ ملحق رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کی تاریخ بھی تاریخ ہند سے کسی طرح جدا۔ اور غیر متعلق نہیں سمجھی جا سکتی۔ مگر بلاشک وشبہ گدروسیہ کی سترا پی (صوبہ) ہندوستان کی اصل حدود سے باہر تھی۔ اور نیارکس کو اس کے ساحل پر اور اس کے بادشاہ کو اس کے صحرا میں جو واقعات پیش آئے ان کا مجمل ذکر سکندر کی ہندی مہم کی تاریخ کو مکمل کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

سکندر کا بندرگاہ

نیارکس کو دریا میں چند روز ٹھیرنا پڑا۔ اور آخر کار بہت دقت کے بعد وہ اپنا بیڑا بندرگاہ کی ایک رکاوٹ[1] کو جو مغربی شاخ کے دہانے کو بالکل روکے ہوئے تھی دور کر کے پار لیجانے میں کامیاب ہوا۔ باد مخالف کی وجہ سے اسے آگے چل کر (۲۴) دن تک ایک محفوظ بندرگاہ میں پناہ لینی پڑی جس کا نام اس نے سکندر کا بندرگاہ (الکزنڈرس ہیون) رکھ دیا۔ ساحل افزائش زمین اور اس کی بربادی کی وجہ سے اس قدر بدل گیا ہے کہ دریا کے دہانے کے قریب کے مقامات کے موقع کے تعین کی کوشش کرنا بالکل بے حاصل ہے۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بندرگاہ جہاں نیارکس نے پناہ لی تھی موجودہ شہر کراچی کے قریب واقع ہوگا۔ اس کے بعد امیر البحر نہایت احتیاط سے اس خطرناک ساحل کے پاس پاس

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (سٹریبو باب ۱۵ فصل ۱۷) کو اس بات کی سند میں پیش کیا جاتا ہے کہ دریاؤں کے سفر میں دس مہینے لگے تھے۔ بیڑا پٹالہ میں جولائی یا اگست میں پہنچا تھا۔ ان تمام کاموں میں جو پٹالہ میں کئے گئے یا اختتام پر پہنچائے گئے بہت کچھ وقت صرف ہوا ہوگا۔

[1] بعض مصنفوں نے اس لفظ کا ترجمہ بجائے "رکاوٹ" کے "چٹان" کیا ہے اور اس ترجمے کی بناء پر "موقع" کا تعین کرتے ہیں۔ مگر آرین آگے کہتا ہے کہ نیارکس نے اس "رکاوٹ" کے نرم حصے میں ایک نہر کھودی تھی۔ ۱۲

آگے بڑھا۔ اور اس عرصے میں اس کے بیڑوں کے لوگوں کو اکثر پانی اور خوراک کی کمی کی وجہ سے بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ (۱۰۰) میل یا اس کے قریب (۸۵۰ سٹیڈیا) سفر کرنے کے بعد بیڑا دریائے اربس (پُرالی) کے دہانے پر پہنچا۔ جو اربوی یعنے ہندی نسل کی آخری قوم جو اس اطراف میں آباد تھی۔ اور ارٹیٹی قوم کے درمیان جو دریا کے مغربی جانب ایک وسیع قطعے میں آباد تھے۔ حد فاصل تھا۔[۱]

قوم اورٹئی۔ اندازاً (۸۰۰) سٹیڈیا کا فاصلہ اور طے کرنے کے بعد بیڑا ایک مقام پر پہنچا جسے کوکلا کہتے تھے۔ یہاں جو لوگ تھکے ماندے تھے ان کو اجازت دی گئی کہ وہ خشکی پر اتریں اور آرام لیں۔ جس کی ان کو بہت ضرورت تھی۔ اس اثنا میں کہ ملاح ایک قلعہ بند چھاؤنی میں آرام لے رہے تھے۔ (انڈیکا۔۲۳)۔ نیارکس نے لیوناٹاسس کی خبر سنی جسے سکندر نے ایک فوج کے ساتھ اورٹئی قوم کو زیر کرنے کے لیے روانہ کیا تھا (انبس آف الکزنڈر۔ باب ۶ فصل ۲۲)۔ یہ معلوم ہوا کہ ایک عظیم جنگ میں ہولناک قتل و خونریزی کے بعد لیوناٹاس نے دیسی لوگوں کو شکست دی۔ اور ٹئی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں ان کے (۶۰۰۰) آدمی اور تمام سردار کام آئے۔ ان کی فوج کی کل تعداد (۸۰۰۰) پیادے اور تین سو سوار تھی۔ مقدونیوں کا نقصان اگرچہ بہت نہیں ہوا تھا۔ مگر اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس میں لیوناٹاس کا ساتھی اپالوفینز جو کچھ عرصے پہلے ہی اس علاقے کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا شامل تھا۔ اس طرح اب چونکہ

---

[۱] دریائے اربس یا اربٹاس کا راستہ بہت کچھ بدل گیا ہے۔ ۱۲؎

[۲] کرٹیس۔ باب ۹۔ فصل ۹؎

[۳] آرین۔ انڈیکا۔۲۳۔ مگر یہی مصنف اپنی کتاب انبس (باب ۶۔ فصل ۲۷) میں بیان کرتا ہے کہ سکندر نے گدروسیہ کے پائے تخت پورا (موجودہ بام پور) میں پہنچکر اپولوفینز کو معزول کر دیا تھا کیونکہ اس نے اس کی ہدایتوں پر بالکل عمل نہیں کیا تھا۔ آرین اس کے بعد بیان کرتا ہے کہ

نیارکس اور لیوناٹاس کے درمیان سلسلۂ آمدورفت قائم ہوگیا تھا۔ اس لیئے بیڑے کے جہازوں کی مرمت کی گئی۔ اور نئی رسد مہیا کی گئی۔ وہ ملاح جو سمندر کے کام میں بیکار ثابت ہوئے تھے فوج میں داخل کردیئے گئے۔ اور ان کی جگہ لیوناٹاس کی فوج میں سے آدمی منتخب کیئے گئے؛

وحشی لوگ سفر میں آگے بڑھکر بیڑا ساحل کے پاس پاس گذرتا ہوا دریائے ٹومیرس[1] کے دہانے کے پاس سے گذرا۔ یہاں ایک وحشی قوم آباد تھی جو لوہے کے استعمال سے بالکل بے خبر تھی۔ اور صرف لکڑی کی برچھیوں سے مسلح تھی جس کے سرے تیز کرنے کے لیئے جلائے جاتے تھے۔ ان وحشیوں کے تمام بدن پر جھبرے بال تھے۔ ان کے ناخن پنجے کی قسم کے تھے اور اتنے مضبوط تھے کہ ان سے وہ کچا گوشت چیر پھاڑ سکتے تھے اور نرم قسم کی لکڑیوں کو چیر لیتے تھے۔ ان کا لباس وحشی جانوروں یا بڑی بڑی مچھلیوں کی کھالوں کا بنا ہوا تھا۔ ان وحشیوں سے ایک چھوٹی سی لڑائی کے بعد بیڑا وہاں پر پانچ دن تک مرمت کے لیئے ٹھیرا رہا۔ اور چھٹے دن وہ اس کوہی راس پر پہنچا جسے **ملنا** (یا راس مالن) کہتے ہیں۔ جو قوم اورٹئی کی مغربی سرحد تھی۔ یہ لوگ خود وحشی نہ تھے۔ بلکہ ہندوستان کے باشندوں کی طرح[2] مسلح اور ملبوس تھے۔ اگرچہ زبان اور رسم و رواج کے لحاظ سے ان سے مختلف تھے؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: تھوس جو اس کا جانشین ہوا جلد مر گیا۔ سبرٹئاس اس کے بعد مقرر ہوا۔ کرٹئس لکھتا ہے (باب ۹۔ فصل ۱۰) کہ سبرٹئاس سے پہلے میمنن صوبہ دار تھا۔" جو کسی بیماری سے مر گیا۔" یہ بذات خود ان متضاد باتوں کو کسی طرح حل نہیں کر سکتا؛

[1] آجکل اس کو ہنگول کہتے ہیں؛

[2] ڈیوڈرس اس امر میں متفق ہے کہ اورٹئی بہت سی باتوں میں ہندوستانیوں کے مشابہ تھے۔ مگر وہ یہ اضافہ کرتا ہے کہ وہ لوگ اپنے مُردوں کو ننگا کر کے جنگلوں میں چھوڑ آتے تھے کہ وحشی جانور ان کو کھا جائیں؛

اقوام گدروسئو اور اختھئوفے گئو

راس مالن سے گذرنے کے بعد اندرونی ممالک کے باشندوں کا نام گدروسئو تھا۔ نہ کہ اورٹی[1] ساحل سمندر کے رہنے والوں کے اوضاع واطوار اور رسوم سے اب بھی یہ اجنبی مسافر متحیر ہوتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ان کم نصیبوں کے پاس مچھلی کے سوا اور کچھ کھانے کو نہ تھا" اور اسی لئے یونانیوں نے ان کا نام "اختھئوفے گئو" یعنے "ماہی خور" رکھ دیا۔ ویلز جو بکثرت ساحل سمندر پر پائے جاتے تھے اگرچہ بیڑے کے ملاحوں کے لئے باعث خوف وتردد تھے ساحل کے باشندوں کے لئے بہت کارآمد تھے۔ کیونکہ انہیں کی ہڈیوں سے ان کے اچھے اچھے مکان بنتے تھے۔ اور ان کے زبردست جبڑے جیسے آجکل دروازوں کا کام دیتے ہیں اس وقت بھی دیتے تھے[2]۔

جزیرۂ مسحور

نیارکس کے بیڑے کے ملاح جو ہر زمانے اور ہر ملک کے ملاحوں کی طرح سخت اوہام پرست تھے۔ ایک غیر آباد جزیرے کی جسے آرین نوسلا (انڈیکا ۳۱) کہتا ہے بہت سی جادو سحر کی باتیں سن کر

---

[1] آرین گدروسئو کی اصطلاح کو سٹریبو کی نسبت زیادہ محدود معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ موخرالذکر آریانہ کو بیان کرتے ہوئے۔ (باب ۱۵۔ فصل ۲ صفحہ ۸۲۹) اس کی حدود کو مشرق میں دریائے سندھ تک وسعت دیتا ہے۔ مگر اس میں کسی قسم کا تناقض نہیں۔ گدروسیہ کے صوبے میں بلاشک وشبہ اورٹی اور اربوئی کا ملک اور اہل صوبۂ گدروسیہ شامل تھا۔ اورٹی کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ اب ان کے قایم مقام لاس بیلا کی لمری قبائل ہیں۔ جو راجپوت ہونے کے مدعی ہیں گدور جو لمری قوم میں ہی شامل ہیں ممکن ہے کہ گدروسئو کے قایم مقام ہوں۔

[2] ساحل کے ان باشندوں کی عادات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ مرد وزن۔ بچے۔ کتے۔ اونٹ اور مویشی سب مچھلیاں کھاتے ہیں۔ (جیاگرافیکل جرنل ۱۸۹۶ء صفحہ ۳۸۸) فلاسٹریٹس کو بالکل صحیح بتلایا گیا تھا کہ "ان باشندوں کی بھیڑیں عجیب ہیں ان کے گڈریئے انہیں مچھلیاں کھلاتے ہیں جیسا کہ کیریا میں کتوں کو" اپولونیئس باب ۳۔ فصل ۵۵۔

بہت خوف زدہ ہو گئے تھے - یہ جزیرہ آجکل اسٹولا - اَسْتَلو - ہَشْتَلو - یا ہفتلا کہلاتا ہے - اور یہی جزیرہ ہے جسے فلاسٹرٹیاس نے سلیرا لکھا ہے - یہ راس ہائے اُرمیرا - اور پسنی کے درمیان میں واقع ہے - اور اس وقت بھی وہ ماہی گیروں کے لیئے ایسا ہی تردد انگیز ہے جیسا کہ اس وقت یونانی ملاحوں کے لیئے باعث فکر و خوف تھا۔[1]

بیڑے کا اُرمز کے مقام پر پہنچنا۔

اس طرح تمام حقیقی یا خیالی خطرات میں سے گذرتا ہوا - یہ بیڑا بدیس کی بندرگاہ پر پہنچا جو راس جیسک کے قریب آبنائے اُرمز کے دہانے پر واقع تھا - اور اب وہ کرمانیہ کے زیادہ شایستہ علاقے میں داخل ہوا - آبنائے کے اندر جا کر شاداں و فرحاں ملاح ہرموزیہ (ہرمز) (اُرمز) کے مقام پر پہنچے - یہ نہایت ہی خوشگوار جگہ تھی - اور سوائے زیتون کے سب ضروری چیزیں وہاں پیدا ہوتی تھیں - یہاں یہ لوگ خشکی میں اترے - اور جب سب آرام و استراحت میں مشغول تھے چند لوگ اندرون ملک کی طرف روانہ ہوئے - اور ایک شخص کو یونانی لباس پہنے اور یونانی زبان بولتے دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے - اس دور و دراز اور اجنبی ملک میں اپنی زبان سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے - دونوں طرف سے سوال و جواب کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ سکندر کی فوج کا ایک گم کردہ راہ شخص تھا - اور اس نے

---

[1] ہولڈچ کی "دی انڈین بورڈر لینڈ" (شایع کردہ میتھون سنہ ۱۹۰۱ء) صفحہ ۲۰۷ - دی گیزیٹیر آف انڈیا صفحہ ۱۶۰ - اس مصنف کے خیال کے مطابق مکران کے ساحل میں بہت تبدیلی واقع نہیں ہوی - اور نیارکس کے بہت سے بندرگاہوں کا تعین ہو سکتا ہے - مگر بعض جزائر کٹ کٹ کر برباد ہو گئے ہیں - اس صوبے کے نام کو ریورٹی مکران لکھتا ہے - گدروسیہ کے درمیان کوچ کے لیئے ہولڈچ کا لکچر "اے ریٹریٹ فرام انڈیا" موجود ہے (جرنل یونائیٹڈ سروس انسٹیٹیوٹ - انڈیا سنہ ۱۸۹۴ء - صفحہ ۱۱۲ - مع نقشہ) - یہی مصنف اپنے مضمون "نوٹس آن اینشنٹ اینڈ میڈیول مکران" (جیوگرافیکل جرنل سنہ ۱۸۹۶ء) میں سکندر کے راستے کا ایک نقشہ دیتا ہے۔

ان کو یہ خوش خبری سنائی کہ بادشاہ بھی وہاں سے صرف پانچ منزل کے فاصلے پر مقیم تھا؛

سکندر اور نیارکس کی ملاقات۔

نیارکس اور آرکیئس نے فوراً اپنے بادشاہ سے ملاقات کے لئے اندرون ملک میں جانے کا انتظام کیا اور بہت کچھ تکالیف و مصائب برداشت کرنے کے بعد وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر ان کی حالت ایسی ردی اور زردہ تھی کہ شروع شروع میں سکندر ان کو شناخت نہ کر سکا۔ اور انجام کار جب اسے اپنے دونوں افسروں کی شخصیت کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ تو اس نے فوراً یہ فرض کر لیا کہ یہی دو شخص اس کے تمام بیڑے سے بچے ہوئے ہیں۔ اور بیڑا تباہ ہو گیا۔ اور اس خیالی مصیبت کا خیال کر کے وہ بہت غمگین ہو گیا۔ مگر جلد ہی نیارکس نے اسے اطمینان دلا دیا اور کہا کہ جہاز صحیح و سالم دریائے انمل کے دہانے پر مرمت کے لئے ٹھیرے ہوئے ہیں؛

دریائے دجلہ کی طرف بحری سفر۔

امیر البحر نے اپنے آپ کو اس خدمت پر پیش کیا کہ وہ بیڑے کو خلیج سوسہ تک لیجائے گا۔ اس کے بعد وہ ساحل کی طرف واپس ہوا۔ مگر وہاں پہنچنے کے لئے اس کو لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ اس کے بعد وہ سفر کے لئے روانہ ہو گیا اور بغیر کسی بڑے واقعے کے دریائے فرات کے دہانے پر پہنچ گیا۔ اب اس نے سنا کہ سکندر سوسہ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اس لئے وہ واپس پھرا اور اس سے ملنے کے لئے دریائے دجلہ میں داخل ہوا۔" اس طرح وہ مہم جو دریائے سندھ کے دہانے سے روانہ کی گئی تھی پھر صحیح و سالم سکندر سے آملی" (آرین۔ انڈیکا ۴۲)؛

سکندر کی فوج کے مصائب۔

وہ مصائب جو سکندر کی زیر کمان فوج کو برداشت کرنے پڑے ان سے کہیں زیادہ تھے جن کا نیارکس کے بیڑے نے مقابلہ کیا۔ اور ان پر غالب آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سکندر سلسلۂ کوہ ہالہ کے وجود سے بالکل ناواقف تھا۔ جو راس مالن کے قریب آکر ختم ہو جاتا ہے۔ اس بڑی رکاوٹ نے جس کے گرد گھوم کر اس کو گذرنا پڑا۔

اس کے تمام منصوبوں اور تدبیروں پر پانی پھیر دیا۔ وہ مجبور ہوگیا کہ بہت دور اندرون ملک میں چلا جائے۔ اور اس طرح ایک عرصے کے لیئے اس کا تعلق بیڑے سے بالکل جاتا رہا۔ فوج نے پیاس سے سخت تکلیف اٹھائی۔ اور بدقسمت سپاہی ہزاروں کی تعداد میں مر گئے۔ ایرین لکھتا ہے کہ "دھوپ جھلسائے دیتی تھی اور پانی کی کمی نے فوج کے ایک بڑے حصے کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور خاص کر بار برداری کے جانوروں نے بہت نقصان اٹھایا۔ اور ریت کی گہرائی کی وجہ سے مر گئے۔ گرمی آگ کی طرح سب کو جھلسے دیتی تھی۔ اور آدمیوں کی ایک کثیر تعداد پیاس کے مارے تڑپ کے مر گئی"۔ آخرکار باقی ماندہ فوج بمشکل تمام ساحل کی طرف واپس روانہ ہوی۔ اور پسنی کی بندرگاہ کے پاس تقریبًا اس جگہ جہاں آجکل تار برقی کا تار جاتا ہے۔ ساحل پر نمودار ہوی۔ اب اس کے مصائب و شدائد کا خاتمہ ہوگیا۔ مگر سپاہیوں نے مجبور ہو کر "اس تمام مال غنیمت کو جو انھوں نے اپنے دشمنوں سے حاصل کیا تھا۔ اور جس کے حاصل کرنے کے لیئے وہ مشرق اقصیٰ کی حد تک ہو آئے تھے۔ جلا کر خاکستر کر دیا"۔ سپہ سالار کی عالیشان کامیابی کا خاتمہ بربادی پر ہوا۔

پنجاب میں بغاوت

فوج ابھی کرمانیہ ہی میں مقیم تھی کہ یہ خبر ملی کہ فلپوس جو دریائے اسینز اور دریائے سندھ کے مقام اتصال کے شمالی صوبوں کا سترپ (صوبہ دار) تھا۔ اپنی غدار تنخواہ دار فوج کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ اگرچہ اس منحوس خبر کے ساتھ یہ تفصیل بھی تھی کہ صوبہ دار کی مقدونی محافظ فوج نے قاتلوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔ مگر سکندر کی اس وقت حالت ایسی نہ تھی کہ کوئی مستقل انتظام کر سکتا۔ اور مجبورًا اس کو اسی پر قانع ہونا پڑا کہ وہ ایک پیغام ہندوستان بھیجدے کہ ٹکسلا کا راجہ امبھی اور تھریس کی حصۂ فوج کا افسر یودیمس جو بالائے دریائے سندھ میں مقیم تھا (کرٹیس۔ باب ۱۰۔ فصل ۱-۱۱) صوبے کا کام اس وقت تک اپنے ہاتھ میں لے لیں جب تک کہ کوئی مستقل صوبہ دار مقرر نہ کیا جائے۔ مگر آئندہ سال بابل (جون ۳۲۳ ق م[1]) میں سکندر کی موت

[1] جرمن علماء کی تاریخ و ماہ کو صحت کے ساتھ تعین کرنے کی کوششیں ناکافی اسناد پر مبنی ہیں۔

اس امر میں قطعی طور پر موثر ثابت ہوئی کہ دریائے سندھ کے مشرقی مقبوضہ علاقے پر کسی قسم کی نگرانی قائم نہ رہ سکی ۔

ہندوستان کو مقدونیوں نے بالکل چھوڑ دیا۔

سنہ ۳۲۱ ق م میں جب ٹری پراڈیسوس کے مقام پر سکندر کی تمام سلطنت کی دوبارہ تقسیم ہوئی تو انٹی پیٹر نے پورس اور امبھی کو دریائے سندھ کی وادی اور پنجاب کا بادشاہ مقرر کر کے بہ ہیئت مجموعی ہندوستان کی خودمختاری تسلیم کر لی۔ پیتھون جس کو سکندر نے دریائے سندھ کے ڈیلٹا کا سترپ (صوبہ دار) مقرر کیا تھا اب ان صوبوں میں منتقل کر دیا گیا[1] جو پروپنی سیڈئی کے ساتھ ملحق تھے " یعنے دریائے سندھ کے مغرب میں ارکوسیہ وغیرہ کے علاقے اور اس طرح مقدونی حکومت نے ہندوستان کو درحقیقت اگر بظاہر نہ سہی بالکل ترک کر دیا۔ تمام مقدونی افسروں میں صرف یوڈیمس نے ہی تقریباً سنہ ۳۱۷ ق م تک دریائے سندھ کی وادی میں اپنا کچھ اقتدار قائم رکھا ۔

سکندر کی مہم کی مدت ۔

بہ ہیئت مجموعی سکندر کی ہندی مہم کی مدت تین سال ہے ۔ یعنے مئی سنہ ۳۲۷ ق م سے جب اس نے کوہ ہندوکش کو قطع کیا مئی سنہ ۳۲۴ ق م تک جب وہ سوسہ کے مقام میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ (دیکھو ہوگرتھ "فلپ اینڈ الکزنڈر آف میسڈون ضمیمہ) ۱۲

[1] ڈیوڈرس (باب ۱۸ فصل ۳۹) لکھتا ہے "انٹی پیٹر نے پھر صوبوں کو نئے سرے سے تقسیم کیا۔ اور ہندوستان کے علاقے جو پروپنی سیڈئی سے ملحق تھے اگنور کے بیٹے پیتھون کو دے دیا ۔ ساتھ علاقوں میں سے اس نے اس علاقے کو جو دریائے سندھ کے ساتھ تھا پورس کو۔ اور ہائی ڈسپیز کے ساتھ کے علاقوں کو ٹکسلا کے راجہ کو۔ کیونکہ ان بادشاہوں کو ان علاقوں سے بغیر شاہی فوج اور کسی بڑے سپہ سالار کی مدد کے بے دخل کرنا ناممکن تھا" اس عبارت میں پورس اور امبھی کے نام بدل گئے ہیں دریائے سندھ کی وادی بظاہر ٹکسلا کے راجہ کے قبضہ میں جانی چاہئے تھی۔ کیونکہ پورس کی سلطنت دریائے ہائی ڈس پیز کے مشرق میں واقع تھی۔ ۱۲

داخل ہوا۔ اس مدت میں سے تقریباً انیس مہینے دریائے سندھ کے مشرق میں ہندوستان کے علاقے میں پورے ہوئے۔ یعنے فروری یا مارچ ۳۲۶ ق م سے جب اس نے اوہند کے مقام پر پل کو عبور کیا۔ ستمبر یا اکتوبر ۳۲۵ ق م تک جب وہ قوم اربوئی کے علاقے میں داخل ہوا ؛

سکندر کی طبعی ذہانت۔

اگر ان تمام واقعات کو ایک سپاہی کی نظر سے دیکھا جائے تو اس کے وہ کارنامے جو اس نے اس محدود مدت میں پورے کیئے یقیناً عجیب وغریب اور بے نظیر ہیں اس کی صف آرائی۔ فوجی پیش بندی۔ اور فوجی عملدرآمد کو پڑھکر ناظرین کے دل میں لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ان کاموں کو تکمیل کے درجے تک پہنچا دیا تھا۔ ممکن ہے کہ ایک سپاہی پیشہ سکندر کے سپاہیوں کی طرح اس کے ذاتی تہور کی وجہ سے اس کو مورد الزام بنائے۔ کیونکہ وہی ایک فرد تھا جس کی زندگی پر تمام فوج کی سلامتی منحصر تھی۔ مگر اس قسم کی تنقید تعریف و توصیف میں آکر گم ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ بادشاہ کے اس قسم کے تہورانہ افعال کا ان فوجیوں کی بہادری اور دلیری پر کتنا کچھ اثر پڑتا ہوگا جو عموماً جلد فتح اور کامیابی سے مایوس ہو جاتے ہیں ؛

تین بڑے کارنامے

دریاؤں کے راستے سے سمندر میں ایسی شائستہ اور مسلح اقوام کے علاقوں سے گذر کر داخل ہونا جو مسلم طور پر ایشیا کی سب سے بہادر ترین قومیں تھیں۔ اور نیارکس کا دریائے سندھ سے دجلہ کا بحری سفر ایسے کارنامے ہیں جو بلا کم وکاست کامیاب کارنامے کہے جا سکتے ہیں۔ تیسرا کارنامہ یعنے سکندر کی زیر کمان فوج گدروسیہ کے علاقے میں سے گذرنا بھی ایسا ہی کامیاب ثابت ہوتا اگر اس میں بعض قدرتی موانع حائل نہ ہو جاتے جن کو خبروں کے ناتمام ہونے کی وجہ سے بادشاہ پہلے سے نہ معلوم کر سکا۔ مگر بہر حال اس کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بالکل ناکامیابی ہوی۔ باوجود ان تکلیفوں کے جو اس کو برداشت کرنا پڑیں۔ اور ان ناقابل تلافی نقصانات کے جو اسے اٹھانے پڑے یہ فوج پھر بھی

جب اس ریگستان سے نکلی تو پیشتر سی ترتیب یافتہ اور منتظم فوج تھی۔ اور اسکے علاوہ اسکے سپہ سالار کا مقصد پورا ہو گیا تھا ؛

حقیقی کامیابی

مجموعاً سکندر کی ہندی مہم بالکل کامیاب رہی۔ اور اس کامیابی میں دریائے ہائی فےسس پر فوج کے غدر نے کوئی رخنہ نہیں ڈالا۔ اگر اس کے سپاہی اور اندرون ملک میں چلے جانے پر راضی ہوتے تو غالباً وہ یورپ کے ساتھ اپنے فوجی مرکز کا سلسلۂ آمد و رفت قائم رکھنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ جس پر کہ اس کی سلامتی کا انحصار تھا۔ اور اس کا تن تنہا لشکر دشمنوں کی محض تعداد کے نرغے میں آکر مغلوب ہو جاتا۔ کیونوس اور اس کے ہمراہیوں کی مخالفت کی قدر کرنی چاہئے کہ انھوں نے مقدونی فوج کو کامل بربادی اور تباہی سے بچا لیا ؛

ایشیائی ممالک کی کمزوری۔

سکندر کے کوہستان ہمالیہ سے لیکر سمندر تک فاتحانہ کوچ نے عظیم الشان ایشیائی فوجوں کی اصلی کمزوری کو بمقابلۂ یورپین اقوام کی ماہر فن اور تربیت یافتہ افواج کے بخوبی روشن کر دیا جیسے ہاتھیوں کا خوف و خطر زائل ہو گیا۔ اور یہ ثابت ہوا کہ مقدونی سواروں کے مقابلے میں ان پر اعتماد کرنا بالکل ہیچ ہے۔ سندھ سے لیکر کریٹراس کا ایران کی طرف بلا مزاحمت سفر سے ایک دوسری خشکی کا راستہ کھل گیا۔ اور خشکی کی راہ سے یورپ اور ایشیا کے درمیان راستے کا مسئلہ حل ہو گیا نیارکس کے ساحل سمندر کے پاس پاس سفر کرنے سے سکندر کے لیئے ایک تیسرا بحری راستہ قائم ہو گیا۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اسے سندھ اور پنجاب پر اپنا تسلط قائم رکھنے میں کوئی دقت پیش آتی ؛

سکندر کی موت کا اثر۔

اس کے تمام کاموں سے بلا خوف تردید یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان صوبوں کو مستقل طور پر اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ ذرائع جو اس نے اس کام کو پورا کرنے کے لیئے اختیار کئے بظاہر کامیابی کے لیئے کافی و وافی تھے۔

لیکن سکندر کی قبل از وقت موت نے اس کی تمام کامیابیوں اور ذریعوں پر پانی پھیر دیا۔ اس کی مراجعت کے بعد تین ہی سال کے اندر اس کے افسروں کو نکال باہر کیا گیا۔ اس کی فوجیں تباہ و برباد ہوگئیں۔ اور اس کی حکومت کے تمام نشان و آثار مٹ گئے۔ وہ نئی بستیاں جو اس نے ہندوستان میں قایم کیں۔ اور ایشیائی صوبوں کی بستیوں کے برخلاف یہاں بالکل نہ پھلیں پھولیں یہ مہم اگرچہ اسے نہایت احتیاط سے مستقل فتوحات کے لئے آمادہ کیا تھا۔ آخر میں اپنے حقیقی نتائج کے لحاظ سے وسیع پیمانے پر ایک نہایت کامیاب یورش سے زیادہ ثابت نہ ہوی۔ اور اس نے ہندوستان پر سوائے کشت و خون کے اور کوئی اثر نہ چھوڑا۔

ہندوستان میں تبدیلی واقع نہیں ہوی۔

اس مہم سے ہندوستان میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ جنگ نے جو زخم ڈالے تھے جلد اچھے ہوگئے۔ اور ویران اور اجاڑ کھیت بارکش بیلوں اور محنتی کاشتکاروں کی تندہی سے جو چند سال سے بے جتے پڑے تھے پھر ہرے بھرے ہوگئے۔ اور بے شمار مقتولوں کی جگہ روز افزوں آبادی نے بھر دی جس میں انسان کے ظلم اور فطرت کے بے رحمانہ عمل کے سوا اور کوئی رکاوٹ کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ ہندوستان پر یونانی تہذیب نے کوئی اثر نہیں کیا۔ اور وہ پہلے کی طرح اب بھی اپنی "شاندار علیحدگی" کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اس نے مقدونی طوفان کو بہت جلد فراموش کر دیا۔[1] کوئی ہندی مصنف خواہ وہ ہندو ہو یا بدھ۔ یا جین سکندر یا سکندر کے کارناموں کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا۔

[1] نیس کا بعید از عقل خیال کہ سکندر کے حملے کے بعد ہندوستانی ترقیوں کا راز اسکے قائم کئے ہوئے دستوروں میں مضمر ہے میرے نزدیک کسی طرح درست نہیں۔ اور نہ کوئی واقعہ اُس کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک میتھیو ارنلڈ کے یہ الفاظ ہندوستان پر پورے صادق آتے ہیں:۔ "مشرق نے طوفان کے آگے نفرت و حقارت سے سر تسلیم خم کر دیا۔ فوجیں تمام تباہیوں کو ہمرکاب لیئے ہوے اس کے سر پر سے گذر گئیں۔ اور وہ پھر اپنے خیال میں محو ہوگیا"۔

سکندر اعظم کی ہندی مہم کا جدول تاریخ

از مئی ۳۲۷ ق م تا مئی ۳۲۴ ق م

تاریخ ق م	واقعات
	ہندوستان میں داخلہ
اوائل مئی ۳۲۷	کوہ ہندوکش کو دریائے غاوک اور کوشان میں سے ہوکر قطع کرنا ۔
جون	نیکیا (غالباً جلال آباد) کے مقام سے سکندر چیدہ فوج کو ہمراہ لے کر کوہستانی علاقے کو مطیع کرنے کے لیئے روانہ ہوتا ہے ۔ ہیفے اسٹئان باقی ماندہ فوج کے ساتھ غالباً دریائے کابل کی وادی سے ہوتا ہوا دریائے سندھ کی طرف بڑھتا ہے ۔
اگست	ہیفے اسٹئان نے استیز (ہستی) کا قلعہ تیس دن کے محاصرے کے بعد فتح کیا ۔
ستمبر	سکندر نے اپنی فوج کی تقسیم کی ۔ اور بذات خود قوم اسپیسئن کے مقابلے کو روانہ ہوا ۔ دریائے گوروُس (پنجکوڑہ) کو عبور کیا اسکینسئن قوم کے شہر مسگا کو فتح کیا ۔ اور (۷۰۰) ہندی سپاہیوں کا قتل عام کیا ۔
نومبر	ارناس کا محاصرہ ۔
دسمبر ۳۲۶	ارناس کی فتح ۔
جنوری	سکندر کی اوہند کے پل پر آمد ۔
جنوری سے فروری تک	تیس دن تک فوج کا قیام ۔

تاریخ قبل مسیح	واقعات
فروری سے مارچ تک	"موسم بہار کے شروع میں" دریائے سندھ کو عبور کرنا ٹیکسلا میں قیام ؛
اپریل	مشرق کی طرف بڑھنا ؛
مئی	دریائے ہائی ڈس پیز (جہلم) پر آمد ؛
اوائل جولائی	جنگ ہائی ڈس پیز۔ پورس کی شکست ؛
جولائی	نکیا اور بوکفل کی بنا۔ دامن کوہ کے قریب دریائے اکسینز (چناب) کو عبور کرنا ؛
اگست	دریائے ہائی ڈروٹس (راوی) کا عبور کرنا۔ اور کیتھئی قوم کے ساتھ جنگ ؛
ستمبر	دریائے ہائی فے سس پر آمد۔ اور فوج کا آگے بڑھنے سے انکار ؛
	مراجعت
ستمبر۔ اکتوبر۔	دریائے ہائی ڈس پیز (جہلم) کی طرف واپس ہونا ؛
ختم اکتوبر ۳۲۶ء	دریائی سفر کا آغاز۔ اور بیڑے کی محافظ فوج کے کوچ کا شروع ؛
جنوری	ملوئی قوم کی طاقت کا خاتمہ ؛
ستمبر تک	بحری سفر کا جاری رہنا۔ سگدی۔ سمباس۔ موسی کناس وغیرہ کے ساتھ جنگ ؛
اوائل اکتوبر	سکندر کی گدروسیہ کو کوچ کرنے کی غرض سے روانگی ؛
آخر اکتوبر ۳۲۵ء	نیارکس کا خلیج فارس میں سفر کے لئے روانہ ہونا ؛
اوائل جنوری	سکندر کی پورا (بامپور) گدروسیہ کے دارالسلطنت پر آمد۔ جو اوراس سے ساٹھ دن سفر کے فاصلے پر واقع تھا ؛
جنوری	فوج کا پورا مقام پر قیام ؛
فروری	کرمانیہ میں گذرنا۔ تقریباً (۳۰۰) میل کا فاصلہ ؛

تاریخ قبل مسیح	واقعات
اپریل کا ختم یا مئی کا شروع ۳۲۳ء جون	ایران میں سوسہ کے مقام پر کرمانیہ کے مغربی سرحد پر سے تقریباً (۵۰۰) میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آمد۔ بابل کے مقام پر سکندر کی موت۔

نوٹ:- خاص ہندوستان میں اس کے دریائے سندھ کو مارچ ۳۲۶ء ق م میں عبور کرنے کے بعد سے لے کر اواخر ستمبر یا اوائل اکتوبر ۳۲۵ء ق م میں گدروسیہ کے کوچ کے لئے روانگی تک سکندر نے تقریباً (۱۹) مہینے بسر کئے۔ اس مدت میں دس مہینے دریائی سفر میں گذرے۔ اور ہندوستان سے سوسہ کی طرف کوچ میں سات مہینے گذرے۔ باختر کی سرحد یعنے ہندوکش سے لے کر دریائے سندھ تک اور ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر کوہستانی اقوام کے مطیع کرنے میں دس مہینے گذرے۔

اوّل۔ مئی ۳۲۷ء ق م سے فروری ۳۲۶ء ق م تک (جس میں فروری شامل ہے):- ہندوکش سے دریائے سندھ تک کوچ۔ تقریباً دس ماہ۔

دوم۔ مارچ ۳۲۶ء سے ستمبر ۳۲۵ء تک (جس میں ستمبر شامل ہے):- خاص ہندوستان میں تقریباً انیس ماہ۔

سوم۔ اکتوبر ۳۲۵ء سے اپریل ۳۲۴ء تک (جس میں اپریل شامل ہے):- سوسہ کی طرف کوچ۔ تقریباً۔ سات ماہ۔

کل مدت ۳۶ تین سال کے قریب (؟)

باب پنجم

چندرا گپتا موریا اور بندسار

از ۳۲۱ ق م تا ۲۷۲ ق م

یوڈیمس۔ جب سکندر پنجاب سے گیا تو اُس نے اس صوبے میں کوئی مقدونی فوج نہیں چھوڑی۔ بلکہ اپنے تمام کام کو راجہ پورس کے سپرد کر دیا۔ جو یقیناً عملی طور پر خود مختار رہی ہو گا ٹیکسلا کا راجہ ابھی بھی پورس کے شریک کے طور پر مقرر کیا گیا۔ فلپوس کے قتل کے بعد سکندر نے کرمانیہ سے یوڈیمس کے نام جو دریائے سندھ پر تھرلیس کی فوج کا افسر اعلیٰ تھا احکامات جاری کئے تھے کہ جب تک کوئی خاص صوبہ دار مقرر نہ ہو اس وقت تک وہ وہاں ریذیڈنٹ کا کام انجام دے اور دیسی راجاؤں پر نگرانی قایم رکھے۔ مگر اس افسر کے پاس ایسی کوئی فوج نہ تھی جس سے وہ اپنے اختیارات کو برقرار رکھ سکتا۔ اور اسی وجہ سے یہ اقتدارات بالکل برائے نام ہوں گے۔ بہر حال اس نے اتنا ضرور کیا کہ غالباً دریائے سندھ کی وادی میں کسی نہ کسی طرح ۳۱۷ ق م تک ہندوستان میں ٹھیرا رہے اس کے بعد وہ انٹی گونس کے مقابلے کو یومینیز کی مدد کے واسطے اپنے ساتھ ایک سو بیس ہاتھی۔ اور سوار اور پیادوں کی ایک چھوٹی سی جمعیت لے کر روانہ ہو گیا۔ ہاتھی اس نے بے ایمانی سے ایک ہندی راجہ کو قتل کر کے حاصل کئے تھے۔ یہ راجہ غالباً پورس ہو گا جس کا سکندر نے اس کو شریک مقرر کیا تھا۔

پیتھون وغیرہ

سندھ کا صوبہ۔ یعنے جنوبی دریائے سندھ اور دریاؤں کے مقام اتصال کے نیچے کا علاقہ جس کو سکندر نے پیتھون اگینور کے بیٹے کے سپرد کیا تھا۔ اس سے بھی کم مدت تک یونان کے زیر اثر رہا۔ ۳۲۱ء ق م میں سکندر کی سلطنت کی دوسری مرتبہ تقسیم کے وقت انٹی پیٹر کے لئے صاف طور پر ناممکن تھا کہ وہ ہندوستانی راجاؤں پر کسی قسم کی نگرانی قائم رکھ سکے۔ اور اس سے قبل ہی پیتھون مجبور ہو گیا تھا کہ وہ دریائے سندھ کے مغرب میں ہٹ آئے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس دریا کی مشرقی جانب کے ہندی صوبوں کو اس تقسیم کے وقت بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور پیتھون نے غنیمت سمجھکر صرف کابل کے علاقے کو قبول کر لیا۔ غالباً یہ ملک بدستور بہ اتی روشنک کے باپ آکسیر ٹیز کے زیر انتظام رہا۔ جس کو سکندر نے وہاں کا صوبہ دار مقرر کیا تھا۔ سبیر ٹاس کو اراکوسیہ اور گدروسیہ کی سلطنت پر مستقل کر دیا۔ سٹیسنڈر اس کو ایریہ اور ڈرنگیانہ کے ممالک دیئے گئے۔ اور اس کے ہم وطن سٹیسنار کو باختر اور صغد انیہ کا گورنر مقرر کیا گیا[1]۔ ان تمام انتظامات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ۳۲۱ء ق م میں سکندر کی موت سے دو سال کے اندر ہی اندر دریائے سندھ کے مشرق میں یونانی طاقت کا بالکل خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور اس سے صرف وہی علاقہ جہاں کہیں وہ واقع ہو مستثنیٰ تھا۔ جس پر کسی نہ کسی طرح یوڈیمس نے چار سال تک اپنا قبضہ قائم رکھا ہے۔

ہندوستانیوں کی بغاوت۔

نو مفتوحہ ہندی صوبوں میں مقدونی طاقت کا غیر محفوظ ہونا تو فلیوس کے قتل سے ثابت ہو چکا تھا۔ اس واقعے کی خبر جبکہ سکندر کرمانیہ ہی میں تھا کہ اسے پہنچ گئی تھی۔ اور اس زمانے میں یہ ہر طرح ممکن تھا کہ وہ پھر کسی وقت ہندوستان میں واپس آجائے۔ جون ۳۲۳ء ق م میں اس کی موت نے تمام خوف و خطر کو زائل کر دیا۔ اور

[1] میک کرنڈل نے اپنی کتاب "ان ویژن آف انڈیا بائی الگزینڈر دی گریٹ" دوسری ایڈیشن صفحہ ۴۱۱ میں ان دونوں افسروں کے ناموں کو خلط کر دیا ہے ۱۲۰

ہندی راجاؤں نے بلا شک و شبہ جس قدر جلد ممکن تھا۔ اپنی گئی ہوئی خود مختاری کو پھر حاصل کر لیا۔ اور غیر ملکی کمزور فوج کو تباہ و برباد کر دیا۔ سکندر کے مرنے کی خبر غالباً ہندوستان میں اگست ہی کے مہینے میں معلوم ہو گئی ہو گی۔ مگر معمولی افسروں نے موسم سرما کے شروع ہونے یعنے اکتوبر سے پہلے کسی قسم کی فوجی کارروائی نہ کی ہو گی۔ کیونکہ سکندر کی طرح ہندی راجہ موسم اور آب و ہوا سے بالکل بے پروا نہ تھے۔ بلکہ فوجی نقل و حرکت میں اپنے سلف کے پیرو تھے۔ ہم کو یقین کر لینا چاہئے کہ جونہی فاتح سکندر کی موت کا یقین ہو گیا اور ایسا اور موسم آیا جس میں فوجی نقل و حرکت آسانی سے ہو سکے تو تمام ہندیوں نے ایکا کر کے بغاوت کی۔ اور ہندوستان میں مقدونی طاقت کا خاتمہ اوائل ۳۲۲ ق م ہی میں ہو گیا۔ سوائے اس علاقے کے جو یوڈیمس کے پاس اور تھوڑی مدت تک رہا۔

چندراگپتا کی اوائل زندگی کے حالات

غیر ملکی قوم کے مقابلے میں اس بغاوت کا سرغنہ ایک شخص چندراگپتا نامی تھا۔ یہ اس زمانے میں بالکل نوجوان تھا۔ اور غالباً اس کی عمر اس وقت پچیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ اگرچہ وہ باپ کی طرف سے شمالی ہند کی سب سے بڑی سلطنت مگدھ کے شاہی خاندان کا ایک فرد تھا مگر اس کی ماں یا بقول بعض اس کی نانی ایک نیچ ذات کی عورت تھی۔ ہندوؤں کے قانون کے بموجب اس کا تعلق بجائے باپ کی ذات کے ماں کی ذات سے تھا۔ اور اسی وجہ اسے نیچ ذات ہونے کی تمام ذلتیں برداشت کرنا پڑیں۔ موریا کا خاندانی نام جو چندراگپتا کے قائم کردہ شاہی خاندان کے افراد نے اختیار کیا تھا کہا جاتا ہے کہ اس کی ماں یا نانی کے نام مورا سے مشتق تھا۔ کسی نہ کسی وجہ سے اس نوجوان چندراگپتا سے اس کا رشتہ دار فرمانروا راجہ مہاپدما نند ناراض ہو گیا تھا۔ اور اسے جلاوطنی اختیار کرنی پڑی تھی[1]۔ اس جلاوطنی کے اثنا میں اس کی قسمت نے یاوری کی اور

[1] "وہ نہایت ہی ادنیٰ درجے کے لوگوں میں پیدا ہوا۔ جب نند رُش (یعنے نند کی ہتک

سکندر سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ رائے دی تھی کہ اگر مقدونوی بادشاہ آگے بڑھتا تو وہ بڑی آسانی سے دریائے گنگ کے آس پاس کی سلطنت کو فتح کر لیتا۔ چونکہ اس وقت کا حکمراں بادشاہ اپنی رعایا میں نہایت ہی بدنام تھا۔[1] شاید ماننِد کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک نائی کا بیٹا تھا جس نے متوفی راجہ کی ملکہ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا تھا۔ ان دونوں مجرموں نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اور نائی نے اس کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کا بیٹا جواب برسر حکومت تھا۔ بخیل اور حد درجہ بدچلن تھا۔ اور اسی وجہ سے بہت کم لوگ اس کے یار و مددگار تھے۔

مگدھ کے تخت کو غصب کرنا ۳۲۲ ق م

اپنی جلا وطنی کے زمانے میں چندر اگپتا نے شمال مغربی سرحد کی جنگجو لٹیری اقوام سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کی۔ اور سکندر کی موت کے بعد مقدونی فوجوں پر حملہ کر کے پنجاب کو فتح کیا۔ غالباً غیر ملکی افواج کو ملک بدر کرنے سے پہلے اس نے اپنے بدنام رشتہ دار یعنی مگدھ کے نند راجہ کو مغلوب کر لیا تھا۔ اور اسے تخت سے اتار کر قتل کر ڈالا تھا۔ ناٹک لکھنے والا جس نے یہ تمام واقعہ لکھا ہے۔ بلاشک درست بیان کرتا ہے۔ کہ نند خاندان کی نسل بالکل برباد ہو گئی اور اس کا کامل استیصال ہو گیا۔ اس انقلاب کے اثنا میں نوجوان اور ناتجربہ کار چندر اگپتا کا مشیر کار ایک لایق اور ہوشیار برہمن چانکیا یا کوتلیا نامی تھا جس کی مدد سے وہ تخت و تاج کا مالک اور متصرف ہو گیا۔ لیکن عام رعایا کو بادشاہوں کے ردوبدل سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ کیونکہ چندر اگپتا نے[1] اپنی فتح و نصرت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ کرنے کی وجہ سے بادشاہ نے اسکے قتل کا حکم دیا تو اس نے وہاں سے بھاگ کے اپنی جان بچائی" (جسٹن باب ۱۵ فصل ۴۔ میک کرنڈل صفحہ ۳۲۷ و ۴۰۵)۔ مدراکشس کے ناٹک نے چندر اگپتا کے نیچ ذات اور نند راجہ کے رشتہ دار ہونے پر بہت زور دیا ہے۔ ان معاملات میں مجھے کامل یقین ہے کہ یہ ناٹک واقعات صحیحہ پر مبنی ہے۔ ۱۲ ؤ

[1] پلوٹارک۔ الکزنڈر۔ باب ۶۲ ؤ

کے بعد ظلم و تعدی کی وجہ سے آزاد کنندہ کے نام کو برقرار نہ رکھا۔ بلکہ ان ہی لوگوں کے ساتھ جنھیں اس نے دوسروں کی غلامی سے آزادی دلائی تھی خود ایسا سلوک کیا جو غلاموں سے کیا جاتا ہے۔" اپنے نند پیشرو سے اُسے ایک زبردست فوج ورثے میں ملی تھی۔ اس میں اس نے اور اضافہ کیا یہاں تک کہ اس کی تعداد (۳۰،۰۰۰) سوار (۹۰۰) ہاتھی (۶۰۰۰۰۰) پیادے اور ایک بڑی تعداد رتھوں تک پہنچ گئی۔ اس ناقابل مقاومت فوج کو لے کر اس نے تمام شمالی سلطنتوں کو غالباً دریائے نربدا یا اس سے بھی آگے دور تک زیر فرمان اور مطیع کرلیا۔ اس طرح چندراگپتا کی سلطنت جو شمالی ہند کا از روئے تاریخ سب سے پہلا قیصر یا شاہنشاہ ہوا خلیج بنگالہ سے لے کر بحیرۂ عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔[1]

سائلوکس نیکاٹر کا حملہ۔

عین اس وقت جبکہ چندراگپتا اپنی سلطنت کو مضبوط اور مستحکم کرنے میں مشغول تھا۔ اس کا ایک حریف مغربی اور وسطی ایشیا میں اپنی طاقت کی بنیاد قائم کر رہا تھا۔ اور سکندر کی ہندی فتوحات کو دوبارہ حاصل کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ سکندر کے مختلف جنرلوں کی آپس کی خانہ جنگی کے اثنا میں دو جنرل ایشیا میں طاقت قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے کے مدمقابل تھے۔ یعنے انٹی گناس اور سائلوکس جو آخر میں نیکاٹار یعنے فاتح کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اول اول انٹی گناس کی قسمت نے یاوری کی اور اس نے اپنے حریف کو ملک بدر کردیا۔ لیکن سنہ ۳۱۲ قم میں سائلوکس نے بابل پر دوبارہ قبضہ کیا۔ اور چھ سال کے بعد اس نے یہ محسوس کیا کہ وہ بادشاہت کا لقب اور خطاب اختیار کرنے میں بالکل حق پر ہے۔

سنہ ۳۱۲ ق م

وہ عام طور پر بادشاہ شام کے نام سے مشہور ہے۔ مگر در اصل وہ مغربی اور وسطی ایشیا کا بادشاہ تھا۔ اس کی سلطنت کے مشرقی صوبے ہندوستان کی سرحد تک پہنچتے تھے۔ اور قدرتی طور پر اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ اس ملک میں بھی ان مقدونی مفتوحہ علاقوں کو نئے سر سے حاصل کرلے جن سے کہ اس کے ہم وطن گویا دست بردار

[1] دیکھو مسٹر بیون کی کتاب "دی ہاؤس آف سائلوکس" ۱۲۰۔

ہو گئے تھے۔ اگرچہ حقیقتاً ان کا دعویٰ ابھی تک ان ملکوں پر قائم تھا۔ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سائلوکس نے ۳۰۵ ق م میں دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اور سکندر کے فاتحانہ راستے پر قدم بقدم چلنے کی کوشش کی۔ اس مہم کی تفصیل معلوم نہیں۔ اور صحت کے ساتھ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ حملہ آور فوج اگر دریائے گنگ کی وادی میں اتری بھی تو کہاں بڑھتی چلی گئی۔ مگر بہر حال جنگ کا نتیجہ یقینی ہے۔

سائلوکس اور چندر اگپتا کے صلح نامے۔

جنگ میں چندر اگپتا کی فوج کے سامنے حملہ آور فوج نہ ٹھہر سکی۔ اور سائلوکس کو مجبور ہو کے پیچھے ہٹنا پڑا اور نہایت بے عزتی سے صلح کی۔ صرف یہی نہیں کہ اس کو ہندوستان کے فتح کرنے کے خیال سے قطعاً دست بردار ہونا پڑا بلکہ وہ ایسا مجبور ہوا کہ اس نے چندر اگپتا کو دریائے سندھ کے مغرب میں آریانے کا ایک بہت بڑا حصہ تفویض کر دیا۔ نسبتاً ہیچ اور ناچیز تحفہ یعنی پانچ ہاتھیوں کے بدلے میں اس نے چندر اگپتا کو پیروپنی سیڈئی۔ آریہ۔ اور اراکوسیہ کے علاقے جن کے مستقر حکومت آجکل کابل۔ ہرات۔ اور قندھار کے نام سے مشہور ہیں دے دیئے۔ گدروسیہ سترایی (صوبہ) یا کم از کم اس کا مشرقی حصہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس مقبوضہ علاقے میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ دونوں بادشاہوں نے شادی کے ذریعے سے اس اتحاد کو مضبوط کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائلوکس نے اپنی ایک بیٹی اپنے ہندی حریف سے بیاہ دی تھی۔

۳۰۳ ق م

یہ عہد نامہ غالباً ۳۰۳ ق م میں ہوا۔ جونہی اس عہد نامے پر دستخط ہو گئے۔ سائلوکس اپنے دور و دراز مسافت پر اینٹی گناس کے مقابلے کے لئے مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ اور ۳۰۱ ق م میں اسے الپساس کے مقام پر فرانگیہ کے علاقے میں شکست دی اور[۲] سے قتل کیا۔[۱] الپساس دریائے سندھ سے کم از کم (۱۵۰۰) میل کے فاصلے پر ہے

---

[۱] نیبس کا یہ خیال کہ چندر اگپتا نے سائلوکس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا۔ سوا اس حکایت کے بالکل بے بنیاد ہے کہ چندر اگپتا ہمیشہ ان قربان گاہوں کی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا جنہیں سکندر نے

اس لئے اس کوچ میں ایک سال یا اس سے بھی کچھ زیادہ وقت صرف ہوا ہوگا ؛

شمالی مغربی سرحد

اس طرح ہندوکش کا سلسلۂ کوہ جسے یونانیوں نے کوہ پیروپنی ساس یا ہندی کوہ قاف لکھا ہے جنوب میں چندراگپتا کے صوبۂ ہرات و کابل اور شمال میں سائلوکس کے صوبۂ باختر کی سرحد قرار پایا۔ آج سے دو ہزار برس پہلے ہندوستان کے اول شاہنشاہ کو وہ "سائنٹیفک سرحد" حاصل ہوگئی تھی جس کے لیئے اس کے جانشین انگریز صرف سرد آہیں بھر کے رہ جاتے ہیں۔ اور جسے سولھویں اور سترھویں صدی میں مغل بادشاہ بھی پوری طرح قابو میں نہ رکھ سکے ؛

چندراگپتا کے کارنامے۔

اٹھارہ برس کے عرصے میں چندراگپتا نے مقدونی افواج کو پنجاب اور سندھ سے باہر نکالا۔ سائلوکس فاتح کو شکست دے کر ذلیل کیا۔ اور اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے کم از کم تمام شمالی ہند اور آریانہ کے ایک بڑے حصے کا شاہنشاہ بنا لیا۔ یہ ایسے کارنامے ہیں جو اس کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ دنیا کے عظیم الشان اور سب سے کامیاب بادشاہوں کی صف میں جگہ پائے۔ وہ سلطنت جو چندراگپتا کی سلطنت کی طرح وسیع ہو اور جس میں مختلف عناصر جمع ہوگئے ہوں کمزور شخص کے ہاتھ میں نہیں رہ سکتی۔ وہ زبردست ہاتھ جس نے اس سلطنت کو حاصل کیا اس پر حکومت کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔ اور تمام نظم و نسق کا کام

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گذشتہ:۔ ہائی نے سس کے مقام پر قائم کیا تھا۔ مگر یہ واقعات (کہ سائلوکس ہندوستان سے واپس چلا گیا۔ اور چندراگپتا کے (۹۰۰) ہاتھیوں میں سے صرف (۵۰۰) ہاتھیوں کے بدلے میں عظیم اور قابل قدر صوبے اس کو تفویض کر دیئے۔ اس کو اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اور اس کے دربار میں ایلچی روانہ کیا) ایسے ہیں جن سے ان دونوں کے تعلقات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ میگاسس تھنیز ہندی بادشاہ کا بہت ادب کرتا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کبھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ایک باجگذار بادشاہ کے دربار میں ایلچی ہے۔ آریانہ کے مفوضہ علاقے کی وسعت کے متعلق دیکھو ضمیمہ ح ؛

نہایت درشتی اور سختی کے ساتھ کیا جاتا تھا[۱]۔ سائلوکس کے واپس جانے کے تقریباً چھ سال بعد چندر اگپتا یا تو تخت سے دست بردار ہو گیا۔

۲۹۸ قبل مسیح اور یا مر گیا (۲۹۸ قبل مسیح)۔ اور تخت و سلطنت کو اپنے بیٹے بندُسار کے حوالے کیا۔ جو "امرت گھاٹ" یعنے "دشمنوں کے قاتل" کے نام سے مشہور ہے ؂

مگاس تھینز ۳۰۲ قبل مسیح یا اس کے قریب کے عہد نامے کے بعد سائلوکس نے ایک افسر مگاس تھینز کو جو پہلے سپر ٹیاس ارا کوسیہ کے صوبہ دار کی خدمت میں رہا تھا اپنا ایلچی بنا کر چندر اگپتا کے دربار میں بھیجا تھا۔ یہ ایلچی ایک مدت تک پاٹلی پتر (یعنے پٹنہ) میں جو سلطنت ہند کا دار السلطنت تھا رہا۔ اور اپنا فرصت کا وقت اس نے ہندوستان کے جغرافیہ - پیداوار - اور نظم و نسق کے متعلق ایک بیش بہا تالیف میں گذارا۔ یہی تالیف زمانۂ حال تک سب سے زیادہ اس مضمون کی مستند کتاب خیال کی جاتی تھی۔ اگرچہ بسا اوقات سنی سنائی باتوں کو لکھ لینے سے اس کو مغالطہ ہوا ہے لیکن باوجود اس کے مگاس تھینز ان معاملات کے متعلق جو خود اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے ایک نہایت سچی اور معتبر سند ہے۔ اور چندر اگپتا کے فوجی اور ملکی انتظامات کے متعلق اس کا صاف اور روشن بیان بلا تامل صحیح اور درست مانا جا سکتا ہے[۲]۔

---

[۱] جسٹن باب ۱۵ فصل ۴۔ اور وہ تفصیلات جو مگاس تھینز نے دی ہیں جسٹن کی کتاب کی عبارت چندر اگپتا کے متعلق بہت اہم بیانات پر مشتمل ہے۔ یونانی اور رومی مصنفین کی اس کے بارے میں شہادتیں میک کرنڈل نے اپنی کتابوں میں اور ولسن نے مدرا راکشس کے ترجمے کے دیباچے میں جمع کر دی ہیں یہ ناٹک جو غالباً پانچویں صدی میں لکھا گیا۔ بلاشک و شبہ حقیقی روایات پر مبنی ہے۔ اور میں نے ذرا احتیاط کے ساتھ اس سے استفادہ کیا ہے ؂

[۲] مگاس تھینز کے یہ تمام اجزا شوان بیک نے جمع کیے ہیں۔ اور بعد تصحیح ان کو مگاس تھینز انڈیکا کے نام سے شائع کیا ہے (جون ۱۸۴۶ء)۔ اور ان کا ترجمہ میک کرنڈل نے

اگرچہ اس بیان کے چند اجزا ہی اب محفوظ رہ گئے ہیں لیکن پھر بھی وہ ایسا مفصل ہے کہ ایک موجودہ زمانے کا پڑھنے والا بعض امور میں چندر اگپتا کے زمانے کے معاملات سے زیادہ تر واقف ہو سکتا ہے بہ نسبت اور ہندی بادشاہوں کے حتی کہ اکبر کا زمانہ جو ملکہ الیزبیتھ کا معاصر ہے ۔

دار السلطنت پاٹلی پتر۔

شاہنشاہی دار السلطنت پاٹلی پتر جس کی بنیاد پانچویں صدی قبل مسیح میں ڈالی گئی تھی دریائے سون اور گنگا کے سنگم پر پہلے دریا کے شمالی کنارے پر اور دوسرے سے چند میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اسی موقع پر اب پٹنہ کا ہندوستانی شہر۔ اور بانکی پور کی یوروپین آبادی واقع ہے۔ گو متعدد صدیاں ہوئیں کہ دریاؤں نے اپنا راستہ بدل دیا ہے۔ اور زمانۂ حال میں سنگم دیناپور کی چھاؤنی کے قریب پٹنے سے تقریباً (۱۲) میل اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ یہ قدیم شہر جو اپنے موجودہ جانشین شہر کے نیچے مدفون ہے۔ اسی کی طرح ایک لمبے اور تنگ مستطیل کی شکل میں آباد تھا۔ اور (۹) میل لمبا اور صرف ڈیڑھ میل چوڑا تھا۔ اس کے گرد لکڑی کے شہتیروں سے بنی ہوئی ایک فصیل تھی۔ جس اس
(۶۴) دروازے تھے۔ اور اس کے اوپر (۵۷۰) برج تھے۔ باہر کی طرف سے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ: - "ان شنٹ انڈیا ایز ڈس کرائبڈ بائی مگاس تھنیز اینڈ ایرین" (لنڈن - ٹیونر ۱۸۷۷ء) میں کر دیا ہے۔ ایرین (انڈکا - ۱۷) نے بالکل صحیح طور پر بنارکس اور مگاس تھنیز کو معتبر ہونے کی حیثیت سے ہم پلہ مانا ہے۔ سٹرابو نے جو مگاس تھنیز سے منقول اکثر نامعقول روایتوں کی وجہ سے اس سے ناراض ہو گیا۔ ناواجب طور سے اس کو کذب کا عیب لگایا ہے۔ وہ تمام باتیں جو مگاس تھنیز نے جمع کی تھیں ان میں اور مصنفوں کی کتابوں سے اضافہ ہوا ہے۔ جن کی کتابوں کے اجزا ان مصنفوں نے محفوظ رکھے ہیں جن کا ہم کو مگاس تھنیز کی معلومات کا ممنون ہونا چاہیئے۔ ان مصنفوں کی فہرست کے لئے دیکھو شوان بک کی کتاب مذکورۂ بالا ضمیمہ - ا - میک کرنڈل کی کتابیں جو تعداد میں چھپی ہیں۔ اس نے یونانی اور رومی مصنفوں کے تمام بیانات ہند قدیم کے باب میں جمع کر دیئے ہیں۔

وہ ایک وسیع اور عمیق خندق کے ذریعے سے محفوظ کیا گیا تھا۔ جو سون کے پانی سے بھرا جاتا تھا[1]ؕ

شاہی محل شاہی محل اگرچہ زیادہ تر چوبی تھا۔ مگر اپنی شکوہ و شوکت اور تزک و احتشام کے لحاظ سے سوس اور ہمدان کے محلات سے زیادہ شاندار سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کے ستونوں اور رواق پر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا۔ اور ان پر سونے کی بیلیں اور چاندی کے پرند منقوش تھے۔ تمام عمارتیں ایک وسیع میدان میں تھیں جس میں کہ مچھلیوں کے تالاب اور انواع و اقسام کے نمائشی درخت اور بیلیں پائی جاتی تھیں ؕ

شاہی دربار یہاں شاہی دربار وحشیانہ اور عیش و عشرت کی شان سے نمودار تھا۔ سونے کے آفتابے اور پیالے جن میں سے بعض چھ چھ فٹ چوڑے ہوتے تھے۔ نہایت ہی عمدہ مرصع میزیں اور شاہانی کرسیاں۔ تانبے کے برتن جو جواہرات سے مرصع ہوتے تھے اور زر بفت کے زرق برق لباس ہر طرف نظر آتے تھے۔ اور ان کی وجہ سے

لہ لیفٹننٹ کرنل ویڈل کا رسالہ "ڈسکوری آف دی اگزکٹ سائٹ آف اسوکاز کلاسک کیپٹل آف پاٹلی پترا۔ (کلکتہ ۱۸۹۲ء۔ دوسری ایڈیشن ۱۹۰۳ء)۔ لکڑی کے شہتیروں کی فصیل کے چند اجزاء بھی پائے گئے ہیں۔ ہمدان کے ایک شاہی محل کے آثار کمرہار گاؤں کے مکانات اور کھیتوں کے نیچے مدفون ہیں جو پٹنہ اور بانکی پور کی درمیان کی ریل کے جنوبی جانب واقع ہے۔ ایک اور محل جس کا ذکر ہیون سانگ نے کیا ہے شہر میں ہی غالباً صدر گلی اور کلو خاں کے باغ کے نواح میں واقع تھا۔ جہاں اشوک کا ایک مینار بھی زلزلے مکان میں آگیا ہے (پی۔ سی۔ مکرجی۔ غیر مطبوعہ رپورٹ) کمرہار کے کھنڈر بنجاہر نی لی کے آثار معلوم ہوتے ہیں جسے بقول فاہیان اشوک نے بنایا تھا۔ جنرل کننگھم نے غلطی کی کہ یہ سمجھا کہ پاٹلی پتر کو زیادہ تر دریاؤں نے برباد کر دیا تھا۔ پٹنہ شمالی عرض بلد ۲۵° - ۳۷ - مشرقی طول بلد ۸۵° - ۱۰ میں واقع ہے۔ چانکیا (ارتھ شاستر باب دوم فصل ۳۔ میسور ریویو فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۵۔ اور علیحدہ رسالہ صفحہ ۵۰) نے نہایت مفصل قواعد دارالسلطنت کو قلعہ بند کرنے کے لئے لکھے ہیں ؕ

عام درباروں کے موقعے پر چہل پہل اور شان و شوکت زیادہ ہوجاتی تھی۔ جب کبھی بادشاہ مہربانی کرکے شاہی جشنوں کے موقع پر اپنی رعایا کے سامنے ظاہر ہوتا تو وہ ایک سونے کی پالکی میں سوار ہوتا۔ جس میں موتیوں کی جھالر لگی ہوتی تھی۔ اور جو بادشاہ کا ملبوس خاص نہایت باریک ململ ہوتی جس پر قرمزا اور سونے کا کام ہوتا تھا۔ جب کبھی چھوٹے سے سفر پر کہیں جاتا تو وہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ لیکن اگر مسافت ذرا طولانی ہوتی تو وہ آج کل کے راجاؤں کی طرح ہاتھی پر سوار ہوتا۔ جس کا ساز و سامان سونے کا ہوتا تھا۔[1] جانوروں کی لڑائیاں آجکل کے ہندی راجاؤں کے درباروں کی طرح اس وقت بھی تفریح طبع کے لئے مناسب سمجھی جاتی تھیں۔ اور بادشاہ ہمیشہ سانڈوں۔ مینڈھوں۔ ہاتھیوں۔ گینڈوں اور دوسرے جانوروں کی لڑائیوں کے دیکھنے سے خوش و خرم رہتا تھا۔ دو آدمیوں کے درمیان جنگ بھی اکثر اس کے تفریح طبع کا باعث ہوا کرتی تھی۔ ایک عجیب و غریب سامان تفریح بیلوں کی دوڑ تھی جس کا اب پتا نہیں ملتا۔ اس میں بہت بڑی بڑی شرطیں لگائی جاتی تھیں۔ اور بادشاہ نہایت دلچسپی سے اس کا تماشا دیکھتا۔ دوڑ کے میدان کا طول (۳۰) سٹیڈیا یا (۶۰۰۰) گز ہوتا تھا۔ اور بیلوں کو گاڑیوں میں جوت کر دوڑاتے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک میں گھوڑے اور بیل جتے ہوتے تھے۔ اس طرح کہ گھوڑے دو طرفہ اور ان کے بیچ میں بیل ہوتا تھا۔ بیل آجکل بھی ہندوستان کے حصے میں سواری کی گاڑیوں میں جوتے جاتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ دوڑنے والے بیلوں کی نسل بالکل معدوم ہوگئی ہے[2]۔

---

[1] کرٹئس۔ باب ۸ فصل ۹۔ سٹرابو باب ۱۵۔ فصل ۶۹۔

[2] ایلین۔ باب ۱۳۔ فصل ۱۸۔ باب ۱۵۔ فصل ۱۵۔ یہاں برما کے اس واقعے سے اس کا مقابلہ کرو۔ "ایک دن جب میں باہر نکلا تو میں نے ایک گاڑی دیکھی جس میں چار بیل جوتے ہوئے تھے اور وہ بگٹٹ جا رہے تھے۔ ان کو ایک دیہاتی لڑکی گاڑی میں کھڑی ہوی

شکار بادشاہ کا سب سے بڑا سامان تفریح شکار تھا۔ یہ نہایت تکلف اور نمود سے کیا جاتا تھا۔ ایک گھرے ہوئے میدان میں جانور ایک چبوترے تک لائے جاتے تھے جہاں بادشاہ بیٹھتا تھا۔ اور وہیں بیٹھے بیٹھے وہ ان کو مارتا تھا۔ لیکن اگر شکار کھلے میدان میں ہوتا تو بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوتا تھا۔ جب وہ شکار کے لیئے جاتا تو اس کے ہمرکاب عورتوں کی فوج کا ایک دستہ ہوا کرتا تھا جن کو دوسرے ملکوں سے خرید کے لاتے تھے۔ اور یہ تمام قدیم ہندی راجاؤں کے دربار کا ایک ضروری جزو ہوا کرتی تھیں۔ شاہی گذر کی سڑکوں کے دونوں جانب رسّی بندھی ہوتی تھی۔ اور اس کے پار جانے والے کی سزا موت تھی۔[ف] شاہی شکار کے دستور کو چندراگپتا کے پوتے راجہ اشوک نے ۲۵۹ سنہ ق م میں موقوف کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ہانک رہی تھی۔ جو بظاہر ایک لمبے چابک اور دونوں باگوں کو نہایت چالاکی اور ہشیاری سے سنبھالے ہوئے تھی۔" (سائمز کی کتاب "ابسی ٹوآوا۔ جلد اول صفحہ ۲۹۔ کانسٹبل)۔ اس طرح ایک لڑکی اس دوڑ میں شریک ہو سکتی تھی۔ زمانۂ حال کے برما میں قدیم ہند کی بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں۔ ۱۲

[ف] مگاس تھنیز کی فرگمینٹ نمبر ۲۷۔ میک کرنڈل نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "مرد و عورت کے لیئے اس رسّی کے پار گذرنے کی سزا موت ہوتی ہے۔" مگر یونانی محاورے کے مطابق یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ ملر نے اس کا ترجمہ اور ہی کیا ہے۔ اور تقریباً صحیح ہے۔ سنسکرت ناٹکوں میں بھی عورتوں کی فوج کا ذکر ہے۔ مدرا راکشس ایکٹ سوم میں چندراگپتا کو ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک لڑکی سونترا اس کے ساتھ ہے۔ لڑکیوں کو ان کے ماں باپ سے خرید لیا جاتا تھا (سٹریبو باب ۱۵ فصل ۵۵)۔ اور شاہی حرم کے لیئے خوبصورت جوان لڑکیاں پہلی صدی عیسوی میں بری گازا (بھڑوچ) کے مقام پر مغربی ساحل سے لائی جاتی تھیں۔ (پیری پلس باب ۴۹۔ اور دیکھو باب ۸-۹-۳۱-۳۶۔ ترجمہ شاف۔ لانگ مین ۱۹۱۲ سنہ)

چانکیا نے یہ مقرر کیا ہے کہ صبح کے وقت جب بادشاہ اٹھے تو سب سے پہلے کمانوں سے مسلّح عورتیں اس کے سامنے آئیں (ارتھ شاستر باب ۱ فصل ۲۱ ترجمہ مدمیسور ریویو فروری کی ۱۹۰۶ سنہ صفحہ ۸۵۔ دوسرا ترجمہ مطبوعہ صفحہ ۴۹)

بادشاہ کے عادات

عام طور پر بادشاہ محل میں زیادہ رہتا تھا۔ اور عورتوں کی فوج اس کو گھیرے رہتی تھی۔ محل سے باہر صرف مقدمات کی سماعت یا بھینٹ چڑھانے یا فوج کشی یا شکار کے موقعوں پر نکلا کرتا تھا۔ غالباً اس سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ کم از کم ہر روز ایک مرتبہ وہ ضرور اپنی رعایا کے سامنے آئے۔ جو عرائض وہ پیش کریں وہ سُنے اور بذات خود ان کے مقدمات کا تصفیہ کرے۔ موجودہ ہندوستانیوں کی طرح چندراگپتا کو بھی چپّی کرانے میں خاص لطف آتا تھا۔ اور دستور یہ تھا کہ جب وہ باہر رعایا میں ظاہر ہو تو ساتھ ساتھ چپّی بھی کراتا جائے۔ جب وہ لوگوں کے مقدمے سنتا تو چار نوکر آبنوس کے تکیوں سے اس کو چپّی کرتے جاتے۔[1] ایرانی دستور کے مطابق جس کا اثر ہندی درباروں اور نظم و نسق پر بہت پڑا تھا۔ بادشاہ اپنی سالگرہ میں نہایت تزک و احتشام سے اپنے سر کے بال دھوتا۔ سالگرہ کے موقع پر بڑی بھاری عید منائی جاتی تھی۔ اور اس وقت بڑے بڑے امراء سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ پیش بہا نذرانے[2] بادشاہ کی خدمت میں گذرانیں گے۔

[1] ایسا ہی ایک نوکر کا (سامواہک) "مٹی کا رٹ" یا "لٹل کلے کارٹ" کے ناٹک میں ذکر آتا ہے۔ جس کا رائڈر نے "ہارورڈ یونیورسٹی سیریز" میں ترجمہ کیا ہے جلد ۴۔ (سنہ ۱۹۰۶ء)۔

[2] سٹریبو۔ باب ۱۵۔ فصل ۶۹۔ ہیروڈوٹس باب ۹ فصل ۱۱۰۔ ہیروڈوٹس نے یہ واقعہ سٹیز کی بیوی کی وحشتناک کہانی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ ایران میں بادشاہ کے سر دھونے کی رسم اس کی سالگرہ کے موقع پر ادا کی جاتی تھی۔ اس لیے ہندوستان میں بھی اس رسم کو اسی موقع پر ادا کیا جاتا ہوگا۔ (دیکھو پرشین انفلوئنس آن موریا آرٹ۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۰۱)۔ منڈے ہوئے سر جن کا آجکل کے ہندوؤں میں رواج ہو گیا ہے اس زمانے میں اس کا دستور نہ تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ ہندو شاذ و نادر ہی اپنے بال کٹواتے تھے اور اکثر کنگھی کیا کرتے تھے۔ ڈاڑھی کے بال وہ کبھی نہیں کاٹتے تھے بلکہ باقی چہرے کے بال وہ منڈوایا کرتے تھے۔ (کرٹس باب ۸۔ فصل ۹)۔

سازشیں اس تمام تزک واحتشام اور شان وشوکت اور ہر قسم کی حفاظت کے باوجود بادشاہ کبھی بھی سازشوں اور بغاوتوں سے بے خوف نہ ہوتا تھا۔ بادشاہ کی زندگی سازشوں کی وجہ سے اس طرح متواتر خطرے میں رہتی تھی کہ وہ دن کے وقت سونے یا دو راتوں کو لگاتار ایک ہی کمرے میں سونے کو اپنے لئے خطرناک سمجھتا تھا[۱]۔ ناٹک نویس نے ہمارے سامنے نہایت بیّن طور پر وہ سین کھینچ دیا ہے کہ کس طرح زیرک اور تیز فہم برہمن مشیر سازشوں اور زہر خورانی کا سراغ لگایا کرتا تھا اور کس طرح ان بہادر لوگوں کا کھوج لگایا کرتا تھا جو:۔

زیرزمین ان راستوں میں چھپے رہتے تھے جو چندر اگپتا کے
سونے کے کمرے میں جاتے تھے۔ تاکہ رات کے وقت
اس میں داخل ہوں اور سوتے ہوئے اس کو قتل کردیں[۲]

فوجی طاقت فوج جس پر چندر اگپتا کی سلطنت اور تخت کا انحصار تھا تعداد میں بہت زیادہ تھی۔ اس کا نظام۔ تربیت اور اسلحہ ایسے تھے ایشیائی افواج کے لحاظ سے وہ نہایت تکمیل کے درجے کو پہنچ گئی تھی۔ یہ قومی اور رضاکار سپاہیوں کی فوج نہ تھی بلکہ ایک مستقل فوج تھی جس کو نہایت عمدہ اور باقاعدہ تنخواہ ملا کرتی تھی۔ اور سرکار کی طرف سے ہی اس کے لیے گھوڑے۔ اسلحہ۔ سامان حرب رسد اور آذوقہ مہیا کیا جاتا تھا[۳]۔ مہاپدم نند کی فوج کی تعداد (۸۰۰۰۰) سوار (۲۰۰۰۰۰) پیادے (۸۰۰۰) رتھیں۔ اور (۶۰۰۰) لڑنے والے ہاتھی کہی جاتی ہے۔ اس عظیم الشان فوج میں

---

[۱] سٹرابو باب ۱۵ فصل ۵۵۔ اسیطرح برما کا بادشاہ بیدن سین یا بودہ پر بھی ایک سازش سے بچنے کے بعد اپنے سونے کے کمرے اور بستر کو روز بدل لیا کرتا تھا۔ دسنگرمنو کی کتاب برمیز امپائر۔ جارڈائن کی ایڈیشن صفحہ ۶۵)۔ ۱۲۰ء
[۲] مدرا راکشس۔ ایکٹ دوم۔ (ولسن کا تصنیف باب ۲ صفحہ ۱۸۴ء
[۳] ڈیوڈرس باب ۲ فصل ۴۱ء

چندرا گپتا نے اور اضافہ کیا۔ پیادوں کی تعداد کو (۶۰۰۰۰) کردیا اور اس کے علاوہ (۳۰۰۰۰) سوار (۹۰۰۰) ہاتھی۔ اور رتھیں اس کے سوا تھیں۔ یہ تمام فوج باقاعدہ طور پر تنخواہ دار عملے میں شامل تھی[۵۱]۔ تمام شاہی فوج میں سے ہاتھی سب سے زیادہ قیمتی سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ جیسا کہ چانکیا لکھتا ہے "دشمنوں کی فوج کی تباہی کا انحصار ان ہی پر تھا"[۵۲]۔

اسلحہ ہر ایک سوار کے پاس دو نیزے ہوتے تھے۔ جو یونانیوں کے سونیا سے زیادہ مشابہ تھے۔ اور ان کے علاوہ ایک ڈھال ہوتی تھی۔ تمام پیادے سپاہیوں کا اصلی اور حقیقی ہتھیار ایک تلوار ہوتی تھی۔ مگر اس کے علاوہ وہ یا تو ایک بھالا اور یا تیر کمان بھی اپنے پاس رکھتے تھے۔ کمان کو زمین پر رکھ کر اور بائیں پاؤں سے اس پر دباؤ ڈال کر تیر چلایا جاتا تھا۔ مگر اس تیر کی زد ایسی سخت ہوتی تھی کہ نہ زرہ اور نہ ڈھال اس کو روک سکتے تھے[۵۳]۔

رتھیں اور ہاتھی ہر ایک رتھ میں جس میں چار یا دو گھوڑے جتے ہوتے تھے ہانکنے والے کے علاوہ دو سپاہیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اور ہاتھی پر مہاوت کے سوا تین تیر انداز سوار ہوتے تھے[۵۴]۔ اس طرح (۹۰۰۰) ہاتھیوں کا مطلب یہ ہے کہ (۳۶۰۰۰) آدمی فوج میں اور زیادہ تھے۔ اور کم از کم (۸۰۰۰) رتھوں کے لئے جو مہاپدم نند کے زمانے میں موجود تھیں،

---

[۵۱] پلنی باب ۶ صفحہ ۱۹۔ پلوٹارک۔ الکزنڈر باب ۶۲۔

[۵۲] ارتھ شاستر باب ۷۔ فصل ۱۱۔ (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۹ء صفحہ ۹۸)۔

[۵۳] ایرین۔ انڈیکا۔ فصل ۱۶۔

[۵۴] سٹریبو باب ۱۵ فصل ۵۲۔ ایلین باب ۱۳ فصل ۱۰۔ پنجاب میں راجہ پورس کی رتھوں میں "چار گھوڑے جتے ہوتے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک میں (۶) آدمی سوار ہوتے تھے۔ جن میں سے دو کے ہاتھوں میں ڈھالیں ہوتیں۔ دو تیر انداز ہوتے اور باقیماندہ دو رتھ ہانکنے والے۔ مگر وقت پڑنے پر جب گھمسان کا معرکہ شروع ہو جاتا تو وہ بھی باگوں کو چھوڑ کر دشمن پر بھالے پھینکنے شروع کر دیتے تھے"۔ (کرٹس باب ۸ فصل ۱۴)۔

(۲۴۰۰۰) آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہوگی۔ اس طرح اگر فوج کی تعداد کو جمع کیا جائے تو (۶۰۰۰۰) پیادے اور (۳۰۰۰۰) سوار (۳۶۰۰) آدمی ہاتھیوں پر اور (۲۴۰۰۰) رتھوں پر تھے۔ یعنے نوکر چاکر کو چھوڑ کر فوج کی کل تعداد (۶۹۰۰۰) تھی۔

ہندی فوجوں کی تعداد۔ یہ عظیم تعداد جو بادی النظر میں بالکل قصہ کہانی معلوم ہوتی ہے اس وقت بالکل قرین قیاس ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زمانۂ وسطیٰ میں ہندی راجاؤں کی فوج کی تعداد کس قدر زیادہ ہوا کرتی تھی۔ مثلاً پرتگیزی مورخ۔ نونیز جو بیجانگر کے راجہ کرشن دیو کا سولھویں صدی میں (۱۵۰۹ء سے ۱۵۳۰ء تک) ہمعصر تھا بیان کرتا ہے کہ اس راجہ کے رائچور پر حملہ کرنے کے وقت فوج کی تعداد (۷۰۳۰۰۰) پیادے۔ (۳۲۶۰۰) سوار اور (۵۵۱) ہاتھی۔ اور نوکر چاکران کے علاوہ تھے[۱]

جنگ کا محکمہ یہ فوجی انبوہ کثیر چندر اگپتا کے اشارے پر کام کرتا اور اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اور عظیم الشان تھا۔ اس کے نظام اور نگرانی کے لئے ایک فوجی محکمہ مقرر تھا جس کا انتظام نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر تھا۔ تیس اراکین کی ایک مجلس کو چھ پنچایتوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ہر ایک پنچایت کے سپرد بہ تفصیل ذیل ایک محکمہ تھا:۔ پہلی پنچایت:۔ امیر البحر کی ہمراہی میں۔ بحری جنگ کے معاملات۔ دوسری پنچایت:۔ باربرداری۔ سامان رسد۔ اور فوجی خدمات جس میں طبلچیوں۔ سائیسوں۔ گھسیاروں۔ اور دیگر کاریگروں کا مہیا کرنا بھی شامل تھا۔ تیسری پنچائت:۔ پیادہ فوج۔ چوتھی پنچایت:۔ سوار فوج۔ پانچویں پنچایت:۔ جنگی رتھیں۔ چھٹی پنچائت:۔ ہاتھی۔

---

[۱] سیول کی کتاب "اے فارگاٹن امپائر" صفحہ ۱۴۷۔ اس کے علاوہ ہندی فوجوں کی عظیم تعداد کی اور مثالیں بھی بیان کی جاتی ہیں۔

فوج کی کارگزارانہ ترکیب وترتیب

نہایت قدیم زمانے سے تمام ہندی فوجوں کو عام طور پر چار حصوں یعنے سوار۔ پیادے۔ ہاتھی اور رتھوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اور طبعی طور پر فوج کا ہر حصہ ایک جداگانہ افسر کے ماتحت ہوا کرتا تھا۔ مگر اس نظام میں رسد اور امیر البحر کے محکمے کا اضافہ چندراگپتا کی جدت طبع معلوم ہوتی ہے۔ اس کا یہ فوجی نظام جس طرح بظاہر مکمل تھا اسی طرح جنگ کے موقعے پر ضرور کامل ثابت ہوتا ہوگا۔ کیونکہ اسی کے بل بوتے نہ صرف اس نے بقول پلوٹارک "تمام ہندوستان کو مفتوح و مغلوب کیا" بلکہ مقدونی افواج کو نکال دیا اور سائلوکس کے حملے کو رد کیا۔

ملکی انتظام

چندراگپتا کی سلطنت کے اندرونی اور ملکی انتظامات کے متعلق جتنی تفصیلیں ہم کو پہنچی ہیں اگرچہ وہ اتنی وسیع تو نہیں جتنی کہ چاہیئے تھیں مگر بہر حال اس قدر ہیں کہ ہم ان کے ذریعے سے اس کے زمانے کے سلسلۂ حکومت کو کافی و وافی طور پر سمجھ سکیں۔ یہ نظام حکومت اگرچہ اس کا انحصار تمامتر بادشاہ کی خود مختاری پر ہی تھا۔ مگر ظلم وجور کی بے قاعدہ سلطنت سے پھر بھی بہتر تھا۔

مجلس بلدیہ

دارالسلطنت یعنے پاٹلی پتر کے نظم ونسق کے لیئے مجلس بلدیہ مقرر تھی جس میں تیس آدمی شامل تھے اور محکمۂ جنگ کی طرح اس کو بھی چھ پنچایتوں یا کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یہ پنچایتیں دراصل عام معمولی پنچایتوں کی ایک سرکاری صورت تھی۔ جن کے ذریعے سے نہایت قدیم زمانے سے ہندوستان کی مختلف ذاتیں اور پیشہ ور اپنے باہمی قضیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔

صنعت وحرفت

بلدیہ کی پہلی پنچایت کے ذمے صنعت وحرفت کے متعلق تمام معاملات کی نگرانی تھی۔ اور غالباً مزدوری کی شرح کا تعین بھی اسی کے ہاتھ میں تھا۔ اور شاید یہ ہر وقت اس امر کے لیئے تیار رہتی ہو کہ کاریگروں کو مجبور کرے کہ عمدہ اور خالص چیز استعمال کریں۔

اور حکومت نے جتنی مزدوری ان کے لئے مقرر کر دی ہو اتنا ہی کام تمام دن میں انجام دیں۔ صناع اور کاریگروں کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ خاص طور سے شاہی ملازم ہیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی صناع کے ہاتھ یا آنکھ کو گزند پہنچا کر اس کی کارگذاری کو کم کر دیتا تو اس کی سزا موت ہوا کرتی تھی۔

بیرونی ممالک کے لوگ۔ بلدیہ کی دوسری پنچایت کے اختیار میں غیر ممالک کے رہنے والوں اور مسافروں کے معاملات تھے۔ اور وہ وہی فرائض ادا کرتے تھے جو آجکل موجودہ یورپ میں دول خارجہ کے قونصل ادا کرتے ہیں۔ تمام اجنبیوں کو سرکاری افسر اپنی نگاہوں میں رکھتے تھے۔ اور ان کے لیئے ان کے حسب حیثیت مکانات بدرقہ اور ضرورت کے وقت طبی امداد بہم پہنچاتے تھے۔ جو اجنبی مرجاتے ان کی تجہیز و تکفین معقول طور پر کی جاتی۔ ان کی جائدادوں کا انتظام اسی پنچایت کے اراکین کرتے اور ان کا منافع ان کے وارثوں کو بھیجتے رہتے۔[1] ان تمام کامل انتظامات کا وجود ہی اس بات کا نہایت بین ثبوت ہے کہ تیسری صدی قبل مسیح میں ہی ہندوستان کی موریا کے رہنے والوں کی سلطنت کے تعلقات بیرونی سلطنتوں کے ساتھ قائم تھے۔ اور کاروبار کے لیئے غیر ممالک کے رہنے والوں کی ایک بڑی تعداد دارالسلطنت میں آتی جاتی رہتی تھی۔

اعداد ممات و حیات۔ تیسری پنچایت کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ اموات اور پیدائش کا باقاعدہ طور پر اندراج کرتی رہے۔ اور ہم کو صاف بتلایا گیا ہے کہ یہ اندراج اول تو حکومت کو اعداد سے

---

[1] یہ افسر بالکل صحیح طور پر یونانی افسروں کی طرح تھے۔ اور یہ ممکن ہے کہ چندراگپتا نے اس دستور کو یونانیوں سے ہی سیکھا ہو۔ مگر اس کے دیگر انتظامات میں یونانی اثر کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ ان یونانی افسروں کے متعلق دیکھو نیوٹن کے "اسیز آن آرٹ اینڈ آرکی آلوجی" صفحہ ۱۲۱-۳ ("گرانسلر آفیسرس ان انڈیا اینڈ گریس" انڈین انٹی کویری ماہ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۰۰)-۱۲۰۔

باخبر رکھنے کے لیئے اور دوسرے محاصل کے عائد کرنے میں آسانی کے لیئے ہوا کرتا تھا۔ یہ محصول جس کا ذکر کیا گیا ہے کچھ رقم فی کس کے حساب سے سالانہ وصول کیا جاتا تھا۔ چندراگپتا کے تمام قوانین میں ایسے شخص کے لیئے جو عام ایشیائی حکومتوں کی بے ضابطگی سے واقف ہو کوئی چیز اس سے زیادہ قابل تعجب وحیرت نہیں ہوتی جتنا کہ یہ اموات اور پیدایش کا باقاعدہ اندراج موجودہ زمانے کی ہندوستانی ریاستوں میں آج کل ایسا ہونا بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بخود اس قسم کی کسی تجویز پر عمل کریں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ایک پرانی وضع کے راجہ کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ اس کو یہ احساس پیدا ہوگا کہ "وضیع وشریف ہر دو قسم کے لوگوں کی اموات و پیدائش کا حال کسی طرح پوشیدہ نہ رہ جائے" یہاں تک کہ انگریزی حکومت نے بھی اپنے پیچیدہ نظام حکومت اور اعداد وشمار کی قدر وقیمت کے متعلق یورپین خیالات سے متاثر ہونے کے باوجود اموات وپیدائش کے متعلق اعداد وشمار جمع کرنے کی زمانہ حال سے پہلے کبھی کوشش نہیں کی۔ اور اب بھی برابر اس کو صحیح اعداد کے بہم پہنچانے میں دقت پیش آتی ہے ؎

تجارت | چوتھی پنچایت کے ہاتھ میں تجارت اور بیوپار کے اہم معاملات تھے۔ یہ لوگ خرید وفروخت کا انتظام اور بندوبست کرتے تھے۔ اور باضابطہ مہر کیئے ہوئے اوزان اور پیمانوں کے استعمال پر لوگوں کو مجبور کرتے تھے۔ سوداگر اجازت نامہ کے لیئے ایک محصول ادا کرتے تھے۔ اور وہ سوداگر جو ایک سے زیادہ اشیاء کا بیوپار کرتا تھا دگنا محصول ادا کیا کرتا تھا ؎

دست کاری | ایسے ہی اصول سے پانچویں پنچایت دست کاری کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ ایک عجیب وغریب قانون کی رو سے پرانے اور نیئے مال کو جداجدار کھنا پڑتا تھا۔ اور اس قاعدے کی خلاف ورزی کرنے والا سزا کا مستوجب تھا۔ اس قانون کی اصل وجہ یہ تھی کہ پرانے مال کا لین دین خواہ خرید وفروخت کے لیئے ہو اور خواہ رہن رکھنے کے لیئے ممنوع تھا۔

تا وقتیکہ اس کے لئے حکومت سے اجازت نہ حاصل کر لی جائے۔ اور یہ اجازت چند شرطوں سے دی جاتی تھی[1]۔

فروخت پر محصول

چھٹی پنچایت کا کام یہ تھا کہ فروخت شدہ اسباب کی قیمت سے ایک برائے نام حصہ محصول کے طور پر وصول کرے۔ اور اس محصول کی ادائی سے چشم پوشی کی سزا بھی موت ہوا کرتی تھی۔ فروخت شدہ اشیاء پر اس قسم کے محصول کا رواج عام طور پر ہندوستان میں رہا ہے۔ مگر شاذونادر ہی اس کو اس سخت وسنگین سزا کا مستوجب سمجھا گیا تھا جیسا کہ چندرا گپتا کے زمانے میں۔

شہروں کا عام انتظام

ہم تک صرف پاٹلی پتر یعنے دارالسلطنت کے انتظام کی تفصیلیں پہنچی ہیں۔ مگر ان سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سلطنت کے اور بڑے شہر یعنے اجین ٹیکسلا وغیرہ کا بھی اسی اصول سے انتظام ہوتا ہوگا۔ راجہ اشوک کے صوبوں کے نام فرمان" میں کلنگ کے صوبے کے شہر ٹوسل کے ان افسروں کو مخاطب کیا گیا ہے جو اس کے انتظام کے مجاز تھے[2]۔

ان جدا جدا محکموں کے فرائض کے علاوہ جن کی تفصیل اوپر دی گئی۔ مجلس بلدیہ کے اراکین کا یہ بھی فرض تھا کہ بہیئت مجموعی شہر کے تمام معاملات کی نگرانی کریں۔ اور بازاروں۔ مندروں۔ بندرگاہوں۔ اور عام طور پر تمام عمارتہائے عامہ کی تنظیم وترتیب اپنے ہاتھ میں رکھیں[3]۔

---

[1] آرتھ شاستر باب ۴ - فصل ۲ و ۷۔

[2] وی۔ اے۔ سمتھ کی کتاب "اسوکا دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۱۷۶۔

[3] فرگمنٹ نمبر ۳۴ - شوان بیک کی کتاب میں منقول از سٹریبو باب ۱۵ - فصل ۱ و ۵۱۔ جس کا ترجمہ میک کرنڈل نے کتاب "دی اینشنٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ بائی میگاستھنیز اینڈ ایرین" صفحہ ۸۷ - اور بعد ازاں اس کی کتاب اینشنٹ انڈیا ایز ڈسکرائبڈ ان کلاسیکل لٹریچر صفحہ ۵۴۔

نائبین سلطنت دور دراز صوبوں کی حکومت نائبین سلطنت کے سپرد کی جاتی تھی جو عموماً شاہی خاندان کے افراد ہوا کرتے تھے۔
نائبین سلطنت کے متعلق ہماری معلومات راجہ اشوک کے زمانے میں چندر اگپتا کے زمانے کی نسبت زیادہ ہے اس لیئے اس کے زمانۂ حکومت کے نظم و نسق کے ذکر کرتے وقت ہم پھر اس مضمون کی طرف رجوع کریں گے ؟

وقائع نویس تمام ایشیائی سلطنتوں کے عام طرز عمل کے مطابق شاہی دربار دور دراز مقامات کے حکام پر خاص لوگوں یعنے وقائع نویسوں کے ذریعے اپنی نگرانی قائم رکھتا تھا جن کو یونانی مصنفین نے منتظم اور مہتمم لکھا ہے۔ اور ان کا ذکر اشوک کے فرامین میں شاہی "ملازمین" (دیکھئے پلی سانی یکتون کا فرمان نمبر ۶)۔ یا "اخبار نویس" کے نام سے کیا گیا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ جن الفاظ کا میک کرنڈل نے دونوں مرتبہ یہ غلط ترجمہ کیا ہے "عام اشتہار کے ذریعے" اس کا اصل اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "سرکاری مہر سے"؛ اسی قسم کے قواعد و ضوابط۔ بہت زمانہ نہیں گذرا کہ ہندوستان میں جاری تھے۔ فرانسیسی سیاح ٹریورنئے (دہلی ایڈیشن ۱۶۷۶ء) کہتا ہے کہ بنارس میں "دو بازار تھے جہاں سوتی اور ریشمی کپڑے اور دوسری قسم کا مال فروخت ہوتا تھا۔ ان مال اور اسباب کے بیچنے والوں میں سے بڑی تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جنھوں نے کہ خود اس کو تیار کیا ہے۔ اور اس طرح اجنبی لوگ خود کاریگر سے اشیاء خرید سکتے تھے۔ یہ کاریگر اپنے اسباب کو بازار میں لانے سے قبل ٹھیکے دار (یعنے فروخت پر محصول دصول کرنے کے ٹھیکے دار) کے پاس لے جاتے ہیں۔ اور سوتی یا ریشمی کپڑے پر شاہی مہر لگائی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ کریں تو یا تو ان پر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ یا تازیانے کی سزا دی جاتی ہے۔ (دی بال۔ ترجمہ۔ ٹریورنئے کی ٹریولز ان انڈیا صفحہ ۱۱۸) اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موریا خاندان کے زمانہ میں بھی بنارس کا اونی کپڑا مشہور تھا۔ بہترین قسم کا کپڑا جنوب میں مدرا۔ کونکن کلنگ۔ بنارس۔ مشرقی سرکان (ونگا)۔ وتسا یا کوساسبی مہی شمتی (دریائے نربدا پر) سے آتا تھا (ارتھ شاستر باب ۲ فصل ۱۱)۔ بندرگاہ دریائے گنگا اور سون پر واقع تھے۔ اینٹوں کے بنے ہوئے بندوں کے آثار دریائے سون کے پرانے راستے کے قریب قریب اب بھی پائے جاتے ہیں ؟

(چھٹی وید کا یسنگی فرمان نمبر ۶)۔ ان افسروں کا کام یہ تھا کہ شہر اور دیہات کے واقعات پر نظر رکھیں اور خفیہ طور پر ان کی خبر صدر حکومت کو دیتے رہیں۔ ایرین کا بیان ہے کہ ایسے افسر ہندوستان میں خود مختار اقوام کی حکومتیں اور شاہی حکومتیں دونوں مقرر کیا کرتے تھے۔ یہ حکومتیں اس بات میں بھی کسر نہ کرتی تھیں کہ چھاؤنی یا بازار کی فاحشہ عورتوں کو ان وقایع نویسوں کے شریک کے طور پر استعمال کریں۔ اور یقیناً یہ عورتیں اکثر اپنے افسران بالادست کے پاس بہت سے خفیہ بازاری چہ می گوئیوں کے حالات پہنچاتی ہونگی[1]۔ ایرین کے خبر رساں نے اس کو یقین دلایا تھا کہ یہ خبریں جو بھیجی جاتی تھیں ہر حال میں درست ہوتی تھیں۔ مگر اس بیان کی صحت کے متعلق شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ باوجود اس امر کے قدیم ہندوستان کی اقوام اپنی راست گوئی اور دیانت داری میں نزدیک و دور تمام ممالک میں عام شہرت رکھتی تھیں[2]۔

ضابطۂ تعزیرات

عوام الناس کی عام ایمان داری اور دیانت داری اور قانون جرائم کے عمل کا ثبوت مگاس تھینز کے اس بیان سے ملتا ہے کہ جب وہ چندرا گپتا کے کیمپ میں جس میں کہ (۴۰۰۰۰) آدمی جمع ہوتے رہتا تھا تو روزانہ چوری کی مقدار دوسو درم یا تقریباً آٹھ انگریزی پاؤنڈ سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ مگر جب کبھی کوئی جرم واقع ہوتا تو اس کی سزا بہت سخت دی جاتی تھی۔ قطع عضو کے خفیف زخم دینے کی سزا میں مجرم کو بھی ویسا ہی زخم لگایا جاتا تھا اور اس کے علاوہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جاتا تھا۔ اگر زخمی کوئی کاریگر ہوتا جو شاہی ملازم ہو تو اس جرم کی سزا موت ہوا کرتی تھی۔ جھوٹی گواہی دینے کے جرم کی سزا ہاتھ اور پاؤں کا

---

[1] یہ بیان کہ فاحشہ عورتوں سے جاسوسی کا کام لیا جاتا تھا سٹرابو باب ۱۵ فصل ۴۸ میں ہے۔ ۱۲ ف

[2] اس کے متعلق تمام شہادت کا خلاصہ میکس ملر کی کتاب "انڈیا وٹ اٹ کین ٹیچ اس" میں ملیگا (مطبوعہ ۱۸۸۳ء صفحہ ۵۴)۔

قطع کرنا تھی۔ اور چند علیٰ مصرحہ جرموں کی سزا یہ دی جاتی تھی کہ مجرم کے سر کے بال کٹوا دیئے جاتے تھے۔ اور یہ سزا اور تمام سزاؤں میں سے سب سے زیادہ شرمناک سمجھی جاتی تھی[1]۔ کسی متبرک درخت کو گزند پہنچانا[2]۔ فروخت شدہ مال پر بلا وجہ کے محصول سے گریز کرنا۔ اور شاہی جلوس میں جب کہ وہ شکار کے لئے جا رہا ہو دخل دینا۔ یہ سب ایسے جرائم تھے جن کی سزا موت تھی۔ درشتی اور سختی کی ان بیان کی ہوئی مثالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون تعزیرات بہ ہیئت مجموعی نہایت سخت اور ظالمانہ ہوگا۔ اور انسانی زندگی کی اس میں کچھ زیادہ پروا نہ کی جاتی ہوگی۔

محصول اراضی

ہندوستان کے دیسی قانون کی رو سے ہمیشہ تمام مزروعہ زمین بادشاہی ملک قرار دی گئی ہے۔ اور بادشاہ کا یہ حق تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس سے لگان یا محصول وصول کرے

---

[1] یہ ایرانی سزا تھی۔ چھوٹے جرائم کی سزا میں ناک یا شاید صرف بال کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ بعض دفعہ صرف آدھا سر ہی منڈوایا جاتا تھا۔ اور مجرم کی گردن میں ایک تختی لٹکا دی جاتی تھی۔ اور اس طرح اس کی تشہیر کی جاتی تھی" (کنگسمل۔ رسالہ "دی اتھینیئم" ۱۹۔ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء میں۔ یہ بیان اس نے چھٹی صدی کی ایک چینی کتاب "وے۔شو" نام سے نقل کیا ہے جس میں ساسانیوں کے زمانے کا ذکر ہے)۔ وہ جرائم جن کے واسطے سر منڈوانا خود اختیاری سزا تھی آرتھ شاستر باب ۲۔ فصل ۹ میں مندرج ہیں۔ ایسی چھوٹی چھوٹی چوریوں کے لئے جیسے ۱/۸ یا ۱/۴ چاندی کا پنہ (تقریباً ۳ پنس یا ۶ پنس) کی سزا یا تو (۱) ۶ پنہ کا جرمانہ۔ یا (۲) سر کا منڈوانا۔ یا (۳) جلاوطنی تھا۔ اگر چوری کے مال کی قیمت ایک اور دو پنوں کے درمیان میں ہوتی تو اس کی سزا یا تو (۱) ۲۴ پنوں کا جرمانہ ہوتی یا (۲) یا اینٹ سے سر کا منڈوانا۔ اور یا (۳) جلاوطنی۔ اینٹ سے سر منڈوانے کی سزا یقیناً سب سے سخت عذاب ہوگا۔ اور ایسی چھوٹی چوری کے لئے بڑی سخت سزا تھی۔ ایک چاندی کے پنہ یعنے (۱۴۶) غیر خالص چاندی کے گرین کی قیمت ایک شلنگ فرض کی جاتی ہے۔

[2] کرٹئس باب ۸ فصل ۹و

جو یا تو اس کی پیداوار یا اس پیداوار کی قیمت کا ایک معتد بہ حصہ ہوتا تھا۔[۱]
انگریزی قانون بھی جو عام قدیم دستور کے برعکس مزروعہ اراضی میں حق مالکانہ
تسلیم کرتا ہے اس بات پر مصر ہے کہ محصول اراضی کی ادائی نہایت
ضروری ہے۔ اور وہ اپنے افسروں کو اس کے نہ ادا ہونے کی صورت
میں یہ اختیار دیتا ہے کہ زمین کو فروخت کرکے وصول کر لیا جائے۔
اس وقت بھی محاصل زمین ہندوستانی مالیہ کا سب سے بڑا جزو ہے۔
اور یہی حال یقیناً چندراگپتا کے زمانے میں ہوگا۔ اس کے زمانے میں
بندوبست اراضی کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی۔ اور ہم کو یہ معلوم نہیں کہ
آیا ہر سال نیا بندوبست ہوا کرتا یا اس سے زیادہ مدت میں برائے نام
تمام پیداوار کا چوتھائی حصہ سرکار محصول کے طور پر جمع کیا کرتی تھی۔[۲] مگر عملی طور پر
بلاشک وشبہ اس نسبت میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی جیسے کہ آج تک کے
زمانے میں بھی ہوتی ہے اور یہ ناممکن تھا کہ تمام صوبوں کے ساتھ یکساں سلوک
کیا جائے۔ اس کے علاوہ چند اور غیر مصرحہ ابواب بھی وصول کیے جاتے تھے۔
چونکہ فوج میں سپاہی پیشہ لوگ رکھے جاتے تھے اور ان کو جنگجو اقوام سے منتخب
کیا جاتا تھا اس لیے کاشتکار فوجی خدمت سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اور
میگاس تھینیز نہایت تعجب اور حیرت سے یہ بیان کرتا ہے کہ عین اس وقت
جبکہ دو حریف بادشاہوں کی فوجوں میں مقابلہ ہو رہا ہو کاشتکار نہایت
اطمینان اور امن کے ساتھ اپنا کام کرتا رہتا تھا۔

آبپاشی ہندوستان میں آبپاشی کا مناسب انتظام ایک نہایت ہی

---

[۱] وہ لوگ جو شاستروں کی تعلیم سے اچھی طرح واقف ہیں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ
بادشاہ زمین اور سمندر دونوں کا ہوا کرتا ہے۔ اور لوگ سوائے ان دو چیزوں کے
تمام اشیا پر اپنا حق مالکانہ استعمال کر سکتے ہیں" (شرح آرتھ شاستر۔ باب ۲۔ فصل ۲۴۔) ؁
[۲] سٹرابو باب ۱۵ فصل ۴۰۔ اس عبارت میں یہ غلط بیان پایا جاتا ہے کہ کاشتکار کو پیداوار کا چوتھائی حصہ ملا
کرتا تھا۔ ڈیوڈرس نے بالکل صحیح بیان کیا ہے کہ محصول زمین تمام پیداوار کا چوتھائی حصہ ہوا کرتا تھا۔ ۱۲؁

اہم امر ہے۔ اور اس بات سے چندراگپتا کی سلطنت کی خوبی معلوم ہوتی ہے کہ اس نے ایک خاص محکمۂ آبپاشی قائم کیا۔ جس کا یہ فرض تھا کہ زمینوں کی پیمائش کرے۔ اور پانی کی نالیوں کا ایسا انتظام کرے کہ ہر ایک شخص کو حصہ رسدی معتد بہ مقدار پانی کی مل سکے۔ اراضی کی پیمائش کی طرف سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ پانی کا محصول ضرور لگایا جاتا ہوگا۔[1] اور نالیوں کے ذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آبپاشی کا انتظام بالکل باقاعدہ تھا۔

سدرسن جھیل سترپ رُدردامن کے کتبے سے جو ۱۵۰ء میں کاٹھیاوار کے مقام گرنار کی اس مشہور و معروف چٹان پر کندہ کیا گیا جس پر چار صدی قبل راجہ اشوک نے اپنے فرمان کو کندہ کرایا تھا جو ہمیشہ برقرار رہے گا۔ یہ صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت کو اپنے دور و دراز صوبوں کی آبپاشی کا بھی کتنا خیال تھا۔ اگرچہ گرنار بحیرۂ عرب کے پاس موریا سلطنت کے مستقر سے تقریباً (۱۰۰۰) میل کے فاصلے پر واقع ہے مگر وہاں کے کاشتکاروں کی ضرورتیں بھی شاہنشاہ کی آنکھ سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ پشیگپتا نے جو چندراگپتا کی حکومت کی طرف سے مغربی صوبوں کا عامل تھا دیکھا کہ ایک چھوٹی سی ندی کو روک لینے سے آبپاشی کے لئے ایک نہایت عمدہ تالاب بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک جھیل سندرسن (یعنے خوبصورت) نامی قلعے کی مشرقی جانب ایک پہاڑی اور اس کے آگے کے کتبے کی چٹان تک مشرقی زمین کو لے کر تیار کی۔ مگر اس سے سوا اور ضروری نالیاں بنانے میں وہ کامیاب نہ ہوا۔ یہ چندراگپتا کے پوتے راجہ اشوک کے زمانے میں اس کے نائب راجہ تشاسف ایرانی کی زیرِ نگرانی جو اس وقت وہاں کا گورنر تھا۔ تیار ہوئیں۔ یہ سودمند تعمیر جو موریا بادشاہوں کے عہد حکومت میں تیار ہوئی تھی چار سو برس تک کام دیتی رہی۔ لیکن ۱۵۰ء کے ایک طوفان نے جو

[1] ہم کو ارتھ شاستر سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی پر نہایت بھاری محصول لگایا جاتا تھا اور نہریں سخت قواعد و ضوابط کے تابع تھیں۔ ۱۲۔

غیر معمولی طور پر نہایت شدید تھا اس کے بند کو توڑ دیا۔ اور ساتھ ہی اس جھیل کو بھی نسیانسیا کر دیا۔

بند کی از سر نو تعمیر بند نئے سرے سے "سہ چند استحکام" کے ساتھ قوم سک کے ستریپ رودرا دامن کے حکم سے تعمیر کیا گیا۔ اور اس نے اس کی تاریخ ایک پتھر پر کندہ کرادی۔ جو اپنی وضع میں اس وجہ سے نادر و بے نظیر ہے کہ یہی کتبہ ہے جس میں چندرا گپتا اور اشوک دونوں کے نام پائے جاتے ہیں مگر باوجود رودرا دامن کی تعمیر کی سہ چند مضبوطی کے بند عناصر کی شدت کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اور وہ پھر برباد ہوا ۴۵۶ء میں سکند گپت کے زمانے میں وہاں کے گورنر نے پھر اس کی مرمت کی۔ ایک غیر معلوم وقت میں یہ تعمیریں بالکل منہدم ہوگئیں اور یہ جھیل آخر کار معدوم ہوگئی۔ اس کا موقعہ جو نہایت گھنے جنگل میں واقع ہے اس طرح لوگوں کے دلوں سے محو ہوگیا تھا کہ موجودہ محققین کو اس کی اصلی جگہ کے پتہ لگانے میں دقت ہوئی۔[1]

آبپاشی کے لیئے شاہی نگہداشت یہ امر کہ سلطنت کے ایک ایسے دور دراز صوبے آبپاشی کے کام پر اتنا روپیہ اور محنت صرف کی گئی صاف ظاہر کرتا ہے کہ موریا خاندان کے بادشاہ کھیتوں کے لیئے پانی کا بہم پہنچانا اپنا ایک اہم فرض تصور کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ ایک نہایت صریح مثال ہے مگاس تھنیز کے اس بیان کی صحت کی کہ شاہی عمّال "جیسا کہ مصر میں دستور تھا۔ یہاں بھی زمین کی پیمایش کرتے اور ان راجبہوں کی نگاہداشت کرتے ہیں جن کے ذریعے سے چھوٹی نالیوں میں پانی تقسیم کیا جاتا تھا۔ تاکہ ہر شخص اپنا حصہ اس میں سے لے لے اور اس سے فائدہ اٹھائے"[2]

---

[1] فرگمنٹ نمبر ۳۴۔ سٹریبو میں باب ۱۵ فصل ۱-۵۰۔ گرنار (جوناگڑھ) کی قدیم عجائبات کو برگس نے "رپورٹس آر کی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا" جلد دوم میں بیان کیا ہے۔ اور اس موقعے کے متعلق مذکورۂ بالا سروے بابت ۹-۱۸۹۸ء کی پراگرس رپورٹ" میں مسٹر کوسنس نے بحث کی ہے۔ رودرا دامن کے کتبے کے لیئے دیکھو سب سے آخر ایڈیشن۔

سخت نگرانی

مرکزی حکومت مقامی عُمّال کے ذریعے سے تمام چیزوں کی نہایت سخت نگرانی کرتی تھی۔ اور اس کی ایسی ہی نگرانی آبادی کی تمام جماعتوں اور ذاتوں پر قائم تھی۔ یہاں تک کہ برہمن منجم اور جوتشی اور قربان گاہ کے مذہبی پیشوا جن کو مکاس تھنیز غلطی سے فلسفیوں کی ایک علیحدہ جماعت قرار دیتا ہے اس سرکاری نگاہداشت سے نہ بچ سکتے تھے۔ اور ان کو ان کی پیش گوئیوں کے صحیح یا غلط ہونے کے مطابق یا تو انعام واکرام تقسیم ہوتا تھا اور یا ان کو سزا دی جاتی تھی۔ کاریگروں اور صناعوں کے طبقے میں اسلحہ سازوں اور جہاز سازوں کو سرکار کی طرف سے تنخواہ ملتی تھی۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ مصوبہ کیلہارن ایپی گرفیا انڈکا جلد آٹھ صفحہ ۳۶ میں۔ اور اس کا مختصر ترجمہ لیوڈر کی "فہرست" نمبر ۹۶۵ (ایپی گرفیا انڈکا جلد دس ضمیمہ صفحہ ۹۹)۔ یہ کتبہ سنسکرت زبان میں لکھا ہوا سب سے قدیم بڑا کتبہ ہے۔ اس کے علاوہ اس سے قدیم۔ مگر مختصر سنسکرت کتبہ جو دریافت ہوا ہے وہ متھرا کے نزدیک ایسا پور کے مقام پر ایک قربان گاہ کے ستون پر کندہ ہے۔ اور اس کی تاریخ سکہ ۲۴ (یعنی ۱۰۲ء؟) شاہی واسشک کے دوران حکومت کی ہے۔ (جے آر اے ایس ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۱۸)۔ "راشتریا" کے لفظ کا ترجمہ جو اس کتبے میں یشی گپتا کے نام کے ساتھ آتا ہے اصل میں گورنر ہے۔ تشاسف کا تذکرہ بھی ہے۔ مگر نام کی شکل سے صاف ظاہر ہے کہ وہ یقیناً کوئی ایرانی ہوگا۔ (ایپی گرفیا انڈکا۔ جلد ۸۔ صفحہ ۴۶۔ حاشیہ)۔

لہ مکاس تھنیز نے پیشہ ور جماعتوں کو عجیب وغریب طور پر تقسیم کیا ہے۔ اور اسی جماعت کے لفظ کا غلط ترجمہ "ذات" کر دیا جاتا ہے۔ اس نے ان کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) فلسفی۔ (۲) زراعت پیشہ لوگ۔ (۳) گوالے۔ گڈریئے اور چرواہے۔ (۴) اہل حرفہ اور تاجر۔ (۵) سپاہ۔ (۶) ناظر۔ (۷) مشیر کار۔ (شوینبک کی کتاب کا فرگمنٹ نمبر ۳۳۔ منقول از آرین کی کتاب انڈکا۔ ۱۱۔ و۔ ۱۲۔) سٹریبو نے ان کے نام اور ہی بیان کیے ہیں۔ ان میں سے نمبر ۲۔ و۔ ۵ کے نام آرین کے ناموں سے ملتے جلتے ہیں۔ برہمنوں کی کتابیں جیسا کہ سب کو بخوبی معلوم ہے تمام آدمیوں کو چار حصوں (ورن) میں تقسیم کرتی ہیں۔ یعنے برہمن۔ چھتری یا راجیانا۔ ویش اور شودر۔ "ورن" کا ترجمہ ذات کرنا غلطی ہے۔

ان کو سوائے سرکار کے اور کسی کے کام کرنے کی اجازت نہ تھی۔ لکڑی کاٹنے والے۔ نجار۔ لہار اور کان کن بعض خاص قواعد وضوابط کے پابند تھے۔ مگر ان قواعد کی نوعیت کا ذکر ہم تک نہیں پہنچا ؛

سواری کے قواعد

سٹریبو کے بیان کے مطابق ہر کس وناکس مجاز نہ تھا کہ گھوڑا یا ہاتھی رکھے۔ ان کا رکھنا صرف بادشاہوں کا منصب سمجھا جاتا تھا۔ مگر اس بیان کا اطلاق اگر تمام ملک پر کیا جائے تو بلاشک وشبہ یہ غلط ہے۔ اور ایرین (انڈکا ۱۷) کے تفصیلی اور قابل فہم بیان سے اس کی صحت ہوتی ہے۔ یہ مصنف بیان کرتا ہے کہ عام طور پر سواری کے لیئے گھوڑے اونٹ گدھے اور ہاتھی استعمال ہوتے تھے۔ ان میں سے ہاتھی صرف امیر اور دولتمند لوگ کام میں لاتے تھے۔ اور وہ خاص طور پر بادشاہوں کی خدمت کے شایاں سمجھے جاتے تھے۔ گدھوں کے سوا جن کو کہ آجکل نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور جن کا استعمال کمہاروں اور دھوبیوں کی باربرداری کے جانوروں ہی تک رہ گیا ہے۔[۱]

سٹریبو کا بیان موجودہ ہندوستان کی حالت کے عین مطابق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہاتھی یا اونٹ پر سوار ہونا یا چار گھوڑوں کی رتھ کو استعمال کرنا اعلیٰ رتبے کا نشان تھا۔[۲] لیکن ہر شخص مجاز تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو یا اسے رتھیں جوتے

---

[۱] مگر بہر حال گدھے قدیم ہند یعنے پنجاب اور کوہستانی سرحد کے قریب کثرت سے مستعمل تھے جیسے کہ ایران میں۔ ان کا ذکر رگ وید میں آتا ہے۔ اور مہابھارت کی چند عبارتوں میں بھی ان کا اونٹوں کا اور خچروں کا نام ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے کہ پنجاب میں واہیک اور مدرک کی اقوام جن کا دارالسلطنت ساکلا (یعنے سیالکوٹ) تھا انھیں کام میں لاتے تھے (سلوین لیوی انڈین انٹی کویری ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۷)۔ دیکھو آرتھ شاستر باب ۲ فصل ۲۹۔ باب ۷ فصل ۱۲۔ اور باب ۹ فصل ۱۔ خچر فوجی کام کے لیئے استعمال ہوتے تھے ؛

[۲] چنکیا نے ہاتھی کے مارنے والے کی سزا موت تجویز کی ہے۔ (باب ۲ فصل ۲) بظاہر بادشاہ تمام ہاتھیوں کا مالک متصور ہوتا تھا۔ اور خود اس کے پاس (۶۰۰۰) ہاتھی تھے۔

اِکّا جو آجکل بھی شمالی ہند میں بکثرت استعمال ہوتا ہے ہندوستان کی ایک نہایت قدیم سواری ہے ؎

سڑکیں سڑکوں کا انتظام ایک خاص محکمے کے افسران کے ہاتھ میں تھا۔ (۱۰) سٹیڈیا یعنے ہندوستانی حساب سے آدھ کوس اور انگریزی حساب سے (۲۲½ ۲) گز کے فاصلے پر ستون تعمیر کیئے گئے تھے تاکہ وہ فاصلے کی علامت اور نشان کا کام دے سکیں۔ اس طرح شاہان مغلیہ کے زمانے سے جنھوں نے ہر کوس پر ایک ستون قائم کرایا تھا اس زمانے میں ان مفید علامات کا انتظام بہتر تھا۔ ایک شاہراہ جو مسافت میں (۱۰۰۰۰) سٹیڈیا تھی شمال مغربی سرحد کو دارالسلطنت سے ملاتی تھی؎

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- ہاتھی پر سوار ہونے یا ان کو رکھنے کا استحقاق صرف نہایت اعلیٰ طبقے اور ذی اقتدار لوگوں کو عطا کیا جاتا تھا۔ (دیکھو سائمز کی کتاب "ابسی ٹو آوا" جلد دوم صفحہ ۸۔ شائع کردہ کانسٹیبل) ؎

لہ سٹرابو باب ۵ فصل ۱۱۔ مغلیہ کوس یعنے ان ستونوں کے درمیان کا فاصلہ جو اب تک باقی ہیں۔ اوسطاً (۴۵۵۸) گز ہوا کرتا تھا (ایلیٹ۔ گلاسری۔ مضمون "کوس")۔ فلیٹ نے "ادہ کوسیا" کے لفظ کے معنے جو اشوک کے ستونی فرمان نمبر ۷ میں آتا ہے "آٹھ کوس کے فاصلے" کے نہ کہ "آدھا کوس" کے فاصلے کے لئے جیساکہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۷ ام۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۳۹)۔ اور وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ قدیم ہند میں صرف ایک ہی کوس کا فاصلہ ہوتا تھا اور یہ انگریزی ایک میل اور (۲۴۰) گز کے برابر ہوتا تھا۔ مگر یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ ادہ ہواشت یعنے آٹھ کے برابر مان لیا جائے۔ تین سٹیڈیا رومتہ الکبریٰ میں پہلی صدی عیسوی میں رائج تھے۔ یعنے فلیٹیرین فاصلہ جو تقریباً (۶۵۰) انگریزی فیٹ یا تقریباً ایک فرلانگ ہوا کرتا تھا۔ المپک (۶۰۰) فیٹ کا ہوتا تھا۔ اور اراٹوستھنیز فاصلہ تقریباً (۵۲۰) فیٹ کا۔ کتاب پیریپلس کا مستعملہ سٹیڈیم یہی اراٹوستھنیز معلوم ہوتا ہے۔ جو تقریباً ایک انگریزی میل کا دسواں حصہ ہوتا تھا۔ اور غالباً مکاس تھنیز نے بھی یہی فاصلہ استعمال کیا ہے۔ (شاف کی کتاب "دی پیریپلس آف دی ایری تھرین سی" ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۴) ؎

تہذیب کا نہایت بلند معیار

مذکورۂ بالا ملکی اور فوجی نظامِ حکومت سے جو چندراگپتا کے زمانے میں قائم تھا یہ بات بالکل صاف ظاہر ہوتی ہے کہ سکندر اعظم کے زمانے میں شمالی ہند تہذیب کے بلند مرتبے پر پہنچ چکا تھا۔ اور یہ تہذیب یقیناً چند گذشتہ صدیوں کے ارتقا کے بعد ہی پیدا ہوئی ہوگی۔ بدقسمتی سے اب تک کوئی ایسی یادگار دریافت نہیں ہوئی جو کامل یقین کے ساتھ چندراگپتا یا اس کے بیٹے کے زمانے کی کہی جاسکے۔ اور اسی وجہ سے آثار قدیم کے ماہر اب تک کوئی ایسی بیّن شہادت نہ پیش کرسکے جو یونانی مصنفین کے بیان کو ثابت کرتی ہو۔ ہندوستانی عمارتیں اور فنون لطیفہ کی سب سے قدیم مثالیں سوائے چند غیر ضروری مستثنیٰ اشیا کے اشوک ہی کے زمانے کی ہیں۔ لیکن اگر پاٹلی پتر۔ ویسالی۔ ٹکسلا اور دوسرے قدیم اور مشہور مقامات کھودے گئے اور ان کی تفتیش و تحقیق کما حقہ کی گئی تو یہ ممکن ہے کہ موریا خاندان کے اوائل اور اس سے بھی قدیم زمانے کے آثار ظاہر ہوجائیں اور محققین کی سعی مشکور ہو۔ یہ بات ممکن نہیں کہ کسی عمارت کے ایسے کھنڈر پائے جائیں جسے پہچان سکیں۔ کیونکہ موجودہ برما کی طرح ہند قدیم کی بڑی بڑی عمارتیں عام طور پر لکڑی کی بنی ہوتی تھیں۔ اور اینٹ کو صرف بنیاد رکھنے اور ستون کے نیچے کے حصے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اشوک کے زمانے سے پہلے کی کسی پتھر کی بنی ہوئی عمارت کے نشان ابتک دریافت نہیں ہوئے۔ چندراگپتا کے زمانے سے بہت پہلے فن تحریر آبادی کی بعض جماعتوں میں عام طور پر رائج ہوچکا تھا۔ اس زمانے میں یونانی مصنفین کی تحریروں کے مطابق درختوں کی چھال اور روئی کے کپڑے کو کاغذ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا[1] لیکن یہ تعجب کی

[1] نیارکس سب سے پہلا شخص ہے جس نے روئی کے کپڑے کے اس استعمال کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (سٹرابو باب ۱۵ فصل ۶۷) ایک صدی قبل میسور کے دکاندار اور تاجر عموماً (۸) سے (۱۲) انچ عریض اور (۱۲) سے (۱۸) فیٹ طویل روئی کے کپڑے کا ٹکڑا

بات ہے کہ اس کے زمانے کا کوئی کتبہ اس وقت تک ایسا دریافت نہیں ہوا جو زیادہ پائدار چیز پر کندہ کیا گیا ہو۔ مگر غالباً پتھر یا دھات پر کندہ کیئے ہوئے کتبے موجود ہیں۔ اور ممکن ہے کہ جب کبھی اصلی قدیم جگہوں کو کھودا گیا اور ان کی تحقیق کی گئی تو وہ دریافت ہوں ؎

چانکیہ کا سیاست نامہ

چندراگپتا موریا کے دربار ملکی اور فوجی انتظام کے متعلق تمام مواد یونانی اسناد سے اخذ کیا جاتا تھا۔ اور اس مواد کے ۱۹۰۴ء میں جب اس کتاب کا پہلا اڈیشن شایع ہوا۔ صحت یا عدم صحت کی جانچ کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر اس دوران میں ایک ہندوستانی عالم نے ترجمے کے ذریعے سے ایک کتاب سیاست نامہ کو جس کا مصنف چانکیا یا کوتلیا چندراگپتا کا زیرک اور تیز فہم وزیر کہا جاتا ہے۔ دنیا سے روشناس کرادیا ہے۔ جرمن علما کی تحقیقات نے اس بات کو قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ آرتھ شاستر یقیناً موریا خاندان کے زمانے کی ایک مصدقہ کتاب ہے۔ یہ بات کہ آیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ لکھنے کے لیئے استعمال کیا کرتے تھے۔ قدیم زمانے میں یہ ٹکڑے مسلیں اور دستاویزیں لکھنے کے لیئے کام آتے تھے۔ کنڑی زبان کو ان پر ایک ایسی چیز سے لکھتے تھے کہ جو مٹ سکتی تھی اور مٹنے کے بعد کپڑے کو پھر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ یہ پارچے نہایت احتیاط سے طے کیئے جاتے تھے اور صندوقوں میں بند رہتے تھے۔ (ولسن۔ میکنزی کولیکشن صفحہ ۲۴۔ دوسری اڈیشن۔ مدراس ۱۸۸۲ء)۔ میگاس تھنیز کا یہ بیان۔ (سٹریبو باب ۱۵۔ فصل ۵۳) "یہ ہندوستانی فن تحریر سے بالکل نابلد تھے" غلط ہے۔ آگسٹس نے جو خط ایک ہندی راجہ کے نام بھیجا تھا وہ جھلی پر لکھا ہوا تھا۔ درخت کی چھال جس کا ذکر ہوا وہ بھوج پتر تھا۔ اور صرف شمالی ہند میں اس کا استعمال تھا۔" درختوں کی چھال کے نرم حصے پر کاغذ کی طرح الفاظ لکھے جاسکتے ہیں" (کرٹس باب ۸۔ فصل ۹)۔ یونانی مصنفین کی کتابوں میں ہندوستان کے متعلق جو ظاہری تناقض معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف مصنف مختلف حصص ملک کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس قسم کے عام بیان ہندوستان کے متعلق ہمیشہ غلط ہوا کرتے ہیں۔ ۱۲ ک

جیسا کہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب چانکیا ہی کی لکھی ہوئی ہے یا نہیں۔ کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔ کتاب ان اصول سے بحث کرتی ہے جو سیاست مدن کے متعلق مصنف کے زمانے میں رائج تھے اور جن کے ذریعے سے اس کے زمانے کی پالیسی ایسی کامیاب ہوئی تھی۔ یہ ایک نہایت ہی بیش قیمت اور دلچسپ چیز ہے۔ اور "یہ ہندوستان قدیم کی حالت خصوصاً اس کے انتظام۔ قوانین۔ تجارت۔ جنگ اور صلح کے متعلق اتنی روشنی ڈالتی ہے کہ جتنی اور کوئی کتاب نہیں ڈال سکتی"۔ یہ کتاب اس طرح بھی استعمال کی جاسکتی ہے کہ ہم اس کو یونانی مصنفین کی باتوں کی شرح یا تفصیل سمجھیں۔ چند تفصیلوں کے متعلق اس کی تھوڑی سی عبارتوں کا حوالہ پہلے بھی حاشیوں میں دیا جاچکا ہے۔ مگر اس کے مضامین کا ایک تفصیلی بیان لابدی اور ضروری ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اب یونانی مصنفین کے بیانات کے علم پر اس کے ذریعے سے بہت کچھ اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

آرتھ شاستر میں خاندان موریا کے قبل کے حالات مندرج ہیں

آرتھ شاستر کے قواعد وضوابط اور یونانی مصنفین کے بیانات کو آپس میں ایک دوسرے سے ملانا نہ چاہیئے۔ کیونکہ یہ صرف اُس اثر کا تذکرہ کرتے ہیں جو ایک اجنبی کے دل پر ان قواعد وضوابط نے کیا جو ایک خاص وقت یعنی غالباً سنہ ۳۰۰ ق م میں ہندوستان میں موریا خاندان کے عہد میں موجود تھے۔ اس کے برخلاف آرتھ شاستر میں ان قواعد کا ذکر ہے جن کو برہمن وزراء اچھا سمجھتے تھے۔ اور جن کی نسبت ان کا خیال تھا کہ وہ ہر زمانے میں ایک خود مختار سلطنت کے لئے مفید اور سودمند ثابت ہوسکتے ہیں۔ آرتھ شاستر اور قدیم مصنفین کے اقوال بھی نقل کرتا ہے۔ جن کی قدامت کے متعلق ہم کو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اور اس میں ہندوستان کی اس وقت کی سیاسی حالت درج ہے جو ایک عظیم طاقت یعنی موریا خاندان کے

سلہ "یہ آرتھ شاستر یا سیاست نامہ خلاصہ ہے تمام اُن آرتھ شاستروں کا جو قدیم استادوں نے

قیام سے پہلے تھی۔ اس کو ہم ایک نہایت ہی مستند کتاب ہندوستان کی سیاسی اور معاشرتی حالت کے متعلق سکندر اعظم یعنے ۳۲۵ق م کے زمانے کی تسلیم کرسکتے ہیں۔ اس کتاب کا جنوبی ہند کی دراوڑ سلطنتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا نظام حکومت بالکل جداگانہ تھا؛

حکومت خودمختاری میں برہمنوں کا ادب ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

کتاب میں جس قسم کی حکومت کا ذکر ہے وہ شاہانہ خودمختاری حکومت ہے۔ لچھوی یا لکھوی یا دیگر اقوام کے جمہوری نظام حکومت کے صرف سرسری طور پر حوالے ہی دیئے گئے ہیں۔ خودمختار بادشاہ کی مرضی جو کسی دستوری حکومت کی روایتوں یا آئین کی رو سے محدود نہ تھی۔ ایک حد تک رسم ورواج کے لحاظ سے برہمنوں کے ادب کی وجہ سے دبی رہتی تھی۔ یہ ادب اس زمانے سے بہت پہلے پورے طور پر اپنا سکہ جما چکا تھا۔ عام طور پر برہمن سزائے موت یا اور سنگین سزا سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس قاعدے سے صرف وہ برہمن مستثنیٰ تھے جن پر بادشاہ سے بغاوت کا الزام لگایا گیا ہو۔ ان کو یہ سزا دی جاتی تھی کہ وہ پانی میں غرق کرکے مار ڈالے جاتے تھے۔ اور دوسری ذاتوں کے لوگوں کی طرح اس جرم میں ان کو زندہ نہ جلوایا جاتا تھا[لف]۔ اور چند جرائم میں ماخوذ شدہ برہمنوں کے چہرے پر گرم لوہے سے داغ لگا دیا جاتا تھا۔ اور اس کے بعد یا تو ان کو جلاوطن کردیا جاتا تھا اور کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیئے جاتے تھے۔ برہمن لعدہ تارک الدنیا سادھو اقبال جرم کے لئے بھی عذاب وعقاب برداشت کرنے سے مستثنیٰ تھے[لف]؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ زمین کے محاصل اور اس کے انتظام کے متعلق بادشاہوں کی ہدایت کے لئے لکھے تھے"۔ (باب ۱۵۔ فصل ۱۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۷۵) "شارحین کی شاستروں کی شرحوں میں بے شمار متضاد باتوں کو دیکھ کر وشنو گپتا نے یہ مقولے تصنیف کیئے اور ان پر خود اپنی طرف سے شرحیں زیادہ کیں" (رسالۂ مذکورۂ بالا صفحہ ۱۱۷)؛

لف آرتھ ساشتر باب ۴۔ فصل ۱۱؛

لف آرتھ شاستر باب ۴۔ فصل ۸؛

کتاب کے قواعد صرف چھوٹی سی سلطنت کے لئے ہیں

مصنف شروع میں ہی یہ فرض کرلیتا ہے کہ وہ اصول جن کی اس نے تشریح کی ہے محض ایک چھوٹی سی سلطنت میں کام آئیں گے جو اور اپنے ہی مثل چھوٹی چھوٹی سلطنتوں سے گھری ہوئی ہو۔ اور یہ سب آپس میں یا تو کھلم کھلا یا خفیہ ایک دوسرے سے برسر نزاع و پرخاش ہوں۔ اس کتاب کے قواعد وضوابط بلا شک و شبہ ایک وسیع اور مستحکم سلطنت کی ضروریات کو بھی مہیا کرتے ہیں۔ اور یہ تو بالکل صریح ہے کہ کتاب اس وقت کی حالت سے بحث کرتی ہے جو موریا خاندان کے ہندوستان میں استحکام و استقلال سے پہلے کی تھی؛

تمام سلطنتیں حقیقی یا انتظامی طور پر ایک دوسرے کی دشمن ہوتی ہیں۔

ہمسایہ سلطنتوں میں دائمی امن و صلح ناممکن تسلیم کی گئی ہے۔ اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:۔

جو زیادہ طاقتور ہو دوسرے پر فوج کشی کرے۔[1]

اور جس کی طاقت رفتہ رفتہ زیادہ ہو رہی ہو

وہ بلا پس و پیش صلح کے معاہدے کو توڑ دے؛[2]

کوئی بادشاہ جو فاتح کی سلطنت کی سرحد کے قریب قریب واقع ہو اس کا دشمن ہوتا ہے؛[3]

جب مساوی طاقت کا بادشاہ صلح کو پسند نہ کرے تو اس کے حریف جس کو اس نے تکلیف دی ہو بدلے میں اسی قدر تکلیف اس کو بھی پہنچانی چاہیئے۔ کیونکہ طاقت کے وجود اور استعمال ہی سے دو بادشاہوں میں صلح اور امن قائم رکھی جا سکتی ہے۔ کبھی کوئی لوہا جو گرم کرکے پہلے سرخ

---

[1] باب ۷، فصل ۱۔ (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۲)؛

[2] باب ۷۔ فصل ۱۷۔ (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۰ء صفحہ ۵۹)؛

[3] باب ۶، فصل ۲؛

نہ کر لیا گیا ہو۔ دوسرے لوہے کے ساتھ ضم نہیں ہوا کرتا[۵۱]؎

سیاست مدانیں اخلاق کوئی چیز نہیں۔

اس حالت کا نتیجہ یہ تھا کہ موریا سلطنت کے استحکام اور قیام سے پہلے سلطنتوں کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہتے تھے اور ان میں تنازع للبقاء ہمیشہ جاری رہتا تھا۔ زبردست کا بول بالا رہا کرتا تھا۔ کوئی بادشاہ کسی دوسرے حکمران پر ایک لمحے کے لئے بھی بھروسہ نہ کر سکتا تھا۔ اور نہ پرانے عہود کو توڑنے میں تامل کرتا تھا بشرطیکہ وہ یہ محسوس کرلے کہ وہ ان کو توڑنے کی طاقت رکھتا ہے کسی قسم کے اخلاق و تہذیب کے خیالات کو سیاست میں جگہ نہ دی جاتی تھی۔ اور اس میں بالکل کھلم کھلا عیاری اور دغابازی (جس میں چھپ کر قتل کرنا بھی شامل تھا) کے وسائل و ذرائع اختیار کیئے جاتے تھے۔ یہ اصول کہ عوام کے معائب بادشاہوں کے محاسن ہوتے ہیں۔ صریحاً جاری و ساری تھا۔ اور تاریخ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر متواتر عمل بھی کیا جاتا تھا۔ سازش اور منصوبہ سازی میں مہارت اور دسترس بادشاہت کے لیئے طاقت یا حزم سے زیادہ قابلیت تصور ہوتی تھی[۵۲]؎

عام حالت شک اور جاسوسی

جس طرح دوراجاؤں کے تعلقات گہرے اور عام شکوک پر مبنی ہوتے تھے۔ اس طرح ہر ایک بادشاہ اپنے افسروں اور رعایا کے لیئے ان ہی اصول پر کاربند ہوتے تھے۔ کسی شخص کو معتبر نہ سمجھا جاتا تھا۔ حکومت ایک نہایت ہی باقاعدہ محکمۂ تفتیش و تجسس پر جو سلطنت کے تمام محکموں اور رعایا کی ہر ایک جماعت پر حاوی ہوتا تھا۔ بھروسہ کرتی تھی۔ جاسوسوں کے متعلق

---

[۵۱] باب ۷۔ فصل ۳۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۷)؎

[۵۲] باب ۷، فصل ۳ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۷)؎

قواعد وضوابط کو اس کتاب میں نہایت ممتاز جگہ دی گئی ہے۔ اور اس کے ہر باب میں یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ حکومت کی کل کے ٹھیک کام کا انحصار زیادہ تر اس بات پر ہے کہ خفیہ طور پر جو خبریں وصول ہوں ان کو کام میں لائیں[1]۔

فاحشہ عورتوں کی ملازمت

فاحشہ عورتوں سے جاسوسی کا کام لیئے جانے کی بابت سٹریبو کے بیان کی تصدیق اس مضمون کے متعلق ان قواعد سے ہوتی ہے جو اس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ یہ فاحشہ عورتیں ایک بڑی حد تک دربار کی ملازم خیال کی جاتی تھیں۔ اور اس قسم کی عورتیں ناظم اور نائب ناظم کے حکم کے مطابق شاہی چتر کے تھامنے۔ سونے کے آفتابے اور پنکھے کے اٹھانے۔ اور جب کبھی بادشاہ تخت پر بیٹھے یا رتھ یا پالکی میں سوار ہو تو اس کے ہمرکاب رہنے کا کام کرتی تھیں۔ ایک طول وطویل باب ان ہی فاحشہ عورتوں کے متعلق قواعد وضوابط سے بھرا ہوا ہے[2]۔ جاسوس خط مرموز استعمال کرتے تھے۔ اور خفیہ خبروں کے پہنچانے کے لیئے پیغامبر کبوتر سے کام لیا جاتا تھا[3]۔ خفیہ پولیس کا محکمہ "جاسوسی کے قواعد وضوابط" کے زیر نگرانی تھا۔ اور ان ہی قواعد وضوابط کے موافق تمام رپورٹوں کو جانچا جاتا تھا۔

شہزادے کیکڑوں کی مانند متصور ہوتے تھے۔

بادشاہ اپنے خاندان کے اراکین سے ہمیشہ ڈرتا رہتا تھا۔ "سلطنت کی وجہ سے باپ سے بیٹے اور بیٹا باپ سے دشمنی کرتا تھا[4]۔" جہانگیر نے صدیوں بعد اسی اصول کا اعادہ ان الفاظ میں کیا کہ "بادشاہت کے معاملے میں

[1] اس کے متعلق قواعد زیادہ تر باب ۱۔ فصل ۱۱ ۔ ۱۲ میں ہیں۔
[2] باب ۲۔ فصل ۲۷۔
[3] باب ۲۔ فصل ۳۴۔
[4] باب ۵۔ فصل ۶ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۰۸)۔

بیٹے اور داماد کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور بادشاہ کا کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہوتا[1]۔" اسی قسم کا ایک اور مقولہ یہ ہے کہ "شہزادے کیکڑوں کی مانند ہیں۔ اور وہ ان کی طرح اپنے والدین کو کھا کر ہضم کر جانے میں مشتاق ہوتے ہیں[2]"۔

بادشاہ کے فرائض۔ ایک خود مختار اور غیر ذمہ دار بادشاہ سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ سخت محنت و تندہی سے کام کرے گا۔ ان الفاظ میں جن سے پڑھنے والے کو عام طور پر اشوک کے فرامین کا شبہ ہوتا ہے ہمارا مصنف کہتا ہے کہ۔

بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ بذات خود۔ [redacted] وید کے عالموں۔ مویشیوں۔ عبادت گا[redacted] مصیبت زدوں۔ بیکسوں اور عورتوں [redacted]

یہ تمام کام جس طرح سے لکھے گئے ہیں اس ترتیب سے یا جس طرح کہ ان کی ضرورت محسوس ہو انجام دینے چاہیئں۔

تمام ضروری مقدمات کی سماعت فوراً کرنی چاہیئے۔ اور ان کو ملتوی کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر ان کو ایک مرتبہ معرض التوا میں ڈال دیا گیا تو پھر ان کو سنبھالنا اور انجام دینا ناممکن ہو جائے گا[3]۔

شاہی مجلس بادشاہ کی مدد کے لیئے ایک شاہی مجلس مقرر رہتی تھی۔ جس کے اراکین کی تعداد بعض مصنفوں کی رائے کے مطابق بارہ یا سولہ ہونی چاہیئے۔ لیکن چانکیا کی رائے کے مطابق ان مشیروں کی تعداد اتنی ہونی چاہیئے جتنی کہ سلطنت کی ضرورت کے لیئے

---

۱ تزک جہانگیری۔ مترجمہ راجرس اور بیورج۔

۲ باب ۱ فصل ۱۷۔

۳ باب ۱ فصل ۱۹۔

کافی ہو[1]۔

محکمے　حکومت کے بارہ محکموں کا مفصل ذکر ہے۔ اور تمام بڑے بڑے عمّال کی لمبی چوڑی فہرست اس میں مندرج ہے۔ ان میں حاجب۔ صدر محاسب۔ صدر نگران مال۔ مہتمم محکمۂ زراعت مہتمم محکمۂ حرفت و صنعت وغیرہ شامل ہیں[2]۔

وہ پنچایتیں جن کا ذکر مگاس تھنیز نے کیا ہے کہ دار السلطنت اور افواج کے تمام کام ان کے سپرد تھے۔ ان کا چانکیا کی کتاب میں کہیں پتہ نشان نہیں۔ اور وہ ان کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ ان میں ہر ایک محکمہ صرف ایک ہی عامل کی سپردگی میں کام کرتا تھا۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ پنچایتیں چندر اگپتا کی ہی خود ساختہ اور جدّت طبع کا نتیجہ ہوں۔ مگر اس کے علاوہ یہ کتاب بہت سے یونانی بیانات کی موٴید اور مصدق ہے۔

مشاہرے اور سکّے　اس میں مشاہروں کی شرح کی ایک نہایت عجیب و غریب جدول بھی پائی جاتی ہے۔ تنخواہوں کی شرح ولی عہد اور چند اور بڑے بڑے ملکی عہدے داروں کے مشاہرے (۴۸۰۰۰) سالانہ چاندی کے پنوں سے لے کر ایک مزدور کی تنخواہ (۶۰) پنوں تک دی جاتی تھی[3]۔ چاندی کے پنہ کا کوئی نمونہ دریافت نہیں ہوا۔ مگر گمان غالب یہ ہے کہ اس کا وزن تانبے سکے ایک کرشن کے برابر یعنی (۱۴۶) گرین ہوتا ہوگا۔ "چھدے ہوئے" غیر خالص چاندی کے سکّے (پران یا دہرن)[4] جن کے متعلق معلوم ہے کہ وہ تصنیف کے زمانے میں عام طور پر مستعمل ہوتے تھے۔ وزن میں (۵۶) گرین کے معیار سے مسکوک کیے جاتے تھے۔

---

[1] باب ۱۔ فصل ۱۵۔

[2] باب ۱۔ فصل ۱۲ و ۱۵۔

[3] باب ۱۰۔ فصل ۳۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ صفحہ ۲۶۳۔

[4] سکّے کے لیے دیکھو باب ۲۔ فصل ۱۲ و ۱۴۔

ممکن ہے کہ یہ چاندی کا پنہ صرف حساب و کتاب کے لئے کام آتا ہو۔ ایک چاندی کے پنہ کی قدر جس میں "چھدے ہوئے" سکے کی طرح بہت کھوٹ ملا ہوا ہوتا تھا۔ ایک شلنگ سے کچھ زیادہ نہیں ہوسکتی ؎

مالیات نہایت درست اصول کی تلقین یہ ہے کہ "تمام کارروائیوں کا دارومدار مالیات پر ہے۔ اور اسی وجہ سے خزانے پر سب سے زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے"؎ یہ ناممکن ہے کہ میں مالی انتظامات کی ہر ایک شق کو تفصیل سے بیان کروں۔ مگر چند امور کا ذکر کئے دیتا ہوں ؎

محصول اراضی اور محصول آب موجودہ زمانے کے افسر بندوبست کی طرح مہتمم محکمۂ زراعت کا یہ کام تھا۔ کہ اراضی کی جمعبندی آب پاشی کے مختلف وسائل کے لحاظ سے کرے۔ زمین کی پیداوار کا وہ حصہ جو سلطنت کو "مالگذاری" یا شاہی لگان کے طور پر ادا کیا جاتا تھا۔ عموماً چوتھائی ہوا کرتا تھا۔ اور محصول آب کے طور پر بھی اسی کے قریب قریب یعنے پانچویں حصے سے تیسرے حصے تک ان کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے ابواب بھی ان پر لگائے جاتے تھے۔ ان سب کو ادا کرنے کے بعد مصنوعی طور پر سیراب کی ہوئی زمین کے کاشت کار کے پاس بمشکل اس کی کھیت کی پیداوار کا آدھا حصہ رہ جاتا تھا ؎

نذرانے اس کے علاوہ خاص خاص موقعوں پر تمام رعایا برایا کا یہ فرض تصور کیا گیا تھا کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں نذرانے گذرانیں۔ ان نذرانوں کو بادشاہ اپنی سمجھ سے جب چاہے عائد کر دیتا تھا۔ وہ تجاویز جن کے ذریعے اور وسیلے سے ایک نادار بادشاہ اپنی رعایا سے روپیہ وصول کر سکتا تھا اپنی نوعیت میں مکاولی کی تجاویز سے کسی صورت میں کم نہیں۔ کشمیر کی تاریخ میں ایسی بہت ہی افسوس ناک مثالیں ملتی ہیں جن میں

سلہ باب ۲۔ فصل ۸ ؎
سلہ باب ۲۔ فصل ۲۴ ؎

مصنف موصوف کے اصول پر عمل کیا گیا ہے۔

اعزازات کی فروخت۔ موجودہ زمانے کے ماہر مالیات کچھ بہت اس بات کے خلاف نہیں پائے جاتے کہ "دولتمندوں پر نہایت بھاری بھاری محصول لگا لگا کر غریب کر دیا جائے۔ یا کوئی ایسی ترکیب کی جائے وہ ان سے ان کے جمع کئے ہوئے مال کو اگلوا لینے میں کامیاب ہوں"[1] اسی طرح اعزازات کے فروخت کا طریقہ بھی یورپ میں بالکل غیر معلوم نہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار اس صاف گوئی سے نہیں کرتے جتنا کہ چانکیا نے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:-

دولتمند اشخاص سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اپنی دولت میں سے جتنا ہو سکے بادشاہ کو دے دیں۔ وہ لوگ جو خود بخود یا کسی رفاہ عام کی خاطر بادشاہ کی خدمت میں اپنا روپیہ پیش کریں۔ ان کو دربار میں کوئی نہ کوئی مرتبہ یا عہدہ دے دیا جائے۔ جیسے کہ ایک چھتر۔ یا پگڑی۔ اور یا اسی قسم کا کوئی اور زیور جو ان کے روپیے کے بدلے میں دیا جائے۔[2]

فروخت پر محصول قلعہ دار شہروں میں جیسا کہ مگاس تھنیز نے بیان کیا شاہی محاصل کا بڑا حصہ فروخت پر محصول لگانے سے وصول ہوتا تھا۔ پبلک آمدنی کی اہم مد کے جمع کرنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے یہ قاعدہ کلی مقرر کر دیا گیا تھا۔ کہ چیزیں اسی جگہ جہاں وہ پیدا ہوں یا تیار کی جائیں فروخت نہ ہوں[3]۔ قانون کے مطابق تمام قابل فروخت اشیا (سوا غلہ۔ مویشی اور چند اور چیزوں کے) شہر کے دروازے کے قریب ایک بازار میں

---

[1] باب ۴۔ فصل ۲۔

[2] باب ۵۔ فصل ۲ (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۶۱)۔

[3] باب ۲۔ فصل ۲۲۔

لائی جاتی تھیں۔ اور وہاں اگر وہ فروخت ہو جائیں تو ان پر محصول وصول کیا جاتا تھا۔ محصول اسی وقت لگایا جاتا تھا کہ بیع قطعی واقع ہو جائے۔ اس کی شرحیں بہت مختلف تھیں۔ بیرونی ممالک سے مال کی درآمد پر سات قسم کا محصول لگایا جاتا تھا۔ اور یہ بہ ہئیت مجموعی بیس فی صدی ہو جاتا تھا۔ خراب ہو جانے والی اشیا (جیسے میوے یا ترکاریوں) پر قیمت کا چھٹا حصہ یا ۱۶ ۲/۳ فی صدی کے حساب سے لگایا جاتا تھا۔ اسی طرح اور قسم کی اشیا پر محصول کی شرح ۴ سے ۱۰ فیصدی تک تھی۔ نہایت بیش بہا چیزیں جیسے جواہرات پر خاص شرح لگائی جاتی تھی جس کو ماہرین فن مقرر کرتے تھے۔ تمام ان اشیا پر جو قابل فروخت ہوں سرکاری طور پر مہر کی جاتی تھی[1]۔

اعداد و شمار پیدائش و اموات کے اعداد و شمار محفوظ رکھنے کے متعلق یونانی بیانات کی تصدیق ان قواعد سے ہوتی ہے جن کی رو سے **ناگرک** (یعنے کوتوال شہر) کے لئے لازمی تھا کہ اپنے علاقے کے آیند و روند کے اعداد و شمار کو محفوظ رکھے۔ اس کا یہ فرض تھا کہ مردم شماری کا بیان بالکل درست رکھے جس میں، ہر ایک باشندۂ شہر کی جنس۔ ذات۔ نام۔ خاندانی نام۔ پیشہ۔ آمدنی۔ خرچ اور مقبوضہ مویشیوں کی تعداد کے متعلق مفصل اطلاع مندرج ہو۔ قواعد مالیات کی خلاف ورزی کرنے کی سزا عام طور پر جائداد کی ضبطی یا جرمانہ ہوا کرتا تھا۔ مگر دیدہ و دانستہ جھوٹے بیانات بنانے والا اسی سزا کا مستوجب ہوتا جو چوری کے لئے مقرر تھی۔ اور یہ سزا موت تک ہو سکتی تھی[2]۔

آبکاری کا محصول آبکاری کے اجازت ناموں کا باقاعدہ اور باضابطہ انتظام تھا۔ بیرونی ممالک کی شراب پر خاص شرحوں سے محصول لگایا جاتا تھا۔ ان میں کپس یا افغانستان کی شرابیں بھی شامل تھیں۔

---

[1] باب ۲ فصل ۲۱-۲۲۔ بعد کے زمانے اور غالباً موریا خاندان کے زمانے میں عام طور پر یہ مہر سیندور سے لگائی جاتی تھی۔

[2] باب ۲ فصل ۳۵-۳۶۔

شراب خواری کے موجودہ مصلحین کو شاید مندرجہ قواعد وضوابط بہت ناگوار گذریں گے:۔

"شراب خانوں میں متعدد کمرے ہونے چاہئیں اور وہ کرسیوں اور نشستوں سے آراستہ ہونے چاہئیں۔ شراب خانوں میں موسم کی تبدیلی کے لحاظ سے تمام آسایش کی چیزیں ہونی چاہئیں۔ اور پھولوں کے ہار، خوشبوئیں اور عطریات ان میں ہر وقت مہیا رہنے چاہئیں[1]"

ضابطۂ تعزیرات مصنف کہتا ہے کہ سیاست مدن کی تعریف دوسرے الفاظ میں "فن سزا" کی جاسکتی ہے۔ اسی وجہ سے ضابطۂ تعزیرات نہایت ہی سخت تھا۔ اس کتاب میں ان معاملات کی تفصیل سے یونانی بیانات کی ایک حد تک تصدیق ہوتی ہے۔ سزا کی سختی کی مثال کے طور پر صرف یہ بیان کردینا کافی ہوگا کہ سرکاری عامل سے اگر ۸ سے لے کر ۱۰ پنے تک کی چوری سرزد ہو تو اس کی سزا موت تھی۔ اور غیر سرکاری آدمی سے اگر ۴۰ سے لے کر ۵۰ پنے تک کی چوری کی بھی یہی سزا تھی[2]۔

قانونی تعذیب اقبال جرم کرانے کے لئے تعذیب کے عمل کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور اُسے کھلم کھلا استعمال کرتے تھے۔ اس کے متعلق بہت سے نکروہ قواعد اس میں مذکور ہیں۔ عام اصول یہ تھا کہ "وہ لوگ جن کے متعلق یقین ہو کہ وہ مجرم ہیں ان کی تعذیب ہونی چاہئے"۔ اس کی اٹھارہ قسمیں تھیں اور ان میں سات قسم کی تازیانے ہی کی سزا تھی۔ بعض حالات میں اس آفت رسیدہ شخص کو "ان میں سے کسی ایک یا سب قسم کی تعذیب کی جاسکتی تھی"۔ عورتوں کی

[1] باب ۳ ۔فصل ۲۵۔
[2] باب ۱ ۔فصل ۴۔

تعذیب کے متعلق یہ فرض کیا جاتا تھا کہ ان کو مردوں سے آدھی تعذیب کرنی چاہئے[1]۔ اس زمانے میں بھی پولیس کے ہر ایک ہندوستانی جوان کا یہ عقیدہ ہے کہ تحقیق و تفتیش کا اصلی مقصد یہ ہے کہ مجرم سے اقبال جرم کرا لے اور اس کے خیال میں اقبال کرانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ وہ اس کو تعذیب کرے۔

چانکیا کا تعزیرات نہ صرف تعذیب اور معمولی جرائم کے سنگین سزا ہی تجویز کرتا ہے۔ بلکہ بہت سے جرائم کے لئے اس نے قطع اعضا بھی تجویز کیا ہے۔

ارتھ شاستر ایک عملی کتاب ہے۔

اگرچہ اکثر حیرت انگیز اور دلچسپ تفصیلیں ضرورۃً قلم انداز کردی گئی ہیں۔ مگر امید ہے کہ مندرجۂ بالا خلاصے سے ناظرین کو بخوبی ان اصولوں کا صحیح اندازہ ہو گیا ہوگا جن پر کہ سکندر اعظم کے زمانے میں شمالی ہند کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کا نظم و نسق قائم تھا۔ اگرچہ چانکیا کی کتاب میں بہت سے قواعد ایسے ہیں جو محض تماشا معلوم ہوتے ہیں اور محض قیاسات پر قائم ہیں مگر پھر بھی یہ یقینی ہے کہ اس کتاب کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس کے قواعد و ضوابط نظم و نسق کے لئے کام میں لائے جائیں۔ اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو کتاب مطالعے کے قابل ہے۔ منو کی کتاب یا دوسری دھرم شاستروں میں برہمنوں کی اعلیٰ درجے کی تعلیم مضمر ہے۔ مگر چندر اگپتا کے وزیر نے اپنی کتاب میں ان تعلیمات سے بالکل سروکار نہیں رکھا بلکہ بالکل صریح اور صاف طور پر چوتھی صدی قبل مسیح کے راجاؤں اور ان کے برہمن مشیروں کی بد اخلاقیوں کا مرقع ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کوئی بڑی سلطنت[2] ایسی قائم نہیں ہوئی تھی جو تقریباً تمام ہندوستان پر حاوی ہو جائے۔

---

[1] باب ۴۔ فصل ۸۔

[2] دیکھو ضمیمہ خ۔

چندرا گپتا کی کامیابی۔

چندرا گپتا جوانی کے عالم میں تخت پر بیٹھا اور کیونکہ اس نے صرف چوبیس برس حکومت کی اس لئے جس وقت وہ تخت و تاج سے دست بردار ہوا یا مر گیا اس کی عمر زیادہ سے زیادہ صرف پچاس کی ہوگی[1]۔ اپنی زندگی کے اس تھوڑے سے زمانے میں اس نے بڑے بڑے کام کئے مقدونی فوجوں کو ہندوستان سے نکالنا۔ سائلوکس فاتح کو کامل شکست دے کے ملک سے نکال دینا۔ کم سے کم ایک طرف سے لے کر دوسری طرف تک تمام شمالی ہند کو زیر کرنا۔ ایک زبردست فوج تیار کرنا۔ اور ایک عظیم الشان اور وسیع سلطنت کا کامل نظم و نسق، یہ تمام کارنامے ایسے ہیں جو کسی طرح بھی بے وقعت نہیں ہو سکتے۔ چندرا گپتا کی طاقت ایسی مستحکم ہو چکی تھی کہ وہ نہایت امن و اماں کے ساتھ اس کے بیٹے اور پوتے تک منتقل ہو گئی۔ اور یونانی بادشاہوں نے اس سے اتحاد و ارتباط کی خواہش کی یونانیوں نے سکندر اعظم اور سائلوکس کے ہندوستانی حملوں کی یاد کو پھر کبھی تازہ نہ کیا۔ اور صرف اسی پر کفایت کی کہ اس کے بادشاہوں کے ساتھ تین پشتوں تک

---

[1] جب وہ ۳۲۶ یا ۳۲۵ ق م میں سکندر سے ملا تو وہ نہایت کم عمر تھا۔ (پلوٹارک کی الکزنڈر۔ باب ۶۲):

"یہ چندرا گپتا جو ابھی بالکل ہی جوان تھا دفعتہً ایک بڑی مملکت کا بادشاہ ہو گیا۔ اور ہزاروں محکوموں پر حکومت کرنے لگا۔" (مدرا راکشس ایکٹ ۲۔ ولسن کا صفحہ ۲۴۹)۔ ٹرنر اور وجے سنہا کے مہاونس کے ترجموں میں جو یہ بیان پایا جاتا ہے کہ چندرا گپتا نے چونتیس ۳۴ برس حکومت کی یہ کاتب کی غلطی ہے (دیکھو رہس ڈیوڈس کی کتاب اینشنٹ کائنز اینڈ میژرس آف سیلون۔ صفحہ ۴۱)۔ گیگر کے ترجمے میں باب ۵ صحیح طور پر چوبیس ۲۴ برس کا ذکر ہے۔ اس معاملے میں چونکہ بدھ مذہب اور برہمنوں کے اسناد متفق ہیں۔ اس لئے اس میں شک کی گنجائش نہ سمجھنا چاہئے۔"

دوستانہ مصلحتی اور تجارتی تعلقات قائم رکھے[۱]۔

یونانی اثرات کی عدم موجودگی۔

جیسا کہ بعض مصنفین کا خیال ہے موریا سلطنت کسی صورت سے بھی سکندر اعظم کی عالیشان ناپائدار فوجی مہم کا نتیجہ نہ تھی۔ انیس مہینے جو اس کو ہندوستان میں گذرے تمام تر تباہ کن جنگلوں کی نذر ہو گئے۔ اور اس کی موت کی وجہ سے اس کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور چندراگپتا کو ضرورت نہ تھی کہ وہ سلطنت کے مفہوم کو سکندر کی مثال سے حاصل کرے۔ اس کے اور اس کے ہم وطنوں کی نظروں کے سامنے ایران کی کیانی سلطنت کا عظیم الشان کارخانہ موجود تھا۔ اور یہی وہ سلطنت تھی جس نے ان لوگوں کے دل و دماغ پر اثر کیا تھا۔ انھوں نے اسی کے نمونے پر اپنی سلطنت کے آئین کو بنایا جس حد تک کہ وہ خالص ہندی نہ تھے۔ چندراگپتا کے دربار اور انتظام میں جہاں کہیں غیر ممالک کے اثر کا شائبہ جن کا ذکر ہماری متفرق اسناد میں ہے پایا جاتا ہے وہ یونانی نہیں بلکہ ایرانی ہیں صوبہ دار کے لئے ستریپ کا ایرانی خطاب ایک بڑی مدت یعنے چوتھی صدی عیسوی کے آخر تک ہندوستان میں مروج رہا[۲]۔

۱؎ چندراگپتا کے سائلوکس کے پاس زود اثر قوت مردی کی دوائیں بھیجنے کے عجیب و غریب قصے کیلئے دیکھو فیلارکس۔ اور اپولونئس وسکوبوس جو ملر کی کتاب "فرگمنیٹا۔ ہسٹاریکورم گریکورم" جلد اول صفحہ ۴۴۳ میں منقول ہے۔

۲؎ سوراشٹر (یعنے کاٹھیاوار) مغربی ہند میں سک قوم کے ستریپ کو آخر میں چندرگپت (ثانی) نے بکرماجیت سنہ ۳۹۰ء میں فتح کیا۔ دیکھو "پرشین انفلوئنس آن موریا انڈیا" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۰۱۔ اس محب وطن ہندو نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چندراگپتا کو نمونے کی خاطر ایران تک جانے کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ اس کے لئے رامائن میں دسرتھ ہی کی کہانی کافی تھی۔

ہندوستان کا فوجی نظام۔

چندرا گپتا کے فوجی نظام میں بھی کوئی یونانی اثر نہیں پایا جاتا۔ یہ مبنی ہے اسی قدیم ہندی نمونے پر۔ اس کی عظیم الشان فوج محض ایک ترقی یافتہ صورت اس عظیم فوج کی تھی جو کسی زمانے میں مگدھ میں موجود تھی۔ ہندی بادشاہ عموماً فتح کے لئے زیادہ تر اپنے ہاتھیوں پر اعتماد کرتے تھے۔ ان سے اتر کر جنگی رتھوں اور پیادہ فوج کی کثرت پر سوار فوج نسبتاً تعداد میں کم اور بیکار ہوتی تھی۔ اس کے خلاف سکندر نے نہ ہاتھیوں سے کام لیا اور نہ رتھوں سے بلکہ اس نے تمام انحصار نہایت ہی اعلیٰ درجے کے قواعد داں رسالے پر کیا۔ جن کو وہ نہایت ہنرمندی اور جلادت سے کام میں لاتا تھا۔ خاندان سائلوکس کے بادشاہ بھی ایشیائی طریقے پر کاربند ہوئے اور اسی پر قناعت کی اور ہاتھیوں پر بھروسہ کرنے لگے[1]۔

چندرا گپتا کی تخت سے دست برداری

جین روایات بیان کرتی ہیں کہ چندرا گپتا موریا مذہباً جین تھا۔ اور اس موقعہ پر جب بارہ سال علی الاتصال قحط پڑا تو وہ تخت و تاج سے دست بردار ہو گیا۔ اور جین کے ایک بزرگ بھدرا باہو کے ہمراہ جنوبی ہند کی طرف چلا گیا۔ اور سنیاسی کی حیثیت سے موجودہ ریاست میسور کے سراون بلگول مقام پر رہتا رہا۔ بالآخر اسی جگہ جہاں اب بھی اس کا نام یادگار ہے فاقہ کر کے جان دے دی۔ اس کتاب کی دوسری ایڈیشن میں میں نے اس روایت کو بالکل رد کر دیا تھا۔ اور اس کے متعلق کہا تھا کہ یہ "محض خیالی تاریخ ہے"۔ مگر اب دوبارہ تمام اسناد اور ان تمام اعتراضات پر جو اس حکایت کی صداقت کے متعلق کئے جاتے ہیں غور کرنے کے بعد میرا یہ خیال ہے کہ غالباً یہ روایت ایک حد تک صحیح ہے۔ اور درحقیقت چندرا گپتا تخت سے دست بردار ہوا تھا۔ اور جین سنیاسی ہو گیا تھا۔ تمام

---

[1] دیکھو بیون کی کتاب "ہاؤس آف سائلوکس" جلد دوم صفحہ ۲۸۹۔

روایتوں کے بیان اس قسم کے اور بیانات کی طرح بلاشک وشبہ قابل تنقید ہوتے ہیں۔ اور نوشتے اور تحریری سندیں واقعی ثبوت کے لئے کافی نہیں۔ لیکن پھر بھی میرا اس وقت قیاس ہے کہ یہ روایت یقیناً صحیح واقعے پر مبنی ہے[۱]۔

۲۹۸ ؁ق م بندسار۔

جب چندراگپتا ۲۹۸ ؁ق م میں تخت سے دست بردار ہوگیا یا مر گیا۔ تو اس کا بیٹا بندسار اس کا جانشین ہوا۔ مگر یونانی مصنف اس نام سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور چندراگپتا کے جانشین کے ناموں کو وہ ایسے یونانی الفاظ میں ادا کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنسکرت لقب "امتراگھاٹ" (یعنے دشمن کش) کا ترجمہ کرنا چاہتے ہوں[۲]۔ ہندوستان اور یونان کی

---

[۱] مسٹر لیوس رائس نے نہایت زور شور سے اس روایت کی اپنی بعض کتابوں میں تصدیق کی ہے۔ ان میں سے آخری کتاب "میسور اینڈ کرگ فرام دی انسکرپشنز" ہے مطبوعہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۹۔ ڈاکٹر فلیٹ اس کے برخلاف اس کی اس روایت کے غلط ہونے پر مصر ہے۔ اور اپنے خیالات کا اظہار "انڈین انٹی کویری" جلد ۲۱۔ (۱۸۹۲ء) صفحہ ۲۸۷۔ ایپی گریفیکا انڈیکا جلد ۳ صفحہ ۱۷۱ نوٹ میں اور چند مرتبہ جے۔آر۔اے۔ایس میں کیا ہے۔

[۲] موریا خاندان کے متعلق سنین کے لئے دیکھو "اشوکا۔ دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" (کلیرنڈن پریس۔ دوسری ایڈیشن ۱۹۰۹ء) صفحہ ۷۲-۷۳۔ بندسار کا نام ہندوؤں کے "وشنو پران"۔ جینوں کی "پری سشٹپرون" اور بدھ مذہب کی "مہاوس" اور "دیپاوس" میں پایا جاتا ہے۔ دوسری پرانوں میں اس نام کے متعلق جو اختلاف ہے وہ محض کاتب کی غلطی پر مبنی ہے۔ سٹریبو کے بعض نسخوں میں "ایلی ٹروگیڈیس" بھی پایا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی نام کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اتھینوس نے جو نام لکھا ہے وہ غالباً سنسکرت لفظ کے ترجمہ کرنے کی کوشش ہے۔ ہندوستان کے بادشاہ اکثر ایک سے زیادہ ناموں سے موسوم ہوتے ہیں۔

طاقتوں میں وہ دوستانہ تعلقات جو چندر اگپتا اور سائلوکس کے زمانے میں پیدا ہوئے اس کے بیٹے بندسار کے عہد میں برابر جاری رہے۔ اس کے دربار میں بجائے مگاس تھنیز کے ڈیمکاس سفیر کے طور پر رہا۔ اس سفیر نے بھی اپنے پیشرو کی پیروی کی اور اس ملک کے حالات برابر لکھتا رہا۔ مگر بدقسمتی سے اس کے لکھے ہوئے حالات بہت ہی کم ہم تک پہنچے ہیں۔ جب خاندان سائلوکس کا معمر بانی ۲۸۰؁ ق م میں قتل کیا گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا انٹی آکس سوٹر تخت نشین ہوا تو وہ ہندوستان کے متعلق اپنے باپ کی مصلحت پر کاربند رہا۔

انٹی آکس سوٹر سے خط و کتابت۔ بندوسار اور انٹی آکس کے درمیان خط و کتابت کی حکایت اگرچہ بذات خود بالکل فضول ہے۔ مگر اس وجہ سے قابل نقل ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے راجہ اور اس کے مغربی ایشیا کے متحد بادشاہ میں کس طرح بے تکلفی سے خط و کتابت ہوتی تھی۔ بندسار سے یہ کہا گیا کہ انجیر سے زیادہ کوئی چیز شیریں نہیں ہوتی۔ چنانچہ بندسار نے اپنے دوست کو لکھا کہ وہ اس کے لئے کچھ تھوڑی انجیر اور کشمش کی شراب روانہ کردے۔ اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ ایک ماہر فن معلم بھی خرید کر ساتھ کردے۔ انٹی آکس نے اس خط کا یہ جواب دیا کہ وہ نہایت خوشی سے انجیر اور کشمش کی شراب روانہ کرتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ دوسری چیز روانہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یونانیوں کے ہاں ماہر فن معلم کا فروخت کرنا قانونًا ناجائز ہے۔

ڈیونی سئاس کی سفارت۔ ٹولمی فلیڈلفس جس نے مصر پر ۲۸۵؁ سے ۲۴۷؁ ق م تک حکومت کی اُس نے بھی ایک سفیر ڈیونی سئاس نام ہندوستان کے بادشاہ کے دربار میں روانہ کیا۔ اس نے بھی اور سفیروں کی طرح اپنے تجربوں کو قلمبند کیا۔ یہ پہلی صدی عیسوی میں موجود تھا۔ اور پلینی نے اس کے بیانات سے استفادہ کیا ہے[۱]۔ یہ بات یقینی نہیں کہ

[۱] پلینی کی ہسٹری نٹ (۶)۔ جلد چہارم صفحہ ۱۷ (۶) پلینی کی کتاب کے متعلق خیال ہے کہ وہ

ڈیونی سئاس نے اپنی اسناد سفارت بندسار کے دربار میں پیش کیں یا اشوک کے دربار میں۔

فتح دکن۔ بندسار کی اندرونی پالیسی کے متعلق بالکل کچھ مواد نہیں ملتا۔ (جس کی حکومت ۲۵ یا ۲۸ برس تک رہی)۔ اور نہ اس کے زمانے کی کوئی عمارت یا کتبہ اب تک دریافت ہوا۔ گمان غالب یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے قدم بقدم چلتا رہا۔ اور ہندوستان کی حدود کے اندر الحاق اور فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ بندسار کے بیٹے اور جانشین راجہ اشوک کی مملکت کے حدود کافی صحت کے ساتھ معلوم نہیں۔ اور یہ یقینی ہے کہ اس کی سلطنت جس میں نیم خودمختار زیر حمایت ریاستیں بھی شامل تھیں تقریباً ضلع نلور ۱۴°-۷ ٢ شمال کی عرض بلد تک پہنچی تھی[1] دریائے نربدا کے جنوب کا علاقہ اشوک کی فتوحات سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس نے صرف کلنگ کے علاقے کو جو خلیج بنگالہ کے ساحل پر واقع تھا فتح کیا تھا۔ اور یقیناً یہ فتح ابتدائی زمانے میں ہوئی ہوگی جس کی اطلاع ہم تک نہیں پہنچی۔ خود چندرا گپتا کی چوبیس سالہ حکومت کے زمانے کے متعلق ہم کو ان واقعات سے جو اس میں واقع ہوئے پوری واقفیت ہے۔ اور وہ ان واقعات میں بالکل مصروف معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ وہ گمنامی سے بادشاہت تک پہنچے۔

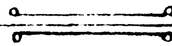
بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ۱۸۳۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

[1] مسٹر رائس کے خیال کے مطابق میسور میں تعلقہ شکارپور کے گاؤں بندن میں بارھویں صدی عیسوی کا ایک کتبہ پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کُنتلا موریا خاندان کا صوبہ تھا۔ یہ غالباً دریائے بھیما و یداوتی کے درمیان کا علاقہ ہوگا۔ اس کے شمال میں گھاٹ تھے۔ اور اس میں شموگا۔ چیتل درگ۔ بلاری۔ دھرور۔ بیجاپور۔ اور متصل احاطۂ بمبئی۔ اور سلطنت آصفیہ کے شمالی علاقے شامل ہوں گے (میسور گزیٹیر ۱۸۹۷ء جلد اول صفحہ ۲۸۹)۔

مقدونی افواج کو پسپا کرنے - پاٹلی پترا میں انقلاب برپا کر کے ایک شاہی خاندان کی بنیاد ڈالنے آریانہ پر قبضہ کرنے - اور اپنی سلطنت کو خلیج بنگال سے بحیرۂ عرب تک وسعت دینے کے علاوہ اس کو آتنا وقت اور بھی ملا ہو کہ وہ کچھ اور کام انجام دے سکے ؛

غالباً یہ فتح بندسار کے ہاتھ پر ہوئی۔

دکن یا جزیرہ نمائے ہند نلور کے عرض بلد تک اس حالت میں ضرور یا چندراگپتا یا بندسار کے ہاتھوں فتح ہوا ہوگا - کیونکہ اشوک کو یہ علاقہ اپنے باپ سے ترکے میں ملا تھا۔ اور اُس کی صرف ہی ایک جنگ یعنے فتح کلنگ کا تذکرہ ملتا ہے - اور اغلب یہ ہے کہ یہ کام بندسار کا تھا - اور اس کے باپ چندراگپتا نے اپنی مشغولیت کی وجہ سے اسے نہ کیا ہوگا[1] - لیکن چندراگپتا کی تمام زندگی کے کارنامے جو اب تک معلوم ہوئے ہیں ایسے تعجب خیز ہیں اور اس کی طاقت ایسی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ جنوب کی فتح بھی اُس کے فتوحات کی فہرست میں شامل کر دی جائے - اس نگاہ غلط انداز کے ساتھ بندسار کی شخصیت سائے کی طرح ہماری نظر سے ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتی ہے - آیندہ دو باب تمامتر راجہ اشوک کی تاریخ کے نذر ہوں گے جو واقعی طور پر نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہوں کی صف میں جگہ پانے کا ادعا کرتا ہے ؛



[1] تارناتھ (شیفنر صفحہ ۸۹) نے مشرقی اور مغربی سمندروں کے درمیان کے علاقے کی فتح بندسار اور چانکیا کے ساتھ منسوب کی ہے - ۱۲ ؛

ضمیمۂ ح

سائلوکس نکیٹر کے مفوضہ ملک ایریانہ کے حدود

کتاب کے متن کا بیان کہ سائلوکس نیکیٹر نے ۳۰۳ ق م میں جو علاقہ چندرا گپتا موریا کو تفویض کیا اس میں درحقیقت پیروپنی سڈی (کابل)۔ ایریہ (ہرات)۔ اراکوسیہ (قندھار)۔ اور غالباً گدروسیہ (مکران) یا اس صوبے کا بہت بڑا حصہ شامل تھا۔ میری کتاب راجہ اشوک کے مطابق[۵۱] اور ڈرائسن۔ اور اور دوسرے مشہور و معروف علماء کے بیانات پر مبنی ہے ؛

اس پر مسٹر بیون کی نکتہ چینی

اگر مسٹر بیون نے میرے اس بیان تک کی مخالفانہ نکتہ چینی کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ " یہ بیان ثبوت کا تو کیا ذکر اقربن قیاس ہونے کی حد سے بھی گرا ہوا ہے[۵۲] " اس لئے یہ ثابت کر دینا ضرور ہے کہ اس واقعے کے بہت مستحکم دلائل موجود ہیں۔ اس کے متعلق اصلی اسناد پانچ ہیں۔ سٹریبو (اس کی صرف دو عبارتیں ہیں)۔ اپین۔ پلوٹارک جسٹن۔ اور پلینی۔ اور کیونکہ متنازعہ فیہ عبارتیں نہایت مختصر ہیں

---

[۵۱] اشوکا۔ دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۱۵ ؛

[۵۲] "مسٹر وی۔ اے سمتھ (اشوکا صفحہ ۶۶) سٹریبو کی عبارت نقل کرتا ہے کہ سائلوکس نے آریانہ کا بڑا علاقہ اس کے تفویض کر دیا۔ مگر اس کا سٹریبو نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ اراکوسیہ۔ کابل۔ اور یہاں تک کہ گدروسیہ کا علاقہ بھی ہندی راجہ کے حوالے کرنے میں مسٹر سمتھ کے ثبوت کا تو کیا ذکر قرین قیاس ہونے کی حد سے بھی زیادہ ہے ۱۲ ؛

اس لئے ان کو ہو بہو نقل ہی کر دیا جائے تو بہتر ہے تاکہ ہر ایک شخص ان کو دیکھ کر خود نتائج اخذ کر سکے۔ موجودہ مصنفوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سب انہی عبارتوں پر مبنی ہے؛

سٹربیو کے قول کی تشریح۔ یہی وہ عبارتیں ہیں جس میں اس مضمون کی بلاواسطہ شہادت شامل ہے۔ میرے نزدیک یہ بالکل بدیہی ہے کہ سٹربیو کے دونوں بیان ایک ہی واقعے کے متعلق ہیں۔ اور جب وہ یہ کہتا ہے کہ مقدونیوں نے ہندیوں کو "آریانہ کا ایک بڑا حصہ دے دیا" جو سکندر کے زمانے تک ایرانیوں کے قبضے میں تھا تو وہ مختصراً دریائے سندھ کے مغرب میں ان علاقوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ایرانیوں کے قبضے میں تھے۔ اور جیسا کہ دوسرے بیان میں خصوصیت سے ذکر ہے یہی علاقہ سائلوکس نے چندرا گپتا کو دیا تھا۔ میرے خیال میں اس بیان کے متعلق بحث کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی کہ "سٹربیو نے کہا ہے کہ آریانہ کا بڑی علاقہ تفویض کیا گیا۔ اور اگر اس کے دونوں بیانوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بحث پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا؛

دیگر اسناد ایپئن۔ پلوٹارک۔ اور جسٹن کے بیانات میں خاص طور پر اس علاقۂ مفوضہ کے حدود اور وسعت پر بحث نہیں ہے۔ مگر وہ اس وجہ سے قابل قدر ہیں کہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سائلوکس نے واقعی دریائے سندھ کو عبور کیا۔ ایک ناکام جنگ شروع کی اور آخر مجبوراً اپنے دشمن سے ایسے شرائط پر صلح کی جو دشمن کے لئے مفید مطلب تھیں۔ اور اس کے لئے مضر تھیں؛

چار ستراپیاں پلنی کا یہ بیان کہ اکثر مصنف گدروسیہ۔ اراکوسیہ۔ آریہ۔ پیروپنی سیڈی چاروں صوبوں کو ہندوستان میں شامل کرتے ہیں۔ ضرور اس بات پر مبنی ہے۔ ۷۷ء یعنی اس کی کتاب کے سال اشاعت کے قبل کسی زمانے میں یہ چار صوبے حقیقت میں ہندوستان میں شمار ہوتے ہوں گے۔ اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ اسی خاندان موریا کے

زمانے کے سوا یہ صوبے کبھی ہندوستان میں شامل رہے ہوں۔ پلنی کا تمام تر علم مگاس تھینز اور سائلوکس۔ چندراگپتا۔ اور سکندر کے دوسرے معاصرین کی کتابوں پر مبنی ہے۔ اور اس کے بیانات کی تشریح کرنے کے بعد ہم کو آپ سے آپ مان لینا پڑتا ہے کہ یہی چار صوبے " آریانہ کا بڑا علاقہ" تھا جو سائلوکس نے چندراگپتا کے حوالے کئے۔ کابل اور قندھار اکثر ہندی بادشاہوں کے قبضے میں رہے ہیں۔ اور یہ علاقہ ہندوستان کی قدرتی سرحد ہے۔ ہرات (آریہ) بلاشک وشبہ دور ہے۔ مگر وہ طاقت جس کے قبضے میں کابل اور قندھار ہو آسانی سے اس پر اپنا تصرف قائم رکھ سکتی ہے۔

گدروسیہ گدروسیہ کی ستراپی (صوبہ) بہت مغرب کی طرف پھیلی ہوئی تھی۔ غالباً اس کے صرف مشرقی حصے پر چندراگپتا نے قبضہ کیا تھا۔ مالن کا سلسلۂ کوہ جس کے پار اترنے میں سکندر کو اتنی دقت پیش آئی ملک کی قدرتی سرحد تھا۔ خواہ گدروسیہ پر چندراگپتا نے براہ راست اپنا تسلط قائم کیا ہو یا نہ۔ مگر میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ سائلوکس نے تمام صوبے اس کے حوالے کر دیئے تھے۔ اور بہت سے مصنفوں نے اس کو مع آریہ۔ اراکوسیہ پیرو پنی سڈی کے ہندوستان میں شامل کر دیا تھا۔ کیونکہ سائلوکس کے سامنے انٹی گناس کو شکست دینے کا زیادہ اہم کام تھا اس لئے اس نے مجبور ہو کر ان چار سرحدی صوبوں کو جن کا تذکرہ پلنی نے کیا ہے چندراگپتا کے حوالے کر کے خود اپنی تمام طاقت کو وسطی اور مغربی ایشیا میں مجتمع کیا۔

ضمیمۂ خ

آرتھ شاستر یا کوتلیا شاستر

متن کتاب کی دریافت۔ آرتھ ساستر کے متعلق تمام ضروری باتیں طولانی حاشیوں میں بیان کرنے کے بجائے یہ زیادہ مناسب ہے کہ ایک ضمیمہ ان کے لئے خاص کر دیا جائے ؏

مقولات کے ایک مجموعے کا نام جو چندر اگپتا کے برہمن وزیر چانکیا۔ کوتلیا یا وشنو گپتا کی طرف منسوب ہیں بہت دنوں سے معلوم تھا (ویبر کی ہسٹری آف انڈین لٹریچر۔ ٹؤنبر۔ صفحہ ۲۱۰)۔ مگر یہ کتاب آرتھ شاستر جس کا اکثر قدیم مصنفوں نے ذکر کیا ہے اور عبارتیں نقل کی ہیں۔ بالکل مفقود ہو گئی تھی۔ لیکن آخر مہاراجہ میسور کے کتب خانۂ علوم مشرقیہ کے فاضل ناظم مسٹر آر شام شاستری نے اس کو ضلع تنجور کے ایک پنڈت کے پاس قلمی نسخے کی صورت میں پایا۔ اور دنیا کو اس سے روشناس کیا[1]۔ پنڈت موصوف نے نہایت مہربانی سے چند روز کے لئے اس کتاب کو مع ایک بٹا سوامی کی لکھی ہوئی شرح کے کتب خانے کے حوالے کیا۔ ۱۹۰۵ء میں جب مسٹر شام شاستری نے اس کے بعض انتخابات کا ترجمہ انڈین انٹی کویری میں شائع کیا تو لوگوں کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی۔ اور اسی کی وجہ سے میں نے بھی اس کتاب کی دوسری ایڈیشن میں جو ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی گراں بہا اضافے کئے۔ اس واقعے کے بعد اس کتاب کے دو اور قلمی نسخے بھی دریافت ہوئے جن میں سے ایک تو میونک کے کتب خانے میں ہے اور دوسرا غالباً کلکتہ میں ہے ؏

[1] اس دوران میں مسٹر شاستری کا تبادلہ بنگلور میں چامراجیندرا سنسکرت کالج کی صدارت پر ہوگیا ہے ؏

مسٹر آر۔ شام شاستری کا ترجمۂ کتاب۔

۱۹۰۸ء میں میری کتاب کی دوسری ایڈیشن کے شائع ہونے کے بعد بہت سے مشہور و معروف جرمن علماء نے چانکیا کی کتاب کو بغور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اور مسٹر شام شاستری کو بھی اب جرأت ہوئی کہ سرسری ترجمہ پورا کر دیں۔ چنانچہ باوجود سخت مشکلوں کے انھوں نے اسے پورا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے متن کتاب کو بھی طبع کرا دیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے ان کا ترجمہ اس صورت میں شائع نہیں ہوا کہ یہ بلا دقت دستیاب ہو سکے۔ مگر جیسا کہ ذیل میں مندرج ہے۔ یہ ترجمہ کامل ضرور ہو چکا ہے؛

(۱) تمہید و انتخابات:۔ انڈین انٹی کویری جلد ۳۴۔ (۱۹۰۵ء) صفحہ ۵۔ ۴۷۔ ۱۱۰۔ معہ حاشیہ جو اس دوسری ایڈیشن میں طبع نہیں ہوئے جس کا ذکر نمبر ۳۔ و ۴۔ میں آگے کیا جائے گا؛

(۲) باب از (۱) تا (۴):۔ میسور ریویو ۱۹۰۶ء۔ یہ سرسری ترجمے (یعنے نمبر (۱) و (۲) بعد کے بعد از نظر ثانی ترجموں کی وجہ سے بیکار ہو گئے ہیں؛

(۳) چانکیا کی آرتھ شاستر۔ مترجمہ مسٹر آر۔ شام شاستری بی اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ حصۂ اول۔ باب ۱ و ۲۔ (۱۹۰۸ء۔ دی جی ٹی اے پریس میسور)۔

(۴) آرتھ شاستر آف چانکیا۔ مترجمۂ مسٹر آر۔ شام شاستری۔ بی اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس۔ حصۂ دوم۔ ہندو قانون۔ باب ۳ و ۴۔ (میسور۔ صرف سرورق مطبوعہ کراؤن پریس)؛

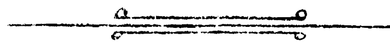
(۵) آرتھ شاستر آف چانکیا۔ باب ۵ یا ۱۵۔ مترجمہ شام شاستری۔ مندرجۂ ذیل ترتیب سے:۔

باب ۵ تا ۷۔ انڈین انٹی کویری جلد ۳۸ (۱۹۰۹ء) صفحہ ۲۵۷۔ ۲۷۷۔ ۳۰۳۔ باب ۷ تا ۱۵۔ ایضاً جلد ۳۹ (۱۹۱۰ء)۔ ۱۹۔ ۴۴۔ ۸۳۔ ۱۰۰۔ ۱۳۱۔ ۱۶۱؛

کتاب موریا زمانے کی ہی ہے۔

کتاب میں میرے حوالے تمامتر نمبر ۳-۴-۵ پر مبنی ہیں۔ جرمن علماء کی تحقیقات کی وجہ سے اب اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ آرتھ شاستر واقعی موریا زمانے کی ایک قدیم کتاب ہے۔ اور غالباً بالکل صحیح طور پر چانکیا سے منسوب ہے۔ یہ فیصلہ بہرحال اس امکان کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بلکہ ممکن ہے کہ زمانۂ مابعد میں اس کتاب کے مضمون میں کمی بیشی ہوئی ہو۔ مگر یہ یقینی ہے کہ کتاب کا بڑا حصہ حقیقت میں موریا ہی کے زمانے کا ہے۔ میں نے اس کا ذکر پہلے ہی کردیا ہے کہ اس میں موریا خاندان کے عہد سے عین اُس کے قبل زمانے کے حالات کا چربہ اتارا گیا ہے ؕ

یہ کتاب ایک مدت تک علماء کی توجہ کو اکثر وجوہ سے اپنی طرف مبذول رکھے گی۔ جو کام مسٹر شام شاستری نے کیا ہے وہ محض ابتدائی ہے اور اس لحاظ سے اگرچہ قابل تعریف ہے۔ مگر تکمیل اور نظر ثانی کی اس میں بہت ضرورت ابھی باقی ہے ؕ



باب ششم

اشوک موریا

اشوک کی ولیعہدی

معتبر روایتوں کے موافق اشوک وردھن یا اشوک (جس نام سے کہ وہ عموماً مشہور ہے) نے اپنے باپ بندسار کے عہد حکومت ہی میں اپنی ولیعہدی کا زمانہ اولاً شمال مغربی سرحدی صوبے اور بعد میں مغربی ہند کے نائب السلطنت کی حیثیت سے گذارا۔ اور اسی زمانے میں اس نے سرکاری کاروبار اور سیاست مدن کی عملی تعلیم حاصل کی۔ بندسار کے چند اور بیٹوں میں سے ایک بیٹا اشوک تھا۔ اور بلا شبہ اس کے باپ نے اس کو ہونہار اور جانشینی کے لایق پاکر اس کو اپنا ولیعہد یا یُووراجہ سے منتخب کیا؛

ٹکسلا

ٹکسلا جو شمالی مغربی صوبے کا مستقر تھا۔ جس میں غالباً کشمیر پنجاب اور دریائے سندھ کے مغربی علاقے بھی شامل تھے۔ اس زمانے میں مشرقی دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے عالی شان شہروں سے تھا۔ اور اس کے علاوہ وہ خصوصاً ہندی علوم وفنون کے مرکز ہونے کے سبب سے بھی ممتاز تھا۔ آبادی کے تمام اعلیٰ طبقوں کے بچے۔ خواہ وہ برہمن ہوں۔ یا شہزادے یا سوداگر ٹکسلا میں اسی طرح جمع ہوتے تھے جس طرح کہ آجکل ایک یونیورسٹی کے شہر میں ہوتے ہیں۔ اور یہاں رہ کر وہ تمام ہندی علوم وفنون اور خصوصاً علم طب کی تحصیل کرتے تھے۔ اس مستقر صوبہ کے اردگرد کا علاقہ سرسبز وشاداب اور معمور تھا۔ اور صرف ساٹھ یا ستر برس قبل ایک خودمختار ریاست کے زیر نگین تھا جو اپنے ہمسایوں کے مقابلے میں کمزور ہو تو ہو

مگر اتنی طاقتور ضرور تھی کہ سکندر کو معتد بہ مدد پہنچا سکے ؎

ٹکسلا کی رسوم و رواج یونانی جو سکندر کے ساتھ آئے ان کا خیال تھا کہ ریاست پر بہت اچھی طرح حکومت ہوتی ہے۔ یہاں کے مقامی رسوم سے بھی انھوں نے بجائے ناراضگی کے دلچسپی کا اظہار کیا۔ ان رسوم میں تعدد ازدواج۔ مردوں کا کھلے میدانوں میں رکھا جانا کہ گدھ اُن کو کھالیں۔ اور ان لڑکیوں کا جن کو حسب رواج تلاش سے شوہر نہ ملا ہو کھلے بازاروں میں بکنا خاص طور پر بیان کرتے ہیں[1] ؎

شہر کی عمدہ جائے وقوع یہ شہر چونکہ اس شاہراہ پر واقع تھا جو وسط ایشیا سے ہندوستان کے اندر جاتی تھی اس وجہ سے شمالی مغربی صوبے کے مستقر ہونے کے لئے خصوصیت کے ساتھ مناسب تھا۔ اس کے آثار کے قریب حسن ابدال شہر آجکل بھی ہندوستان کے فوجی اجتماع و تواعد کے لیئے سب سے بہتر مقام شمار ہوتا ہے۔ اور یہیں سے جنوب مغرب میں چند میل کے فاصلے پر راولپنڈی کا مقام ایک زبردست چھاؤنی سکندر کے مثل شمال مغربی حملہ آور کی روک تھام کے لیئے ہندوستان کے ناکے کی حفاظت کرتی ہے ؎

اجین مغربی ہند کا دارالسلطنت اجین بھی ایسا ہی مشہور و معروف شہر ہے۔ اور اسی کی مثل صوبہ دار کے مستقر کے لیئے موزوں و مناسب تھا۔ یہ شہر ہندوستان کے سات متبرک شہروں میں

---

[1] سٹربیو۔ باب ۱۵۔ فصل ۲۸ و ۶۲۔ شادی کے بازار کے متعلق شہر بابل کے دستور کا مقابلہ کرو۔ (ہیروڈوٹس باب ۱۔ فصل ۱۹۶) ۔ گدھوں کے کھانے کیلیئے مردوں کو کھلے میدانوں میں رکھ دینے کا دستور قدیم زمانے میں اور اب بھی ایرانیوں (پارسیوں) میں پایا جاتا ہے (ہیروڈوٹس باب ۱۔ فصل ۱۴۰) ۔ اب تک تبت میں اس پر عمل ہوتا ہے۔ اور قدیم زمانے میں ویسالی کی لچھوی قوم میں بھی یہی رواج تھا۔ یہ قوم تبتی تھی اور یا ان ہی کے ہم نسل تھی۔ ۱۲ ؎

شمار ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اس شاہراہ پر واقع تھا۔ جہاں سے مغربی ہند کے بارونق بندرگاہوں سے اندر کی طرف راستہ جاتا تھا۔ اس طرح اس میں دو خوبیاں جمع ہوگئی تھیں۔ وہ جاترا کا مشہور مقام بھی تھا۔ اور تجارت کی منڈی بھی۔ یہ ہندی علم ہیئت کا مرکز تھا اور یہیں سے طول بلد کا شمار ہوتا تھا[1]؛

اشوک کی امن کے ساتھ تخت نشینی

لنکا کے ملک کی اس روایت کو کہ جس وقت اشوک نے اپنے باپ کے مرض الموت میں مبتلا ہونے کی خبر سنی اور دارالسلطنت میں طلب ہوا وہ اُس وقت اجین میں تھا۔ باور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر یہ روایت کہ اشوک کے سو بھائی تھے اور ان میں سے ننانوے کو قتل کرنے کے بعد اس نے تخت حاصل کیا قابل اعتبار نہیں۔ یہ بیہودہ قصہ معلوم ہوتا ہے کہ بھکشوؤں نے اس لیئے گھڑ لیئے ہیں کہ اشوک کے بودھ مت کو اختیار کرنے سے پہلے اس کے چال چلن کو نہایت کریہہ صورت میں پیش کریں۔ تاکہ اس کی آخری زندگی کی پرہیزگاری اور دینداری واضح تر ہو جائے۔ یقیناً اس کے عہد کے سترھویں یا اٹھارویں[2] برس اشوک کے بھائی بہن زندہ تھے۔ اور وہ ان کے خاندانوں کی خبرگیری بڑی تندہی اور محبت سے کیا کرتا تھا۔ یہ کہیں نہیں ظاہر ہوتا کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے کھٹکتا تھا۔ اس کا دادا چندرا گپتا جس نے ایک غریب جلاوطن کی حیثیت سے ترقی کر کے بزور شمشیر تخت و تاج حاصل کیا تھا قدرتی طور پر سازشوں اور دھڑابندیوں کا آماجگاہ رہا اور اسی وجہ سے اس کو شک اور بدگمانی سے زندگی بسر کرنی پڑی تھی۔ لیکن اشوک بادشاہ کے گھر میں پیدا ہوا۔ اور ایسی سلطنت اس کو ورثے میں ملی تھی جس کو پچاس برس کی مدت میں اس کے باپ اور دادا نے اپنے زور بازو سے

[1] دیکھو یول اور برنل کی "گلاسری آف اینگلو انڈین ورڈس" میں مضمون "اجین"۔ Oojyne
[2] کتبوں کے مطابق "چودھویں" برس میں۔ یعنے اس کی تاجپوشی کی تاریخ سے شمار کر کے؛

مستحکم کیا تھا۔ اور اسی لیئے یہ فرض کر لینے کی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ چندر اگپتا کی سی کوئی بدگمانی نہیں لگی ہوئی تھی۔ شروع سے لے کر آخر تک اس کے فرامین سے کوئی کمزوری یا خطرہ نہیں ظاہر ہوتا۔ اور غالباً وہ اپنے باپ کے انتخاب کے بموجب امن و اماں سے اس کے تخت و تاج کا مالک ہوا۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ شمالی ہند کی یہ روایت کہ جانشینی کے لیئے اس میں اور اس کے بڑے بھائی سوسیم کے مابین کوئی تنازع ہوا کسی واقعہ پر مبنی ہو۔ بظاہر لنکا کے بودھ شروں کی حکایات کی بہ نسبت اس میں زیادہ تاریخی پہلو معلوم ہوتا ہے[1]۔

۲۷۳ یا ۲۷۲ ق م تخت نشینی ۲۶۹ ق م تاج پوشی

کیونکہ اشوک نے پورے چالیس برس حکومت کی اس لیئے جب ۲۷۳ ق م یا اس کے قریب قریب اُس نے اس سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا جس کو اس کے دادا اور باپ نے حاصل کر کے مستحکم کیا تھا تو اس وقت وہ بالکل جوان آدمی ہو گا۔ اس کے شروع کے گیارہ یا بارہ برس کے عہد حکومت کا حال بالکل معلوم نہیں۔ اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ زمانہ معمولی انتظامات سلطنت میں گذرا ہو گا۔ اس کی باقاعدہ تاجپوشی ۲۶۹ ق م سے پہلے یعنے تخت نشینی سے چار سال بعد تک نہیں ہوئی۔ اور تقریباً یہی ایک امر ہے جس سے اس خیال کو تقویت ہوتی ہے کہ اس کی تخت نشینی میں مزاحمت اور تنازع ہوا ہو گا۔ اس کی تاجپوشی کی سالگرہ ہمیشہ نہایت دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ اور خصوصاً اس موقع پر قیدیوں کو معاف اور رہا کیا جاتا تھا[2]۔

---

[1] "اشوکا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۲۲۳۔

[2] جدول سنین کے لیئے دیکھو میری کتاب "اسوکا دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" (کلیرنڈن پریس دوسری ایڈیشن ۱۹۰۹ء)۔ اسی میں تمام روایات کا ملخص اور تمام کتبات کا کامل ترجمہ بھی درج ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر اس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ سنین میں

۲۶۱ ق م۔ جنگ کلنگ۔ اس کی حکومت کے تیرھویں سال یا اگر تاجپوشی سے حساب لگایا جائے تو نویں برس اشوک نے اپنی تمام زندگی کی پہلی اور آخری جنگ کی تیاری کی جس کی تاریخ ہم تک پہنچی ہے۔ اور کلنگ کی سلطنت کی فتح اور الحاق سے اپنی سلطنت کو کامل کیا۔ کلنگ کا علاقہ خلیج بنگالہ کے ساحل پر دریائے مہاندی اور گوداوری کے درمیان واقع تھا۔ یہ مہم پورے طور پر کامیاب ثابت ہوئی۔ اور اس کے بعد سے کلنگ موریا سلطنت کا حصہ ہو گیا۔ چند سال مابعد کے دو خاص فرمانوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئے مفتوحہ علاقے کے انتظام میں راجہ کو بہت کچھ تردد کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ راجہ اشوک بھی اور بادشاہوں کی طرح کبھی کبھی اپنے ملازمین کے ہاتھوں تنگ ہو جاتا تھا۔ شاہی ہدایتیں یہ تھیں کہ مفتوحہ علاقے پر انصاف سے اس طرح حکمرانی کی جائے جس طرح باپ اپنی اولاد پر حکومت کرتا ہے۔ اور خصوصًا وہ اس بات پر مصر تھا کہ نیم وحشی اقوام کے ساتھ نہایت ہمدردانہ سلوک کیا جائے۔ مگر ان ہدایتوں کو اس کے عمال بعض اوقات نظر انداز کر دیتے تھے۔ اور اس کو تنبیہہ کرنی پڑتی تھی کہ شاہی احکام کی خلاف ورزی کرنے سے نہ وہ خدا کی نظر میں اور نہ اپنے بادشاہ کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں۔

جنگ کی آفات کلنگ کی سلطنت کے پاس بہت بڑی فوج تھی۔ جس کا اندازہ میگاس تھنیز نے (۶۰۰۰۰) پیادے (۱۰۰۰) سوار۔ اور (۷۰۰) ہاتھی کیا ہے۔ حملہ آوروں کی مزاحمت اور مقابلہ اس سختی سے کیا گیا کہ اس جنگ و فتح سے بے انتہا مصائب ان لوگوں پر پڑے فاتح نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ بیان کرتا ہے (۱۵۰۰۰۰) آدمی اس میں قید ہوئے۔ (۱۰۰۰۰۰) مارے گئے۔ اور اس تعداد سے کئی گنے زیادہ قحط۔ وبا۔ اور دوسری آفات ارضی کے نذر ہوئے جو ہمیشہ افواج کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک یا دو سال کا فرق ہو۔ مگر اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

ہمرکاب ہوا کرتی ہیں ۔

اشوک کا تأسف

ان تمام مصائب کا اس کی آنکھوں کے سامنے سے گذرنا۔ اور ساتھ ہی اس بات کا احساس کہ ان تمام مصائب کی وجہ صرف اسی کی ذات ہے ۔ ان دونوں نے مل کر اشوک کے خیالات پر سخت اثر کیا ۔ اور[1] وہ سخت پشیمان اور نہایت متأسف ہوا یہی احساسات تھے جن کی بنا پر اس نے آخر میں یہ مصمم ارادہ کیا کہ اس کے بعد پھر کبھی ملک گیری کی ہوس اس کو اس بات پر آمادہ نہ کرے گی کہ وہ بنی نوع انسان پر ایسی بلائیں اور مصیبتیں نازل کرے ۔ اور اس فتح کے چار ہی سال کے بعد وہ یہ کہتا تھا کہ "کلنگ کی فتح کے موقعے پر جتنے آدمی قتل کیئے گئے یا قید ہوے ۔ ان کی تعداد کے سوویں یا ہزارویں حصے کا نقصان بھی اب مابدولت کے لیئے سخت افسوس کا باعث ہوگا" ۔

اشوک جنگ سے تائب ہوتا ہے

راجہ نے جن اصول کا اپنے الفاظ میں اظہار کیا تھا انھیں پر کاربند ہوا ۔ اور بقیۃ العمر ہمیشہ جارحانہ جنگ سے درگذر کرتا رہا ۔ اسی زمانے میں بدھ مذہب کی تعلیمات نے اس پر اپنا اثر کرنا شروع کیا ۔ اور جس قدر سال گذرتے گئے ان کے ساتھ اس کا شغف برابر زیادہ ہوتا گیا ۔ وہ کہتا ہے کہ "سب سے بڑی فتح وہ ہے" "جو قانون پرہیزگاری" کے ذریعے سے حاصل کی جائے ۔ وہ اپنے جانشینوں سے استدعا کرتا ہے کہ وہ اس عام خیال کو بالکل ترک کردیں کہ فوج کے ذریعے سے ملک گیری ہی بادشاہ کا اول اور آخر فرض ہے ۔ اور اگر بالفرض وہ اپنی خواہش اور تمنا کے باوجود لڑنے پر مجبور ہی ہوں تو اس حالت میں بھی وہ ان کو جتلائے دیتا ہے کہ وہ نرمی اور تحمل سے کام لے سکتے ہیں ۔ اور ان کو چاہیئے کہ اصلی اور حقیقی فتح اسی کو سمجھیں جو قانون پرہیزگاری یا "فرض" سے حاصل ہو[1] ۔

[1] سنگی فرمان ۔ نمبر ۱۳ ۔

اشاعتِ اخلاق اس زمانے کے بعد سے اشوک نے اپنی زندگی کا صرف یہ فرض قرار دے لیا تھا کہ اپنی وسیع مملکت میں اپنے غیر محدود شاہی اختیارات کو ایک اخلاقی قانون جسے وہ "قانون فریضہ" (یا دھم یا دھرم) کہتا ہے۔ کے سکھلانے۔ پھیلانے اور منوانے میں صرف کرے۔ اس قانون کو زیادہ تر اس نے بدھ مذہب کے واعظوں سے حاصل کیا تھا؛

۲۵۷ یا ۲۵۶ قم اپنے عہد حکومت کے سترھویں یا اٹھارھویں سال اس نے قطعی طور پر اس معاملے میں اپنے طرز عمل کے متعلق فیصلہ کیا۔ اور اپنی رعایا میں اپنی حکومت کے اصول کا اعلان فرمانوں کے ذریعے سے کیا جن کو اس نے چٹانوں پر کندہ کرا دیا جن میں چھوٹا سنگی فرمان نمبر ا۔ اور چودہ سنگی فرامین شامل ہیں۔ ان میں اس نے وہ عام اصول درج کیے جن پر خداوندان نعمت کو عمل کرنا چاہئے؛

ان عجیب وغریب فرامین کے بعد ہی دوسرے فرامین شائع ہوئے جو نئے مفتوحہ علاقے کلنگ کے متعلق تھے اور جن کا ملخص پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ اس تمام سلسلے میں سب سے قدیم فرمان چھوٹا سنگی فرمان نمبر ا معلوم ہوتا ہے۔ یہ بہت مختصر ہے۔ اور چھ مختلف صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ دوسرے طویل کتبوں کے ساتھ اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک بدھ مذہب کو اختیار کرنے کے بعد ڈھائی برس سے زیادہ تک دنیادار چیلا (اُپاسک) رہا۔ اور اس مدت میں اس نے اس معاملے میں انہماک سے کام نہیں کیا۔ مگر اپنے اعلانات کی اشاعت سے کم وبیش ایک برس قبل وہ بھکشوؤں کی جماعت (سنگھ) میں شامل ہوگیا تھا۔ اور نہایت سرگرمی اور مستعدی سے مذہب کی اشاعت اور ترقی کی کوشش میں شرکت کرنے لگا تھا۔ وہ عجیب فرمان جو "بھابرو یا دوسرا بیراٹ سنگی فرمان" کے نام سے مشہور ہے اور جس میں راجہ نے مذہبی کتب کی سات عبارتوں کا ذکر کیا ہے اور مقتدایان مذہب اور عوام الناس کی توجہ

خاص طور پر ان کی طرف مبذول کی ہے۔ غالباً اسی زمانے کا ہے[1]۔

تقریب ۲۴۹ قبل مسیح جاترا۔

۲۴۹ قبل مسیح میں جب اس کو تخت پر بیٹھے ہوئے تقریباً چوبیس برس گذر گئے تھے اشوک بدھ مذہب کی ارض مقدس کے سب سے زیادہ پاک مقامات کی زیارت اور جاترا کے لیئے روانہ ہوا۔ دارالسلطنت پاٹلی پترا سے روانہ ہوکر وہ شمال میں نیپال کی طرف شاہ راہ پر روانہ ہوا جس کے اوپر پانچ بڑے بڑے ایک ہی پتھر کے تراشے ہوئے مینار اب بھی قائم ہیں[2]۔ اور زمانۂ حال کے ضلع مظفرپور اور چمپارن سے گذرتا ہوا۔ بالآخر کوہستان ہمالیہ کے دامن تک پہنچا۔

بدھ کی جائے پیدائش

یہاں سے غالباً وہ پہاڑیوں کو قطع کیئے بغیر مغرب کی طرف پھرا۔ اور سب سے پہلے اس نے بدھ کی جائے پیدائش لمبنی باغ کی زیارت کی۔ یہی وہ مقام تھا جہاں روایتوں کے مطابق مہاتما بدھ کی ماں مایا کو دردزہ شروع ہوا۔ اور جہاں ایک درخت کے نیچے بدھ پیدا ہوا۔ اس جگہ اس کے رہبر اور مرشد اُپگپت نے راجہ سے خطاب کیا کہ "اے مہاراجہ یہاں وہ مقدس بزرگ پیدا ہوا تھا۔" اشوک نے وہیں ایک مینار قائم کیا اور اس پر یہ الفاظ کندہ کرا دیئے جو اس وقت بھی ویسے ہی روشن ہیں جیسے کہ اُس وقت تھے۔ جب کہ وہ کندہ کیئے گئے تھے۔ اور اس طرح اس نے اپنی جاترا کی یادگار قائم کی جو آج تک قائم ہے[3]۔

---

[1] بھابرو۔ نہ کہ بھابرا صحیح ہے۔ یہ کتبہ بیرات کی پہاڑیوں میں بھابرو کی چھاؤنی سے تقریباً ۱۲ میل فاصلے پر پایا گیا تھا۔ (پروگرس رپورٹ آرکی آلوجی۔ سادئی ویسٹرن سرکل بابت ۱۹۰۹ء۔ فقرہ ۱۰)۔

[2] بھکرا۔ لوریا اراج (رادھیہ)۔ لوریا نندن گڑھ (سا تھیہ)۔ رام پوروہ

[3] اس کا سب سے آخری اور صحیح ترجمہ "اسوکا" دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۹۹ میں دیا گیا ہے۔ اور ساتھ اس کا نقشہ بھی ہے۔

دوسرے مذہبی مقامات۔

رفتہ رفتہ اُنگپت اپنے بادشاہ چیلے کو بدھ کے بچپن کے وطن کپلاوستو لے گیا جو آجکل ترائی کے علاقے میں واقع ہے۔[۱] اس کے بعد وہ بنارس کے پاس سارناتھ کے مقام پر گیا جہاں سب سے پہلے بدھ کو اپنے مذہب کی تبلیغ میں کامیابی ہوئی تھی۔ پھر وہ سراوستی گیا جہاں پر کہ بدھ ایک مدت تک مقیم رہا تھا۔[۲] پھر گیا کے بدھی درخت کی زیارت کی جہاں اس نے تمام گناہوں اور لذتوں کو زیر کیا تھا۔ اور پھر وہ کوسی نگر آیا جہاں بدھ نے وفات پائی تھی۔[۳] ان تمام

---

[۱] یہ مقام غالباً ضلع بستی کے شمال میں پیپراوا ہے اور سرحد پر واقع ہے (دیکھو مکرجی اور وی۔ اے۔ سمتھ "ایکسپلوریشنز ان دی نیپالیز ترائی"۔ آرکی آلوجیکل سروے امپیریل سیریز جلد ۲۶ کلکتہ ۱۹۰۱ء)۔ ہیون سانگ کا کپل وستو تیتا تلورا کوٹ اور قرب وجوار کے کھنڈروں کا مقام ہے۔ جو پیپراوا سے شمال مغرب میں دس میل کے فاصلے پر نیپال کی ترائی میں واقع ہے ؛

[۲] یہ مقام دریائے راپتی کے بالائی حصے پر سہیٹھ مہیٹھ کے مقام پر جہاں سے کے ضلع بہرائچ و گونڈہ کی سرحد پر واقع تھا۔ وہ کتبے جن کو محکمۂ آثار قدیمہ نے دریافت کیا ہے ان سے اس مقام کا صحیح موقعہ معلوم ہوتا ہے۔ (اینوئل رپورٹ آرکی آلوجیکل سوسائٹی ۱۹۰۸-۹ صفحہ ۱۳۷) مشکل یہ ہے کہ یہ موقع چینی جاتریوں کے ذکر کیے ہوئے مقام کے مطابق نہیں ہیں ؛

[۳] یہ مقام میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ نیپال میں پہلے سلسلۂ کوہ کے اُس پار واقع ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ جنوری نمبر ۱۹۰۲ء)۔ ہز ہائنس جنرل خدگا شمشیر جنگ بہادر بھی اس بات میں مجھ سے متفق ہیں کہ کوسی نگر نیپال ہی میں واقع ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ اس کا موقعہ راپتی اور گنڈک دریاؤں کے موقع پر ہے۔ ان کا موقع میرے منتخبہ موقع سے بہت مغرب میں واقع ہے۔ مگر پھر بھی اسی عرض بلد میں ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ درست ہے (پائنیر میل الہ آباد۔ ۲۶ فروری ۱۹۰۴ء)۔ نروان مندر کے عقب میں ایک بڑے ستوپ کے اندر ایک تانبے کے کتبے کے

متبرک مقامات پر بادشاہ نے بہت خیرات کی اور یادگاریں قائم کیں۔ جن میں بعض ایک مدت کی فراموشی کے بعد اب دوبارہ دریافت ہوئی ہیں؛

اشوک تارک دنیا بھکشو بھی تھا اور بادشاہ بھی

اگرچہ موجودہ زمانے کے کسی شخص کو یہ ماننے میں دقت ہوگی کہ اشوک نے تارک الدنیا بھکشو ہونے کی قسم اور طرز زندگی بھی اختیار کرلی تھی۔ اور پھر ساتھ ہی وہ ایک وسیع سلطنت پر خودمختار اور بلاشرکت غیرے بادشاہ بھی تھا مگر اس امر میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ اور وہ خود اس کا اعتراف کرتا ہے۔ نوصدی بعد چینی جاتری آئی سانگ نے بیان کیا ہے کہ اشوک کا بت ایک خاص قسم کے سنیاسی لباس سے ملبوس ہے۔ ہمارے خیالات کے مطابق کسی بادشاہ کے لئے بغیر تخت وتاج سے دست بردار ہوئے تارک الدنیا ہو جانے میں جو نامناسبت پائی جاتی ہے اس کا آئی سانگ کو شان وگمان بھی نہ گذرا ہوگا۔ کیونکہ اس کے سامنے بالکل اسی قسم کی مثال اس کے ملک کے بادشاہ وُو تی یا ہسیو یں کی موجود تھی۔ جو بدھ مذہب کا معتقد تھا۔ اور دو مرتبہ اس نے ۵۲۷ء اور ۵۲۹ء میں بھکشوؤں کی زندگی اختیار کی[۵۲]۔ اس سے اتر کر ایک اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دریافت ہونے سے اس قدیم قیاس کو تقویت پہنچی ہے کہ کوسی نگر وہی مقام ہے جہاں ضلع گورکھپور کے کیسیا کے قریب آثار وکھنڈر پائے جاتے ہیں (ہیر گیٹر۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۳ء صفحہ ۵۱۲)؛

مگر اس نظریہ پر بہت سے اعتراضات ہوسکتے ہیں۔ اور اغلب یہ ہے کہ کیسیا کے مقام پر زیارت گاہ بھی جو کوسی نگر کے اس موت کی خانقاہ کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کو بھی "پری نروان۔ چیتیا" کہا جاتا تھا۔ ہسٹنگز "انسائکلو۔ آف ریلجن اینڈ ایتھکس" میں میرا مضمون کوسی نگر؛

[۵۱] تکاکسو کا ترجمہ آئی سانگ "اے ریکارڈ آف بدھسٹ پرکٹسز" صفحہ ۷۳؛

[۵۲] کائلز کی "ہسٹری آف چائینز لٹریچر" ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۳۳۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳۶؛

مثال بارھویں صدی میں مغربی ہند کے ایک جین بادشاہ کی ملتی ہے جس نے "مذہب کے مرشد" ہونے کا لقب اختیار کیا۔ اور اپنے عہد حکومت کے مختلف اوقات میں پرہیزگاری کے ساتھ سنیاس اختیار کیا۔ اس کے علاوہ بدھ مذہب کے بھکشو کو ہر وقت اختیار ہے کہ جب چاہے وہ اس سنیاس کو ترک کر کے پھر دنیا میں شامل ہو جائے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشوک وقتاً فوقتاً اسی طرح تھوڑی مدت کے لئے ترک دنیا کر کے سنیاسیوں میں داخل ہو جایا کرتا تھا۔ اور اپنی اس غیر حاضری کے زمانے میں سلطنت کے نظم و نسق کے لئے خاطر خواہ انتظام کر جاتا تھا۔ اس بات کے باور کرنے کے وجوہ میں چھوٹا سنگی فرمان نمبرا۔ اور بھابرو کا فرمان ایسے ہی زمانے میں نافذ ہوئے تھے جب کہ بادشاہ خود بیرات کے مقام پر گوشہ نشین تھا۔ علاوہ اس کے یہ بھی ایک زبردست بادشاہ کے لئے ممکن تھا کہ ان مشکلات کو کسی نہ کسی طریقے سے حل کر لیتا۔ اپنی زندگی کے آخری پچیس سال کے عرصے میں اشوک نے بلاشک و شبہ سلطنت اور مذہب کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ بعینہ اسی طرح جس طرح یورپ میں اپنے آخر عہد میں شارلمین نے کیا تھا۔[1]

سات ستونی فرامین میں گذشتہ واقعات کا اعادہ

تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے تیس سال بعد ۲۴۳ ق م یا اس کے قریب اشوک نے نئے فرامین کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جو سات ستونی کتبے کہلاتے ہیں۔ ان میں اس نے اپنی تمام گذشتہ تعلیمات کو دہرایا ہے۔ اور آخر میں ان تمام طریقوں کو بیان کر دیا ہے جو اس نے ان تعلیمات کو پھیلانے اور ان اصلاحات کو پورا کرنے کے لئے اختیار کر لئے تھے۔ ان ہی میں جانوروں کے ذبح کرنے اور ان کے اعضا کاٹنے کے متعلق قوانین ہیں۔ کیونکہ یہ ایسے افعال تھے جن کو وہ دل سے

---

[1] بھلر۔ انڈین انٹی کویری جلد ۶۔ صفحہ ۱۵۴

ناپسند کرتا تھا؛

مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ ان تمام اعادہ واقعات میں بیرونی مذہبی سفارتوں کا بالکل ذکر نہیں۔ اور نہ اس میں مقتدایان بودھ مذہب کی کونسل کا ذکر ہے۔ جو اس کے عہد حکومت کے دوران میں کسی وقت اس کی دارالسلطنت میں منعقد ہوئی۔ اور جس کی سب سے بڑی غرض و غائت یہ تھی کہ مذہب میں جو اختلاف کا سیلاب بڑھ رہا ہے اس کو روکدیا جائے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کونسل کا انعقاد ستونی فرامین کے نافذ کرنے کے بعد ہوا ہو۔ مگر یہ بتلانا کہ ان میں ان بیرونی سفارتوں کا کیوں ذکر نہیں پایا جاتا جن کو سنگی فرامین میں اتنی ممتاز جگہ دی گئی ہے۔ میری سمجھ سے باہر ہے؛

پاٹلی پتر کی کونسل کونسل کے انعقاد کے واقعے پر روایات کی اتنی اسناد موجود ہیں کہ اس کو بلا تامل تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اگرچہ ان روایات میں جو تفصیلیں درج ہیں ہرگز تاریخی نہیں سمجھی جا سکتیں۔ سارناتھ کے فرمان (مع اس کے اور اختلافات کے) میں [1] خاص طور پر ان مذہبی اختلافات کے گناہ کبیرہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور میرا قیاس یہ ہے کہ یہ فرمان اس کونسل ہی کی تجویزوں کا نتیجہ تھا۔ میں کونسل کے انعقاد کے متعلق لنکا کے سنین و تواریخ کو صحیح نہیں سمجھتا جو ۲۳۶ بعد بدھ یعنے میرے سنین کے مطابق ۲۵۱ ق م ہوتی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ کونسل راجہ کے عہد حکومت کے آخری دس سال کے عرصے میں منعقد ہوئی تھی[2]؛

سلطنت کی وسعت اُس وسیع سلطنت کے حدود کا اندازہ تقریباً صحت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جس پر اشوک حکمراں تھا۔

[1] ہر ایک قسم کے فرامین کے سنین کے متعلق دیکھو اس باب کے آخر میں فہرست کتب۔ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ یہاں حاشئے میں لنکا کے سنین پر بحث کروں۔ بدھ مذہب کو کونسلوں کے متعلق دیکھو میرے خیالات جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۱ء صفحہ ۸۵۸ - ۸۴۲؛

شمال مغرب میں وہ کوہستان ہندوکش تک پہنچی ہوئی تھی۔ اس میں ایک بڑا حصہ اس علاقے کا بھی شامل تھا۔ جو آج کل امیر افغانستان کے ماتحت ہے۔ اور ساتھ ہی بلوچستان اور سندھ کا تمام یا بڑا حصہ بھی اس سے ملحق تھا۔ سوات اور باجور کی دور افتادہ وادیاں بھی شاہی عمال کی زیر نگرانی تھیں۔ اور ان کے علاوہ کشمیر اور نیپال تو یقیناً سلطنت میں باقاعدہ شامل تھے۔ کشمیر میں اشوک نے ایک دارالسلطنت تعمیر کیا اور اس کا نام سری نگر رکھا[1] جو آج کل کے اسی نام کے شہر سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع تھا۔[2]

اشوک نیپال میں

نیپال کی وادی میں اس نے پرانے دارالسلطنت منجوپٹن کی جگہ ایک اور شہر آباد کیا جس کا نام پاٹن۔ للت پاٹن۔ یا للت پور رکھا۔ یہ شہر اب بھی موجودہ مستقر سلطنت کھٹمنڈو کے جنوب مشرق میں ڈھائی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ للت پاٹن بعد کے زمانے میں ایک خود مختار سلطنت کا دارالسلطنت ہو گیا۔ مگر اب بھی اس پر بدھ مذہب کا وہ مخصوص رنگ چڑھا ہوا ہے جو اشوک نے اُسے دیا تھا۔ اس شہر کو اس نے اپنے اُس نیپالی سفر کی یادگار میں قائم کیا تھا جو اس نے ۲۵۰ یا ۲۴۹ ق م میں جاترا کے دوران میں کیا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی چارُمتی بھی تھی۔ اس نے سنیاس کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ اور جب اس کا باپ کوہستان سے چلا آیا تو وہ وہیں نیپال میں اپنی زندگی کے دن بسر کرنے کے لیئے رہ گئی۔ اس نے اپنے خاوند دیوپال کشتری کی یادگار میں ایک شہر دیوپٹن کے نام سے آباد کیا اور خود وہیں ایک خانقاہ میں جس کی بنا خود اس نے ڈالی تھی سنیاسیوں کی طرح رہنے لگی۔ یہ خانقاہ

---

[1] سٹائن کا ترجمہ راج ترنگنی حصۂ اول۔ باب ۵ صفحہ ۱۰۴۔ جلد دوم صفحہ ۴۰۹ و ۴۱۱۔

[2] اشوک کے قدیم دارالسلطنت کی جائے وقوع کا موجودہ نام پاندریٹھن (یعنے شہر قدیم ہے)۔ یہ موجودہ سری نگر سے جس کو قدیم شہر کا نام دے دیا گیا ہے تقریباً تین میل شمال کی طرف واقع ہے۔

پسوپتیناتھ کے مقام پر بنائی گئی تھی۔ الٰہذا اب تک اسی کے نام سے مشہور ہے۔ اشوک نے للت پاٹن کو بہت متبرک مقام سمجھا اور وہاں پانچ زبردست ستوپ قائم کیے۔ جن میں ایک تو شہر کے عین مرکز میں تھا اور چار شہر کے باہر فصیل کے چاروں کونوں پر تعمیر کیے گئے تھے۔ یہ تمام یادگاریں اب تک باقی ہیں۔ اور اس کے بعد کے زمانے کی تمام اور عمارتوں سے بالکل ممیز ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہیں جو اشوک یا اس کی بیٹی کے نام کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں[۱]۔

مشرق کی طرف وسعت۔ مشرق کی طرف اشوک کی سلطنت میں دریائے گنگا کے دہانوں تک تمام بنگال کا علاقہ (ونگ) شامل تھا۔ ان ہی دہانوں میں تمام رالیپتی یعنے موجودہ تملوک سب سے بڑا بندرگاہ تھا۔ دریائے گوداوری کے شمال کا ساحلی حصہ جو کلنگ کے نام سے مشہور تھا ۲۶۱ ق م زیر نگیں کیا گیا۔ زیادہ جنوب میں، دریاہائے گوداوری اور کرشنا کے درمیان اندھر سلطنت بھی اگرچہ خود اپنے راجہ کے ماتحت تھی۔ مگر اشوک کے زیر سیادت شمار کی جاتی تھی۔ جنوب مشرق میں دریائے پنار اشوک کی سلطنت کی سرحد سمجھا جاتا تھا۔

جنوب مغرب کی طرف وسعت تامل سلطنتیں جو جزیرہ نما کے انتہا تک اور جو چول اور پانڈیا کے نام سے مشہور تھیں یقیناً خود مختار تھیں۔ اور یہی حالت جنوب مغربی یا ساحل مالابار کی سلطنتوں

---

[۱] اولڈ فیلڈ کی "سکیچز فرام نیپال" جلد دوم صفحات ۱۹۸ و ۲۴۶ - ۲۵۲ - انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۴۱۲ - پاٹن کے مقام کے شمالی ستوپ کو مسٹر بنڈل اپی تو ڈ کہتے ہیں (اے جرنی ان نیپال صفحہ ۱۲)۔ اولڈفیلڈ نے اس کو اپی یا زمپی تند و اور ریزیڈنسی کے کلرک نے اہپی لکھا ہے۔ ان میں زمپی تند صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (لیوی کی ل نیپال صفحات ۱ - ۳ - و ۳۴۴)۔ کہ عمارت اگرچہ شہر کے اندر واقع ہے۔ مگر فصیل شہر سے باہر ہے۔

کریل پتر اور ستیا پتر کی تھی۔[1] سلطنت کی جنوبی سرحد تقریباً صحت کے ساتھ دریائے پنار کے دہانے یعنے مشرقی ساحل پر ضلع نلور کے قریب سے لے کر کڈپہ میں ہوتی ہوئی اور جنوب میں چیتل درگ پر سے گذرتی ہوئی مغربی ساحل پر پہنچتی تھی۔ یہ تلوا ملک کی شمالی سرحد تھی اور غالباً ستیا پتر کی سلطنت کی جگہ قائم تھی[2]

وحشی اقوام شمال مغربی سرحد کی نیم وحشی اقوام۔ اور ان اقوام کے متعلق جو بندھیاچل کے ان پہاڑوں میں مقیم تھیں جو شمالی ہند کو جنوب سے جدا کرتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرکزی حکومت زیر نگرانی مگر تقریباً خود مختار تھیں۔ اس طرح اگر ہم موجودہ زمانے کے نام گنوانا چاہیں تو اشوک کی سلطنت میں ہندوکش پہاڑ کے جنوب میں افغانستان کا علاقہ۔ بلوچستان۔ سندھ۔ کشمیر کی وادی۔ نیپال۔ ہمالیہ کا زیرین حصہ۔ اور تمام ہندوستان ماسوا انتہائے جنوب کے شامل تھا۔

دوالسئراسئے۔ اس سلطنت کے وسطی حصوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] سنگیں فرامین نمبر ۲ و ۱۳۔

[2] میں ڈاکٹر فلیٹ سے اس امر میں متفق نہیں ہوں (جے آر اے ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۹۹۷ حاشیہ) کہ چھوٹا سنگی فرمان نمبر ۲۔ جس کے تین نسخے شمالی میسور میں پائے گئے ہیں۔ کسی بیرونی سلطنت کو مخاطب کرنے کے لئے شائع کئے گئے تھے۔ سنگی فرمان نمبر ۲ میں صاف طور پر ذکر ہے کہ ہمالیہ یا سرحدی سلطنتوں سے مراد چول۔ پانڈیا۔ کریلا پتر یا ستیا پتر ہیں۔ پروفیسر آر۔ جی۔ بھنڈارکر (انڈین ریویو جون ۱۹۱۰ء) کے خیال میں ستیا پتر کی سلطنت پونا کے قریب واقع تھی کیونکہ بہت سی ذاتوں کے نام وہاں اب بھی سات پتے ہیں۔ مگر اس فرمان میں ستیا پتر کا ذکر تامل سلطنتوں کے ساتھ آتا ہے۔ اور وہ جگہ جو میں نے مقرر کی ہے۔ نسل اور زبان کے فرق کی بنا پر کی ہے۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ موریا سلطنت میں جس میں وہ علاقے جو ان کے زیر نگین اور زیر سیادت تھے شامل ہیں۔ جنوب میں نیچے تک چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ تامل سلطنتیں ان کے سد راہ ہوتی تھیں۔

ان پر خود بادشاہ کی زیر نگرانی پاٹلی پتر سے حکومت ہوتی تھی۔ دور دست صوبجات کے اوپر نائب السلطنت مقرر تھے۔ اس قسم کے صوبے بظاہر کم از کم چار ضرور تھے۔ شمال مغربی حصے کے حکمران کا مستقر ٹکسلا تھا۔ اور اغلب یہ ہے کہ پنجاب۔ سندھ۔ دریائے سندھ کے اُس طرف کا علاقہ اور کشمیر کے ممالک اس کی زیر حکومت تھے۔ مشرقی ممالک پر جن میں کلنگ کا علاقہ بھی شامل تھا ایک نائب السلطنت مقرر تھا۔ جس کا مستقر ایک مقام توسلی نامی تھا۔ مگر اس کا موقعہ ابھی تک متعین نہیں ہوسکا۔ مالوا۔ گجرات اور کاٹھیاواڑ کے مغربی صوبے ایک تیسرے صوبے دار کے ہاتھ میں تھے اور اس کا مستقر اجین قدیم شہر میں تھا۔ ماوراء نربدا کے جنوبی صوبے ایک چوتھے نائب السلطنت کے زیر نگین[1] تھے۔

تعمیرات۔ اشوک کو عمارتوں کے بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اس کے تعمیرات کی عظمت وشان نے عوام کے دل ودماغ پر ایسا گہرا اثر کیا تھا۔ کہ اس کی روائیتیں اور حکایتیں گھڑلی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تین برس کی قلیل مدت میں چوراسی ہزار ستوپ

---

[1] چھوٹے سنگی فرمان نمبر ایک کے میسوری نسخے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشوک کے احکام کو اسیلا نام ایک شہر کے عمال تک پہنچاتا ہے۔ یہ شہر غالباً اس قدیم جگہ پر واقع تھا جہاں سے کہ یہ کتبے برآمد ہوئے ہیں۔ یہ احکام سورنگری کے بادشاہ اور عمال کے ذریعے سے وہاں پہنچائے ہیں۔ یعنے یہ احکام اشوک نے دیئے ان کو سورنگری کے راجہ اور عمال نے نافذ کیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ سورنگری کہیں جنوب میں واقع تھا۔ اور یہ راجہ جس کا ذکر ہوا اشوک کا دکن پر نائب تھا۔ ڈاکٹر فلیٹ نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ سورنگری مگدھ کی سلطنت میں سونگیر یا قدیم راج گیر کا مقام ہے۔ اور اسی بنا پر اس نے یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ اشوک وہاں گوشہ نشین تھا۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰۱۶-۹۸۱) مگر مجھے کوئی شہادت اس امر کی نہیں ملی کہ اشوک تخت وتاج سے اپنی زندگی میں دستبردار ہو گیا تھا۔

تعمیر کرائے تھے۔ جب سب سے پہلا چینی جاتری فاہیان اشوک کے دارالسلطنت پاٹلی پتر میں چندر گپت بکرماجیت کے عہد حکومت یعنے پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں پہنچا۔ تو اس وقت اشوک کا شاہی محل موجود تھا اور اس کے متعلق عوام کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ مافوق العادت قوتوں کے ذریعے بنایا گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"شاہی محلات اور ایوان جو شہر کے درمیان میں اُسی طرح قائم ہیں جیسے کہ قدیم زمانے میں تھے۔ ان طاقتوں نے بنائے تھے جو اس کے ملازم تھے۔ انھوں نے ہی پتھروں کو ایک دوسرے پر جمایا۔ دیواریں اور دروازے قائم کیئے۔ اور ایسی خوبصورت کھدائی پچی کاری کا کام کیا۔ جو انسانی طاقت سے باہر ہے"۔

یہ تمام عالیشان عمارات ناپید ہوگئی ہیں۔ اور ان کے آثار اب دریائے گنگا اور سون کے تہوں کے نیچے اس قدر گہرے مدفون ہیں کہ ان کی تحصیل اب بالکل ناممکن الحصول ہے۔ ان ہی کھنڈروں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ریلوے لائن۔ پٹنہ کا شہر اور بانکی پور کی انگریزی آبادی قائم ہے۔ مگر بہر حال برائے نام اور بے ترتیب کھدائی کے کام نے بھی اتنا ضرور ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر کر دیا ہے جس سے کہ جاتری کے پر جوش بیان کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور میں نے بچشم خود دو نہایت اعلیٰ درجے کے منقوش پتھر کے ستون دیکھے ہیں۔ جو بانکی پور کے مقام پر کھود کر نکالے گئے تھے۔

اشوک کے محلات کی طرح اس کی بنائی ہوئی بیشمار اور عالیشان خانقاہیں بھی کالعدم ہو چکی ہیں۔ اور اس قدر برباد ہوگئی ہیں کہ ان کا پہچاننا ناممکن ہے۔

سانچی کے ستوپ اشوک کے تمام زمانے کی عمارات میں سے جو چیز کہ تباہی سے بچ رہی ہے۔ اور اس حالت میں ہے کہ اس سے کسی قسم کا اندازہ لگایا جا سکے وہ مشہور و معروف ستوپ ہیں جو

وسط ہند میں سانچی کے مقام پر یا اس کے قریب۔ اُجین کے نزدیک ہی واقع ہیں۔ جہاں اشوک اپنی شاہزادگی کے زمانے میں مغربی ہند پر حکومت کرتا تھا۔ جنگلے کے نہایت ہی عمدہ منقوش دروازے جن کو کہ بہت مرتبہ بیان کیا جاچکا ہے اور اکثر نقشے شایع ہو چکے ہیں۔ یا تو خود اس شہنشاہ اعظم کے زمانے میں بنائے گئے تھے۔ اور یا کم از کم اس کے بہت ہی کم بعد کے زمانے کے ہیں ؀

ایک پتھر کے تراشے ہوئے مینار اشوک نے اپنے عہد حکومت کے دوران میں بے شمار ایک پتھر کے گھڑے ہوئے سنگی ستون سلطنت کے قریبی صوبوں میں نصب کرائے۔ ان میں سے بعض پر اس کے فرامین کندہ ہیں اور بعض پر نہیں۔ چند ستون ایسے ہیں جو بلندی میں پچاس فٹ ہیں اور وزن میں تقریباً پچاس ٹن۔ یہ ستون نہ صرف اس کے زمانے کی قابل یادگار آثار ہیں بلکہ وہ قدیم ترین نمونے ہیں جو ہم کو ہندی فن تعمیر کے متعلق مل سکتے ہیں۔ ان کا نقشہ ایرانی نمونے سے لیا گیا ہے۔ مگر اس میں بہت جدت سے کام لیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی کاریگری بھی تکمیل کو پہنچی ہوئی ہے[1] ؀

غاروں کے مکانات۔ برابر کی پہاڑیوں میں گیا کے قریب اشوک نے نہایت ہی سخت سنگ خارا کی چٹانوں میں صاف

---

[1] دیکھو "اسوکا" دوسری ایڈیشن صفحہ ۱۴۸-۱۴۶ - اے ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون صفحہ ۲۰ - ۵۹ - ۶۲ - لوح ۲ - ۱۳ - شکل ۲۸ و ۲۹ - اور "مونو لیتھک پلرس اور کالمز آف اسوکا" زید - ڈی - ایم - جی - ۱۹۱۱ء - صفحہ ۲ - ۲۲۱ - ڈاکٹر جے - ایچ - مارشل کہتا ہے کہ "موریا خاندان کی تمام عمارات میں حد درجہ تکمیل اور صحت کا انداز پایا جاتا ہے - اور اس تکمیل کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس حیثیت سے یونانی عمارات سے بھی بڑھ بڑھ کر ہیں - (انیوئل رپورٹ - آرکی آلوجیکل سروے ۱۹۰۶ء و ۱۹۰۷ء صفحہ ۸۹) ؀

شفاف دیواروں کے مکانات کھدوائے تھے۔ یہ مکانات آجیوک سنیاسیوں کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ جو نہایت ہی قدیم مذہبی فرقہ تھا۔ اور جین اور بدھ مت دونوں سے بالکل علیحدہ تھا۔ ان مکانات کے دیکھنے سے آدمی کو اس قسم کے مصری مکانات یاد آجاتے ہیں[1]۔

کتبات۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ اشوک کے زمانے کی سب سے زیادہ بیش بہا یادگار اس کے کتبے ہیں۔ یہ تعداد میں تیس سے کچھ زیادہ ہیں۔ اور چٹانوں۔ بڑے بڑے پتھروں۔ غار کی دیواروں اور ستونوں پر کندہ ہیں۔ یہی کتبے اس کے زمانے کی تاریخ کے بہترین اور سب سے معتبر اسناد ہیں۔ اور اسی لئے قبل اس کے کہ میں اس کے عقائد اور حکمت عملی پر بحث کروں ضروری ہے کہ میں ان کتبوں پر تبصرہ کروں۔ ان میں سے زیادہ اہم کتبے وہ ہیں جن سے اس کی حکومت کے نظم و نسق اور اس کے فلسفہ اخلاق کا تفصیلی پتا چلتا ہے۔ اس کی شخصیت اور عادات و خصائل پر بھی بہت کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ مختصر کتبات میں نذرانوں کی عبارتیں۔ یادگار کے طور پر مختصر بیانات اور دوسری باتیں ملتی ہیں۔ مگر بہرحال سب سے مختصر کتبوں کی بھی خاص اہمیت ہے[2]۔

---

[1] یہ اجیوک فرقہ وشنو سے تعلق نہیں رکھتا جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ (بھنڈارکر "اپی گریفک کو پنٹنز اینڈ اینسرز" جرنل بمبئی رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۲۰۔ سنہ ۱۹۰۲۔ وانڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ صفحہ ۹۰ و ۲۸۶۔ ان کے عقائد کے ملخص کے لئے دیکھو "سامن پھل" مترجمہ رہس ڈیوڈس منقول فی ڈائلوگس آف بڈھا (سنہ ۱۸۹۹ صفحہ ۷۱)۔

[2] اگرچہ ان کتبات پر کسی کا نام نہیں۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۳ صفحہ ۲۶۵) مگر ان کا اشوک کی طرف منسوب کرنا بالکل درست ہے۔ اس بات کا تفصیلی ثبوت میرے مضامین۔ "دی آٹھ شب پیاڈسی انسکرپشنز" اور "آئی ڈنٹی آف پیاڈسی ودھ اسوکا موریا وغیرہ" میں ملے گا (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۹۹۔ ۴۸۱ و ۸۲۷۔ ۸۴۲)۔

ان کتبات کی وسعت۔ یہ کتبے تقریباً تمام ہندوستان میں یعنے کوہستان ہمالیہ سے لے کر میسور تک اور خلیج بنگالے سے لے کر بحیرۂ عرب تک پھیلے ہوئے ہیں؛

ان کی زبان تمام کتبے مختلف قسم کی پراکرت زبان میں لکھے ہوئے ہیں یعنے وہ مقامی زبانیں جن کا تعلق ایک طرف تو علمی سنسکرت زبان سے تھا اور دوسری لنکا کے بدھ مذہب کی پالی زبان سے۔ مگر خالصتاً یہ ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ اسی لئے بظاہر ان کا مقصد اور ان کی اصلی غائت یہ ہے کہ عوام اس کو پڑھیں اور سمجھ سکیں۔ ان کے وجود ہی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا علم عام تھا۔ یہ کتبے جو بالتخصیص عوام کی تعلیم کے لئے شائع کیئے گئے تھے یا تو شاہراہوں پر یا جاترے کے ایسے مقامات پر جہاں لوگوں کی آمد ورفت زیادہ ہو۔ اور جہاں ان کی اشاعت بھی آسانی سے ہوسکے کندہ کرائے جاتے تھے؛

الفاظ طرز تحریر چودہ سنگین فرامین کے دو نسخے جو ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کے قریب کے مقامات میں چٹانوں پر کندہ ہیں۔ اس زبان کے حروف میں لکھے ہوئے جو وہاں مقامی طور پر رائج تھے۔ اور جن کو علماء آجکل کروشتھی حروف کہتے ہیں یہ حروف قدیم ارامی زبان کے حروف سے ماخوذ ہیں اور داہنی جانب سے بائیں طرف کو لکھے جاتے ہیں۔ انھوں نے پنجاب کے علاقے میں چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں ایرانی عہد حکومت کے دوران میں رواج پایا۔ ان کے علاوہ اور تمام کتبے براہمی حروف کی کسی نہ کسی شکل میں کندہ ہیں۔ یہی وہ حروف ہیں جن سے کہ موجودہ دیوناگری حروف اور مغربی اور شمالی ہندوستان کی زمانۂ حال کی طرز تحریر ماخوذ ہے۔ یہ بائیں سے دہنے جانب کو لکھے اور پڑھے جاتے ہیں[1]؛

[1] پروفیسر ریپسن کا خیال ہے کہ "وہ علاقہ جہاں کروشتی اور براہمی دونوں قسم کی

ان کتبات کی آٹھ قسمیں۔

یہ تمام کتبے نہایت آسانی سے آٹھ قسموں میں منقسم کیئے جا سکتے ہیں۔ اور ان کو تقریباً صحیح سنین کے لحاظ مندرجۂ ذیل طریقے سے ترتیب دیا جا سکتا ہے:

۱۔ چھوٹا سنگی فرمان:۔ اس کے نمبرا۔ کے چھ مختلف نسخے پائے جاتے ہیں۔ اور وہ تقریباً سب کے سب چودہ سنگین فرمانوں سے ذرا قبل ہی کے زمانے یعنی ۲۵۷ء ق م کے ہیں۔ نمبر ۲۔ غالباً اس سے ذرا بعد کا ہے؛

۲۔ بھابرو کا فرمان۔ یہ بھی تقریباً اسی سنہ کا ہے۔ جس کا کہ سنگی فرمان نمبرا ہے؛

۳۔ چودہ سنگی فرامین۔ جن کے سات نسخے ملتے ہیں۔ اور اس کی حکومت کی تیرھویں یا چودھویں سے ان کی تاریخ شروع ہوتی ہے یعنی ۲۵۷ء ق م یا ۲۵۶ء ق م سے؛

۴۔ کلنگ ملک کے دو فرامین۔ جو غالباً ۲۵۶ء ق م میں نافذ ہوئے۔ اور جن کا تعلق صرف جدید مفتوحہ ملک ہی سے تھا؛

۵۔ گیا کے قریب برابر کے مقام پر تین نذرانے کے غاری کتبات جو ۲۵۷ء اور ۲۵۰ء ق م میں لکھے گئے؛

۶۔ ترائی کے علاقے کے دو ستونی کتبے ۲۴۹ء ق م میں؛

۷۔ سات ستونی فرمان۔ یہ چھ مختلف صورتوں میں پائے جاتے ہیں اور ۲۴۳ء و ۲۴۲ء ق م میں شائع ہوئے؛

۸۔ چھوٹے ستونی فرامین تقریباً ۲۴۰ء ق م میں یا اس کے مابعد کندہ کرائے گئے؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ طرز تحریر بالکل یکساں اور پہلو بہ پہلو رائج تھی۔ وہ تقریباً صحت کے ساتھ پنجاب کے ضلع جالندھر ہو سکتا ہے۔" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۵ء صفحہ ۸۱۰)؛

چھوٹے چٹانی فرامین۔ اشوک کے تمام کتبوں میں سب سے زیادہ مشکلوں کا سامنا پہلے چھوٹے سنگی فرمان کے سمجھنے اور مطلب نکالنے میں ہوتا ہے۔ مگر یہ تمام مشکلیں آہستہ آہستہ حل ہوتی جاتی ہیں۔ اور اب کم از کم اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ اس کتبے میں تاریخ موجود نہیں[1]۔ اشوک کی حکومت کے متعلق اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ فرمان نمبر ۲۔ میں محض قانون فرائض یا دھرم کا خلاصہ دیا گیا ہے ؛

بھابرو کا فرمان بھابرو کے فرمان کی خاص اہمیت بدھ مذہب کے مذہبی قانون کی تاریخ سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اس میں ان کی مذہبی کتابوں کی سات عبارتیں ایسی منقول ہیں جن کی طرف بادشاہ خاص طور پر اپنی رعایا کو توجہ دلانا چاہتا تھا۔ ان تمام عبارتوں کا اب پتہ لگا لیا گیا[2] ہے۔ ممکن ہے کہ جب اس نے اس فرمان کی تیاری کا حکم دیا ہو تو اشوک خود بیرات کے مقام پر کسی خانقاہ میں مقیم ہو ؛

چودہ چٹانی فرمان ان چودہ فرامین میں اشوک نے اپنے اصول سلطنت اور فلسفۂ اخلاق کی تشریح کی ہے۔ اور ان میں سے

---

[1] چھوٹے سنگی فرمان نمبر ا کے تین مختلف نسخے میسور میں ایسے مقامات میں پائے گئے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہی واقع ہیں۔ یعنے سدا پور۔ چیتنگر امیسور (۱۴° - ۵° شمالی عرض بلد۔ ۷۶° - ۸۴ مشرقی طول بلد) اور برہما گری۔ باقی تین بہار کے ضلع شاہ آباد میں سہسرام مقام پر۔ وسط ہند کے ضلع جبلپور میں روپ ناتھ مقام پر۔ اور راجپوتانہ کے علاقے میں جودھپور کی ریاست میں بیرات مقام پر پائے گئے ہیں۔ چھوٹا سنگی فرمان نمبر ۲ صرف میسور کے فرامین میں ہی اضافہ کیا گیا ہے ؛

[2] بھابرو کا فرمان ایک بڑے پتھر پر کندہ ہے۔ جو آجکل کلکتہ میں بیرات مقام کی ایک پہاڑی کی چوٹی سے منتقل کر دیا گیا ہے۔ چھوٹا سنگی فرمان نمبر ا۔ ساتھ کی ایک پہاڑی کی چٹان پر کندہ ہے۔ ۱۲ ؛

ہر ایک فرمان صرف ایک ہی مضمون کے لیئے مخصوص ہے مختلف نسخوں میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ اور بعض میں سب کے سب چودہ فرامین بھی شامل ہیں۔ مگر بہرحال یہ سلسلہ مع اس کے تمام اختلافات کے دور دراز سرحدی صوبے تک ہی محدود ہے۔ جو صوبہ داروں کے زیر حکومت تھا۔ غالباً راجہ کا خیال تھا کہ مرکزی صوبوں میں جو ذاتی طور پر اس کے زیر نگرانی تھے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کی تعلیمات کو پتھروں پر کندہ کرایا جائے۔ کیونکہ ان کے علاوہ اور بھی ایسی صورتیں موجود تھیں جن سے کہ ان کی اشاعت کی جاسکتی تھی۔ مگر کچھ سال بعد اس نے اپنے قانون کو ان مرکزی صوبوں میں بھی پتھر کے ستونوں پر کندہ کرا کے بقاء دائمی بخشدی[1]؎

کلنگ کے فرامین یہ فرامین دراصل ان ہی چودہ سنگی فرامین کے سلسلے کا ایک خاص ضمیمہ ہیں۔ اور ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ ان اصول کو قائم کر دیا جائے جن کی رو سے کہ نو مفتوحہ علاقے اور ان نیم وحشی اقوام پر حکومت کی جاسکے جو اس کی سرحد پر آباد تھے۔ ان کو

---

[1] چودہ سنگی فرامین کے موقعے حسب ذیل ہیں:- (۱) یوسف زئی کے علاقے میں پشاور سے ۴۰ میل شمال مشرق میں شاہ باز گڑھی کے مقام پر۔ (۲) ضلع ہزارا میں مان سہرا یا مانسیرا۔ ان دونوں میں کروشتی طرز تحریر استعمال کیا گیا ہے۔ (۳) سوری (یا منصوری) کے مغرب میں ۱۵ میل کے فاصلے پر زیرین ہمالیہ میں کالسی مقام پر۔ (۴) بمبئی کے قریب تھانے کے ضلع میں سپارا کے مقام پر (۵) کاٹھیاواڑ کے جزیرہ نما میں جوناگڈہ کے قریب کوہ گرنار مقام پر (۶) اڑلیسہ میں ضلع کٹک میں بھوانیسور کے جنوب میں دھولی کے مقام کے قریب۔ (۷) مدراس میں ضلع گنجام کے مقام جوگڑا پر۔ آخری دونوں مقامات کلنگ کے علاقے میں شامل ہیں۔ اور دونوں کلنگ کے فرامین کو دھول اور جوگڑا کے فرامین کے آخر میں ضمیمے کے طور پر زیادہ کر دیا گیا ہے ؎

بعض با قاعدہ فرامین کی جگہ قائم کیا گیا ہے (نمبر ۱۱ - ۱۲ ÷ ۱۳) - اور ان فرامین کو کلنگ کے فرامین سے یہ سمجھ کر محذوف کر دیا گیا ہے کہ وہ مقامی حالات کے موافق نہیں؛

غار کے کتبے۔ ضلع گیا میں برابر کے مقام کے غار کے تینوں کتبے درحقیقت نہایت ہی مختصر نذرانے کی عبارتیں ہیں ان قیمتی مکانات کو اجیوک فرقے کے سنیاسی لوگوں کو دئیے جانے کے وقت لکھی گئی تھیں اس فرقے کے لوگ عام طور پر ننگے پھرا کرتے تھے۔ اور ریاضت ہائے شاقہ کی وجہ سے مشہور تھے - یہ عبارتیں خاص طور پر اس وجہ سے زیادہ اہم ہیں کہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے اشوک نے اکثر اعلان کیا تھا کہ وہ تمام مذاہب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے تو اس نے یہ کر کے بھی دکھا دیا۔ چونکہ یہ اجیوک فرقے کے لوگ تضا و قدر کے قائل تھے - اور بدھ مت کے ساتھ ان کا یا تو بالکل تعلق تھا ہی نہیں اور اگر تھا بھی تو برائے نام؛

ترائی کے ستونی کتبے۔ ترائی کے علاقہ کے دو ستونی کتبے اگرچہ نہایت ہی مختصر ہیں البتہ بعض وجوہ سے بہت دلچسپ ہیں - ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان سے اس ادبی روایت کی صحت کا ثبوت ملتا ہے کہ اشوک واقعی جاترا کے لیئے بدھ مذہب کی "ارض مقدس" کے مذہبی مقامات میں خود گیا تھا۔ رُمنڈئی یا پدرایا کتبے کی جو اس وقت بالکل صحیح سالم حالت میں موجود ہے - یہ اہمیت ہے کہ اس سے بلا کسی شک و شبہ کے اس لمبنی باغ کے اصلی اور صحیح موقعے کا پتہ لگ جاتا ہے - جہاں منقول ہے کہ گوتم بدھ پیدا ہوا تھا - اس دریافت کی وجہ سے یا تو بہت سے مسائل بالکل حل ہو جاتے ہیں - یا کم از کم ان کے حل کرنے میں اس سے ضروری مدد ملتی ہے - اس کے ساتھ ہی کے کتبے سے جو نگلیو کے مقام پر اس سے کم محفوظ حالت میں ملا ہے - یہ نہایت دلچسپ بات معلوم ہوتی ہے کہ راجہ اشوک صرف گوتم بدھ ہی کو اپنا

مذہبی مقتدا نہ سمجھتا تھا۔ بلکہ اس کے مذہب میں اُس کے پیشرو یعنے ''پہلے بدھ'' بھی شامل تھے۔[1]

ستونی فرامین ساتوں ستونی فرامین ۲۴۲ ق م میں یا اس کے قریب قریب اپنی کامل صورت میں اس وقت نافذ کیئے گئے جبکہ اشوک تیس سال تک حکومت کر چکا تھا اور اپنی زندگی کے آخری دن گذار رہا تھا۔ ان فرامین کو چودہ سنگی فرامین سامنے رکھ کر غور کرنا چاہیئے۔ ان میں ان سنگی فرامین کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ اور ان کو ان ساتوں کا ایک قسم کا ضمیمہ تصور کرنا چاہیئے۔ وہ اصول جن کو شروع کے فرامین میں شائع کیا تھا۔ اب آخری زمانے میں ان کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اور ان پر زور دیا گیا ہے۔ اہمسا کے متعلق قوانین کو باقاعدہ طور پر شائع کیا ہے۔ اس تمام سلسلے کے آخر میں ستونی فرمان نمبر ۷ ہے جو سب سے زیادہ قابل قدر ہے۔ یہ صرف ایک ہی یادگار میں محفوظ ہے۔ اور اس میں سلسلہ وار ان تمام باتوں کا ذکر ہے جو راجہ نے پرہیزگاری کو اپنی سلطنت میں رواج دینے کے لیئے کی ہیں۔[2]

چھوٹے ستونی کتبات۔ ۱۹۰۵ء میں سارناتھ کے فرمان کے معلوم ہونے سے قبل ان چھوٹے ستونی کتبات کی اصلی تاریخی اہمیت کا

---

[1] رمنڈئی کے کھنڈر نیپال کی سرحد کے چار میل اُس طرف دریائے تلار کے مشرق میں تقریباً مشرقی طول بلد ۸۳ - ۱۰ - شمالی عرض بلد ۲۷ - ۲۵ میں واقع ہیں۔ پاورایا ایک ساتھ کے گاؤں کا نام ہے۔ نگلیوں کا ستون جو غالباً اپنی اصلی جگہ سے منتقل کیا گیا ہے رمنڈئی کے شمال مغرب میں۔ تقریباً ۱۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ رمنڈئی کتبے کی تصویر کے لیئے دیکھو:۔ ''اسوکا۔ دی امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا'' پلیٹ نمبر ۲۔

[2] ستونی فرامین چھ ستونوں پر پائے جاتے ہیں یعنے دو دہلی میں۔ جن میں سے ایک انبالے کے قریب مقام توپرا سے اور دوسرا میرٹھ سے لایا گیا تھا۔ ایک ستون الہ آباد میں ہے۔ اور ایک فرمان لوڑیہ اراج کے دونوں ستونوں پر۔ لوڑیہ نندن گڑھ اور رام پروا۔ ترہوت کے ضلع چمپارن میں ہے۔

پورا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ مگر اس کے بعد یہ معلوم ہوا کہ سانچی اور کوسمبی کے فرامین۔ جو ایک مدت سے دنیا کے سامنے تھے۔ سارناتھ کے بہتر اور محفوظ تر کتبے کے باختلاف عبارت نقل ہیں۔ اور کیونکہ ان تینوں فرامین میں مذہبی تفرقہ اندازی کے متعلق سزاؤں کا ذکر ہے۔ اس لیئے یہ فرض کر لینا قرین قیاس ہے کہ ان میں اس کونسل کے فیصلے درج ہیں۔ جو ان ہی اختلافات و تفرقات کو مٹانے کے لیئے منعقد کی گئی تھی۔ بلکہ کا فرمان محکمۂ خیرات کے متعلق ہے[1]؛

کتبات اور روایات کی شہادت کا تعلق۔

ہمارے نزدیک وہ ملخص جو گذشتہ صفحات میں ان کتبات کا درج کر دیا ہے اس سے ناظر کتاب کو کافی اندازہ ان عجیب و غریب کتبات کے سلسلے کی اہمیت کا ہو سکتا ہے جو اشوک نے ۲۵۷؁ اور ۲۳۲؁ ق م کے مابین نافذ کیئے تھے۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن کی بنا پر اشوک کی عظیم الشان عہد حکومت کی تاریخ صحیح طور پر لکھی جا سکتی ہے۔ مگر ان کے علاوہ ادبی روائیتوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اگر اصلی نہیں تو کم از کم اس سے کم درجے کی شہادت تو ضرور بہم پہنچاتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے راجہ اشوک کی عہد حکومت کے متعلق روائیتوں کی شہادت کی نسبت تشریح کے طور پر چند کلمات لکھ دینا لابدی اور ضروری ہیں؛

اشوک کے متعلق حکایات۔

اشوک کے متعلق بے شمار حکائیتوں کے مشہور ہو جانے سے ہی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کے دل و دماغ پر اس کی زبردست شخصیت نے کیا کچھ اثر کیا تھا۔ بدھ مذہب کے ممالک میں اشوک کی شہرت کا بعینہٖ وہی

---

[1] کوسمبی اور ملکہ کے فرامین الہ آباد کے ستون پر اس طرح کندہ کیئے ہوئے کہ جن سے گمان گذرتا ہے کہ وہ ضرور ستونی فرمانوں کے بعد کے زمانے کے ہوں گے؛

درجہ ہے جو شارلمین کا زمانۂ وسطیٰ کے یورپین ممالک میں اور وہ دور از کار حکایات جنگی کی وجہ سے اشوک کی تاریخ تاریکی میں گم ہو جاتی ہے۔ ان حکائیتوں کے مقابلے میں رکھی جاسکتی ہیں جنھوں نے سکندر۔ آرتھر۔ اور شارلمین کی شخصیتوں کو بالکل گھیر لیا ہے۔ اشوک کے متعلق یہ حکائیتیں بہرحال بالکل بناوٹی اور دور از کار ہی نہیں۔ بلکہ ان میں تھوڑی بہت حقیقی تاریخی روایتیں بھی ملی جلی ہوئی ہیں۔ مگر جس طرح "مارٹے ڈارتھر" اور نام نہاد ی "گلستہ بھنز" کی حکایتوں پر انگلستانی ہیرو۔ یا مقدونی بادشاہ کی تاریخوں کا انحصار نہیں ہو سکتا۔ بعینہ اسیطرح ان پر اشوک کے عہد حکومت کی سنجیدہ تاریخ کی بنا نہیں قائم کی جاسکتی۔ تنقید کا یہی وہ صریح و بیّن اصل اصول ہے جس کو موریا خاندان کے بہت سے مورخین نے نظر انداز کر دیا ہے۔ انھوں نے بجائے اس کے کہ صحیح جانب سے شروع کرکے سب سے پہلے سب سے قدیم کتبات کو لیتے۔ غلطی سے اپنی تاریخ کا آغاز بعید ترین حکایات سے کیا ؎

ان حکایات کی دوروئی۔

اشوک کے متعلق حکایات ہم کو دو طرف سے ملتی ہیں۔ ایک تو لنکا کی طرف سے اور دوسری شمالی ہند کی طرف سے۔ اور چونکہ لنکا کی یہ مختلف روائتیں ایسی کتابوں میں مذکور ہیں جن کو باقاعدہ کتب تاریخ ہونے کا ادعا ہے۔ جن میں سنین و تواریخ کا التزام بھی ہے۔ اور وہ تقریباً اسی سال سے یورپ کے پیش نظر ہیں۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر ان جنوبی روایات نے ایک خاص شہرت اور وقعت حاصل کرلی ہے۔ لنکا کی سب سے قدیم تاریخ دیپاوس غالباً چوتھی صدی عیسوی میں تصنیف ہوئی اور اس طرح وہ اشوک کی موت کے کم از کم چھ صدی بعد کی کتاب ہے۔ اور اس کا ہمعصر تاریخ ہونے کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ اگرچہ ایسا نہیں ہے کہ وہ بالکل بیکار ہی ہو۔ بلکہ اکثر اوقات کام دلیکتی ہے ؎

شمالی ہند کی روایات بہتر اسناد ہیں

شمالی ہند کی روایات بھی تقریباً اتنی ہی قدیم ہیں۔

مگر کیونکہ وہ مختلف ہندی نیپالی چینی۔ تبتی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس لیئے
اب تک ان پر کما حقہ غور و فکر نہیں کیا گیا۔ یہ ضروری ہے کہ تمام روایتی
مواد کو بہت سخت احتیاط سے استعمال کرنا چاہیئے۔ اور وہ بھی صرف معتبر
اور محقق اسناد کے ضمیمے کے طور پر۔ مگر تھوڑے غور کے بعد یہ بات
آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان روایتوں میں جو شمالی ہند یعنے
اشوک کی سلطنت کے عین مرکز میں مشہور ہوں تاریخی مواد کا ملنا
لنکا روایات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ممکن ہے۔ خصوصًا جیسا کہ
دوسری روائتیں اس دور دراز ملک میں ترجموں کے ذریعے نہیں معلوم
کس طرح اور کہاں سے پہنچیں۔ اور اس کے بعد ان میں ان مقامی اور
مذہبی طور پر تغیر و تبدل بھی ہوا۔ اس قیاس کی تصدیق اس وقت ہوتی ہے
جبکہ ہم دونوں قسموں کی روائیتوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ کریں۔
اس وقت یہ واضح ہوتا ہے کہ ان اہم مقامات میں جہاں کہ دونوں میں
اختلاف ہے۔ شمالی ہند کی روایات صریحًا زیادہ قابل اعتبار و اعتماد ہیں ؎

ضمیمۂ د

اشوک کے کتبات :- ان کے متعلق کتب پر ایک نوٹ

(یہ بیان ہماری کتاب "اسوکا" دوسری ایڈیشن صفحات ۲۴ - ۲۰۲ پر مبنی ہے - مگر اس کو بالکل کامل کر دیا گیا ہے) ؛

پرنسپ وغیرہ کی پرانی اور متروک کتابوں کا ان میں ذکر نہیں کیا گیا۔ سنہ ۱۹۰۲ء تک کے اس مضمون کے متعلق تمام کتابوں کی مفصل فہرست آر - آٹو - فرینک کی کتاب "پالی اُنڈ سنسکرت" مطبوعہ سٹراسبرگ سنہ ۱۹۰۲ء کے صفحہ ۵ - ۱ پر سے گی - مندرجۂ ذیل فہرست میں سنہ ۱۹۱۳ء تک کی تمام کتابیں شامل ہیں - اور گمان یہ کیا گیا ہے کہ یہ فہرست تقریباً کامل ہے - کم از کم جہاں تک کہ مشہور اور ضروری کتب کا تعلق ہے - مگر بہر حال یہ ممکن ہے کہ چند مضامین نظر انداز ہو گئے ہوں ؛

---

۱ - عام کتب

امیلی سینارٹ :- لیس انسکرپشنز ڈی پیڈسی (پیرس - جلد اول سنہ ۱۸۸۱ء جلد دوم سنہ ۱۸۸۶ء) - یہ زبردست کتاب اگرچہ ایک حد تک بعد کی تحقیقات اور دریافتوں کی وجہ سے پرانی ہو گئی ہے - مگر پھر بھی کتبات کے بغور مطالعہ کے لئے بالکل لابدی ہے ؛

سر آرتھر کننگھم :- "انسکرپشنز آف اسوکا" (کلکتہ سنہ ۱۸۷۷ء) - اس کو صرف جغرافی حالات کے معلوم کرنے کے لئے دیکھنا چاہئے ؛

پروفیسر ای - ہارڈی :- "کونگ اسوکا" (منیز سنہ ۱۹۰۲ء) - یہ اشوک کی عہد حکومت کی ایک سادہ اور عام فہم تاریخ ہے - اور اگرچہ عام طور پر محض

حکایات ہی پر اکتفا کیا ہے۔ مگر کہیں کہیں کتبات کا بھی ذکر آجاتا ہے ؁
وی۔ اے۔ سمتھ:۔ "اسوکا نوٹس" انڈین انٹی کویری برائے سنہ ۱۹۰۳ سنہ ۱۹۰۵ سنہ ۱۹۰۸ سنہ ۱۹۰۹ سنہ ۱۹۱۰ ؁ "اسوکا دی بدھسٹ امپرر آف انڈیا" دوسری ایڈیشن سنہ ۱۹۰۹ ؁۔ پروفیسر ہلش ان کتبات کے ترمیم شدہ ترجمے مشرح نئی ایڈیشن آجکل (سنہ ۱۹۱۳) تیار ہو رہی ہے۔ اور امید ہے کہ اس کے شائع ہونے کے بعد سے معاملات متنازعہ فیہ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ پروفیسر ہلش کے لیئے ان کتبات کے نئے فوٹو تیار کیئے گئے ہیں ؁

۲۔ چھوٹے سنگی فرمان

اُن کتبات پر چھوٹے ستونی فرامین کے تعلق سے بہت کچھ غور و فکر ہو چکا ہے۔ مگر ان کے متعلق اب تک کوئی آخری تصفیہ نہیں ہوا ؁

جی بیوہلر:۔ سدا پور (میسور) کے متنون کی اس نے تصحیح کی اور مع فوٹو کے ان کا ترجمہ ایپی گریفیا انڈکا جلد سوم صفحات ۱۴۲-۱۳۵ میں شائع کرایا۔ سہسرام۔ بیرات۔ روپ ناتھ کے متنون کی تصحیح کی۔ اور سہسرام اور رُوپ ناتھ کے کتبات کے فوٹو کے ساتھ ان کا ترجمہ انڈین انٹی کویری جلد پنجم (سنہ ۱۸۷۶) صفحہ ۱۶۰-۱۴۹ میں طبع کرایا۔ پھر بعد میں نظر ثانی کے بعد انڈین انٹی کویری جلد ۲۲۔ (سنہ ۱۸۹۳) صفحہ ۳۰۶-۲۰۹ میں چھپوایا۔ اس کے علاوہ دیکھو انڈین انٹی کویری جلد ۲۶ (سنہ ۱۸۹۷)۔ صفحہ ۳۳۴ ؁

لیوس رائس:۔ سدپور کے تینوں متنون کا فوٹو ایپی گریفیا کرناٹیکا جلد ۱۱ میں (بنگلور سنہ ۱۹۰۳ ؁)۔ براہمگیری کے فرمان کا متن "میسور اینڈ کرگ فرام دی انسکرپشنز" میں (لندن سنہ ۱۹۰۹) ؁

جے۔ ایف فلیٹ:۔ مضامین کا ایک سلسلہ سنہ ۱۹۰۳ سنہ ۱۹۰۴ سنہ ۱۹۰۸ سنہ ۱۹۰۹ سنہ ۱۹۱۰ اور سنہ ۱۹۱۱ کے جے۔ آر۔ اے۔ ایس میں۔

ایف۔ڈبلیو۔ٹامس :۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۱۔
"دی وِداباہ ڈاسوکا" (رسالہ) جرنل ایشیاٹک میں۔ (مئی۔جون ۱۹۱۰ء)
یہ مضمون زیادہ اہم ہے۔ جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۱۳ء صفحہ ۷۷۴ء
پروفیسر ہلٹش :۔ جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۱۰ء صفحات۔(۱۴۲)
الہ (۱۳۰۸) ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱۱۴ ۔ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰۵۳ء
پروفیسر سلوین لیوی :۔ "دینتھا ۲۵۶ء" جے۔ایشیاٹک میں۔
جنوری۔فروری ۱۹۱۱ء
ڈی۔آر۔بھنڈارکر :۔ "ایپی گریفک نوٹس اینڈ کوسچنز"
انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۷۳۔۱۷۰ء

۳۔بھابرُو کا فرمان

امیلی سینارٹ :۔ متن اور ترجمہ بعد از تصحیح۔ انڈین انٹی کویری
۱۸۹۱ء صفحہ ۱۶۵ء
جے۔برگیس :۔ فوٹو۔ جے۔ایشیاٹک میں ۱۸۸۷ء
ٹی۔ڈبلیو۔رہس ڈیوڈس :۔ جے۔آر۔اے۔ایس ۱۸۹۸ء
صفحہ ۶۳۹۔جنرل پالی ٹکسٹ سوسائٹی ۱۸۹۶ء
ای۔ہارڈی :۔ جے۔آر۔اے۔ایس صفحہ ۳۱۱ و صفحہ ۵۷۷ء
پروفیسر سلوین لیوی :۔ "نوٹس سر ڈائورس انسکرپشنز ڈی پیڈسی"
حصہ دوم جے۔ایشیاٹک میں مئی۔جون ۱۸۹۶ء۔ (حصہ اول میں چھوٹے
سنگی فرامین پر بحث کی گئی ہے)
پروفیسر ڈی۔ایچ۔کوسمبی :۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۷ء
پروفیسر ہلٹش :۔ جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱۱۳ء
اے۔اڈمنڈس :۔ جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۱۳ء صفحہ ۳۸۵ء

۴- چودہ سنگی فرامین

ان کی سب سے اعلیٰ درجے کی ایڈیشن بیوہلر نے ایپی گریفیا انڈیکا جلد دوم صفحہ ۴۴۷-۴۶۴ طبع کرائی ہے۔ اور اس میں گرنار۔ شاہ باز گڑھی۔ مانسہرا۔ اور کالسی کے متون کے فوٹو بھی شامل ہیں۔ شاہ باز گڑھی کے بارھویں فرمان کا فوٹو۔ تیار کردہ بیوہلر مطبوعہ ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۱۱۔ اسی نے برگیس کی کتاب "امراوتی" میں دھولی اور جوگدا کے متنوں کو بعد تصحیح کے مع ترجمہ چھپوایا۔ (اے۔ ایس۔ ایس۔ آئی ۱۸۸۷ء)۔ صفحہ ۱۱۴-۱۲۵۔ گرنار کے متن کا فوٹو مع ایک متروک اور پرانے ترجمے کے برگیس کی "کاٹھیاواڑ اینڈ کچھ" (اے۔ ایس۔ ڈبلیو۔ آئی) صفحہ ۹۳-۱۲۷ میں ہے۔

فرامین نمبر ۱ و ۲ پر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر نے جرنل بمبئی برانچ رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۲۰ (۱۹۰۲ء) میں بحث کی ہے۔ فرمان نمبر ۳ کے لئے دیکھو فلیٹ کا مضمون۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۸۱۱-۸۲۲۔ فرمان نمبر ۴ پر جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۱ء صفحہ ۷۸۵ میں پروفیسر ہلش نے۔ اور انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۵ میں ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر نے بحث کی ہے۔

اس تمام سلسلۂ کتبات کے متعلق بہت سی باتوں پر وی۔ اے سمتھ نے "اسوکا نوٹس" میں بحث کی ہے۔ اور اس کے علاوہ آر۔ او فرنیک نے بھی اس پر مفصل بحث کی ہے۔

مجلس کے مضامین میں زیادہ قواعد صرف و نحو اور زبان کے متعلق بحث ہے یہ مضامین "جرنل امیریکن اورنٹیل سوسائٹی" ۱۹۱۱ء۔ اور "امیریکن جرنل آف فلالوجی ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء اور "انڈوجرمن فورشنگن" ۱۹۱۰ء و ۱۹۱۱ء میں شایع ہوئے۔ یہ تمام مضامین ایک حد تک ان چودہ سنگی فرامین کے متعلق ہی ہیں۔

۵۔ کلنگ کے فرامین

ان پر سینارٹ اوگیرسن نے نظر ثانی کی۔ تصیح کی۔ اور ان کا ترجمہ انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ (۱۸۹۰ء) صفحہ ۱۰۲۔۸۲ میں شایع کرایا۔ اور بیوہلر کے پہلے ترجمے کی تصیح کی۔ مع فوٹو برگیس کی "امراوتی" میں (اے۔ ایس۔ایس۔ آئی ۱۸۸۷ء) صفحہ ۱۳۱۔۱۲۵ تک

۶۔ سات ستونی فرامین

ان کا سب سے اچھا ایڈیشن بیوہلر کا ہے۔ مع ترجمہ اور چند فرامین کے فوٹو کے۔ انڈین انٹی کویری جلد دوم (۱۸۹۴ء) صفحہ ۲۷۴۔۲۴۵۔ سینارٹ کی اور اس کے قبل کی ایڈیشن اور ترجمہ۔ انڈین انٹی کویری جلد ۲۷ (۱۸۸۸ء) صفحہ ۳۰۷۔۳۰۳۔ جلد ۲۸ (۱۸۸۹ء) صفحہ ۷۳ و ۱۰۵ و ۳۰۰۔ دہلی (یعنے توپرا) اور الہ آباد کے فرامین کا فوٹو تیار کردہ بیوہلر۔ اور فلیٹ۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۳۔ (۱۸۸۴ء) صفحہ ۳۰۶ تک

منموہن چکراورتی:۔ "اینیملز ان دی انسکرپشنز آف پیڈیسئی" (میمائرز آف۔ اے۔ ایس۔ بی۔ کلکتہ ۱۹۰۶ء) تک

ٹی مچلسن کا مضمون "نوٹس آف دی پلر ایڈکٹس آف اسوکا" (انڈو جرمن فورشنگن۔ سٹرسبرگ ۱۹۰۶ء) میں اس میں متن پر بہت قابل قدر تنقید کی گئی ہے۔ اور تشریحات کی گئی ہیں تک

رام پروا کے ستون کے بیان کے لیئے دیکھو جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۰۸۵۔ بہ ہیئت مجموعی ان ستونی فرامین میں کچھ زیادہ دقت واقع نہیں ہوتی تک

۷۔ چھوٹے ستونی فرامین

(۱) سانچی:۔ بیوہلر کا ایڈیشن اور ترجمہ ایپی گرافیا انڈکا جلد دوم

صفحہ ۸۷ و ۳۶۷ - ہلٹش - جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۱۶۷؛

(۲) ملکہ کا فرمان :- بیوہلر کی ایڈیشن اور ترجمہ گریفیا انڈکا جلد دوم صفحہ ۸۷ و ۳۶۷ - اس کے نظر ثانی کے بعد :- انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ (سنہ ۱۸۹۰) صفحہ ۱۲۵ - سینارٹ کی بعد از نظر ثانی ایڈیشن اور ترجمہ :- انڈین انٹی کویری جلد ۱۷ (سنہ ۱۸۸۹) صفحہ ۳۰۸؛

(۳) کوسمبی :- سینارٹ نے اس کو انگریزی حروف میں انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ (سنہ ۱۸۸۹) صفحہ ۳۰۹ میں چھپوایا - فوٹو اور انگریزی طرز تحریر از بیوہلر - انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ (سنہ ۱۸۹۰) صفحہ ۱۲۶؛

(۴) سارناتھ :- ووگل : بحث مع فوٹو - ایپی گریفیا انڈکا جلد ۸ (سنہ ۱۹۰۶) صفحہ ۱۶۶ میں - سینارٹ کی کمپٹس اینڈس ڈی ل اکیڈمس انسکرپشنز ۱۹۰۷ صفحہ ۲۵ - وینس کا مضمون جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے - ایس - بی - جلد ۳ - سلسلۂ نو (سنہ ۱۹۰۷) - نارمن کا مضمون رسالۂ مذکورۂ بالا میں جلد ۴ (سنہ ۱۹۰۸) - باڈر کا مضمون - جے - ایشیاٹک میں جلد ۱۰ (سنہ ۱۹۰۷) صفحہ ۱۱۹؛
ان تمام تشریح کا تعلق چھوٹے سنگی فرامین کے ساتھ ہے -
اس لیئے وہ ملاحظہ ہوں - ستون کی شکل و صورت کے بیان کے لیئے دیکھو - اینوئل رپورٹ آر کی آلوجیکل سروے سنہ ۱۹۰۴ صفحہ ۳۶ و ۶۸؛

---

۸ - ترائی کے یادگار کتبات

ان دونوں کی بیوہلر نے تصیح کی ہے - اور ان کو معۂ ترجمہ اور فوٹو کے ایپی گریفیا انڈکا جلد ۵ صفحہ ۴ میں طبع کرایا ہے - رمنڈی کے کتبے کا فوٹو اور ترجمہ بعد از نظر ثانی "اسوکا" دوسرے ایڈیشن سنہ ۱۹۰۹ میں ملے گا - دیکھو جے - آر - اے - ایس سنہ ۱۸۹۷ صفحہ ۴ - سنہ ۱۹۰۸ صفحہ ۱۹۴ - ۴۷۱ و ۸۲۳ - اور انڈین انٹی کویری جلد ۳۴ (سنہ ۱۹۰۵) صفحہ ۱؛

۹۔ اشوک اور دسرتھ کے غاروں کے نذرانے کے کتبے

ان سب کو بعد تصحیح بیوہلر نے ترجمہ کر کے مع فوٹو انڈین انٹی کویری جلد ۲۰ (۱۸۹۱ء) صفحہ ۳۶۱ میں شایع کیا ہے

باب ہفتم

اشوک موریا (بقیہ) اور اس کے جانشین

دھم یا قانون فرائض اشوک کے تمام فرمان بیشتر اس فلسفۂ اخلاق کی۔ جسے اشوک اپنی زبان میں دھم کہتا ہے۔ تشریح۔ تعلیم اور تاکید سے پر ہیں۔ کوئی ایسا انگریزی لفظ یا فقرہ نہیں جس سے پراکرت کے لفظ دھم (سنسکرت دھرم) کا مفہوم پوری طور پر ادا کیا جاسکے۔ مگر بہرحال "قانون زہد" یا صرف "زہد" ایسے الفاظ ہیں جن سے ہم تقریبًا ہندی لفظ کا مفہوم ادا کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر "قانون فرائض" کے ترجمے کو ترجیح دی جائے تو وہ بھی مستعمل ہوسکتا ہے۔ تمام فرامین میں اس "قانون زہد" یا "فرائض" کے وجوب اور صحت کو تسلیم کرلیا ہے۔ اور اس امر کی بالکل کوشش ہی نہیں کی گئی کہ اس کو مذہبی یا فلسفی دلائل سے ثابت کیا جائے۔ بلکہ جس طرح اس کے مذہبی مقتدا گوتم نے تمام مذہبی خیالات سے بالکل قطع نظر کرلیا ہے اسی طرح اشوک نے بھی ان کو بھلا دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کا مروجہ مسئلۂ تناسخ صحیح تسلیم کرلیا گیا ہے اور اسی مسئلے پر تمام اخلاقی تعلیم کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

اہمسا مماثل جین مت اور برہمن ہندو مت کے چند فرق کی طرح اشوک کے بودھ مت کا بھی خاص الخاص اصول حیوانی زندگی کی تقدیس کا نہایت سرگرم اور کامل یقین تھا۔ اس کے متعلق فرامین کا اصول یہ ہے کہ جب تک فطرت اجازت دے ادنی سے ادنی جانوروں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی کو ہمیشہ قائم رکھیں۔ یہ اصول بنی تھا

اس اعتقاد پر کہ تمام جاندار جس میں آدمی بھوت پریت۔ دیوتا۔ اور جانور سب کے سب شامل ہیں "وجود" کی ایک لا متناہی زنجیر کی کڑیاں ہیں[1]۔

مسئلۂ تناسخ اور کرم

وہ ہستی جو اس وقت آسمان میں دیوتا کی حیثیت رکھتی ہے ممکن ہے کہ مرور ایام کے دوران میں بالآخر ایک کیڑے مکوڑے کی شکل دنیا میں نمودار ہو۔ اور بعینہ اسی طرح ایک کیڑے کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ بتدریج دیوتا کا درجہ حاصل کرلے۔ یہی عقیدہ ہے جو اس خیال سے مل جل کر کہ تناسخ کا دارومدار کرم پر ہے ہندوستان کے تمام فلسفے کا اصل اصول ہے۔ کرم کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی ہستی کی موت کے وقت اس کے زندگی بھر کے اچھے اور برے کاموں کا ایک قسم کا موازنہ یا اخلاقی نتیجہ ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے کہ جس کے ساتھ ہندوستان کا ہر مذہب وابستہ ہے۔ اس کو بعض اوقات ایسے نظریوں سے ملا جلا دیا جاتا ہے جن کے تحت ان کا ماننے والا روح کے وجود کو تسلیم کرلیتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کو وہ لوگ بھی مانتے ہیں جو سرے سے روح کے نظریئے کے بالکل قائل ہی نہیں ۔

مقابلۃً انسانی زندگی سے تغافل

اس قسم کے خیالات کو ماننے والوں کے متعلق یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ بالکل صحیح طور پر ایک کیڑے کی زندگی کو بھی اتنا ہی موجہ اور قابل احترام تصور کرتے ہونگے جتنا انسانی زندگی کو۔ یہاں تک کہ عملی طور پر انسان کی زندگی سے جانداروں کی زندگی زیادہ قابل تقدس و احترام سمجھی جاتی تھی۔ اور بعض اوقات یہ بیہودہ منظر بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے کہ جہاں کسی جانور کو مارنے یا محض گوشت کھانے پر انسان کی جان لے لی گئی ہو۔

---

[1] "بدھ مت کے تین مخصوص اصولوں میں سے پہلا یہ ہے کہ وجود کے تمام اجزاء ناپائدار ہیں"۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ تمام مصائب و آلام کا گھر ہیں۔ اور تیسرے ان میں انانیت کا مادہ نہیں پایا جاتا۔ (وارن۔ "بدھ ازم ان ٹرانسلیشنز" صفحہ ۱۴ (مقدمہ)

بودھ اور جین مت کے پابند مذہب بادشاہوں نے اپنی رعایا کو سزائے موت دینے میں تامل نہیں کیا۔ اور خود اشوک بھی اپنی عہد حکومت کے دوران میں اس قسم کی سزا کے احکام برابر نافذ کرتا رہا۔ اس نے اپنی انسانی ہمدردی کے جذبات کو پورا کرنے کے لیئے صرف اتنا کرنے پر اکتفا کیا کہ اس کو اپنے دادا سے جو خونی تعزیرات ورثے میں ملی تھیں ان میں اتنی نرمی کردی کہ جس شخص کو سزا دی جاتی تھی اس کو تین دن کی مہلت دی جاتی کہ وہ مرنے کے لیئے تیار ہو جائے[1]۔

اشوک کا آغاز زندگی میں طرز عمل

یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اوائل زندگی میں اشوک برہمنی مذہب کا پیرو تھا۔ اور خاص طور پر شیو کی پرستش کیا کرتا تھا۔ اس دیوتا کی بیوی کو خونی بھینٹ میں مزہ آتا ہے۔ اور اسی وجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو خون بہانے میں کوئی تردد یا تامل نہیں ہوا۔ ہر دعوت کے موقعے پر شاہی باورچی خانے کو صرف ایک دن کا گوشت بہم پہنچانے کے لیئے ہزاروں جانداروں کا خون بہا دیا جاتا تھا۔ مگر جب رفتہ رفتہ اس کے دل و دماغ میں بودھ مت کے خیالات سرایت کرتے گئے اسے روزانہ اتنے جانوروں کا ذبح ہونا ناگوار اور مکروہ معلوم ہونے لگا۔ اور آخرکار اس نے اس کی بالکل ممانعت کردی۔ اور زیادہ سے زیادہ صرف تین جانور یعنے دو مور اور ایک ہرن ذبح کرنے کی اجازت دی۔ لیکن ۲۵۷ ق م میں اس کی بھی قطعی ممانعت کردی[2]۔

---

[1] ستونی فرمان ۴۔

[2] سنگی فرمان نمبر ۱۔ اس کے متعلق مسٹر ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر نے اپنے مضمون "ایپی گریفک نوٹس اینڈ کوئسچنز" (جے بمبئی برانچ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۲ء) میں جو بحث کی ہے وہ قابل غور ہے۔ متوفی مسٹر ای۔ ٹامس کا خیال تھا کہ اشوک اوائل زندگی میں جین مت کا پیرو تھا۔ مگر اس کے وجوہ و دلائل کمزور ہیں۔

شاہی شکار کی موقوفی۔

اس سے دو سال قبل ۲۵۹ ق م میں اشوک نے شاہی شکار کو جو اس کے دادا چندرا گپتا کے دربار کا سب سے بڑا ذریعۂ تفریح طبع کا تھا موقوف کر دیا۔ وہ کہتا ہے کہ "گذشتہ زمانے میں بزرگ شاہان ماسلف تفریح طبع کیلئے ملک میں دورے کیا کرتے تھے۔ جن کے دوران میں شکار اور اسی قسم کی دوسری چیزوں سے وہ اپنا دل بہلایا کرتے تھے" مگر اب اشوک بادشاہ بزرگ و محترم اس قسم کی خفیف حرکتوں کو پسند نہ فرماتا تھا۔ بلکہ ان کی جگہ اس نے ایسے دورے مقرر کیئے جن کے دوران میں وہ ملک و رعایا کی حالت ملاحظہ کر سکتا تھا۔ پاک نفس لوگوں سے ملاقات اور ان کو نذرانے دے سکتا تھا۔ اور ان ہی کے دوران میں قانون فرائض پر بحث اور اس کی تبلیغ کر سکتا تھا"[1]

۲۴۳ ق م کا قانون۔

جوں جوں وقت گذرتا گیا اسی طرح اشوک جانداروں کی زندگی کی تقدیس و تحریم کے اصول کا زیادہ سختی اور شدت سے پابند ہوتا گیا۔ اسی شدت کا نتیجہ ۲۴۳ ق م میں یہ ہوا کہ نہایت ہی تاکیدی اور سخت قواعد نافذ ہوئے جن کا اطلاق بلاتمیز مذہب و عقائد اس کی تمام رعایا پر ہوا۔ اکثر قسم کے جانوروں کے ذبح کرنے کی ہر حالت میں ممانعت کر دی گئی۔ اور گوشت خوار لوگوں کیلئے جن جانوروں کے ذبح کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان کے مارنے کی اگرچہ ممانعت نہیں کی گئی مگر اُن پر سخت سے سخت پابندیاں لگا دی گئیں۔ سال کے چھپن مخصوص دنوں میں جانوروں کے ذبح کرنے کی

---

[1] چٹانی فرمان نمبر ۸۔ "شاہ بزرگ و محترم" "دیوا نمپیا پیادسی" کا خاصہ اچھا ترجمہ ہے۔ یہ الفاظ اشوک کا شاہی لقب ہیں اور تحویل کے ذریعے سے ان کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ ان کا لفظی ترجمہ یہ ہے:۔

"دیوتاؤں کا پیارا اور کریم النفس"

قطعی ممانعت کر دی گئی۔ اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی رعایا کی آزادی میں بہت رکاوٹیں پیدا کر دیں[1]۔ اشوک کی زندگی میں ان قواعد پر بلا شک وشبہ خاص عمال رعایا سے عمل کراتے رہے۔ اور غالباً ان میں سے اہم قواعد کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزائے موت بھی دی جاتی ہوگی۔ جیسا کہ بعد کے زمانے میں ہرش کے عہد حکومت میں ہوا کرتا تھا۔

تعظیم وتکریم دوسرا بڑا اصول جس کی اشوک تعلیم دینا چاہتا تھا اور جس پر وہ مصر تھا وہ والدین۔ بزرگوں۔ اور استادوں کا ادب ملحوظ رکھنا تھا۔ اس کے برعکس بزرگوں کا یہ فرض تھا کہ چھوٹوں سے اپنی تعظیم کرانے کے ساتھ ساتھ ہی وہ بھی ان چھوٹوں کے ساتھ جن میں خانگی ملازم، غلام اور گھر کے تمام جانور شامل تھے ملاطفت اور نرمی سے پیش آئیں[2]۔ ان فرائض کے ساتھ لوگوں کو اس کی بھی تلقین کی جاتی تھی کہ وہی خیال جوان کو ایک طرف تو اپنے بزرگوں سے ادب اور دوسری طرف

[1] ستونی فرمان نمبر ۵۔ اس کے ساتھ مقابلہ کرو چانکیا کے قواعد کا۔ آرتھ شاستر باب ۲ فصل ۲۶۔ ان دونوں قواعد میں ایک بیّن فرق یہ ہے کہ اشوک کے فرمان میں گائے یا اور سینگ دار جانوروں کی حفاظت کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر اس کے برخلاف ارتھ شاستر میں ان کے مارنے یا ذبح کرنے والے کی سزا وہی تجویز کی گئی ہے جو (۵۰) پنہ کی چوری کرنے والے کی تھی۔ اس کے علاوہ دیکھو باب ۱۳ ۔فصل ۵۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۶۴۔ میں ؒ

[2] غلاموں اور نوکروں کے متعلق قوانین کے لئے دیکھو "ارتھ شاستر" باب ۳ فصل ۱۳ و ۱۴۔ عام قانون یہ تھا کہ کوئی آریہ غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ مگر اس قاعدۂ کلیہ میں استثنا بھی ہے۔ جب مگاس تھنیز نے یہ بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں غلامی کا بالکل رواج نہیں تو شاید اس کے خیال میں بھی کوئی ایسا ہی قانون یا قاعدہ ہوگا۔

اپنے خوردوں سے ملاطفت سے پیش آنے پر مائل کرتا ہے۔ اسی کی بنا پر ان کو اس بات پر آمادہ رہنا چاہیئے کہ وہ اپنے قریبوں اور رشتہ داروں سنیاسیوں اور برہمنوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور خوش اطواری سے پیش آئیں اور اس کے ساتھ ہی ان کو ان فرقوں اور اپنے دوستوں کے ساتھ سخاوت اور فیاضی سے کام لینا چاہیئے۔

راستی لوگوں کا تیسرا فرض یہ تھا کہ وہ راستی کو اختیار کریں۔ ان تینوں بڑے بڑے اصولوں کو چھوٹے سنگی فرمان نمبر ۲ میں نہایت اختصار کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم اس کو یہاں نقل کرتے ہیں:-

"بادشاہ کہتا ہے:-

"ماں باپ کی فرماں برداری کرنی چاہیئے۔ اسی طرح تمام جانوروں کی عزت کرنی چاہیئے۔ اور ہمیشہ سچ بولنا چاہیئے۔ یہ ہیں قانون زہد کی خوبیاں جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح چیلوں کو استاد کا ادب کرنا چاہیئے۔ اور اعزا و اقربا سے نیک سلوک کرنا چاہیئے قدیم طریق زہد کا یہ معیار ہے۔ اس پر زندگی کی طوالت کا انحصار ہے۔ اور لوگوں کو اس پر عمل کرنا لابدی ہے۔"

مذہبی رواداری اس نے بڑے بڑے فرائض سے اتر کر چھوٹے فرائض میں دوسرے کے عقائد کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کو ایک ممتاز جگہ دی۔ اور ایک خاص فرمان (سنگی فرمان نمبر ۱۲)۔ اسی موضوع پر بحث اور اس کی تشریح کے لیے مخصوص ہے۔ شاہی معلم اخلاق کی رعایا کو تنبیہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنے ہمسایوں کے عقائد و مذاہب کا ذکر بری طرح کرنے سے باز رہیں۔ اور یہ امر یاد رکھیں کہ تمام مذاہب کی غائت اور انتہا تزکیۂ نفس اور خودداری ہے اور اس طرح خواہ وہ جزئیات میں کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں مگر اصل اصول میں

سب ایک ہیں

اشوک کا طرزِ عمل

اشوک نے تمام مذاہب و فرق کے لوگوں کا ادب ملحوظ رکھ کر یہ بات عیاں و ظاہر کردی کہ وہ ان آزادانہ اصولوں پر بذاتِ خود عمل کرنے کے لئے تیار ہے۔ غار کے کتبات میں اجیوک کو بہت بیش قیمت تحائف و نذریں دینے کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ ایک بالکل خود مختار سنیاسیوں کا مذہبی فرقہ تھا۔ ان ہی کتبات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے دوسرے قدیم بادشاہوں کی طرح اشوک نے بھی درحقیقت عام مذہبی رواداری کی حکمتِ عملی اختیار کرلی تھی[1]۔

اس میں حدود

مگر اس کی رواداری اگرچہ بالکل سچی اور حقیقی تھی۔ مگر وہ دو لحاظ سے محدود تھی۔ اول تو یہ کہ ان تمام ہندی مذاہب کی جن سے اشوک کو سابقہ پڑا تعلیمات بہت کچھ ایک دوسرے سے ملتی جلتی تھیں۔ اور یہ سب کی سب ہندو خیالات اور احساس ہی کی مختلف صورتیں تھیں۔ ان کے درمیان کوئی ایسا فرق حائل نہ تھا جیسا مثلاً ایران کی ہندو مت اور اسلام میں ہے۔ دوسرے۔ اگرچہ شاہی مذہبی رواداری عقائد کے معاملے میں بالکل کامل تھی۔ لیکن ظاہرا اور صریح عمل تک اس کی رسائی نہ تھی۔ ایسی بھینٹیں جن میں

---

[1] رواداری کا یہ خیال اب تک جاری ہے۔ بیوہلر سے راجپوتانے میں کسی نے کہا تھا کہ "راجہ کو کسی خاص فرقے کی عبادت سے تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو اپنی رعایا کے ہر ایک مذہبی فرقے سے دلچسپی کا اظہار کرنا چاہیئے" (انڈین انٹی کویری جلد ۱ صفحہ ۱۸۳)۔ اس اصول پر اکثر عمل کیا گیا ہے۔ ارتھ شاستر نے یہاں تک حکم دیا ہے کہ۔ بادشاہ جب کبھی کسی نئے علاقۂ ملک کو فتح کرے تو اس کو چاہیئے کہ اپنی نئی رعایا کی اس مذہب کی پیروی کرے۔ جس کے ذریعے وہ اپنے قومی۔ مذہبی۔ یا جماعتی تیوہاروں کو ادا کرتے ہوں۔ (باب ۸ فصل ۵۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۰ صفحہ ۱۶۴)۔

جانوروں کا ذبح کرنا ضروری تھا اور اس کے بغیر بعض دیوتاؤں کی پرستش کی تکمیل نہ ہوسکتی تھی۔ حکومت کے شروع زمانے ہی سے کم از کم دارالسلطنت میں قطعی ممنوع قرار دے دی گئی تھیں[1]۔ اور اس کے علاوہ ستونی فرامین کے نافذ ہونے کے بعد ان پر اور پابندیاں اضافہ کردی گئی تھیں۔ کسی مذہب کے شخص کو یہ اجازت نہ تھی کہ ان قوانین کے خلاف جن کو حکومت نے اصولاً نافذ کیا تھا اپنے دین کی بنا پر صدائے احتجاج بلند کرسکے۔ عوام کو اس طرح اجازت تھی کہ وہ جو کچھ جی چاہے عقیدہ اور مذہب رکھیں۔ مگر طریق عمل میں ان کو سلطنت کے احکام پر کاربند ہونا ضروری تھا۔

اصلی خیرات اگرچہ خیرات کرنے کی بہت تاکید کی گئی تھی۔ مگر ساتھ ساتھ ایک اور بڑے اصول کی تلقین بھی کی گئی تھی۔ کہ "قانون زہد" کو خیرات میں کسی دوسرے کو بخشنے سے اور کوئی بڑی خیرات نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی اور چیز تقسیم میں "زہد" کے لوگوں میں تقسیم کرنے کے برابر ہوسکتی ہے[2]۔" اتفاق سے یہی خیال بالکل انھیں الفاظ میں کرامول کے سب سے پرانے خط میں پایا جاتا ہے۔ وہ سینٹ آئن مقام سے لکھتا ہے:۔ "شفاخانوں کے بنانے سے انسان کے جسم کو راحت پہنچتی ہے۔ معبدوں کا تیار کرانا زہد و اتقا کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ مگر وہ لوگ جو دوسروں کے لیئے روحانی قوت بہم پہنچاتے ہیں۔ اور روحانی عبادت گاہیں تعمیر کرتے ہیں وہی صحیح معنوں میں فیاض اور پرہیزگار اور عبادت گذار کہے جاسکتے ہیں[3]۔"

حقیقی مذہبی رسوم اشوک مذہبی رسوم کے بجالانے کی بہت زیادہ پروا نہ کرتا تھا۔ بلکہ وہ طبعاً اس قسم کی تمام رسوم کو بنظر حقارت

---

[1] سنگی فرمان نمبر ۱۔ [2] سنگی فرمان نمبر ۱۱۔
[3] خط مورخہ ۱۱ جنوری ۱۶۳۵ء۔ کارلائل کی ایڈیشن میں۔

دیکھتا تھا۔ ان کے متعلق اس کا خیال تھا کہ "ان کا ثمرہ بے حقیقت اور اثر مشتبہ ہے"۔ جس طرح حقیقی خیرات یہ تھی کہ انسان اپنے بنی نوع میں "قانون زہد" کو مشتہر کرے اور اس کی تبلیغ میں مدد دے۔ اسی طرح اصلی مذہبی رسوم یہ تھیں کہ وہ اس قانون پر عمل کرے۔ کیونکہ "اس کا ثمرہ بہت ملتا ہے"۔ ان ہی رسوم میں اپنے غلاموں اور نوکروں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا۔ استادوں کی عزت کرنا حیات کی تقدیس ملحوظ رکھنا۔ اور برہمنوں اور تارک الدنیا اشخاص کے ساتھ ایثار بھی شامل ہے۔ یہ اور اسی قسم کے اور افعال "رسوم زہد" کہلاتے تھے[1]

نیک خصائل جن کی تعلیم دی گئی ہے

مبلغ (یعنے اشوک) کو لوگوں کے ظاہری اعمال و افعال کے بجائے ان کے تزکیۂ نفس کا زیادہ خیال تھا۔ وہ اپنی مذہبی جماعت یعنے اپنی وسیع سلطنت کے تمام افراد کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا تھا کہ وہ "رحم۔ فیاضی۔ حق۔ پرہیزگاری۔ شرافت اور دینداری" کے خصائل کی تحصیل میں منہمک رہیں۔ وہ یہ امید ظاہر کرتا ہے کہ ان شاہی قواعد وضوابط کے توسط سے جو خاص اسی مقصد کے لیئے نافذ کیئے گئے ہیں پرہیزگاری عام طور سے پھیل جائے گی۔ لیکن اگرچہ وہ اپنی تمام شاہی قوت ان قواعد وضوابط کا پابند کرنے میں صرف کر رہا تھا۔ مگر پھر بھی اس کا انحصار زیادہ تر ان لوگوں کے دھیان و گیان پر تھا جن میں کہ اس کی تعلیمات کی وجہ سے مذہبی جوش پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ "ان دو طریقوں میں سے پرہیزگاری کے قواعد وضوابط کچھ زیادہ کارآمد نہیں۔ بلکہ دھیان بہت بیش قیمت چیز ہے"[2]

سرکاری تبلیغ کا کام

باوجود اس کے کہ وہ ان قواعد وضوابط کے نسبتہً ہیچ ہونے کا قائل تھا۔ لیکن پھر بھی راجہ نے اپنے عقائد اور اصول کی تبلیغ کے لیئے حکومت کے وسائل سے کام لینے میں دریغ نہ کیا۔ اور

---

[1] سنگی فرمان نمبر ۹ و ۱۱

[2] سنگی فرمان نمبر ۷

ان کے ذریعے سے بھی اپنے عقائد کا لوگوں کو پابند کیا۔ تمام شاہی عمّال کو جن کو ہم موجودہ زمانے کی اصطلاحات کے بموجب لفٹننٹ گورنر۔ کمشنر۔ اور ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ کہہ سکتے ہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے موسمی دوروں سے فائدہ اٹھائیں۔ اور ان کے دوران میں رعایا کی مجلسیں منعقد کر کے ان کو انسانی فرائض کی تعلیم و تلقین کریں۔ اس فرض کی ادائی کے لئے ہر سال میں چند دن مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ اور اپنے دوسرے فرائض کے علاوہ عمّال کو حکم تھا کہ وہ اس فرض کو بھی پورا کریں[1]۔

محتسب محتسبوں کا ایک خاص محکمہ قائم کیا گیا جس کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اہنسا اور والدین کے ادب و احترام کے متعلق وہ تمام قواعد و ضوابط کی لوگوں سے پابندی کرائیں۔ ان عمّال کو صریحاً حکم تھا کہ وہ ہر مذہبی فرقے اور آبادی کی ہر جماعت یہاں تک کہ شاہی خاندان کے افراد کے چال چلن کی بھی تفتیش و تحقیق کریں۔ ان کے علاوہ اور دوسرے افسر اس کام کے لئے مقرر کیے گئے کہ وہ عورتوں کے چال چلن کی نگرانی کا نازک کام انجام دیں[2]۔ عملی طور پر اس انتظام کی وجہ سے بہت کچھ جاسوسی اور ظلم و ستم ہوتا ہوگا۔ اور اگر ہم بعد کے زمانے کے ایسے بادشاہ کے طرز عمل کو مدنظر رکھیں جس نے اسی قسم کے کام کی کوشش کی تو ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دی جاتی ہوں گی۔

ہرش کا ایسا ہی طرز عمل۔ ہمعصر شہادت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں ہرش نے جو بظاہر اشوک کے تمام قوانین کی تقلید کے درپے تھا اس امر میں

---

[1] سنگی فرمان نمبر ۳۔ کلنگ کے فرامین۔
[2] سنگی فرامین نمبر ۵ و ۷۔ ستونی فرمان نمبر ۷۔

ذرا تامل نہیں کیا کہ کسی ایسے شخص کو جس نے جانور کے ذبح کرنے یا گوشت خواری کے لئے شاہی احکام کی خلاف ورزی کرنے کی جراٴت کی ہے سزائے موت دے۔ خواہ یہ جرم اس کی سلطنت کے کسی حصے میں کیوں نہ واقع ہوا ہو[1]

کمارپال کا طرز عمل۔ بارھویں صدی عیسوی میں کمارپال مغربی ہند کے حصۂ گجرات کے بادشاہ نے جب ۱۱۵۹ء میں جین مت قبول کر لیا تو اس نے اہمسا کے اصول پر نہایت سختی سے عمل کرانا چاہا۔ اور اپنے قوانین کے توڑنے والوں کو وحشیانہ اور جابرانہ سزائیں دیں۔ ایک بدقسمت سوداگر نے ایک جوں کو مار ڈالا۔ اس سنگین جرم کا مقدمہ انہلواڑہ کی ایک خاص عدالت میں پیش ہوا۔ اور اس کی پاداش میں سوداگر کا تمام مال ومتاع ضبط کر لیا گیا۔ اور اس سے ایک مندر تعمیر کرا دیا گیا۔ ایک اور بدبخت کو جس نے گوشت کی ایک قاب شہر میں لاکر دارالسلطنت کی تحریم میں رخنہ ڈالا تھا قتل کر دیا گیا۔ وہ اس خاص عدالت کا جس کو کمارپال نے قائم کیا تھا بالکل وہی مقصد اور کام تھا جو اشوک کے احتساب کا تھا۔ اور اس طرح اس بعد کے زمانے کی عدالت کے کام سے ہم کو اس قدیم عدالت کی کارروائیوں کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے جس کو اشوک نے قائم کیا تھا[2]

کشمیر میں محتسب اس کے آگے چل کر بالکل موجودہ زمانے میں بھی اشوک کے محتسبوں کی مثال ملتی ہے۔ ۱۸۷۰ء میں ریاست کشمیر میں ایک پابند مذہب راجہ برسر حکومت تھا۔ اس کے زمانے میں

---

[1] بیل کا "ریکارڈس" جلد اول۔ صفحہ ۲۱۴۔

[2] بیوہلر:- "ایوبرڈیس لیبن ڈیس جینا مانکس ہیم چندرا" مطبوعہ وین ۱۸۸۹ء صفحہ ۳۹۔ کمارپال کے تبدیل مذہب کی تمام حکایت (صفحہ ۴۲-۲۹) اس حیثیت سے بہت زیادہ دلچسپ ہے کہ اس سے اشوک کے فرامین پر بہت روشنی پڑتی ہے۔

ہندوؤں کے شاستروں کے احکام کی خلاف ورزی کرنا سیاسی جرم تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی تحقیق و تفتیش کے لئے ایک خاص عدالت منعقد ہوتی تھی جس میں ان خاندانوں کے پانچ پنڈت شامل ہوتے تھے جن میں یہ کام نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا تھا۔ یہ عدالت خاص ایسے جرائم کا تصفیہ کرتی تھی[1]۔

دکن میں محتسب انیسویں صدی کے درمیان اور غالباً اس کے بعد تک اسی قسم کے مورثی برہمن خاندیس دکن اور کونکن کے علاقے میں ان تمام مجرموں کے جرائم کی تحقیق کرتے تھے جنھوں نے ذات کے قواعد کو توڑا ہو۔ اور اس کے بعد ان پر کفارے کے طور پر جرمانہ۔ نفس کشی۔ یا ذات باہر کرنے کی سزا دیتے تھے[2]۔

یہ قدیم اور موجودہ مثالیں اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ جب اشوک نے محتسبوں یعنے ان افسروں کو مقرر کرنے کی بدعت شروع کی "جن کو کہ اس سے قبل کبھی کسی زمانے میں بھی مقرر نہیں کیا گیا تھا" تو اس کی یہ جدت طرازی ہندوؤں کے خیالات اور احساسات کے عین مطابق تھی۔ اور اسی وجہ سے آیندہ زمانے میں مختلف مذاہب کے حکمرانوں نے اس امر میں اس کی تقلید کی ہے۔

مہتمم محکمۂ خیرات اشوک کا زہد و اتقا، بہت سے نیک دلی اور رحم کے کاموں کی عملی صورت میں ظاہر ہوا کرتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذکر کرنے سے وہ خوش اور مسرور ہے۔ حقیقی خیرات کے اپنے قیاس کے باوجود وہ فیاضی کے ساتھ خیرات کیا کرتا تھا۔ بادشاہ اور اس کے خاندان کے افراد کے خیراتی عطیات کی

---

[1] بیوہلر:۔ "رپورٹ آف اے ٹور" جرنل بمبئی برانچ رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۱۸۷۶ء) جلد ۱۲۔ غیر معمولی نمبر صفحہ ۲۱ ہے

[2] کلکتہ ریویو (۱۸۵۱ء) جلد ۱۵ صفحہ ۲۵ منقول انڈین انٹی کویری (۱۹۰۳ء) جلد ۳۲ صفحہ ۲۴۵ ہے

نگرانی کا کام محتسبوں اور دوسرے عُمّال کے ہاتھ میں تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی لوگوں کو ملا کر ایک شاہی محکمۂ خیرات قائم کر لیا گیا تھا[1]۔

مسافروں کی آسایش کے سامان۔ مسافروں کی ضروریات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانے میں پابند مذہب ہندوستانیوں نے ان کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کیا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ مسافروں اور بے زبان جانوروں کے لیئے جن کو اشوک کسی حال میں فراموش نہیں کرتا تھا۔ جو کچھ بندوبست اور انتظام اس نے کیا تھا اس کو خود بادشاہ ہی کے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ وہ کہتا ہے "میں نے سڑکوں کے دو طرفہ کیلے کے درخت نصب کرا دیئے ہیں۔ تاکہ انسان اور حیوان کو چھاؤں نصیب ہو۔ میں نے آم کے درختوں کے جھنڈ نصب کرا دیئے ہیں۔ اور ہر نصف کوس کے فاصلے پر کنویں کھدوا دیئے ہیں۔ آرام و آسایش کے لیئے مکان تعمیر کیئے ہیں۔ اور ہر جگہ انسان اور حیوان کے استعمال کے لیئے بے شمار سبیلیں تیار کرا دی ہیں"[2]۔ اس کے علاوہ چندر اگپتا ہی کے زمانے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ستون قائم کر دیئے گئے تھے۔

بیماروں کی امداد اشوک کو اپنے مصیبت زدہ بنی نوع اور بے زبان جانوروں کے ساتھ جو گہری ہمدردی تھی اس کا اظہار اس طرح پر بھی ہوا کہ اس نے بیماروں کی امداد کا بندوبست بہت وسیع پیمانے پر کیا تھا۔ اس نے نہ صرف اپنی سلطنت کے مختلف صوبجات میں انسانوں اور جانوروں کی تیمارداری کا انتظام کیا۔ بلکہ اس کام کو اس نے اور وسعت دی اور جنوبی ہند اور یونانی مقبوضات

---

[1] سنگی فرامین نمبر ۵ و ۷۔ ستونی فرامین نمبر ۷۔ ملکہ کا فرمان۔

[2] ستونی فرمان نمبر ۷۔ سنگی فرمان نمبر ۲۔ ڈاکٹر فلیٹ نے "ادھکو سکیا" کا ترجمہ "آٹھ کوس کے فاصلہ پر" کیا ہے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۴۱۷)۔

ایشیا کی دوست دار سلطنتوں میں اس کا انتظام کیا۔ دواؤں میں کام آنے والی جڑی بوٹیاں جہاں پر کہ پیدا نہ ہوتی تھیں وہاں ان کو حسب ضرورت یا تو بویا گیا یا دوسرے ممالک سے لائی گئیں[1]۔

سورت میں جانوروں کا شفاخانہ۔ احمد آباد۔ سورت اور مغربی ہند کے دوسرے شہروں میں جو جانوروں کے شفاخانے آج تک موجود ہیں وہ یا تو موریا خاندان کے بادشاہ کے شفاخانوں کے باقیات اصلاحات ہیں اور یا ان کی تقلید ہے۔ سورت کے شفاخانے کا مندرجہ ذیل حال جس طرح کہ وہ اٹھارویں صدی کے آخر میں جاری تھا غالباً پاٹلی پتر کے شفاخانے کے بالکل مناسب ہوگا:۔

سورت کا سب سے زیادہ دلچسپ مقام بنیوں کا شفاخانہ ہے۔ مگر ۱۷۸۰ء سے قبل اس کا کوئی ذکر ہم کو دستیاب نہیں ہوا۔ اس وقت یہ ایک وسیع زمین پر قائم تھا اور اس کے ارد گرد چار دیواری تھی۔ یہ تمام زمین مختلف حصوں میں تقسیم کی گئی تھی تاکہ جانور ان میں رہ سکیں۔ بیماری کے زمانے میں ان کی نہایت احتیاط سے نگاہداشت کی جاتی تھی۔ اور بڑھاپے کے زمانے میں جب وہ کمزور ہو جائیں تو ان کو وہاں پناہ مل سکتی تھی۔

"اگر کسی جانور کا کوئی عضو ٹوٹ جاتا اور کسی اور وجہ سے وہ بالکل بیکار ہو جاتا تو اس کا مالک اُسے شفاخانے میں لاتا۔ اور وہاں اس کے مالک کی قوم و مذہب کے بلا امتیاز اس کو رکھ لیا جاتا۔ ۱۷۷۲ء میں اس شفاخانے میں گھوڑے۔ خچر۔ بیل۔

---

[1] سمتھ کی فرمان نمبر ۲۔

بھیڑ۔ بکری ۔ بندر ۔ مرغیاں ۔ کبوتر ۔ اور بہت سے
قسم کے پرند تھے ۔ ان کے علاوہ ایک ضعیف
کچھوا بھی تھا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ (۷۵) برس
سے وہاں ہے ۔ مگر سب سے زیادہ عجیب حصہ وہ تھا
جہاں چوہے ۔ چوہیاں ۔ کھٹمل اور اسی قسم کے موذی
حشرات الارض رکھے جاتے اور ان کو ان کے
مناسب حال خوراک بہم پہنچائی جاتی تھی[1]؎

ان شفاخانوں کا انتظام عام طور پر اس اسلوب پر کیا جاتا تھا کہ ان میں راحت سے زیادہ جانوروں کو تکلیف ہوتی تھی؎

بیرونی ممالک میں تبلیغ مذہب۔ اشوک کی وسیع سلطنت اور زیر سیاست علاقوں میں مختلف ذرائع سے حکومت کے زیر اہتمام جس تندہی سے تبلیغ مذہب کا کام جاری تھا اس سے اس کا جوش و خروش ٹھنڈا نہ ہوتا تھا ۔ اس کی دلی خواہش تھی ۔ کہ خود اس کے مخصوص فلسفۂ اخلاق اور بودھ مت کی تعلیمات کی برکت ان خود مختار سلطنتوں تک پہنچائی جائے جن سے کہ اس کا تعلق تھا ۔ اس مقصد کو مدنظر رکھ کر اس نے بیرونی ممالک میں تبلیغ کرنے کے لئے اعلیٰ پیمانے پر اپنی زیر نگرانی انجمنیں قائم کیں ۔ ان انجمنوں کا اثر اس زمانے میں بھی ہمارے پیش نظر ہے ۔ اس کا ایسے اعلیٰ پیمانے پر ان مذہبی مجالس کے قائم کرنے کا خیال بالکل اچھوتا تھا ۔ اور بہمہ وجوہ کامیاب ثابت ہوا ۔

---

[1] ہیملٹن :- " ڈیسکرپشن آف ہندوستان " (۱۸۲۰ء) جلد اول صفحہ ۷۱۸ ۔

کروک :- تھنگز انڈین مضمون پنجراپول (مرے ۱۹۰۶ء) ۔ یہ بنیوں کی ذات جو اس شفاخانے کا خرچ ادا کرتے تھے عام طور پر یا تو جین ہوتے ہیں اور یا وشنو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور یہ دونوں مذاہب جانوروں کی زندگی کی حرمت میں بودھ مت سے بھی پیش پیش ہیں ؎

ان کو اس نے نہایت کامل طور پر اپنی خانگی مجالس تبلیغ کے ساتھ کیا۔ اور ان کا نتیجہ کامیابی کی صورت میں نکلا؛

اس تبلیغ کی حدود

اس ۲۵۶ء ق م سے پہلے جب سنگی فرامین کو نافذ کیا گیا۔ شاہی مبلغین سلطنت کی سرحد کی زیر سیادت ریاستوں اور قوموں۔ حدود سلطنت کے اندر جنگلی علاقوں۔ جنوبی ہند کی خود مختار سلطنتوں۔ لنکا۔ اور شام۔ مصر۔ سیرین۔ مقدونیہ اور اپیرس کے ممالک میں بھیجے جا چکے تھے۔ ان موخر الذکر میں بالترتیب انٹی آکس تھیاس۔ ٹولمی فیلاڈلفس۔ میگس۔ انٹی گنوس گونٹس۔ اور سکندر حکمران تھے۔ اس طرح اس کا تبلیغی مطمح نظر تینوں براعظموں یعنے افریقہ۔ یورپ اور ایشیا پر حاوی تھا؛

زیر سیادت ریاستیں اور اقوام

اس طریقے سے وہ زیر سیادت ریاستیں اور اقوام جو بودھ مذہب کے زیر اثر آگئیں ان میں کامبوج[۱] کی قوم جو یا تو تبت اور یا ہندوکش کے کوہستان میں رہتی تھی۔ بہت سی کوہستان ہمالیہ کی اقوام۔ وادئ کابل اور اس کے مغربی علاقے کی قومیں گندھرا اور یون۔ اور بھوج۔ پلند۔ پٹینگ اقوام تھیں جو بندھیاچل اور مغربی گھاٹ کے پہاڑوں میں آباد تھیں[۲]۔

---

[۱] نیپالی روایت کے مطابق کامبوج دیس کے نام کا اطلاق تبت پر ہوتا ہے۔ مگر موجودہ تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ کامبوج قوم ایک ایرانی زبان بولتی تھی اور اسی وجہ غالباً وہ ہندوکش کے پہاڑوں میں آباد ہو گئی؛

[۲] پٹینگ قوم کا حال اب تک نامعلوم ہے۔ بھوج غالباً برار میں مقیم تھے (ایلچ پور۔ دیکھو کولنز کی کتاب "دشکمار چرت" اور بمبئی گزیٹر (۱۸۹۶ء) جلد اول حصہ ۲ صفحہ ۲)۔ پلند بندھیاچل میں نربدا کے قریب آباد تھے (کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۱۳۰)۔ مگر پلندا کا لفظ مبہم طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات اس کا اطلاق ہمالیہ کی اقوام پر بھی ہوا کرتا تھا؛

ان کے علاوہ دریائے کرشنا اور گوداوری کے درمیانی علاقے کی سلطنت اندھر بھی اس ہی زمرے میں شامل تھی۔

جنوبی ہند کی سلطنتیں۔ چودہ عرض بلد کے نیچے کی انتہائی جنوب کی ہندی اقوام اپنے بُعد کی وجہ سے شمالی سلطنت کے ساتھ ملحق نہیں ہوسکی تھیں۔ اشوک کے زمانے میں ان کا تمام علاقہ چار سلطنتوں میں منقسم تھا۔ یعنے چول۔ پانڈیا۔ کریل پیتر۔ اور ستیا پتر۔ سلطنت چول کا مستقر غالباً اور یُور تھا یا قدیم ترچناپلی تھا۔ اور پانڈیا سلطنت کا پائیہ تخت تناولی کے ضلع میں کورکیئی کے مقام پر تھا۔ کریل پیتر کی سلطنت میں تلوا علاقے کے جنوب کا ساحل مالابار اور وہ اندرونی اضلاع شامل تھے جن کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ چیر سلطنت سے ملحق تھے۔ چیر دراصل کریل ہی کی ایک دوسری مختلف صورت ہے۔ ستیا پتر کی سلطنت کا علاقہ غالباً وہ چھوٹی سی سرزمین تھی[1] جس میں تولو زبان بولی جاتی ہے۔ اور منگلور اس کا مرکزی مقام ہے۔ ان تمام

[1] مسٹر اے۔ جی۔ سوامن کے فقرے سے ستیا پتر کی وجہ تسمیہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تامل برہمنوں کا فرقہ برہت چرن نامی (یعنے نقل مکان عظیم) دو فرقوں مگھنا دو اور ملگو میں منقسم ہے۔ اور مگھنا دو پھر کندرمانکم۔ منگودی۔ ستیا منگلم۔ وغیرہ جماعتوں میں منقسم ہے۔ اور یہ تمام مغربی گھاٹ کے قصبے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ یہ نقل مکان کرنے والے فطرتی طور پر سطح مرتفع ہی میں آباد ہونگے۔ اور موجودہ علاقے میسور۔ اور مالابار۔ کومبٹور۔ اور مدراس کے اضلاع میں ہیں وہ مغربی ساحل کی طرف پھیلے ہونگے۔ ("برہمن ایمیگریشن انٹو سدرن انڈیا" انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۳۱) - میرا خیال یہ ہے کہ ستیا پتر جس کا ذکر اشوک نے کیا ہے درحقیقت ستیا منگلم ہی ہوگا۔ مجھے اس امر میں پروفیسر بھنڈارکر سے اتفاق نہیں سلطنت ستیا پتر گھاٹ میں پونا کے قریب واقع تھی۔ یہ صریح ہے کہ یہ تامل سلطنت تھی۔ اور میرا اندازہ یہ ہے کہ میرا ابتلایا ہوا موقعہ بالکل درست ہے۔

سلطنتوں کے ساتھ اشوک کے ایسے گہرے دوستانہ تعلقات تھے کہ انھوں نے اس کو بالکل آزادی دے رکھی تھی کہ وہ نہ صرف اپنے مبلغین ان کے ملک میں بھیجے بلکہ بعض مقامات میں خانقاہیں بھی تعمیر کرادے۔ چنانچہ خود اس کے بھائی مہندر نے تنجور کے ضلع میں ایک خانقاہ قائم کی۔ یہ علاقہ غالباً اس زمانے میں چول سلطنت میں شامل تھا۔ اس خانقاہ کے آثار نوسو برس بعد تک پائے جاتے تھے[1]۔

شہزادے بحیثیت راہب ایک قدیم چینی مصنف نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ "ہندوستان کے قوانین کے بموجب بادشاہ کی موت کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا تو بادشاہ ہوجاتا ہے۔ اور دوسرے بیٹے خاندان سے علیحدہ ہوکر تارک الدنیا ہوجاتے ہیں۔ اور اس کے بعد ان کو ان کے وطن میں رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی[2]"۔ دنیاوی امور سے اس جبریہ دست برداری کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ چھوٹا بھائی بالکل گمنام اور غائب ہوجاتا تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف رومن کیتھولک کلیسا کی طرح ہندی مذاہب اور خصوصاً بودھ مذہب میں چھوٹے بیٹوں کو نام اور شہرت حاصل کرنے کے بہت ذرائع حاصل تھے۔ اور بعض اوقات یہ لوگ مذہبی کام کو انجام دیتے ہوئے اپنے بادشاہ رشتہ دار سے زیادہ مشہور ہوجاتے تھے۔ مذکورۂ بالا قانون کی رو سے مہندر کے زرد لباس اختیار کرنے کا غالباً اصلی محرک سیاسی وجوہ تھیں اور اس نے یہ کام برضا و رغبت نہ کیا تھا۔ مگر بہرحال رہبانیت کی زندگی اختیار کرنے کے لیے خواہ کوئی بات محرک ہوئی ہو لیکن وہ آخرکار نہایت پرہیزگار بھکشو اور ایک کامیاب واعظ ثابت ہوا۔

مہندر لنکا میں جب اشوک نے اس بات کا مصمم قصد کرلیا کہ وہ اپنے

---

[1] بیل:- ریکارڈس جلد دوم صفحہ ۲۳۱- وٹیرس:- جلد دوم صفحہ ۲۲۸۔

[2] مارٹون لن جس کا حوالہ انڈین انٹی کویری جلد ۹ صفحہ ۲۰ پر دیا گیا ہے۔

تبلیغی کام کو لنکا تک وسعت دے تو اس نے اپنے بھائی مہندر کو اس تبلیغی انجمن کی سرکردگی کے لئے انتخاب کیا۔ غالباً مہندر اس سے قبل ہی جنوبی ہند میں اپنی قائم کی ہوئی خانقاہ میں مقیم تھا۔ اور وہیں سے اٹھ کر وہ سمندر پار اپنے چار ہمراہیوں کو لے کر لنکا چلا گیا۔ ان مبلغین کی تعلیمات کو خاص کر ایسے وقت میں جب کہ اشوک جیسے زبردست بادشاہ کا اثر اس کے ساتھ تھا۔ لنکا کے بادشاہ تسّس (دیوا نمپیا تسّس) نے مع اپنے تمام درباریوں کے قبول کر لیا۔ اور اس کے بعد اس نئے مذہب نے عوام الناس کے دلوں میں بہت جلد گھر کر لیا[۵۲]۔ مہندر نے اپنی باقی ماندہ زندگی لنکا ہی میں بسر کر دی۔ اور وہیں جدید قائم شدہ بودھ مذہب کے انتظام و اہتمام میں مشغول رہا۔ وہاں اب بھی اس کو ایک بزرگ مذہبی سمجھ کر اس کا ادب کیا جاتا ہے۔ اس کی خاک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مہنتلے کے مقام امبستال کے ایک زبردست ستوپ میں جو لنکا کے ان عمارتوں میں شامل ہے جن پر بجا فخر ہے۔ مشغول استراحت ہے[۵۲]۔

لنکا کی حکایات تاریخ "مہاوس" چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے لکھی جانی شروع ہوئی تھی۔ اس میں اشوک کی ان تمام تبلیغی مشنوں کا ذکر ہے جو اس نے بیرونی ممالک میں بھیجے تھے۔ مگر

---

[۵۱] ڈان ایم۔ ڈی زیوا۔ وکر مسنگھے کا خیال ہے کہ دیوا نمپیا تسّس ۲۵۳ ق م سے ۲۱۳ ق م تک حکمراں تھا۔ اور اس کا جانشین اُتیا ۲۱۳ ق م سے ۲۰۳ ق م تک حکمراں رہا۔ (اپیی گریفیکا زیطونیا۔ جلد ا۔ صفحہ ۱۸)۔ قدیم لنکا کی تاریخ میں سنین محض قیاسی ہیں۔

[۵۲] مہندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تس کے بھائی اور جانشین اُتیا کے آٹھویں سن جلوس میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے تبرکات میں سے آدھے تھوپارام میں محفوظ کیے گئے جہاں اس کا کریا کرم ہوا۔ اور آدھے مہنتلے کے مقام پر جہاں وہ فوت ہوا تھا۔

اس میں جنوبی ہند کی مشنوں کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا۔ اس خاموشی کی ایک کافی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ لنکا اور ہندوستان کی تامل اقوام کے درمیان سخت دشمنی تھی۔ جو صدیوں تک قائم رہی۔ اگر مہندر تنجور کے ضلع کی خانقاہ سے لنکا گیا ہوگا تو یہ امر بہار عظیم کے تارک الدنیا فرقے کے لئے سخت باعث نفرین و نفرت ہوگا اور ان کو ہرگز یہ گوارا نہ ہوگا کہ وہ اس بات کا خیال بھی اپنے سامنے آنے دیں کہ دینی باتوں میں وہ قابل نفرت تامل اقوام کے ایک بھکشو کے ممنون احسان ہوں۔ اس کے بجائے انھوں نے اس بات کو ترجیح دی ہوگی کہ ان کا مذہب ان کو براہ راست بودھ مذہب کی ارض مقدس سے ملا تھا۔ بہرحال اسی قسم کی کوئی نہ کوئی بات اس امر کی محرک ہوئی ہوگی جس نے کہ مہندر کے متعلق لنکا میں بالکل نت نئی حکایتیں گھڑلیں ان کے مطابق مہندر اشوک کا غیر صحیح النسل بیٹا تھا۔ اور اس کے بعد اس کی بہن سنگ مترا بھی لنکا میں آگئی۔ اور اس نے وہاں کی تارک الدنیا نسوانی جماعت کے لئے وہی کچھ کیا جو اس کے بھائی نے مردوں کے متعلق انجام دیا تھا۔ یہ حکایت بہت سی خوارق عادات سے بھری ہوئی ہے اور ایک بڑی حد تک وہ ضرور مصنوعی ہوگی[۱]۔ غالباً یہی روایت درست ہے کہ مہندر اشوک کا

---

[۱] میں پہلے سنگ مترکی روایت کو بالکل غلط سمجھا کرتا تھا۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ وہ ضرور موجود تھی۔ اور اگر مہندر اشوک کا بھائی تھا تو وہ ضرور اس کی بہن ہوگی۔ نہ کہ بیٹی۔ "مہاونس" کے مطابق اس کا انتقال اتیا بادشاہ کے نویں سنہ جلوس میں ہوا۔ تھوپارام کے شمال مشرق میں ویران ستوپ کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں اس کی راکھ کبھی رکھی ہوئی تھی (مہاونس مترجمۂ گیگر اور وجیسنہا باب ۲۰۔ سمیتھ :- آرکی ٹیکچرل ریمینز۔ انورادہاپور صفحہ ۹۔ لوح ۳)۔

چھوٹا بھائی تھا۔ چنانچہ پانچویں صدی عیسوی میں جب فاہیان ہندوستان آیا ہے تو پاٹلی پتر میں مہندر کا نام اب تک لوگوں کے خیال میں تھا۔ اور فاہیان کو وہاں اس کی خانقاہ بھی دکھلائی گئی۔ ساتویں صدی تک جب ہیون سانگ ہندوستان میں آیا ہے صرف یہی ایک حکایت عام طور پر مشہور تھی۔ یہاں تک جب اسن جاتری نے لنکا کے ان بھکشوؤں سے جن سے کہ کانچی کے مقام پر اس کی ملاقات ہوئی ان کی تمام روایتوں کو نقل کیا تو اس نے بھی اس روایات کا پیرو اشوک کے بھائی نہ کہ بیٹے کو بنایا[1]۔

پیگو کی مفروضہ مشن۔ "ڈھاوس" نے صریحاً اس میں بھی غلطی کی ہے کہ اشوک نے پیگو کے علاقے میں کوئی مشن روانہ کیا تھا۔ مگر کتبوں میں کسی ایسی مشن کا ذکر نہیں۔ اور یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ اشوک کا تعلق خلیج بنگالہ کے مشرقی ممالک سے کچھ بھی ہو۔ اس کی تمام توجہ مغرب میں یونانی سلطنتوں کی طرف مبذول تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بہت زمانے کے بعد لنکا کے طرز کا بودھ مذہب برما اور پیگو کے علاقے میں پھیلا۔ اور یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ برما کا بودھ مذہب دراصل مہایانہ قسم کا تھا۔ اور اشوک کے مرنے کے بہت صدیوں بعد براہ راست شمالی ہند سے وہاں پہنچا تھا[2]۔

یونانی سلطنتوں کی طرف تبلیغی مشن بدقسمتی سے بدھ مذہب کی ان تبلیغی مشنوں کا حال محفوظ نہیں رہا جو ایشیا۔ افریقہ اور یورپ کی یونانی سلطنتوں میں بھیجی گئی تھیں۔ اور نہ ہی ان کے

---

[1] بیل:۔ ریکارڈس جلد دوم صفحہ ۲۴۶۔ ویٹرس جلد دوم صفحہ ۲۳۰۔

[2] ٹمیں:۔ "نوٹس آن انٹی کٹیز ان رامنا دیسا" (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲۔ (۱۸۹۳ء) صفحہ ۳۵۹۔ اور میرا مضمون:۔ (رسالہ ایفگا ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۸۰)۔

مبلغوں کے نام ہی ہم کو معلوم ہیں۔ "ناسٹک" کے بدمذہب فرقوں پر بدھ مذہب کا اثر بالکل صاف وصریح ہے۔ بلکہ بہت سے مصنفین ایسے بھی ہیں کہ جن کا یہ خیال ہے کہ عیسوی مذہب کی بھی بہت سی باتوں میں بدھ کی تعلیمات کا اثر ملتا ہے۔ مگر یہ مضمون اب تک ایسا تاریک اور تشنہ ہے کہ اس پر اس کتاب میں بحث نہیں کی جا سکتی[1]۔

بودھ مذہب عالمگیر ہو گیا۔

مگر بہرحال یہ یقینی ہے کہ اشوک اپنی وسیع اور نہایت منتظم طریق تبلیغ کے ذریعے سے اس کام میں کامیاب ہوا کہ بودھ مذہب کے تعلیمات کو محض ایک گمنام ہندی مذہبی فرقے کی حیثیت سے نکال کر اس کو تمام دنیا میں پھیلا دے۔ اور اُسے ایک عالمگیر مذہب بنا دے۔ گوتم بودھ کی ذاتی تبلیغ کا اثر ایک نہایت چھوٹے علاقے تک محدود تھا۔ جس میں تقریباً چار درجے عرض بلد اور اتنے ہی طول بلد شامل تھے۔ یہ علاقہ گیا۔ الٰہ آباد اور کوہستان ہمالیہ کے درمیان کا ملک تھا۔ ان ہی حدود کے اندر گوتم بودھ پیدا ہوا۔ زندہ رہا۔ اور بالآخر فوت ہو گیا۔ ۴۸۷ قم میں جب اُس نے وفات پائی تو اس کا مذہب ہندومت کا محض ایک فرقہ تھا۔ جس کا نام بھی اس محدود علاقے کے باہر کسی نے نہ سنا ہوگا۔ اس وقت اس کے زندہ رہنے کے اسباب اتنے ہی کم تھے جتنے کہ اور دوسرے مذہبی فرقوں کے تھے۔ جو اسی زمانے میں پیدا ہوئے۔ اور اب بالکل نسیاً منسیا ہو گئے ہیں۔

بدھ مذہب کے پیرؤوں کا اپنی خانقاہوں کا نہایت مستحکم انتظام کر لینے کا غالباً یہ اثر تھا کہ ان کا مذہبی سلسلہ برابر قائم رہا۔ اور اس نے دریائے گنگا کی وادی کے باشندوں کے دلوں میں ان سوا دو صدیوں کے عرصے میں گھر کر لیا۔ جو گوتم بودھ کی موت اور اشوک کی

---

[1] دیکھو اڈمنڈس کی کتاب "بدھسٹ اینڈ کرسچین گاسپلز" چوتھی ایڈیشن۔ فلیڈیلفیا۔

تبدیل مذہب کے درمیان گذریں۔ جوں جوں اشوک کا عقیدہ اور یقین اس مذہب کے متعلق پختہ اور مضبوط ہوتا گیا۔ اسی طرح اس کی دستگیری بھی بڑھتی چلی گئی۔ اس کی اسی دستگیری نے بودھ مذہب کی قسمت کو پھیرا اور اس کو اس قابل کر دیا کہ اس زمانے میں بھی وہ اسلام اور عیسائیت کا بلحاظ تعداد مقابلہ کرنے بلکہ اُن سے سبقت لیجانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اشوک کا کام اشوک نے اس امر کی بالکل کوشش نہیں کی کہ برہمنی ہندو مت یا جین مذہب کو تباہ و برباد کر دے۔ لیکن خونریز قربانیوں کی ممانعت کی۔ وہ ترجیح جو وہ ہر ایک بات میں بودھ مذہب کو دیتا تھا۔ اور اس کے ساتھ اس کی تبلیغی کام میں سرگرمی یہ ایسے وجوہ تھے جنھوں نے اس کے مرجح مذہب کو ترقی دی۔ دوسروں کو پس پشت ڈال دیا۔ اور لنکا اور ہندوستان کے ممالک میں اس کو سب سے بڑا اور عالمگیر مذہب بنا دیا۔ اگرچہ وہ اپنی جائے پیدایش سے تقریباً بالکل معدوم ہوگیا ہے۔ اور دور و دراز کے مقامات پر بھی اپنا اثر قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ مگر جنوبی جزیرے پر اب بھی اس کا رسوخ قائم ہے۔

لیکن پھر بھی بہت سی ناکامیابیوں۔ ترقی و تنزل۔ ارتقاء۔ اور تخریب و افساد کے بعد کے بدھ مذہب اس وقت بھی اور آیندہ چند صدیوں تک بیشمار انسانی دل و دماغ کو اپنے قابو میں رکھنے میں کامیاب ہوگا۔ یہ عظیم الشان کام کلیتہً اشوک ہی کا کیا ہوا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کا حق ہے کہ وہ ان لوگوں کی چھوٹی سی جماعت میں جگہ پائے جنھوں نے دنیا کے مذہب کو بالکلیہ تبدیل کر دیا ہے۔

عیسائیت سے اس کا تقابل اشوک اور قسطنطین کا جو مقابلہ عام طور پر کیا جاتا ہے۔ دوسرے تاریخی مقابلوں کی طرح بالکل درست نہیں۔ جب قیصر نے عیسائیت کو حکومت کا مذہب قرار دیا۔

اس وقت وہ رومتہ الکبریٰ کی وسیع سلطنت میں اپنی جگہ کر چکی تھی۔ اور قسطنطین نے تبدیل مذہب کر کے درحقیقت ایک ایسی قوت کے سامنے سر تسلیم خم کیا جس کا وہ خود مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اس کا یہ فعل کسی گمنام مذہبی فرقے کی دستگیری یا مربی ہونے کی حیثیت سے نہ تھا۔ خلاف اس کے بدھ مذہب جب اشوک نے اس کو مدد دینی شروع کی اور بہت سے مذہبی فرقوں کی طرح امید و بیم کی نازک حالت میں تھا۔ اور اس کی قطعی طور پر یہ کیفیت نہ تھی کہ وہ سلطنت کے کاموں میں دخیل ہو سکے۔ یہ خود اسی کا ذاتی عمل تھا۔ جس کو بظاہر اس کا مرشد اُپگپت اکساتا رہتا تھا جس نے بودھ کی تعلیمات کو ہندوستان کی حدود سے باہر تک پھیلا دیا۔ اور اگر واقعی اس امر کی ضرورت محسوس ہو کہ اس کے کام کا مقابلہ عیسائیت سے کیا ہی جائے تو اس کا مقابلہ پولوس رسول[1] کی ذات کے ساتھ بہتر طور پر ہو سکتا ہے۔

اپگپت

اپگپت[2] کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسی نے اشوک کو بودھ مذہب کی طرف مائل کیا تھا۔ یہ شخص گپت نامی ایک عطار کا بیٹا تھا۔ اور روایت ہے کہ وہ بنارس یا متھرا میں پیدا ہوا۔ لیکن غالباً موخرالذکر مقام کا رہنے والا تھا۔ اور یہیں پر اس کی تعمیر کی ہوئی خانقاہ ساتویں صدی عیسوی تک موجود تھی۔ روایت سے سندھ کے علاقے سے بھی اس کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں اس نے اکثر تبلیغ مذہب کے لئے سفر کئے تھے۔

---

[1] "پولوس کو عیسائی لوگ رسول کہا کرتے ہیں لیکن اسلامی عقیدے سے پولوس کے نام کے ساتھ یہ لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے"۔ (تنقید ناظم صاحب مذہبی کتب درسیہ جامعہ عثمانیہ)

[2] بیل:۔ ریکارڈس جلد ۱۔ صفحہ ۱۸۲۔ جلد ۲ صفحات ۸۸ و ۲۷۳۔ واٹرس:۔ انڈکس میں اپگپت کا نام۔ گراؤس:۔ متھرا۔ تیسری ایڈیشن صفحہ ۱۴۲۔ کننگھم:۔ رپورٹ جلد ۲۰ صفحہ ۳۲۔ لنکا کے مشہور مگلی کے بیٹے تِس کا اپگپت کا اصلی شخص ہونا

اشوک کی ہمت اشوک نے اپنے مذہب اور سلسلۂ اخلاقیات کی تبلیغ و تشہیر میں جس تندہی اور جوش و خروش سے کام کیا تھا۔ وہ اس کی صداقت اور خوش اعتقادی کے ثبوت کے لیئے کافی و وافی ہیں۔ اور موجودہ علماء نے جو کچھ اعتبار و اعتماد اس کے کتبوں اور احکام کے الفاظ پر کیا ہے وہ بالکل درست اور بجا معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "عوام کی بہبودی اور فائدے کے لیئے محنت تو مجھ کو کرنی ہی ہے" اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے محنت کی بھی ضرور۔ دنیا اب تک اس کی اس محنت سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اس کے الفاظ جن کو دنیا نے ایک زمانے تک بالکل فراموش کر دیا تھا اب پھر جیتے جاگتے ہمارے سامنے ہیں۔ اور خوش اعتقادی اور صداقت کی آواز سے گونج رہے ہیں۔

اور محنت فلپ ثانی شاہ اسپین کی طرح اشوک محنت سے کبھی نہیں تھکتا تھا وہ "ہر حالت اور ہر جگہ" عرضیوں پر غور کرنے کے لیئے تیار رہتا تھا۔ اور باوجود اس کے اس کو اپنی محنت کے نتیجے سے تسلی نہ ہوتی تھی۔ وہ افسوس سے کہتا ہے کہ "مجھے اپنی جانفشانی اور کام سے کبھی تسلی نہیں ہوتی" غالباً وہ سخت محنت کرتا تھا۔ اور ممکن ہے کہ اگر وہ ذرا کام کم کرتا تو اپنے مقاصد میں اس کو اور زیادہ کامیابی ہوتی۔ اس کے دماغ میں فرائض کا معیار نہایت اعلیٰ تھا۔ اور سٹوئک فلسفیوں کی طرح قانون فطرت پر عمل کرنا اس کا کام تھا۔ اصل غایت یہ تھی کہ وہ کام کیئے جائے خواہ اس کام میں اس کو کامیابی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اب لفٹنٹ۔ کرنل وڈیل نے بالکل صاف کر دیا ہے۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۹۷ء حصہ اول صفحہ ۷۸۔ پروسیڈنگس اے۔ ایس بی۔ سنہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۷۰)۔ اس امر کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کو مگلی پت کے ساتھ جس کا ذکر سانچی تبرکات کی سندوں پر ہے ایک ہی سمجھا جائے (بھیلسا توپس صفحہ ۱۱۵ و ۱۲۰)۔

حاصل ہو یا ناکامیابی ؛

اشوک کے خصائل

اشوک کے خصائل کا حال ہم اس کے الفاظ ہی سے کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔ طرز تحریر خود اس کا معلوم ہوتا ہے۔ اور میرا تو قطعاً خیال ہے کہ ان کتبات میں اس کے خیالات کو اسی کے لفظوں میں ادا کیا گیا ہے۔ یہ تمام ایسے طرز تحریر میں لکھے گئے ہیں جو ایسا عجیب و غریب ہے کہ وہ کسی طرح بھی کسی معتمد یا وزیر کے لکھے ہوئے نہیں ہو سکتے۔ ان میں ہم کو صریحاً ذاتی احساسات کا پتہ لگتا ہے کسی معتمد کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اپنے آقا کی زبان سے وہ کلمات رنج و افسوس لکھتا جو اس نے کلنگ کی فتح کے متعلق لکھے ہیں۔ اور جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اشوک نے جارحانہ جنگ کو تا دم زیست بالکل ترک کر دیا۔ اور علانیہ یہ کہدیا کہ "اگر کوئی شخص اس کو کچھ تکلیف بھی پہنچائے تو حضرت اقدس و اعلیٰ اس کو اس وقت تک صبر سے برداشت کریں گے جب تک کہ وہ قابل برداشت رہے [1]"؛

کتبات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اشوک ایک ایسا آدمی تھا جس نے یہ کوشش کی کہ تارک الدنیا سنیاسی کی پرہیزگاری اور شاہی مصلحت کو ملا کر ایک کر دے اور اپنے خیال کے مطابق ہندوستان میں راست باز حکومت قائم کر دے۔ ایسی خدائی سلطنت کا قائم کرنا جس میں خدا کا وجود ہی سرے سے نہ ہو۔ جس میں حکومت خود خدائی کا کام انجام دے۔ اور لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کرتی رہے۔ اس کا مقصد تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہر ایک شخص کو اپنی نجات خود ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور اس کے اعمال کا ثمرہ اسی کو ملتا ہے۔ "جانفشانی کا ثمرہ صرف بڑے آدمیوں ہی کو نہیں ملتا۔ کیونکہ کوئی حقیر سا شخص بھی اپنی جانفشانی اور محنت سے سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے

---

[1] سنگی فرمان نمبر ۱۳ ؛

یہ کہا گیا تھا کہ :- چھوٹے اور بڑے سب کو جانفشانی سے کام لینا چاہیئے ؛؛ حکومت کا صرف یہ کام تھا کہ وہ سیدھا راستہ اپنی رعایا کو بتلادے ۔ مگر اس کے بعد اس راستے پر چلنا خود لوگوں کا کام ہے ؛
تعظیم و تکریم ۔ رحم ۔ راستی ۔ اور ہمدردی وہ نیک اوصاف تھے جن کی وہ تعلیم دینا چاہتا تھا ۔ اور بخلاف ان کے بے ادبی ۔ بے رحمی ۔ جھوٹ ۔ اور مذہبی تعصب ایسے افعال تھے جن سے کہ وہ لوگوں کو بچنے کی ہدایت کرتا تھا ۔ یہ واعظ (یعنے اشوک) محض ناصح ہی نہ تھا ۔ بلکہ وہ ایک دنیادار آدمی تھا ۔ جنگ و صلح کے ہر طرح کے کاموں سے ماہر تھا ۔ ایک وسیع سلطنت پر نہایت لیاقت و کامرانی سے حکومت کر رہا تھا ۔ اور ان باتوں کے علاوہ وہ ایک عظیم الشان انسان اور بادشاہ تھا ؛

اشوک کی بیویاں اور ایشیائی بادشاہوں کی طرح اشوک بھی کثرت ازدواج کے اصول کا عامل تھا ۔ اور کم از کم اس کی دو بیویاں تھیں جن کا رتبہ ملکہ کا تھا ۔ ان دونوں میں سے دوسری بیوی کاروا کی کا نام ایک مختصر سے فرمان میں محفوظ رہ گیا ۔ جس میں کہ بادشاہ نے یہ ظاہر کیا ہے کہ تمام عمال کو چاہیئے کہ ملکہ کے خیراتی عطیات خود اس کا ذاتی کام سمجھیں اور اس کا تمام ثواب اسی کے واسطے مخصوص ہوگا ۔ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تیور شاہزادے کی ماں تھی ۔ یہی لڑکا غالباً اشوک کی عہد حکومت کے آخری زمانے میں جب کہ یہ فرمان نافذ کیا گیا اس کا سب سے پیارا لڑکا ہوگا ؛

کُنال کے متعلق حکایت ۔ روایات کا بیان ہے کہ ایک مدت تک اس کی سب سے بڑی ملکہ اسندی مترا نامی تھی ۔ اور جب وہ مرگئی ۔ اور اشوک بھی بڈھا ہوگیا تو اس نے ایک

لہ چھوٹا سنگی فرمان نمبر ۱ (رو پسناتھ) ؛

آوارہ جوان عورت تشیارکشتا سے شادی کرلی۔ اس کے اور اس کے سوتیلے بیٹے کے متعلق حکایت بہت کچھ تخیلانہ انداز سے میں بیان کیجاتی ہے۔ مگر اس قسم کی زبان زدِ خاص وعام روایات تاریخی حیثیت کے شمار میں نہیں آتیں۔ اور اس لیئے اندھے کنال کی جگرسوز و درد انگیز کہانی کو نہ تو تاریخی نظر سے دیکھنا چاہیئے اور نہ اس کی تنقید کرنی چاہیئے۔ یہ حکایت مختلف صورتوں میں مختلف ناموں کے ساتھ بیان کیجاتی ہے ؎

جلوک کی حکایت جلوک نامی اشوک کا ایک دوسرا بیٹا جس کا نام کشمیر کی روایتوں کے ضمن میں اکثر سنا جاتا ہے۔ اگرچہ بظاہر بالکل خیالی شخص معلوم ہوتا ہے۔ مگر بہرحال اس میں کنال سے زیادہ حقیقت مضمر ہے۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کشمیر کا نہایت زبردست اور لائق بادشاہ تھا۔ جس نے بعض دست درازجیبیوں کو ملک سے باہر نکال دیا۔ اور قنوج تک کے میدان کو فتح کیا۔ وہ اپنے باپ کے خلاف بودھ مت کا مخالف تھا۔ اور شیو کو پوجتا تھا۔ چنانچہ اس نے اور اس کی ملکہ اسان دیوی نے اسی دیوتا کے نام پر ایسی جگہ مندر تعمیر کرائے جن کا نام اس وقت بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ مگر جلوک کی حکایت ان تمام جغرافی تفصیلات کے باوجود حقیقتاً محض روایت ہی ہے۔ اور کشمیر کی اس تاریخی روایت کے اسناد اب تک دستیاب نہیں ہوئے ؎

دسرتھ جس شہزادے کا نام تیور ملکہ کے فرمان میں مذکور ہے اس کا اس کے بعد کوئی پتہ نہیں ملتا۔ اور ظن غالب یہ ہے کہ وہ اپنے باپ سے پہلے ہی مرگیا ہوگا۔ مگر اشوک کا پوتا دسرتھ حقیقت میں کوئی نہ کوئی شخص تھا۔ کیونکہ کوہ ناگرجنی کے غاروں پر جس کو اس نے اسی طرح جس طرح کہ اس کے دادا نے کوہ برابر کے غاروں کو

لہ سٹائن کا ترجمہ راجترنگنی۔ باب ا صفحہ ۱۰۸-۱۰۲۔ تبت کی ایک مختصر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اشوک کے گیارہ لڑکے تھے۔ (شیفز۔ تارناتھ صفحہ ۴۸) ؎

دیا تھا۔ آجیوک سنیاسیوں کے حوالے کیا۔ دسرتھ کے کتبے کی طرز تحریر اور زبان سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ اشوک کے عہد کے بہت ہی قریب تھا۔ اور غالباً کم از کم مشرقی صوبوں میں وہ اس کا جانشین ہوا تھا۔ اگر اس امر کو واقعہ تسلیم کر لیا جائے تو دسرتھ کی تخت نشینی کا سن ۲۳۲ق م۔ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا عہد حکومت نہایت ہی قلیل تھا۔ اور دو پرانوں میں اس کا عرصہ صرف آٹھ سال کا بتایا گیا ہے ؛

سمپرتی :۔ بدھ مذہب کی روایات۔ اشوک کے ایک پوتے سمپرتی نام کا وجود اور اس کی جانشینی اگرچہ کتبات کے ذریعہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ مگر روایات کی خاصی بڑی تعداد سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔ بودھ مذہب کی نثر کی حکایت کی کتاب اشوکاودان (جو دیویاودان کا ایک حصہ ہے) میں ایک طولانی قصہ مذکور ہے کہ بڑھاپے کے زمانے میں اشوک کے مذہبی معاملات میں انہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کی آمدنی اسراف میں صرف ہونے لگی۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ وزرا نے تنگ آ کر اس کے اقتدار اور اختیارات کو بالکل سلب کر لیا۔ اور اس کی جگہ کُنال کے بیٹے سامپرتی کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر ہم کو یہ نہیں بتایا گیا کہ اشوک کا کیا انجام ہوا۔ اس حکایت کے موافق سامپرتی کے جانشین برہسپتی۔ برشسین۔ پشی دھرمن۔ اور پشی متر تھے۔ مذکورالذکر کے متعلق بھی یہ ہی کہا گیا ہے کہ موریا خاندان سے تعلق رکھتا تھا ؛

۱؎ برناف :۔ "انٹروڈکشن" دوسرے ایڈیشن صفحہ ۳۸۴ شیفنر :۔ تارناتھ صفحہ ۲۸۹۔ راجپوتانہ کے علاقے کی ریاست جودھپور میں ناڈلئی کے مقام پر جین مذہب کے ایک مندر پر سنہ ۱۶۸۶ سمت بکرمی = سنہ ۱۶۲۹ء کا ایک کتبہ ہے۔ اور اس میں اس روایتی بیان کو دھرایا گیا ہے کہ اس مندر کا اصلی بانی سامپرتی تھا۔ (دیکھو پروگرس رپورٹ آرکیالوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا۔ سنہ ۱۹۰۹ء۔ صفحہ ۴۱ ؛)

جین مت کی روایات۔

مغربی ہند کی جین مذہب کی ادبی روایات بھی سامپرتی کو اشوک کا بلافصل جانشین بیان کرتی ہیں۔ وہ اس کے جین مذہب کے مربی ہونے کی حیثیت سے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس نے غیر آریا ممالک میں بھی جین خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ تقریباً جین مذہب کے تمام مندر اور دیگر عمارتیں جن کی ابتدا معلوم نہ ہو وہ سامپرتی کے نام تھوپ دی جاتی ہیں۔ بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ جین مت کا اشوک سمجھا جاتا ہے۔ ایک مصنف بیان کرتا ہے کہ وہ تمام ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ (''کل بھارت مع اسکے تینوں ملکوں کے'')۔ اور پاٹلی پتر اس کا دارالسلطنت تھا۔ مگر دوسری روایات نے اس کا مستقر سلطنت اجین قرار دیا ہے۔ یہ امر صریح اور صاف ہے کہ ان تمام متضاد روایتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا۔ اور اس امر کا یقین کرنا کہ ان سے تھوڑا بہت تاریخی مواد حاصل ہو جائے گا بالکل ناممکن ہے۔ بدھ اور جین مذاہب کی روایتوں کی مطابقت سے اور کچھ نہیں تو یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اگر ان کو دلیل قطعی نہ بھی مانا جائے تو بھی سامپرتی کا وجود تو ضرور ہی تھا۔ اگرچہ اس کے متعلق کوئی بات یقین کے ساتھ معلوم نہیں۔ ممکن ہے کہ اشوک کے مرنے کے بعد ہی سلطنت اس کے دو پوتوں میں تقسیم ہو گئی ہو۔ اور دسرتھ نے اس کا مشرقی حصہ اور سامپرتی نے مغربی حصہ لے لیا ہو۔ مگر اس بات کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں[1]۔

ختن کی حکایات

ختن کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سلطنت میں اور اشوک میں اکثر تعلقات قائم تھے۔ اس

[1] جین روایات (پرشستا پرن مصحح جیکوبی) کا بھگوان لال اندراجی اور مسٹر جیکسن نے بمبئی گزیٹر جلد اول حصۂ اول صفحہ ۱۵ (دسمبر ۱۸۹۶) میں ملخص تیار کر دیا ہے۔ پرانوں کی اشوک کے جانشینوں کی فہرست بالکل غتر بود اور متناقض ہے۔

حکایت کی ایک روایت کے مطابق اس نے ٹکسلا کے چند امراء کو اپنے بیٹے کنال کے اندھے کرنے میں مدد دینے کی سزا میں کوہستان ہمالیہ کے شمال میں جلاوطن کیا۔ ان جلاوطنوں نے اپنے میں سے ایک تو بادشاہ منتخب کیا۔ اور اس نے اس وقت تک ختن میں حکومت کی جب تک کہ چین کے ایک حریف شہزادے نے اس کو شکست نہ دی۔ ایک اور روایت کے بموجب ختن کے شاہی خاندان کا اصلی مورثِ اعلیٰ اشوک کا بیٹا کنال ہی تھا۔ جس کو ٹکسلا سے جلاوطن کردیا گیا تھا۔ مگر یہ حکایتیں صرف اس امر کے سمجھانے کے لئے گھڑی گئی تھیں کہ ختن کا قدیم تمدن ہندوستان اور چین دونوں مقاموں سے ماخوذ تھا۔ یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ اشوک کا سیاسی حلقۂ اثر دریائے تاریم کے میدان تک وسیع ہو[1]۔

خاندانِ موریا کا زوال و انحطاط

پران کی سند کے مطابق موریا خاندان کی کل مدتِ حکومت صرف (۱۳۷) برس ہے۔ اگر اس مدت کو صحیح سمجھ لیا جائے اور اس کا شمار ۳۲۲ق م سے چندرا گپتا موریا کے سن جلوس سے کیا جائے تو خاندان کا خاتمہ یقیناً ۱۸۵ق م میں ہوگیا ہوگا یہ تاریخ اندازاً درست ہے۔ پران کی فہرست شاہاں کے مطابق وہ چار راجہ جو اشوک کے پوتوں کے بعد تخت پر بیٹھے اور جنھوں نے چند ہی سال حکومت کی محض نام ہی نام ہیں[2]۔ اور اگر یہ بھی فرض

---

[1] یہ حکایتیں مفصل طور پر ہیون سانگ کی "لائف" "معہ ٹریولز" راک ہل کی لائف آف بدھا۔ اور سرت چندر داس کے مضامین متعلقہ تاریخ تبت میں پائی جائیں گی۔ ان کو سٹائن نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ان پر تنقید کی ہے ("اینشنٹ ختن" صفحہ ۱۶۶-۱۵۶)۔

[2] ان کے نام مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک کا وجود جس کا نام سالشوک تھا علم ہیئت کی کتاب "گارگی سمیتا" سے ثابت ہوتا ہے جس میں مشہور عبارت میں اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ دیکھو ضمیمہ

کرلیا جائے کہ سمپرتی اور اس کے جانشین واقعی کبھی عالم وجود میں تھے تو بھی وہ اوروں کی طرح محض خیالی لوگ ہیں یقینی بات ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ سلطنت جس کو چندرا گپتا موریا نے قائم کیا اور جس کو اس کے بیٹے اور پوتے نے سنبھالے رکھا آخری بادشاہ کی موت کے بعد بہت دنوں تک برقرار نہ رہ سکی۔ خاندانِ موریا کے زوال کا سبب غالباً ایک بڑی حد تک وہ انتقامی ہنگامہ ہوا ہوگا جس کے لیئے برہمنوں نے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا ہوگا۔ کیونکہ خصوصی حیثیت میں اشوک کے بودھ مت کے مرتی ہونے کی وجہ سے بہت کچھ خلل پڑ گیا تھا۔ خونریز قربانیوں کی ممانعت۔ اور محتسبوں کی وقت بے وقت کے دخل درمعقولات نے غالباً بہت کچھ ناراضی پیدا کی ہوگی جس کا حال ہم تک نہیں پہنچا۔ اور ہم کافی صحت کے ساتھ یہ فرض کرسکتے ہیں کہ سن رسیدہ طاقتور مہاراجہ کی آنکھ بند ہونے کی دیر تھی کہ برہمنوں کا اثر حسب دستور سابق پھر قائم ہوگیا۔ اور اس نے اشوک کے نظامِ احتساب کی درشتی کے خلاف ایک ہنگامہ اور انقلاب پیدا کردیا[1]۔ اشوک کی وہ اولاد جن کے نام پرانوں میں محفوظ رہ گئے ہیں غالباً صرف مگدھ اور قرب وجوار کے صوبوں ہی پر حکمراں تھے۔ ۲۲۰ ق م یا اس کے قریب ان ہی لوگوں میں سے ایک کو کلنگ کے جین حملہ آور بادشاہ کھارویلا کے سامنے جس نے موریا کا طوق غلامی اتار کر پھینک دیا تھا۔ مجبور ہونا پڑا کہ اپنا سر خم کردیں[2]۔ دریائے کرشنا اور گوداوری کے مابین کی زیر سیادت آندھر ریاست سب سے پہلے سلطنت سے جدا ہوئی۔ اور بہت جلد ایک زبردست سلطنت بن گئی اور جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائیگا آخر تمام ہندوستان پر چھاگئی۔ موریا خاندان کا آخری کمزور بادشاہ

---

[1] دیکھو ایچ۔ پی۔ شاستری کے خیالات " جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے۔ ایس۔ بی ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۵۹۔ " مٹائے کارٹ " کے ناٹک میں اجین کے راجہ پالک کا اس سے مقابلہ کرتے ہیں ؎

[2] ادیاگری کا کتبہ (لیوڈرسل۔ ایپی گریفیکا انڈکا۔ جلد ۱۰ ضمیمہ صفحہ ۱۶۰) ؎

برہدرتھ تھا جس کو اس کی فوج کے سپہ سالار پشی مترا نے قتل کر دیا[1]

مقامی موریا راجہ

اشوک اعظم کی اولاد کے بہت سے افراد صدیوں تک مگدھ میں مقامی طور (پر بلا کسی تاریخ کے) مگدھ کے علاقے میں حکمراں رہے۔ ان میں سے صرف ایک شخص کا نام محفوظ رہ گیا ہے یہ آخری بادشاہ پورن ورمن تھا اور چینی جاتری ہیون سانگ کا ساتویں صدی عیسوی میں تقریباً ہمعصر تھا[1]

اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے موریا خاندان جن کا ظاہرا کسی نہ کسی طرح موریائے اعظم کے خاندان سے تعلق تھا۔ مغربی گھاٹ اور سمندر کے درمیان کونکن کے علاقے اور مغربی ہند میں چھٹی۔ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی کے اثنا میں برسرِ حکومت تھے۔ اور کتبات میں اکثر ان کا ذکر آیا ہے[2]۔

---

[1] بیل :- ریکارڈس جلد دوم صفحہ ۱۱۸ و ۱۷۴ - ویٹرس جلد دوم صفحہ ۱۱۵۔

[2] فلیٹ :- "ڈائنسٹیز آف دی کناریز ڈسٹرکٹس" ایڈیشن دوسرا۔ بمبئی گزیٹیر جلد اول حصہ دوم (۱۸۹۶ء) صفحہ ۴ - ۲۸۲۔

خاندانِ موریا

جدولِ سنین۔ (تقریباً صحیح تاریخیں)

سن قبلِ مسیح	واقعات
سنہ ۳۲۶ یا سنہ ۳۲۵	چندرا گپتا نے اپنی جوانی کے زمانے میں سکندرِ اعظم سے ملاقات کی۔
ستمبر یا اکتوبر سنہ ۳۲۵	سکندر ہندوستان سے واپس چلا گیا۔
فروری۔ سنہ ۳۲۴	سکندر جب کرمانیہ میں تھا تو اس کو اپنے صوبے دار فلپوس کے ہندوستان میں قتل ہوجانے کی خبر ملی۔ اور اس نے یوڈیمس اور ٹکسلا کے راجہ امبھی کو ہندوستان کے صوبوں کا حاکم مقرر کیا۔
جون سنہ ۳۲۳	بابل میں سکندر کی موت۔
سنہ ۳۲۳۔ سنہ ۳۲۲	چندرا گپتا موریا کی سرکردگی میں پنجاب کی بغاوت۔ اور مگدھ میں نند خاندان کی بربادی چندرا گپتا موریا کا بحیثیت شہنشاہِ ہند تخت نشین ہونا۔
سنہ ۳۲۱	ٹری پرادیسوس کے مقام پر سکندر کی سلطنت کا دوبارہ تقسیم ہونا۔
سنہ ۳۱۵	انٹی گونس نے سائلوکس نکیٹر کو مجبور کیا کہ وہ مصر میں پناہ لے۔
سنہ ۳۱۲	سائلوکس نے بابل پر دوبارہ قبضہ کیا۔
اکتوبر سنہ ۳۱۲	سائلوکس سن کا مقرر ہونا۔

سن قبل مسیح	واقعات
سنہ ۳۰۶	سائلوکس کا خطاب شاہی اختیار کرنا ؛
سنہ ۳۰۵ یا سنہ ۳۰۴	سائلوکس کا ہندوستان پر حملہ ؛
سنہ ۳۰۳	سائلوکس نے چندراگپت کے ہاتھ سے شکست کھائی۔ صلحنامہ۔ اس کی رو سے سائلوکس نے آریانہ کا بڑا علاقہ ہندوستانی راجہ کے حوالے کیا ؛
سنہ ۳۰۲ تا سنہ ۳۰۱	انٹی گونس کے خلاف سائلوکس کا کوچ ؛
سنہ ۳۰۲	پاٹلی پتر میں سائلوکس کی طرف سے مگاس تھنیز سفیر بن کر آیا ؛
سنہ ۳۰۱	انٹی گونس کی فریگیا کے علاقے میں الپساس کے مقام پر شکست اور موت ؛
سنہ ۲۹۸	بندسار امرت گھاٹا کا ہندوستان کے تخت پر جلوس ؛
(تقریباً) سنہ ۲۹۶	پاٹلی پتر میں سائلوکس کی طرف سے دیمیکوس کا سفیر بن کر آنا ؛
سنہ ۲۸۵	ٹولمی فلیڈلفاس مصر کا بادشاہ ہوا ؛
سنہ ۲۸۰	شام کا بادشاہ سائلوکس نیکیٹر مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا انٹی آکس سوٹر بادشاہ ہوا ؛
سنہ ۲۷۸ یا سنہ ۲۷۷	انٹی آکس اول کا پوتا مقدونیہ کا بادشاہ انٹی گناس گونٹس تخت پر بیٹھا ؛
سنہ ۲۷۲	ایپرس کا بادشاہ سکندر جو پرہس کا بیٹا اور انٹی گناس گونٹس کا حریف تھا تخت پر بیٹھا ؛
سنہ ۲۷۳	اشوک وردھن شاہنشاہ ہند کی تخت نشینی ؛
سنہ ۲۶۹	اشوک کی تاجپوشی ؛
سنہ ۲۶۴	جنگ پیونگ اول کا آغاز ؛

سن قبل مسیح	واقعات
سنہ ۲۶۱	اشوک کا کلنگ کے علاقے کو فتح کرنا۔ شام کا بادشاہ انٹی آکس تھاؔس جو انٹی آکس سوٹر کا بیٹا تھا تخت پر بیٹھا؛
سنہ ۲۵۹	اشوک نے شکار کو موقوف کیا۔ زہد کی تعلیم دینے کے لیئے دورے مقرر کیئے۔ اور واعظ باہر بھیجے؛
سنہ ۲۵۸	ٹولمی فلیڈلفس کا سوتیلا بھائی سیرینؔ کا بادشاہ مگس مر گیا۔ (؟) ایپرس کا بادشاہ سکندر فوت ہوا۔
سنہ ۲۵۷	اشوک کا چھوٹا سنگی فرمان نمبرا۔ اور سنگی فرمان نمبر ۳ و ۴۔ نافذ ہوئے۔ اس نے ہر پانچ سال کے بعد قانونِ فرائض (دھرم) کی تبلیغ کے لیئے دوروں کا دستور نکالا۔ اور آجیوک سنیاسیوں کو برابر کی پہاڑیوں میں غار عطا کیئے؛
سنہ ۲۵۶	"چودہ سنگی فرمانوں" کا سلسلہ۔ اور کلنگ کے سرحدی فرمان کو اشوک نے شائع کیا۔ اور اس سال قانونِ فرائض کے محتسب بھی مقرر ہوئے؛
سنہ ۲۵۵	اشوک نے دوسری مرتبہ کپل وستو کے قریب کوناگمن کے ستوپ کی توسیع کی؛
(؟) سنہ ۲۵۴	اشوک نے "کلنگ کا صوبے داری فرمان" نافذ کیا؛
سنہ ۲۵۰	اشوک نے ایک تیسرا غار آجیوک سنیاسیوں کو برابر کے پہاڑیوں میں عطا کیا؛
سنہ ۲۴۹	اشوک کا بودھ مذہب کے مقدس مقامات کے جاترا کو جانا۔ باغ لمبنی اور کوناگمن کے ستوپ کے قریب ستون قائم کرانا۔ (؟) اس کا نیپال جانا۔

سن قبل مسیح	واقعات
	اور وہاں للت پاٹن کا شہر آباد کرنا۔ اس کی بیٹی چارومتی نے سنیاس کی زندگی اختیار کی ؛
(؟) سنہ ۲۴۹	باختر اور پارتھیا نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کیا ؛
سنہ ۲۴۷	مصر کا بادشاہ ٹولمی فلیڈلفس فوت ہوا ؛
سنہ ۲۴۷ یا سنہ ۲۴۶	شام کا بادشاہ انٹی آکس تھیآس جو سالوکس نیکیٹر کا پوتا تھا فوت ہوا ؛
سنہ ۲۴۳	اشوک نے ستونی فرمان نمبر ۶ تحریر کیا۔ اور سنگی فرمانوں کو مستقل کر دیا ؛
سنہ ۲۴۲	اشوک نے "سات ستونی فرمان" کا کامل سلسلہ نافذ کیا ؛
سنہ ۲۴۲ یا سنہ ۲۳۹	مقدونیہ کا بادشاہ انٹی آکس گناٹا مر گیا ؛
سنہ ۲۴۱	پہلی جنگ پیونک کا خاتمہ۔ اور پرگیمم کی سلطنت کا آغاز ؛
(؟) سنہ ۲۴۰ تا سنہ ۲۳۲	اشوک کے "چھوٹے ستونی فرامین" ؛
سنہ ۲۳۲	اشوک کا انتقال :- دسرتھ اس کا جانشین ہوا۔ ناگارجونی کے غار۔ اجیوک سنیاسیوں کو عطا کیے۔ موریا سلطنت کا زوال شروع ہو گیا ؛
(؟) سنہ ۲۲۴	سنگت موریا بادشاہ تھا (بندھپالت وایوپران) ؛
(؟) سنہ ۲۱۶	سالسُوک موریا۔ (اندرپالت۔ وایوپران)
	(؟) اڑیسہ کے بادشاہ کھاریوالا سے اس نے شکست کھائی ؛
(؟) سنہ ۲۰۶	سوم سرمن موریا۔ (دساورمن یا دیوورمن۔ وایوپران) ؛

سن قبل مسیح	واقعات
(؟) ۱۹۹	سّتدھنوں موریا بادشاہ۔ (ستدھنس۔ وایوپران)؎
(؟) ۱۹۱	برہدرتھ موریا بادشاہ۔ (برسدسوا۔ وایوپران)
۱۸۵	پشیمِتر برہدرتھ کو قتل کرکے بادشاہ ہوا۔ موریا سلطنت کا خاتمہ ہوگیا؎

؎ اشوک کے جانشینوں کے نام ''وشنوپران'' سے لیئے گئے ہیں ان میں سے سُیشس کو ان وجوہ کی بناپر جن کا ذکر متن کتاب میں کردیا ہے نظرانداز کردیا ہے۔ ان کے علاوہ اور نام جین مت کی کتابوں اور مذہب کی ''اشوکاودان'' میں مذکور ہیں۔ وایوپران میں جو تمام پرانوں سے قدیم ہے اس خاندان کے صرف نو نام مذکور ہیں۔ جن کا نام خطوط ہلالی میں لکھ دیا گیا ہے۔ اس میں سے ہرایک کی مدتِ حکومت بھی دی ہے۔ جو سنین جدول میں مذکور ہیں وہ یہ فرض کرکے دیئے گئے ہیں اشوک نے چالیس یا اکتالیس برس حکومت کی تھی۔ مگر اس کی مدت حکومت وایوپران کے مطابق چھتیس برس اور مہاومسر کے مطابق (۳۷) برس تھی۔ یہ دونوں اس کے زمانۂ تاجپوشی سے اس کی حکومت شمار کرتے ہیں۔ پران اس بات میں پھر متفق ہیں کہ موریا خاندان صرف (۱۳۷) برس تک برسرِ حکومت رہا۔ مگر وایوپران میں ان سب کی مدتِ حکومت صرف (۱۳۳) برس بیان کی ہے۔ اور یہ چار برس درمیانی عرصہ اشوک کے تخت نشینی اور جانشینی کے درمیان کا زمانہ جمع کردینے سے پورا ہوجاتا ہے۔ اور زیادہ تفصیل کے لیئے دیکھو پرگیٹر کی کتاب ''دی ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج'' قرات میں بے شمار اختلافات ہیں؎

باب ہشتم

خاندانہائے سُنگ۔ کنو۔ و اندھر

از ۱۸۵ء ق م تا (تقریباً) ۲۲۵ء

سُنگ خاندان

تقریباً ۱۸۵ء ق م پشی متر سنگ کا غصب سلطنت

سپہ سالار پشی متر نے اپنے آقا برہدرتھ موریا کو قتل کر کے شمالی تخت کو غصب کر لیا۔ اور موریا خاندان کی سلطنت پر جو اب مختصر رہ گئی تھی اپنا تسلط جما لیا[1]۔ اور اس طرح اس نے ایک خاندان کی بنیاد ڈالی۔ جو تاریخ میں سنگ خاندان کے

[1] پشی متر کے غصب کا جو حال پرانوں میں ملتا ہے اس کی تصدیق ساتویں صدی عیسوی کے شاعر **بان** کے بیان سے ہوتی ہے۔ جس نے غالباً وہ کاغذات دیکھے تھے جو اب گم ہو گئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔ "اور تمام فوج کا اس نے اس بہانے سے جائزہ لیا کہ وہ بادشاہ کے سامنے ان کو پیش کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کمینے سپہ سالار پشی متر نے انھیں سے اپنے آقا برہدرتھ کو شکست دی جو اپنی ناجیوتشی کی قسم کو پورا کرنے میں کمزور تھا۔" اس ترجمے میں کاول اور ٹامس دونوں کے ترجمے (ہرش چرت۔ (ترجمہ) صفحہ ۱۹۳)۔ بیوہر (انڈین انٹی کویری جلد دوم صفحہ ۳۶۳) اور جیسوال کے ترجموں کو ملا دیا گیا ہے۔ پرانوں کا بہترین نسخہ (پرجٹگر صفحہ ۷۰،۳۱) صرف یہ کہتا ہے کہ "پشی متر سپہ سالار برہدرتھ کو فنا کر کے اور سلطنت پر (۳۶) سال حکمراں رہے گا۔"

شنگ خاندان کی سلطنت کے حدود (نام سے مشہور ہے[1])

غالباً قدیم زمانے کی طرح پشی متر کی حکومت کی دوران میں بھی پاٹلی پتر ہی دارالسلطنت رہا۔ اور اغلب یہ ہے کہ سلطنت کے تمام مرکزی اور قریب کے صوبوں نے اس غاصب کی اطاعت قبول کرلی۔ یہ سلطنت شاید جنوب میں دریائے نربدا[2] تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ اس میں دریائے گنگا کی وادی کے علاقے شامل تھے جو آج کل بہار۔ ترہٹ۔ اور صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے علاقے ہیں۔ یہ امر قرین قیاس نہیں کہ پشی متر یا موریا خاندان کے آخری تاجدار پنجاب کے علاقے پر قابض اور حکمراں ہوں۔ ولسن کا یہ خیال کہ پشی متر کی فتوحات دریائے سندھ تک پہنچ گئی تھیں ایک غلط فہمی پر مبنی تھا[3]۔

---

[1] شنگ کے خاندانی نام کی تصدیق پرانوں۔ بان (صفحہ ۱۹۳)۔ اور بھرہت کے کتبے سے ہوتی ہے۔ جو اس طرح شروع ہوتا ہے:۔ "شنگ راجاؤں کا عہدِ حکومت" (آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا۔ جلد ۵ صفحہ ۷۳۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ صفحہ ۱۳۸۔ مع فوٹو)۔

[2] "ملکہ (یعنے پشی متر کے بیٹے اگنی متر کی بیوی) کا ایک بھائی نیچ ذات سے ہے۔ اس کا نام ویرسین ہے۔ اس کو بادشاہ نے سرحد کے ایک قطعہ کا دریائے منداکنی کے کنارے پر حاکم مقرر کردیا ہے" (دیباچہ مالوِکا۔ آگنی متر)۔ مسٹر ٹانی (ترجمہ صفحہ ۶) نے لکھا ہے کہ "منداکنی سے یہاں غالباً نرمدا (یا نیرمدا) مراد ہے۔ بمبئی کے ایک قلمی نسخے میں پراکرت کا لفظ نرمدا ہی لکھا ہوا ہے"۔ مگر مسٹر پرٹیگر کو صرف دو ہی دریاؤں کا حال معلوم ہے جن کا نام منداکنی تھا۔ ایک بندیل کھنڈ کے ضلع باندا میں واقع ہے۔ اور دوسرے گوداوری کے جنوبی معاون دریا کا نام ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۴ء صفحہ ۲۶۰)۔

[3] ولسن:۔ "تھیئٹر آف دی ہنڈوز" جلد دوم صفحہ ۳۵۳۔ کننگھم: نیومسمیٹک کرانیکل ۱۸۷۰ء صفحہ ۲۲۷۔

تقریباً ۱۵۵ق م منندر کا حملہ اور اس کی شکست

اپنے عہدِ حکومت کے اواخر میں اس غاصب کو ایک مہیب خطرے کا اندیشہ ہوا۔ منندر باختر کے بادشاہ یوکرٹائڈیز کا عزیز اور کابل و پنجاب کا حکمراں تھا۔ اس نے سکندر کی مہمات کا مقابلہ و ہمسری کرنے کی دل میں ٹھانی۔ اور اس ارادے سے اندرون ہند میں ایک زبردست فوج لے کر داخل ہوا۔ اس نے دریائے سندھ کے مثلثی دہانے سراشتر (کاٹھیاواڑ) جزیرہ نما اور مغربی ساحل کے چند علاقوں پر قبضہ کیا۔ دریائے جمنا کے کنارے متھرا کے شہر پر قابض ہوگیا۔ راجپوتانہ میں مدھیامکا (چتوڑ کے قریب موجودہ ناگری) کا محاصرہ کیا۔ جنوبی اودھ میں ساکیتم کی ناکہ بندی کی۔ اور بالآخر خود دارالسلطنت پاٹلی پتر پر حملہ کرنے کی دھمکی دی؛

ایک گھمسان لڑائی کے بعد اس حملے کی روک تھام کی گئی۔ اور آخر کار یونانی بادشاہ مجبوراً اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ مگر ممکن ہے کہ مغربی ہند میں اس نے اپنی فتوحات پر چند سال تک قبضہ رکھا ہو[1]؛

ہندوستان اور یورپ۔

اس طرح خشکی کے راستے سے یوروپین جنرل کی دوسری اور آخری کوشش ہندوستان فتح کرنے کے لئے ناکامیاب ثابت ہوئی۔ اس کے بعد کے مغربی برِّاعظم کے تمام حملہ آور جہازوں میں سوار ہوکر یہاں آئے۔ اس بھروسے پر کہ سمندر اُن کے قابو میں ہے۔ اور انھوں نے اس کو اپنا مرکز قرار دیا۔ ۱۵۳ق م یا اس کے قریب قریب زمانۂ منندر کی شکست کے بعد سے لے کر ۱۵۰۲ء میں واسکوڈی گاما کی کالیکٹ پر گولہ باری کرنے تک ہندوستان یوروپین اقوام کے حملے کے خوف سے بالکل بےخوف تھا۔ اور اس وقت تک

جب تک کہ موجودہ حکمران قوم سمندر پر قابو رکھنے میں کامیاب رہے گی قدیم حملہ آوروں کے قدم بہ قدم جتنے حملے خشکی کی طرف سے کیئے جائیں گے مستقلاً کامیاب نہیں ہو سکتے؛

اگنی متر کی جنگ ودربھ سے۔

مندر کی جنگ کے دوران میں جنوب کے دور دراز صوبوں پر جو دریائے نربدا تک پھیلے ہوئے تھے ولیعہد اگنی متر بطور نائب السلطنت کے حکومت کر رہا تھا۔ اس کا مستقر سلطنت وِدِشا موجودہ بھیلسا کے مقام پر تھا جو مہاراجہ سندھیا کے علاقے میں دریائے بیتوا کے کنارے پر واقع ہے۔ اگنی متر کا نوجوان بیٹا بسومتر اپنے دادا کے حکم کے مطابق میدان جنگ میں برسر کار تھا۔ پشی متر نے جو اس وقت غالباً بہت عمر رسیدہ ہو گیا تھا ارادہ کیا کہ تمام شمالی ہند کے بادشاہ ہونے کا اپنے آپ کو حقدار ثابت کرے اور اس امر کا اعلان کر دے۔ اس کا دعویٰ اُس فتح کی وجہ سے اور پختہ ہو گیا جو اس کے بیٹے اگنی متر نے ایک مقامی جنگ میں اپنے جنوبی ہمسائی ودربھ (یعنے برار) کے راجہ پر پائی جس نے مجبور ہو کر اپنی آدھی سلطنت ایک حریف عزیز کے حوالے کر دی۔ اور دونوں حصوں کے درمیان دریائے وردا (ورد) حدِ فاصل قرار پایا؛

پشی متر نے اسومیدھ کی قدیم اور فراموش شدہ رسم پھر از سر نو نہایت طمطراق اور شان و شوکت کے ساتھ زندہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس رسم کے ادا کرنے کا حق قدیم روایات کے مطابق صرف ان بادشاہوں کو ہوتا تھا جنھوں نے تمام ملک کو مطیع و زیر نگیں کر لیا ہو۔ اور اس سے قبل یہ ضروری ہے کہ اپنے حریفوں کے سامنے یہ دعویٰ کیا جائے اور اس دعوے میں وہ کامیاب ہو۔ یہ دعویٰ اس طرح ہوتا تھا:۔

اسومیدھ

"ایک خاص رنگ کا گھوڑا بعض رسوم ادا کرکے اس کام کے لیئے مخصوص کر دیا جاتا تھا۔ اور اس کے بعد اس کو ایک سال کے واسطے

کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ خود بادشاہ یا اس کا
نائب ایک فوج لیئے اس کے پیچھے پیچھے
چلتے تھے۔ اور جب یہ گھوڑا کسی بیگانہ سلطنت
میں داخل ہوتا تو وہاں کے راجہ کے لیئے
یہ ضروری تھا کہ یا جنگ کے لئیے تیار ہوجائے
اور یا اطاعت قبول کرے۔ اگر گھوڑے کا
مطلق العنان کرنے والا ان تمام بادشاہوں
سے اطاعت قبول کرانے میں کامیاب
ہوجاتا جس کی سلطنتوں میں کہ گھوڑے کا
گذر ہوا تو وہ تمام مفتوحہ علاقوں کے بادشاہوں کو
ساتھ لے کر بڑی شان وشوکت سے واپس
آتا۔ لیکن بالفرض اگر وہ ناکامیاب ہوتا۔ تو
وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا۔ اور اس کے
دعوے کی تضحیک ہوتی۔ اس کے کامیاب
واپس آنے کے بعد ایک عظیم الشان جشن
منعقد ہوتا۔ اور گھوڑے کی قربانی
کی جاتی تھی[1]۔

یونان کم از کم برائے نام ہی سہی اس مخصوص گھوڑے کی محافظ فوج کی سرداری پشی متر نے اپنے نوجوان پوتے بسومتر کو دی تھی۔ اس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے یونان یا مغربی غیر ملکیوں کی ایک جماعت سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست دی۔ ان لوگوں نے دریائے سندھو[2] کے کنارے پر جو آج کل بندیلکھنڈ اور راجپوتانہ کے

---

[1] ڈاؤسن:- "کلاسیکل ڈکشنری" مضمون اسومیدھ۔ دیکھو ڈاکٹر برنیٹ کی انٹی کوئیٹیز آف انڈیا (۱۹۱۳ء) صفحہ ۱۷۱- ۱۷۹ء

[2] اس سے دریائے سندھ مراد نہیں ہے۔

درمیان حد فاصل ہے اس کی فوج کا مقابلہ کیا ممکن ہے کہ یہ مقابلہ کرنے والے منندر کی اس فوج کا ایک حصہ ہوں جس نے کہ راجپوتانہ کے علاقے میں مدھیا مِکا کا محاصرہ کیا تھا۔

قربانی یونان اور دوسرے تمام حریفوں کا بتدریج خاتمہ کرنے کے بعد پشی متر کو اس بات کا حق حاصل ہوگیا۔ کہ وہ شمالی ہند میں مہاراجہ ادھیراجہ ہونے کا دعوے کرے۔ چنانچہ اس نے فوراً اس امر کا اعلان کرنے کے لیئے اپنے دار السلطنت میں نہایت شان وتجمل کے ساتھ قربانی چڑھائی۔ ناٹک لکھنے والے نے اس زمانے کی خصوصیات کو نہایت اچھی طرح محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ اس کا بیان ہے کہ جن الفاظ میں فاتح بادشاہ نے اپنے بیٹے اور ولیعہد کو اس قربانی میں شامل ہونے کے لیئے مدعو کیا تھا وہ یہ ہیں :-

> خدا کرے کہ تم بخیر وخوبی ہو! قربانی کے احاطے میں سے سپہ سالار پشی مترا اپنے بیٹے اگنی متر کی طرف جو وِدِسا کے علاقے میں مقیم ہے نہایت پیار سے اس کو گلے لگا کے یہ پیغام بھیجتا ہے کہ :-
> تم کو یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ میں نے جو باضابطہ طور پر راجہ سویا[1] کی تقریب بجا لانے کے بعد بلا کسی مزاحمت ولگام کے ایک گھوڑے کو چھوڑ دیا تھا جس کو ایک سال بعد واپس آنا تھا۔ اور لبسو متر کو اس کا محافظ مقرر کیا تھا۔ اور

[1] راجسُویا وہ رسم تھی جو بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت ہوا کی جاتی تھی۔ تمام رسم کی ادائگی میں بارہ مہینے خرچ ہو جاتے تھے۔ اس کو آر۔ ایل۔ مترا نے نہایت تفصیل سے۔ جے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول جلد ۴ (۱۸۷۶ء) صفحہ ۹۸-۳۸۶ میں بیان کیا ہے۔ دیکھو ڈاکٹر برنیٹ کی کتاب انٹی کوئٹیز آف انڈیا (۱۹۱۳ء) صفحہ ۱۶۷

اس کے ساتھ ایک سو راجپوتوں کا ایک دستہ تھا۔
یہ گھوڑا دائیں ہاتھ (یا جنوب) کی طرف گیا۔ اور
دریائے سندھو کے کنارے پر یونوں کے
سواروں کی ایک جماعت نے اس کا دعویٰ
کیا تھا۔ اس پر دونوں فوجوں میں خونریز جنگ
ہوئی۔ اور زبردست تیر انداز بسومتر نے
دشمنوں کو شکست دے کر میرے نادر گھوڑے کو
جس کو وہ لے جانے کی کوشش کر رہے تھے
ان سے چھڑا لیا۔ چنانچہ اب کیونکہ میرا پوتا میرا
گھوڑا بعینہٖ اُسی طرح واپس لے آیا ہے جس طرح
انشمت سگر کا گھوڑا لایا تھا میں اس کی قربانی
کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس لئے تم کو مدعو کرتا ہوں کہ
اپنے دل سے غصہ دور کر کے میری بہوؤں کو ساتھ
لے کے فوراً یہاں چلے آؤ اور اس قربانی میں شریک ہو[1]۔

تپنجلی اس رسم کی ادائی میں غالباً مشہور و معروف نحوی تپنجلی بھی شامل تھا۔ کیونکہ اس نے اس واقعہ کا ذکر ایسے الفاظ میں کیا

[1] "مالوکا اگنی متر" حصہ ۵۔ مترجمہ ٹانی صفحہ ۸۷۔ ناٹک کے نقشے کا ملخص ولسن (انڈین تھیئٹر جلد اول صفحہ ۳۵۳-۳۴۸)۔ اور سلوین لیوی (تھیئٹر انڈین صفحہ ۷۰-۱۶۶) نے دیا ہے۔ اس کو بعد تصیح ٹلبرگ نے شایع کرایا ہے (بون سنہ ۱۸۴۰ء)۔ اور ٹانی نے اس کا انگریزی میں (کلکتہ سنہ ۱۸۷۵ء)۔ اور ویبر نے جرمن میں (برلن سنہ ۱۸۵۶ء)۔ ترجمہ کیا ہے۔ دو مرتبہ اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوا ہے۔ اول مرتبہ فوکے اور دوبارہ وکٹر ہنری کے قلم سے (پیرس سنہ ۱۸۷۷ء و سنہ ۱۸۸۹ء)۔ اس میں تاریخی روایت بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس کا مصنف کالیداس غالباً گپت خاندان کے زمانے میں پانچویں صدی میں گذرا ہے۔ سگر کے لئے دیکھو ڈاؤسن۔ کلاسیکل ڈکشنری۔

جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی کے زمانے کا ہے؛

برہمنی ردعمل کی شروعات۔

حیوانی زندگی کے مبالغہ آمیز تقدس نے جو بدھ مذہب کا مایۂ ناز اور اشوک کے قوانین کے ایک بڑے حصے کا اصل اصول تھا وہ تمام خونی قربانیاں بھی بند کردی تھیں جو برہمنی مذہب کی عبادات کی تکمیل کے لئے اشد ضروری تھیں۔ اور جن کے متعلق دیندار اشخاص کا خیال تھا کہ وہ بہت مفید اور ثواب کے کام ہیں۔ پشی متر کی قابل یادگار قربانی درحقیقت برہمنی مذہب کے اثر کی طرف پلٹنے کے رجحان کا پہلا زینہ تھی۔ جو اس کے پانچ صدی بعد سمدگپت اور اس کے جانشینوں کے زمانے میں پورے زور وشور کے ساتھ کامل ہوئی؛

پشی متر ایک مذہبی ایذارساں خیال کیا جاتا ہے۔

اگر بدھ مذہب کے مصنفین کی قدیم وہمی روایات قابل اعتبار خیال کی جاسکیں تو پشی متر نے ہندو روایات کے بتدریج اور امن کے ساتھ احیا پر ہی قناعت نہیں کی۔ بلکہ بدھ مذہب والوں کو حتی الوسع وحشیانہ انداز سے تکلیف بھی پہنچائی۔ ان کی خانقاہوں کو جلاکر خاکستر کردیا۔ اور مگدھ سے لے کر پنجاب کے مقام جالندھر تک ان کے راہبوں کو قتل کیا۔ بہت سے راہب جو کسی نہ کسی طرح اس کی تلوار سے بچ گئے وہ دوسرے بادشاہوں کے ملکوں میں چلے گئے۔ ممکن ہے کہ اس حکایت میں مبالغے سے کام لیا گیا ہو۔ مگر اس کو بالکل ہی رد کردینا یقیناً احتیاط کے خلاف ہوگا[1]؛

ہندوستان میں مذہبی ایذارسانی

اگرچہ اس کی شہادت موجود ہے کہ پشی متر نے بدھ مذہب کو ستایا تھا۔ تاہم بدھ مذہب کے

[1] تارا ناتھ شیفنر کا ترجمہ صفحہ ۸۱۔ دیویا ودان۔ بورناف کا دیباچہ دوسری ایڈیشن صفحہ ۳۸۴۔ تارا ناتھ نے لکھا ہے کہ پشی متر ایک برہمن تھا اور کسی بادشاہ کے پروہت کی خدمت انجام دیا کرتا تھا؛

ہندوستان میں سے بتدریج معدوم ہونے کے وجوہ اس ایذارسانی کے سوا اور بھی تھے۔ البتہ یہ بھی بالکل درست ہے کہ وقتاً فوقتاً متعصب بادشاہوں نے اپنے تعصب کا اظہار سخت ظلم وستم کے افعال سے ضرور کیا۔ اور جین یا بدھ مت والوں کو ان کے مذہب کی وجہ سے سخت سے سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اس قسم کے امور کی بہت سی صحیح شہادتیں خود اس کتاب میں ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ اور مثالیں بھی جو اس کتاب کے ضمن میں نہ آسکیں موجود ہیں۔ لیکن بہرحال اگر ہم یہ بات خیال میں رکھیں کہ بدھ اور جین مت کی بہت سے محرمات اگر کوئی بادشاہ ان پر سختی سے عمل کرانا چاہے جیسا کہ غالباً اشوک نے کیا تھا تو وہ سخت تکلیف دہ ہو جاتی تھیں۔ اور اس صورت میں اگر بعض بادشاہوں نے اپنے قہر و غضب کا اظہار کیا ہو تو کچھ بعید از قیاس نہیں۔ بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایذارسانی ایسی شاذ و نادر واقع ہوتی تھی۔ اور بالعموم ان تمام مختلف مذاہب کے پیرو پہلو بہ پہلو آرام اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور سرکاری عطیات میں ان سب کو برابر کا حصہ دار سمجھا جاتا تھا۔[1]

[1] بدھ مذہب کے ہندوستان میں ایذارسانی کی اصلیت سے رہس ڈیوڈس نے انکار کیا ہے (جرنل پالی ٹکسٹ سوسائٹی ۱۸۹۶ء صفحہ ۸۷-۹۲)۔ مگر ہو جسن۔ سیول اور وٹیرس اس کے مقر ہیں (ایضاً صفحہ ۱۰۷-۱۱۱)۔ سسانک کی مثال جس کو کہ اس کے تقریباً ہمعصر ہیون سانگ نے بیان کیا (بیل:- ریکارڈس جلد اول صفحہ ۲۱۲ جلد دوم صفحہ ۴۲ و ۹۱ و ۱۱۸ و ۱۲۱)۔ بالکل صحیح ثابت ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ مہر گل کا قصہ بھی ایسا ہی ہے۔ قدیم زمانے میں تبت اور ختن کا ہندوستان سے بہت تعلق تھا۔ تبت کی تاریخ نے بدھ مذہب کی ایذارسانی میں ایک بادشاہ لنگ درم کا ذکر کیا ہے (راکہل:- لائف آف بدھا صفحہ ۲۲۶ و ۲۴۳)۔ اسی قسم کا ایک واقعہ ختن کی تاریخوں میں بھی ملتا ہے۔ ایضاً صفحہ ۲۴۳-سرت چندرداس۔ جے اے ایس بی حصہ اول ۱۸۸۶ء صفحہ ۲۰۰) جنوبی ہند میں جین مذہب کی

تقریباً ۱۴۹ ق م بعد کے سنگ کے خاندان کے افراد

جب ایک طول وطویل اور پر از واقعات حکومت اور مندر کی پسپائی کے تقریباً پانچ سال بعد پشپ متر مر گیا تو اس کے بعد اگنی متر اس کا ولیعہد اس کا جانشین ہوا۔ جو اپنے باپ کے زمانے میں بھی جنوبی صوبوں پر حکمراں رہا تھا۔ اس نے محض چند سال حکومت کی۔ اس کا جانشین بسو جیشٹا جو غالباً اس کا بھائی تھا ہوا۔ سات سال بعد اس کا جانشین بسو متر ہوا جو غالباً اگنی متر کا وہی بیٹا تھا جس نے اس قربانی کے گھوڑے کی حفاظت کا کام اپنے دادا کے حین حیات میں انجام دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان چاروں حکومتوں کا زمانہ بہت قلیل تھا اور صرف سترہ سال رہا۔ ان تمام حکومتوں کی اس قدر قلیل مدت ہونے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ زمانہ فتنۂ وفساد اور شاہی محل کے انقلابات اور سازشوں کا تھا۔ اور اس نتیجے کا قرین قیاس ہونا ایک واقعے سے ثابت ہوتا ہے جو اس زمانے کی روایات میں محفوظ رہ گیا ہے۔ اگنی متر کا ایک دوسرا بیٹا سُمتر کہا جاتا ہے کہ ناٹک کا بہت شوقین تھا۔ ایک موقع پر جب اس کے منظور نظر تماشہ گر اس کے گرد جمگھٹا لگائے کھڑے تھے ایک شخص متر دیو نامی نے "اس کا سر تلوار کے وار سے اسی طرح الگ کر لیا جس طرح کنول کو اس کی ڈالی سے الگ کر لیتے ہیں[1]۔ نویں بادشاہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ایک نہایت سخت ایذا رسانی ساتویں صدی عیسوی میں واقع ہوئی۔ (الیٹ:۔ کائنز آف سدرن انڈیا صفحہ ۱۲۲۔ باب ۱۶ حصہ ۲)۔ اجیادیوتا "جو گجرات کا ایک سیوا راجہ تھا (۱۱۷۴–۱۱۷۶ء) اپنی حکومت کا آغاز جین کو نہایت بے رحمی سے ایذا رسانی سے کیا۔ اور ان کے پیشوا کو تعذیر کر کے مروا ڈالا" (آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا جلد ۹ صفحہ ۱۶)۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مستند مثالیں اس قسم کی مل سکتی ہیں۔

[1] بان:۔ ہرش چرت باب ۶۔ کاول اور ٹامس کا ترجمہ صفحہ ۱۹۲۔

بھاگوت کی حکومت کا عرصہ بتیس برس کا بیان کیا جاتا ہے مگر ہم کو اس کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں۔ دسویں بادشاہ دیو بھُوتی یا دیو بھُومی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نہایت بدچلن شخص تھا۔ اور اسی قسم کی ایک ناجائز سازش کے اثنا میں وہ قتل کیا گیا۔ اس طرح ایک سو بارہ برس حکومت کرنے کے بعد یہ خاندان ایسے ننگ و بے شرمی کی حالت میں ختم ہو گیا[له]۔

له "متر" کے مختلف اقسام کے سکے جو اودھ۔ روہیل کھنڈ۔ گورکھپور وغیرہ میں پائے گئے ہیں بسا اوقات سنگ خاندان کے متصور کر لیئے جاتے ہیں۔ مگر وہ اس خاندان کے اسناد کی طور پر کام میں نہیں لائے جا سکتے۔ ان میں سے صرف ایک نام اگنی متر ہی پرانوں کے فہرست کے مطابق ہے۔ مزید تفصیلات کے لیئے دیکھو کارلائل اور رپورٹ کارنک کا مضمون جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۸۰ء حصۂ اول صفحہ ۲۸-۲۱ و ۹۰-۸۷۔ مع لوح کننگھم :- کائنز آف اینشنٹ انڈیا صفحہ ۶۹-۷۴-۷۹-۹۳۔ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۱۸۴۔ پرانوں کے بیان کے مطابق سُنگ خاندان کی سب سے زیادہ معتبر تاریخ حسب ذیل ہے :- پشی متر بادشاہ کا سپہ سالار اپنے آقا برہدرتھ کو قتل کرے گا۔ اور چھتیس برس تک سلطنت پر حکومت کرے گا۔ اس کا بیٹا اگنی متر آٹھ برس تک بادشاہ رہے گا۔ بسو جیشٹا کی حکومت کا عرصہ سات سال ہوگا۔ اس کا بیٹا بسو متر دس سال حکومت کرے گا۔ پھر اس کے بعد اس کا بیٹا اندھرک دو سال تک حکمران رہے گا۔ اس کے بعد پُلندرک تین سال حکومت کرے گا۔ اس کا بیٹا گھوش تین سال تک بادشاہ رہے گا۔ پھر وجر متر نو برس تک حکومت کرے گا۔ بھاگوت بتیس برس تک حکومت کرے گا۔ اور اس کا بیٹا دیو بھُومی دس برس تک۔ سنگ خاندان کے یہ دس بادشاہ ایک سو بارہ برس تک اس زمین پر حکمران رہیں گے۔ اور ان کے بعد سرزمین کی حکومت کنو کے خاندان میں آ جائے گی۔ (پرگیٹر :- "ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج" صفحہ ۳۰ و ۷۰۔ اس کے حاشیئے میں اختلاف قرأت کے حوالے موجود ہیں) مختلف حکومتوں کے عرصے کا مجموعہ ایک سو بارہ برس کی میزان کے برابر نہیں ہوتا۔

کنو یا کنواین خاندان

تقریباً ۷۲ ق م بسودیو کنو۔

شرابی اور بدچلن دیو بھوتی کی جس انقلاب سے جان اور سلطنت لی وہ اس کے ایک برہمن وزیر بسودیو کا تیار کیا ہوا تھا۔ اس کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے برائے نام آقا کی زندگی کے زمانے میں بھی سلطنت پر اس نے اپنا پورا تسلط جما لیا تھا۔ سمتر کا قاتل ہتر دیو بھی غالباً اسی زبردست اور طاقتور خاندان کا ایک فرد تھا جو تاریخ میں کنو یا کنواین خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ پرانوں اور بان کی یہ متفقہ شہادت کہ سنگ خاندان کا دسواں اور آخری بادشاہ دیو بھوتی ہی تھا جس کو مار کر بسودیو کنو خاندان کے پہلے راجہ نے سلطنت حاصل کی۔ پروفیسر بھنڈارکر کے اس نظریہ کو رد کر دیتی ہے کہ کنو خاندان سنگ خاندان کا ہمعصر تھا۔

تقریباً ۶۳-۲۶ ق م آخری کنو خاندان کے آخری بادشاہ

بسودیو نے اس تخت پر جس کو خود اس کے جرم نے اب خالی کر دیا تھا قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بعد اس کی اولاد سے تین شخص اس کے جانشین ہوئے۔ اس خاندان کے

لہ "اپنے عشق و محبت کے جوش میں یہ زناکار اور عیاش سُنگ راجہ اپنے وزیر بسودیو کے اشارے سے دیو بھوتی کی لونڈی کی ایک لڑکی کے ہاتھ سے جو اس کی ملکہ کے لباس میں ملبوس تھی مارا گیا (بان :- ہرش چرت باب ۶- کاول ٹامس کا ترجمہ صفحہ ۱۹۳)۔ "وزیر بسودیو اپنی قوت و زور سے عیاش راجہ دیو بھوتی کو اس کی کم سنی کی وجہ سے مار کر سُنگ خاندان کے عہد میں بادشاہ ہو جائیگا" (پرگیٹر :- صفحہ ۷۱)۔

سے "ارلی ہسٹری آف دکن" دوسری ایڈیشن۔ بمبئی گزیٹر۔ جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۶۳۔ میں نے اس نظریئے کو اپنے مضمون "اندھراز اسٹیٹ" (ز یڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی ۱۹۰۲ء صفحہ ۶۵۸) میں قبول کر لیا تھا۔ مگر اب خود اس کو رد کرتا ہوں۔

چاروں بادشاہوں کی حکومت کا زمانہ صرف پینتالیس سال ہوا[1]۔ سنگ خاندان کی طرح ان کے بھی شمار مدت حکومت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے پیشرو خاندان کی طرح اس خاندان کے بادشاہوں کے عہد حکومت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکے زمانے میں بھی فتنہ وفساد بالعموم پھیلا رہا اور جانشینی کا فیصلہ اکثر جنگ و جدل سے ہوتا تھا۔ ان کنوا راجاؤں کی حکومتوں کے واقعات بالکل معلوم نہیں۔ اس خاندان کا سب سے آخری راجہ ۲۷ق م یا ۲۸ق م میں آندھریا سات واہن خاندان کے ایک بادشاہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جس کی سلطنت اس زمانے میں بہت وسیع تھی۔ اور تمام دکن میں ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اگرچہ اب تک کوئی سکہ یا یادگاری عمارت ایسی دریافت نہیں ہوئی جس سے اندھر خاندان کے راجاؤں کا تعلق قدیم شاہنشاہی دارالسلطنت پاٹلی پتر سے معلوم ہوسکے لیکن یہ ممکن ہے کہ ایک مدت تک مگدھ کی بادشاہی پر بھی ان کا قابو رہا ہو۔ اس خاندان کے قدیم ترین سکے جو اب تک دریافت ہوئے ہیں سب کے سب شمالی انداز کے ہیں۔ اور ان پر سات کا نام ہے جو غالباً سات کرنی پرانوں کی فہرست کا چھٹا بادشاہ تھا اور ۱۵۰ق م میں برسر حکومت تھا۔ شروع سے لے کر آخر تک اندھر خاندان کے سکے شمالی ہند کی ٹکسال سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور اس امر کی

---

[1] پران کی عبارت حسب ذیل ہے:۔ "وہ (یعنے بسودیو) کنوایانہ نو سال تک بادشاہ رہے گا۔ اس کا بیٹا بھومی متر چودہ سال حکومت کرے گا۔ اور اس کا بیٹا نارائن بارہ سال تک اور اس کا بیٹا سسرمن دس سال۔ یہ راجہ سنگ بھرتیا کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ چار کنوا برہمن پینتالیس برس تک زمین سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ہمسایہ بادشاہوں پران کی حکومت ہوگی۔ اور وہ نیک ہوں گے۔ ان کے بعد اندھر خاندان زمین کا مالک ہوگا" (پرگیٹر صفحہ ۱۷۔ اختلاف قرأت حاشیوں میں دیئے گئے ہیں) ان حکومتوں کی تفصیلی مدت بھی میزان یعنی (۴۵) کے مطابق ہے۔

توضیح کے لیئے یہی مفروض ہو سکتا ہے کہ حقیقتاً ایک مدت تک مگدھ ایک صوبے کی حیثیت سے اس خاندان کے زیر تصرف رہا تھا۔ مگر اس خیال کی تائید کے لیئے بہت ہی کم شہادت موجود ہے[۱]۔

پرانوں میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اندھر خاندان کنو خاندان کے بعد قائم ہوا۔ اور اسی وجہ سے وہ کنو خاندان کے آخری بادشاہ کے قاتل سُمک یا سیُرک کو اندھر خاندان کا پہلا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن امر واقعی یہ ہے کہ خود مختار اندھر خاندان ضرور ۲۴۰ یا ۲۳۰ سنہ ق م میں استقلال سے قائم ہوا ہوگا۔ یعنے یہ واقعہ ۲۸ سنہ ق م میں کنو خاندان کی مغلوبیت سے بہت قبل کا ہے۔ جس اندھر راجہ نے سسرمن کو قتل کیا ممکن نہیں ہے کہ سُمک ہو یہ بھی تیقن کے ساتھ کہنا ناممکن ہے کہ وہ مگدھ خاندان کا کون راجہ تھا۔ کیونکہ اس خاندان کے بہت سے راجاؤں کی تاریخ جلوس صحیح طور پر معلوم نہیں۔ اور آج کل صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کنو کے آخری راجہ سُسرمن کا قاتل بظاہر اندھر خاندان کے گیارھویں۔ بارھویں یا تیرھویں راجاؤں میں سے ایک نہ ایک ہوگا۔ ۲۸ سنہ ق م کنو خاندان کے خاتمے کی تقریباً صحیح تاریخ تسلیم کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اس تاریخ کے تعین کا تعلق اندھر کے راجاؤں کے سنہ جلوس سے نہیں بلکہ سنگ اور کنو خاندان کے علی الترتیب ایک سو بارہ اور پینتالیس برس کے عہد حکومت سے ہے۔ اور یہ مدت قابل اعتبار معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ۲۸ سنہ ق م کی تاریخ ایسی ہے کہ وہ بظاہر تین مذکورہ اندھر راجاؤں کے کسی ایک کے عہد حکومت کی

---

[۱] دیکھو مصنف کا مضمون :۔ "اندھرا کا تیج" (زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی سنہ ۱۹۰۳ صفحہ ۶۴۷۔ ۶۰۵) ۔ ایک قدیم تامل زبان کی نظم "چلپاتھی کارم" میں چیرا خاندان کے ایک راجہ کا مگدھ کے بادشاہ سات کرن کے ہاں ملاقات کے لیئے جانا بیان کیا گیا ہے۔ (وی۔ کے۔ پلے :۔ تاملز ایٹین ہیرس ایگو صفحہ ۶)۔

حدود میں واقع ہے۔[1]

اندھر خاندان

اندھر کا قدیم ترین ذکر کنو خاندان کی تباہی کے بعد اندھر راجاؤں کی تاریخ لکھنی شروع کرنے سے پہلے ہم کو بعید عہد ماضی کی طرف ایک نگاہ ڈالنی چاہیئے۔ اور ان منازل کا حال معلوم کرنا چاہیئے جن سے گزر کر آخر کار اندھر سلطنت تمام ہندوستان کی زبردست ترین حکومت ہو گئی۔

۳۰۰ سنہ ق م چندرا گپتا موریا اور مگاس تھنیز کے زمانے میں اندھر قوم جو دراوڑی نسل سے تھی اور جس کی اولادیں تلنگی بولنے والے لوگ اب تک موجود ہیں۔ دریائے گوداوری اور کرشنا کے مثلثی دہانوں پر مشرقی ہندوستان کے حصوں پر قابض تھی۔ اس وقت ان کے متعلق مشہور تھا کہ ان کی فوجی قوت محض پر اسی قوم کے بادشاہ یعنے چندرا گپتا ہی کی فوجی طاقت سے کم تھی۔ اندھر سلطنت میں دیگر بے شمار قصبات کے علاوہ تیس قلعبند شہر تھے۔ اور ان کی فوج میں (۱۰۰۰۰۰) پیادے۔ (۲۰۰۰) سوار۔ ن (۱۰۰۰) ہاتھی شامل تھے[2]۔ خیال کیا جاتا ہے اس کا دار السلطنت سری کاکلم کے مقام پر تھا۔

---

[1] موریا خاندان کا خاتمہ تقریباً ۱۸۵ سنہ ق م۔ اس میں سے منہا کرد:- ۱۱۲+۴۵=۱۵۷ یعنے ۱۸۵-۱۵۷=۲۸ سنہ ق م۔

[2] پلنی ب۔ مقالہ ۶۔ ابواب ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ یہ بیان غالباً ان خبروں پر مبنی ہے جسے مگاس تھنیز نے ہم پہنچایا تھا۔ اس عبارت پر مصنف کے مضمون "اندھرا ہسٹری اینڈ کائینج" (زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی سنہ ۱۹۰۲ء سنہ ۱۹۰۳ء) میں مفصل موجود ہے۔ اور وہ ناظرین جو اندھر خاندان کی تاریخ کے ماخذوں کی تفصیلات معلوم کرنے کے خواہاں۔ ان کو چاہیئے کہ اسی مضمون کا مطالعہ کریں۔

جو دریائے کرشنا کے زیرین حصے میں واقع تھا[۵۱]

جس قوم کا اس طرح پر ذکر کیا گیا ہے وہ یقیناً خود مختار ہو گی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم نہیں کہ چندر اگپتا یا بندوسار کے عہد حکومت کے کس زمانے میں اندھروں کو موریا خاندان کی ناقابل مقاومت افواج کے سامنے اطاعت کرنی پڑی تھی۔ اور انھوں نے موریا خاندان کے بادشاہوں کو اپنا حاکم اعلیٰ قبول کر لیا تھا۔

۲۵۶ ق م اندھر اشوک کے باجگزار ہیں۔ اس کے بعد جب ان کا ذکر اشوک کے فرامین (۲۵۶ ق م) میں آتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی سلطنت کے سرحدی اقوام میں شامل تھے۔ اور باوجود اس کے کہ ایک بڑی حد تک وہ اپنے اندرونی معاملات میں اپنے راجہ کے زیر حکومت تھے مگر پھر بھی ان کو اشوک کے احکام اور فرامین کا ماننا ضروری تھا[۵۲]۔ مگر اشوک کی موت گویا اس کی وسیع سلطنت کے تتر بتر ہو جانے کا پیش خیمہ تھی۔ اگرچہ حضوری صوبجات میں اس کے کمزور جانشین جو پاٹلی پترا کے تخت پر متمکن تھے۔ حکمران رہے لیکن دور دراز کے ممالک نے جن میں کلنگ کا علاقہ بھی جس کو کہ اس قدر مصیبت اور

---

[۵۱] برگیس:۔ "دی سٹوپاز آف امراؤتی اینڈ جگیا پیٹھ" (آرکی آلوجیکل سروے آف سدرن انڈیا صفحہ ۳) اس میں ولسن کے "مکنزی مینو سکرپٹس" جلد اول دیباچہ صفحہ ۱۱۷ اور کیمپبل کی ٹیلیگو گرامر" دیباچہ صفحہ ۲ کا حوالہ دیا ہے۔ قدیم دار السلطنت (شمال عرض بلد ۲۰° - ۸ ثہ مشرق طول بلد ۸۵° - ۵۵) کی جائے وقوع دریا برد ہو گئی ہے۔ (دیکھو۔ ری:۔ پروسیڈنگس گورنمنٹ آف مدراس پبلک نمبر ۴۲۳۔ مورخہ ۱۸۔ جون ۱۸۹۲ء)

[۵۲] "اور یہاں بھی بادشاہ کی سلطنت میں یون اور کمبوج اقوام میں۔ بھرج اور پٹینکس۔ اور اندھر اور پلند اقوام میں ہر جگہ لوگ اس قانون فرائض کی پابندی کرتے ہیں۔ جس کا اعلان خود بادشاہ کی طرف سے ہوا ہے" (سنگی فرمان نمبر ۱۳۔)

تکلیف کے بعد فتح کیا گیا تھا شامل تھا بہت جلد شاہنشاہی حکومت کا جوا اپنی گردن سے اتار کر پھینک دیا۔

تقریباً ۲۴۰ یا ۲۳۰ ق م راجگان سمُک و کرشنا۔

اندھر قوم نے بھی اس زبردست بادشاہ یعنے اشوک کی موت سے جو موقع ہاتھ آیا اس سے فائدہ اٹھانے میں سستی نہ کی اور اس کی حکومت کے خاتمے کے بہت جلد بعد یا غالباً اس کے ختم ہونے سے بیشتر ہی انھوں نے ایک علیحدہ حکومت اپنے بادشاہ سمُک نامی کی ماتحتی میں قائم کرلی۔ اس نئے خاندان نے اپنی سلطنت کو اس قدر سرعت اور تیزی سے وسعت دی کہ دوسرے راجہ کرشنا (یا کنہ) کے زمانے ہی میں ناسک کا شہر جو مغربی گھاٹ پر گوداوری کے منبع کے قریب واقع تھا اندھر سلطنت میں شامل ہوگیا۔ اور اس طرح یہ سلطنت ہندوستان کے وار پار پھیل گئی۔

تقریباً ۲۱۸ ق م کھاریویلا۔

اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس خاندان کے تیسرے بادشاہ سری ساتکرنی کا جو "مغرب کا مالک" بیان کیا جاتا ہے مقابلہ مشرق میں کلنگ کے راجہ کھاریویلا سے ہوا۔ کیونکہ یہ سلطنت بھی اشوک کی موت کے بعد خودمختار ہوگئی تھی۔[۱]

---

[۱] کلنگ کے جین راجہ کھاریویلا کا کتبہ جو ادیاگیری یا ہاتھی گمپا کے مقام پر پایا گیا ہے بہت کچھ معرض بحث میں رہا ہے۔ اور ماہرین آثار قدیم غلطی سے یہ سمجھتے تھے کہ اس پر موریا خاندان کے سنہ کی ۱۶۵ سنہ کی تاریخ کندہ ہے۔ سب سے آخری اور سب سے زیادہ مستند بیان جو اس خراب شدہ کتبے کا ہے وہ پروفیسر لیوڈر کا ایک سرسری ترجمہ ہے جو اس نے "ایپی گریفیا انڈکا" جلد ۱۰ ضمیمہ صفحہ ۱۶۰ میں دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھاریویلا ملقب بہ "مہامیگھ واہن" کلنگ کے چیت خاندان کا تیسرا راجہ تھا۔ اور چوبیس برس کی عمر میں وہ مہاراجہ مقرر ہوا۔ اور اس کے قبل نو برس تک

تقریباً ۲۰۸ یا ۲۲۵ سنہ ق م کنو خاندان کا خاتمہ

اس کے بعد اندھر خاندان کا اس وقت تک کوئی ذکر نہیں آتا جب تک کہ اندھروں کے ایک راجہ نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کنو خاندان کے آخری تاجدار کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- وہ ولیعہد (یووراجہ) رہا۔ اس کی حکومت کے دوسرے سال اس نے مغرب کی طرف ایک فوج بھیجکر سات کرنی کا مقابلہ کیا۔ پانچویں سال اس نے ایک ایسے بند کی مرمت کی جو نند راجہ کے زمانے سے ایک سو تین سال کے عرصے سے بالکل بے کار پڑا ہوا تھا۔ راجگری یعنے مگدھ کے راجہ کو ستایا۔ بارھویں سال اس نے اپنے ہاتھیوں کو دریائے گنگا میں پانی پلایا۔ اور مگدھ کے راجہ کو مجبور کیا کہ وہ اس کے قدموں پر سر تسلیم خم کرے ۔ اور تیرھویں سال اس نے چند ستون قائم کیئے ؛

راجہ نند کے نام کے حوالے سے اس کا سنہ تقریباً صحت کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے ۔ میرے نظام سنین کے مطابق نند خاندان کے آخری راجہ کی آخری تاریخ ۳۲۲ سنہ ق م ہے ۔ اس میں سے اگر ایک سو تین برس منہا کر دیئے جائیں تو کھارویلا کے پانچویں سن جلوس کا سال ۲۱۹ سنہ ق م ہوتا ہے ۔ اور ۲۲۳ سنہ اس کی تخت نشینی کا سال یعنے اشوک کی وفات کے پورے نو برس بعد جس اندھر راجہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ سری سات کرنی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا جو پران کی فہرست میں تیسرے نمبر پر ہے ۔ جس کی ایک شبیہ نانا گھاٹ کے مقام پر کندہ ہے اگرچہ مٹی ہوی ہے ۔ نانا گھاٹ ایک درہ ہے جس میں سے کونکن کے علاقے سے ضلع پونا کے قریب قدیم شہر جنار کو راستہ جاتا ہے ۔ (آرکی آلوجیکل سروے آف ویسٹرن انڈیا ۔ جلد ۵ صفحہ ۵۹) ؛

سات کرنی اول ۔ اور کھارویلا کی ہمعصر ہونے سے یہ بات بالکل صریح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اندھر خاندان کنو خاندان کے آخری بادشاہ کی موت کے بعد فوراً شروع نہیں ہو سکتا۔ سات کرنی اول کا جو سنہ بتلایا جاتا ہے وہ نانا گھاٹ کے کتبے کے بالکل مطابق ہے ۔ اور اس ہی اندھر راجاؤں میں سے پہلے اور دوسرے راجہ یعنے سمک اور کرشنا کے متعلق بھی ایسی ہی معلومات پائی جاتی ہیں ۔ (لیوڈر :- ایضاً ۔ نمبر ۱۱۱۳ ۔ ۱۱۱۴ ۔ ۱۱۴۴) ۔ مگدھ کا وہ بادشاہ جس کو کھارویلا نے شکست دی ۔ موریا خاندان کے آخری تاجداروں میں سے

قتل کیا۔ اور اس کے ملک کا جو کوئی ملک ہو۔ اور جو اب تک اس خاندان کے اقتدار کو تسلیم کرتا تھا اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کیا۔ اندھر کے تمام راجاؤں کا دعویٰ ہے کہ وہ سات واہن کے خاندان سے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کا لقب یا نام سات کرنی تھا۔ اور اسی وجہ سے بادشاہ کا اصلی نام لینے کے بجائے یہ لوگ ان ہی دو القاب میں سے کسی ایک کے حوالے سے ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس طرح بعض دفعہ یہ معلوم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ کس بادشاہ کا مذکور ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ششسرمن کنو کے قاتل کا اصلی نام معلوم نہیں ؛

راجہ ہال اور پراکرت علم ادب۔ ان میں سے سترھویں راجہ ہال کا نام علم ادب کی تاریخ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مہاراشٹر کی قدیم زبان میں لکھی ہوئی عاشقانہ غزلیات کا ایک مجموعہ موسومہ بہ سپت شتک یعنی "سات صدیاں" کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا مصنف ہال تھا۔ اور علمی روایات کے مطابق وہ سال واہن جو سات واہن ہی کی ایک اور شکل ہے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر پروفیسر سر آر۔ جی۔ بھنڈار کر نے یہ تجویز کیا ہے کہ یا تو غالباً ہال اس کا خود مصنف تھا اور یا کسی اور مصنف نے اس کے نام اپنی کتاب کو معنون کیا تھا[1]۔ اس کے علاوہ اور دوسری روایات بھی پراکرت میں لکھے ہوئے علم ادب کو اندھرا راجاؤں کی طرف منسوب کرتی ہیں۔ بظاہر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- تھا۔ اور غالباً اس کا نام سالی سوک تھا۔ (تقریباً ۲۲۳ء سے ۲۱۱ء ق م) اور یہ واقعہ ۲۱۲ء ق م۔ یا اس کے قریب کا ہے ؛

[1] "ارلی ہسٹری آف دی ڈکن"۔ دوسرے ایڈیشن۔ بمبئی گزیٹیر (۱۸۹۶ء) جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۷۱ ؛

ان کے زمانے اور ان کی قلمرو میں سنسکرت عام فہم ادبیات میں عموماً مستعمل نہ تھی۔

اندھروں اور دیگر ممالک کے درمیان جنگ۔

راجہ گوتمی پتر سری سات کرنی (نمبر ۲۳) اور راجہ واسشٹی پتر سری پلمائی (نمبر ۲۴) کے دور حکومت میں اندھروں کے ان غیر ملکی قبائل کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی جو مغربی ہند میں آباد ہو گئے اور وہاں سلطنتیں پیدا کر لی تھیں۔ اور بظاہر پہلے ہندی پارتھی اور بعد میں کشان بادشاہوں کے زیر فرمان تھے۔ اسی قسم کی کشمکش کے واقعات جو دیسی راجاؤں اور غیر ملکی سرداروں کے درمیان ہوئے تاریخ ہند قدیم میں اکثر پائے جاتے ہیں۔

ستر پ بھومک کشہرات۔

اُن علاقوں میں بیرونی آباد کاروں کی تاریخ جو آج کل زیادہ تر احاطۂ بمبئی میں شامل ہیں بالکل پراگندہ اور مجمل ہے۔ لیکن پھر بھی سکوں اور کتبوں کے مطالعہ سے اس پر بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے۔ مغربی ہند میں قدیم ترین بادشاہ جس کا نام محفوظ رہ گیا ستر پ بھومک کشہرات تھا۔ جس نے پارتھی نمونے کے سکے مضروب کرائے۔ اور قیاس ہے کہ وہ کسی نہ کسی ہندی پارتھی بادشاہ غالباً گانڈوفریس کا ماتحت تھا۔ اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں لیکن قیاسی طور پر اس کا پہلی صدی عیسوی کے درمیان میں ہونا فرض کیا جا سکتا ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس سے ذرا قبل ہوا ہو۔ اور اس کے پیشرو بھی ہوں۔ کشہرات قوم کا تعلق سک قوم سے تھا۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ موجودہ سیستان کے علاقے سے نقل مکان کر کے یہاں وارد ہوئے ہوں۔

ستر پ اعظم نہپان کشہرات۔

کشہرات قوم کا دوسرا سردار جس کا نام معلوم ہے وہ نہپان تھا۔ جو ممکن ہے کہ بھومک کے بعد ہی اس کا جانشین ہوا ہو۔ قیاساً اس کا زمانہ سنہ ۷۸ء اور سنہ ۹۰ء کے درمیان تھا۔ اس کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایرانی

نسل سے تھا۔ بھومک کی طرح اول اول ان کا درجہ محض ستریپ کا تھا۔ لیکن بعد میں اس نے ستریپ اعظم (مہاکشتریپ) کا لقب اختیار کر لیا۔ اور اس کے علاوہ وہ ہندی لقب "راجہ" سے بھی موسوم تھا۔ اس کی سلطنت میں ایک بڑا رقبہ شامل تھا۔ وہ جنوبی راجپوتانے سے لے کر مغربی گھاٹ کے اضلاع ناسک اور پونا تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور جزیرہ نمائے سراشتر (یعنے کاٹھیاواڑ) کا علاقہ بھی اس سے ملحق تھا۔ ستریپ یا ستریپ اعظم کے خطابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی شمالی طاقت کا ماتحت تھا۔ جو کشان ہی کی سلطنت ہو سکتی ہے ؟

گوتمی پتر سات کرنی کے ہاتھ سے کشہرات قوم کی بیخ کنی۔

اندھر راجہ نمبر ۲۳ گوتمی پتر سری سات کرنی جس کے متعلق فرض کیا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۰۹ء میں تخت پر بیٹھا ۱۲۴ء میں کشہرات کے خاندان کی بیخ کنی کرنے اور اس کے علاقے کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے اپنی اس فتح کا اعلان اس طرح کیا کہ مفتوح راجاؤں نے سالہا سال قبل جتنے سکے جاری کیئے تھے ان سب کو واپس جمع کیا۔ اور ان پر نہایت بھدے پن سے اپنی مہر لگا دی۔ اس نے اپنے آپ کو بے ذات پات بیرونی اقوام جیسے سک یونو وغیرہ کے مذہب کے مقابلے میں ہندی مذاہب کا حامی ظاہر کیا وہ مذاہب جن میں برہمنوں کا مذہب اور بدھ مت شامل تھے۔ اور اس بات پر وہ فخر کرتا تھا کہ اس نے ذات کے قواعد و ضوابط کی پابندی کو نئے سرے سے جاری کر دیا ہے۔ اس طرح اس نے "سات واہن خاندان کی شوکت پھر قائم کی"۔ اور اب اس کی یہ حیثیت تھی کہ وہ اپنے ہندی رجحان قلب کو برہمنوں اور بدھ مذہب والوں کو عطیات دے کر تسلی دے لے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ باوجود اس کے کہ اندھر راجہ کا مذہب صریحاً برہمنی تھا۔ لیکن ان کے محفوظ عطیات کی فہرست میں بڑی تعداد

وہ ہے جو بدھ مت والوں کو دئے گئے تھے؛

ردرو امن اول کی فتح پلمائی پر۔

سنہ ۱۳۵ء کے قریب گوتمی پتر سری سات کرنی کی موت کے بعد اس کا بیٹا راجہ واسشتی پتر سری پلمائی اس کا جانشین ہوا۔ اور اس نے تقریباً تیس سال حکومت کی۔ ردرو امن اول اجین کے سک قوم کی ستریپ اعظم کی بیٹی سے اُس کی شادی ہوی تھی۔ مگر یہ تعلق ستریپ اعظم کے لئے اپنے داماد پر حملہ کرنے میں سدراہ نہیں ہوا۔ اس نے دو دفعہ اندھر راجہ کو شکست دی اور اس کے علاقے کا ایک بڑا حصہ اس نے لے لیا جو گوتمی پتر سات کرنی نے کشہرات قوم سے چھینا تھا۔ بہرحال اس تعلق کا نتیجہ اتنا ضرور ہوا کہ فاتح نے ایسا بدترین سلوک کیا جو وہ ایک اجنبی کے ساتھ کر سکتا تھا۔ اس مفتوح کے ساتھ روا نہ رکھا۔ ردرو امن اول کی ان فتوحات کا خاتمہ یقیناً سنہ ۱۵۰ء کے قبل ہو گیا ہو گا۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس نے ایک کتبہ کندہ کرایا جس میں ان تمام علاقوں کی فہرست شامل تھی جو مغربی ہندوستان میں اس کے زیر نگیں تھے؛

ردرو امن اور چشتن کی زندگیاں۔

ردرو امن جو ایک پڑھا لکھا لائق فائق آدمی تھا۔ اور جس نے اپنے خاندان کو اتنا بڑھایا کہ وہ مغربی ہند میں سب سے بڑی طاقت ہو گیا۔ زبردست ستریپ چشتن کا پوتا تھا۔ جس کے چاندی اور تانبے کے سکے جن پر برہمی۔ کروشتی۔ اور یونانی زبان میں عبارتیں لکھی ہوی ہیں اور جو گجرات میں پائے جاتے ہیں۔ چشتن کے عہد حکومت کے واقعات منضبط نہیں۔ مگر اس کی تقریباً صحیح تاریخ کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اس کا پوتا سنہ ۱۳۰ء اور سنہ ۱۵۰ء کے درمیان برسر حکومت تھا۔ اس وجہ سے چشتن کا زمانہ غالباً سنہ ۸۰ء اور سنہ ۱۱۰ء کے بین بین ہے۔ ان تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چشتن کشان خاندان کے ماتحتی ہی میں ستریپ اعظم کا کام انجام دیتا ہو گا۔ یعنے میرے نظام سنین کے مطابق

کنشک کا زمانہ تھا[1]۔ سراشترا اور مالوا کے سک قوم کے ستریپ اور علیٰ ہذا القیاس نہپان کشہرات فطرتی طور پر اپنے آقاؤں یعنے کشان خاندان کے بادشاہوں کی پیروی میں سک سنہ کا استعمال کرتے تھے۔ جو اسی زمانے میں نیا نیا قائم کیا گیا تھا۔ ایسے سکّوں اور کتبوں کی کثرت کی وجہ سے جن پر سنہ و سال ثبت ہے اُس خاندان کی تاریخوں یا سنین کے متعلق کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں جس کا بانی چشٹن تھا۔ ان کی تاریخ کا تذکرہ ہم خاندان گپت کے حال میں کریں گے ؛

یجن سری

تقریباً ۱۶۳؁ء میں واسشتی پتر پلمائی کی وفات کے بعد اگر اندھر خاندان میں سے کوئی بڑا نامور راجہ ہوا تو وہ گوتمی پتر یجن سری تھا جس نے تقریباً ۱۷۳؁ء سے انتیس سال تک حکومت کی۔ اس کے نہایت ہی شاذ چاندی کے سکے جن میں اس نے ستریپوں کے سکوں کی نقل اتارنے کی کوشش کی ہے یہ صریحاً ثابت کرتے ہیں کہ مغربی ستریپوں کے ساتھ اس کے تعلقات نئے سرے سے قائم ہو گئے تھے۔ اور غالباً ایسے فتوحات بھی عمل میں آئے تھے جن کا حال ہم تک نہیں پہنچا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یجن سری نے اس جنگ کو از سر نو شروع کیا جس میں پلمائی ثانی کو شکست ہو چکی تھی۔ اور اس نے وہ چند صوبے جو اس کے پیشرو سے کھو دئے تھے پھر واپس لے لئے تھے۔ اس واقعہ کے بعد یہ چاندی کے سکے مسکوک کیئے گئے ہوں گے تاکہ وہ مفتوحہ علاقے میں

---

[1] بیوہلر نے بہت مدت قبل ہی چشٹن اور ہندی سیتھی بادشاہوں کے درمیانی تعلقات کو سمجھ لیا تھا۔ دیکھو انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳؁ صفحہ ۱۸۹ پر اس کے ایک پرانے مضمون متعلق ہندی کتبات وغیرہ کا ترجمہ۔ گرنار کے کتبے میں جھیل کے بند کے ٹوٹنے کا ۱۵۰؁ء میں ذکر ہے۔ مگر یہ واقعے کے چند سال بعد کندہ کیا گیا ہوگا۔ (ایضاً صفحہ ۱۹۰) ؛

رائج ہو سکیں۔ جیسے کہ اسی قسم کے سکے چندر گپت بکرماجیت نے سک ستر پوں کی بیخ کنی کے بعد مضروب کرائے تھے۔ بے شمار اور مختلف النوع مگر بھدے کانسی اور سیسے کے یجن سری کے مضروب کردہ سکے جو مشرقی صوبجات میں رائج تھے کتبات کی اُس شہادت کی تصدیق کرتے ہیں جن سے کہ اس کے عرصۂ حکومت کی طوالت کا حال معلوم ہوتا ہے[1]۔ بعض سکے جن پر جہاز کی تصویر بنی ہوی ہے غالباً اسی کے دورِ حکومت کے ہیں۔ اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یجن سری کی طاقت محض خشکی ہی تک محدود نہ تھی۔

آخری تین بادشاہ مشرقی صوبوں میں بظاہر اس کے جانشین جن کے نام وجیا۔ چندر سری۔ پلمائی چہارم کے محض نام ہی نام باقی رہ گئے ہیں۔ پلمائی چہارم ہی وہ تاجدار ہے جس پر اندھر بادشاہوں کی طولانی خاندان کا تقریباً ۲۲۵ء میں خاتمہ ہو گیا۔ لیکن بہر حال چندر سری کے وجود کی تصدیق ان چند دریافت شدہ سیسے کے سکوں سے ہوتی ہے۔ جن پر کہ اس کا نام موجود ہے[2]۔ تحقیقات سے غالباً اس کے پیشرو اور جانشین کے سکے بھی ضرور بعد میں دریافت ہو جائیں گے۔

اس خاندان کا عرصۂ حکومت پرانوں کی اس امر میں شہادت کہ یہ خاندان (۴۵۶) یا (۴۶۰) سال یا بہ ہیئت مجموعی ساڑھے چار صدی

---

[1] پروفیسر بھنڈارکر کا یہ خیال کہ اندھر خاندان کی دو شاخیں تھیں ایک مغربی اور ایک مشرقی قابل تسلیم نہیں۔ شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکثر بادشاہوں کے ہاتھ میں مغربی اور مشرقی دونوں ممالک یکساں طور پر تھے۔

[2] کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۲۰۹۔ ریپسن:۔ کیٹلاگ آف کائنز آف دی اندھرا ڈائنسٹی (۱۹۰۸ء) صفحہ ۳۲۔ ۴۲۔ پروفیسر ریپسن کے خیال میں یہ سکہ اور زیادہ پرانا ہے۔

قائم رہا بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے۔اس کے علاوہ راجاؤں کی تعداد تیس۳۰ بھی بظاہر بالکل درست بیان کی گئی ہے۔ان بادشاہوں کی مندرجۂ ذیل فہرست یہ سمجھ کر بنائی گئی ہے کہ پرانوں کے بہترین نسخوں کی تعداد بالکل صحیح طور پر تیس دی ہے۔اور اسی وجہ سے اس میں نمبر ۲۴ کا ذکر نہیں۔کیونکہ اس کا نام وایو پران کے صرف ایک ہی نسخے میں ملتا ہے[1]۔

اندھروں کا آخری بادشاہ۔ موجودہ صورت میں ہم کو ان اسباب کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں جو آخر میں اس خاندان کے زوال و انحطاط کے باعث ہوئے۔جو اتنی غیر معمولی طور پر مدت ہائے دراز تک اپنے ہاتھ میں طاقت کو مجتمع رکھنے میں کامیاب ہوا۔یہ معلوم ہوتا ہے کہ یجن سری آخری بادشاہ تھا جو مشرقی اور مغربی دونوں صوبوں پر اپنی نگرانی اور حکومت قائم رکھنے میں کامیاب ہوا۔ان کے بعد سات وآہن کے خاندان کے چند افراد نے دکن کے مختلف حصوں میں چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں قائم کر لیں تھی۔اتفاقاً اندھروں کی تباہی اور شمالی ہند میں کشان خاندان کے آخری بادشاہ بسودیو کی موت کی تاریخ اور ایران میں ساسانیوں کے عروج کا سنہ (سنہ ۲۲۶ء) تقریباً بالکل ایک ہی ہے۔یہ ممکن ہے کہ ان واقعات کا اس طرح پر منطبق ہونا محض اتفاقی نہ ہو۔لیکن تیسری صدی عیسوی میں تاریخ ہند پر نہایت سخت تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔اور اس زمانے کے تقریباً ہر ایک واقعے پر فراموشی کا ایسا نقاب پڑا ہے کہ اس کے پیچھے کچھ دکھلائی دینا بالکل ناممکن ہے۔مبہم تخیلات جن کی کوئی مصدقہ واقعات حدبندی نہ کر سکیں بالکل بیکار ہیں۔اور اسی وجہ سے ہم کو بھی اسی پر قناعت کرنا چاہیئے کہ اندھرا خاندان تاریکی میں غائب ہو جائے۔پرانوں میں نہایت ہی سخت

[1] فہرست کے لیئے دیکھو ضمیمہ س ؟

تتر بتر اور بے ترتیب فہرست ان بے شمار مقامی خاندانوں کی ملتی ہے جو اندھر کے جانشین بنے۔ ان میں لبون اور سک خاندان بھی ہیں۔ جو صریحاً غیر ملکی ہیں۔ مگر ان فہرستوں کو اس طرح ترتیب دینا کہ وہ قابل فہم ہو جائیں ناممکن ہے ؛

ضمیمۂ ذ

مندر کا حملہ اور تینجلی کا سنہ

اسناد۔ مندر کے حملے کے متعلق مفصلۂ ذیل اسناد ہیں :۔ سٹریبو۔ سب اسناد میں سے صرف اسی نے یونانی بادشاہ کا نام لکھا ہے۔ (باب ۱۱۔ حصہ ۱۱۔ فصل ۱۔ باب ۱۵ حصہ ۲۔ فصل ۳۔) ۔ تینجلی جو ہمعصر ہندو نجومی تھا سنسکرت میں علم ہیئت کی کتاب موسومہ بہ "گارگی سمیتھا"، جس کی تصنیف کی تاریخ غیر متیقن ہے۔ اور تارا ناتھ تبت کے بدھ مت کا مورخ ؛

سٹریبو سٹریبو کا راوی اپولودورس ارٹی مٹیا کا باشندہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ مندر نے دریائے ہائی پے نس (بیاس) کو جو سکندر کے حملے کی حد تھا عبور کیا۔ اور اساس تک بڑھتا چلا گیا۔ اساس معلوم نہیں کس مقام سے مراد ہے۔ اور آخرکار پٹلینے یعنے دریائے سندھ کے مثلثی دہانے سیروئیس (سراشتر یا کاٹھیاواڑ) اور مغربی ساحل کے علاقے موسومہ سگرڈس کو زیر نگین کیا۔ اس بیان کی مزید تائید پریپلس کے مصنف کے بیان سے ہوتی ہے۔ جس نے غالباً پہلی صدی عیسوی کے ختم پر یہ دیکھا تھا کہ اپالوڈوٹس اور مندر کے

یونانی سکے بیری گیزا (بھڑوچ) کے بندرگاہ میں عام طور پر رائج تھے۔ اس عجیب وغریب بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگرچہ منندر کو دریائے گنگا کی وادی سے فوراً مجبوراً نکل جانا پڑا تھا لیکن پھر بھی اس کی حکومت سالہائے دراز تک مغربی ساحل کے علاقوں پر قائم رہی ہوگی۔

مدھیامکا

ساکیتم اور مدھیامکا کے یون قوم جس سے غالباً منندر ہی سے مطلب ہے محصور ہونے کا حوالہ مشہور نجومی پتنجلی نے ایسے الفاظ میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ یقیناً مصنف کی عین حیات ہوا ہوگا۔ اس امر کے ثبوت کے لئے کہ مدھیامکا بالکل صحیح لفظ ہے اور وہ کسی شہر کا واقعی نام ہے ہم پروفیسر کیلہارن کے ممنون احسان ہیں (انڈین انٹی کویری جلد ۷۔ صفحہ ۲۶۶)۔ اس کے علاوہ مدھیامکا کا نگری یا تمبوتی نگری جو راجپوتانہ میں چتوڑ کے شمال میں گیارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے ہونا بھی ان سکوں سے ثابت ہے جو وہاں کے علاوہ اور کسی مقام پر شاذونادر ہی پائے جاتے ہیں اور جن پر "مجھمکیا سیجن پرس" مضروب ہے (کننگھم :- رپورٹس جلد ۶ صفحہ ۲۰۱ - جلد ۱۴ - صفحہ ۱۴۶ - پلیٹ ۳۱) یہ مقام ہندوستان کے قدیم ترین مقامات میں سے ہے ؛

ساکیتم۔

ساکیتم (یا ساکیت)۔ غالباً جنوبی اودھ میں کوئی شہر تھا۔ مگر جیسا کہ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے اس کا اجودھیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نام کی بہت سی جگہیں معلوم ہوتی ہیں۔ (ویبر۔ انڈین انٹی کویری۔ جلد ۲ صفحہ ۲۰۸)۔ اسی طرح فاہیان کے شہر شاچے کو ہیون سانگ کے وشاکھا۔ اور ساکیتم کو ایک ہی قرار دینا جیسا کہ کننگھم نے کیا ہے غلط ہے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۸ صفحہ ۵۲۲۔ سنہ ۱۹۰۰ صفحہ ۳)۔ موجودہ صورت میں ساکیتم کی اصل جائے وقوع کا پتہ لگانا ممکن ہے ؛

پتنجلی کا سنہ۔

پتنجلی کے ان الفاظ کو جن میں وہ پشیہ متر کے اسومیدھ کی قربانی کا ذکر کرتا ہے اگر اور ان ہی مضامین کی عبارتوں

کے ساتھ پڑھا جائے تو اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ مشہور نجومی اس بادشاہ اور یونانی حملہ آور کا جو غالباً منندر تھا ہمعصر ہوگا۔ پتنجلی کے سنہ حیات کے متعلق ایک عرصے تک ویبر اور گولڈسٹکر اور پروفیسر بھنڈارکر میں طول و طویل بحث ہوتی رہی اور انجام کار ویبر کو اپنے حریفوں کے دلائل ماننے پڑے (ہسٹری انڈین لٹریچر۔ دوسری ایڈیشن ٹوبنر ۱۸۹۲ء صفحہ ۲۲۴ نوٹ)۔ اور اب اس میں کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں کہ پتنجلی کی تاریخ بہ ہیئت مجموعی ۱۴۰ تا ۱۵۰ ق م کے بین بین ہے۔ اس موضوع پر حسب ذیل کتب ذکر کی جاسکتی ہیں۔ گولڈسٹکر:۔ پینینی۔ ہر بلیس ان سنسکرت لٹریچر صفحہ ۲۲۳-۲۲۸ انڈین انٹی کویری۔ جلد اول صفحہ ۳۰۲-۲۹۹؛ جلد دوم صفحہ ۵۷ و ۶۹ و ۹۴ و ۲۱۰-۲۰۶ و ۲۳۸ و ۳۶۲؛ جلد ۵ صفحہ ۸۴-۹۰؛ جلد ۱۶ صفحہ ۱۵۶ و ۱۷۲ء

کارگی سمہتا کے متعلق میکس مُلر کا خیال ہے کہ وہ دوسری یا تیسری صدی مسیحی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کا اس معاملہ کے متعلق بیان حسب ذیل ہے:۔

کارگی سمہتا

"پاٹلی پتر کے راجاؤں کے ذکر کے بعد (جن میں اس نے اشوک کے چوتھے جانشین سالسوک (تقریباً سنہ ۲۰۰ ق م) کا نام بھی لکھا ہے) مصنف لکھتا ہے کہ:۔ جب مشہور یونانی سکیت (اودھ) پنچال قوم کے علاقے (جس سے غالباً دریائے گنگا اور جمنا کا دوآبہ مقصود ہے) اور متھرا کو فتح کرنے کے بعد کسمدھواج یعنے پاٹلی پتر کے شاہی محل تک پہنچیں گے۔ اور جبکہ تمام صوبوں میں بدامنی پھیلی ہوگی"۔ (مکس مُلر "انڈیا وٹاٹ کین ٹیچ آس" صفحہ ۲۹۸ مطبوعہ ۱۸۸۳ء۔ اور کننگھم نیو میسمیٹک کرانکل ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۲۴)۔

سلہ ڈاکٹر فلیٹ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۷۹۲)۔ لکھتا ہے کہ یہ عبارت

تارناتھ۔ تارناتھ کی شہادت (سنہ ۱۶۰۸ء۔ اس کا انحصار اور قدیم اسناد پر ہے) کا ترجمہ شیفنر نے نہایت صحت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ کارگی سمہتا کے ایک باب یوگ پران سے لی گئی ہے۔ اور اس نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ جیسا کہ کرن کا مدت ہوئی خیال تھا وہ سنہ ۵۰ ق م جیسی قدیم ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یہ عالم و فاضل نقاد مکس ملر کے خیالات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور پھر مجھ پر الزام رکھتا ہے کہ مینے اس کتاب کو استعمال کیا جو اس کے خیال میں "بہت زمانے بعد" کی ہے اور "بالکل بے کار ہے"۔ مگر اس نے مکس ملر کے اس خیال کی تردید میں کوئی دلیل پیش نہیں کی کہ یہ کتاب تیسری صدی عیسوی کی ہوسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یوگ پران میں بھی اور پرانوں کی طرح بہت سی ایسی باتیں ہیں جو یا بالکل مہمل ہیں اور یا غلط ہیں۔ اور متن کتاب میں بھی غالباً خرابی ہے۔ مثلاً کسم پور کو غلطی سے کسم دھواج لکھ دیا ہے۔ مگر ایسی غلطیوں سے تمام کتاب خراب قرار نہیں دی جاسکتی۔ اس میں سالسوک کا نام بالکل صحیح لکھا ہے جس نے وایو پران کے قدیم نسخے کے بموجب تیرہ سال حکومت کی۔ اور مجھے کم از کم کوئی وجہ اس امر کے انکار کی معلوم نہیں ہوتی کہ یوگ پران تیسری صدی عیسوی کی کتاب نہیں۔ بہرحال موجودہ نسخے کی تاریخ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بالکل بعید از قیاس ہے کہ مصنف نے مشہور یونانیوں کے متعلق روایت اپنے دل سے گھڑلی ہو۔ یون پیشوا کا نام متن کتاب کے خراب ہوجانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضائع ہوگیا ہے۔ منندر کی سنہ کے متعلق میں نے بجائے گارڈنر جس پر فلیٹ کو بھروسہ کننگھم کی پیروی کی ہے۔ میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ اس امر کے باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں یوگ پران کی عبارت کا تعلق دراصل منندر سے ہے۔ اور اسی طرح نظام سنین بھی درست ہے۔ مگر مسٹر بھنڈارکر کا یہ خیال کہ یہ حملہ آور ڈیمیٹرئس بھی ہوسکتا ہے میرے نزدیک قابل تسلیم نہیں ؟

کے ساتھ کیا ہے۔ وہ دویا ودان (برنوف۔ انٹروڈکشن۔ طبع دوم صفحہ ۳۸۴)۔ سے اس امر میں متفق ہے کہ پشی متر کفار کا حلیف تھا اور اس نے خود بھی خانقاہوں کو جلایا اور راہبوں کو قتل کیا تھا؛ یہی مورخ لکھتا ہے کہ اس کے پانچ سال بعد پشی متر شمال میں مر گیا؛

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پشی متر ۱۴۹ق م چھتیس سال حکومت کرنے کے بعد جیسا کہ پرانوں میں مذکور ہے مرا۔ تو منندر کے حملے کی تاریخ ۱۵۳-۱۵۶ ق م کے بین بین ہوتی ہے۔ اور یہ تاریخ سکّوں کی شہادت کے بالکل مطابق ہے۔ منندر کے سکے پنجاب اور اس کے آگے مشرق وجنوب میں بہت عام ہیں۔ اس کے چالیس سکّے ۱۸۰۷ء میں جمنا کے جنوب میں ہلمرپور کے ضلع میں پائے گئے تھے۔ اور مصنف کے پاس جو اُس وقت وہاں مقیم تھا لائے گئے تھے۔ ان کا یوکرے ٹائڈیز۔ اپا لوڈوٹس۔ سوٹر۔ اور انٹی میکس نکیفورس کے سکّوں سے تعلق بتایا گیا ہے۔ اور وہ اچھی حالت میں پائے گئے تھے (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۱۷)؛

ضمیمہ ر

خاندان اندھر و خاندانہائے متعلقہ

اندھر خاندان اور دیگر خاندانہائے متعلقہ کے کتبوں اور سکوں پر پروفیسر ریپسن نے کیٹلاگ آف دی، کائنز آف دی اندھر ڈائنسٹیز۔ برٹش میوزیم۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں مفصل بحث کی ہے۔ لیکن کتبات کو نمبر وار لیوڈر کی کتاب ''اے سٹ آف براہمی انسکرپشنز فرام دی ارلیئسٹ ٹائمز ٹو اٹیباوٹ سنہ ۴۰۰ء'' میں جو ایپی گریفیا انڈکا جلد دہم سنہ ۱۹۱۰ء کے ضمیمے کے طور پر چھاپی گئی ہے نہایت اچھی طرح جمع کر دیا ہے۔ مسٹر ایف۔ اے۔ پرگیٹر کی کتاب ''دی پران ٹکسٹ آف دی ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج'' (اکسفورڈ سنہ ۱۹۱۳ء) میں پرانوں کی تمام مستند فہرستوں کو جمع کر دیا ہے۔ اور ساتھ ہی مکمل اختلافات قرأت بھی دیئے ہیں۔ مسٹر بیزجی کا مضمون موسومہ ''دی سیتھین پیریڈ آف انڈین ہسٹری'' (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۸ء) میں ستھیان وغیرہ کی تاریخ کے متعلق چند قابل قدر اشارات پائے جاتے ہیں۔ اور ان سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ ریونڈ ایچ۔ آر۔ سکاٹ کا مضمون ''دی ناسک ہورڈ آف نہپان اینڈرسات کرنیز کائنز'' مع چار لوحوں کے۔ جے۔ بی۔ برانچ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی سنہ ۱۹۰۷ء دوبارہ طبع ہوا ہے۔ اس سے جگل تھمبی کے ذخیرے کے متعلق بہت سی مفید تفصیلات حاصل ہوتی ہیں۔

ان کے علاوہ میں نے مسٹر وی۔ گوپالا ائیر کے مضمون ''دی سکا اینڈ سموت ایرا'' (جرنل آف دی ساؤتھ انڈین ایسوسیئشن۔ اپریل سنہ ۱۹۱۱ء جلد اول صفحہ ۴۹۔ ۲۵۴) کا بھی مطالعہ کیا ہے۔

مندرجۂ بالا تمام اسناد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اب میں بجائے اس کے کہ ان باتوں کو حاشیوں میں بیان کرتا اس ضمیمے میں وہ اسباب بیان کرتا ہوں جن کی بنا پر میں نے تاریخ کو اس طرح لکھا ہے جس طرح کہ وہ اس طبع کتاب میں پائی جاتی ہے ؛

حوالجات ان کتبوں کے جن میں اُن اندھر بادشاہوں کا ذکر ہے جن کے نام پران کی فہرست میں پائے جاتے ہیں ۔ ان کو سلسلہ وار لکھا گیا ہے ؛ نمبر ۱:- لیوڈرا نمبر ۱۱۱۳؛ نمبر ۲:- ۳۴۶ و ۱۱۴۴ و ۱۳۴۵؛ نمبر ۲۳:- ۱۱۲۳ و ۱۱۲۴ و ۱۱۲۵؛ نمبر ۲۴:- ۱۱۰۰ و ۱۱۰۲ و ۱۱۲۲ و ۱۱۲۳ و ۱۱۲۴ و ۱۲۴۸؛ نمبر ۲۵:- ۱۲۴۹؛ نمبر ۲۷:- ۹۸۷ و ۱۰۲۴ و ۱۱۴۶ و ۱۳۴۰؛ نمبر ۲۹:- ۱۳۴۱؛ پشتکوک:- ۱۱۱۲ و ۱۱۳۰ و ۱۲۰۲ و ۱۲۰۳ و ۱۲۰۴ - ان کے علاوہ سکّے موجود ہیں جو چند مشکوک حالات کے علاوہ اندھر خاندان کے مندرجۂ ذیل ناموں سے منسوب ہو سکتے ہیں:- نمبر ۶ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۷ و ۲۹ ؛

کشہرات کتبات حسب ذیل ہیں:- ۱۰۹۹ و ۱۱۲۵ و ۱۱۳۱ و ۱۱۳۲ و ۱۱۳۳ و ۱۱۳۴ و ۱۱۳۵ و ۱۱۴۷ - بھومک اور نہپان کے سکّے موجود ہیں ۔ گوتمی پتر (اندھر بادشاہ نمبر ۲۳) نے اپنے چند سکّے نہپان کے سکّوں پر ہی مضروب کرائے تھے ؛

اندھر بادشاہوں کی فہرست پرگیٹر (صفحہ ۳۶-۴۳ و ۷۱) سے لی گئی ہے - پران ان کے سب سے پہلے بادشاہ کا نام سِسُک (مت) - یا سندھک (وا - بڑ) یا شپرک (وِس) بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ :- "اندھر راجہ (سندھک یا کوئی اور) اپنے قوم یعنے سُسَرمن کی ملازمین کو ساتھ لے کر کنواین اور اس پر (سسرمن) پر حملہ کرے گا - اور سنگ کی بچی کھچی طاقت کو ختم کر کے اس زمین پر قبضہ کرے گا" یہ بادشاہ سِمُک تھا جس کا ذکر نان گھاٹ کے کتبے میں پایا جاتا ہے (کتبہ نمبر ۱۱۱۳) جو تقریباً سنہ ۱۵۰ق م کی طرز تحریر میں

لکھا ہوا ہے۔

کرشنا (بادشاہ نمبر ۲) صریح طور پر نان گھاٹ کے کتبہ نمبر ۱۱۴۴ کا کتبہ ہے۔ اور بادشاہ نمبر ۳۔ سات کرنی یا کلا کرنی یقیناً وہی بادشاہ ہے جس کا ذکر کھاریویلا کے کتبے نمبر ۳۴۶ ۔ اور نان گھاٹ کے کتبات نمبر ۱۱۴۴ میں ہے۔

کیونکہ اس خاندان کے پہلے اٹھارہ بادشاہوں کے متعلق ہمارے معلومات بالکل برائے نام ہیں اس وجہ سے ان کے نام اور عہد حکومت ہی لکھدینا کافی ہے۔ یہ نام پرگیٹر کی فہرست سے لئے گئے ہیں :۔ (۱) قلمی نسخے کا سِسُک وغیرہ۔ اور کتبے کا سِمُک ۔ ۲۳ ۔ سال ۔ (۲) کرشنا ۔ اس کا بھائی ۔ دس سال ۔ (۳) سات کرنی یا ملا کرنی جو نمبر (۲) کا بھائی تھا دس سال ۔ (۴) پورنت سنگ ۔ اٹھارہ سال ۔ (۵) سکند تھمبی ۔ اٹھارہ سال ۔ (۶) سات کرنی ۔ ۵۶ سال ۔ (۷) لمبودر ۔ ۱۸ سال ۔ (۸) آپی لک ۔ ۱۲ سال ۔ (۹) میگھسواتی ۔ ۱۸ سال ۔ (۱۰) سوانی ۔ ۱۸ سال ۔ (۱۱) سکندسوانی ۷ سال ۔ (۱۲) یگندرسواتی کرن ۳ سال ۔ (۱۳) کنتل سواتی کرن ۔ ۸ سال ۔ (۱۴) ۔ سواتی کرن ۱ سال ۔ (۱۵) پلووامی (اول) ۳۶ سال ۔ (۱۶) ارشت کرنی ۲۵ سال ۔ (۱۷) ہال ۵ سال ۔ (۱۸) منتلک ۵ سال۔

گوتمی پتر بادشاہ نمبر ۲۳ کے متعلق کسی قسم کا شبہ نہیں کہ وہ ضرور سری سات کرنی ۔ گوتم پتر یا راجہ گوتم پتر سات کرنی ہی ہے جس کا کتبات میں ذکر ہے ۔ اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے کم از کم چوبیس برس حکومت کی تھی ۔ اور وہی نمبر ۲۴ ۔ پلوماوی (ثانی) کا باپ تھا ۔ یہ نمبر ۲۴ کا بادشاہ بظاہر مختلف کتبات کا راجہ واسشتی پتر سری پلمائی یا سری پلمائی وا ۔ یا نو نرہ سواحی وا ۔ یا سری پلمائی ۔ یا راجہ واسواحی سری پلمائی یا (راجہ) واسری سات کرنی معلوم ہوتا ہے۔

اُن تین بادشاہوں کے اصلی نام دریافت کرنے کے متعلق تکلیف ہوتی ہے جنھوں نے "تیر وکمان" کے اسکے مضروب کرائے۔ یہ سکے خیال ہے کہ مغربی گھاٹ کی مرہٹہ ریاست کلھاپور ہی میں پائے جاتے ہیں۔ ان کتبوں پر سنسکرت کی عبارتیں حسب ذیل ہیں:-

۱۔ راجہ واسشٹی پتر دلوایاکرُ (اول)۔ اسی کو بعض دفعہ اس طرح مضروب کیا گیا ہے۔

۲۔ راجہ ماتھری پتر سِوَلکرُ۔ اس کو بعض دفعہ اس طرح مضروب کیا گیا ہے۔

۳۔ راجہ گوتمی پتر دلوایاکرُ (ثانی)۔ ان کے اس طرح دوبارہ مضروب ہونے سے ان بادشاہوں کے سلسلے میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک خیال کے مطابق وہ محض مقامی گورنر اور نائب السلطنت تھے۔ ایک دوسرا خیال یہ ہے جس کو میں نے بھی اپنی پرانی تصانیف میں صحیح تسلیم کر لیا تھا کہ یہ درحقیقت بڑے خاندان کے اراکین تھے۔ اگر یہ دوسرا خیال درست ہے اور میرا اب یہ خیال ہے کہ وہ ضرور درست ہے تو دلوایاکرُ ثانی ضرور نمبر ۲۳ کا بادشاہ ہوگا جس کو پرانوں نے گوتمی پتر لکھا ہے۔ ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ عجیب و غریب لفظ دلوایاکرُ جو غالباً تلنگی یا کنڑی کا لفظ ہے بادشاہ کا اصلی نام تھا یا محض اس کا لقب تھا۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نام تھا۔ مگر میں یہاں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث نہیں کر سکتا۔ اور اس کتاب میں ان تمام معاملات کو بلا تصفیہ چھوڑے دیتا ہوں۔

پلمائی اول بادشاہ نمبر ۲۴ کا لقب یا نام کنہری کتبہ نمبر ۱۱ = لیوڈرس نمبر ۹۹۴ میں سات کرنی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ستر پ اعظم رُدردامن اول کی بیٹی سے شادی کی۔ اور اس رُدردامن نے اس کو دو مرتبہ ۱۲۵ء کے بعد اور ۱۵۰ء سے پہلے شکست دی۔ پرانوں کے بیان کے مطابق پلمائی گوتمی پتر کا بیٹا تھا۔ مجھ کو یہ بات

بالکل صاف ظاہر معلوم ہوتی ہے کہ یہی پلمائی اول تھا جس کو رردامن اول نے دو مرتبہ شکست دی تھی۔ اگر اس خیال کو درست مان لیا جائے تو نظام سنین کا اس طرح کھوج مل جاتا ہے کہ اس سے اس خاندان کے تمام تاریخوں کا پتہ اگلے اور پچھلے کی طرف نہایت آسانی سے قرین قیاس صحت کے ساتھ لگ سکتا ہے ؛

بادشاہ نمبر ۲ کا یجن سری کے ساتھ جس کے بے شمار سکے اور کتبے ملتے ہیں۔ تعلق ہونا بالکل صریح اور یقینی ہے ؛

ماہرین آثار قدیمہ بالعموم یہ غلطی کیا کرتے ہیں "مغربی ستربوں" کے دو جدا جدا خاندانوں کو ملا دیتے ہیں۔ یعنے ایک تو کشہرات کا خاندان مہاراشٹر میں۔ اور دوسرا چشتن کا خاندان جو پہلے پہل مالوا کے علاقے اجین میں آباد ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں خاندان مغربی علاقے ہی میں سترپ تھے۔ مگر پھر بھی وہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ اور ایک دوسرے سے ان کا کسی طرح کا تعلق نہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی نام نہ دیا جائے۔ نہپان کشہرات کا دارالسلطنت غالباً مغربی گھاٹ میں ناسک کے مقام پر تھا۔ اور اس کے برخلاف چشتن کا پہلا مستقر یقیناً اجین تھا چشتن کے پوتے نے پلمائی اول اندھر سے ان علاقوں کا بہت بڑا حصہ واپس لے لیا جو پلمائی کے باپ نے چند سال قبل کشہرات سے چھین لیے تھے۔ یہ ماننا ضرور نہیں کہ گوتمی پتر اول ذاتی طور پر نہپان سے لڑا تھا جگل تھمبی کے ذخیرے کے مطالعہ سے جس میں کم و بیش (۱۳۰۰) سکے نہپان کے موجود ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سکے بہت مختلف برسوں کے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ان سب پر نہپان کا نام ہی پایا جاتا ہے۔ جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ گوتمی پتر کے اس کے خاندان یا قوم کو برباد کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ نہپان کے سکوں کے متواتر تعداد میں سے اس کا تعلق پارتھی اور شمالی سترپ ہگان اور ہگاماشس سے معلوم

ہوتا ہے[1]۔ اس کے برخلاف چشٹن اور اس کے جانشینوں کے سکے ان سے بالکل مختلف ہیں ؛

یونانی جغرافیہ داں ٹولمی سنہ ۱۶۱ء کے بعد مرا۔ اور چالیس سال تک وہ اسکندریہ میں مقیم رہا۔ اس نے اجین کو ٹسٹینز کا دارالسلطنت بتلایا ہے۔ جس کو غالباً بالکل صحیح طور پر چشٹن قرار دیا گیا ہے۔ اس کے جغرافیہ کے لکھے جانے کی تاریخ معلوم نہیں۔ لیکن اگر وہ کتاب سنہ ۱۳۰ء میں لکھی گئی تھی تو ٹسٹینز کے متعلق ٹولمی کی اطلاع کچھ زیادہ پرانی نہ تھی[2] ؛

خاندان اندھرا اور دیگر بیرونی خاندانوں کے تعلقات کے متعلق میں نے اپنے خیالات کا اظہار نہایت اختصار سے منسلکہ فہرست میں کیا ہے۔ اور میرے نزدیک تمام واقعات معلومہ کا تطابق ایک دوسرے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اس امر میں تمام علما متفق ہیں کہ چشٹن کے خاندان کے ستریوں کے تمام سکوں اور کتبوں پر ایسے سنہ کی تاریخ ہے۔ اور خود مجھے اس بات میں شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ کشہرات کے کتبوں اور سکوں پر بھی یہی سنہ مرقوم ہے ؛

---

[1] "کیٹلاگ آف کائنز ان دی انڈین میوزیم" جلد اول صفحہ ۱۹۵۔ اس کتاب میں ہگان اور ہگان ماش کی سنین کچھ زیادہ قدیم دیئے ہیں ؛

[2] بیلیکورس جس کو ٹولمی نے ہپوکورا پر حکمراں بتلایا ہے غالباً اندھرا راجہ نمبر ۲۳ تھا جس نے کشہرات کی سلطنت کو سنہ ۱۲۶ء میں فتح کیا۔ ممکن ہے کہ ہپوکورا سے مطلب "ناسک" ہو ؛

(الف) متعلقہ صفحہ ۲۸۴ — آخری زمانے کے شاہان اندھر و خاندانہائے متعلقہ

شاہان اندھر - پران کی فہرست - پرگیٹر صفحہ ۳۵-۴۳ و ۷۰	تخت نشینی کی اندازاً تاریخ	کتبات - لیوڈر کی فہرست اپی گریفیا انڈکا جلد ۱۰ ضمیمہ	سکے	کشہرات ستر پ مہاراشٹر کے	سنہ تخت نشینی	اجین کے ساک ستر پ و ستر پ اعظم	سنہ تخت نشینی	کیفیت
عرصہ حکومت ۱۹ - پریکسین ۲۱ ۲۰ - سندرسات کرنی ۱ ۲۱ - چکورسات کرنی ½ ۲۲ - شوسواتی ۲۸	سن عیسوی ۵۹ء ۸۰ء ۸۱ء ۹۱ء	.... نمبر ۱۲۷۹ - امراوتی - راجہ سری سیونگ سدن ست - لیکن یہ ممکن ہے کہ شاہ نمبر ۲۵ یا ۲۶ سے متعلق ہو	واسشتی تیر دلویاکر (اول) کے "تیر و کمان" کے سکے ان تینوں بادشاہوں میں سے کسی ایک کے ہو سکتے ہیں (دیکھو ریپسن صفحہ ۹۰) ماٹھی تیر سولگر کے "تیر و کمان" کے سکے ممکن ہے کہ اسی بادشاہ کے ہوں (ریپسن صفحہ ۷) دیکھو	ستر پ بھومک (صرف سکے - نہ کوئی کتبات ہیں اور سنین معلوم ہوئے ہیں)۔ بھوماک کا رشتہ نہپان سے معلوم نہیں۔ ستر پ نہپان نہپان کی بیٹی دکشمترا - انکو جہ رشبھدت یا اشوودات حال ناسک وغیرہ۔ ممکن ہے کہ نہپان ۱۲۰ء میں فوت ہوا ہو۔ اس کے خاندان کو اندھر راجہ نمبر ۲۳ نے اپنی اٹھارویں سنہ جلوس یعنی ۱۲۶ء میں برباد کیا۔ کشہرات خاندان کے کتبات پر ۴۱ء سے ۴۶ء (ساک) تک کی تاریخیں ہیں یعنی ۱۱۹ - ۱۲۴ء۔	سنہ عیسوی ۷۶ء یا اس سے قبل ۵۰ء؟ ۹۰ء	چشتن (یعنی گھسموتک کا بیٹا) پہلے ستر پ - بعد میں ستر پ اعظم - اس نے راجہ کا ہندی خطاب بھی اختیار کیا تھا۔ جیادامن چشتن کا بیٹا صرف ستر پ رودرادامن جیادامن کا بیٹا (اول) ستر پ اعظم (تاریخہائے معلومہ ۱۳۰ء و ۱۵۰ء - دو مرتبہ تقریباً ۱۲۲ء میں اندھر راجہ نمبر ۲۴ کو شکست دی)	سنہ عیسوی ۸۰ء ۱۱۰ء ۱۲۸ء	"ٹولمی" کا "ٹسٹنیز" = چشتن اندھر بادشاہ نمبر ۲۴ غالباً = ٹولمی کے بیلیکورس کے۔ نہپان کے سکوں پر قابل فہم یونانی عبارتیں ملتی ہیں (تقریباً ۱۱۰ء)۔
۲۳ - گوتمی پتر ۲۱	۱۰۹ء	نمبر ۱۱۲۳ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ناسک۔ اسکے چوبیسویں سال کے کتبے۔	نمبر ۲۵ - نہپان کے دوبارہ مضروبہ سکے - عبارت "راجہ گوتمی پتر سات کرنی" (ریپسن صفحہ ۶۸ - ۷۰ - ۸۹) گوتمی پتر ولیاکر کے قوم کے تیر و کمان کے سکے غالباً اسی بادشاہ کے ہیں۔					
۲۴ - پلوما (وی) (دوم) نمبر ۲۳ کا بیٹا ۲۸	۱۳۵ء	نمبر ۹۹۴ - کنہیر - نمبر ۱۱۲۴ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۰ ناسک ۱۱۰۲ - کارلے - اور غالباً نمبر ۱۲۴۸ - امراوتی "راجہ واسشتی پتر سری پلمائی" بعض اوقات "سری" سے قبل "سوامی" کا لفظ ایزاد کیا گیا ہے نمبر ۹۹۴ میں "واسری سات کرنی"	"راجہ واسشتی پتر سری پلمائی" کے مشرقی سکے (ریپسن صفحہ ۲۰)۔					

(ب) متعلقہ صفحہ ۲۸۴ فہرست خاندان آندھر وغیرہ (جاری) :-

شاہان اندھر - پران کی فہرست پرگیٹر صفحہ ۴۳-۳۵ و صفحہ ۷۱ -	تخت نشینی (اندازاً)	کتبات - لیوڈر کی فہرست - ایپی گرافیا انڈیکا - جلد ۱۰ - ضمیمہ -	سکے	کشہرات ستر پ مہاراشٹر کے	تخت نشینی اندازاً	اجین کے سک ستر پ و ستر پ اعظم	تخت نشینی اندازاً	کیفیت
عرصۂ حکومت	سنہ عیسوی							
۲۴ - فروایوپرامن :- ستاکرنی ۲۹	(-)	....	....			رودر دامن اول کا بیٹا - دامجد سری - ستر پ و ستر پ اعظم - (تاریخیں معلوم نہیں)	۱۵۵ء	
۲۵ - سومرکی پلما (وی) دوم ۷	۱۳۳ء	دیکھو شاہان نمبر ۲۲ و ۲۶	غالباً "راجہ واشتی پتر سوامی سری ستاکرنی" کے شرقی سکے ؟ دیکھو شاہان نمبر ۲۲ و ۲۶ -					
۲۶ - سوسکند ستاکرنی ۳ ؟	۱۷۰ء	۶ نمبر ۱۱۲۴ - بمقام بنواسی جس میں "ستا - یاسو سکند ناگ سری" بادشاہ کا ذکر ہے - دیکھو شاہان نمبر ۲۲ و ۲۵ -	دیکھو مذکورہ بالا شاہان نمبر ۲۲ و ۲۵ ؟					
۲۷ - یجن سری ستاکرنی - ۲۹	۱۷۳ء	نمبر ۹۸۷ - ۲۳ - ۱ بمقام کنہیری - و نمبر ۱۱۲۶ بمقام ناسک "راجہ گوتمی پتر سوامی سری یجن سری ستاکرنی" ضلع کرشنا کے مقام چینی کے ... بجائے "سوامی" کے ایک ہے (سال ...)	مختلف النوع ہیں حسب ذیل عبارت اس کا کچھ حصہ :- "راجہ گوتمی پتر سری یجن ستاکرنی" (ریپسن صفحہ ۴۵ - ۴۴) -			دامجد سری کا بیٹا جسیو دامن ستر پ اعظم	۱۷۸ء	ان ستر پ اور ستر پ اعظم کی جانشینی کے متعلق بعض غیر متیقن باتیں نظر انداز کردی گئی ہیں -
۲۸ - وجیا ..... (۶)	سنہ ۲۰۲ء	....	....			رودر دامن اول کا بیٹا رودر سمہا اول ستر پ و ستر پ اعظم -	۱۸۰ء	
۲۹ - چندسری (چندر) ستاکرنی ۱۰	۲۰۸ء	نمبر ۱۳۴۱ - بمقام کودسودس (گوداوری کا ضلع) "راجہ واشتی پتر سوامی سری چند (چندر) سات"	بظاہر "راجہ واشتی پتر سری چند - سات" کا مخفف "سری چندر سات" کے شرقی سکے - (ریپسن صفحہ ۳۰ و ۳۳)			رودر سمہا اول کا بیٹا رودر سین - اول ستر پ و ستر پ اعظم -	۱۹۹ء	

(ج) متعلقہ صفحہ ۲۴۸ فہرست خاندان آندھر وغیرہ (جاری):-

شاہان آندھر - پران کی فہرست - برگیٹر صفحہ ۳۴ - ۳۵ وصفحہ ۷۱ -	سمہ تخت نشینی (اندازاً)	کتاب لیوڈر کی فہرست ایپی گرافیا انڈیکا جلد ۱۰ ضمیمہ -	سکے	مہاراشٹر کے کشہرات ستریپ	سمہ تخت نشینی اندازاً	اجین کے سک ستریپ و ستریپ اعظم	سنہ تخت نشینی	کیفیت
۳۰- پلوماوی (چہارم) ۷	سمہ ۲۱۸	غالباً کوئی نہیں -	بالکل نہیں - مگر چند پلوماوی سکوں کی نسبت ابھی شبہ ہے -			ردراسمہا اول کا ایک اور بیٹا - سنگھ دامن - ستریپ اعظم	سمہ ۲۲۲	
						دام سین (یہ بھی ردراسمہا اول کا ہی بیٹا ہے) ستریپ اعظم -	سمہ ۲۲۳	
خاندان کا خاتمہ	سمہ ۲۲۵							
"یہ تیس اندھر بادشاہ (۴۶۰) برس تک زمین پر راج کریں گے" (وایو پران صفحہ ۴۱۱)			دوسرے سکے بھی موجود ہیں مگر ان کے متعلق یقین نہیں کہ ان کو اس فہرست کے کن بادشاہوں سے منسوب کرنا چاہیئے -					

باب نہم

ہندی یونانی۔ اور ہندی پارتھی خاندان۔
از ۲۵۰ سنہ ق م تا ۶۰ سنہ ع

ہندوکش سلطنت موریا کی سرحد تھی۔

اندرون ملک کے خاندانوں کی تاریخ سے تھوڑی دیر کے لئے ہم کو قطع نظر کر کے ان مختلف بیرونی خاندانوں کا معائنہ کرنا چاہیئے ۔جو ان ہندی علاقوں میں موریا خاندان کے زوال کے وقت جب کہ شمال مغربی سرحد بیرونی حملوں کے لئے بالکل کھل گئی قائم اور مستحکم ہو گئے جن کو کسی زمانے میں سکندر نے فتح کیا تھا سکندر اعظم کے دلیرانہ اور تباہ کن حملے کا اثر جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہ نہیں ہوا تھا جس کی کہ اس سے توقع کی گئی تھی ۔وہ ہندی صوبے جو اس نے فتح کئے تھے ۔اور جن کو سائلوکس اپنے قابو میں نہ رکھ سکا بالآخر چندر اگپتا کے پنجۂ آہنی میں آ گئے اور وہ وراثتاً اس کے بیٹے اور پوتے کے ہاتھ میں منتقل ہو گئے ۔ مجھے اس امر میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ دریائے سندھ کے مغربی علاقے جو سائلوکس نے اپنے ہندی حریف کے حوالے کئے تھے موخر الذکر کے جانشینوں کے ہی ہاتھ میں رہے ۔اور کوہستان ہندوکش راجہ اشوک کی حکومت کے خاتمے تک موریا سلطنت کی سرحد بنا رہا ؎

اشوک کی موت کے نتائج۔

لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اشوک کی موت کے بعد اس کی سلطنت میں اتحاد اور یگانگی باقی نہیں رہی ۔۔۔ جو نہی اس کی زبردست شخصیت کا اثر اُٹھ گیا۔

سلطنت کے دور افتادہ صوبوں نے اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتار کر پھینک دیا۔ اور خود مختار سلطنتیں قائم کر لیں۔ جن میں سے کہ بعض کی تاریخ باب گذشتہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ جب اندرون ملک میں کوئی زبردست دیسی طاقت ایسی نہ رہی جو شمال مغربی سرحد کی نگہبانی کر سکتی تو باختر اور پارتھیا کے یونانی بادشاہوں نے اس کی طرف لالچ کی نگاہوں سے دیکھا۔ اور ان کے علاوہ جنگجو سرحدی قبائل کی بھی آتش حرص و آز مشتعل ہو گئی۔ اور متواتر حملہ آوروں نے اُسے کھنگال ڈالا۔ جہاں تک کہ ہم کو نامکمل مواد جو ہمارے پاس ہے اجازت دے گا۔ اس باب میں یہ کوشش کی جائے گی کہ پنجاب اور ماوراء سندھ کے صوبوں کی تاریخ کے وہ موٹے موٹے واقعات مختصراً بیان کر دیئے جائیں۔ جو وہاں پر اشوک کی حکومت کے ختم سے لے کر ہندی سیتھی یا کشان طاقت کے قائم ہونے تک واقع ہوئے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سنین واقعات سب کی سب غیر یقینی ہیں۔

انٹی آکس تھیوس ۲۶۱ سنہ ق م

وہ وسیع اور فراخ ایشیائی سلطنت جس کو سائیلوکس نکیٹر نے اپنی طباعی سے پیدا کیا اور استحکام دیا۔ ۲۶۲ سنہ ق م یا ۲۶۱ سنہ ق م میں اس کے پوتے انٹی آکس کے ہاتھ میں آئی۔ جو ایک بدمست اور بدمعاش بادشاہ تھا۔ اور جس کو اس کی زندگی کے دوران ہی میں اس کے خصائل کے خلاف تھیوس یعنے "خدا" کا لقب دیا گیا تھا۔ اور اس کی رعایا اُس کی پرستش بھی کرتی تھی[1]۔

---

[1] انٹی آکس سوٹر جولائی ۲۶۲ سنہ اور جولائی ۲۶۱ سنہ ق م میں (۶۴) برس کی عمر میں مرا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا انٹی آکس تھیوس چوبیس برس کی عمر میں اپنے بھائی سائلوکس کو قتل کرنے کے بعد تخت پر بیٹھا۔ (بیون:۔ "ہاؤس آف سائلوکس جلد اول صفحہ ۱۷۱ و ۱۷۲۔ اس میں یوسی بئس جلد اول ۲۴۹ سنہ کا حوالہ دیا ہے")۔ اس کتبے سے جو دُرْ دُز کرسکے مقام پر پایا گیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ انٹی آکس اس کی زندگی کے زمانے ہی میں

یہ نکما اور بیکار محض بادشاہ پندرہ یا سولہ برس تک تخت پر متمکن رہا۔ لیکن اس کی حکومت کے آخری حصے میں اس کی سلطنت کو دو بڑے سخت نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ ایک تو ڈیوڈوٹس کی سرکردگی میں باختر کی بغاوت۔ اور دوسرے اشکان کی ماتحتی میں پارتھی قوم کی سرکشی ؛

باختر۔ باختر کے صوبے کا نقصان نہایت سخت تھا۔ یہ صوبہ وہ زرخیز اور شاداب علاقہ ہے۔ جس کو دریائے سیحون (آمو دریا) پہاڑوں سے نکلنے کے بعد سیراب کرتا ہے۔ اور جس میں قدیم ترین زمانے سے ہمیشہ مہذب اقوام آباد رہی تھیں۔ اس علاقے کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس میں ایک ہزار شہر آباد تھے[1]۔ اور شاہنشاہان کیانی کے زمانے میں اس کو ایک اتنا بڑا صوبہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ صرف شہزادوں کی مخصوص جاگیر میں تھا۔ جب سکندر نے ایرانی سلطنت کو پاش پاش کر دیا اور شہنشاہی تخت پر خود متمکن ہوا تو اس نے بھی باختر کے باشندوں کے ساتھ تمام مخصوص مراعات جاری رکھیں۔ اور ان لوگوں نے بھی بہت جلد یونانی تہذیب کے اثرات کو قبول کر لیا۔ اس کی موت کے دو سال بعد ۳۲۱ ق م میں جب اس کی سلطنت کے آخری دفعہ حصے بخرے ہوئے تو باختر کا علاقہ سائلوکس نیکیٹر کے حصے میں آیا۔ اور اس کے بیٹے اور پوتے کی حکومتوں کے زمانے میں بہت قیمتی اور بیش بہا علاقۂ سلطنت شمار ہوتا رہا ؛

پارتھی قوم پارتھی قوم ایک وحشی اور جفاکش شہسواروں کی قوم تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ پوجا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ اس کی اکر لودھ کی عبادت کے لئے عورتیں بھی مقرر کی گئی تھیں ؛

[1] یوکرسٹائی ڈیز کے ہزار شہر تھے۔ جن میں کہ اس کی حکومت قائم تھی" (سٹریبو باب ۱۵ حصہ ۲-۳) "باختر آریانہ کا زیور ہے" (ایضاً باب ۱۱ حصہ ۱۱-۱) ؛

جن کے اوضاع و اطوار زیادہ تر موجودہ ترکمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ یہ لوگ ایرانی ریگستانوں کے اُس طرف بحیرۂ خضر کے جنوب مشرق کے مقابلتہً بے آب و گیاہ علاقوں میں آباد تھے۔ ان کا وطن مع کورسموئی۔ سگڈوئی اور اروی (خوارزم۔ سمرقند اور ہرات) کے علاقوں کے دارا کے سولھویں صوبے یا ستربی میں شامل تھا۔ اور تمام مذکورہ اقوام جو باختر کے لوگوں کی طرح مسلح ہوتے تھے اردشیر کی فوج کو کمک بہم پہنچایا کرتے تھے[1]۔ سکندر اور سائلوکس کے خاندان کے پہلے افراد کے زمانے میں پارتھیا اور ہرکینیا کے علاقوں کو ایک صوبے میں جمع کر دیا گیا۔ باختر والوں کے برخلاف پارتھی قوم نے یونانی تہذیب و تمدن کو اختیار نہیں کیا تھا۔ اور اگرچہ اپنے ایرانی اور مقدونوی آقاؤں کے فرماں بردار اور طاعت پذیر تھے۔ لیکن پھر بھی انھوں نے اپنی عادات و خصائل کو نہ بدلا۔ ہمیشہ ان کی حیثیت سوار گلہ بانوں کی سی رہی۔ اور وہ تیر و کمان کے استعمال اور گھوڑے کو قابو میں رکھنے میں پورے طور پر مشاق تھے[1]۔

تقریباً ۲۵۰ ق م باختر اور پارتھیا کی بغاوت کا سنہ

یہ دونوں قومیں جو اپنے طبائع اور تاریخ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ایک حد تک متغائر تھیں یعنے باختر ایک آباد اور معمور ملک تھا۔ اور اس میں ایک ہزار شہر تھے۔ اور اس کے برخلاف پارتھیا کے لوگ اب تک خانہ بدوش تھے اور ہزاروں کی تعداد میں آوارہ پھرتے تھے۔ تقریباً ایک ہی وقت میں تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں جونکین اور سائلوکس کے خاندان کے طوق غلامی اتار پھینکنے اور خود مختاری حاصل کرنے پر آمادہ ہوئیں۔ ان بغاوتوں کی اصلی اور صحیح تاریخ تو نہیں معلوم ہو سکتی مگر

---

[1] ہیروڈوٹس جلد ۳ صفحہ ۹۳ و ۱۱۷ جلد ۷ صفحہ ۶۷-۶۴۔

[2] پارتھیا کے مفصل بیان کے لئے دیکھو کیپٹن رالنسن کی کتاب: "دسکستھ اورینٹل مانرکی"

بظاہر باختر کی بغاوت ان دونوں میں پہلے واقع ہوی اور اس امر کے باور کرنے کے بھی وجوہ موجود ہیں کہ پارتھیا کی بغاوت سالوں سال تک جاری رہی۔ اور ۲۴۶ سنہ ق م میں انٹی آکس تھیوس کی موت کے کہیں بعد جا کر ختم ہوی۔ اگرچہ پارتھیا کی خود مختاری کا اعلان معلوم ہوتا ہے کہ ۲۴۸ سنہ ق م میں ہو گیا تھا۔[۱]

ڈیوڈوٹس اول

باختر کی بغاوت معمولی ایشیائی قسم کی بغاوت تھی۔ اس کی سرکردگی ڈیوڈوٹس حاکم صوبہ نے کی۔ جس نے موقع تاک کر اپنے بادشاہ اور آقا سے انحراف کیا اور خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کے برعکس پارتھیا کی بغاوت قومی تھی۔ اس کا سرغنہ ایک شخص اشکان نامی تھا جس کے آبا و اجداد کے متعلق شک ہے۔ مگر اس کی بہادری اور دلاوری کی بابت کسی قسم کا

---

[۱] اس واقعہ کے متعلق سب سے بڑی سند جسٹن باب ۴۱ فصل ۴ ہے۔ مگر جن کونسلوں کے ناموں پر تعین سن کا انحصار تھا۔ ان کے نام اس نے ٹھیک نہیں لکھے۔ اس نے باختر کے باغی سردار کا نام تھیوڈوٹس لکھا ہے۔ اور بیان کیا ہے کہ "وہ اسی زمانے میں باغی ہوا"۔ دونوں واقعات نے سنین کے متعلق تمام شہادتوں کو کننگھم۔ رالنسن۔ بیون اور دوسرے مصنفین نے بغور دیکھا ہے اور جس نتیجے پر وہ پہنچے ہیں وہ متن میں دے دیا گیا ہے۔ ۲۴۸ سنہ ق م کی تاریخ کے متعلق پروفیسر ٹیرین ڈی لکوپیرے کا خیال ہے کہ اس سے اشکانی سنہ کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ مسٹر بیون سے اس امر میں بالکل متفق ہے کہ پارتھی بغاوت چند سال تک جاری رہی۔ مسٹر بیون کا خیال ہے کہ جسٹن نے پارتھی بغاوت کی تاریخ ۲۵۰ سنہ سے ۲۴۹ سنہ ق م تک ظاہر کی ہے۔ (ہاؤس آف سائلوکس جلد اول صفحہ ۲۸۶) سر اے جے۔ ہاورتھ ۲۴۸ سنہ سے ۲۴۷ سنہ ق م کی تاریخ کو مرجح سمجھتا ہے۔ (نیو مسمیٹک کرانیکل ۱۹۰۵ سنہ صفحہ ۲۲۲)

شک و شبہ نہیں۔ یہ شخص تاخت و تاراج کا عادی تھا۔ اشکان نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور اس طرح اشکانی خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً پانچ صدی تک برابر قائم رہا (۲۴۸ قم سے ۲۲۶ء قم)۔ باختر اور پارتھیا کے باغیوں کو کامیابی میں اس وجہ سے اور زیادہ سہولت ہوئی کہ انٹی آکس تھیوس کی موت کے بعد سائلوکس کی تخت کے متعلق مختلف دعویداروں میں تنازع ہوا۔ اور لڑائی ٹھن گئی۔

تقریباً ۲۴۵ء قم ڈیوڈوٹس ثانی

باختری بادشاہوں کے اس خاندان کی مدت جس کا بانی ڈیوڈوٹس تھا بمقابلہ اشکانی خاندان کے مختصر اور پر از فتنہ و فساد تھی۔ خود ڈیوڈوٹس اپنے جدید تاج کو چند ہی روز زیب سر کر سکا بہت تھوڑے دن زندہ رہا۔ اور چند سال بعد ہی (۲۴۵ء قم) اس کا بیٹا ڈیوڈوٹس ثانی اس کا جانشین ہوا۔ جس نے پارتھیا کے بادشاہ کے ساتھ اتحاد قائم کر لیا۔

سلہ (۱) اشکان نے ہرکینیا کے علاقہ کو زیر کیا۔ اور اس طرح دونوں قوموں پر اقتدار قائم کرنے کے بعد باختری بادشاہوں سائلوکس اور تھیوڈوٹس کے خوف سے ایک بڑی فوج جمع کی۔ مگر اس لیئے کہ جلدی ہی تھیوڈوٹس کی موت کی وجہ سے یہ خوف جاتا رہا۔ اس نے اس کے بیٹے تھیوڈوٹس سے صلح اور اتحاد قائم کر لیا۔ اس کے تھوڑی مدت بعد اس نے سائلوکس کو جو بغاوت کی سزا دینے وہاں آیا تھا شکست دی۔ جس دن یہ فتح حاصل ہوئی اس دن سے آج تک پارتھی تہوار مناتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس دن سے ان کی خود مختاری کی بنیاد پڑی۔ (جسٹن۔ باب ۴۱ فصل ۴)۔ یہ صاف اور صریح شہادت ایسی ہے کہ جس سے ماہرین سکیات کے تمام شکوک بابت دو ڈیوڈوٹس ہونے کے غائب ہو جاتے ہیں۔ تمام دریافت شدہ سکے ڈیوڈوٹس ثانی کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اغلب یہ ہے کہ اسکے باپ نے کوئی سکے مضروب نہیں کرائے تھے۔ سر اے یچ۔ ہاورتھ جس کو جسٹن کی شہادت کا اعتبار نہیں ماننے سے انکار کرتا ہے کہ اشکان سائلوکس کے خاندان کے نائب السلطنت انڈراگورس کو قتل کیا تھا (نیو میسمٹک کرانکل ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۱۲ و ۲۲۳)۔

تقریباً ۲۳۰ق م یوتھی ڈیمس اور انٹی آکس اعظم

ڈیوڈوٹس کے بعد (تقریباً ۲۳۰ ق م) یوتھی ڈیمس بادشاہ ہوا۔ جو مگنیسیا کے علاقے کا رہنے والا تھا۔ اور بادی النظر میں بالکل مختلف خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بھی بغاوت کے ذریعے سے سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس بادشاہ کو شام کے انٹی آکس اعظم (۱۸۷-۲۲۳ ق م) سے ایک طول و طویل جنگ

تقریباً ۲۰۸ ق م

کرانی پڑی جو آخر جا کر (تقریباً ۲۰۸ ق م) ایک معاہدے پر ختم ہوئی جس کی رو سے باختر کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا گیا۔

تقریباً ۲۰۶ ق م

اس کے تھوڑی ہی مدت بعد (۲۰۶ ق م) انٹی آکس نے کوہستان ہندوکش کو عبور کیا۔ اور ایک ہندی راجہ مسمی سبھاگ سین کو جو دریائے کابل کی وادی میں حکمراں تھا مجبور کیا کہ وہ حملہ آور کو بہت سے ہاتھی اور بڑا خزانہ نذر میں دے۔ سائزیکس کے اندرا ستھنیز کو وہاں سے اس تاوان جنگ کے وصول کرنے کے لیئے چھوڑ کر انٹی آکس اعظم بذات خود فوج لے کر اراکوسیہ اور ڈرنگیانا سے کرمانیہ چلا گیا[1]۔

تقریباً ۱۹۰ ق م ڈیمیٹریس ہند یونان کا بادشاہ۔

یوتھی ڈیمس کے بیٹے اور انٹی آکس کے داماد ڈیمیٹریس نے جس سے کہ انٹی آکس نے باختر کی خود مختاری تسلیم کرنے کے بعد اپنی بیٹی بیاہ دی تھی۔ اپنے خسر کے کارناموں کی اور بھی زیادہ کامیابی کے ساتھ نقل اتاری۔ اور شمالی ہند کے ایک بڑے حصے کو فتح کر لیا۔ جس میں غالباً کابل پنجاب اور سندھ کے علاقے شامل تھے[2]۔ (تقریباً ۱۹۰ ق م)۔

---

[1] پولی بئیس:- باب ۱۱ فصل ۳۴۔ ہندی بادشاہ کا نام مورخ نے سوفاگ سین دیا ہے۔ جس سے غالباً مراد سنسکرت کی سوبھاگ سین ہے۔

[2] "وہ یونانی جنھوں نے اس کی (باختر کی) بغاوت میں حصہ لیا۔ اس کی زرخیزی اور

تقریباً ۱۷۵ قبل مسیح یوکرے ٹائڈیز۔

ڈیمیٹراس کی دور و دراز کی ہندی جنگوں نے اس کا اثر باختر پر کم کر دیا۔ جس سے کہ ایک شخص یوکرے ٹائڈیز کو بغاوت کا موقعہ ملا۔ اور وہ ۱۷۵ قبل مسیح میں باختر کا مالک بن بیٹھا۔ مگر وہ فوراً ہی اطراف کی سلطنتوں اور اقوام کے ساتھ جنگ میں مبتلا ہو گیا۔ جن کو اس نے نہایت تندہی مگر مختلف مصائب کے ساتھ جاری رکھا۔ ڈیمیٹراس نے اگرچہ باختر کو کھو دیا تھا۔ مگر مشرقی صوبوں پر اس کا قبضہ ایک مدت تک قائم رہا۔ اور وہ "شاہ ہندیان" کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن سخت اور تند کشمکش کے بعد بالآخر کھیت یوکرے ٹائڈیز کے ہاتھ رہا۔ جو ایسا حریف تھا جس کو شکست دینا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ملک کے موقع کی خوبی کی وجہ سے اس قدر طاقتور ہو گئے کہ وہ۔ آٹی میٹیا کے اپولوڈورس کے بیان کے مطابق۔ آریانہ اور ہندوستان کے بادشاہ ہو گئے۔ ان کے سرداروں اور خاص کر منندر نے (اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس نے واقعی دریائے ہائی پے فس کو عبور کیا تھا۔ اسمس تک پہنچ گیا تھا) سکندر سے کہیں زیادہ اقوام کو زیر نگین کیا۔ یہ فتوحات کچھ تو منندر نے حاصل کیں اور کچھ یوتھی ڈیمس کے بیٹے ڈیمیٹراس شاہ باختر نے حاصل کیں۔ انھوں نے نہ صرف پٹلیں پر ہی قبضہ کیا بلکہ سراسٹس اور سگرڈس کی سلطنتوں کو بھی جن میں تمام باقی ماندہ ساحل کا علاقہ شامل تھا زیر تصرف کیا۔ مختصر یہ ہے کہ اپولوڈورس کہتا ہے کہ باختر تمام آریانہ کے علاقے کا زیور ہے۔ انھوں نے اپنی سلطنت سرس اور فری نوئی تک پھیلا لی تھی"۔ (سسٹرابو۔ باب ۱۱۔ حصہ ۱۱۔ فصل ۱۔ مترجمہ ذاکنز)۔ اس کے آخری فقرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سلطنت بطلیموس کے جغرافیئے کے ان پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ جن کا پتہ اب تک نہیں لگا۔ (سسٹین:۔ "اینشنٹ ختن" صفحہ ۴۵۔ اس کے بیان مرقومہ "سینڈ بریڈ رُئنز آف ختن" صفحہ ۷۲ کا رد ہو گیا ہے)۔

مشکل امر تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ”اس نے ہندوستان کو اپنے زیر نگین کر لیا تھا“ ایک مرتبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ وہ پانچ مہینے تک صرف تین سو آدمیوں کے ساتھ ایک قلعے میں محصور رہا۔ مگر پھر بھی اس نے ڈیمیٹریاس کے ساٹھ ہزار آدمیوں کو شکست دے دی[1]۔

تقریباً ۱۵۶ ق م لیکن یہ کامیابی جو اس قدر جانکاہی سے حاصل کی گئی تھی پائدار نہ تھی۔ جب یوکریٹائڈیز اپنے بیٹے غالباً اپالوڈوٹس کے ساتھ جس کو اس نے اپنا مالک حکومت کر لیا تھا ہندوستان سے اپنے وطن کو واپس جا رہا تھا۔ تو اس ناخلف بیٹے نے نہایت بیرحمی سے اپنے باپ کو قتل کرا دیا۔ اور اس جرم پر فخر و مباہات کی۔ باپ کے خون میں سے اپنی رتھ کو چلایا۔ اور اس کی لاش کو دفن بھی نہ ہونے دیا[2]۔

ہیلیو کلیز وغیرہ یوکریٹائڈیز کی موت نے اس سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے۔ جس کے حصول کے لیے اس نے اس قدر جدّوجہد کی تھی۔ اس کا ایک اور بیٹا ہیلیو کلیز نامی جس نے ”عادل“ کا لقب غالباً اپنے باپ کا قصاص لینے کی وجہ سے اختیار کیا۔ چندروز باختر کے متزلزل تخت پر بیٹھا۔ سٹریٹو اول۔ جس کا تعلق بھی بظاہر یوکریٹائڈیز کے خاندان سے تھا ۱۶ سال تک

---

[1] جسٹن باب ۴۱ فصل ۳ ؎

[2] جسٹن، باب ۴۱ فصل ۶۔ تمام ماہرین فن سکہ اس امر میں متفق ہیں کہ ہیلیو کلیز یوکریٹائڈیز کا بیٹا تھا۔ کننگھم (نیوسمیٹک کرانکل ۱۸۶۹ء صفحہ ۴۳-۲۴)۔ اس امر کے قابل یقین وجوہ بیان کئے ہیں کہ پدرکش مقتول بادشاہ کا سب سے بڑا بیٹا اپالوڈوٹس ہی تھا۔ مگر اس کے بالکل برعکس یوکریٹائڈیز کے کپسا کے بعض اوقات اپالوڈوٹس کے سکوں پر مضروب پائے جاتے ہیں۔ (ریپسن: جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۵ء صفحہ ۷۸۴) ؎

پنجاب کے ایک علاقے پر قابض رہا۔ اور دو غالباً اپالوڈوٹس کا جانشین تھا۔ اگتھو کلیز اور پنٹیلیون جن کے سکے مخصوص طور پر ہندی طرز کے ہیں۔ اس کے قبل گذرے تھے۔ اور یوتھی ڈیمس اور ڈیمیٹراس کے ہمعصر تھے۔ سکوں کی عبارت کے شاہی ناموں کی کثرت سے جن کی تعداد کم و بیش سو ہے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوکریٹائڈیز کی موت سے پہلے اور اس کے بعد ہندوستان کا سرحدی صوبہ چھوٹے چھوٹے یونانی رجواڑوں میں منقسم تھا۔ جو زیادہ تر یا تو یوتھی ڈیمس اور ڈیمیٹرس کے اور یا ان کے حریف یوکریٹائڈیز کے کفو تھے۔ ان رجواڑوں میں سے بعض کو جن میں انٹی ال کڈس شامل تھا یوکریٹائڈیز نے اپنے زیر نگین کیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو ایک زبردست سرحدی سلطنت قائم کر لیتا۔ مگر عین فتح و نصرت کے موقع پر اس کی موت نے فتنہ و فساد میں اور زیادتی کر دی۔ اور اب یہ بالکل ناممکن ہے کہ علاقوں اور سنین کے لحاظ سے ان ہندی یونانی سرحدی سرداروں کا جو یوکریٹائڈیز کے ہمعصر یا اس کے بعد ہوئے۔ کوئی نظام یا جدول تیار کیا جا سکے۔ ان کے نام جو صرف دو سو ہیں سب کے سب سکوں ہی کے ذریعے سے معلوم ہوئے ہیں۔ اور اس باب کے آخر میں ایک فہرست بنا کے درج کر دیئے گئے ہیں۔

تقریباً ۱۵۵ق م منندر کا ہندوستان پر حملہ۔

ان بے نام و نشان یونانی سرداروں کی فہرست میں سب سے زیادہ نمایاں نام منندر کا ہے۔ اس کا تعلق یوکریٹائڈیز سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کا دارالسلطنت کابل کا مقام تھا۔ یہیں سے تقریباً ۱۵۵ ق م وہ ہندوستان پر اس دلیرانہ حملے کے ارادے سے نکلا جس کا ذکر باب گذشتہ میں کیا جا چکا ہے۔ دو برس بعد وہ واپس آنے پر مجبور ہوا۔ اور اپنی طاقت کو ان خطرات کے مقابلے کے لیے صرف کر دیا جو خود اس کے وطن میں اس کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور جن کی وجہ اس کے اپنے ہمسائیوں سے تنازعات تھے۔

منندر کی شہرت منندر ایک نہایت عادل حکمراں مشہور تھا۔ اور جب وہ مرا ہے تو اس کا جنازہ نہایت دھوم دھام سے اٹھایا گیا تھا۔ اس کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ وہ بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ ایک مشہور و معروف مکالمے سے جس کا نام "سوالات ملندا" ہے اور بدھ مذہب کے تمام علم ادب کی مشہور کتابوں میں سے ہے۔ اس کا نام ابدالآباد تک روشن ہو گیا ہے[1]؛

باختر کا آخری یونانی بادشاہ یوکرے ٹائڈیز کا بیٹا ہیلیوکلیز جس نے باختر کے علاقے پر اپنے باپ کے متروکے کی حیثیت سے قبضہ کر لیا تھا۔ آخری یونانی الاصل بادشاہ تھا جس نے کوہستان ہندوکش کے شمال میں حکومت کی۔ عین اس وقت جب کہ یونانی بادشاہ اور سردار آپس میں ان گمنام لڑائیوں میں مشغول تھے جن کی تاریخ بھی نامعلوم ہے۔ ایک زبردست طوفان کا مواد وسط ایشیا میں جمع ہو رہا تھا جس نے کہ بالآخر ان کو بالکل معدوم کر دیا؛

---

[1] اس کے جنازے کی رسوم کو پلوٹارک نے بیان کیا ہے (ریپبلک۔ جیریپرسیٹیا۔ اس کے متن کو "نیومسمیٹک کرانکل" ۱۸۶۹ء صفحہ ۲۲۹ میں نقل کیا گیا ہے)۔ "سوالات ملندا" کا ترجمہ ایس۔ بی۔ ای۔ جلد ۳۵-۳۶ میں رہس ڈیوڈس نے کیا ہے۔ ملندا کے منندر ہونے کے متعلق جس میں ویٹل کو شک تھا۔ دیکھو:- کارب کی کتاب "بیٹریگ زُر انڈلشن کلچر گیشتشٹ" برلن صفحہ ۱۰۹ حاشیہ۔ ٹران:- نوٹس آن ہیلینزم ان بکٹیریا اینڈ انڈیا" (جرنل ہیلین اسٹک سوسائٹی ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۷۲)۔ اور سرت چندرداس کا مضمون "جرنل بدھسٹ ٹکسٹ اینڈ ریسرچ سوسائٹی جلد ۷ ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۰۶۔ ملندرا نام کشمندر کی کتاب اودان کلپلت میں اور تبتی زبان کی کتابوں میں آتا ہے؛

یوچی کی قوم کا سک قوم کو نکال باہر کرنا

یوچی نام ایک خانہ بدوش قوم جس کی نقل و حرکت کا ذکر آئندہ باب میں زیادہ تفصیل سے آئے گا۔ وہ ۱۶۵ق م میں شمال مغربی چین سے نکالے گئے[1]۔ اور ان کو مجبوراً مغرب کی طرف صحرا کے شمال میں نقل مکان کرنا پڑا۔ تھوڑی مدت بعد ۱۶۰ق م میں ان کی مڈبھیڑ ایک اور خانہ بدوش قبیلے سے ہوئی جس کا نام سک یا سے تھا۔ اور جو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے دریائے جیحون (سیر دریا) کے شمالی علاقوں میں آباد تھا۔

باختر پر خانہ بدوش قبیلوں کا حملہ۔

سک قوم مع اپنے ہم نسل قبائل کے جنوب کی طرف ہٹنے پر مجبور ہوئی[2]۔ اور بالآخر شمال کی طرف سے غالباً ایک سے زیادہ راستوں سے ہندوستان میں داخل ہوئی۔ ان خانہ بدوش قبائل کے حملے کا سیلاب مغرب میں بھی پھیلا اور ۱۴۰ و ۱۲۰ق م کے درمیانی عرصے میں پارتھیا اور باختر پر ایک بارگی ٹوٹ پڑا۔ پارتھی بادشاہ فراٹیز ثانی جو متھراڈیٹس کا جانشین تھا ان خانہ بدوشوں سے لڑتا ہوا ۱۲۸ق م میں مارا گیا۔ اور اس کے چار سال بعد ہی حشرارتبنس اول کا ہوا جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ اس کے بعد یونانی سلطنت جو غالباً اس کے قبل ہی پارتھی یا ایرانی طاقت کے عروج پکڑنے کی وجہ سے بہت کچھ کمزور ہو چکی تھی اب بالکل معدوم ہو گئی۔ آخری یونانی باختری بادشاہ ہیلیوکلیز تھا۔ اور اس کے بعد ہندوکش کے شمالی علاقے سے

---

[1] چینی علماء عام طور پر ۱۶۵ق م کا سن دیتے ہیں۔ فرینک نے یوچی کی شکست کا سن تقریباً ۱۷۰ق م لکھا ہے۔ [2] سک قوم کے جنوب کی طرف نقل مکان کرنے کی تاریخ اس کے خیال کے مطابق ۱۷۴ اور ۱۶۰ق م کے بین بین ہے۔ مگر بہرحال دوسرے سال قریب تر ہے۔ (بیٹریگ زُر کنٹنس ڈرٹرک فولکر صفحہ ۲۹ و ۵۵)۔

یونانی سلطنت ہمیشہ کے لئے کالعدم ہوگئی ؛

سک قوم کا سیستان وغیرہ پر قبضہ

دریائے ہلمند (اریمینڈس) کی وادی پر جس کو آج کل سیستان کہتے ہیں۔ اور سکستینے یعنے "ملک سک" کے نام سے مشہور تھا۔ بہت عرصے قبل ہی سک قوم نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح کے نقل مکان کرنے والوں کی رو ہی اس صوبے تک پہنچی ہو[1] ؛

اس وحشی قوم کی شاخ نے جو دروں کے راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئی پنجاب میں ٹکسلا کے مقام پر اور دریائے جمنا کے کنارے متھرا میں اپنی بستیاں بسائیں۔ اور یہیں غیر ملکی بادشاہ کے سترپ کے لقب سے ایک صدی سے زیادہ عرصے تک ظاہرا طور پر پارتھی طاقت کے ماتحت حکمراں رہی ؛

اس وقت کے کچھ بعد اسی قبیلے کا ایک حصہ پہلی صدی عیسوی کے درمیان میں جنوب کی طرف بڑھا اور سراشتریا کا ٹھیاواڑ کے جزیرہ نما پر قابض ہو گیا۔ یہاں اس نے ایک سک خاندان کی بنیاد ڈالی جو تقریباً ۳۹۰ء تک جب کہ چندر گپت ثانی بکرماجیت نے اسے برباد کیا۔ قائم رہا ؛

ٹکسلا اور متھرا کے سترپ

سٹریٹو اول سوٹر کابل اور پنجاب کا ایک یونانی بادشاہ تھا۔ اور ایک حد تک ہیلیوکلیز کا ہمعصر بھی تھا۔ اس کا پوتا سٹریٹو ثانی فلوپیٹر اس کا جانشین ہوا جس کو بظاہر ٹکسلا کے مقام پر چند غیر ملکی سترپوں نے جو ممکن ہے کہ سک ہوں یا نہ ہوں بے دخل کر دیا۔ متھرا کے سترپوں کا ٹکسلا کے سترپوں سے

---

[1] سر ہنری میک مہین کے خیال کے مطابق "سیتھیا (یا سک) قوم ۲۷۵ء ق م کے قریب نکالی گئی تھی (جیا گریفیکل جرنل ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۰۹) ؛

نہایت قریبی تعلق تھا۔ اور دونوں تھے بھی ایک دوسرے کے ہمعصر۔ یعنے ۵۰ سنہ ق م یا اس کے لگ بھگ[1]۔ ان کے نام ایرانی معلوم ہوتے ہیں۔

پارتھیا سے تعلقات سک اور قبائل متعلقہ کی نقل و حرکت بہت بڑی حد تک ایران کے اشکانی خاندان کی ترقی و عروج کے ساتھ وابستہ ہے۔ متھرا ڈیٹس اول (تقریباً ۱۷۱-۱۳۶ ق م) ایک نہایت لائق بادشاہ تھا۔ اور کچھ عرصے تک یوکرے ٹائڈیز کا ہمعصر بھی تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو یہاں تک وسیع کر لیا کہ اس کی طاقت کا اثر دریائے سندھ اور غالباً اس کے مشرقی کنارے تک محسوس کیا گیا۔

---

[1] ٹکسلا کا سب سے پہلا سترپ جس کا نام معلوم ہے لیک تھا۔ اس کا بیٹا پٹک تھا۔ ۷۸ سنہ ق م میں لیک براہ موگ بادشاہ کا ماتحت تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سکوں کا میوس یا ماش ہے۔ ۷۰ سنہ ق م میں متھرا کا سترپ سوداس سترپ راجوول کا بیٹا تھا۔ جس کے آخری عہد حکومت کے سکوں میں سٹریٹو ثانی کی نقل اتاری گئی ہے۔ وہ سن یا سنین جن سے ان تاریخوں کا تعلق ہے اب تک معلوم نہیں ہو سکے۔ راجول ان سترپ ہکا اور ہکاماش (بھائی) کا جانشین تھا جنھوں نے دیسی راجاؤں گومتر۔ رام دت وغیرہ کو بےدخل کیا تھا جن کے سکے پائے جاتے ہیں۔ دونوں سٹریٹو کے سکوں کی تصریح جن کا عرصہ کم و بیش (۷۰) سال کا ہے ریپسن نے کی ہے۔ رکرو لائیو مسمیٹکا۔ صفحہ ۲۴۵ آکسفورڈ ۱۹۰۶ء)۔ ڈاکٹر ووگل نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ راجول اور سوداس کا بیٹا ممکن ہے کہ ہوشکا کے ماتحت ہوں۔ جو میرے نقشہ سنین کے مطابق ۱۲۳ء میں تخت پر بیٹھا تھا۔ (آرکی لوجیکل سروے پراگریس رپورٹ ۱۹۰۷-۱۹۰۶ء۔ نارد رن سرکل صفحہ ۹)۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو ۷۲ سنہ سک سن ۱۵۰ء کے ہوگا۔ مگر اس میں قباحتیں ہیں۔

اردوسئیس کے اس صاف وصریح بیان کے متعلق کسی قسم کے شک کی گنجایش نہیں معلوم ہوتی کہ ڈیمیٹریس کے جنرل کی شکست اور بابل پر قبضہ کرنے کے بعد متھراڈٹیس اول نے دریائے سندھ اور دریائے ہائی فے سس یعنے جہلم کے درمیان کی تمام اقوام کے علاقوں کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کرلیا۔ متھرا اور ٹکسلا کے سردار اگر اپنے آپ کو ایرانی یا پارتھی بادشاہ کے زیر فرمان تصور نہ کرتے تو وہ ہرگز ہرگز ستریپ کا خالص ایرانی خطاب اختیار نہ کرتے۔ اس کے علاوہ اس وقت پارتھی سلطنت اور ہندی سرحد کے قریبی تعلقات کا پتہ اس بات سے ملتا ہے۔ کہ اب اسی زمانے میں پارتھی نسل کے بادشاہوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہوتا ہے[1]؎

میوس بظاہر ان ہندی پارتھی بادشاہوں میں سے سب سے پہلا میوس تھا۔ جو غالباً ۱۲۰ء ق م میں پنجاب کا مالک بنا۔ اور شہنشاہ اعظم کا لقب اختیار کیا۔ جو اس سے قبل سب سے پہلے متھراڈٹیس اول یا ثانی نے اختیار کیا تھا۔ اس کے سکے بہت کچھ ان دونوں بادشاہوں کے سکوں کے مشابہ ہیں۔ یہ سکے اس پارتھی سرحدی سردار کے سکوں سے بھی ملتے جلتے ہیں جو اپنے آپ کو ارسکیز عقیوس کہتا ہے۔ بادشاہ موگ جس کا ماتحت ٹکسلا کا ستریپ تھا بالعموم ایک شخص کے ساتھ ملایا جاتا ہے جس کا نام سکوں میں مضاف الیہ کی صورت میں لکھا ہوا ہے[2]؎

---

[1] متھراڈٹیس اول کی حکومت کی صحیح مدت معلوم نہیں۔ جسٹن (باب ۴۱ فصل ۶) بیان کرتا ہے کہ "عین اسی زمانے میں جب متھراڈٹیس پارتھیا میں بادشاہ ہوا یوکریٹائڈیز باختر کا بادشاہ بنا۔ اور یہ دونوں کے دونوں بڑے آدمی تھے" اوروسئس کی عبارت ہے :- . . . .
یہ واقعہ غالباً ۱۳۸ء ق م کا ہے جبکہ متھراڈٹیس کا عہد حکومت ختم ہونے والا تھا؎

[2] فان سیلٹ :- "نیح فولگر" صفحہ ۱۴۰۔ فان گشمڈ میوس یا ناس کے نام کا مقابلہ ٹاکیز سے

کرتے تھے ذکر کا بھی سب سے بہتر موقع اور محل یہی ہے۔ مغربی یا ساحل مالابار کے "سینٹ ٹامس کے عیسائیوں" کی روایات کے بموجب یہ رسول ۵۲ء میں سکوترا سے آیا۔ اسی ساحل پر کرنیکا نور (پری پلس اور پلنی کا فرس) کے مقام پر اترا۔ اور اس صوبے میں سات مرکزی مقامات کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد وہ معبر یا ساحل کارومنڈل پر چلا گیا اور یہیں میلاپور کے مقام پر اس کو شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد کے مذہبی تعصبات اور اذیتوں نے کارومنڈل کے ساحل سے عیسائیت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ بشپ میڈلی کاٹ نے ایک نہایت عالمانہ رسالے میں اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام روایت تاریخی ہے۔ مگر میرے خیال میں اس کی یہ کوشش بالکل بے سود رہی ہے "اعمال سینٹ ٹامس" کی روایت کی طرح میلاپور کے مشہد کی حکایت بھی محض مصنوعی اور فرضی قصہ ہے۔ اور مالابار کے عیسائیوں نے "اعمال" کی روایت کو اپنے ملک پر منطبق کرنے میں کسر نہیں کی۔ لیکن خواہ مزدئی کی سلطنت یا میلاپور کے قریب رسول کے مفروضہ مشہد کو تاریخی شہادت کے قرین قیاس سمجھ کر رد کر دیا جائے۔ لیکن اتنا ضرور قابل تسلیم ہے کہ اس زمانے کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ رسول کا جنوبی ہند میں بذات خود آنا بالکل ممکن ہے اور علاوہ بریں اس کا سکوترا کی جانب سے جہاں بلا شک و شبہ قدیم زمانے سے عیسائیوں کی ایک آبادی موجود تھی۔ آنا بھی کچھ بعید از قیاس نہیں۔ اس کے ذاتی طور پر آنے کے واقعے کو نہ تو ثابت ہی کیا جا سکتا ہے نہ وہ رد ہی ہو سکتا ہے مجھ کو اب اس امر کا اطمینان ہو گیا ہے کہ جنوبی ہند کی عیسائیت بہت قدیم ہے۔ خواہ اس کو سینٹ ٹامس نے خود قائم کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور یہ کہ بہت زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس کا قیام تیسری صدی عیسوی میں ہوا ہوگا۔ مسٹر ملنیے کا یہ کہنا کہ جنوبی ہند میں عیسائیت کا قیام ان واعظوں کے ذریعے سے

ہوا جو پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی میں دریائے دجلہ کے کنارے سے آئے بہت کچھ بے وجہ ہے۔

بعد کے ہندی یونانی بادشاہ۔

خانہ بدوش اور پارتھی حملوں کے شروع ہونے کے دو صدی بعد تک ہندوستان کی سرحد کا شمالی حصہ جس میں غالباً وادی کابل وسوات اور پشاور کے شمال اور شمال مغرب کے قرب وجوار کے چند اضلاع اور مشرقی پنجاب شامل تھے مقامی یونانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہے۔ جو خواہ خود مختار ہوں یا پارتھی طاقت کے زیر نگین چاندی اور کانسی کے سکے ڈھالنے کے مجاز ضرور رہتے تھے۔

تقریباً سنہ ۲۰ء ہرمیاس اور کڈفائسس اول

ان ہندی یونانی بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ ہرمیاس تھا۔ جس کو یوچی یا کشان سردار کڈفائسس اول نے سنہ ۲۰ء میں مغلوب کیا۔ اسی وقت اس باہمت بادشاہ نے کابل کو فتح کرکے اسے یوچی سلطنت کے ساتھ ملحق کیا[1]۔ اول اول اس یوچی بادشاہ نے اپنے اور یونانی بادشاہ دونوں کے نام سے سکے مضروب کرائے۔ اس طرح کہ ان سکوں کی پشت پر ہرمیاس کی تصویر اور یونانی عبارت کندہ کرائی۔ تھوڑی مدت بعد اگرچہ اس نے تصویر بدستور سابق قائم رکھی۔ مگر عبارت میں اس کی جگہ اپنا نام اور خطاب لکھنا شروع کیا۔ آگے چل کر اس نے ہرمیاس کی تصویر کو بھی نکال ڈالا اور اس کی جگہ آگسٹس کی بڑھاپے کی تصویر کو منقوش کرایا اور اس طرح اس قیصر کی بڑھتی شہرت کے آگے جس نے بغیر کسی قسم کی جنگ و جدل کے محض رومی نام کی تخویف کے برتے پر سنہ ۲۰ ق م میں پارتھیوں کو مجبور کیا کہ وہ جھنڈا

[1] نظام سنین کا ایک تقریباً صحیح خاکہ اس باب کے اخیر میں ضمیمہ میں جدول معاصرین میں ملیگا۔ اس جدول میں صرف زیادہ نام درج کیے گئے ہیں۔

جو انھوں نے تینتیس برس قبل رومیوں سے چھینا تھا واپس کر دیں۔ سر جھکا دیا[1]؛

گڈ فائسس اول کے عہد حکومت کے غالباً اس سے بھی بعد کے وہ سکے ہیں جن میں شاہی تصویر کو بالکل ہی اڑا دیا گیا ہے۔ اور ان میں ایک طرف تو ہندی بیل اور دوسری طرف باختری اونٹ کی شکل منقوش ہے۔ یہ ایسے نشان ہیں جو ایک خانہ بدوش قوم کے ہندوستان کی فتح کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں[2]؛

سکوں کی شہادت کے معنی اور مقصد

اس طرح سکوں کی شہادت سے اس زمانے کی سیاسی تاریخ پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بتدریج یونانی بادشاہ وسط ایشیا کے جنگلی خانہ بدوش قبائل کے ہاتھ سے برباد اور تباہ ہوئے؛

ہندوستان اور یونان کا تعلق

ایک یوروپین مورخ کے لیے جس کا دل و دماغ ان بے شمار احسانات کے احساس سے پر ہو جو یونانی علوم و فنون نے موجودہ تہذیب پر کئے ہیں یہ ناممکن ہے کہ اس موقع پر ہندوستان میں یونانی بادشاہوں کو دفن کرتے ہوئے یہ خیال اس کے دل میں نہ آئے کہ آخر ہندی اور یونانی باہمی تعلقات کا نتیجہ کیا ہوا۔ کیا ہندوستانیوں کی نظر میں سکندر اعظم کا درجہ محض ایک سواروں کے رسالے کے افسر کا سا تھا جس کے حملے کے سامنے ان کی بڑی سے بڑی فوجیں تنکے کی طرح ہوا میں اڑ جاتی تھیں یا

---

[1] سکوں کی پلیٹ - شکل ۴؛

[2] بارھویں صدی عیسوی میں بھی باختر کا دو کوہانوں کا اونٹ بالائی سندھ میں پایا اور پالا جاتا تھا۔ (الادریسی - منقول از ریورٹی - جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۶۱۔ حصۂ اول (۱۸۹۲ء) صفحہ ۲۲۴)؛

وہ اس کو دیدہ و دانستہ یا محض بے معلوم طور پر مغربی تہذیب کا بشیر اور بہترین قواعد وضوابط کا رواج دینے والا تصور کرتے ہیں؟۔ کیا پنجاب کے یونانی الاصل بادشاہوں کی سالہائے دراز کی حکومت وحشی قبائل کے سامنے بالکل نیست ونابود ہوگئی اور سوائے سکون کے اس نے ملک میں اپنا کوئی اثر باقی نہیں چھوڑا یا اس نے ہندی صنائع وقانون پر یونانی حکومت کا اثر ڈالا اور ان کو تھوڑا بہت بدل دیا؟

ہنٹس کی رائے اس قسم کے سوالات کا جواب نہایت مختلف اور متفرق صورتوں میں دیا گیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ کے مصنفین کا رجحان اس طرف رہا ہے کہ وہ سکندر اعظم کے حملے کے یونانی اثرات اور خود ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد کے ہندی یونانی بادشاہوں کے کارناموں کو مبالغہ اور افراط کی حد تک پہنچا دیں۔ ان سب مصنفین میں پیش پیش ہنٹس ہے۔ اس کو اس امر کا پورا پورا یقین ہے کہ زمانۂ ما بعد کی ہندی ترقیوں کا انحصار بلا واسطہ سکندر کے قوانین وضوابط پر ہے۔ اور یہ کہ چندر اگپتا نے سائلوکس نکیٹر کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ یہ خیالات تاریخی شہادات کے اس قدر اور اس درجہ منافی ہیں کہ ان کی تردید کی بھی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر بعض مشہور ومعروف انگریز مصنفین ایک حد تک ان اقوال وآرا پر ایمان لے آئے ہیں۔ جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ وہ لوگ ہیں جو فطرتی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح یورپ اور ایشیا کا بڑا حصہ یونانی خیالات کے زیر اثر آ گیا تھا اسی طرح ہندوستان بھی یقیناً اس سے متاثر ہوا ہوگا؟

سکندر کا ہندوستان پر برائے نام اثر اسی لئے یہ نہایت مفید کام ہے کہ ہندوستان پر سکندر کے حملے سے لے کر کشان یا ہندی سیتھی قوم کے ملک کو پہلی صدی عیسوی کے اختتام میں فتح کرنے تک جو تمام چار صدی کا عرصہ ہوتا ہے بلا تعصب درو رعایت یہ

غور کیا جائے کہ۔ یونانی اثر کی وسعت ہندوستان میں کہاں تک تھی؟
اس کتاب کے مصنف کی یہ رائے کہ سکندر کی ہندوستانی فوج کشی کے زمانے میں ہندوستان یونان کے زیر اثر نہیں آیا تھا۔ اس کے قبل باب متعلقہ میں مراجعت سکندر بیان کی جا چکی ہے۔ لیکن بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کے سامنے ان چار سو برس کے یونانی اثرات کے مسئلے پر نئے سرے سے غور کر لیا جائے۔ اس مسئلے کے متعلق صحیح اندازہ لگانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سنین کو مدنظر رکھا جائے۔ سکندر ہندوستان میں صرف انیس مہینے ٹھیرا۔ اور اس کے منصوبے اور ارادے کیسے ہی بلند کیوں نہ ہوں یہ بات صریحاً ناممکن ہے کہ اس مختصر سے زمانے میں جس میں کہ اس کو ہمہ تن جنگ و جدل میں مشغول رہنا پڑا وہ یونانی قوانین کو مستقل طور پر قائم و مستحکم کر سکتا۔ یا ہندی سیاست اور معاشرت پر کوئی معتد بہ اثر ڈال سکتا۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس نے ان میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا۔ اور اس کی موت کے دو سال بعد ہی سوائے دریائے سندھ کے میدان کی یوڈیمس کے زیر کمان چند چھوٹی چھوٹی فوجوں کے سوا مقدونی سلطنت کے تمام نشانات مٹ گئے تھے۔ ۳۱۶ق م کے بعد ان کا کہیں نام و نشان تک باقی نہ تھا۔ ہندوستان پر سکندر کے حملے کا اگر کوئی مستقیم اثر موجود ہے تو وہاں سکوں میں ہے جو کوہستان نمک کے راجہ سوبھوتی (سوفیٹیز) نے یونانی سکوں کی نقل میں مضروب کرائے۔ یہ وہ راجہ تھا جس کو سکندر نے اوائل فوجکشی میں زیر کیا تھا؛

سائلوکس نیکیٹر کی ناکامی۔ سکندر کی موت کے بیس سال بعد سائلوکس نیکیٹر نے دریائے سندھ کے مشرق میں مقدونی فتوحات کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکامیاب ہوا۔ اور بہ جبر و اکراہ نہ صرف اس کو ان تمام صوبوں سے دست بردار ہونا پڑا جن پر سکندر نے وقتی طور پر قبضہ کر لیا تھا۔ بلکہ دریائے سندھ کے

مغرب میں آریانہ کے صوبے کا ایک بڑا حصہ بھی اُسے چندرا گپتا موریا کے حوالے کر دینا پڑا۔ ہندی انتظام مملکت اور معاشرت جس کو سائلوکس کے سفیر مگاس تھنیز نے اس خوبی سے بیان کیا ہے ہندی الاصل ہے۔ اس میں ایرانی اثر کا شائبہ کہیں کہیں ضرور پایا جاتا ہے۔ مگر یونانی اثر کا کہیں نام نہیں[۱]۔ یہ خیال کہ ہندوستان کی آئندہ ترقیوں کا انحصار کسی نہ کسی طرح سکندر کے قوانین پر تھا واقعات کے بالکل منافی ہے۔

موریا سلطنت سکندر کی موت کے اسّی یا نوے برس بعد تک شاہان موریا کی زبردست طاقت نے ہندوستان کو ہندیوں کے لئے مخصوص اور اس کو تمام بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ کر دیا۔ ان بادشاہوں نے اپنے ہمسایہ یونانی بادشاہوں کے ساتھ بالکل برابری کا سلوک کیا۔ دراصل دیکھا جائے تو اشوک انٹی آکس اور بطلیموس تک بدھ مذہب کی تعلیمات پھیلانے کا زیادہ دلدادہ تھا بہ نسبت اس کے کہ وہ ان لوگوں سے یونانی خیالات اخذ کرنا چاہتا ہو۔ اگرچہ یہ یقیناً صحیح ہے کہ ہندوستان کی نقاشی اور مصوری نے موریا خاندان کے زمانے میں اسکندری یونانی خیالات کو پیش نظر رکھا۔ لیکن بہرحال یونانی خیالات نے ہندی تہذیب و تمدن پر بالکل برائے نام ہی اثر کیا تھا۔ اور ہندی قوانین میں وہ کسی قسم کا زبردست تغیر و تبدل

[۱] چندرا گپتا کے مقرر کردہ وہ افسر جن کے فرائض "اجنبیوں کی خاطر تواضع اور دیکھ بھال تھی" (سٹریبو باب ۱۵ فصل ۱۔ صفحہ ۵۰) بالکل یونانی افسر پراکسنوئی کے مانند ہیں اور یہ ممکن ہے اگرچہ اب تک اس کا ثبوت نہیں ملا کہ وہ یونان کی ہی دیکھا دیکھی مقرر ہوئے ہوں۔ (ریتوش :- الیسنز آن آرٹ اینڈ آرکی آلوجی۔ صفحہ ۱۲۱۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۰۰)

کرنے میں بالکل ناکام رہا تھا۔

انٹی آکس اعظم کا حملہ سائلوکس کے ناکام واپس جانے کے بعد تقریباً سو سال تک کسی یونانی بادشاہ نے ہندوستان کی طرف رخ نہیں کیا۔ اس کے بعد انٹی آکس اعظم (سنہ ۲۰۶ ق م) موجودہ افغانستان کے کوہستانی علاقے میں سے گذرا اور براہ قندھار و سیستان وطن واپس گیا۔ اس کوچ کے دوران میں اس نے ایک مقامی راجہ سے بہت سا خزانہ اور ہاتھی بطور تاوان جنگ وصول کیا۔ یہ مختصر سی فوج کشی ہندی قوانین پر کچھ زیادہ اثر نہ ڈال سکتی تھی۔ اور زیادہ قرین قیاس تو یہ ہے کہ دریائے سندھ کے مشرقی ہندی بادشاہوں کو اس واقعہ کی اطلاع بھی نہ ہوئی ہوگی۔

بعد کے یونانی حملے اس کے بعد کے دیمٹراس۔ یوکرے ٹائڈیز اور منندر کے حملے جو کچھ تھوڑے وقفے کے بعد آدھی صدی (سنہ ۱۹۰–۱۴۵ ق م) کے دوران میں واقع ہوئے۔ بہت کچھ اندرون ملک تک پہنچے۔ مگر وہ بھی محض ناپائدار اور بے ثبات تھے۔ اور اس لئے انھوں نے ہندوستان کی قدیم اور مستحکم تہذیب و تمدن پر اپنا کوئی اثر نہ چھوڑا ہوگا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ہندی ہیئت داں نے یونانیوں کو "بدچلن بہادر یون" لکھا ہے۔ ہندوستانیوں کے دلوں پر سکندر اور منندر کے حملوں نے صرف یہ اثر کیا کہ وہ ان کو زبردست فوجی افسر سمجھنے لگے۔ مگر انھوں نے ان کو کبھی کسی نئی تہذیب کا علمبردار تصور نہیں کیا۔ اور ممکن ہے کہ ان دونوں کو محض ملیچھ سمجھتے ہوں۔ جن سے کہ وہ خائف ہوں۔ مگر ان سے کچھ حاصل نہ کرنا چاہتے ہوں۔

مشرقی براعظم نے مغربی سرزمین سے تحصیل علم کرنے میں کبھی بہت زیادہ آمادگی ظاہر نہیں کی۔ اور اگر ہندیوں نے جیسا کہ ناٹک اور سنگ تراشی کے معاملات میں ہوا۔ مغربی استادوں سے کچھ حاصل بھی کیا۔ تو اس کو ہندی شکل میں اس طرح ڈھال کر اس کا بھیس بدل دیا کہ

بڑے بڑے نقاد اور عالم ان ہندی نقالوں کی اختراع کے قائل ہو گئے[1]؎

پنجاب پر یونانیوں کا قبضہ

پنجاب یا اس کا بڑا حصہ معہ گردو نواح کے علاقے کے کم و بیش دو سو برس تک یونانیوں کے قبضے میں رہا۔ یعنے ڈیمیٹراس (تقریباً ۱۹۰ قم) سے لے کر کشانی قوم کے ہاتھوں ہرمیاس کے شکست پانے (تقریباً ۲۰ء) تک اور اس وجہ سے ان ہی علاقوں میں ہم کو یونانی اثر اور علامات کا زیادہ متوقع ہونا چاہیئے۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ یہاں بھی یونانی آثار بہت ہی کم اور نامعلوم ہیں۔ سکوں کے سواجن پر ایک طرف یونانی زبان کی عبارت ہوتی تھی۔ اور صریحاً یونانی نمونے پر تیار ہوتے تھے۔ اگرچہ ڈیمیٹراس اور یوکرے ٹائڈیز کے زمانے سے ان پر دونوں زبانوں کی عبارات ہونے لگی تھیں۔ اور کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جس سے کہ بیرونی سالہائے دراز کی حکمرانی کے اثروں کا پتہ لگتا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ سکوں سے یہ امر بالکل صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایک حد تک ان اجنبی بادشاہوں کے درباروں میں یونانی زبان مستعمل تھی۔ مگر بعد میں سکوں پر دیسی زبان کی عبارت کے لکھے جانے سے

---

[1] مصنف کتاب اب بھی اسی خیال پر قائم ہے کہ ویبر اور ونڈش سنسکرت ناٹک پر یونانی اثرات دکھلانے میں بالکل حق بجانب ہیں۔ دیکھو ویبر:۔ ہسٹری آف انڈین لٹریچر (ٹریونبر صفحہ ۲۱۷)۔ ونڈش:۔۔۔۔۔۔ "ڈر گریخش اینفلس ام انڈشن ڈراما" ۱۸۸۲ء۔ سلوین کا خیال اس کے بالکل برعکس ہے۔ (تھیٹر انڈین صفحہ ۳۴۳-۳۶۶)۔ اور بہت سے علماء اس سے متفق ہیں۔ سنسکرت ناٹک کی اصلیت بالکل ہی مختلف مسئلہ ہے۔ دیکھو:۔ زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۲۵ و ۵۲۶؎

یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس اس سے بالکل نابلد تھے۔ اس زبان کا اب تک کوئی کتبہ دریافت نہیں ہوا۔ اور ہندی کتبات میں اب تک صرف تین یونانیوں کے نام پائے گئے ہیں[۵۱]؀

یونانی تعمیرات کی عدم موجودگی۔ اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ یونانی فن تعمیر نے کبھی ہندوستان میں رواج پایا تھا۔ ٹکسلا کے مقام پر ایک مندر جس میں آیئون کے ستون لگے ہوئے ہیں۔ جس کو ازیس اول کے وقت یعنے تقریباً ۸۰ ق م کا بتایا جاتا ہے پایا گیا ہے مگر عمارت کا نقشہ یونانی نہیں۔ اور یہ ستون جو بالکل دوسرے ملک کے نمونے کے ہیں محض سجاوٹ کی غرض سے لگائے گئے ہیں[۵۲]۔ ہندی یونانی سنگ تراشی کا قدیم ترین

---

۵۱ دیکھو:- جرنل انڈین آرٹ۔ جنوری سنہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۸۹ - جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۹۴۔ تھیوڈور کے اس کتبے کے لیئے جو سوارنت کی وادی میں پایا گیا۔ اس کے علاوہ دوسرے یونانی نام ایک تو ہیلیوڈورس ہے جو بیسنگر کے کتبے میں ملا (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰۵۳ — ۱۰۸۷ — ۱۰۹۳)۔ اور دوسرا آگے سلسوس جو پشاور کے مقام پر کنشک کے صندوقچے پر کندہ پایا گیا۔ (ایضاً صفحہ ۱۰۵۸)؀

۵۲ کننگھم:- آرکی آلوجیکل رپورٹ جلد دوم صفحہ ۱۲۹۔ جلد ۵۔ صفحہ ۶۹–۷۲ و ۱۹۰۔ پلیٹ ۱۷ و ۱۸۔ بنیاد کے "بڑے تانبے کے سکے" یقیناً ازیس اول کے زمانے کے ہیں (ڈی۔ اے سمتھ کا مضمون۔ "گریکو رومن انفلوئنس آن دی سولیزیشن آف اینشنٹ انڈیا" جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ سنہ ۱۸۸۹ء جلد ۵۸۔ حصہ ۱ صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۵) مسٹر گراؤس نے تراشے ہوئے پتھر کا ایک ٹکڑا متھرا کے مقام پر پایا تھا" جس میں آیئونی ستون پر ایک محراب قائم کی گئی تھی"۔ (متھرا۔ تیسری ایڈیشن صفحہ ۱۷۱) کننگھم نے جلال آباد کے اہنپوش کے ستوپ کے رومی آیئونی ستون کا ٹکڑا شائع کیا تھا (پروسیڈنگس۔ اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۷۹ء صفحہ ۲۰۹)؀

نمونہ بھی اسی یعنے ازیس اول کے زمانے کا ہے[۱]۔ اور سکندر کا تو کیا ذکر ہے سنگ تراشی کو ایسا نمونہ بھی نہیں ملتا جو ڈمٹیراس۔ یوکریٹائڈیز یا منندر کے وقت کا کہا جا سکے۔ گندھر یعنے پشاور کے گرد و نواح کے علاقے کی سنگ تراشی کے نمونے بہت بعد کے زمانے کے ہیں۔ اور یونانی رومی الاصل ہیں ؏

خاتمہ۔ اس تمام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ سکندر۔ انٹی اُکس اعظم۔ ڈمٹیراس۔ یوکریٹائڈیز اور منندر کے حملے خواہ حملہ آوروں کے منصوبے کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ درحقیقت محض یورشیں تھیں اور انھوں نے اپنا کوئی پائدار اثر نہیں چھوڑا۔ پنجاب اور اُس نواح کے دوسرے علاقوں پر طویل مدت تک یونانی حکومت نے بھی ملک میں اس تہذیب کے پھیلانے میں کچھ مدد نہ دی۔ یونان کے سیاسی قوانین۔ اور فن تعمیر کو ہندوستان میں رد کر دیا گیا۔ اگرچہ نقاشی میں کچھ تھوڑا بہت اس کا اثر ضرور پڑا۔ یونانی زبان سے دربار کے لوگ عام طور پر ذرا واقف ہوں گے۔ یونان کے علم ادب سے بھی دیسی حکام تھوڑے واقف ہوں گے کیونکہ سلطنت کے کاموں کے لیئے ان کو یہ زبان سیکھنی پڑی تھی۔ مگر بہرحال یہ زبان عام نہ تھی۔ اور یونانی مصنفین نے جو اثر کہ ہندی علم پر کیا اس کا اثر زمانے کے آخر ہی میں جا کر واضح ہوتا ہے۔ اس کے بعد کا اور اس سے زیادہ اہم یونانی رومی اثر پر آئندہ باب میں بحث کیجائے گی[۲] ؏

---

[۱] وہ بت پلیس الغفینی کی شکل میں تراشا ہوا ہے۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی مضمون مذکورۂ بالا صفحہ ۱۲۱۔ پلیٹ ۷) شکل سے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک یونان دہان کو ظاہر کیا جائے ؏

[۲] جو رائے کتاب میں ظاہر کی گئی ہے وہ بالعموم اس رائے کے مطابق ہے جو مسٹر ٹرن نے اپنے مضمون نوٹس آن ہیلنزم ان بکٹیریا اینڈ انڈیا" میں ظاہر کی ہے (جرنل ہیلنگ سٹڈیز ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۹۳-۲۶۸) ؏

ضمیمہ ز

باختری اور ہندی یونانی بادشاہوں اور بیگمات کی فہرست بلحاظ حروف تہجی[1]

سلسلہ نشان	نام	یونانی لقب یا خطاب	کیفیت
۱	اگتھوکلیا	تھیوٹروپوس	غالباً سٹریٹو اول کی ماں۔ اور اس کی نابالغیت کے زمانے میں اس کی نائب تھی ؛
۲	اگتھوکلیز	ڈیکئوس	غالباً پنٹلون نشان ۲۸ کا جانشین تھا اور یوتھی ڈیمس اول یا ڈیمیٹریس کا ہمعصر تھا ؛
۳	امنٹس	نیکیٹر	ہرمیاس کے ذرا پہلے تھا ؛
۴	انٹی الکیڈس	نیکیفورس	یوکریٹائڈیز کا اوائل میں ہمعصر تھا تقریباً ۱۷۰ ق م۔ بظاہر ٹکسلا کا بادشاہ تھا ؛

[1] یہ فہرست خان سیلٹ کی فہرستوں پر مبنی ہے۔ مگر ان کو مکمل کر لیا گیا ہے۔ بہت سے مذکورۂ بالا بادشاہوں کی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت اس قدر دھندلی ہے۔ کہ فہرست کو حروف تہجی کے لحاظ ہی سے مرتب کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے ؛

سلسلہ نشان	نام	یونانی لقب یا خطاب	کیفیت
۵	انٹی میکس اول	تھیوس	غالباً کابل میں ڈیوڈرس ثانی (نمبر ۱۳) جانشین تھا؛
۶	انٹی میکس ثانی	نیکیفورس	یوکرے ٹائڈیز (نمبر ۱۷) کے بعد یا غالباً اس کا ہمعصر تھا؛
۷	اپالوڈوٹس	سوٹر۔ میگس۔ فیلوپیٹر[ا]	غالباً یوکرے ٹائڈیز کا بیٹا تھا۔ اور تمام ہندی سرحد کا بادشاہ تھا؛
۸	اپالوفینس	سوٹر	مشرقی پنجاب میں سٹریٹو اول یا ثانی کا ہمعصر تھا؛
۹	آرلیباس	دیکئوس نیکیفورس	غالباً اس کا تعلق ہیلیوکلیز سے تھا؛
۱۰	آرٹی میڈراس	انی کیٹاس	منندر کے بعد تھا؛
۱۱	ڈیمیٹرائس	انی کیٹاس	یوتھی ڈیمس اول (نمبر ۱) کا بیٹا تھا؛
۱۲	ڈیوڈوٹس اول		سکے دریافت نہیں ہوئے۔ غالباً ۲۴۵-۲۵۰ ق م؛
۱۳	ڈیوڈوٹس ثانی	سوٹر	نمبر ۱۲ کا بیٹا تھا؛
۱۴	ڈیوڈٹیس	سوٹر	بظاہر اس کا تعلق یوکرے ٹائڈیز سے تھا؛
۱۵	ڈیونی سئاس	سوٹر	اپالوڈوٹس کے بعد تھا؛
۱۶	اپینڈر	نیلیفورس	یوکرے ٹائڈیز (نمبر ۱۷) سے غالباً بعد تھا؛

[ا] کننگھم (نیومسمیٹک کرانکل ۱۸۷۰ء صفحہ ۸۱) - کارڈنر (بی - ایم - کیٹلاگ صفحہ ۳۴) اسے سوٹر اور اے - فیلوپیٹر کو جدا جدا قرار دیتا ہے - اور ریپسن تقریباً اس خیال سے متفق ہے؛

نشان سلسلہ	نام	یونانی لقب یا خطاب	کیفیت
۱۷	یوکرے ٹائڈیز	میگس	متھر ڈیٹس اول کا ہمعصر تھا ۔ ۱۷۵-۱۵۶ سنہ ق م ؛
۱۸	یوتھی ڈیمس اول	.	ڈیوڈرس ثانی (نمبر ۱۳) کے بعد تھا تقریباً سنہ ۲۰۰-۲۳۰ ق م ؛
۱۹	یوتھی ڈیمس ثانی	.	غالباً (نمبر ۱۱) کا بیٹا تھا ؛
۲۰	ہیلیو کلیز[1]	ڈیکئوس	نمبر ۱۱ کا بیٹا اور آخری باختری تاجدار ؛
۲۱	ہرمیئاس	سوٹر	کابل کا آخری ہندی یونانی تاجدار تقریباً سنہ ۔ء سے سنہ ۲۰ء ؛
۲۲	ہپاسٹر ٹیاس	سوٹر ۔ میگس	غالباً اپالوڈوٹس کا جانشین ہوا ؛
۲۳	کیلئیاپ	.	ہرمیئاس کی ملکہ ؛
۲۴	لوڈکے	.	یوکرے ٹائڈیز کی ماں تھی ؛
۲۵	لیسئاس	انی کیٹاس	انٹی الکیڈس (نمبر ۴) کا پیشرو تھا ؛
۲۶	منثدر	سوٹر ۔ ڈیکئوس	یوکرے ٹائڈیز کے بعد تھا ۔ تقریباً سنہ ۱۵۵ ق م میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا ۔ مگر کارڈنر کا خیال ہے کہ وہ سنہ ۱۱۰ ق م میں گذرا تھا ؛
۲۷	نیکئس	سوٹر	یوکرے ٹائڈیز کے بعد ۔ اس کے سکے صرف ضلع جہلم میں پائے جاتے ہیں (پنجاب گزیٹیر مضمون جہلم) ؛

[1] گارڈنر (بی ۔ ایم ۔ کیٹلاگ صفحہ ۱۹) ہیلیو کلیز معلوم ہوتا ہے کہ یوکرے ٹائڈیز کے باپ اور بیٹے دونوں کا نام تھا ؛

سلسلہ نشان	نام	یونانی خطاب و لقب	کیفیت
۲۸	نیٹلون		یوتھی ڈمیس اول یا ڈیمیٹراس کا ہمعصر تھا۔ غالباً اگتھوکلیز (نمبر۲) کا پیشرو تھا۔ سنہ ۱۹۰ ق م ؛
۲۹	ہیوکلئوس	دکئوس۔ سوٹر	ہیوسٹرمیٹاس کا ہمعصر تھا۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۹۵ء حصہ اول صفحہ ۱۳۱) ؛
۳۰	فلااسفیاس	انی کیٹاس	غالباً انٹی آکس ثانی (نمبر۶) کا جانشین تھا ؛
۳۱	پلیٹو[1]	ایپی فنیز	سنہ ۱۶۵ ق م۔ یوکریٹائڈیز (نمبر۱۷) کا ہمعصر۔ اور غالباً سیستان کا بادشاہ تھا ؛
۳۲	(؟) پولکساس	ایپی فنیز۔ سوٹر	نیومسمیٹک کرانل ۱۸۹۶ء صفحہ ۲۶۹ پروفیسر ریپسن کو اس عجیب و غریب سکے کی اصلیت میں شبہ ہے ؛
۳۳	سٹریٹو اول	سوٹر۔ ایپی فنیز ڈیکئوس	ہیلیوکلیز کا ہمعصر تھا۔ مدت مدید تک حکومت کی ؛
۳۴	سٹریٹو دوم	سوٹر	نمبر ۳۳ کا پوتا تھا ؛
۳۵	ٹیلی فوس	یوارگٹیز	جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۹۵ء حصہ اول صفحہ ۱۲۰ ؛
۳۶	تھیوفلس	ڈیکئوس	جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۹۷ء حصہ اول صفحہ ۱۔ لسیاس سے اس کا تعلق تھا ؛
۳۷	زئیلوس	سوٹر۔ ڈیکئوس	بظاہر اپالوڈوٹس سے بعد تھا۔ اور ڈئنی شاس کا تقریباً ہمعصر تھا۔ اور غالباً مشرقی پنجاب میں حکمراں تھا ؛

[1] پلیٹو کے سکے کے حروف سے یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ ان سے سائکوس شکلہ مطابق سنہ ۱۶۵ ق م مراد ہے۔ دیکھو سائکس "ٹن تھا وزند ا ئلز ان پرشیا صفحہ ۳۶۳" ؛

ضمیمہ س

جدول شاہان ہمعصر تقریباً ۲۸۰ ق م یا تقریباً ۲۳۶ ق م

(ملک شام اور خاندان موریا کے سوا اور تمام سنین غیر تیقن ہیں)

ق م	شام	باختر	پارتھیا (ایران)	شمال مغربی ہندی سرحد پنجاب - کابل	اندرون ہند	کیفیت
۲۸۰ ق م	انٹی آکس سوٹر (تخت نشینی)					
۲۶۲ یا ۲۶۱ ق م	انٹی آکس تھیوس ایضاً					
تقریباً ۲۵۰ ق م	....	ڈیوڈوٹس اول (تخت نشین)		موریا خاندان	خاندانِ موریا	
۲۴۸ ؍؍	....	....	ارشکان اول (تخت نشین)			
۲۴۶ ؍؍	سائلوکس کلی نی کس (انٹی آکس ہیراکس اس کا حریف)					
۲۴۵ ؍؍	....	ڈیوڈوٹس ثانی تخت نشین				اشوک کی موت
۲۳۲-۲۳۱ ؍؍	....	....	....	....	....	

ق - م	شام	باختر	پارتھیا (ایران)	شمال مغربی ہندی سرحد - پنجاب - کابل -	اندرون ہند	کیفیت
تقریباً سنہ ۲۳۰	....	یوتھی ڈیمس تخت نشین	....	....	خاندان موریہ	باختر کی خود مختاری تسلیم کی گئی
سنہ ۲۲۳	انٹی آکس ثالث (اعظم)					
،، سنہ ۲۰۹	....	....	....	....		....
سنہ ۲۰۶	....	....	....	....		
،، سنہ ۲۰۵				ڈیمٹرس - انٹی میکس - پنٹلون یوتھی ڈیمس ثانی اگتھو کلیز		
سنہ ۱۹۰	....	....	....	....		
سنہ ۱۸۷	سائلوکس فیلو پیٹر					
سنہ ۱۸۴	....	....	....	....	پشیہ متر تخت نشین	
تقریباً سنہ ۱۷۵	....	یوکرے ٹائڈیز تخت نشین				
،، سنہ ۱۷۴	....	....	متھرڈیٹس اول تخت نشین			
سنہ ۱۶۵	....	پلیٹو (یوکرے ٹائڈیز کا حریف)	....	مننڈر		
سنہ ۱۵۶	....	ہیلیوکلیز		اپالوڈوٹس		
،، سنہ ۱۵۵	....	....	....	....	....	مننڈر کا ہندوستان پر حملہ
،، سنہ ۱۴۸	....	....	....	....	اگنی متر تخت نشین	

ق م	شام	باختر	پارتھیا (ایران)	شمالی مغربی ہندی سرحد پنجاب - کابل	اندرون ہند	کیفیت
تقریباً ۱۲۰-۱۲۸	......	باختری خاندان کا خاتمہ	......	مختلف یونانی شہزادے	......	باختر وغیرہ پر سکاقوم کا تسلط
۱۳۶ ,,	......	......	فرہاد ثانی			
۱۲۴ ,,	......	......	متھرادتیس ثانی			
۱۲۳			(تخت نشین)			
تقریباً ۱۲۰	......	......	......	مترشیوا اول دمیاس تخت نشین مترشیوا ثانی (مغربی پنجاب)		
۱۱۵ ,,	......	......	......	دونونیس (تخت نشین) مختلف یونانی شہزادے		
۹۰ ,,	......	......	......	ازیلیز اول (تخت نشین)	بسودیو تخت نشین	
۷۰ ,,	......	......	......	(ازاکوسیز)		
۵۰ ,,	......	......	......	ٹکسلا اور متھرا کے ستریپ		
۱۰ ,,	......	......	......	ہرمیاس (تخت نشین)		
۲۰ع ,,	......	......	......	ہرمیاس کو کشان قوم نے شکست دی۔		
۲۱ع	......	......	......	گنڈوفریس تخت پر بیٹھا	......	سینٹ ٹامس
۴۰ع ,,	......	......	......	گنڈوفریس کی موت		

تمت

ضمیمہ ش

سینٹ ٹامس کے عیسائی

کتابیں جن کے حوالے دیئے گئے

اس ضمیمہ میں اس کا بیان اور ثبوت دوں گا جس کا ذکر متن کتاب میں ہوا ہے۔ اور کتاب کے طبع دوم کا بیان اس سے مختلف ہے۔ سینٹ ٹامس کے متعلق تمام روایت اور جنوبی ہند میں "سینٹ ٹامس کے عیسائیوں" کی اصلیت کے مسائل پر پوری اور مفصل بحث کرنا بالکل ناممکن ہے۔ اس کی بابت مندرجۂ ذیل کتب معہ مصنفین بیان کردی جاتی ہیں:۔

۱۔ جی۔ ٹی میکنزی: "ہسٹری آف کرسٹینٹی ان ٹراونکوڑ" طبع سوم۔ منقول فی دی ٹراونکور سٹیٹ مینول ۱۹۰۶ء جلد ۲ صفحہ ۲۱۹-۱۱۴ء

۲۔ جی۔ ملنے ری:۔ دی سیرین چرچ ان انڈیا (بلیک وڈ ۱۸۹۲ء)

۳۔ بشپ اے۔ ای۔ میڈلی کاٹ:۔ انڈیا اینڈ دی اپاسل ٹامس (نٹ ۱۹۰۵ء)

۴۔ ڈبلیو۔ جے۔ رچرڈس:۔ دی انڈین کرسٹینی اور سینٹ ٹامس (ہمسروس ۱۹۰۸ء)

ساٹ گرجا

رچرڈس (صفحہ ۷۷) نے سینٹ ٹامس کے قائم کردہ سات گرجوں کے حسب ذیل نام گنوائے ہیں:۔

(۱) کوسٹ کا ٹیل۔ (۲) گوکننگلم۔ (۳) نرنم۔ (۴) چیل۔ (۵) کرو کینی۔ (۶) کوئلن۔ (۷) پلور۔ میکینزی نے بھی یہی فہرست دی ہے۔

صرف ہجوں میں اختلاف ہے۔ مگر اس نے بجائے کر کینی کے ملینکر لکھا ہے۔ ری (صفحہ ۳۶۱) نے حسب ذیل فہرست دی ہے:۔
(۱) کرینگنور۔ (۲) گولن۔ (۳) پلور۔ (۴) پرور۔ (۵) جنوبی پلیپورم یا کولمنگلم۔ (۶) نیرنم۔ (۷) نلکل۔ جو جیل یا شیل بھی کہا جاتا ہے۔ اور رچرڈس خود مفصلۂ ذیل بیان کے لئے ذمہ دار ہے:۔

> "سینٹ ٹامس کے سات گرجاؤں میں سے ایک گرجا ٹراونکور کی مشرقی پہاڑیوں میں جیل کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ مگر وحشی جانوروں کی تکلیف دہی کی وجہ سے مدت ہوئی کہ اس کو ترک کر دیا گیا۔ مگر آثار اب تک باقی ہیں۔ اور آثار قدیمہ کے ماہرین کی محنت اس پر رائیگاں نہ جائے گی۔ (صفحہ ۹۱)"

میں ان فہرستوں کے اختلاف کی کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتا۔ اور نہ جیل (یا نلکل۔ یا شیل) کے مفروضہ گرجا کے کھنڈروں کے متعلق کچھ کہہ سکتا ہوں۔

واقعات جن سے کہ روایت کی تائید ہوتی ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ سینٹ ٹامس نے دو خاندانوں کے افراد کو مذہبی مقتدا بنایا تھا۔ ان میں سے ایک تو شنکر پوری کے مقام پر تھا۔ جو آخر میں تباہ اور بالکل ناپید ہو گیا۔ اور پکلو منٹم کے مقام پر جو انیسویں تک زندہ رہا اور جس نے پرتگیزوں کے زمانے میں ارچ ڈیکن اور ہالینڈ والوں کے زمانے میں اسقف کلیسا کے لئے مہیا کئے (میکنزی صفحہ ۱۳۷۔ رچرڈس صفحہ ۷۶)۔ مسٹر ڈی۔ نگم آیا لکھتے ہیں:۔

> "اس روایت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کہ سینٹ ٹامس ساحل مالابار پر آیا تھا اور اس نے نمبدری کے چند خاندانوں کو

عیسائی کیا جن میں سے چند کو اس نے
مذہبی مقتدا بھی مقرر کیا۔ جیسے کہ شنکرپوری
اور پکلومتم[1] کے خاندان کیونکہ عوام کے دلوں میں
اس روایت کی جگہ کر لینے کی تصدیق میں
رسول ٹامس ہندوستان میں آیا اور اونچی
ذات کے لوگوں میں ان سے تبلیغ بھی کی تھی
اس سے اور زیادہ تصدیق ہوتی ہے کہ
خاص کر کنم کولم کی شامی عیسائیوں کی عورتیں۔
یہ بعینہ ویسا ہی لباس استعمال کرتی ہیں
جیسا کہ نمبدری عورتیں۔ اور راستہ
چلنے میں عوام کی نظروں سے بچنے کے لیئے
ایک بڑی چھتری بھی استعمال کرتی ہیں۔
اور سوائے چند مستثنیٰ کے اور وہ بھی بالکل موجودہ
زمانے میں مخصوص شریفوں کے خاندان
ہی میں وہ شادی بیاہ کرتی ہیں۔ اس جماعت
کی یہ رسوم ساحل کی پرانی روایات کی تصدیق میں
بہت مدد دیتی ہیں۔ (مینول جلد دوم۔ صفحہ ۱۲۲)؎

شہادت۔ اس کے بعد مسٹر آیا نے ابنیز کی حکایت جو "اعمال"
میں پائی جاتی ہے بحث کی ہے۔ مگر اس کو ملائی زبان
کے قلمی مسودے سے رچرڈس (صفحہ ۲۷) نے بہ تصریح بیان کیا ہے؎
سینٹ ٹامس کی شہادت خواہ وہ کسی مقام پر واقع ہوئی ہو

---

[1] رچرڈس نے اس نام کے ہجے "پکلومنتم" لکھے ہیں۔ آیا (مینول
جلد دوم صفحہ ۱۲۲) نے "پکلومتم"۔ مگر مکنزی (کتاب مذکورہ۔ صفحہ ۱۳۷)
نے اُسے پلومتم لکھا ہے۔ غالباً مقدم الذکر صحیح ہے؎

مشتبہ اور مشکوک ہے۔ ہیر کلیون ایک قدیم مصنف جس کا قول کلیمنٹ (سنہ ۲۰۰ء) نے نقل کیا ہے لکھتا ہے۔ کہ ٹامس شہید ہوا ہی نہیں (میڈلی کاٹ صفحہ ۱۴۰)۔ یہ ظاہر ہے کہ رومن کیتھولک فرقے کے لوگ ہیر کلیون کے اس قول پر شبہ و شکوک قائم کرتے ہیں۔ مگر اگر کوئی شخص اس پر اعتبار کرنا چاہے تو اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکتی۔

سکوترا میں عیسائیت جزیرۂ سکوترا میں اس عیسائیت کے وجود کی شہادت جو ایران سے وہاں پہنچی تھی۔ کاسمس انڈکوپلیسٹیز کے قول سے ملتی ہے جس نے اپنی کتاب سنہ ۵۳۵ء میں لکھی تھی۔ اس کے تقریباً ایک ہزار سال بعد (سنہ ۱۵۴۲ء) سینٹ فرانسس زیویر نے اس جسنر یرے میں نام نہاد کی عیسائی جماعتیں دیکھی تھیں۔ جن کا دعویٰ تھا کہ وہ ان لوگوں کی اولاد ہیں جو سینٹ ٹامس کے ہاتھ پر عیسائی ہوئے تھے۔ یہ خیال کہ تھیوفلس بیلفنے جس کو سنہ ۳۵۴ء میں قسطنطین نے بھیجا تھا سکوترا بھی گیا تھا۔ غلط معلوم ہوتا ہے۔ (میڈلی کاٹ صفحہ ۱۳۶ اور ۱۸۰ و ۱۳۱ و ۲۰۱-۱۹۲)۔ میرے نزدیک بشپ میڈلی کاٹ کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ تھیوفلس ہی ساحل مالابار پر آیا تھا۔ اور اسی نے اس علاقے میں عیسائیت کی بنیاد رکھی تھی۔

لنکا کی ایک روایت ہندوستان اور لنکا کی تاریخی روایات کو جب ایک ساتھ پڑھا جائے تو ان سے تیسری صدی عیسوی میں ساحل مالابار پر عیسائیت کے وجود کی تصدیق ہوتی ہے۔ لنکا کی تاریخ مہاونس (باب ۳۶) سے جو اوائل چھٹی صدی میں لکھی گئی معلوم ہوتا ہے کہ گوتھا کا بیا یا سیگھ ورنا بھیا کے عہد حکومت میں جو گیگر کے بیان کے مطابق سنہ ۳۰۲ء تک رہا۔ تامل قوم کے ایک بددین عالم نے مناظرے میں بدھ مذہب کے علماء کو مغلوب کیا۔ اور اس کا بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اُسے شہزادے کا اتالیق مقرر کر لیا۔ مہاونس نے اس فاتح مناظر راہب کا نام سنگھ متر لکھا ہے۔

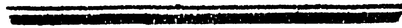
"جو جنتر منتر اور بھوت پریت کے علوم سے خوب واقف تھا" مسٹر کے۔ جی شیشر ایر نے اس قول کے یہ معنے لیئے ہیں کہ یہ مناظر ایک ہندو۔ اور اصل میں شیو مذہب کا مشہور ولی مانک یا مالی واسگر تھا[1] اس شخص کی تامل زبان کی لکھی ہوئی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ولی نے اپنی عمر کے آخری حصے میں بادشاہ کا مذہب تبدیل کر دیا تھا۔ یہ بادشاہ غالباً گوتھا کا بھیا تھا۔ اور یہ ممکن ہے کہ تھاؤمس کے مصنف نے شیو مذہب کے ہندو مانک واسگر کو سنگھ متر ایک بدھ دین بدھ راہب ظاہر کیا ہو"

مانک واسگر ساحل مالابار میں اس حکایت کے اس حصے کے متعلق کہ آیا لنکا کے بادشاہ نے تبدیل مذہب کیا تھا یا نہیں۔ یا اس بادشاہ کا نام گوتھا کا بھیا تھا یا نہیں۔ خواہ ہمارا کچھ ہی خیال کیوں نہ ہو۔ مگر مجھ کو اس بات کے مان لینے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ مانک واسگر واقعی ساحل مالابار پر آیا تھا۔ اور وہاں اس نے دو عیسائی خاندانوں کو ہندو بنایا تھا۔ ان خاندانوں کی اولاد جو منگرامکر کے نام سے موسوم ہے اب تک وہ حقوق نہیں رکھتے جو دیگر ذات پات کے پابند ہندوؤں کے ہیں۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبدیل مذہب ۲۷۰ء میں ہوا۔ اور اگر اس سنہ میں کچھ بھی واقعیت اور حقیقت ہے تو ساحل مالابار کے عیسائی یقیناً اس سے بہت قبل زمانے کے ہوں گے۔ تامل علم ادب کی تاریخ کے تمام دلائل سے جہاں تک میں نتیجہ نکال سکتا ہوں۔ وہ یہی ہے کہ مانک واسگر تیسری صدی عیسوی میں

---

[1] تامیلین انٹی کویری جلد اول نمبر ۴۔ صفحہ ۵۴۔ مصنف نے تھاؤمس کے قول کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا۔ تامل قوم کی روایت اس رسالے کے صفحہ ۶۶ میں اور پوپ کے ترواسگم میں مذکور ہے"

گذرا ہے۔ بعض مورخین اُسے دوسری صدی عیسوی کے اوائل کا بھی بتلاتے ہیں[1]۔ اور اگر وہ واقعی اس قدر قدیم ہے۔ تو ساحل مالابار کے عیسائیوں کے ساتھ اس کے تعلقات سے معلوم ہوتا ہے کہ سینٹ ٹامس یقیناً وہاں آیا تھا۔



---

[1] ٹی۔ پونمبلم پلے۔ مع دیگر حوالہ ہائے ٹامیلین انٹی کویری جلد اول نمبر ۴۔ صفحہ ۶۹۔ ۷۳۔ دیکھو ایضاً صفحہ ۵۵۔ ۵۳۔ اور میکنزی صفحہ ۱۳۸۔ یہ خیال منگرامکر کے نام کی صلیت کی روایت کا تعلق نونڈ ہب لوونت سے ہے بالکل ناقابل قبول ہے۔ مرحوم ڈاکٹر پوپ نے اپنی موت سے چند ہی سال قبل کہ اس رائے کو قبول کر لیا تھا کہ مانک چوتھی صدی عیسوی کے قبل ہی گذرا ہے۔ (ٹاملین انٹی کویری رسالہ ایضاً صفحہ ۵۴)۔

باب دہم

کشان یا ہندی سیتھی خاندان

از تقریباً سنہ ۲۰ء تا سنہ ۲۲۵ء

یوچی قوم کا نقل مکان وسط ایشیا کے میدانوں کی خانہ بدوش اقوام کے نقل مکان کا مختصر ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ مگر اس نقل وطن نے ہندوستان کی سیاسیات پر ایسا گہرا اثر ڈالا ہے کہ اس کا مفصل ذکر نہ صرف مناسب بلکہ لابدی ہے۔

دوسری صدی قبل مسیح کے وسط میں ترکی خانہ بدوشوں کی ایک جماعت نے جنھیں چینی ہیونگ نو کہتے ہیں۔ اپنی ایک ہم نسل ہمسایہ اور حریف قوم کو شکست دی۔ اکثر علماء نے اس واقعہ کی تاریخ سنہ ۱۶۵ ق م قرار دی ہے۔ مگر ڈاکٹر فلیٹ کا خیال ہے کہ یہ جنگ سنہ ۱۷۴-۱۶۰ ق م کے بین بین واقع ہوئی۔ اس شکست سے یوچی قوم کو مجبوراً شمال مغربی چین کے صوبہ کن سہ کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور انھوں نے مغرب کی طرف نئے چراگاہوں کی تلاش میں نقل مکان کیا۔ اس متحرک قوم نے تیر اندازوں کی ایک فوج تیار کر لی جس کی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ سے دو لاکھ تک کیا جاتا ہے۔ مگر یہ سب کی سب جماعت تعداد میں پچاس لاکھ اور ایک کروڑ کے بین بین ہو گی۔ جس میں ہر عمر کے

مرد اور عورتیں شامل تھیں[۱]

وُوسُن کی شکست

یہ قوم مغرب کی سمت ایسی چراگاہوں اور مرغزاروں کی تلاش میں چلی جہاں ان کی کثیر التعداد مرد و زن اور چوپاؤں کو آذوقہ اور خوراک مل گئی۔ وہ کجیاد شمالی عرض بلد ۴۱°-۴۸ مشرقی طول بلد ۸۲°-۷۵) کے پاس سے گذرتے ہوئے تکلمکان (یعنے قدیم صحرا گوبی) کے صحراء کے شمال میں پہنچے۔ یہاں ان کی مڈبھیڑ ایک اور چھوٹی سی قوم سے ہوئی جس کا نام وُوسُن تھا اور جو دریائے ایلی اور اس کے دوجنوبی معاون تیکے اور کنگیز کے میدان میں آباد تھی[۲]۔ وُوسُن کی تعداد اگرچہ محض دس ہزار تیر اندازوں کی تھی۔ مگر انھوں نے اپنے ملک کی بربادی اور تباہی گوارا نہ کی۔ بلکہ اس کی حفاظت کے لئے تیار ہوگئے۔ مگر یوچی کی تعداد کی کثرت سے حملہ آوروں کو فتح ہوگئی۔ اور یہ لوگ وُوسُن کے سردار کو قتل کر کے مغرب کی طرف جھیل ایسک کُل جس کو ہیون سانگ نے جھیل لتسنگ لکھا ہے کے پار اور زیادہ فراخ چراگاہوں کی تلاش میں بڑھتے چلے گئے۔ ان جلاوطنوں کی ایک تھوڑی سی تعداد جنوب کی جانب ہورہی اور تبت کے ملک کی سرحد پر بس گئی۔ یہ لوگ آخر میں "قلیل یوچی" کے نام سے مشہور ہوگئے اور ان کا بڑا حصہ جو مغرب کی طرف بڑھتا چلا گیا "کثیر یوچی" کہلایا۔

---

[۱] یوچی چینی ناک کے منگولی اقوام سے نہ تھے۔ بلکہ یہ دراز قد گوری رنگ اور دراز بینی لوگ تھے۔ اور اوضاع و اطوار میں ہیونگ نوجن کے بہت مشابہ تھے۔ (کنگس مل: جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۸۲ء صفحہ ۷۔ رسالہ "انٹرکورس آف چائنا وِدھ ایسٹرن ترکستان")۔ کنشک۔ ہوشک اور کڈفائسس ثانی کے سکوں پر اچھی خاصی تصویریں موجود ہیں۔

[۲] چہ نیز: ٹرکس اکسی ڈنشکس۔ صفحہ ۲۶۳۔

سک قوم کی شکست۔

اس کے بعد دوسرا دشمن جس سے یوچی کو سابقہ پڑا وہ سک یا سے قوم تھی۔ جس میں بلاشک و شبہ ایک سے زیادہ جرگے شامل تھے۔ کیونکہ جیسا کہ ہیرڈوٹس نے لکھا ہے۔ ایرانی تمام سیتھی خانہ بدوش جرگوں کو سکائی کہا کرتے تھے۔ یہ سک قوم وُوسُن کے مغرب اور دریائے جیحوں (سیردریا) کے شمال میں رہتی تھی۔ اس نے بھی ووسن کی طرح اپنے ملک و علاقے کی حفاظت اور حمایت پر کمر باندھی۔ مگر ان کا حال وُوسُن سے بھی برا ہوا۔ کیونکہ اُن کو مجبوراً اپنے چراگاہوں کو یوچی قوم کے لیے چھوڑ دینا پڑا اور یہ لوگ اس میں بس گئے۔ اب سک قوم مجبوراً اس بات پر آمادہ ہوئی کہ نئی سرزمین تلاش کرے۔ اور جیسا کہ گذشتہ باب میں بیان کیا گیا ہے یہی لوگ انجام کار شمالی دروں سے نکل کر ہندوستان میں داخل ہوئے[۱]۔

[۱] دارا گشتاسپ کے زمانے میں (۵۰۰ق م) سکائی اور کیسپی دونوں مل کر پندرھواں صوبہ بنتا تھا۔ اور کیخسرو کی فوج میں وہ باختری لوگوں کے رسالے کے ساتھ شامل تھی اور دارا اور اتشا کے بیٹے گشتاسپ کے زیر کمان تھے (ہیروڈوٹس باب ۳۔ فصل ۹۳۔ باب ۷۔ فصل ۶۴)۔ اب کیونکہ وُوسُن کی اصلی جائے قیام کا پتہ چل گیا ہے۔ اور اس کے معلوم ہو جانے سے یوچی کے نقل مکان کا تمام راستہ بالکل بین ہو گیا ہے۔ اس لیئے سک قوم کی جائے قیام جو کتاب میں بیان کی گئی ہے غالباً درست ہے۔ سٹریبو نے صاف لکھا ہے کہ سک اور اقوام متعلقہ دریائے جیحوں (سیردریا) کے گرد و نواح سے آئی تھیں۔ کینن رالنسن کی یہ رائے کہ دارا کے زمانے میں وہ کاشغر اور یارقند کے علاقوں میں بسے ہوئے تھے۔ اب بالکل قابل قبول نہیں (ترجمہ ہیروڈوٹس جلد ۳ صفحہ ۴۰۳۔ جلد ۵ صفحہ ۱۷۰)۔ سک قوم کے نقل پر میرا مضمون: (دی سکاز ان ناردرن انڈیا (زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی ۱۹۰۶ء صفحہ ۴۲۱ - ۴۰۳)۔

تقریباً سنہ ۱۴۰ ق م یوچی کی شکست

پندرہ یا سولہ برس تک یوچی قوم اپنے مفتوحہ علاقے میں بالکل بے فکر بیٹھی رہی۔ مگر اسی اثنا میں ان کے قدیم دشمن ہیونگ نو قوم نے وُوسُن قوم کے سردار کے شیر خوار بچے کو اپنی زیر عاطفت لے لیا تھا۔ اور اب وہ ان کی زیر نگرانی جوان ہو گیا تھا۔ اس نوجوان شہزادے نے ہیونگ نو کی مدد سے یوچی پر حملہ کیا۔ اور اپنے باپ کی موت کا بدلہ ان سے اس طرح پر لیا کہ ان کو ان اراضی سے نکال باہر کیا جن کو یوچی نے سک قوم سے چھینا تھا۔ اس طرح اب یہ لوگ جب دوبارہ نقل مسکن پر مجبور ہوئے تو وہ دریائے سیحون کی وادی میں چلے گئے۔ اور یہاں کے باامن اور صلح کن باشندوں کو جنھیں چینی "ٹاہیا" کہتے تھے زیر نگین کیا۔ اغلب یہ ہے کہ فوراً باختر کے تمام علاقے پر یوچی کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور ان کا سیاسی حلقۂ اثر دریائے سیحون کے جنوب تک پھیلا۔ مگر بہر حال جرگے کا صدر مقام بہت دنوں تک دریا کے شمال ہی کی جانب رہا۔ اور اسی سمت کی چراگاہیں اس نووارد قوم کے لئے کافی ہو گئیں ۔

یوچی قوم مدنی ہو گئی

اندازاً ایک یا دو پشتیں گذرنے کے زمانے ہی میں یوچی قوم نے اپنی خانہ بدوشی کی تمام عادات وخصائل فراموش کر دیں۔ اور ایک ملکی آباد قوم بن گئی۔ اس کے ساتھ دریائے سیحون کے جنوب کا تمام باختری علاقہ اور اس کے شمال میں سغدانہ کا علاقہ شامل تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ اور ڈاکٹر ایف۔ ڈبلیو ٹامس کے مضمون :۔ سکستان (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۶ صفحہ ۲۱۶-۱۸۱ و صفحہ ۴۶۰-۴۶۰) میں مفصل بحث ہے۔ ٹامس اس امر پر یقین کرنے کے وجوہات بیان کرتا ہے کہ سک قوم شروع ہی سے سیستان میں آباد ہوئی تھی۔ اور اس کا یہ بھی خیال ہے کہ دوسری صدی ق م میں سیستان میں آکر ان کا آباد ہونا خلاف قیاس ہے۔ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں میرا خیال تھا کہ یہ نقل مکان واقع ہوا ہے۔ مگر میں اب ڈاکٹر ٹامس سے متفق ہوں ۔

یہ لوگ پانچ ریاستوں میں منقسم تھے۔ بہ ہیئت مجموعی یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ

سنہ ۱ قم

یہ تمام معاشرتی اور سیاسی ارتقا سنہ ۱ ق م میں بالکل مکمل ہوگیا تھا؛

یوچی کی سلطنت کا اتحاد۔

اس کے بعد ایک صدی تک یوچی قوم کی سلطنت کی تاریخ کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ لیکن اس قوم کی پانچ ریاستوں میں جو ہندوکش کے شمال میں واقع تھیں منقسم ہو جانے کے کم و بیش سو برس بعد کجولا کے کشان جتھے کا سردار جو یورپ میں کڈفائسس اول کے نام سے مشہور ہے اس کام میں کامیاب ہوا کہ اپنے ہم قوم دیگر سرداروں کو اپنا زیر نگین کرے۔ اور خود تمام یوچی قوم کا سردار اور بادشاہ ہو جائے۔ اس کی تخت نشینی کی تاریخ تقریبی صحت کے ساتھ ۱۵ء مقرر کی جا سکتی ہے۔ اور اس میں غلطی کا زیادہ احتمال بھی نہیں[1]؛

---

[1] بہت سی کتابیں کشان حکومت کے اتحاد کو بہت بعد کا واقعہ قرار دیتی ہیں۔ اور اس کی وجہ ما ٹوان لن کی چینی انسائکلوپیڈیا کے مذکورہ تاریخی واقعات کے محض ترجمے کا غلط سمجھنا ہے۔ ان اصلی کتب کی عبارتیں جن کو اس کتاب کے لکھنے والے نے اپنی کتاب میں جمع کیا تھا۔ ان کا ترجمہ شائع ہو جانے سے تمام واقعات صاف ہوگئے ہیں۔ اگرچہ صحیح تاریخیں اب بھی معلوم نہیں ہوئیں۔ اور اگر آخر میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ بھی جائے کہ کنشک اور اس کے جانشینوں کے کتبات کی تاریخیں کسی خاص سنہ سے متعلق ہیں تو بھی اس نظام سنین پر بہت کچھ زیادہ اثر نہ پڑے گا جو اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے۔ وہ بادشاہ جس کا نام متن کتاب میں کڈفائسس اول لکھا ہے۔ وہی ہے جس کو چینی کیوشیو کیو کہتے ہیں اور جسے مختلف سکوں میں کوزلکدفیز۔ کوزول کڈفیز۔ کوجل کزکڈفسیز لکھا ہے۔ ان ناموں یا لقبوں کے صحیح معنے نامعلوم ہیں۔ اس کے متعلق مکمل حوالے میرے مضمون :۔ "دی کشان آر انڈو سیتھین پیریڈ آف انڈین ہسٹری" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۔۶۴)۔

یوچی ہندوکش کو عبور کرتے ہیں۔ وہی آبادی کی زیادتی اور آذوقے کی کمی کا دباؤ جس نے اس سے قبل بھی یوچی قوم کو چین کی سرحد سے لے کر ہندوکش تک کے دورو دراز اور دشوار گذار سفر پر آمادہ کیا تھا۔ اسی نے اب اُسے اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اس سدّراہ کو بھی اب عبور کرے۔ اور اسی نے کڈفائسس اول کی ہمت افزائی کی کہ وہ ان پہاڑوں کے جنوبی صوبجات کے زیر کرنے کا مشکل اور دشوار کام اپنے ہاتھ میں لے۔

کڈفائسس اوّل کی سلطنت۔ اس نے کی پن (؟کشمیر؟ کافرستان) اور کابل کے علاقے پر قبضہ کیا[۱]۔ اور اپنی طولانی مدت حکومت میں اس نے اپنی طاقت کو باختر میں مستحکم کیا۔ اور پھر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ میں نے خود اس نظریے کو اب رد کر دیا ہے جس پر میں نے مذکورۂ بالا مضمون میں زور دیا تھا کہ کشان لوگ سنہ کو استعمال کرتے تھے۔ کروشتی طرز تحریر میں اس قوم کا نام "کشن" لکھا ہے۔ مگر ساسانی اور چینی شہادات اس امر کی ملتی ہیں کہ یہ نام کشان تھا۔ مثلاً ہرمزد ثانی (۳۰۹-۳۰۱ء) کے سکوں پر "ربا کشان" کے الفاظ۔ دیکھو ڈورن "لیس لیجنڈز ڈس مونائس ساسانڈس" (ریویو آرکی آلوجیک ۱۸۹۸ء صفحہ ۶۲ الخ)۔ اور اسی وجہ سے میں نے بجائے عام "کشن" کے کننگھم اور ڈورن کے تتبع میں کشان لکھا ہے۔ سنین کے متعلق میں نے آر۔ ڈی بینرجی کے خیالات کی پیروی کی ہے۔

[۱] چینی کتابیں جیسا کہ ایم سلوین لیوی نے اب ثابت کر دیا ہے کی پن اور کونُو یا کابل میں فرق ظاہر کرتی ہیں۔ کی پن یا کاپن کے نام کے اطلاق میں فرق آتا رہا ہے۔ ساتویں صدی میں تنگ خاندان کے زمانے میں اس سے عام طور پر۔ اگرچہ بالکل بلا استثناء نہیں اس سے مطلب کپسا یعنے شمال مشرقی افغانستان ہوا کرتا تھا۔ ہن اور وی خاندانوں کے زمانے میں اس سے عموماً کشمیر مراد لی جاتی تھی۔ کتاب میں جس زمانے کا ذکر ہے وہ کیونکہ (۲۳۰-۲۶۵ء) آخری ہن خاندان کا زمانہ ہے۔

پارتھیوں پر حملہ آور ہوا۔ اس طرح اس کی حکومت ایران سے لے کر دریائے سندھ اور غالباً جہلم تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس میں سغدانیہ جو آج کل خان بخارا کے ماتحت ہے۔ اور غالباً وہ تمام علاقے شامل ... پر آج کل سلطنت افغانستان متصرف ہے۔ افغانی کوہستان ... جنگجو اور جفاکش پہاڑی باشندوں کے پوری طور پر فتح کرنے میں ... سے سال صرف ہوئے ہوں گے۔ اور اس واقعے کو کسی خاص ... کے ساتھ متعلق نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ۲۰ء کو کابل کی فتح کی تاریخ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہندی یونانی اور ہندی پارتھی دول کا خاتمہ۔ یوچی قوم کے آگے بڑھنے سے دریائے سندھ کے مغرب کی ہندی یونانی اور ہندی پارتھی ریاستوں کے سرداروں کا خاتمہ لابدی تھا۔ اور آخری گذشتہ باب میں اس امر کا ثبوت دیا جا چکا ہے کہ کس طرح کابل کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کی ہن کو کشمیر سمجھا جا سکتا ہے (سلوین لیوی۔ جے۔ اے۔ جلد ۷۔ سلسلہ ۹۔ صفحہ ۱۶۱۔ جلد ۱۰ صفحہ ۳۱-۵۲۶)۔ شونیز "ٹرکس آکسی ڈنٹکو" صفحہ ۳۰۷۔ شروع صفحہ پر۔ "وانچ ڈی سنگ یِن" صفحہ ۵۴)۔ مگر کیسا کی معنے بہت معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق دیکھو ویٹرس کے عالمانہ خیالات (آن یون چانگ جلد اول صفحہ ۲۵۹)۔ وہ لکھتا ہے کہ "بہت سی چینی کتابوں میں کاپن کا نام ایک مبہم جغرافیہ اصطلاح ہے۔ اس کی وسعت میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ اور در اصل وہ کسی خاص ملک یا علاقے کا نام نہیں۔ مختلف کتابوں میں اس کا اطلاق کپیس۔ ننگر۔ گندھار۔ ادیانہ۔ اور کشمیر پر ہوتا ہے"۔ سر ایم۔ اے۔ سٹین نے کاپن کے ہجے چی پن لکھے ہیں۔ تمام چینی ناموں کو مختلف مصنف مختلف صورتوں میں لکھتے ہیں۔ اس طرح تاریخیں بھی تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ دی جاتی ہیں۔

آخری یونانی بادشاہ ہرمیاس کو بتدریج مغلوب کرنے کا اظہار نہایت صراحت سے سکوں کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

پنجاب اور وادیٔ سندھ میں ہندی پارتھی سلطنت کا خاتمہ غالباً کنشک کی قسمت میں۔ اٹھا۔

تقریباً ۴۵ء
کڈفائسس دوم

اسّی برس کی عمر میں کڈفائسس اول کے فاتحانہ عہد حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اور اس کی جگہ ۴۵ء کے قریب اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جس کو آسانی کے لئے کڈفائسس دوم کا خطاب[1] دیا گیا ہے۔ یہ بادشاہ بھی اپنے باپ کے مانند باہمت اور اولو العزم تھا۔ اور اس نے بھی اپنی تمام طاقت یوچی کی سلطنت کو وسیع کرنے میں صرف کر دی۔

یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ اس نے پنجاب اور دریائے گنگا کی وادی کے ایک بڑے حصے کو غالباً بنارس تک فتح کر لیا۔ دریائے سندھ کی وادی میں زیریں سندھ کا علاقہ لبظاہر بدستور سابق پارتھی سرداروں کے ہاتھ ہی میں رہا۔ ہندوستان کے مفتوحہ صوبجات پر فوجی نائب السلطنت کے ذریعے سے نظم ونسق کیا جاتا تھا۔ اور غالباً انھوں نے ہی وہ سکے مضروب و مروج کرائے تھے جن کو ماہرین سکہ جات "گمنام بادشاہ" کے سکے کہتے ہیں۔ اور تمام شمالی ہند میں وادی سے لے کر وادی گنگا کے شہر غازی پور اور بنارس تک ایک طرف اور کچھ اور کاٹھیا واڑ تک دوسری طرف بکثرت پائے جاتے ہیں[2]۔

---

[1] یہی وہ بادشاہ ہے جس کو چینی ین۔کو۔چنگ کہتے ہیں۔ اور جسے سکوں میں وما کڈف لئسس وغیرہ لکھا ہے۔

[2] کیونکہ کڈفائسس دوم کے زمانے کے کوئی کتبے نہیں ملتے۔ اس لئے اس کی ہندی سلطنت کی وسعت جانچنے کا سب سے بہتر طریقہ اس کی سکوں کی تقسیم ہے جب پری پلس ۸۰ء میں لکھی گئی ہے تو اس وقت تک پارتھی سردار

چین کے ساتھ تعلقات۔ ۱۱۵-۱۲۵ ق م میں چنگ۔کین کی سفارت یوچی قوم کے پاس اس وقت آئی جب کہ وہ دریائے سیحون کے شمال میں سغدائیہ کے علاقے میں مقیم تھے۔ اس سفارت نے اس وحشی قوم کے تعلقات سلطنت وسطےٰ (چین) سے قائم کردئے۔ اور سوا سو سال تک شہنشاہ چین نے سیتھی دول کے ساتھ اپنے تعلقات جاری رکھے۔ ۸ء میں یہ سفارتی تعلقات ختم ہوگئے۔ اور جب ۲۳ء میں پہلے سیتھی خاندان کا خاتمہ ہوا تو مغربی ممالک میں چین کی سلطنت کا اثر اور رسوخ بالکل برائے نام رہ گیا تھا۔ اس کے پچاس سال بعد چینیوں کی اولوالعزمی پھر بروئے کار آئی۔ اور ۷۳ء سے لے کر ۱۰۲ء تک کے تیس سالہ عرصے میں جنرل پن۔چو اپنی فوج ظفر موج کو لئے ہوئے آگے بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ چینی سلطنت کی سرحد رومی سرحد سے مل گئی[1] اور اس طرح اس جنرل نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دریائے سندھ کے متعلقہ علاقوں پر حکمراں تھے۔ اس امر کا ثبوت کہ "گمنام بادشاہ" کڈفائسس دوم کا ہمعصر تھا کننگھم نے تفصیل سے دیا ہے۔ (نیومسمیٹک کرانکل ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۷) اس کے سکے عام طور پر تانبے یا کانسی کے ہیں۔ مگر چند ایسے بھی ہیں۔ جو نہایت خراب چاندی سے مضروب ہیں۔ کڈفائسس دوم اور "گمنام بادشاہ" دونوں سوٹر میگس کا لقب استعمال کرتے ہیں۔ مگر مقدم الذکر اپنے آپ کو "بے سی لیئس بے سی لیئون" یعنے "شاہنشاہ" اور موخرالذکر اپنے کو "بے سی لیئس بے سی لیون" یعنے "شاہ حکمراں" کہتا ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ غالباً وہ اس کا ماتحت تھا (دیکھو کیٹلاگ آف کائنز ان دی انڈین میوزیم جلد اول)؂

[1] پروفیسر ڈگلاس کا بیان ہے کہ "جنرل پن۔چو کے زیر کمان ایک فوج ختن پر حملہ آور ہوئی۔ بلکہ اپنے ملک سے جھنڈے کو بحیرۂ خضر کے ساحل تک پہنچا دیا۔" (چائنا۔ سٹوری آف دی نیشنز سیریز صفحہ ۱۸)؂

مغرب کی طرف چینی قوم کی حکومت کو انتہائی وسعت و عروج کو پہنچا دیا۔ ۷۳ء میں ختن کے بادشاہ نے چین کی اطاعت قبول کی۔ اور اس کے بعد دوسرے بادشاہ بھی جن میں کاشغر کا بادشاہ بھی شامل تھا چینیوں کے مطیع ہوگئے۔ اور اس طرح اب مغرب کی طرف کا راستہ صحراؤں میں سے ہوکر چینی فتوحات اور تجارت کے لئے بالکل کھل گیا۔ بعینہ اسی طرح ۹۴ء میں کچا اور کرشہر کی فتح نے ان کے شمال کا راستہ صاف کر دیا ؏

تقریباً ۹۰ء چین کے ساتھ جنگ

فاتح چینیوں کے بتدریج آگے بڑھتے چلے آنے سے کشان خاندان کے بادشاہ کو تردد پیدا ہوا۔ یہ بادشاہ غالباً کڈفائسس دوم کا جانشین کنشک تھا۔ جو اپنے آپ کو چینی شاہنشاہ کا ہم پلہ اور ہمسر سمجھتا تھا۔ اور اس نے اس کا باجگذار ہوکر رہنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ ۹۰ء میں کھلم کھلا اور دلیری کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کرنے کے لئے ایک چینی شہزادی کے ساتھ شادی کا پیام دیا۔ جنرل پن چو نے محض اس پیغام ہی کو اپنے آقا کی ذلت و بے عزتی متصور کیا۔ اور اس کے ایلچی کو گرفتار کرکے اس کے پاس واپس بھیج دیا۔ کنشک اس بدسلوکی کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے ستر ہزار سواروں کی ایک فوج اپنے نائب السلطنت سی کی زیر کمان تیار کی اور اس کو چینیوں پر حملہ کرنے کے لئے سلسلۂ کوہستان تسنگ لنگ یا تاغ دمباش پامیر کے پار روانہ کر دیا۔ سی کی فوج غالباً درۂ تاشکرغان کے راستے سے روانہ ہوئی جو چودہ ہزار فٹ بلند ہے[۱]۔ اور پہاڑوں کے عبور کرنے کی دشواری کی وجہ سے اس کی حالت اس قدر ابتر ہوگئی کہ جونہی وہ کاشغر یا یارقند کے میدانوں میں

[۱] تاشکرغان کے حال کے لئے جو اس کوہستان کے سری کول کے حصے میں واقع ہے دیکھو۔ سٹین۔ پریلیمنری رپورٹ آف ایکسپلوریشن ان چائنیز ترکستان صفحہ ۱۳-۱۱- سینڈ برئیڈ روئنز آف ختن باب ۵۔ اینشنٹ ختن صفحہ ۲۸ نوٹ ۱۷ ؏

اتری وہ بڑی آسانی سے ۔ین۔چو کے آہنی شکنجے میں آگئی ۔ اور اسے شکست فاش ہوئی ۔کنشک کو اس بات پر مجبور ہونا پڑا کہ چینی سلطنت کو خراج ادا کرے ۔ اور اس زمانے کی چینی تاریخوں میں ایسی چند سفارتوں کا ذکر ہے جو اس زمانے میں خراج لے کر چین میں آئی تھیں[1] ؀

تقریباً سنہ ۶۰ء شمالی مغربی ہندوستان کی فتح ۔ میں سنے ان امور کے بیان کرنے میں جو غالباً کنشک سے منسوب ہونے چاہئیں کڈفائسس دوم کی حکومت کے حالات کو پس پشت ڈال دیا ہے ۔ جو بظاہر شمالی ہند کے ان علاقوں کی فتح میں مصروف رہا جس کا آغاز اس کے پیشرو کے زمانے میں ہو چکا تھا ؀

رومی اثر ۔ یو چی کی فتوحات نے رومی سلطنت اور ہندوستان کے مابین بری تجارت کا راستہ کھول دیا ۔ کڈفائسس نے صرف تانبے اور کانسے کے سکے مضروب کرائے تھے ۔ اس نے کابل کی فتح کے بعد اپنے سکے یا تو آگسٹس کے آخری سنین کے سکوں یا ویسے ہی ٹائبیرئس کے سکوں کی نقل ڈھلوائے تھے (سنہ ۱۴-۳۷ء) ۔ جب شروع زمانے کے قیاصرہ کے مضروبہ سونے کے رومی سکے مشرقی براعظم میں ریشم ۔مصالح ۔جواہرات ۔ اور رنگوں کی قیمت میں بکثرت آنے لگے تو کڈفائسس دوم کو سونے کے سکوں کی قدر معلوم ہوئی ۔ اور اس نے

---

[1] " شاہنشاہ ہوا (= ہیو ۔ ہو ۔ ٹی ۔ یا ہو ۔ تی) (سنہ ۸۹-۱۰۵ء) میں وہ (یعنے ہندی) اکثر چین کو اپنے ایلچی بھیجتے تھے ۔ اور کچھ نہ کچھ نذرانہ بطور خراج کے پیش کرتے تھے ۔ لیکن بعد میں مغربی علاقے کے لوگوں نے (چینی شاہنشاہ کے برخلاف) بغاوت کی ۔ اور تمام سلسلۂ نامہ و پیام قطع کر دیا ۔ یہ حالت ینسی کے عرصے کے دوسرے سال (سنہ ۱۵۹ء) شاہنشاہ کوان (= ہون ۔ تی) (سنہ ۱۴۷-۱۶۷ء) تک رہی " (" اینلز آف لیٹر ہن ڈائنسٹی ترجمۂ پروفیسر لیگ ۔ منقول فی " انڈیا وٹ کین اٹ ٹیچ اس ") ؀

اس کے بعد رومی سکہ اوری کی نقل میں بکثرت سکے مضروب کرائے جو وزن میں بالکل اصل کے مطابق تھے۔ اور اسی طرح دھات کے خالص ہونے میں بھی ان میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ جنوبی ہند نے بھی اسی زمانے میں رومی سلطنت کے ساتھ بحری تجارت کا سلسلہ زور وشور سے جاری رکھا۔ مگر یہاں کے مقامی بادشاہوں نے قیصری سکہ اوری کی نقل اتارنے کی کوشش نہ کی۔ کیونکہ ان کی درآمد بکثرت ہوتی تھی۔ اور بعینہ اس طرح جس طرح کہ آج کل دنیا کے بہت سے حصوں میں انگریزی پاؤنڈ بطور سکہ استعمال ہوتا ہے اسی طرح اُس زمانے میں رومی سکہ مستعمل تھا؛

۱ے کشان خاندان کے سکوں کے اوزان اورکس کے لیئے دیکھو کننگھم (کائنز میڈ - انڈیا صفحہ ۱۶)۔ اس کے متعلق جو آرار فان سیلٹ (ٹیخ فولگر الکزنڈرس صفحہ ۵۶ و ۸۱) نے دی ہیں کہ کڈ فائسس اول اور آگسٹس کے چہروں کی مشابہت محض ایک اتفاقی امر ہے۔ اور یہ کہ اس امر کے باور کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ کشان سکوں کے اوزان کا کوئی کسی قسم کا تعلق قیصر کے اوری سے ہوسکتا ہے۔ اس زبردست ماہر فن سکہ جات کی عجیب وغریب دیوانگی یا خبط ہی قرار دی جاسکتی ہے۔ کڈ فائسس دوم کا ایک دریافت شدہ چاندی کے سکے کا وزن ۵۶½ گرین ہے۔ اور جیسا کہ کننگھم نے کہا ہے یہ وزن عین چاندی کے رومی دینار کے برابر ہے۔ ہندوستان میں رومی سکوں کے بکثرت پائے جانے کے حال کے متعلق دیکھو تھرسٹن :- "دکائن کیٹلاگ نمبر ۲ آف مدراس میوزیم"۔ اور زیادہ مفصل حالات کے لیئے دیکھو:- سیول :- "رومن کائنز فاؤنڈ اِن انڈیا" (جے آر اے ایس ۱۹۰۴ء صفحہ ۵۹۱)۔ پلنی کی شہادت (ہسٹری نیچرل باب ۱۲ فصل ۸) رومی سونے کے سکوں کے ہندی، عربی چینی عیش وعشرت کی چیزوں کے تبادلے میں مشہور ومعروف ہے؛

کڈفائسس دوم کا عرصۂ حکومت	کڈفائسس دوم کی فاتحانہ حکومت کا زمانہ غالباً بہت دراز تھا۔ اس کے متعلق یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ وہ تینتیس برس ۴۵ء - ۷۸ء تک حکمراں رہا۔[1]

[1] اس عرصۂ حکومت کی مدت درازی کا کوئی بین ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ مگر اس کی فتوحات کی وسعت اور اس کے سکوں کی کثرت و افراط سے یہ بالکل یقینی معلوم ہوتا ہے کہ عرصۂ طولانی ضرور ہوگا۔ کننگھم نے اس کو چالیس برس کا زمانہ مانا ہے۔ کنشک کی حکومت کی تاریخ کا جو حال میں نے لکھا ہے وہ زیادہ تر انڈین میوزیم کے مسٹر آر ڈی - بیرجی کے اس اچھوتے اور قابل قدر مضمون پر مبنی ہے :- دی سیتھین پیریڈ آف انڈین ہسٹری" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۲۵ - ۷۵)۔ انھوں نے جو وجہ کنشک - ہوشک - اور واسشک کی تاریخوں کے ایک دوسرے میں مدغم ہوجانے کی بتلائی - میرے نزدیک وہ بالکل تسلی بخش ہے - اور مجھے اس بات کا یقین ہے سنہ ۴۱ کا کنشک جس کا ذکر آرا کے کتبے میں ہے وہی ہے جس کا بیان اس سے قبل کے کتبوں میں سنہ ۳ و سنہ ۱۱ میں کیا گیا ہے - پروفیسر لیوڈر کا یہ خیال کہ آرہ کے کتبے کا کنشک بانی ممکن ہے کہ سنہ ۳ و سنہ ۱۱ کے کنشک کا پوتا ہو میرے نزدیک قابل ثبوت نہیں - میرے خیال میں لیوڈر کا خیال صحیح ہے کہ کیسر اس کا جو لقب کنشک کو آرہ کے کتبے میں دیا گیا ہے وہ دراصل قیصر" ہے - مگر کتبے کا یہ لفظ اب تک ایسا صاف نہیں ہوا کہ اس پر زور دیا جا سکے - کنشک کا نام کانشک لکھا جاتا ہے - اگرچہ مجھکو اس امر پر پورا وثوق نہیں ۷۸ء کا سک سنہ کو کنشک نے قائم کیا تھا - یا اس کا قیام بالکل اس کی تخت نشینی کے سال ہی واقع ہوا - مگر اب میرا خیال یہ ہے کہ بہت اغلب ہے کہ سک سنہ کنشک کی تخت نشینی یا تاجپوشی ہی سے شروع ہوتا ہے - اس بادشاہ کو ۵۸ء تک پیچھے ہٹا دینا جس پر ڈاکٹر فلیٹ نے اتنا زور دیا ہے - میرے نزدیک بالکل بے وجہ اور بے سبب ہے - اس بات کی بحث دیکھو :- جے - آر - اے - ایس ۱۹۱۳ء - مجھے اس میں بھی شک نہیں کہ دونوں کڈفائسس بادشاہ کنشک سے پہلے گذرے ہیں - اور اب مجھ کو

تقریباً ۷۸ء کنشک کی تخت نشینی

کڈفائسس دوم کے بعد کنشک تخت پر بیٹھا۔ تمام کشان بادشاہوں میں سے یہی ایک بادشاہ ہے جو اپنے پیچھے ایک ایسا نام چھوڑ گیا جس کو ملکی روایات نے فراموش نہ ہونے دیا۔ اور جو ہندوستان کی حد سے باہر بھی نامور اور مشہور ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ یورپ میں سوائے ان چند علماء کے جو غیر مانوس تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں عام طور پر بالکل گمنام ہے۔ مگر تبت۔ چین۔ اور منگولیا کی روایات میں اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ اور بدھ مذہب کے پیروؤں کے لیئے وہ تقریباً اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اشوک کا نام۔ مگر باوجود اس شہرت عام کے اس کی تاریخ کا مواد بہت ہی قلیل ہے۔ اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ اس کا سنہ اب تک مشکوک ہے۔ بدقسمتی سے چین کے مورخین کی کتابوں میں سے کسی میں کوئی ایسی عبارت دریافت نہیں ہوئی جس سے کہ چین کی سلطنت کا کوئی واقعہ کنشک سے مطابقت کر سکے۔ جہاں تک کہ اب تک معلوم ہوا ہے وہ تمام چینی کتابیں جن میں کہ کنشک کا ذکر ہے وہ محض بدھ مذہب کی دینی کتب ہیں۔ اور وہ اس قابل نہیں کہ ان سے تاریخی واقعات کا اخراج کیا جا سکے۔ تبت اور منگولیا کی کتابوں کی طرح وہ دراصل یا تو ہندی روایات کا ترجمہ اور یا ان کا ایک قسم کا عکس ہیں۔ اس امر کے ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ ان میں کس قدر اختلافات و خیالات کیسے پریشان کن ہیں۔ مگر کنشک اور اس کے جانشینوں کا ذکر کتبوں کی ایک بہت بڑی تعداد میں پایا جاتا ہے۔ ان کتبوں میں سے بیس سے زیادہ میں سنہ و تاریخ موجود ہے۔ اور امید ہے کہ ان تمام کتبات کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- یہ معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ ٹکسلا کے کھودے جانے سے جو نئی شہادت دستیاب ہوئی ہے اس نے میری رائے کو مستحکم کر دیا ہے ؛

ذخیرے سے تمام شکوک مٹ جائیں گے اور کشان خاندان کا سلسلۂ سنین بھی اس طرح قائم ہو جائے گا کہ اس میں شک وشبہ یا بحث کی گنجائش نہ رہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ان کتبوں میں تاریخیں اس طرح لکھی ہیں۔ کہ ان کے مختلف معنے لئے جا سکتے ہیں۔ اور اب بھی بعض بعض نامور علماء ایسے موجود ہیں جو کنشک کی تخت نشینی کا سن ۵۸ء قرار دیتے ہیں[1]؛

اس کی تاریخ مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں کہ محض سکوں کی ہی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کنشک سنہ عیسوی کے شروع ہونے کے بہت بعد ہوا ہے۔ اس کا زمانہ کڈفائسس اول ودوم کے بعد کا ہے۔ اور یہ کہ اس پر رومتہ الکبریٰ کا اثر پڑا تھا۔ یہ سکوں کی شہادت ایسی چیز ہے جس کو بہت سے تاریخ کے علماء نے بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ اور بہت سی قسم کی شہادتیں۔ جن کو اگر جمع کر دیا جائے تو وہ بہت قابل قدر ہو جائیں گی۔ یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ

---

[1] فلیٹ ۵۸ء پر تلا ہوا ہے۔ اور دونوں بھنڈارکر اور بھی زیادہ آخر کا زمانہ یعنی ۲۷۸ء تبلاتے ہیں۔ مگر ان کا نظریہ صریحًا ناقابل قبول ہے۔ اصل نزاع علماء کی ان دو جماعتوں کے مابین ہے جو کنشک کے تخت کا ۵۸ء یا ۲۷۸ء قرار دیتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کشان خاندان نے سک سنہ کے سوا اور کوئی سنہ اپنا استعمال کیا ہو۔ مگر اس کا احتمال نہیں۔ اور اگر کوئی ایسا سنہ استعمال ہوا بھی تو وہ ۲۷۸ء کے بعد نہ کہ پہلے شروع ہوا ہوگا۔ ڈاکٹر مارشل سی۔ آئی۔ ای۔ ناظم محکمہ آثار قدیمہ ٹکسلا کے آثار کے کھودنے کی تہوں سے اس بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ کنشک دوسری نہ کہ پہلی صدی عیسوی میں برسر حکومت تھا۔ اور یہ کہ ڈاکٹر فلیٹ کے قول کو قبول کرنا ناممکن ہے۔ تمام ایسے کتبوں کی فہرست جن میں تاریخیں موجود ہیں کشان خاندان کے زمانے کے متعلق مصنف کے مذکورۂ بالا مضمون میں ملے گی۔ کنشک کے تیسرے سال کے کتبے کے لئے جو بنارس کے قریب سارناتھ کے مقام پر پایا گیا ہے۔ دیکھو ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۸ صفحہ ۱۷۳۔ اس کے علاوہ اس فہرست میں اور بھی بہت کچھ اضافہ کرنا ہے؛

کنشک پہلی صدی عیسوی کے بالکل آخر میں تخت پر بیٹھا۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ وہ کڈفائسس دوم کے بعد ۷۸ء میں تخت نشین ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ کنشک یوچی قوم کے حصۂ کشان سے تعلق رکھتا تھا۔ بعینہ اسی طرح جس طرح کہ دونوں کڈفائسس کا تعلق اس سے تھا۔ اور یہ باور کرنے کے لیئے بھی کافی وجوہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا قرابتی نہ تھا۔ حالانکہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ کنشک کڈفائسس دوم کا بیٹا نہ تھا۔ بلکہ اس کے باپ کا نام وجھشک یا وجھشپ تھا۔ کڈفائسس دوم اور کنشک کے سکّوں پر جو اکثر ایک ہی جگہ پائے جاتے ہیں۔ ایک ہی قسم کے نشان ہیں اور الٹی طرف اور بہت سی مشابہتوں کے علاوہ وزن اور دھات کے خالص ہونے میں بھی بالکل یکساں ہیں[1]۔ اور ان باتوں سے صرف یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ زمانے کے لحاظ سے یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کے بہت ہی قریب یا حقیقت میں ایک دوسرے کا جانشین ہی ہوگا۔ یہ یقینی ہے کہ کڈفائسس دوم (ین۔کو۔چنگ)

---

[1] کڈفائسس دوم اور کنشک کے سکّوں کے ایک جگہ برآمد ہونے کی مثالیں مفصلۂ ذیل ہیں:۔ (۱) ضلع گورکھپور میں گوپال پور ستوپ: کڈفائسس دوم۔ کنشک۔ ہوشک اور قدیم بادشاہ آیومتر کے سکّے (پروسیڈنگس۔ اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۰۰)۔ (۲) بنارس میں (۱۶۳) سکّوں کا مجموعہ جن میں (۱۲) کو کڈفائسس دوم کے ہیں۔ اور باقی (جن میں سے ۴۰ اب تک پڑھے نہیں جاسکے)۔ کنشک اور ہوشک کے ہیں۔ (ٹامس پرنسپ:۔ الیسیز جلد اول صفحہ ۲۲۷ حاشیہ) (۳) میسن کے جمع کیئے ہوئے بیگرام کے سکّے جو کابل سے پچیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۳۴۴-۵۱)۔ اس کے علاوہ دیکھو آریانہ انٹی کوا۔ ڈاکٹر مارشل کو جو بے شمار سکّے ٹکسلا میں ملے ہیں۔ ان سے خاندانوں کی وہی ترتیب جو اس کتاب میں دی گئی ہے بالکل یقینی ہوجاتی ہے۔

نہ صرف کڈفائسس اول (کیو مستیوکٹو) کا جانشین بلکہ اس کا بیٹا بھی تھا۔
یہ کڈفائسس دوم ایک طولانی حکومت کے بعد اسّی برس کی عمر میں فوت
ہوا۔ اسی لیئے اگر کنشک کا تعلق کڈفائسس دوم سے تھا۔ تو وہ یقیناً
اس کا جانشین ہی ہوا ہوگا۔ اور جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ
کنشک واسشک۔ ہوشک۔ باسودیو تمام بادشاہوں کا گروہ کا گروہ
کڈفائسس اول سے قبل ہوا تھا۔ تو دو موخرالذکر بادشاہوں کے
سکّے یکجا ملنے چاہئیں۔ مگر وہ نہیں ملتے۔ اور اسی طرح کڈفائسس دوم اور
کنشک کا کوئی تعلق آپس میں نہ ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ بادی النظر میں ہے
ہم کو اس امر میں چینیوں کی شہادت قبول کرلینی چاہیئے کہ کڈفائسس دوم
نے تین۔چو (ہندوستان) کو فتح کیا۔ اور پھر اس پر یوچی قوم کی طرف
سے حکومت کرنے کے لیئے فوجی افسر مقرر کیئے" اس امر واقعی میں کسی کو بھی
مجال اعتراض نہیں کنشک۔ واسشک اور ہوشک دریائے جمنا کے
مقام متھرا۔ اور کشمیر اور پنجاب کے تمام درمیانی علاقوں پر پورے
استحکام کے ساتھ قابض تھے۔ اور اب یہ معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ چینی
مورخین نے لکھا ہے کہ کڈفائسس دوم کے "فتح ہند" سے قبل انھوں
نے اپنی یہ حیثیت پہلے سے کس طرح قائم کرلی تھی۔ آثار قدیمہ کے
دل اکتانے والے دلائل کی تفصیلات سے اب قطع نظر کرکے۔
یہاں صرف یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ بہت سے وجوہ اس امر کے
بیان کیئے جاسکتے ہیں کہ ماہرین علوم ہندیہ کی ایک بڑی جماعت
اس بات پر متفق اور حق بجانب ہے کہ کنشک
بادشاہوں کا گروہ کا گروہ کڈفائسس بادشاہوں کے
بعد کا ہے۔ ان تمام باتوں کے متعلق ہمارا علم اس قدر
محدود ہے کہ خواہ کوئی نظریہ بھی اختیار کیوں نہ کیا جائے
مشکلات رہ ہی جاتی ہیں۔ لیکن بہرحال بادشاہوں کے ناموں کا
نظام بظاہر دوسری قوموں کی تاریخ اور عام فنون لطیفہ۔ ادبیات اور

مذہبی تحریکات کے ارتقار کے بالکل مطابق نظر آتا ہے[1]۔

[1] ڈاکٹر فلیٹ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۳ء ۱۹۰۵ء ۱۹۰۶ء ۱۹۱۳ء کے متعدد مضامین) برلن کا ڈاکٹر او۔ فرنیک ("ڈی بیٹریگ اوس چیناسیشن کیولن از کنشکس ڈر ٹرک فولکرانڈ سکیتھین رنغر الٹینٹس" برلن ۱۹۱۰ء) ۔ اور جیمز کینڈی کی یہ رائے ہے کہ کنشک۔ واسشک۔ ہوشک۔ اور باسودیو شاہان کڈفائسس سے پہلے گذرے ہیں۔ اور یہ کہ ۵۸ء کا سمت بکرماجیت یا تو کنشک کی تخت نشینی سے شروع ہوا تھا۔ یا کم از کم دونوں واقعات ایک ہی ساتھ کے ہیں۔ میں نے مذکورۂ بالا علمار کی تمام کتب شائع شدہ کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ مجھ کو اب بھی ان سے بدستور سابق اختلاف ہے۔ اور میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ شاہان کڈفائسس کنشک سے جو تقریباً ۷۸ء میں تخت پر بیٹھا تھا پہلے گذرے ہیں۔ ڈاکٹر فلیٹ نے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۰۴۸) یہ بالکل ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ڈاکٹر فرنیک کی رائے اور اس امر کو بہت اہمیت دیتا ہے کہ کنشک بدھ کی موت کے چار سو سال بعد گذرا ہے۔ اس کے آگے وہ یہ دلائل پیش کرتا ہے کہ اس کے نظریے سے کتبات کی تاریخوں کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور ہوشک کے سکوں پر اس کے نام میں (ہ) حرف کے نہ ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ پہلے گذر چکا تھا۔ پچھلی دونوں دلیلوں پر یہاں بحث نہیں کیجا سکتی۔ مگر میں ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک اور روایت کے مطابق کنشک بدھ کی موت کے سات سو سال بعد گذرا تھا۔ (انڈین انٹی کویری جلد ۳۲ سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۸۲) ۔ اور اس قسم کی کوئی روایت دوسری روایت پر مرجح ہو سکتی ہے۔ مگر در اصل یہ تمام روائتیں بالکل بے اصل ہیں۔ مختلف روایات کنشک کا زوان کے (۱۵۰) (۳۰۰) (۵۰۰) برس بعد ہونا بتلاتی ہیں۔ ڈاکٹر فرنیک نے اس بات پر زور دیا ہے کہ چینی مورخین برخلاف بدھ مذہب کے مصنفین کے کنشک کا نام تک بالکل نہیں لیتے۔ مگر اس نے خود ہی اس اعتراض کا جواب یہ کھ کر دے دیا ہے کہ "۱۲۴ء سے وہ منبع ہی سوکھ گیا تھا جس سے کہ مورخ ترکستان کے متعلق اپنے تمام اخبار نقل کرتا" (صفحہ ۷۰، دیکھو ۸۰) ۔ ایک اور دلیل جس پر کہ اس کو بہت اعتماد معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ مشہور و معروف حکایت کے مطابق سنہ ۲ ق م میں ایک یوچی بادشاہ نے بدھ مذہب کی چند کتب ایک

۷۸ء میں اس کی سلطنت کی وسعت۔

اس طرح اب یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ کنشک تقریباً ۷۸ء میں کڈفائسس دوم جس کا غالباً وہ قرابت دار بھی تھا جانشین ہوا۔ اس کے زمانے کی روایتیں۔ یا آثار اور کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی سلطنت تمام شمال مغربی ہندوستان پر ایک طرف جنوب میں سلسلۂ کوہستان بندھیاچل تک دوسری طرف۔ اور پامیر کی سطح مرتفع کے دور افتادہ دروں تک پھیلی ہوئی تھی۔

ہیون سنگ جس نے اس تاریخ یا روایات کو قلمبند کیا ہے جو اس نے کپس میں سنی تھی۔ صاف طور پر لکھتا ہے کہ "جب کنشک گندھیرا کے علاقے میں حکمراں تھا تو اس کی طاقت گرد و نواح کی ریاستوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور اس کا اثر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- چینی عامل (افسر) کو دی تھیں۔ اس حکایت سے نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ کنشک ہی ہونا چاہیئے۔ میں قضیئے کے مقدمے کو مانتا ہوں کہ سلسہ ق م میں یوچی کا کوئی بادشاہ بدھ مذہب سے واقف اور تھوڑا بہت اس سے متاثر بھی تھا۔ مگر مجھے اس نتیجے کے ماننے سے انکار ہے جو فرینک اور ایم۔ سلوین لیوی نکالتے ہیں۔ اس حکایت سے ایک اور نتیجہ بھی نہایت آسانی سے نکالا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر فرینک (صفحہ ۹۶) نے کنشک کے اثر اور قوت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا اور غلطی کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زبردست عالم نے دیدہ و دانستہ ہندوستان کے آثار قدیمہ کی شہادت کو پس پشت ڈال دیا ہے (صفحہ ۱۰)۔ مگر مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تاریخی مسئلہ اس وقت تک تسلی بخش طور پر حل نہیں کیا جا سکتا جبتک کہ اس کے متعلق تمام شہادتوں پر بغور نظر نہ ڈالی جائے۔ اور ایسے تمام دلائل جو بعض خاص واقعات کو نظر انداز کردیں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی طرف التفات کیا جائے۔ اور یا ان کو فیصلہ کن مان لیا جائے۔

دور افتادہ علاقوں پر بھی چھایا ہوا تھا" وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ ایک وسیع علاقے پر جو تسنگ لنگ کے پہاڑوں کے مشرق تک پھیلا ہوا تھا حکومت کرتا تھا۔ یعنے "وہ جنوبی علاقہ جو مشرق کی طرف پامیر کی حد ہے اور اس کو دریائے تاریم کے علاقے سے جدا کرتا ہے[۱]۔ ہندوستان خاص میں اس کے سکے کدفائسس دوم کے سکوں کی معیت میں کابل سے لے کر دریائے گنگا کے کنارے پر غازی پور کے شہر تک برابر پائے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی تعداد میں ان کی کثرت اور اختلافات کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عہد حکومت خاصہ طویل و مدید تھا۔ سندھ کا بالائی علاقہ اس کی سلطنت میں شامل تھا[۲]۔ مگر فاتح کی حیثیت سے جو شہرت اس کو حاصل ہوگئی ہے۔ اس سے یہ اغلب ہے کہ اس کی فتوحات کا سلسلہ دریائے سندھ کے دہانوں تک بڑھا ہوا تھا۔ اور اگر اس کے وقت میں وہ لوگ موجود تھے۔ تو اس نے ان پارتھی بادشاہوں کا بھی بالکل صفایا کر دیا۔ جو اس علاقے میں پہلی صدی عیسوی تک حکمراں تھے۔ مگر اس کے بعد ان کا نام سننے میں نہیں آتا۔

اس کے تعلقات روما الکبری سے

وہ ہندی سفارت جس نے ۹۹ء میں ٹراجن کے روما میں واپس آنے کے بعد اس کی خدمت میں

---

[۱] سٹین "دی اینشنٹ ختن" صفحہ ۲۷۔

[۲] سوئی بہار بہاول پور کے قریب کے کتبے پر جس کو ہارنل نے بعد تصحیح انڈین انٹی کویری جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۴ میں طبع کرایا۔ مہاراجہ راجہ تراجہ دیوپتر کنشک کی حکومت کے گیارھویں سال کی تاریخ ہے۔ جو مطابق ہے مقدونوی ماہ ڈیسئوس کی ۲۸ تاریخ کے۔ یہ جنتری کسی سال یا سمت کے ظاہر کرنے کے استعمال کی جاسکتی ہے۔ جس طرح کہ ۲۹۷ ق م کے پونٹک سال کے ظاہر کرنے کے لئے کی گئی تھی (نیومسمیٹک کرانل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱۸)۔ اسی طرح جہانگیر ایرانی شمسی ماہ کے ناموں کو ہجری کے قمری ماہ کے ساتھ استعمال کیا کرتا تھا۔

سارکباد عرض کی غالباً اس کو کنشک نے ہی اپنی فتوحات کو مشتہر کرنے کے لیئے روانہ کیا ہوگا[1]؎

ٹراجن کے سنہ ۱۱۶ع میں دریائے دجلہ و فرات کے درمیان علاقہ الجزیرہ پر عارضی طور پر قبضہ کرنے سے روما الکبرےٰ کی سرحد اور یوچی سلطنت کی مغربی حد میں صرف (۶۰۰) میل کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ اور اگرچہ دریائے فرات کے مشرقی صوبے کو اس کی فتح کے دوسرے ہی سال ہڈرین نے واگذاشت کر دیا تھا۔ مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اس زمانے میں شمالی اور مغربی ہندوستان کے بادشاہ اس مغربی سلطنت کی عظمت اور شہرت سے بخوبی واقف تھے[2]؎

کشمیر کی فتح یہ غالباً کنشک کا ہی کام تھا کہ اس نے کشمیر کی دور افتادہ وادی کو زیر نگین اور اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کیا۔ یہ یقینی ہے کہ اس نے اس خوشگوار ملک کو اپنے اور تمام مقبوضات میں ہمیشہ مرجح سمجھا۔ یہاں اس نے بہت سی عمارات تعمیر کرائیں۔ اور ایک شہر بسایا۔ جو اگرچہ اب محض ایک گاؤں ہی رہ گیا ہے مگر کنشک کا نام اب تک اس میں باقی ہے[3]؎

---

[1] "اور جب ٹراجن روما میں واپس آگیا تو بیرونی بادشاہوں کے درباروں میں بڑی بڑی سفارتیں اس کے پاس آئیں۔ اور ایک سفیر خاص کر ہندوستان سے آیا۔ . . . . . وہ (ٹراجن) جب سمندر (دریائے دجلہ کے دہانے) تک پہنچا تو اس نے ایک جہاز کو ہندوستان کی طرف جاتے دیکھا" (ڈیون کیسئس۔ ہسٹری آف روم۔ باب ۹ فصل ۵۸۔ باب ۱۷ فصل ۲۸۔ منقول فی میک کرنڈل اینشنٹ انڈیا سنہ ۱۹۰۱ صفحہ ۲۱۳)؎

[2] وہ صوبے جن کو ہڈرین نے چھوڑ دیا تھا۔ آرمینیہ۔ الجزیرہ۔ اور السیریا کے علاقے تھے۔ (میریویل "دی ہسٹری آف دی رومن" باب ۶۶)؎

[3] اشٹین:۔ راج ترنگنی۔ مترجم باب اول ۱۶۸۔ ۲ ۱۷۔ کنشکپور کی جگہ اب ایک گاؤں کانسپور آباد ہے۔ جو ۳۴ ۔ ۷ مشرقی طول بلد۔ اور ۳۴ ۔ ۱۴ شمالی عرض بلد پر

پاٹلی پتر پر حملہ روایت کا بیان یہ ہے کہ کنشک اندرون ملک میں بہت دور تک چلا گیا تھا۔ اور اس نے اس بادشاہ پر حملہ کیا تھا جو پاٹلی پتر کے قدیم دار السلطنت میں حکمراں تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس شہر سے بدھ مذہب کے ایک ولی اسوگھوش نامی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس حکایت کے تمام پہلوؤں اور اختلافات کا مقابلہ کرنے کے بعد صرف اتنی بات صحیح مان لینے کے وجوہ ملتے ہیں کہ کنشک اور اسوگھوش ہمعصر تھے[1]۔ اگرچہ وہ نظام سنین جو اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ دریائے بہت اور اس شاہ راہ کے درمیان واقع ہے جو بارامولا سے سرینگر کو جاتی ہے۔ کشمیر کی تاریخ کی عبارت حسب ذیل ہے:۔ "اس کے بعد اس ملک میں تین بادشاہ گذرے جن کے نام ہُشک جُشک اور کنشک تھے۔ انھوں نے اپنے ناموں سے تین شہر الگ الگ بسائے۔ جشک وہ شاہ دانشمند جس نے جشکپور بسایا تھا۔ اسی نے جے سوامی پور کو بھی آباد کیا تھا۔ یہ بادشاہ جو نہائت عابد و زاہد تھے اگرچہ نسلاً ترشک کی قوم سے تھے۔ مگر انھوں نے سشکلیتر اور دوسرے مقام مثل مٹھ چیت وغیرہ تعمیر کرائے" (اسٹین ترجمہ راج ترنگنی باب ۱-۱۷۱-۱۶۸)۔ آگے چل کر کلہن لکھتا ہے کہ ان زبردست بادشاہوں کے زمانے میں تمام کشمیر کا علاقہ بہیئت مجموعی بدھ مت والوں کے قبضے میں تھا۔ ان کی تاریخ وہ نروان کے (۱۵۰) برس بعد بتلاتا ہے۔ مگر بظاہر یہ بالکل خلاف عقل ہے۔ جشک کے نام سے ایک اور نام جُوشک بھی نکل سکتا ہے۔ اس بادشاہ کے وجود کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ اس کا آباد کیا ہوا شہر اب تک موجود ہے۔ اور سرینگر کے شمال میں زکور کے نام سے ایک آباد قصبہ ہے۔ باسودیو سے اس کو ایک کرنے کی کوئی کافی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ وہ کشمیر میں محض ایک نائب السلطنت کی حیثیت سے ہی ہو۔ کنشک اور ہوشک کے سکّے اس ملک میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ترشک کے لفظ کا اطلاق اکثر مسلمانوں پر کیا جاتا تھا۔ اور میرے نزدیک اس کے معنے صرف یہ ہیں کہ کوئی وہ شخص جو دروں کے پار سے ہندوستان آیا ہو۔" اس اصطلاح کا مطلب ہرگز یہ نہ لینا چاہیئے کہ کنشک وغیرہ کا تعلق ترک اور یا ان کے ہم جنس کسی خانہ بدوش قوم سے تھا۔

[1] چینی ترجمہ جو ۴۰۵ء میں ایک گم شدہ سنسکرت کتاب سری دھرم پٹک سمپرادیا ندان (۶)سے

صحیح ہے تو ہندی سیتھی یا کشان خاندان کی سلطنت کنشک کے عہد حکومت میں مہاراشٹر کے کشہرات سترپ نہپان اور اجین کے سترپ چیشٹنس کی معرفت جو غالباً سک قوم کا تھا تمام مغربی ہندوستان پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- کیا گیا منقول از لیوی :- "نوٹس سر لیس انڈو سیتھیز" صفحہ ۳۶ - ملک تبت کی ایک روایت کے مطابق کنشک نے اسوگھوش کو دوستانہ طور پر اپنے دربار میں مدعو کیا - مگر کیونکہ وہ اضمحلال اور معمری کی وجہ سے اس دعوت کو قبول نہ کر سکا اس وجہ سے اس نے اپنے چیلے جنان لیس کو اپنی جگہ بھیج دیا (ترجمہ سُمپاہی جیوجنگ - جرنل بدھسٹ ٹکسٹ سوسائٹی ۱۸۹۳ء حصہ تین صفحہ ۱۳) - اس سے ایک ذرا مختلف روایت شیفر نے اپنی کتاب تارناتھ (باب ۱۲) میں - اور ایک روایت وٹیرس (جلد ۲ صفحہ ۱۰۴) نے دی ہے - جو کہتا ہے کہ اس ولی اللہ کو کانی ٹا (کنشک) بادشاہ کے حوالے بطور تاوان جنگ کے کر دیا گیا تھا چینیوں کے کانیٹا کے نام استعمال کرنے کی توجیہہ بھی کنشکپور (یا کانسپور) کے مقامی برہمنوں کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ان کے خیال میں شہر کے بانی کا نام کنشتھ راجہ تھا (اسٹین - ترجمہ راج ترنگنی باب ۱ - فصل ۵ - صفحہ ۱۶۸ حاشیہ) - یہ کانیٹا راجہ بھکشوؤں کے ساتھ نہایت تلطف اور عزت سے پیش آتا تھا - اور اسوگھوش نے کشمیر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد اپنا کام برابر جاری رکھا - مسٹر وٹیرس لکھتا ہے کہ "بدھ مذہب کا یہ زبردست عالم بظاہر دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے - وہ شاعر - موسیقی داں - عالم - مذہبی مناظر ایک جوشیلا بھکشو - مذہب کا نہایت پکا اور اس کے تمام قواعد وضوابط کا پابند تھا" اسوگھوش پارسوا کا چیلا تھا جس نے کنشک کی منعقدہ مجلس میں سب سے زیادہ شرکت کی تھی - (وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۰۹) - ایم - نوشر کا بھی براہ راست یہی خیال ہے کہ اسوگھوش دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے - اگر یہ رائے درست اور قابل ثبوت ہے اور اگر اسوگھوش ایک حد تک کنشک کا ہمعصر بھی تھا - تو پھر کنشک کا ۵۸ء قبل مسیح میں تخت پر بیٹھنا ناممکن ہے ؛

پھیل گئی تھی۔ جیسا کہ ان کے خطابات سے ظاہر ہے یہ دونوں سردار یقیناً کسی اعلیٰ تر بادشاہ کے زیر نگرانی ہوں گے۔ اور یہ بادشاہ یا حاکم سوائے کنشک اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کا دارالسلطنت کنشک کا دارالسلطنت پرشپور (موجودہ پشاور) تھا۔ یہی وہ شہر تھا اور اب بھی ہے جو افغانستان کے دروں سے ہندوستان کی شاہ راہ کی حفاظت کرتا ہے۔ اپنی زندگی کے آخری حصے میں جب کنشک بدھ مت کا پرجوش حامی اور پیرو ہو گیا تھا تو اس نے اسی مقام پر تبرکات کا ایک زبردست مینار تیار کیا تھا جس کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے عجائبات میں شمار کیے جانے کے لائق تھا۔ بنیاد کے اوپر تیرہ منزلوں کا ایک مینار قائم کیا گیا تھا۔ جو بلندی میں (۴۰۰) فیٹ تھا۔ اور جس پر لوہے کا ایک زبردست کلس تھا۔ جب ایک چینی جاتری سنگ یُن چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں اس جگہ آیا تھا۔ تو یہ مینار تین دفعہ جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ اور ہر دفعہ کوئی نہ کوئی زاہد و عابد بادشاہ پھر اس کو قائم کر دیتا تھا۔ ایک خانقاہ جو اسی کے قریب واقع تھی۔ نویں صدی عیسوی تک بدھ مذہب کی

لے پشاور کے گرد و نواح گندھار کے علاقے کے جغرافیائی حالات کے لئے دیکھو ایم۔ فوشر کا قابل قدر اور نایاب رسالہ:۔ نوٹس سر لا جیوگریفی انسین ڈی گندھارا (ہنوئی ۱۹۰۱ء) تارناتھ (شیفنر باب ۱۳ صفحہ ۶۲) قریب ہی کے ایک اور شہر اشبکلا نر کا ذکر کیا ہے جو کنشک کے بیٹے کا جائے قیام تھا۔ تبرکات کے مینار کا سب سے زیادہ تفصیلی بیان سنگدین کا ہے (بیل۔ ریکارڈس جلد اصفحہ ۱۰۳ (iii G) اور چوینیز کی کتاب دوسری ایڈیشن۔ ہنوئی ۱۹۰۳ء)۔ اس کا ذکر فاہیان (باب ۱۲) اور ہیون سانگ (باب ۲۔ بیل جلد اول۔ صفحہ ۹۹۔ واٹیرس جلد اول صفحہ ۲۰۴) نے کیا ہے۔ ۱۰۳۰ء میں البیرونی تک نے کنک چیتیا کا ذکر کیا ہے۔ (زخاؤ ترجمہ جلد دوم صفحہ ۱۱)۔ خانقاہ کا ذکر ہیون سانگ نے کیا ہے (بیل جلد اصفحہ ۱۰۳)۔

تعلیم کا ایک بارونق مرکز تھا۔ اسی آخری زمانے میں بدھ مذہب کا ایک زبردست عالم ویر دیو بھی وہاں آیا تھا جو آخر کار نگرہار کے بادشاہ دیو پال کے زمانے میں (سنہ ۸۴۲-۹۲ء) نالندہ کی خانقاہ کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا؛

اس مشہور و معروف عمارت کی آخری بربادی بلا شک و شبہ محمود غزنوی اور اس کے جانشینوں کے حملوں سے ہوئی۔ بدھ مذہب کے مقدس مقامات میں بتوں کی افراط و کثرت کے نظارے سے مسلمان بت شکنی کے واسطے دیوانہ وار بڑھتے تھے۔ اور ان کا جوش بالآخر تباہی اور بربادی کی صورت پکڑ لیتا تھا؛

پارتھی جنگ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کنشک کی اولوالعزمی ہندوستان کی سرحد کے اندر محدود نہ تھی۔ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے پارتھیوں کے مقابلے میں ایک کامیاب جنگ کی تھی جس میں اس نے اس قوم کے بادشاہ پر حملہ کیا جس کے متعلق کہتے ہیں کہ "سخت احمق اور تیز مزاج تھا"[2] یہ پارتھی بادشاہ ممکن ہے کہ خسرو ہو یا ان رقیب شہزادوں میں سے کوئی اور ہو جو پارتھی تخت و تاج کے سنہ ۱۰۸-۱۳۰ء کے درمیان میں دعویدار تھے[3]؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- اس مقام کے محل وقوع کو ایم۔ فوشر نے دریافت کیا تھا۔ فوشر کی تبلائی ہوئی جگہ کو محکمۂ آثار قدیمہ نے نہایت کامیابی سے کھودا۔ اور اس میں سے سب سے زیادہ قابل قدر معلومات و تبرکات کا ڈبا ہے ایک تصویر اور کنشک کا ایک کتبہ ہے۔ کنشک کے میر عمارات کا یونانی نام اگے سیلوس تھا۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۱۰۹۔ اینوئل رپورٹ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا۔ سنہ ۱۹۰۸-۹ء صفحہ ۶-۲۰۔ ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون صفحہ ۸-۲۵۹۔ پلیٹ ۷۵)؛

[1] گھوسراؤں کا کتبہ مصحح و مترجمہ کیلہارن۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۷ (سنہ ۱۸۸۸ء) صفحہ ۳۰۷-۱۲؛

[2] لیوی۔ کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۴؛

[3] جی۔ رالنسن:- پارتھیا سنہ ۱۸۹۳ء صفحہ ۳۰۶؛

کاشغر۔ یارقند اور ختن کی فتح

کنشک کی سب سے زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز فوجی مہم کاشغر۔ یارقند اور ختن کی فتح تھی۔ یہ چینی ترکستان کے نہایت وسیع صوبے ہیں جو تبت کے شمال اور پامیر کے مشرق میں واقع ہیں۔ اور آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی چین کے باجگذار تھے[1]۔ جب [illegible] میں اس [illegible] نے اس دشوار مہم کو سر کرنے کی کوشش کی تھی تو جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس کو اس میں سخت ناکامیاب اور رسوا ہونا پڑا تھا۔ اور مجبوراً اس نے چین کو خراج ادا کرنا منظور کر لیا تھا۔ لیکن تھوڑی مدت کے بعد۔ جب پن۔ چو کا انتقال ہو گیا۔ اور اس نے بھی ہندوستان اور کشمیر کے پرامن مقبوضات کو مستحکم کر لیا۔ تو وہ اب گذشتہ مرتبہ کی بہ نسبت زیادہ تیار تھا کہ تاغدمباش پامیر کے دشوار گذار پہاڑوں کو ایک زبردست فوج کی ہمراہی میں قطع کرے۔ یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جو ہندوستان کا کوئی موجودہ حکمراں انجام دینے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ کنشک دوسری مہم میں کامیاب ہوا۔ اور نہ صرف خراج کی ادائی کے فرض سے اپنی گلوخلاصی کر لی۔ بلکہ ایک ایسی ریاست سے یرغمال بھی حاصل کیئے جو سلطنت کی باجگذار تھی۔ ایک صاحب تاریخ کا یہ بیان کہ ان یرغمالوں میں چین کے ہن خاندان کے شاہنشاہ کا بیٹا بھی شامل تھا۔ اس قابل نہیں معلوم ہوتا کہ اس پر یقین یا اعتبار کیا جاوے۔ وہ علاقہ جس کے حکمراں کے خاندان سے یہ یرغمال حاصل کیئے گئے تھے۔ کاشغر سے کچھ بہت دور واقع نہ تھا؛

یرغمال

ان یرغمالوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا جو ان کے مرتبے اور شہزادگی کی شان کے شایاں تھا۔ ان کی بہت کچھ خاطر و مدارات کی گئی۔ اور تینوں موسموں میں ان کے لائق مختلف بدھ خانقاہوں میں ان کو رہنے کی جگہ دی گئی۔ گرمی کے موسم میں جب کہ ہندوستان کے میدان

---

[1] یارقند موجودہ تلفظ ہے۔ عموماً مسلمان اس نام کو یارقند لکھتے چلے آئے ہیں۔ (اسٹین اینشنٹ ختن صفحہ ۸۷) ؟

دوزخ کا نمونہ ہو جاتے تھے۔ تو وہ ہنیان کی ایک خانقاہ شا۔ لو۔ کا ہیں ٹھنڈی ہوائیں کھاتے تھے۔ اس نام کے معنے غالباً خانقاہ کا شعر ہیں۔ یہ کپس یعنے کابل کے اُس طرف موجودہ کافرستان میں واقع تھی۔ اور خاص کران کیلئے اس مقصد کے لیئے تعمیر کی گئی تھی۔ موسم بہار و خزاں کے دوران میں جس میں برسات کا موسم بھی شامل تھا یہ لوگ گندھار غالباً خاص دارالسلطنت ہی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ موسم سرما میں ان کا قیام مشرقی پنجاب کے کسی نامعلوم مقام پر ہوتا تھا۔ جس کا نام اسی وجہ سے چین پر بھکتی پڑ گیا تھا۔ ان کی نسبت یہ مشہور تھا کہ انھوں نے چین بھکتی کم سکونت کے دنوں میں ناشپاتی۔ اور شفتالو سب سے پہلے ملک میں رواج دیا ورنہ اس سے قبل یہ دونوں پھل اس نواح میں بالکل ناپید تھے۔ ان میں سے ایک نے وطن جانے سے پہلے سونے اور جواہرات کا ایک بڑا ذخیرہ کپس کی خانقاہ کو بطور عطیئے کے دیا۔ اور وطن جانے کے بعد بھی ہر ایک نے اس نیک سلوک کو یاد رکھا جو خانقاہ میں ان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور ہمیشہ وہاں سے خانقاہ کے پجاریوں کے نام رقوم بھیجتے رہے۔ احسان مند اور ممنون بھکشوؤں نے بھی اپنی دیواروں پر اپنے ان مہمانوں کی تصویریں کھینچیں جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شکل و شباہت اور لباس میں بہت کچھ چینیوں کے مانند تھے۔ جب سنہ ۶۳۰ء کے موسم باراں میں ہیون سانگ کپس کی خانقاہ میں مقیم تھا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں ان کے محسنوں کی یاد اب تک تازہ ہے اور وہ ان کی مغفرت کے لیئے اب تک دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ سنہ ۳۴-۶۳۳ء میں وہ چودہ ماہ تک چین بھکتی کی اس خانقاہ میں مقیم ہوا جس میں پہلے وہ یرغمال رہا کرتے تھے؛

خزانے کی حفاظت ہیون سانگ کے سوانح نویس نے ایک عجیب وغریب حکایت اس خزانے کے متعلق بیان کی ہے جو ایک یرغمال نے کپس کے مقام کی شا۔ لو۔ کا خانقاہ کے لیئے جمع کرایا تھا۔ اس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ وہ ویسروں یا کوبیر یا جمبل کے بت کے قدموں میں

خانقاہ کے بعد کے کمرے کے مشرقی دروازے کے جنوبی طرف مدفون کر دیا گیا تھا۔ ایک سپہ دین راجہ نے جب اس خزانے پر جبراً قبضہ کرنا چاہا۔ تو اس محافظ دیوتا کی طرف سے ایسی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ جن سے وہ ڈر گیا۔ اور اپنا قصد ترک کر دیا۔ اور جب وہاں کے بھکشوؤں نے دینے والے کے ارادے کے مطابق اس خزانے کو خانقاہ کی ترمیم و مرمت میں صرف کرنے کا ارادہ کیا۔ تو انھوں نے بھی ایسی ہی نشانیاں دیوتا کی خفگی اور ناراضگی کی دیکھیں ؀

اس وقت جب کہ ہیون سانگ اس خانقاہ میں ٹھیرا ہوا تھا۔ تو وہاں کے بھکشوؤں نے اس سے التجا کی کہ وہ دیوتا سے اس امر کی اجازت حاصل کر دے کہ اُس خزانے کو وہ گنبد کی مرمت میں جس کی سخت ضرورت تھی صرف کر دے۔ جاتری نے ان کی درخواست منظور کی۔ خوشبوئیں روشن کیں۔ اور باضابطہ طور پر دیوتا کو اس بات کا یقین دلایا کہ خزانے میں سے کسی قسم کی فضول خرچی یا غبن نہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد مزدوروں نے اس جگہ کو کھودنا شروع کیا۔ اور اس مرتبہ کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہوئی جس سے دیوتا کی ناخوشی ظاہر ہوتی۔ آخر کار (۷) یا (۸) فیٹ کی گہرائی پر تانبے کا ایک زبردست برتن دکھلائی دیا جس میں منوں سونا اور ایک بڑی تعداد موتیوں کی تھی۔ گنبد کی مرمت کے بعد جتنا روپیہ کہ باقی بچا۔ وہ غالباً بہت ہوئی کہ ہیون سانگ سے کم پرہیز گار کھودنے والوں نے نکال لیا ہوتا[1] ؀

---

[1] متن کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے وجوہ مفصل طور پر طبع دوم کے ضمیمہ الف میں لکھے گئے مگر یہاں ان کا اعادہ غیرضروری ہے۔ اس موقع پر صرف چند امور پر توجہ مبذول کرانی ہی کافی ہوگی۔ وہ علاقہ جس سے کہ یہ غال آئے تھے۔ جیسن کی وہ باجگزار ریاست تھی جس کو دریائے سیتا یا یارقند اور نام نہاد کا جکشو۔۔۔

اشوک کی حکایات کا عکس

کنشک کے تبدیل مذہب اور اس کے بعد بدھ مت کے لیئے اس کے جوش کی جو حکایات بیان کی جاتی ہیں۔ وہ اشوک کی حکایات سے اس قدر مشابہ ہیں۔ کہ یہ فیصلہ کرنا ذرا مشکل ہے کہ ان میں کتنی سچائی ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- دریائے سیحون سیراب کرتا ہے۔ چکشو کا نام معلوم ہوتا ہے کہ مشہور ہیئت داں بھاسکر اچاریہ سے لیا گیا ہے (کولبرک :- سدھانت سرومنی وغیرہ اور ولسن کی سنسکرت ڈکشنری۔ الفنسٹن منقول فی ایلیٹ کی ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ ۵) مگر پروفیسر بھاٹک نے ثابت کیا ہے (انڈین انٹی کوئری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۶۲) کہ سیحون کا سنسکرت نام وکشو ہے۔ اور اس سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ چکشو کاتب کی غلطی ہے کیونکہ زمانۂ وسطیٰ میں رچ اور و میں غلطی ہو جانی ممکن تھی ؛

کپیس کے علاقے میں ان یرغمالوں کی خانقاہ ہنیان مذہب کی تھی اور اسی وجہ سے اس کا تعلق کاشغر کے ہنیانی ملک سے تھا نہ کہ یارقند کے مہایانی علاقے سے۔ یہ ممکن ہے کہ کاشغر میں ہنیانی مذہب کی تبلیغ اشوک کے زمانے میں ہوئی ہو ؛

بیل کے ترجمہ کے مطابق یہ خزانہ "چند سو کٹی سونے اور کچھ موتیوں پر مشتمل تھا"۔ کٹی ایک چینی وزن ہے جو کہا جاتا ہے کہ ½ ۱ پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔ یرغمالوں کی حکایت کے حوالے حسب ذیل ہیں :-

ہیون سانگ (یوان چوانگ) ریکارڈس۔ ویٹرس جلد اول صفحہ ۱۲۴ اور بیل جلد ۱ صفحہ ۵۷ کپیس کے لیئے۔ کتاب مذکورہ ویٹرس جلد ۱ صفحہ ۲۹۲۔ اور بیل جلد ۱ صفحہ ۱۷۳۔ چینا بھکتی کے لیئے۔ لائف ہیون سانگ صفحہ ۵۴۔ کپیس کے لیئے اس حکایت پر اور فرنیک نے بیٹرج ․ ․ ․ ․ زر کینٹنس ڈر ٹر کغوا کوغیرہ برلن ۱۹۰۴ء صفحہ ۸۰ میں بحث کی ہے۔ دریائے سیتا کے معلوم کرنے کے لیئے دیکھو اسٹین :- ختن (۱۹۰۷ء) صفحہ ۲۷۔ ۳۵۔ ۴۲۔ چینا بھکتی کی ہجا ویٹرس نے قائم کیئے ہیں۔ یہ شہر جالندھر کے جنوب مغرب میں واقع تھا۔ اور اسے فیروزپور کے ضلع میں تلاش کرنا چاہیئے ؛

کہاں تک وہ واقعات پر مبنی ہیں۔ اور کہاں تک وہ محض قدیم روایات کا پرتو ہیں۔ اشوک کی طرح اس یو۔چی بادشاہ نے اپنی تزک کی عبارتیں نہیں چھوڑیں۔ اور اسی وجہ سے جب ایک دینی کتاب سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تبدیل مذہب کی وجہ بھی اشوک کی طرح خونریزی سے نفرت تھی تو ہمیں کوئی ایسا بیان نہیں ملتا جس سے کہ قول کی تصدیق و تنقیح ہو سکے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ بیان محض اس حکایت کا ایک قسم کا پرتو ہے جو اشوک نے اپنے متعلق بیان کی تھی۔

کنشک کا تبدیل مذہب جس طرح کہ مذہبی کتب کے مصنفین نے اشوک کے تبدیل مذہب اور ساکیامنی کے دین کو اختیار کرنے کے تاثرات کو فروغ دینے کے لئے اشوک کے کفر دالحاد کے زمانے کی بے رحمی اور خونریزی کے ذکر میں افراط و تفریط کی ہے۔ اسی طرح کنشک کی نسبت بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کو بری یا بھلی کسی بات کا عقیدہ نہ تھا۔ اور اوائل زندگی میں وہ بدھ مذہب کو پوچ اور لچر سمجھتا تھا[1]۔ اس کے عقیدے کی تبدیلیوں کی سب سے اچھی سند اس کے کثیر التعداد اور مختلف سکوں سے ملتی ہے جو اکثر قدیم سکوں کی طرح نہ صرف اس بادشاہ کے مذہب پر روشنی ڈالتے ہیں جس نے کہ وہ سکے مضروب کئے بلکہ ان قوموں کے مذاہب پر بھی جو اس کے زیر نگین تھیں۔ اس کے سب سے بہتر اور غالباً سب سے قدیم سکوں پر یونانی زبان اور طرز تحریر میں عبارتیں ہیں۔ اور ان پر سورج اور چاند کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔ جن پر ان کے یونانی نام ہیلئوس اور سیلینے[2] کندہ ہیں۔ بعد کے سکوں میں یونانی طرز تحریر تو باقی ہے مگر زبان یونانی نہیں بلکہ قدیم فارسی ہے۔ اور ساتھ ہی وہ دیوتا جن کی مورتیں ان پر ہیں۔ ان میں یونانی۔ ایرانی

---

[1] بیل۔ ریکارڈس۔ جلد اول صفحہ ۹۹۔
[2] سکوں پر اسے سیلینے لکھا ہے۔

اور ہندی ہر قسم کے دیوتا ملتے ہیں[1]۔ وہ نادر سکے جن پر بدھ ساکیامُنی کی مورت اور یونانی زبان میں اس کا نام منقوش ہے بالعموم یہ قیاس ہے کہ اس کی حکومت کے آخری زمانے کے ہوں گے۔ لیکن اُن کی ساخت میں کمال صناعی نمایاں ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ قیاسی زمانے سے وہ پہلے کے ہوں[2]۔ اگرچہ کنشک کے تبدیل مذہب کی صحیح تاریخ کا تعین ناممکن ہے۔ مگر اغلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اُس کے تخت نشین ہونے کے چند سال بعد ہی ظہور میں آیا ہوگا۔

بدھ بطور ایک دیوتا کے۔

بدھ کا مختلف النوع اور بے میل دیوتاؤں کے گروہ میں نمودار ہونا اشوک کے نزدیک ایک عجیب و غریب خیال ہوگا۔ بلکہ ایسی بات اس کے سان و گمان میں بھی کبھی نہ آئی ہوگی۔ مگر کنشک کو یہ بات بالکل معمولی معلوم ہوتی تھی۔ اصل یہ ہے کہ اس کے زمانے کا نیا مذہب جو مہایان کے نام سے مشہور تھا ایک بڑی حد تک بیرونی اثرات سے متاثر تھا۔ اور اس کے ارتقاء میں ہندی۔ زردشتی۔ عیسائی۔ ناسٹک اور یونانی عناصر کا عمل ہوا تھا۔ اس عمل کو سکندر کی فتوحات۔ ہند میں موریا سلطنت کے

---

[1] سکوں کے متعلق خاص کتب کے علاوہ دیکھو اسٹین کا قابل قدر مضمون "زررواسٹرین ڈیٹیز آن انڈو سیتھین کائینز" (اورنٹیل اینڈ بیلونیئن ریکارڈ اگست ۱۸۸۷ء) اس سال میں نٹ نے اسے دوبارہ شائع کرایا۔ اور چند اضافات کے ساتھ پھر انڈین انٹی کویری جلد ۱۷ (۱۸۸۸ء) صفحہ ۸۹ میں طبع ہوا)۔ ایم۔ اورل اسٹین کی نظریات پر علم اللسان کی رو سے کرسٹ نے سیگر اجازت سے مخالف تنقید کی (وائنا اورئینٹل جرنل جلد دوم (۱۸۸۸ء صفحہ ۲۴۲ - ۲۳۷)۔ جہاں تک میں علمی باتوں کو سمجھ سکتا ہوں نقاد راستی پر معلوم ہوتے ہیں۔ جب میری کتاب دوسری مرتبہ طبع ہوئی ہے تو مجھکو کرسٹ کے مضمون کا علم نہ تھا۔

[2] نان سیلٹ۔ نیچ فونکیہ صفحہ ۱۹۵۔

قیام۔ اور سب سے بڑھ چڑھ کر شروع کے قیاصرہ کے زمانے میں رومتہ الکبریٰ کے اتحاد سے بہت مدد ملی تھی۔ اس نوخاستہ بدھ مذہب میں گوتم بدھ اگرچہ نظری طور پر نہیں لیکن عملاً ایک دیوتا بن گیا تھا۔ اور اس کے ماتحت بدھی ستو کی کم طاقتور قوتیں تھیں جو گنہگار لوگوں اور اس کے درمیان بیچ بچاؤ کا کام دیتی تھیں۔ اسی قسم کا بدھ ان اقوام کے دیوتاؤں میں شامل ہو گیا تھا جو کنشک کی وسیع سلطنت میں اس کے زیر فرمان تھیں اور غالباً بعد کے زمانے کے راجہ ہرش کی طرح جو شیو اور بدھ دونوں کا مطیع اور پیرو تھا کنشک بھی اپنے نام نہاد کے تبدیل مذہب کے بعد پرانے اور نئے دیوتا دونوں کی پرستش کرتا تھا۔

گندھار کی سنگ تراشی

گندھار کے مشہور و معروف سنگ تراشی کے نمونے جو ضلع پشاور اور گرد و نواح کے علاقے میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور جس کے بہت سے اچھے نمونے کنشک اور اس کے جانشینوں کے زمانے کے ملتے ہیں۔ اس نئے اور تغیر شدہ بدھ مذہب کی صورت کو بہت اچھی طرح ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ایک مذہب تھا جس میں بہت سے دیوتا شامل تھے[1]۔ کورنتھ کے سے ستونوں کے اوپر کے آراستہ و پیراستہ حصے اور دیگر خصوصیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گندھار کی سنگ تراشی یونانی رومی عام صنعت کی محض ایک شاخ تھی۔ لائق نقاد فن اب اس امر میں

[1] پرانے مصنفین نے اس بات کو پوری طرح محسوس نہیں کیا تھا۔ مگر اب اسے پروفیسر گرنوڈل اور ایم۔ فوشیر نے بالکل ثابت کر دیا ہے۔ اسی سنگ تراشی میں بدھی ستو کی بے شمار مورتیں شامل ہیں۔ اس مضمون پر سب سے بڑی سند ایم۔ فوشیر کی عالمانہ رسالہ "آرٹ گریکو بدھیک ڈو گندھارا" ہے جس کی پہلی جلد (صفحات ۶۳۹) ۱۹۰۵ء میں طبع ہوئی۔ دوسری جلد اب تک شائع نہیں ہوئی۔ دیکھو اس کے علاوہ "اے ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" باب ۴۔

عام طور پر متفق ہیں کہ فن کی اس شاخ کے آخری ارتقا کا زمانہ دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں تھا[1]

بدھ مذہب کی مجلس۔

بدھ مت کی مذہبی تاریخ میں کنشک کی حکومت اس خصوصیت سے اور مشہور ہے کہ اس نے ایک مذہبی مجلس منعقد کی تھی۔ جس کا نظام بالکل اُسی اسلوب پر تھا۔ جیسا کہ اشوک کی مجلس کا۔ کنشک کی کونسل کا ذکر لنکا کی تاریخوں میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ اور مظنۂ غالب یہ ہے کہ ان کو کبھی اس کے متعلق کوئی اطلاع ہی نہیں ملی۔ اسی وجہ سے اس کی نسبت تمام معلومات کا انحصار شمالی ہند کی ان روایات پر ہے جو چینی۔ تبتی۔ اور منگولی مصنفین نے محفوظ رکھی ہیں۔ قدیم مجالس کی طرح اس مجلس کے حالات میں بھی سخت اختلاف ہے اور تمام تفصیلات صریحًا فسانہ آمیز و قیاسی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کنشک نے ایک راہب کے زیر ہدایت جو ہر روز اس کو پڑھانے محل میں جایا کرتا تھا فرصت کے اوقات میں بدھ مذہب کی مقدس کتب کا مطالعہ کیا۔ بادشاہ کو مختلف فرقوں یا مذاہب کی متضاد تعلیمات سے بہت کچھ پریشانی ہوئی۔ اور اس نے اپنے استاد مقدس پارسوا کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ بہتر یہ ہے کہ مذہب کے صحیح عقائد و بیانات کو حاصل کیا جائے۔ پارسوا نے اس رائے سے بالکل اتفاق ظاہر کیا۔ اور فوراً دینی علمار کی ایک عام مجلس منعقد کرنے کے لیئے انتظامات کیئے گئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تمام علمار جو مدعو کیئے گئے تھے محض ایک ہی فرقے یعنے ھنایان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ سب سے پہلا سوال جس کا تصفیہ کرنا ضروری تھا وہ یہ تھا کہ مجلس کا انعقاد کہاں ہو۔ بادشاہ نے گندھار کے علاقے کو تجویز کیا۔ مگر وہاں یہ اعتراض ہوا کہ اس کی آب و ہوا زیادہ گرم تر ہے۔ پھر کسی نے

[1] محکمۂ آثار قدیمہ کے کارکنوں کی رائے ہے کہ یہ اس سے بہت قبل پہلے کی تاریخ میں ہو چکا تھا۔

تجویز کیا کہ مگدھ علاقے میں راج گڑھی کے مقام پر جہاں پہلی مجلس بھی منعقد ہوئی اس کا بھی انعقاد کیا جائے۔ بالآخر تصفیہ یہ ہوا کہ کشمیر کے خوشگوار علاقے میں وہاں کے دارالسلطنت کے قریب کندلون کے مقام پر مجلس کا انعقاد ہو۔ باسومتر اس کا صدر اور مشہور و معروف مصنف اسوگھوش جس کو مذکورۂ بالا حکایت کے بموجب پاٹلی پتر سے قید کر کے لائے تھے اس کا نائب صدر مقرر ہوا۔ اراکین نے جو تعداد میں (۵۰۰) تھے بڑی تندہی سے قدیم ترین مذہبی علوم کی کتابوں سے لے کر کتب حاضرہ تک کی چھان بین کی تھی۔ اور شریعت کے تینوں حصوں پر بڑی ضخیم تفسیریں لکھیں۔ جو کتابیں اس طرح تیار کی گئیں ان میں مہا وبھاشا بھی شامل تھی۔ جو آجکل بھی چینی زبان میں موجود ہے۔ اور جو بدھ مذہب کے فلسفے کا مجموعہ بیان کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر تکلکسو کا جو ان باتوں میں بہت بڑی سند ہیں خیال ہے کہ جب تک وہ کتاب علماء زمانہ کے ہاتھ میں نہ آجائے اس وقت تک کشمیر کی مجلس یا اس کے کاموں پر رائے زنی بالکل بے کار و فضول ہے۔ جب اس مجلس کا تمام کام ختم ہو گیا تو ان کی مرتب کی ہوئی تفاسیر کو تانبے کی چادروں پر کندہ کرایا۔ اور انھیں ایک خاص ستوپ میں جو اسی غرض سے کنشک نے تعمیر کرایا تھا محفوظ کر دیا۔ ممکن ہے کہ یہ قیمتی خزانہ سری نگر کے پاس کسی ٹیلے کے نیچے دبا ہوا اب بھی موجود ہو۔ اور کسی موقع پر مل جائے۔ مجلس کے خاتمے کے بعد کنشک نے کشمیر کی آمدنی کو اشوک کی طرح مذہب کے لئے مخصوص کر دینے کا دوبارہ ارادہ کیا۔ اور خود درۂ بارہ مولا میں سے ہو کر اپنے دارالسلطنت واپس چلا گیا[۱]۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ

[۱] اس مسئلے کی بڑی سند ہیون سانگ کی ہے (وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۷۰ - ۲۷۸ - بیل جلد اول صفحہ ۱۵۱ و ۱۱۷۔ تکلکسو کی تنقید وٹیرس کی کتاب پر۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۵ صفحہ ۴۱۴)۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ مجلس کشمیر میں بسومتر کے زیر صدارت کنشک شاہ گندھار کے

یہ مجلس ۱۰۰ء کے قریب منعقد ہوئی تھی۔ ساتھ ہی اس مجلس کو کوئی سیاسی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ حکم سے جو پردس کی زیر ہدایت تھا منعقد ہوئی تھی۔ پرمارتھ (سنہ ۴۹۹-۵۶۹ء) نے بسوبندھو کی سوانح عمری میں (دیکھو اس کتاب کا ضمیمہ ص) اس مجلس کا ایک بالکل جداگانہ بیان دیا ہے کہ وہ کشمیر کے علاقے میں نروان کے بعد پانچویں صدی میں منعقد ہوئی۔ اس نے کنشک کا نام نہیں لکھا۔ اور اس کے انعقاد کو کاتیاینی پتر کے نام سے منسوب کیا ہے۔ اس کے قول کے مطابق اسوگھوش کو سراسوتی کے صوبے کے مقام ساکیت سے مدعو کیا گیا تھا تاکہ وہ اپنے علم سے ان تفاسیر کے ملخص کرنے میں کام لے جو اس مجلس نے تیار کی تھیں (تکاکسو۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۲)۔

بسومتر کی کتاب مہاد بھاشا شاستر (ننجو کی فہرست نمبر ۱۲۶۳) جو کنشک کے زمانے کی خیال کی جاتی ہے جنان پرستھان شاستر کی جو سرادستی وادان کے فرقے کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے ایک ضخیم تفسیر ہے (تکاکسو۔ آئی۔ سنگ۔ بدھسٹ پریکٹسز صفحہ ۲۱)۔

منگولیا کی روایت کے مطابق اس مجلس نے بدھ کے اقوال کو جمع کرنے کا کام کیا۔ شاستر جنگول کر کلیگجی کے مطابق وہ کشمیر میں جالندھر کے مقام پر۔ اور سنگ ستین کے قول کے موافق گنجن گنسن کی سلطنت میں منعقد ہوئی تھی۔ (کلپراتھ۔ لیڈی کے فاہیان میں صفحہ ۲۴۹)۔

تیتی کہ گیور نے لکھا ہے کہ مجلس کا کام یہ تھا کہ وہ بدھ مذہب کو تیسری مرتبہ جمع کر دے (کاسما کردسی "ایشیاٹک ریسرچز" جلد ۲۰۔ منقول فی السٹیرن مونکزم صفحہ ۱۰۹)۔ وسلجیو (شیفنر صفحہ ۲۹۸) لکھتا ہے کہ "یوستن" کتاب کنشک کی کونسل کو نہیں مانتی۔ اور یہ "لن۔ گیور" نے مجلس کا انعقاد نشکہ طبو بدھ بتلایا ہے۔ اس کی صدارت وستی پتر نے کی تھی۔ اور اسی کے فرقے سے اس مجلس کا تعلق بھی تھا۔ چینی بیان ہے کہ مجلس کا انعقاد کنڈھار (؟ گندھار) کے مقام پر ہوا تھا۔

تارناتھ نے لکھا ہے کہ بعض مصنفین بیان کرتے ہیں کہ مجلس کشمیر میں خانقاہ کندون میں جمع ہوئی تھی۔ دوسرے لکھتے ہیں کہ وہ جالندھر کے مقام پر منعقد ہوئی تھی۔

اہمیت نہ دینی چاہیئے "؛

کنشک کی موت کے متعلق حکایت

ان حکایات میں جن کو ایم۔ سلوین لیوی نے شائع کیا ہے۔ ایک عجیب وغریب حکایت کنشک کی موت کے متعلق شامل ہے۔ جو ممکن ہے کہ اصلی واقعات پر مبنی ہو۔ اس سے تاریخ کے نئے سرے سے لکھے جانے پر جس کی تائید مسٹر آر۔ ڈی۔ بنرجی نے کی ہے۔ بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اسی کو مینے بھی تمام معلومہ واقعات کے سمجھنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ حکایت مفصلۂ ذیل ہے:۔

"اس بادشاہ کا ایک وزیر ماتھر نامی بڑا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ وہ خود کہتا ہے کہ اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ موخر الذکر مقام زیادہ قرین قیاس ہے۔ مگر اب آج کل جو شہادت دستیاب ہوتی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مجلس کشمیر میں ہی منعقد ہوئی تھی۔ ہیون سانگ جب اپنے جالندھر جانے کا ذکر کرتا ہے (بیل۔ جلد اول صفحہ ۱۷۵۔ واٹیرس جلد اول صفحہ ۲۹۶) تو مجلس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا۔ ممکن ہے کہ اس بات نے کہ بعض کتابوں میں کنشک کو جالندھر کا بادشاہ لکھا ہے اس عقیدے کو زیادہ عام کردیا ہو کہ مجلس کا انعقاد اسی مقام پر ہوا تھا۔ تارناتھ کے قول کے مطابق اس مجلس کے ان اٹھارہ فرق کے مابہ النزاع مسائل کا فیصلہ کیا تھا۔ جو کہ دیندار اور ناجی سمجھے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ تین ٹپک یا تو سب سے پہلی دفعہ ضبط تحریر میں لائے گئے یا یہ کہ اگر وہ پہلے تحریر میں آ چکے تھے تو ان کو اغلاط سے پاک کیا گیا۔ اس سے قبل مہایان کی ہمہ قسم کی کتب پہلے عرصۂ وجود میں آچکی تقیں (شیفنر صفحہ ۵۸)؛

اس سے قبل کی مجالس کی حکایت کی تنقید کے لئے دیکھو مصنف کا مضمون:۔ "دی آئی ڈینٹیٹی آف پیادسی ودھ اشوموریا۔ اینڈ سم کنکٹڈ پرابلمز" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس اکتوبر ۱۹۰۱ء)۔ کشمیر کے مقامی ناموں میں کندل کے معنوں کے لئے دیکھو اسٹین کا ترجمہ راج ترنگنی باب ۵۔ فصل ۵ صفحہ ۱۰۶؛

صاحبِ فراست تھا۔ اس نے کنشک سے کہا کہ:۔ "حضور اگر آپ اپنے خادم کی بات سنیں اور مانیں۔ تو تمام دنیا حضور کی حلقہ بگوش ہوجائے گی۔ سب کے سب آپ کے مطیع و فرماں بردار ہوجائیں گے۔ ہشت اقالیم آپ کے سائیہ عاطفت میں پناہ گزیں ہووں گے جو کچھ آپ کے خادم نے عرض کیا ہے اس پر غور فرمائیے۔ مگر اسے ظاہر نہ کیجئے" بادشاہ نے جواب دیا کہ "بہت بہتر۔ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی کیا جائے گا" تب وزیر نے تمام لائق و فرزانہ جنرلوں کو جمع کیا۔ اور چار پہلوؤں کی ایک فوج مرتب کی۔ جس طرف بادشاہ اپنے عنان پھیرتا لوگ اس کے سامنے اسی طرح سربسجود ہوجاتے جس طرح کہ گھاس طوفان برق و باد کے سامنے۔ تین اقالیم کے باشندے اطاعت کے لیئے حاضر ہوئے۔ اور بادشاہ کنشک کے رہوار کے سموں کے نیچے جو چیز آتی یا تو ٹوٹ جاتی اور یا مڑ جاتی۔ بادشاہ نے کہا "میں نے تین جہت کو تو زیر نگین کرلیا ہے۔ اور ان کے تمام آدمی میرے سائیہ عاطفت میں آگئے ہیں۔ صرف شمال کی جانب نے اب تک اطاعت نہیں کی۔ اگر میں اس کو بھی مطیع کرلوں۔ تو اس کے بعد میں کسی کے برخلاف ایسے موقع کی تلاش میں نہ رہوں گا کہ اس میں دست اندازی کروں۔ مگر اب تک اس میں کامیاب ہونے کا کوئی اچھا ذریعہ میری سمجھ میں

نہیں آیا"۔ یہ الفاظ سن کر بادشاہ کی رعایا نے
آپس میں مشورہ کیا اور کہا:۔ "بادشاہ حریص۔
سفاک اور بے عقل ہے۔ اس کی متواتر
جنگوں اور فتوحات نے اس کی رعایا کا
ناک میں دم کر دیا ہے۔ قناعت اس میں
نام کو نہیں۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جہات اربعہ پر
حکمرانی کرے۔ دور دراز مقامات پر افواج
متعین ہیں۔ اور ہمارے اعزا و اقربا سے دور
پڑے ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں ہم کو
آپس میں اتفاق کر کے اس کا کام تمام کر دینا
چاہیئے۔ اس کے بعد ہم خوش و خرم رہیں گے"۔
چنانچہ اس کی بیماری کی حالت میں انھوں نے
اُسے ایک رضائی اُڑھا دی اس کے اوپر
ایک شخص بیٹھ گیا۔ اور اس طرح بادشاہ نے
وہیں کے وہیں جان دے دی"[۵] ؎

معلوم ہوتا ہے کہ کنشک نے بینتالیس برس حکومت کی تھی۔ اور یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی کا خاتمہ ۱۲۳ء میں ہوا تھا ؎

واسشک کنشک کے جانشینوں کے متعلق معلومات بہت محدود ہیں۔ کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ ۲۴ء و ۲۸ء میں واسشک ۳۳ء و ۶۰ء میں ہوشک متھرا کے مقام پر برسر حکومت تھا۔ مگر ۴۱ء میں اس مقام پر کنشک بھی حکمران تھا۔ اس ظاہری تضاد کو باہم ربط دینے کی سب سے بہتر

[۵] سری دھرم پٹیک وغیرہ۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۸۸ ؎

صورت یہ ہے کہ فرض کر لیا جائے کہ واسشک اور ہوشک دونوں کنشک کے بیٹے تھے۔ اور اس زمانے میں جبکہ ان کا باپ کوہستان کے اُس پار جنگ وجدل میں مشغول تھا وہ یکے بعد دیگرے شمالی ہند میں اس کے نائب السلطنت تھے۔ واسشک کا کوئی سکہ دریافت نہیں ہوا۔ اور غالباً وہ اپنے باپ کی موت سے قبل ہی وفات پا چکا ہو۔ اور اسی لیئے اس کے بعد اس کا دوسرا بیٹا ہوشک[1] تمام سلطنت کا مالک ہوا تھا۔ ہوشک کے کثیر التعداد سکے ممکن ہے کہ اس کے تخت شاہی پر بیٹھنے کے بعد ہی مضروب ہوئے ہوں۔ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ واسشک کو سکے ضرب کرانے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ اگر اس کے کچھ سکے مضروب ہوتے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کے بعض نمونے اب تک دریافت نہ ہو گئے ہوتے۔

ہوشک۔ یہ یقینی امر ہے کہ ہوشک کی سلطنت میں کابل۔[2] کشمیر اور متھرا شامل تھے۔ موخر الذکر شہر میں ایک عالیشان بدھ خانقاہ کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا تھا۔[3] کیونکہ اپنے باپ کنشک کی طرح وہ بھی بدھ مذہب کا بڑا زبردست حامی و مددگار تھا۔ اپنے مشہور تر پیشرو سے وہ اس بات میں بھی مشابہت رکھتا تھا کہ اسے بھی اس کی طرح یونانی۔ ہندی اور ایرانی دیوتاؤں کا یکساں شوق تھا۔ ہوشک کے سکوں کی مورتوں میں ہرکلیس۔ سراپس (" سراپو")۔

---

[1] ہوشک کا نام مختلف طور پر مثلاً ہُشک اور ہویشک لکھا جاتا ہے۔

[2] سنہ ۵۱ کا ایک کتبہ جو پیتل کے برتن پر لکھا ہوا مسٹن نے خوات کے ستوپ سے وردک کے ضلع میں کابل کے جنوب مغرب سے تیس میل کے فاصلے پر پایا تھا۔ پرگیٹر کی تصحیح اور ترجمہ کی وجہ سے تمام پرانے ترجمے بیکار ہو گئے ہیں۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۱۲ صفحہ ۱۰۶۰۔ ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۱۱۔ صفحہ ۲۱۹ ۔ ۲۰۲)۔

[3] کننگھم۔ آرکی آلوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۲۳۸۔

سکندر مع اپنے بیٹے وساکھ۔ آگ کا دیوتا فیرو ادر اور بہت سی تصویریں پائی جاتی ہیں۔ مگر بدھ کی مورت اور نام دونوں ان میں ندارد ہیں۔ اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ ہندی سیتھی بادشاہ بدھ مذہب میں بہت کچھ راسخ الاعتقاد نہ تھے۔ اور غالباً یہ سمجھنا صداقت سے بہت دور نہ ہوگا کہ شاہی انعام واکرام مذہب کے علاوہ ان کی زبردست اور طاقتور خانقاہوں کو دیئے جاتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ کوئی دوراندیش بادشاہ اس زمانے میں اتنی مجال نہ رکھتا تھا کہ ان طاقتور اور بااثر خانقاہوں کو نظر انداز کر دے۔ جس کی شاخیں سلطنت کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی تھیں؛

ہشکپور۔ ہوشک نے کشمیر میں ایک شہر ہشکپور بسایا۔ یہ شہر عین درۂ بارہ مولا کے جو اس زمانے میں اس وادی کا "مغربی دروازہ" کہلاتا تھا۔ پار واقع ہونے سے ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اور صدیوں تک وہ مشہور و معروف رہا۔ ۶۳۱ء میں جب ہیون سانگ کشمیر گیا تو چند روز تک ہشکپور کی خانقاہ والوں نے اس کی مہمان نوازی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور وہاں سے اس کو اس طرح بعزت و احترام دارالسلطنت پہنچایا گیا۔ کہ پانچ ہزار بھکشو اس کے ہمرکاب تھے۔ ہشکپور کے موقع پر آج کل ایک چھوٹا سا گاؤں اشکور نامی آباد ہے۔ جہاں ایک قدیم ستوپ کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں[1]؛

اس کا عرصۂ حکومت اس میں شک نہیں معلوم ہوتا کہ ہوشک کا عرصۂ حکومت زیادہ تھا۔ مگر اس کے عہد کے تمام سیاسی واقعات بالکل فراموش ہو گئے ہیں۔ اس کے کثیر التعداد سکّے کنشک کے سکّوں

---

[1] اسٹین :- راج ترنگنی - ترجمہ باب اول فصل ۵ - صفحہ ۱۶۸ - جلد دوم صفحہ ۴۳۸ -
بیل :- لائف آف ہیون سانگ صفحہ ۶۸؛

سے بھی زیادہ مختلف نوعیت کے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس زمانے کی فن سنگتراشی کی طرح ان میں بھی یونانی خیالات کا اثر برابر پایا جاتا ہے۔ چند سونے کے سکوں پر بادشاہ کی نہایت عمدہ اور خاص تصویریں بھی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مستقل مزاج مگر بھدّے نقشے کا آدمی تھا جس کی بڑی بڑی آنکھیں اندر کو دھسی ہوئی تھیں۔ اور تکاسی لمبی ناک تھی۔ جہاں تک پتہ چلتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانے میں کشان کی سلطنت میں کسی قسم کا رخنہ یا کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس کی حکومت کے متعلق یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ سنہ ۱۴۰ء میں یا اس کے قریب ہی ختم ہوئی ؛

باسودیو اوّل کی حکومت سنہ ۱۴۰ء سے ۱۷۸ء تک

ہوشک کے بعد باسودیو اس کا جانشین ہوا۔ اس بادشاہ کے خالص ہندی نام سے جو وشنو کا مترادف ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کس قدر جلد یہ اجنبی حملہ آور اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہوئے تھے۔ اس کے سکے بھی اسی بات کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ تقریباً ان سب کی پشت پر شودیوتا کی تصویر مع اس کے بیل نندی مکند۔ ترسول اور ہندی بتوں کی دیگر علامات کے پائی جاتی ہیں۔ باسودیو کے کتبات سے جو اکثر متھرا ہی میں ملتے ہیں ۷۴ سے ۹۸ء کے بین بین ہیں۔ یعنے اس سنہ کے جو خاندان کشان کے زمانے میں مروج تھا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حکومت کا عرصہ کم و بیش پچیس (۲۵) برس کا تھا۔ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اس کا خاتمہ سنہ لہ میں ہوا تھا۔ جو اس نظام سنین کے مطابق ہے جو دفع الوقتی کے لئے اختیار کر لیا گیا ہے ۱۷۸ء کے برابر ہوتا ہے ؛

سلہ کارڈنر :- برٹش میوزیم کیٹلاگ آف گریک اینڈ انڈوسیتھن کنگس۔ لوح ۲۷ - ۹ - د لوح ۲۸ - ۹ - دی - اے - سمتھ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول لوح ۱۲ ؛

کشان سلطنت کا انحطاط و زوال یہ بالکل ظاہر ہے کہ باسودیو اول کی طولانی مدت حکومت کے اواخر میں سلطنت کشان میں ضرور زوال آنا شروع ہو گیا ہو گا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خاتمے کے قریب یا فوراً اس کے بعد ہی کنشک کی سلطنت بھی ایشیا کی دوسری سلطنتوں کے قانون زوال و انحطاط سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور مختصر سے زمانے کے اتحاد و اتفاق کے بعد اس کے بھی پرخچے اُڑ گئے۔ باسودیو کے مرنے کے ایک زمانے کے بعد تک اس کے نام ہی کے سکے مضروب ہوتے رہے۔ آخر کار ان میں بادشاہ کو ایرانی لباس پہنے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور یہ صریحاً معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں شاہپور اول ساسانی کی جس نے ایران پر ۲۳۸-۲۶۹ء تک حکومت کی تھی۔ تصویر کی نقل اتارنے کی کوشش کی گئی ہے[1]؛

وبا۔ یہ امر قرین قیاس ہے کہ ہندی سیتھی سلطنت کے زوال میں اس عالمگیر وبا کی وجہ سے اور زیادتی ہو گئی جو ۱۶۷ء میں بابل کے علاقے سے شروع ہوئی۔ اور کئی سال تک رومی اور پارتھی سلطنتوں کو اس نے برباد کیے رکھا۔ روما کے شہر اٹلی اور صوبجات کے باشندوں کی ایک بڑی تعداد۔ اور تقریباً تمام کی تمام فوج اس وبا کے نذر ہوئی۔ نیوبھر نے رائے ظاہر کی تھی کہ قدیم دنیا اس وبا کے اثرات سے جو مارکس یورے لئس کے زمانے میں پڑی کبھی نہیں پنپی "۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ہندوستان اس سے

---

[1] فان سیلٹ :۔ تیخ نولگر صفحہ ۶۳۔ کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد ۱ صفحہ ۹۲-۶۳۔ مسٹر آر۔ ڈی بنرجی کا خیال ہے باسودیو اول کے جانشین کنشک دوم (کنیشکو)۔ باسودیو دوم۔ باسو (دیو) سوم تھے۔ اس رائے کو انھوں نے سکوں کی شہادت سے حاصل کیا ہے۔ (" نوٹس آن دی انڈو سیتھین کائنیج " جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے۔ ایس۔ بی۔ ۱۹۰۸ء صفحہ ۸۱)؛

محفوظ رہا ہو۔[1]

ہندوستان پر ساسانی اثر۔ سکوّں کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران کا اثر پھر ہندوستان میں اندرون ملک پر پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن جن ذرائع و وسائل سے یہ اثر یہاں تک پہنچا ان کے متعلق کوئی بات یقینی طور پر معلوم نہیں۔ یہ معلوم ہے کہ ۲۷۷ء و ۲۹۴ء کے دوران میں بہرام (وریہران) دوم نے سیستان پر فوج کشی کی تھی۔ مگر تیسری صدی عیسوی میں ساسانیوں کے ہندوستان پر کسی حملے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ کیونکہ اس زمانے میں تمام تاریخی ماخذ کے معمولی منبعے بالکل خشک ہو گئے تھے۔ کوئی ایسا کتبہ اب تک دریافت نہیں ہوا جس کو یقینی طور پر اس زمانے کا کہا جا سکے۔ اور سکّے بھی جو مقامی سرداروں اور بادشاہوں نے مضروب کرائے تھے تاریخی حالات پر روشنی نہیں ڈالتے۔ بہرحال یہ یقینی ہے۔ کہ ہندوستان کے دو زبردست اور عالیشان خاندان۔ یعنے کشان شمال میں اور اندھر دکن کے سطح مرتفع میں۔ ایران کے اشکانی خاندان کے ساتھ جس کی جگہ ساسانی قائم ہو گئے ایک ہی وقت میں (۲۲۶ء) برباد و تباہ ہوئے۔ یہ بات دیکھتے ہوئے۔ اس خیال کو اپنے دل سے دور کرنا بالکل ناممکن ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے ان تینوں واقعات کا ایک دوسرے سے تعلق تھا۔ اور شمالی ہند کے خاندان کشان کے سکوں پر جو ایرانی اثر پایا جاتا ہے اس کی وجہ کوئی نہ کوئی ایسا ایرانی حملہ ہوا ہو گا جس کی خبر ہم تک نہیں پہنچی۔ مگر اس خیال کی تائید کے لیئے کوئی ثبوت بلاواسطہ نہیں ملتا۔ اور اگر یہ حملہ ہوا بھی تو وہ ان قزاق اور لٹیری اقوام

---

[1] یوٹروپیئس باب ۱۲۔ میرے ویل (ہسٹری آف دی رومنز انڈر دی امپائر صفحہ ۳۳۲ و ۳۵۰ (باب ۶۸) میں اسناد کا حوالہ دیا ہے اور اس مصیبت کے بیّن اور روشن حالات قلمبند کیئے ہیں ؛

کی طرف سے غالباً سیستان سے ہوا ہوگا۔ جو ایران کے زیر اثر تھیں۔ اور باقاعدہ حملہ سلطنت ایران نے ہندوستان پر نہ کیا ہوگا؛

بیرونی حملہ بہرحال اتنی بات اظہر ہے کہ شاہان کشان میں سے باسودیو آخری بادشاہ تھا جو ہندوستان میں وسیع علاقوں پر حکمراں تھا۔ اس کی وفات کے بعد شمالی ہند میں کسی اعلیٰ حکومت کے وجود کا کوئی پتہ یا نشان نہیں ملتا۔ غالباً جس طرح ایشیائی سلطنتوں کی بربادی کے وقت بالعموم ہوا کرتا ہے بے شمار چھوٹے چھوٹے رجواڑے خود مختار ہو گئے۔ اور بہت سی چند روزہ ریاستیں قائم کرلیں۔ لیکن تیسری صدی عیسوی کی تاریخ کے لئے مواد اس درجہ ناپید ہے کہ یہ بتانا ہی ناممکن ہے کہ یہ ریاستیں کیسی تھیں۔ تعداد میں کتنی تھیں۔ بظاہر یہ تمام زمانہ پر از فتنہ و فساد تھا جس میں شمال مغرب سے بیرونی حملوں کی یاد باقی ہے۔ اور جس کا اظہار پرانوں کے پریشان بیانات متعلقہ آبھیر۔ گردبھل۔ سک۔ یون یا ہلیک اور دوسرے اجنبی خاندانوں کے ناموں سے ہوتا ہے۔ جو خاندان اندھر کے جانشین ہوئے۔ مذکورۂ بالا تمام خاندان صریحاً بڑی حد تک ایک دوسرے کے ہمعصر تھے۔ نہ یہ کہ وہ ایک دوسرے کے بعد برسر حکومت ہوئے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی سلطنت اعلیٰ کے دعوے کا مستحق نہ تھا۔ اس پر فتن زمانے کے حالات کو جو پرانوں میں پائے جاتے ہیں۔ ترتیب و تہذیب بظاہر بالکل امکان سے باہر ہے۔ اور ایسے ناموں کی طولانی فہرست نقل کرنا تحصیل حاصل ہے جن کی اصلی شکل و صورت بھی یقینی نہیں ہے؛

کابل و پنجاب کے شاہان کشان۔ سکوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کشان نے پنجاب و کابل پر ایک عرصے تک اپنا سکہ جمائے رکھا تھا۔ یہ امر یقینی ہے کہ کابل کے شاہان کشان پانچویں صدی عیسوی تک جبکہ سفید ہنون نے بالآخر ان کو مغلوب کیا خاصے طاقتور تھے۔ چوتھی صدی کے اوائل میں ان کے ایک بادشاہ نے

اپنی بیٹی ساسانی شاہ ایران ہرمزدوم کو بیاہی تھی۔ اور ۳۶۰ء میں جب شاہپور دوم نے آمدہ کے مقام کا محاصرہ کیا۔ تو رومی محصور فوج پر اس کو ہندی ہاتھیوں اور سلطنت کشان کی فوج کی بدولت جو اس کے بڈھے بادشاہ گرمبٹیس کے زیر کمان تھی۔ نصیب ہوئی۔ یہ گرمبٹیس وہ تھا جسے فوج میں سب سے زیادہ عزت کی جگہ دی گئی تھی۔ اور مدد کے لیے سیستان کے سک موجود تھے[1]۔

ماتحت سردار اس بات کا تصفیہ کرنا مشکل ہے کہ تیسری صدی عیسوی کے دوران میں جو بیرونی سردار پنجاب میں حکمراں تھے۔ اور جو تھوڑی بہت تعریف کے ساتھ باسودیو اول کے سے سکے مضروب کرائے تھے کہاں تک کشان سے تعلق رکھتے تھے اور کہاں تک وہ دیگر ایشیائی اقوام سے تھے۔ اس قسم کے تمام سکوں کی عبارتوں میں جو ذرا تبدیل شدہ یونانی طرز تحریر میں لکھی ہوئی ہیں کنشک یا وسو (دیو) کشان[2]۔ شاہنشاہ کا نام تو محفوظ ہے۔ مگر ہندی حروف میں جو نام لکھا ہوا ہے وہ چینی الفاظ کی طرح ایک ہی حرکت کا لفظ ہے۔ مثلاً بھ۔ ک۔ وی وغیرہ۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ وسط ایشیا کے مختلف اقوام کے سرداروں کے نام ہیں جنھوں نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور کشان یا کابل کے شاہی فرمانرواؤں کو اپنا حاکم اعلیٰ ہونا قبول کیا۔ ایک سکہ جس کا ایک رخ کشان کے سکوں سے ذرا تبدیل شدہ ہے۔ اور جس پر ہندوستان کے

---

[1] کننگھم:- نیومسمیٹک کرانکل ۱۸۹۳ء صفحہ ۱۷۰-۱۶۹۔ اس کا یہ اندازہ صحیح ہے کہ اینئس مارسی لینس کے بیان کردہ چیونٹٹی قوم دراصل کشان ہی ہیں۔ ڈورن:- "مونٹرڈس گرانڈاس کشانز" منقول فی ریویو نیومسمیٹک ۱۸۹۶ء صفحہ ۱۶۳۔ گبن باب ۱۹ نے آمدہ کے محاصرے کا سن ۳۶۰ء دیا ہے۔ آمدہ دریائے دجلہ پر واقع تھا۔ جہاں آج کل دیار بکر ہے۔ دوسری اسناد ۳۵۸ء یا ۳۵۹ء کو ترجیح دیتی ہیں۔

[2] سکوں پر بالعموم وسُو نام ہے نہ کہ واسو۔

براہمی حروف میں پاسن۔ ن۔ شِلدُ کے نام پائے جاتے ہیں۔ اس کی دوسری جانب۔ آگ کی قربان گاہ کی ایسی تصویر ہے جو قدیم ترین ساسانی بادشاہوں کے سکوں پر پائی جاتی ہے۔ اس طرح یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح تیسری صدی عیسوی میں پنجاب کا براہ راست تعلق ایران سے قائم ہو گیا تھا۔ یہ بھی یقینی ہے کہ آخری زمانے کے کشان بادشاہوں کے سکےؔ تقریباً ساسانی سکوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور میرے نزدیک یہی ایک اور بڑی وجہ ان نظریات کو رد کر دینے کی ہے جو کنشک اور اس کے جانشینوں کو اس زمانے سے بہت قبل کا بتاتی ہیں۔

اندرون ہند کی تاریخ کی عدم موجودگی

تیسری صدی اور چوتھی صدی کے اوائل میں پنجاب کے علاوہ شمالی ہند کے شاہی خاندانوں کے متعلق کچھ حال یقینی اور قابل اعتماد نہیں ملتا۔ یہ معلوم ہے کہ پانچویں صدی تک پاٹلی پتر کا شاہی دارالسلطنت ایک اہم مقام میں رہا۔ لیکن اس امر کے متعلق کوئی شہادت نہیں ملتی کہ تیسری صدی عیسوی میں وہاں کون اور کیسا خاندان برسر حکومت تھا۔ ۳۲۰ء میں گپت سمت کے بانی نے ایک لکھوی شاہزادی سے اپنی شادی کر لینے کو جو اہمیت دی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی میں پاٹلی پتر یر ویسالی کی غیر آریہ قوم لکھوی جو تبتیوں سے بہت ملتی جلتی تھی۔ حکمراں تھی۔ اس زمانے کی سب سے زیادہ قابل فہم فہرست شاہان مغربی ہند کے سک ستر پون ہی کی دستیاب ہو سکتی ہے۔ جن کی تاریخ کا ذکر خاندان گپت کے

سلہ ایم۔ ڈورن:۔ (ریویو سمیٹک ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۴۰) کا بیان ہے کہ اس قربان گاہ کی صورت وہی ہے جو سب سے پہلے ساسانی بادشاہ اردشیر (۲۲۵ء یا ۲۲۶ء سے ۲۴۱ء تک) اور اس کے چند جانشینوں کے سکوں پر پائی جاتی ہے۔ دیکھو۔ "وی۔ اے۔ سمتھ کی کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم" جلد اول (۱۹۰۶ء) صفحہ ۸۸ و ۸۹۔ اور بینری کی تصویرات: "نوٹس آن انڈو سیتھین کائنیج" (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی ۱۹۰۸ء صفحہ ۹۱)۔

بیان کے ضمن میں آئندہ باب میں آئے گا۔ ۲۰ء یا ۳۰ء کے قریب کشان اور اندھر خاندانوں کے نیست و نابود ہونے اور خاندان گپت کے قیام و استحکام کے درمیان میں جتنا زمانہ گذرا ہے وہ تاریخ ہند کا سب سے زیادہ تاریک زمانہ ہے؛

خاندان کشان کا اندازاً جدول سنین[1]

سنہ	واقعہ
۱۷۴ء ق م	ہیونگ۔ نو کے۔ سردار مودک کی موت۔
تقریباً ۱۶۵ء	یو۔ چی قوم کے بڑے جرگے کا ہیونگ۔ نو کے ہاتھوں کنا۔ سہ سے بدر ہونا۔
" ۱۶۳ء	وُو۔ سُن قوم کا سردار نَن۔ تیو۔ می یوچی قوم کے ہاتھ سے قتل ہوا۔
۱۶۰ء	ہیونگ۔ نو کے سردار کی۔ یک کی موت۔
" ۱۶۰-۱۵۰ء	یوچی کا سک کی سرزمین پر قبضہ۔ سک کا نقل مکان کرنا۔
" ۱۵۰-۱۴۰ء	قوم سک کا ہندوستان پر حملہ۔
" ۱۴۰ء	نَن۔ تیوری کے بیٹے وُو۔ سُن کے نوجوان سردار کیون۔ مو کے ہاتھوں یو۔ چی کا سک علاقے سے بدر ہونا۔
" ۱۳۸ء	دریائے سیحون کے شمال اور جنوب میں یو۔ چی قوم کا تا۔ ہیا کے علاقے کو زیر کرنا اور ان کا شہری زندگی اختیار کر لینا۔

[1] مقابلہ کرو ضمیمہ س سے؛

واقعہ	سنہ
چینی شاہنشاہ وُوْ-تی کا چنگ-کیان کو یو-چی کے پاس سفیر بنا کر روانہ کرنا۔	تقریباً ۱۳۵ ق م
دریائے سیحون کے شمال میں چنگ-کیان کا یو-چی کے مستقر میں پہنچنا۔	؍؍ ۱۲۵
چنگ-کیان کی چین کی طرف واپسی۔	؍؍ ۱۲۲
چنگ-کیان کی موت۔	؍؍ ۱۱۴
دریائے سیحون کے جنوبی علاقوں میں قوم یو-چی کی آبادیوں کی وسعت۔ علاقۂ تا-ہیا کے دارالسلطنت لن-شیو کی جو دریا کے جنوب میں واقع تھا فتح۔ یہ شہر غالباً بلخ تھا۔	؍؍ ۱۰۰
یو-چی قوم کی پانچ ریاستوں میں تقسیم-جس میں بامیان اور کشان شامل تھے۔	؍؍ ۹۵
سمت بکرمی یا مالوی۔	۵۸
قیصر اگسٹس کے پاس ہندی سفارت کا جانا۔	؍؍ ۲۶
ایک یو-چی بادشاہ نے ایک چینی افسر کو بدھ مذہب کی مذہبی کتب کی اطلاع دی (دیکھو فرنیک: "ڈکوفو لکر" صفحہ ۹۲ حاشیہ)۔	۲
مغرب اور چین میں عارضی طور پر سلسلۂ آمد و رفت میں انقطاع کا واقع ہونا۔	سن عیسوی ۰
رومی قیصر آگسٹس کی موت-اور ٹائبیرئس کی تخت نشینی۔	۱۴
کڈفائسس اول کشان (کیو-تشیو-کئو-کوزلکڈفیس وغیرہ) کی تخت نشینی۔	تقریباً ۱۵
کڈفائسس اول کے زیر عنان یوچی کی پانچوں ریاستوں کا	؍؍ ۱۵-۳۰

سنہ عیسوی	واقعہ
	اجتماع و استحکام - اس کا کو - فو (کابل) - کی - پن (؟ کشمیر یا کپیس) - اور پوٹا (؟ باختر یا اغلباً اراکوسیہ) کو فتح کرنا - کابل وغیرہ کا یونانی بادشاہ ہرمیاس اس کا ہمعصر تھا ؛
سنہ ۲۳	چینی کے پہلے سَن خاندان کا خاتمہ ؛
سنہ ۳۸	رومی قیصر گیئیس (کلی گلا) تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۴۱	کلاڈائس رومیوں کا قیصر تخت نشین ہوا ؛
تقریباً سنہ ۴۵	کڈفائسس اول اسی برس کی عمر میں فوت ہوا - اس کا بیٹا کڈفائسس دوم کشان (ین - کو - چنگ - ویما کڈفائسس وغیرہ) اس کا جانشین ہوا - اس کا ماتحت "گمنام بادشاہ" (سوٹر میگس) اس کا ہمعصر تھا ؛
" سنہ ۴۵ - ۷۰	ہندی - پارتھی طاقت کی بربادی - اور کڈفائسس ثانی کا رفتہ رفتہ تمام شمالی ہندوستان کو فتح کرنا ؛
سنہ ۵۴	رومی قیصر نیرو تخت نشین ہوا ؛
" سنہ ۶۴	چینی شاہنشاہ مِنگ - تی نے بدھ مذہب کی کتابیں منگوائیں ؛
سنہ ۶۸ و ۶۹	گلبا - آتھو - وٹیلئس رومی قیاصرہ تھے ؛
سنہ ۷۰	قیصر وسپیشئس تخت نشین ہوا (۲۲ - دسمبر سنہ ۶۹ء) ؛
سنہ ۷۳ - ۱۰۲	ختن وغیرہ میں چینی سپہ سالار پن - چو کا فاتحانہ کوچ ؛
سنہ ۷۷	پلنی کی "نیچرل ہسٹری" کا سنہ اشاعت ؛
سنہ ۷۸	سالواہن یا ساکا سک سمت کی ابتدا - کڈفائسس دوم کی موت - کنشک کشان کی تخت نشینی ؛

سنہ عیسوی	واقعہ
سنہ ۷۹ء	رومی قیصر ٹیٹس کی تخت نشینی ؛
سنہ ۸۱ء	رومی قیصر ڈومینشین کی تخت نشینی ؛
تقریباً سنہ ۹۰ء	پن۔چو کے سے مقابلے میں کنشک کی شکست ؛
سنہ ۹۴ء	پن۔چو۔ کے زیر کمان چینیوں کا کُچا اور گر شہر کو فتح کرنا ؛
سنہ ۹۶ء	رومی قیصر نروا تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۹۸ء	رومی قیصر تراجن کی تخت نشینی ؛
سنہ ۹۹ء	تراجن کا روما میں واپس آنا ؛
تقریباً سنہ ۱۰۰ء	تراجن کے دربار میں ہندی سفارت کا آنا۔ بدھ مذہب کی مجلس کا انعقاد ؛
؍؍ سنہ ۱۰۲ء	چینی ترکستان میں کنشک کی فتوحات[1] ؛
سنہ ۱۰۵ء	عرب میں بطرا کے مقام پر حبشی سلطنت کی رومیوں کے ہاتھوں بربادی۔ پلمیرا کا عروج ؛
سنہ ۱۱۶ء	تراجن کا الجزیرے کے علاقے کو فتح کرنا ؛
سنہ ۱۱۷ء	رومی قیصر۔ ہڈرین کی تخت نشینی۔ الجزیرہ کی واگذاشت ؛
تقریباً سنہ ۱۲۳ء	کنشک کی موت۔ ہوشک کشان تمام سلطنت کے مالک کی حیثیت سے تخت نشین ہوا ؛

[1] ڈاکٹر فرنیک کے خیال کے مطابق سنہ ۱۵۲ء میں ختن چین کے ہاتھ سے نکلا۔ چینی تاریخوں میں کنشک کا نام کہیں نہیں آتا ؛

ڈاکٹر فرنیک (بیٹریج صفحہ ۹۹ حاشیہ) کو اس امر میں شبہ ہے کہ موجودہ خیال کے مطابق پو۔ٹا (پُو۔ٹا یا پوک۔ٹو) اور باختر ایک ہی چیز ہیں۔ وہ یہ کہتا ہے اصل نام "سرزمین یکنیٹین" تھا۔ جو اس کے خیالات کے مطابق ارکوسیہ کے شمال میں واقع ہے ؛

سنہ عیسوی	واقعہ
۱۲۳-۶سنہ	ہڈرین کا ایتھنز میں مقام ؛
سنہ ۱۳۱-۱۳۶	یہودیوں کے ساتھ ہڈرین کی جنگ ؛
سنہ ۱۳۸	رومی قیصر۔ انٹونینس پئس تخت نشین ہوا ؛
تقریباً سنہ ۱۴۰	باسودیو اول کشان تخت نشین ہوا ؛
" سنہ ۱۵۰	مغربی سترپ ردرادامن کا جوناگڑھ کے مقام کا کتبہ ؛
سنہ ۱۶۱	رومی قیصر۔ مارکس یوریلیئس انٹونینس کی تخت نشینی ؛
سنہ ۱۶۲-۵	وُدلوگیسیس پارتھی بادشاہ کی رومیوں کے مقابلے میں شکست ؛
سنہ ۱۷۵	مارکس یوریلیئس کی مشرقی فوجی مہم ؛
سنہ ۱۷۸	باسودیو اول کشان کی موت ؛
" سنہ ۱۷۸-۲۳۶	آخری زمانے کشان بادشاہ۔ کنشک دوم وغیرہ ؛
سنہ ۱۸۰	رومی قیصر کموڈس تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۱۹۲ و ۱۹۳	پرٹنکس اور جیولئینس قیاصرۂ روم ؛
سنہ ۱۹۳	قیصر روم سپٹمئس سیورس تخت نشین ہوا ؛
تقریباً سنہ ۲۰۰	پلیسرا کو رومی نوآبادی قرار دیا گیا ؛
سنہ ۲۱۱	کراکلا رومی قیصر تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۲۱۶	کراکلا کی پارتھی فوجی مہم ؛
سنہ ۲۱۷	رومی قیصر میکرینس کی تخت نشینی ؛
سنہ ۲۱۸	رومی قیصر ایلاگبیلس کی تخت نشینی ؛
سنہ ۲۲۲	رومی قیصر الکزنڈر سیورس کی تخت نشینی ؛
سنہ ۲۲۶	اردشیر کا ایران میں سلطنت ساسان کی بنیاد رکھنا۔ ہندوستان میں کشان کی طاقت کا انحطاط اور اندھر خاندان کا خاتمہ تقریباً اسی زمانے کے لگ بھگ ہوا ؛

واقعہ	سنہ عیسوی
شاہپور اول کے ہاتھوں رومی قیصر ویلیرین کی شکست ۔	۲۶۰ء
یوریلیئن کا پلمیرا کو تسخیر کرنا ۔	۲۷۳ء
ڈاکلیشئن رومی قیصر تھا ۔	۲۸۴ - ۳۰۵ء
کشان کی مدد سے شاہپور دوم نے آمدہ کا محاصرہ کامیابی سے کیا ۔	۳۶۰ء

باب یازدہم

سلطنت خاندان گپت - اور مغربی سترپ
چندر گپت اوّل سے کمار گپت اوّل تک
از ۳۲۰ سنہ ع تا ۴۵۵ سنہ ع

خاندان گپت کی ابتدا۔ چوتھی صدی عیسوی میں پھر ایک بار روشنی کی کرن دکھائی دیتی ہے۔ تاریکی اور نسیان کا پردہ چاک ہو جاتا ہے۔ اور ہندوستان قدیم کی تاریخ میں اتحاد و دلچسپی کا رنگ پھر آجاتا ہے۔

۳۰۸ سنہ ع ۳۰۸ سنہ ع یا اس کے قریب پاٹلی پتر یا اس کے گرد و نواح کے مقامی راجہ نے جو مشہور چندر گپت[1] کا ہم نام تھا قدیم لکھوی قبیلے کی ایک شہزادی کمار دیوی سے شادی کی۔ یہ قبیلہ بدھ مذہب کے قدیم تاریخ میں مشہور و معروف تھا۔ اجاتسترو کی عہد حکومت اور کمار دیوی کی شادی کے درمیان میں جو آٹھ صدیوں کی طولانی مدت

[1] خاندان موریا اور خاندان کے ناموں میں تفریق کرنے کے لئے۔ موریا کے بادشاہ چندر گپتا۔ اور گپت راجاؤں کو چندر گپت لکھا گیا ہے۔

گذری ہے اس میں لکھوی قوم کی تاریخ کا ایک بڑا زبردست حصہ برباد ہو گیا ہے۔ اگرچہ ان کے متعلق یہ معلوم ہے کہ انھوں نے نیپال میں ایک شاہی خاندان قائم کیا تھا۔ جو ایسے سنہ کو استعمال کرنا جس کی نسبت قیاس ہے کہ اس کی ابتدا ۱۱۱ئہ میں ہوئی[۱]۔ اب اس شادی کی وجہ سے وہ دفعتہً پھر سامنے آجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ شادی بڑی اہم سیاسی واقعات کی پیش خیمہ ہوئی۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے ایک ایسے خاندان کی بنیاد پڑی جو خاندان موریا کی عظمت وشان کا ہمسر بننے والا تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کمار دیوی اپنے شوہر کی مدد کے لئے ایک زبردست اثر اور رسوخ اپنے ہمراہ لائی تھی۔ اور اسی اثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ چندسالوں کے زمانے ہی میں مگدھ اور تمام گرد ونواح کے علاقے میں اس کو حکومت اعلیٰ حاصل ہوگئی۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس مشہور ومعروف شادی کے وقت لکھوی قبیلہ قدیم شاہی دارالسلطنت پر متصرف تھا۔ اور چندرگپت اپنی شادی کی وجہ سے اس طاقت و دولت کا وارث و مالک ہو گیا جو اس کی بیوی کے اعزا کے ہاتھ میں تھی۔ ازمنۂ قدیم میں ویسالی کا لکھوی قبیلہ پاٹلی کے بادشاہوں کا حریف تھا۔ اور غالباً پشی متر کے بعد کے پرفتن زمانے میں اس کو اس بات کا موقعہ مل گیا کہ پرانا کینہ نکالے۔ چنانچہ اس نے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ جو صدیوں قبل اسی قبیلے کی سرزنش اور گوشمالی ہی کے لئے تعمیر وقلعبند کیا گیا تھا۔

۳۲۰ئہ قبیلۂ لکھوی سے اتحاد۔ چندرگپت اوّل کی تخت نشینی

یہ بات یقینی ہے کہ لکھوی قبیلے میں شادی کرنے سے چندرگپت اپنے باپ اور دادا[۲] کی طرح محض ایک مقامی سردار کی حیثیت سے نہ رہا۔ بلکہ ایکبارگی اس کو

---

[۱] ایم۔ سلوین لیوی:۔ لی نیپال جلد اول صفحہ ۱۴ جلد دوم صفحہ ۱۵۲۔
[۲] چندرگپت کے باپ کا نام گھٹوٹکچ اور دادا کا نام گپت تھا۔ گھٹوٹکچ کی ایک مہر بابت

وہ مرتبہ حاصل ہو گیا کہ اس نے "راجہ مہاراجگاں" کا خطاب اختیار کرنے میں جو بالعموم زبردست ترین بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا۔ پس و پیش نہ کیا۔ اس نے اپنے سکے اپنی بیوی۔ اور قبیلۂ لکھوی کے مشترک ناموں سے مضروب کرائے۔ اس کے بیٹے اور جانشین نے بھی اس عادت کو جاری رکھا اور بڑے فخر سے اپنے آپ کو لکھوی شہزادی کا بیٹا لکھتا رہا۔ چندرگپت نے جس کو اس کے ہمنام پوتے سے ممیز کرنے کے لیئے اول لکھا جاتا ہے۔ اپنی سلطنت کو دریائے گنگا کے میدان میں گنگا اور جمنا کے مقام اتصال تک وسعت دی اسی جگہ آج کل الہ آباد ہے۔ اور وہ اپنے مختصر سے زمانۂ حکومت میں ترہٹ۔ جنوبی بہار۔ اودھ اور دیگر گردونواح کے سرسبز اور معمور علاقوں پر حکمراں تھا۔ ساتھ ہی اس کو اس قدر سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی تھی کہ دوسرے ایشیائی بادشاہوں کی طرح وہ بھی اپنی تخت نشینی یا تاجپوشی سے ایک سنہ کا آغاز کرے۔ کیونکہ اسی موقع پر اس کی اس قدیم روایت کے مطابق جو پاٹلی پتر سے وابستہ تھی اعلیٰ ترین بادشاہ ہونے کا بھی اعلان کیا گیا۔ سمت گپت کا جو صدیوں تک ملک میں مستعمل رہی پہلا سال ۲۶۔ فروری ۳۲۰ء سے لیکر ۱۳۔ مارچ ۳۲۱ء تک ہے۔ اور ان تاریخوں میں پہلی تاریخ کو چندرگپت اول کی تاجپوشی کی تاریخ متصور کیا جا سکتا ہے[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (ویسالی) کے مقام برآمد ہوئی ہے۔ (آرکی آلوجیکل سروے انیول رپورٹ سنہ ۱۹۰۴-۳ء صفحہ ۱۰۷ لوح ۴۱ - ۴۲)۔ بدھ مذہب کی حکایات و تاریخ سے اس قسم کی ایک اور مثال ملتی ہے۔ جہاں گپت کا لفظ نام کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ یعنے گپت عطار کا بیٹا۔ اپگپت۔

[1] اس خاندان کی جدول سنین کے لیئے دیکھو مصنف کا مضمون "ریوائزڈ کرونالوجی آف دی ارلی آر امپیریل گپتا ڈائنسٹی" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۵۷)۔ یہ جدول اس سلسلے کو ذرا تبدیل کر دیتی ہے جو اس کے سکوں کی کتاب میں مذکور ہے۔ مگر بعض اس میں

سنہ ۳۳۰ یا سنہ ۳۳۵ء سمدر گپت کی تخت نشینی۔

اپنی موت سے پہلے جو تخت نشینی کے غالباً دس یا پندرہ برس بعد واقع ہوئی۔ چندر گپت نے اپنے بیٹے سمدر گپت کو جو لکھوی کی شاہزادی کے بطن سے تھا اپنا ولیعہد مقرر کیا[1]۔ باپ جن وجوہ سے اس بیٹے کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ تھوڑی بہت صحت کی ضرورت ہے۔ سمت گپت (س۔گ) کی تاریخوں کو تقریباً صحت کے ساتھ سنہ عیسوی میں ۳۱۹ جمع کر دینے سے حاصل کیا جا سکتا ہے مثلاً ۸۲ س۔گ برابر سنہ ۴۰۱ء کے۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں جتنے کتبات خاندان گپت کے دریافت ہو چکے تھے اس کے لئے دیکھو:۔ ڈاکٹر فلیٹ کی "گپتا انسکرپشنز" (کارپس انسکرپشنز انڈ کا جلد سوم)۔ اس کتاب کے شیوع کے بعد سب سے بڑی دریافتیں حسب ذیل ہیں:۔ (۱) کمار گپت کی مہر بتری کے مقام پر (مصححہ وی۔ اے سمتھ اینڈ ہارنل۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۵۸ حصہ اول سنہ ۱۸۸۹ء)۔ (۲) گھٹوتکچ اور چندر گپت دوم کی ملکہ کی مہریں۔ بمقام بسارہ (آرکی آلوجیکل سروے انیول رپورٹ سنہ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲۲ ۔ ۱۰۱ لوح ۴۲ ۔ ۴۰)۔ (۳) کمار گپت اول کا کتبہ بمقام بھرَدی (۵) مورخہ سنہ ۱۱۱ س۔گ۔ (آرکی آلوجیکل سروے پروگرس رپورٹ آف نارتھ سرکل سنہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۳۹۔ مطبوعہ جے۔ اے۔ ایس بی۔ جلد ۵۔ سلسلۂ نو۔ (سنہ ۱۹۰۹ء) صفحہ ۴۵۷)۔ (۴) اس بادشاہ کا کتبہ بمقام دھانائیدہ مورخہ سنہ ۱۱۳ س۔گ۔ یہ قدیم ترین تانبے سے پترے پر کندہ عطیہ کا کتبہ ہے (جے۔ اے۔ ایس بی۔ رسالۂ مذکورہ صفحہ ۴۵۹)۔ (۵) ایک نہایت قابل قدر گپت داکاتک عطیہ۔ جس کو ایک حد تک مسٹر بھاٹک نے انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۱۴ میں بیان کیا ہے۔ اور بہت سے کتبے جن پر سمت گپت کی تاریخیں کندہ ہیں مگر بادشاہ کا نام ندارد ہے۔ دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں کم از کم دو برہما کے ہیں۔ (دیکھو آرکی آلوجیکل سروے رپورٹ برما سنہ ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۵ و ۲۰)۔

[1] فلیٹ۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۴۲۔ چند نادر سکے جو کچ یا کاچ نے مضروب کرائے تھے بعض حالات میں سمدر گپت کے سکوں سے بہت مشابہ ہیں۔ بعض مورخین کاچ یا کچ اور سمدر گپت کو ایک ہی شخص تصور کرتے ہیں۔ مگر بہترین رائے یہ ہے کہ کاچ اس بادشاہ کا حریف بھائی تھا۔ اگرچہ وہ حکمراں بھی تھا۔ اور اس کا عرصۂ حکومت

دوسروں پر ترجیح دی تھی ان کا حق اس نوجوان بادشاہ نے پورا پورا ادا کیا۔ اور صلح وجنگ دونوں صورتوں میں اس سے اس قدر ہنرمندی اور لیاقت کا اظہار ہوا جس سے کہ وہ اس امر کا مستحق ہے کہ اسے تمام ہندی بادشاہوں کی صف اول میں جگہ دی جائے۔

اس کی جنگجوئی اور اولوالعزمی۔ اپنی تخت نشینی کے وقت ہی سے سمدر گپت نے ایک اولوالعزم اور جنگجو بادشاہ کی طرح کام کرنا شروع کیا۔ اور اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنی ہمسایہ ریاستوں کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لے۔ فوجی مہمات میں پیش دستی یا سبقت کو ایشیا میں عامۃ الناس کی رائے نے کبھی برا نہیں سمجھا۔ بلکہ وہ بادشاہ جو عزت و شرف حاصل کرنے کا خواستگار رہا اس کے لئے ناممکن تھا کہ وہ اپنی آبائی سلطنت ہی پر قانع ہو رہے۔ اس لئے سمدر گپت کو بھی اس اصول پر عمل کرنے میں کسی قسم کا تامل نہ تھا کہ بادشاہ کا سب سے اہم کام ملک گیری ہے۔ تخت نشینی کے بعد فوراً ہی اس نے جنگ شروع کر دی جو اس کی غیر معمولی طویل حکومت کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ بہت مختصر تھا۔ اور کسی حالت میں چند ماہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اس کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں کہ اس نے چند سونے کے سکے مضروب کرائے تھے۔ اور عملی طور پر سمدر گپت کو اپنے باپ کا اصلی اور حقیقی جانشین متصور کرنا چاہیئے۔ الہ آباد کے کتبے میں اس کے انتخاب کا نہایت بین طور پر ذکر کیا گیا ہے:۔ "یہ ہے (تمہارے سامنے) ایک شریف آدمی تھا۔ ان الفاظ کو کہہ کر باپ نے اسے گلے سے لگایا۔ اور ایسی خوشی ظاہر کی جس سے محبت ٹپکتی تھی۔ اس نے اس کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور محبت اس پر غالب ہو گئی۔ درباری بھی خوشی میں پھولے نہ سماتے تھے۔ مگر ہمسر اعزاو اقربا مغموم اور ناشاد تھے۔ اس طرح اس نے اس سے کہا کہ "تمام دنیا کی حفاظت کا کام انجام دے"۔ (ہوہلز مترجمۂ فی انڈین انٹی کویری ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۲۶)

ایک بڑے حصے تک جاری رہی[1]۔

اس کے زمانے کے کتبات۔

جب سمدر گپت کا جنگ وجدل کا زمانہ ختم ہو گیا تو اس نے ایک شاعر کو جو سنسکرت زبان کے عروض و قافیے سے بالکل ماہر تھا نوکر رکھا اور اس سے اپنے کارناموں کے حالات میں قصیدہ لکھوایا۔ جس کو بعد میں ان پتھر کے ستونوں میں سے ایک پر کندہ کرا دیا جس پر چھ صدی پہلے اشوک نے اپنے فرامین منقوش کرائے تھے[2]۔ سمدر گپت ایک دیندار ہندو اور برہمنوں کی تعلیمات سے کماحقہ آگاہ تھا۔ وہ ایک اولوالعزم سپاہی تھا جو جنگی طرز معیشت کو پسند کرتا تھا۔ اگرچہ زمانۂ شباب میں اپنے باپ کے کہنے سے اس نے بدھ مذہب کے عالم بسو بندھ کی تعلیمات میں کچھ دلچسپی لی تھی لیکن پھر بھی اس نے اس امر میں ذرا بھی تامل نہ کیا کہ اپنے جنگی اور خونریزی کے کارناموں کو اس قدسی النفس راجہ کے فرامین کے ساتھ کندہ کرا دے جس کے خیال میں "سب سے بڑی فتح" پرہیزگاری کی فتح تھی۔

سمدر گپت نے اپنے کارناموں کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے جو تردد و تکلیفیں برداشت کیں وہ بیکار نہ گئیں۔ جو نظم اس کے ملک الشعراء نے اس زمانے میں لکھی تھی وہ اب تک تقریباً مکمل حالت میں موجود ہے اور مورخین کے لئے وہ اس دوران حکومت کے تفصیل وار حالات فراہم کرتا ہے۔ جو غالباً تمام ہندوستانی کتبات میں سب سے زیادہ

---

[1] ان واقعات کے اسناد اور تفصیلات پر مصنف کے مندرجۂ ذیل مضمون میں پوری پوری بحث کی گئی ہے۔:۔ "دی کان کوئسٹس آف سمدرا گپتا" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۷ء صفحہ ۸۵۹ الخ) کی تحقیقات سے اس میں چند تصحیحات ضروری ہو گئی ہیں۔

[2] یہ کتبہ بعد از موت کا نہیں (بیوہلر۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۷ء صفحہ ۳۸۶)۔ یہ ستون آجکل الہ آباد کے قلعے میں موجود ہے۔ مگر یہ اس کی اصلی جگہ نہیں ہے۔

بہتر ہے۔ اگرچہ بدقسمتی سے اس کتبے پر تاریخ نہیں ہے۔ لیکن اسے تقریباً صحت کے ساتھ سنہ ۳۶۰ء یا اس کے ذرا بعد کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس طرح اپنی موجودہ شکل میں محض ایک تاریخی ماخذ ہونے کے علاوہ وہ سنسکرت علوم کے لیئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جس کا ایک حصہ نظم میں ہے اور کچھ نثر میں۔ اور اس کے علاوہ اس کا سنہ یقینی طور پر معلوم ہے۔ ایسے بڑے بڑے کتبات کی جن پر تاریخ موجود ہو علمی حیثیت سے قدر کی طرف بیوہلر نے چند سال قبل توجہ دلائی تھی مگر اب اُن علماء نے جو عموماً کتب خانوں ہی کی تحقیقات پر اکتفا کرتے ہیں۔ پوری توجہ نہیں کی[1]۔ بہر حال فی الحال ہرشین کے اس فصیح و بلیغ نظم کے بیان سے ہمارا تعلق تاریخی ہے اور علوم سنسکرت کے ارتقاء سے ہم کو بحث نہیں۔ اور ہم کو یہ بات مخصوص علماء کے لیئے چھوڑ دینی چاہیئے کہ وہ غور کریں کہ اس کا درجہ زبان اور علم ادب کے ارتقاء میں کیا ہے۔

اس کی مختلف فوج کشیاں

اس قصیدے کا مصنف اپنے آقا کے تمام فوجی مہموں کو جغرافیائی لحاظ سے چار حصوں میں تقسیم کرتا ہے:۔ یعنے جنوب کے گیارہ بادشاہوں کے خلاف۔ آریاورت یا گنگا کے میدان کے اور بے نام و نشان بادشاہوں کے علاوہ ایسے بادشاہوں کے خلاف جن کے نام اس نے لکھے ہیں۔ جنگلات کی وحشی اقوام کے سرداروں کے خلاف۔ اور سرحد کی سلطنتوں اور جمہوری فرماں رواؤں کی مخالفت میں۔ اس کے علاوہ وہ ایسے بیرونی دول سے بھی سمدر گپت کے تعلقات بیان کرتا ہے جو اس قدر دور تھے کہ وہاں تک اس کی قوت کی رسائی نہ تھی۔ اگرچہ

[1] بیوہلر کا اہم مضمون:۔ "دی انڈین انسکرپشنز اینڈ دی انٹی کوئٹی آف انڈین آرٹی فیشل پوئٹری" سنہ ۱۸۸۹ء کے قریب ایک جرمن رسالے میں شائع ہوا تھا۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ پروفیسر گھاٹے نے انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۳ء میں کیا ہے۔

فی الحال ان تمام بادشاہوں اور ملکوں کا پتہ لگانا جن کے نام شاعر نے لکھے ہیں ناممکن ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سی تفصیلی باتیں ہیں۔ جو آئندہ تحقیقات یا دریافتوں ہی سے صاف ہو سکتی ہیں۔ لیکن پھر بھی اتنی کچھ باتیں معلوم ہیں جن سے مورخ خاندان گپت کے سب سے بڑے اور اولوالعزم شاہنشاہ کی وسعت سلطنت اور حدود فتح و نصرت کا اندازہ صحیح طور پر لگا سکے۔ کیونکہ اس نظم میں بجائے تاریخی اصول کے علمی اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس لیئے اس حکومت کے واقعات کو بقید سنین بیان کرنا ناممکن ہے ؛

شمالی ہند کی تسخیر مگر ہم کو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ " ہندوستان کے نپولین " نے سب سے پہلے اپنی توجہ ان ریاستوں کی طرف مبذول کی ہو گی جو اس کے قریب تر تھیں۔ اور یہ کہ جنوب کے زیادہ پرخطر سفر اور مہمات اختیار کرنے سے پہلے اس نے دریائے گنگا کے اس میدان کو زیر کر لیا ہو گا جو آج کل " ہندوستان " کے نام سے مشہور ہے۔ شمالی راجاؤں کے ساتھ اس کا سلوک بہت کچھ درشتی آمیز تھا۔ کیونکہ یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان کو " زبردستی بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالا گیا " جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ ان کے علاقوں کو فاتح نے اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیا تھا۔ اس نظم کے نو مذکورہ ناموں میں صرف ایک یعنے گنپت ناگ کا نام ایسا ہے جو بالکل یقین کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے۔ اس راجہ کا دارالسلطنت مشہور شہر پدماوتی یا نرور تھا جو مہاراجہ سندھیا کے علاقے میں اب تک موجود ہے ؛

قبل اس کے کہ سمدر گپت نے جنوبی ریاستوں کی طرف حملہ کرنے کے لیئے توجہ کی ہو۔ شمالی فتوحات کا بہت بڑا حصہ ختم اور وہ علاقہ اس کی سلطنت کے ساتھ ملحق ہو چکا ہو گا۔ اور جنوبی حملے کا کام ایسا تھا کہ جس میں اعلیٰ ترین قابلیت نظم و ترتیب کی ضرورت تھی ؛

جنوبی کوسل اور جنگلی اقوام کی فتح

حملہ آور اپنے دار السلطنت سے براہ راست چھوٹا ناگپور ہوتا ہوا جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ اور دریائے مہاندی کے وادی میں جنوبی کوسل کے علاقے پر حملہ آور ہوا۔ اور وہاں کے راجہ مہندر کو شکست دی[۱]۔ آگے بڑھ کر اس نے ان جنگلی علاقوں کے تمام سرداروں کو زیر کیا۔ جو اب تک بدستور سابق اپنی وحشی حالت میں قائم ہیں اور جن میں آج کل اڑیسہ کی باجگذار ریاستیں۔ اور صوبۂ متوسط کے علاقے شامل ہیں۔ ان سرداروں میں سب سے بڑا سردار اسم بامسمیٰ تھا۔ یہ ویاگھر راجہ (یعنے "شیر شاہ") اور کسی پہلو سے تاریخ میں مشہور نہیں۔ مہم کو اس منزل پر پہنچ جانے کے بعد سب سے بڑی دقت رسد اور باربرداری کی پیش آئی ہوگی۔ کیونکہ غیر مسلح وحشی اقوام نے ایک باقاعدہ مرتب فوج کا بہت زیادہ فوجی مقابلہ نہ کیا ہوگا؛

انتہائے جنوب کی فتوحات

مشرقی ساحل سے ہوتا ہوا سمدر گپت اور آگے جنوب کی طرف بڑھا۔ اور اس سردار کو مطیع کیا جو کلنگ کے قدیم دار السلطنت پشٹپور پر جو آج کل گوداوری کے ضلع میں پتھاپورم کے نام سے مشہور ہے قابض تھا۔ اس کے علاوہ اس نے منجم کی مہندر گری کٹور کے کوہستانی قلعوں کو بھی مسخر کیا[۲]۔ پھر منتراجہ جس کا علاقہ جھیل کلار کے کناروں پر واقع تھا۔ ونگی کا راجہ جو کرشنا اور گوداوری کے درمیانی علاقے پر حکمران اور غالباً پلوا خاندان کا تھا۔ اور وشنو گوپا کانچی یا کانجی ورم کا راجہ جو یقیناً پلوا خاندان کا تھا۔

---

[۱] شمالی کوسل کا علاقہ دریائے گھاگھرا کے شمال میں اودھ کی سرزمین ہے؛

[۲] "کورالک" کے صحیح معنوں کے لئے دیکھو کیلہارن کا بیان۔ اپی گریفیا انڈیکا جلد ۶ صفحہ ۳۔ کٹور مہندر گری سے جنوب مشرق میں بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس عبارت کے صحیح معنے کیلہارن اور فلیٹ نے ۱۸۹۸ء میں متعین کئے تھے۔ پشٹپور کے لئے دیکھو فلیٹ انڈین انٹی کویری جلد ۳۰ (۱۹۰۱ء) صفحہ ۲۶؛

اس کے مطیع ہو گئے۔ پھر وہ مغرب کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پالک کے راجہ اگر سین نامی کو مسخر کیا۔ یہ شہر غالباً نلور کے ضلع میں واقع تھا۔

واپسی براہ خاندیش

وہ دکن کے مغربی حصص میں سے ہوتا ہوا وطن واپس آ گیا۔ اور راستے میں موجودہ مہاراشٹر یعنے دیوراشٹر۔ اور ایرنڈپھل یعنے خاندیش کو فتح کیا۔[۵۱]

اس حیرت انگیز مہم میں جس کے دوران میں فوج کو مختلف حصص ملک میں سے ہزارہا میل کا چکر لگانا پڑا کم از کم دو برس صرف ہوئے ہوں گے اور فرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ ۳۵۰ء میں ختم ہوئی۔

سنہ ۳۵۰ء

بیش بہا مال غنیمت ملک کافور سے اس کا مقابلہ

جنوبی ریاستوں کو مستقل طور پر سلطنت کے ساتھ ملحق کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ کیونکہ فاتح حملہ آور اس بات کا معترف ہے کہ اس نے صرف وقتی اطاعت پر ہی اکتفا کی اور اس کے بعد اپنی فوجوں کو ہٹا لیا۔ مگر بلاشک و شبہ اس نے جنوب کے خزانوں کا ضرور صفایا کر دیا تھا۔ اور اس مسلمان سپہ سالار کی طرح جس نے ایک ہزار سال بعد اس کے کارناموں کا اعادہ کیا۔ مال غنیمت سے لدا پھندا واپس آیا ہو گا۔ دہلی کے سلطان علاؤالدین خلجی کے سپہ سالار ملک کافور نے ۱۳۰۹-۱۳۱۱ء کے فوجی مہم کے دوران میں سمدرگپت کے کارناموں کو مات کر دیا۔ اور اپنے اس ہندو پیشرو سے بھی زیادہ انتہائے جنوب تک چلا گیا۔ اپریل ۱۳۱۱ء میں ملک کافور نے مدورا پر قبضہ کیا۔ اور اس کو اپنا فوجی مرکز قرار دے کر راس سورم یا پل آدم تک پہنچا۔ جہاں اس نے وہ مسجد تعمیر کی جو سولھویں صدی تک جب فرشتہ نے

---

[۵۱] ایپی گریفیا انڈکا جلد ۸ صفحہ ۱۶۱۔

[۵۲] فلیٹ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۸۹۸ء صفحہ ۳۶۹۔

اپنی تاریخ لکھی ہے موجود تھی[1]۔

سرحدی باجگذار ریاستیں۔ شاہی دربار کے شاعر نے ان سرحدی حکومتوں اور جمہوریتوں کا ذکر کیا ہے جو مہاراجہ کے زیرنگین ہوگئی تھیں۔ اور اس کے ان ناموں کے گنوانے سے مورخین اس بادشاہ کی حدود سلطنت کا تعین صحت کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ اور ساتھ ہی چوتھی صدی میں ہندوستان کی سیاسی تقسیم کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

اس برّاعظم کی مشرقی جانب باجگذار ریاستیں حسب ذیل تھیں۔ سمتٹ یا دریائے گنگا اور برہم پترکا شلثی علاقہ جس میں وہ جگہ بھی شامل تھی جہاں آج کل کلکتہ شامل ہے۔ کامروپ یا آسام۔ اور دواک جس میں غالباً دریائے گنگا کے شمال میں بوگرا۔ دیناج پور اور راج شاہی کے اضلاع شامل تھے۔ جو سمتٹ اور کامروپ کے درمیان میں واقع ہیں۔ اور زیادہ مغرب کی طرف نیپال کی کوہستانی سلطنت آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی شاہی حکومت کے ماتحت اندرونی طور پر خودمختار تھی۔ اور شاہی عمال کا حلقۂ اثر صرف دامن کوہ تک جاتا تھا سلطنت کرتری پور میں مغربی ہمالیہ کی زیرین پہاڑیاں تھیں جن میں غالباً کماؤن۔ المورا۔ گڑھوال۔ اور کانگڑے کے علاقے شامل تھے[2]۔

---

[1] مدرا کی تسخیر کے لئے دیکھو ایلیٹ "ہسٹری" جلد ۳۔ صفحہ ۹۱۔ مسجد کی مرمت مجاہد شاہ بہمنی نے ۱۳۶۶ء میں کی تھی۔ مسٹر سیول نے اس کے متعلق جو شبہات ظاہر کئے ہیں (اے فارگاٹن امپائر صفحہ ۴۲) وہ قابل غور ہیں۔ بظاہر اسے مدرا کی فتح کا حال یاد نہ رہا تھا۔

[2] ڈاکٹر فلیٹ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس سلطنت کا نام ضلع جالندھر کے کرتارپور میں اب بھی باقی رہ گیا ہو۔ بریگیڈ سرجن سی۔ ایف۔ اولڈہم نے بھی کماؤن۔ گڑھوال اور روہیلکھنڈ کے کتوریا راجاؤں کا حوالہ دیا ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۸۹۸ء صفحہ ۱۹۸)۔

قبیلوں کی جمہوری سلطنتیں۔

پنجاب۔ مشرقی راجپوتانہ اور مالوا کے علاقے ایک بڑی حد تک ایسے قبیلوں کے ہاتھ میں تھے جن میں جمہوری اصول پر حکومت قائم تھی۔ دریائے ستلج کے دونوں کناروں پر قبیلۂ یودھیا متصرف تھا۔ اور پنجاب کے وسط میں مادرک قوم آباد تھی۔ ناظرین کتاب کو یاد ہوگا کہ سکندر اعظم کے زمانے میں بھی یہ علاقہ ایسے ہی خود مختار قبائل کے ہاتھ میں تھا جن کو اس زمانے میں ملوئی۔ کھتوئی وغیرہ کہتے تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ شمال مغرب میں دریائے جمنا سلطنت گپت کا حد فاصل تھا۔ مشرقی راجپوتانہ اور مالوا میں آرجنیان۔ مالوا۔ اور ابھیر اقوام آباد تھیں۔ اس جانب دریائے چنبل کو سلطنت کی حد قرار دیا جا سکتا ہے۔ آگے چل کر حد اور زیادہ مشرقی جانب ان چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی طرف پھیلتی تھی جن کے نام مذکور نہیں۔ اور غالباً بھوپال کے علاقے میں سے ہوتی ہوئی دریائے نربدا تک جا پہنچتی تھی۔ اور یہی دریا سلطنت گپت کا جنوبی حد فاصل تھا۔

سلطنت کی حدود

اس طرح چوتھی صدی کے وسط میں جس ملک پر سمدر گپت بلا شرکت غیرے حکمراں تھا اس میں شمالی ہند کے سب سے زیادہ معمور اور سرسبز و زرخیز علاقے شامل تھے۔ مشرق میں دریائے ہگلی سے لے کر یہ مغرب میں دریائے جمنا اور چنبل تک پھیلا ہوا تھا۔ اور شمال میں کوہستان ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوب میں دریائے نربدا تک وسیع تھا۔

اس وسیع حدود کے باہر بھی آسام اور دریائے گنگا کے مثلثی قطعہ کی ریاستوں اور کوہستان ہمالیہ کی جنوبی سلطنتوں کے علاوہ راجپوتانہ اور مالوہ۔ کی آزاد اقوام بھی شاہی سلطنت کے ساتھ متحد اور اس کی ماتحت تھیں۔ علاوہ بریں جنوب کی سلطنتوں کو بھی شاہی افواج قاہرہ نے پامال کر ڈالا تھا۔ اور ان کو مجبوراً سمدر گپت کی طاقت و

عظمت کا اعتراف کرنا پڑا تھا۔

بیرونی دول سے تعلقات۔ ایسی سلطنت جس کا ذکر اوپر ہوا چھ صدی قبل اشوک کی سلطنت کے زمانے کے بعد ہندوستان میں کبھی قائم نہ ہوئی تھی۔ اور اسی کی وسعت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ یہ کچھ بعید از قیاس نہیں کہ بیرونی درباروں میں بھی سمدرگپت کو عزت و توقیر حاصل ہوگئی تھی۔ اس لئے اس میں کچھ تعجب نہیں کہ اس کے سیاسی تعلقات کابل اور گندھار کے کشان بادشاہوں اسی قوم کے ان بزرگ تر حکمرانوں سے جو دریائے سیحون کے علاقے پر قابض تھے۔ اور لنکا کے اور دیگر دوردست جزیروں کے راجاؤں کے ساتھ تھے۔

لنکا سے سفارتوں کا آنا۔ ۳۶۰ء کے قریب لنکا کے راجہ اور سمدرگپت کے درمیان اتفاقیہ طور پر سلسلۂ خط و کتابت قائم ہوگیا تھا۔ لنکا کے بدھ مذہب کے راجہ میگھون (یا میگھورن) نے جس کا ستائیس سالہ عہد حکومت ۳۵۲-۳۷۹ء کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے دو بھکشوؤں جن میں سے ایک اس کا بھائی بیان کیا جاتا ہے روانہ کیا تھا کہ وہ "تخت الماس" کو سلام اور اس خانقاہ کی زیارت کر آئیں جس کو راجہ اشوک نے بدھ گیا کے مقام پر مقدس درخت کے مشرق میں تعمیر کرایا تھا۔ غالباً مذہبی عداوت و تنفر کی وجہ سے ان اجنبیوں کی مطلق خاطر و مدارات نہ کی گئی۔ اور انھوں نے اپنے جزیرے میں واپس آکر بادشاہ سے شکایت کی کہ تمام ہندوستان میں کوئی جگہ ان کو ایسی میسر نہ آئی جہاں وہ آرام اور خوشی سے زندہ رہ سکتے۔ راجہ میگھورن نے ان کی اس شکایت کو سنا اور آئندہ علاج کی یہ تدبیر سوچی کہ ایک خانقاہ تعمیر کی جائے جہاں اس کے ہم وطن مقدس مقامات کی جاترا کے زمانے میں عیش و آرام سے بسر کر سکیں۔ چنانچہ اس نے سمدرگپت کے دربار میں ایک سفارت روانہ کی اور تحفے کے طور پر ایک کثیر تعداد ان جواہرات کی ان کے ساتھ کر دی جن کے لئے لنکا ہمیشہ سے مشہور رہا ہے۔ اور ہندوستان کے

ملک میں خانقاہ تعمیر کرنے کی اجازت چاہی۔ سمدر گپت اس دور دست سلطنت کی سفارت کے آنے سے پھولا نہ سمایا۔ ان تحائف کو اس نے خراج متصور کیا۔ اور خوشی سے تعمیر خانقاہ کی اجازت دے دی۔ سفیر واپس چلا گیا۔ اور بہت کچھ سوچ بچار کے بعد راجہ نے مقدس درخت کے قریب ہی اپنی خانقاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس کا یہ مقصد جو ایک تانبے کی چادر پر کندہ کیا گیا تھا۔ پورا ہوا۔ اور اس نے درخت کے شمال میں ایک عالیشان خانقاہ کی بنا ڈالی۔ یہ عمارت تین منزل بلند تھی۔ اس میں چھ بڑے بڑے کمرے اور تین برج تھے۔ اور یہ تمام عمارت ایک مضبوط فصیل سے گھری ہوئی تھی جو تیس یا چالیس فٹ اونچی تھی۔ اس میں تمام نقش و نگار نہایت چمکتے ہوئے رنگ سے عمدہ فن نقاشی کے نمونے پر بنائے گئے تھے۔ اور بدھ کا بت جو سونے اور چاندی کا ڈھلا ہوا تھا جواہرات سے مرصع تھا۔ ساتھ کے چھوٹے چھوٹے ستوپ بھی جن میں خود بدھ کے تبرکات مدفون تھے بڑی عمارت کی شان کی مناسبت سے بنائے گئے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب ہیون سانگ نے اسے دیکھا ہے تو اس عالیشان عمارت میں مہایان کے فرقہ ستھویر کے ایک ہزار بھکشو مقیم تھے۔ اور لنکا سے آنے والے جاتریوں کی مہانداری بڑے پیمانے پر کی جاتی تھی۔ اس کے موقعے پر اب ایک بڑا وسیع ٹیلا موجود ہے[1]۔

[1] میگھورن اور سمدر گپت کی ہمعصریت پر جس کو سب سے پہلے ایم سلوین لیوی نے ایک چینی کتاب سے دریافت کیا تھا مصنف نے خاندان گپت کے جدول سنین کے اس مضمون میں بحث کی ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ دیکھو مصنف کا "دی النکرپشینز آف مہانامن ایٹ بدھ گیا" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۹۲)۔ مگر میگھورن اس زمانے کے کہیں بعد حکمران ہوا جس کا کہ ان مضامین کے لکھتے ہوئے میرا خیال تھا۔ یعنی ۳۵۲-۳۷۹ء۔ (ترجمہ مہاومس سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۹) ممکن ہے کہ اس کا اصلی زمانہ اس سے ذرا بعد کا ہو۔

اسومیدھ غالباً جنوب کی فوجی مہم سے واپس آنے کے بعد ہی سمدرگپت نے اپنی بے شمار فتوحات کی تشہیر اور اپنی حکومت کی عظمت اور برتری کے اعلان کا ارادہ کیا اور اسومیدھ کی قدیم رسم کو جو ایک مدت سے معرض التوا میں پڑی تھی اور جس کو شمالی ہند میں پشیہ متر کے زمانے سے کسی نے ادا نہ کیا تھا دوبارہ زندہ کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ یہ رسم نہایت دھوم دھام اور طمطراق کے ساتھ ادا کی گئی۔ اور برہمنوں کو خوب کھلے ہاتھوں دان وپن دیا گیا۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ لکھو کھا سکے اور سونے کی اشرفیاں تھیں۔ ان طلائی تمغوں کے نمونے بھی کہیں کہیں پائے گئے ہیں۔ جس میں اس گھوڑے کی شبیہ اور اس کے مناسب عبارت کندہ ہے۔ اسی واقعے کی ایک اور یادگار غالباً وہ بری طرح تراشا ہوا پتھر کا گھوڑا ہے جو شمالی اودھ میں دستیاب ہوا تھا۔ اور آجکل لکھنؤ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ اس پر ایک کتبے کے مٹے ہوئے نشانات بھی پائے جاتے ہیں۔ جس میں غالباً سمدرگپت کی طرف اشارہ ہے[1]۔

سمدرگپت کے ذاتی اوصاف اگرچہ شاہی دربار کے شاعروں کے قصیدے اور مدحیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ ان کو بلا تامل حرف بہ حرف صحیح مان لیا جائے۔ لیکن صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ سمدرگپت ایک غیر معمولی قابلیت اور اوصاف کا بادشاہ تھا۔ ملک الشعراء کی اس تعریف کی تصدیق کہ بادشاہ فن موسیقی میں

---

[1] کیونکہ یہ کتبہ پراکرت میں ہے اس وجہ سے وہ ذرا مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ خاندان گپت کے باقی اور تمام کتبے سنسکرت زبان میں ہیں (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۳ء صفحہ ۹۰ مع لوح)۔ کیونکہ یہ گھوڑا ایک مدت تک لکھنؤ کے عجائب خانے کے باہر کھلی ہوا میں رکھا رہا اس لیے کتبہ بالکل مٹ گیا ہے۔ مگر اب اس مورت کو اندر رکھ دیا گیا ہے۔ جب یہ کتاب پہلی مرتبہ طبع ہوئی ہے تو وہ کتبہ صاف پڑھا جاتا تھا۔

پورا مشاق تھا اتفاقاً ان نادرالوجود سونے کے سکوں سے ہوتی ہے جس میں بادشاہ ایک اونچے تکیہ کی کوچ پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور ہندی ستار بجا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شاعری بھی اس تیز طبع بادشاہ کے اوصاف میں سے بیان کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شاعروں کا بادشاہ تھا۔ اور خود اس نے بہت سی ایسی نظمیں لکھی تھیں جو مخصوص شعراء کے لئے بھی باعث فخر و مباہات ہوتیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بادشاہ علماء کی مجلس میں بیٹھنے کا مشتاق اور اپنی عقل و فہم کو موسیقی اور شاعری کے خفیف فنون کے علاوہ مذہبی کتب کے مطالعے میں بھی صرف کرتا تھا۔ زمانۂ شباب میں اس نے بدھ مذہب کے مشہور و معروف عالم کو اپنا مقرب و ندیم بنایا۔ سمدر گپت کی جو تصویر اس کے دربار کے شاعر نے کھینچی ہے اس سے ناظرین کو اکبر کی وہ شبیہ یاد آجاتی ہے جس کا چربہ اس کے درباری ابوالفضل کے قلم سے کھنچا ہے؛

مذکورۂ بالا اوصاف سمدر گپت میں خواہ کتنی ہی حد تک کیوں نہ پائے جاتے ہوں۔ مگر اس میں کلام نہیں کہ اس کے قویٰ معمولی انسانوں کے سے نہ تھے۔ بلکہ فی الواقع وہ ایک ایسا طبّاع اور بڑا ذہین آدمی تھا جو بخوبی "ہندی نیولین ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے"؛

اس کی تاریخ کی دریافت۔

لیکن سب سے بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس عظیم الشان بادشاہ کے نام سے بھی جو سپاہی۔ شاعر اور مقرر تھا جس نے تقریباً تمام ہندوستان کو فتح کر لیا تھا۔ اور جس کے اتحاد اور تعلقات کے سلسلے دریائے سیحون سے لے کر لنکا تک پھیلے ہوئے تھے ہندوستان کے مورخ اس کتاب کے طبع ہونے سے بالکل نابلد تھے۔ گذشتہ اسی سال کے عرصے میں کتبات اور سکہ جات کے دقیق اور بغور مطالعے سے اس کی شہرت بتدریج پھر قائم ہوئی ہے۔ اور یہ امر کہ اب ہم اس قابل ہو گئے ہیں کہ اس کی یادگار زمانہ حکومت کے عہد کا مسلسل حال لکھ سکیں۔ اس بات کی

بیّن اور روشن شہادت ہے کہ آثار قدیمہ کی تحقیقات اور اس کے ٹکڑوں کو منضبط کرنے سے کیا کچھ کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ یہی آثار قدیمہ ہیں جن سے قدیم ہند کی تاریخ کا صحیح نقشہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

تقریباً ۴۱۳ء سمدر گپت کی موت کا صحیح سنہ معلوم نہیں۔ مگر یہ یقینی ہے کہ وہ بہت بڑھاپے تک زندہ رہا۔ اور کم و بیش نصف صدی تک نہایت کامرانی اور شادکامی سے حکومت کرتا رہا۔ اپنے مرنے سے قبل اس نے اس بات کی پوری جدو جہد کی کہ امن و آشتی کے ساتھ اس کے جانشین کا فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی اور اولاد میں اپنی ملکہ دت دیوی کے بیٹے کو جسے وہ بجا طور سے ایک عالیشان سلطنت پر حکومت کرنے کا اہل سمجھتا تھا ولیعہد مقرر کیا۔

چندر گپت دوم وغیرہ۔ جس بیٹے کا اس طرح انتخاب ہوا وہ غالباً اپنے باپ کے عین حیات میں یوور اجہ رہ چکا تھا۔ اور سلطنت کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ اس نے ہندوؤں کے دستور کے مطابق اپنے دادا چندر گپت کا نام اختیار کیا۔ اور اسی وجہ سے وہ چندر گپت دوم کے نام سے موسوم ہے۔ اسکے علاوہ اس نے بکرماجیت (شمس الملک) کا خطاب اختیار کیا۔ اور وہی بادشاہ ہے جو اس نام کے ان تمام بادشاہوں میں جن کے قصے شمالی ہند میں زبان زد خلائق ہیں سب سے زیادہ شہرت کا مستحق ہے۔ اس کی تخت نشینی کی اصلی تاریخ مذکور نہیں۔ لیکن یہ سن ۳۷۵ء سے بہت بعید ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک کوئی ایسا سکّہ یا کتبہ دریافت نہ ہو جائے جس سے کہ اس امر کا تصفیہ قطعاً ہو سکے اسی تاریخ کو صحیح مان لینا چاہیئے۔ جہاں بظاہر معلوم ہوتا ہے

لہ ایران اور بھتری کے کتبات۔

اس کی جانشینی بہ امن وقوع میں آئی اور اس میں کسی قسم کا جھگڑا فساد نہیں ہوا۔ اور نئے بادشاہ کو جو اس وقت خاصی پکی عمر کا ہوگا فوراً اس بات کا موقعہ حاصل ہو گیا کہ اس کے فاتح باپ سے جو وسیع سلطنت اس کو ترکہ میں ملی تھی اس میں اور زیادہ اضافہ کرے۔ اس نے سمدر گپت کی طرح جنوب کی طرف توجہ نہیں کی۔ بلکہ جنوب مغرب کی طرف سلطنت کو وسیع کرنے کو ترجیح دی[1]۔

مالوا۔ گجرات اور کاٹھیاواڑ کی فتح چندر گپت بکرماجیت کا سب سے بڑا فوجی کارنامہ مالوا اور گجرات کے صوبوں میں سے ہوتے ہوئے بحیرۂ عرب تک پہنچنا اور سراشٹریا کاٹھیاواڑ کے جزیرے کی تسخیر ہے۔ جس پر صدیوں سے بیرونی قوم سک کا خاندان حکمراں تھا۔ جو یورپ کے علما میں مغربی ستریوں کے نام سے مشہور ہے[2]۔ ان تمام

---

[1] اس کتاب کی گذشتہ ایڈیشنوں میں میں نے فرض کر لیا تھا کہ دہلی کی لوہے کی لاٹھ کے کتبے کے مذکورہ چندر راجہ کو چندر گپت دوم بکرماجیت ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور اس طرح اس کو پنجاب اور بنگال میں فتوحات کا مستحق قرار دینا چاہیئے۔ جیسا کہ مینے اپنے مضمون (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱) میں ثابت کیا ہے لیکن مہامہو پادھیا ہر پرشاد شاستری کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ چندر دراصل راجپوتانہ کے مقام پشکرن کا راجہ چندر ورمن تھا۔ جو چوتھی صدی میں گذرا ہے۔ پشکرن (تقریباً ۲۷° شمالی عرض بلد ۷۲° ۵۰' مشرقی طول بلد) ایک مشہور شہر تھا۔ اور ٹاڈ کے زمانے میں بھی "مارواڑ کی سب سے زیادہ دولتمند اور طاقتور باجگذار ریاستوں میں شمار ہوتا تھا۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۱۷-۲۱۹ ٹاڈ کی "راجستان" (طبع دوم سنہ ۱۸۷۳ء) جلد اول صفحہ ۷۰۵)۔

[2] مغربی ستریوں کی تفصیلی تاریخ کے لئے دیکھو ریپسن۔ بھگوان لال اندراجی اور بدلف کے مضامین جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۰ء صفحہ ۶۳۹ سنہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۳۵۷ میں۔

فوجی مہمات میں جن سے کہ چند دور کے صوبے سلطنت کے ساتھ ملحق ہوئے یقیناً چند سال صرف ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ اس بات کا ہم کو علم ہے کہ وہ سنہ ۳۸۸-۴۰۱ء کے درمیان عمل میں آئے تھے۔ اور اس طرح ۳۹۵ء ان فتوحات کی تکمیل کا سنہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ذریعے سے وہ علاقے جن پر ملوا اور دیگر اقوام متصرف تھیں۔ اور جو سمدرگپت کے ہاتھ سے محفوظ رہ گیا تھا سلطنت کے ساتھ شامل کر لیا گیا۔ سراشٹر اور مالوا کی فتح سے نہ صرف زیادہ متموّل اور زرخیز علاقے چندرگپت کے ہاتھ آئے۔ بلکہ اب مغربی ساحل کے تمام بندرگاہوں تک کا راستہ اس کے لئے کھل گیا۔ اور اس طرح مصر کے ذریعے سے جو تجارت یورپ سے ہوتی تھی اس سے اس کو براہ راست تعلق ہو گیا۔ اور اس کے دربار اور رعایا کو یورپین خیالات سے بھی جو اس مال اسباب کے ساتھ تمام دنیا میں پھیل رہے تھے متاثر ہونے کا موقع ملا۔ سلطنت گپت کے زمانے میں ہندی علم ادب۔ فنون لطیفہ۔ اور علم و فن پر جو بیرونی اثر ہوا اس کا ذکر مجملاً آئندہ آئیگا۔

مغربی ستر پ یہ نام نہاد کے ”مغربی ستر پ“ دو بالکل ممیز خاندانوں میں منقسم تھے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جداگانہ علاقوں پر حکمراں تھے۔ مہاراشٹر کے کشہرات ستر پوں کا دارالسلطنت مغربی گھاٹ میں غالباً ناسک کے مقام پر تھا۔ یہ پہلی صدی عیسوی کے دوران میں اس علاقے پر متصرف ہو گئے تھے۔ اور خاندان اندھر کے ایک راجہ گوتمی پتر نے تقریباً سنہ ۱۲۶ء میں انھیں تباہ و برباد کیا تھا۔ دوسری مغربی ستر پی پہلی صدی عیسوی کے آخر میں مالوے کے علاقے میں اجین کے مقام پر سک قوم کے ایک فرد چشتن نے قائم کی تھی۔ اس کے پوتے رودرادامن اول نے اسے بہت وسعت دی۔ اور آخر سنہ ۱۲۶-۱۵۰ء کے درمیان کسی سال میں گوتمی پتر کے بیٹے پلماوی دوم کو شکست دے کر اس علاقے کا تمام یا بہت بڑا حصہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا جو گوتمی پتر نے

چند سال قبل ہی کشہرات ستر یون سے چھینا تھا۔ اس طرح رودراد امن کی سلطنت نہ صرف سراشٹر۔ بلکہ تمام مالوا۔ کچھ۔ سندھ۔ کونکن اور دیگر اضلاع یعنے تمام مغربی ہند پر پھیل گئی۔ چشتن اور اس کے جانشینوں کا صدر مقام اجین تھا۔ یہ ہندوستان کا ایک قدیم ترین شہر مغربی بندرگاہوں اور اندرون ملک کے درمیان تجارت کی منڈی۔ علم وفضل اور قدیم تہذیب کا مرکز ہونے کی حیثیت سے مشہور اور اس وجہ سے قابل ذکر تھا کہ ہندوستان میں یہیں سے طول بلد کا شمار ہوتا تھا۔ یہ جگہ آج کل کے زمانے میں بھی خاصہ بڑا شہر ہے۔ اب تک اس کا قدیم نام ہی زبانوں پر جاری ہے۔ اور قدیم عظمت کے آثار وہاں موجود ہیں۔ کسی زمانے میں اُسے مہاراجہ سندھیا کے صدر مقام ہونے کی بھی عزت حاصل رہی ہے ؛

آخری سترپ کی بربادی۔ سمدرگپت کو اگرچہ مغرب کے علاقے کی فتح نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر ایک اور رودرادامن کے بیٹے سترپ اور سین کے پاس سے جو یقیناً بادشاہ کے تمام ہندوستان کے فتح کرلینے سے بہت کچھ متاثر ہوا ہوگا ایک سفارت آئی تھی۔ چندرگپت دوم جب تخت پر بیٹھا ہے تو اس عظیم الشان سلطنت اور خزانے کی وجہ سے جو اس کو ورثے میں ملا تھا۔ اس قدر طاقتور تھا۔ کہ اس کے فوراً اپنے اس مغربی حریف کو نیست و نابود کرنے اور اس کے قیمتی علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا عزم کرلیا۔ اولوالعزم اور جنگجو بادشاہ کو اپنے کسی متمول ہمسایہ کے ساتھ جنگ چھیڑنے کے واسطے بہانہ تلاش کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اور ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ اختلاف قوم۔ ومذہب و اوضاع و اطوار ہی صرف ایسے اسباب تھے جن کی بنا پر چندرگپت نے مغرب کے ان پلید بیرونی حکمرانوں کو نیست و نابود کرنے کا تہیّہ کرلیا۔ چندرگپت بکرماجیت اگر بدھ اور جین مذہبوں سے رواداری کا برتاؤ کرتا تھا مگر وہ خود ایک

راسخ الاعتقاد ہندو اور بالخصوص وشنو کا پجاری تھا۔ اور اسی وجہ سے ممکن ہے کہ ان بیرونی سرداروں کو جو ذات پات کے تمام قیضوں سے بالکل بے نیاز تھے "بیخ و بن سے اکھاڑ دینے" میں اسے ایک خاص لطف اور راحت اور اطمینان قلب حاصل ہوا ہو۔ لیکن اس کام میں اس کے مقاصد خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس نے بہرحال ستیاسنہا کے بیٹے رودراسنہا ستر پ پر حملہ کیا۔ اس کو تخت سے اتار کر قتل کیا اور اس کی سلطنت پر متصرف ہو گیا۔ ایک اور شرمناک روایت کے بیان کے مطابق "سک قوم کا بادشاہ، اپنے دشمن کے شہر میں [illegible] دوسرے مرد کی بیوی سے رسم و راہ پیدا کرتے ہوئے خود چندر گپت کے ہاتھ سے مارا گیا جو اس کی معشوقہ کا بھیس بدلے ہوئے تھا[1]" لیکن بادی النظر میں یہ حکایت تاریخی پہلو سے بے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ۳۸۸ء میں سب سے آخری مرتبہ ان ستر پوں کا ذکر ملتا ہے۔ اور خیال یہ ہے کہ اس کے بعد جلد ہی ان کا علاقہ سلطنت گپت کے ساتھ ملحق کر لیا گیا ہوگا۔

چندر گپت بکرماجیت کے عادات و خصائل

بعد کے زمانے کے خاندان مغلیہ کی طرح سوائے بانی خاندان کے تمام گپت راجاؤں کا زمانہ حکومت بہت طویل تھا۔ چندر گپت بکرماجیت نے کم و بیش چالیس برس حکومت کی اور ۴۱۳ء تک زندہ رہا۔ اس کے ذاتی اوصاف سے ہم تقریباً بالکل بے خبر ہیں۔ مگر اس کی زندگی کے واقعات معلومہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک زبردست اور قوی بادشاہ تھا۔ اور ہر پہلو سے ایک وسیع سلطنت پر حکومت کرنے اور اس کو وسعت دینے کا مستحق تھا۔ وہ ایسے پرشکوہ خطابات کا خصوصاً دلدادہ تھا جن سے اس کے فوجی کارنامے ظاہر ہوں۔ اور قدیم

[1] ہرش۔چرت۔ ترجمہ کاول و ٹامس صفحہ ۱۹۴

ایرانی طریقے کے مطابق وہ سکوں پر اپنی تصویر اس طرح بنواتا تھا کہ وہ شیر سے مقابلہ کر رہا ہے اور اس پر غالب ہے؛

اس کا دار السلطنت اس قسم کی علامات پائی جاتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرسرکاری طور پر پاٹلی پتر اب بھی سلطنت کا دار السلطنت سمجھا جاتا تھا لیکن سمدر گپت کی وسیع فتوحات کے بعد شاہان گپت نے وہاں کی سکونت عموماً ترک کر دی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ شاہان موریا نے اسی شہر میں بیٹھ کے شاہان گپت کی سلطنت سے کہیں زیادہ وسیع سلطنت پر حکمرانی کی تھی۔ مگر اصل یہ ہے کہ ان کے زمانے میں بھی اس کے زیادہ مشرق میں واقع ہونے سے دقتیں ضرور واقع ہوئی ہوں گی۔ اور دار السلطنت کو زیادہ مرکز میں قائم کرنا بہت مفید معلوم ہوتا تھا۔ اجودھیا جو رام چندرجی مہاراج کا وطن ہونے کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور جس کے کھنڈروں سے مغربی اودھ میں موجودہ فیض آباد شہر بنایا گیا تھا۔ اپنے موقع کے سبب بہت اچھا تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ سمدر گپت اور اس کے بیٹے کے زمانے سے یہی شہر ان کی حکومت کا صدر مقام تھا۔ اور غالباً موخرالذکر نے وہاں تانبے کے سکوں کی ٹکسال بھی قائم کر دی تھی۔ اس بات کے باور کرنے کی وجہ ہیں کہ پانچویں صدی عیسوی میں پاٹلی پتر کے بجائے اجودھیا ہی خاندان گپت کی سلطنت کا صدر مقام تھا؛

کوسامبی اشوک کا وہ ستون جس پر سمدر گپت نے اپنی تاریخ کندہ کرائی تھی اس کی نسبت خیال ہے کہ وہ پہلے کوسامبی کے مشہور و معروف شہر میں نصب کیا گیا تھا جو اجین اور شمالی ہند کی درمیانی شاہراہ پر واقع تھا۔ اور بلاشک و شبہ بعض اوقات ضرور شاہی صدر مقام رہا ہوگا[1]۔ اصل یہ ہے کہ ایک ایشیائی خود مختار بادشاہ کا دار السلطنت وہی مقام ہوا کرتا ہے

---

[1] کوسامبی کے موقع کے مباحثہ کے لیے دیکھو مصنف کے مضامین "کوسامبی اینڈ سراوستی" (جے۔آر۔اے۔ایس ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۰۳) اور "سراوستی" رسالہ ایضاً ۱۹۰۰ء صفحہ ۱؛

جہاں وہ مقیم ہوئے؛

پاٹلی پتر

پاٹلی پتر کو اگرچہ سمدر گپت اور چندر گپت جیسے جنگجو بادشاہوں نے ایک بڑی حد تک اپنی حالت پر چھوڑ دیا تھا۔ مگر پھر بھی موخرالذکر کی حکومت کے دوران میں وہ ایک عالیشان اور معمور شہر تھا۔ اور چھٹی صدی عیسوی میں گورے ہنوں کے حملے تک وہ برباد نہیں ہوا تھا۔ جب چینی جاتری ہیون سانگ سنہ ۶۴۰ء میں اس کے قریب مقیم ہوا تو اس نے دیکھا قدیم شہر کا موقعہ بے انتہا کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ "یہ شہر ایک مدت سے جنگل ہو گیا ہے۔" سوائے دریائے گنگا کے کنارے ایک چھوٹے سے قلعہ بند شہر کے جس میں (۱۰۰۰) آدمیوں کی آبادی ہے۔ جب ہرش سنہ ۶۴۷-۶۱۲ء کے درمیان شمالی ہند پر حکمران تھا تو اس نے بھی اس قدیم شاہنشہی شہر کو دوبارہ تعمیر کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان شہر قنوج کو اپنا صدر مقام بنانے کے لئے ترجیح دی۔ بہار اور بنگال کے خاندان پال کے دوسرے اور غالباً سب سے زیادہ طاقتور راجہ دھرم پال نے بظاہر کوشش کی کہ پاٹلی پتر کی شان وشوکت پھر عود کر آئے۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ (سنہ ۸۱۱ء) اپنی حکومت کے بتیسویں سال وہ وہیں مقیم تھا۔ اس قدیم شہر کے اس ذکر کے بعد سنہ ۱۵۴۱ء تک اس کا کہیں پتہ نہیں لگتا۔ اس زمانے میں بہار کا جو شہر شاہی حکومت کا مرکز تھا ایک معمولی درجے کا شہر رہ گیا تھا۔ "شیر شاہ نے اس کے جائے وقوع کی خوبیوں کو دیکھ کر وہاں پچاس لاکھ کے خرچ سے ایک قلعہ تعمیر کرا دیا۔" اس وقت سے بہار آہستہ آہستہ برباد ہوتا گیا۔ اور پٹنہ اس صوبے کا سب سے بڑا شہر ہو گیا۔ شیر شاہ کے اس عمل سے جو سر سبزی اس کو حاصل ہو گئی وہ اب تک برابر قائم ہے؛

سنہ ۱۹۱۲ء میں پٹنہ پھر صوبۂ بہار و اڑیسہ کے صدر مقام کی حیثیت سے دارالسلطنت ہو گیا۔ بانکی پور کا سول سٹیشن جو پٹنہ کے حوالی شہر میں ہے

قدیم پاٹلی پتر کے موقعہ پر آباد ہے[1]۔

۴۰۵ء - ۴۱۱ء
فاہیان۔

خوش قسمتی سے قدیم ترین چینی جاتری فاہیان کی کتاب سے ہم کو چندر گپت بکرماجیت کے عہد حکومت میں ملک کے نظم ونسق کی ہمعصر شہادت ملی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب فراست اجنبی پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں ہندوستان کو کس نظر سے دیکھتا تھا۔ یہ درست ہے کہ جاتری بدھ مذہب کی کتب. حکایات اور معجزات کی تلاش وتفتیش میں اس قدر منہمک تھا۔ کہ اس کو دنیا و مافیہا سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ چنانچہ اس نے اس زبردست بادشاہ کا نام تک نہیں لکھا جس کی سلطنت میں اس نے تحصیل علم کے لئے متواتر چھ برس گذارے تھے لیکن پھر بھی وہ جستہ جستہ معمولی معاشرتی حالات لکھ جاتا ہے۔ ایک سے زیادہ عبارتوں میں اس نے ایسی تفصیلیں بیان کی ہیں جو اگرچہ وہ بیسویں صدی کے لوگوں کی تسلی کے لئے کافی نہیں مگر اس بات کے لئے کافی ہیں کہ اس زمانے میں ملک کی حالت کا اندازہ کیا جا سکے۔ اور بہ ہیئت مجموعی یہ تصویر خاصی درخشاں اور خوشگوار ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بکرماجیت اتنا قابل تھا کہ وہ ایسی باضابطہ حکومت قائم کر دیتا جس کے زیر عاطفت اس کی رعایا عیش وآرام سے زندگی بسر کر سکے۔ اور معمول سے زیادہ متمول ہو جائے۔

پاٹلی پتر کی شان وشوکت

جب ہمارا سیاح پہلی مرتبہ پاٹلی پتر گیا ہے تو اشوک کے محل کے دیکھنے سے جو اس وقت تک بالکل سالم موجود تھا اس کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ یہ محل سنگی اس قدر

---

[1] وٹیرس "آن یون چانگس ٹریولز ان انڈیا" جلد دوم صفحہ ۸۷۔ دھرم پال کا کھالمپور کا عطیہ۔ انڈین انٹی کویری جلد ۴ صفحہ ۲۵۲۔ تاریخ داؤدی منقول فی ایلیٹ کی ہسٹری جلد ۴ صفحہ ۴۷۷۔

ہنرمندی اور کاری گری سے تعمیر کیا گیا تھا کہ بادی النظر میں معلوم ہوتا تھا گویا وہ ان کے ہاتھ کا کام نہیں۔ اس کی نسبت مشہور تھا کہ یہ ان جنوں نے تعمیر کیا ہے جو مہاراجہ کے تابع تھے۔ ایک عالیشان ستوپ کے قریب جس کو اشوک ہی سے منسوب کیا جاتا تھا۔ دو خانقاہیں تھیں جن میں سے ایک میں مہایان اور دوسری میں ہینایان فرقے کے لوگ مقیم تھے۔ ان دو خانقاہوں میں جو بھکشو مقیم تھے چھ یا سات سو تھے۔ اور یہ لوگ علم و فضل کے لحاظ سے اس قدر مشہور تھے کہ طلباء شائقین علم دور دور سے ان کے درس میں شامل ہونے کے لئے آیا کرتے تھے۔ یہاں فاہیان نے سنسکرت کے مطالعے میں تین برس صرف کئے۔ اور یہیں اس کو خانقاہوں کے قواعد و ضوابط کے متعلق چند ایسی کتابیں دستیاب ہوئیں۔ جن کے حاصل کرنے سے وہ اس کے قبل بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ اس نے نہایت جوش کے ساتھ بتوں کے ایک جلوس کا ذکر کیا ہے۔ جو بیس سجی سجائی گاڑیوں میں رکھ کر ہر سال دوسرے مہینے کی آٹھویں تاریخ کو گویوں اور رقاصوں اور مطربوں کے ساتھ میں تمام شہر میں گشت لگایا کرتا تھا وہ کہتا ہے کہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس قسم کے جلوس بالکل عام تھے[1]۔

مفت علاج کے شفا خانے۔ دریائے گنگا کے تمام میدان میں مگدھ کے شہر سب سے زیادہ بڑے تھے۔ اس میدان کو فاہیان "وسط ہند" یا "سلطنت وسطیٰ" کہتا ہے۔ یہاں کے لوگ مالدار اور خوشحال تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک دوسرے سے نیکی کرنے میں ایک سے ایک بڑھا ہوا اور بڑھنا چاہتا ہے۔ بے شمار خیرات خانے تھے۔ شاہ راہ پر مسافروں کی آسائش و آرام کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے۔ اور خود دار السلطنت میں ایک شفا خانہ تھا جہاں مفت علاج ہوتا تھا۔ اور اس کا

[1] ٹریولز۔ باب ۲۷۔ (ہر ایک ترجمے میں)۔

خرچ شہر کے نیک اور تعلیم یافتہ باشندے ادا کرتے تھے۔ فاہیان کہتا ہے:-

تمام غریب اور بیکس ہر قسم کی بیماریوں میں مبتلا لوگ یہیں آتے ہیں۔ ان کی یہاں تیمارداری کی جاتی اور ایک طبیب ان کا علاج کرتا ہے۔ اور ان کی ضروریات کے بموجب ان کو دوا اور خوراک بہم پہنچائی جاتی ہے۔ اس طرح ان کو ہر طرح آرام دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ چنگے ہو جاتے ہیں۔ تو وہاں سے رخصت کر دیئے جاتے ہیں[1]۔

اس میں شک ہے کہ اس زمانے میں دنیا بھر میں کوئی ایسا باضابطہ شفاخانہ موجود تھا۔ اس کے وجود سے ان باشندگان شہر کے خصائل و عادات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جو اس کی مدد کرتے تھے۔ اور اشوک اعظم کی طبّاعی کی بھی داد دینی پڑتی ہے۔ جس کی تعلیمات اس کی موت کے صدیوں بعد تک اس طرح بارآور ہوتی رہیں[2]۔

---

[1] سفرنامہ۔ مترجمہ گائلز۔

[2] سر ایچ۔ برڈٹ (انسائیکلوپیڈیا برٹینکا۔ طبع یازدہم۔ مضمون ہاسپٹل) کا بیان ہے کہ عیسائیت کے زمانے میں قسطنطین کی حکومت سے پہلے (سنہ ۳۲۳-۳۰۶ء) بیماروں کی رکھوالی کے لیئے کوئی بندوبست نہ ہوا تھا۔ چوتھی صدی کے آخر میں باسل نے جذامیوں کے لیئے ایک شفاخانہ قیصریہ کے مقام پر بنایا تھا۔ اور سینٹ کری سسٹم نے ایک اور شفاخانہ قسطنطنیہ میں قائم کیا تھا۔ جسٹینین کے ایک قانون (سنہ ۵۲۷-۵۶۲ء) کی رو سے شفاخانوں کو کلیسا کا جزو تصور کیا گیا تھا۔ پیرس کا شفاخانہ ہیسن ڈیو۔ یا ہوٹل ڈیو بعض دفعہ یورپ کا قدیم ترین شفاخانہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کا سنہ قیام ساتویں صدی عیسوی ہے۔ (فلارنس نائٹ انگیل چیمبرس انسائیکلوپیڈیا سنہ ۱۹۰۴ء)۔

بدھ مذہب۔ دریائے سندھ سے لے کر دریائے جمنا کے کنارے متھرا تک (۵۰۰) میل کے سفر کے دوران میں فاہیان یکے بعد دیگرے بے شمار بدھ خانقاہوں میں سے گذرا جہاں ہزاروں بھکشو اپنی زندگی کے دن گذار رہے تھے۔ متھرا کے قرب و جوار میں اس کو بیس ایسی خانقاہیں جہاں تین ہزار آدمی آباد تھے[1] اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدھ مذہب اُس نواح میں خوب پھل پھول رہا تھا۔

مالوا کی خوشحالی۔ متھرا کے جنوب یعنے مالوا کے علاقے نے خاص کر سیاح سے خراج تحسین و آفرین حاصل کیا ہے۔ چنانچہ اس کے دل پر اس علاقے کی قدرتی خوبیوں۔ باشندوں کے مزاج و خصائل اور حکومت کے اعتدال کا یکساں خوشگوار اثر پڑا۔ یہاں کی آب و ہوا اُسے خاص کر بہت خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ معتدل اور برف و ژالہ باری کے طوفانوں سے جن کا وہ اپنے وطن اور عرصۂ سفر میں عادی تھا بالکل پاک تھی۔ عام رعایا ایک ایسی حکومت کے زیر سایہ جو اُسے تنگ نہ کرتی تھی شاداں و فرحاں زندگی بسر کرتی تھی۔ اپنے چینی قوانین کو مد نظر رکھتے ہوئے فاہیان ہندوستانیوں کو مبارک باد دیتا ہے کہ "انھیں اپنے گھر بار کو سرکاری طور پر منضبط کرنے یا کسی حاکم و قوانین کی پابندی کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی"۔ ان کو پروانہ راہداری کے حصول کی بھی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی تھی۔ یا جیسا کہ جاتری نے نہایت سادگی سے لکھا ہے "ان میں سے جو چاہے چلا جائے اور جو چاہے مقیم ہو جائے"۔ چینی قوانین کے مقابلے میں ضابطۂ تعزیرات بہت معتدل معلوم ہوتا تھا۔ بہت سے جرائم کی سزا صرف جرمانے سے دی جاتی تھی۔ جو جرم کے لحاظ سے کم و بیش ہو سکتا تھا۔

[1] "ٹریولز" باب ۱۶۔ "مندروں" اور "مذہبی معتقداؤں" سے مراد غالباً بدھ مت کے مندر وغیرہ سے ہے۔ اس باب کے تراجم میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ یہاں لیگ اور گائلز کے ترجموں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اور معلوم ہوتا ہے کہ سزائے موت تقریبًا بالکل ناپید تھی۔ وہ لوگ جو متواتر بغاوت کے مرتکب ہوتے تھے۔ (اس میں غالبًا لوٹ مار اور ڈکیتی بھی شامل ہے) ان کا داہنا ہاتھ قطع کیا جاتا تھا۔ مگر یہ سزا بھی شاذ تھی۔ اور ساتھ ہی اقبال جرم کے لیئے شکنجے کا دستور نہ تھا۔ محاصل عمومًا شاہی اراضی سے وصول ہوتے تھے۔ اور کیونکہ تمام عمال شاہی کو مقررہ تنخواہیں ملتی تھیں۔ اس لیئے ان کو رعایا کے ستانے اور تنگ کرنے کا کوئی موقع نہ ملتا تھا؛

بدھ مذہب کا طریق زندگی۔ علی العموم بدھ مذہب کا طریق زندگی مروج تھا۔ وہ کہتا ہے کہ "تمام ملک میں کوئی شخص نہ کسی جاندار کو مارتا ہے۔ نہ شراب پیتا ہے اور نہ لہسن اور پیاز کھاتا ہے[1]۔ وہ مرغ اور سور بھی نہیں پالتے۔ مویشیوں کی خرید و فروخت بالکل بند ہے۔ اور بازاروں میں قصاب اور شراب کی دوکانیں بالکل معدوم تھیں"۔ چنڈال یا اچھوت ذاتیں جذامیوں کی طرح بالکل الگ تھلگ رہتی تھیں۔ اور جب کبھی وہ شہر کے اندر داخل ہوں تو علامت کے لئے ان کو ضروری تھا کہ لکڑی کے ٹکڑے کو بجاتے جائیں۔ تاکہ لوگ ان کے آنے سے مطلع ہو جائیں[2]۔ یہی وہ اقوام تھیں "جو قانون فرائض" (دھرم) کی پابند نہ تھیں۔ اور صرف ان میں شکاری۔ قصّاب اور مچھیارے پائے جاتے تھے۔ کوڑیاں عام طور پر سکّوں کی جگہ استعمال ہوتی تھیں[3]۔ بدھ مذہب کی خانقاہوں کو گرانقدر شاہی عطیات

---

[1] لہسن اور پیاز کو بہت سی ذاتیں پلید سمجھتی ہیں۔ پیاز کے متعلق خیال ہے کہ جب اس کو کاٹا جاتا ہے تو وہ گوشت کے مشابہ ہو جاتی ہے۔ اور لہسن شروع میں غالبًا ایک بدعت سمجھ کر حرام کیا گیا تھا۔ کشمیر کا ایک قدیم بادشاہ گوپادت لہسن کھانے والے برہمنوں کو سزا دیا کرتا تھا (ترجمہ راجہ ترنگنی باب ا صفحہ ۳۴۲۔ مترجمہ اسٹین)؛

[2] "فصیل کے باہر اچھوت رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چھونا موت سے بدتر ہے"۔ (گوورنس "نوک سانگس آف سدرن انڈیا" صفحہ ۵)؛

[3] اس سے یہ مطلب نہ لینا چاہیئے کہ سکہ بالکل موجود ہی نہ تھا۔ چندرگپت بکرماجیت نے

حاصل تھے۔ اور بھکشو کو بھیک دینے میں بھی کسی قسم کا بخل نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ جہاں کہیں اور جب کبھی وہ چاہیں۔ مکانات۔ بستر۔ چٹائیاں۔ خوراک اور کپڑے ان کو میسر آسکتے تھے۔

حکومت کی خوبی ان تمام تفصیلوں سے جو چین کے بہت قدیم سیاح نے جمع اور بیان کی ہیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا چندر گپت بکرماجیت کی سلطنت پر نہایت خوبی سے حکومت ہوتی تھی۔ حکومت رعایا کے کاموں میں جہاں تک ممکن تھا کم دخل دیتی تھی۔ اور ان کو خود اپنے حال میں دولتمند بننے کے لئے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ یہ دیندار جاتری تین سال تک پاٹلی پتر اور دو سال تامرلپٹی (تملوک) کے بندرگاہ میں بغیر کسی رکاوٹ کے تحصیل علم کے لئے مقیم رہا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ راستے بالکل محفوظ و مصئون تھے[1]۔ فاہیان کو کبھی اس بات کا موقع نہیں ملا کہ وہ لٹیروں کے ہاتھ میں پڑجانے کی شکایت کرے۔ حالانکہ ساتویں صدی میں ہیون سانگ کو دو مرتبہ اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اغلب یہ ہے کہ ایشیائی طرز حکومت کے لحاظ سے بکرماجیت کی حکومت سے بہتر حکومت کبھی ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی۔ حکومت اپنی طاقت سے زیادہ کام کرنے کی کوشش نہ کرتی تھی۔ بلکہ لوگوں کو آزادی دی گئی تھی اور اسی وجہ سے وہ ہردلعزیز تھی۔ ارذل خلائق کے سوا بدھ مذہب کی رحمانہ تعلیمات نے ہر جماعت پر یکساں اثر ڈالا تھا۔ اور دوسری جانب کیونکہ خود بادشاہ مذہبًا برہمنی ہندو تھا اس لئے مذہبی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- سونے کے سکّے بہ کثرت اور چاندی اور تانبے یا کانسی کے قلیل تعداد میں مضروب کرائے تھے۔ اس کے "تیر انداز" وضع کے سونے کے سکّوں کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ عام تھے۔

[1] "ٹریولز" باب ۳۶۔ تملوک بنگال میں مدناپور کے ضلع میں آجکل سمندر سے ساٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

تعصب و ایذادہی کی وہ رو جو جین یا بدھ حکومت کی وجہ سے شروع ہو جاتی دبی رہی۔ اور مذہبی آزادی عام ہو گئی۔ ایک عابد و زاہد دیندار شخص فاہیان ہر ایک چیز کو بدھ مذہب کی آنکھ سے دیکھتا تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ برہمنی سلطنت ہو جانے سے ہندو مت اس سے کہیں زیادہ شائع ہو گا جتنا کہ فاہیان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی قربانیوں کی بھی ضرور اجازت ہو گی۔ اصل یہ ہے کہ فاہیان کی سیاحت سے بہت قبل بدھ مذہب کے خلاف برہمنی ردعمل کی ابتدا ہو چکی تھی۔ اور ہندی بدھ مت پہلے ہی سے بہت کچھ زوال پذیر ہو چکا تھا۔ اگرچہ جاتری پر اس کے انحطاط کی ظاہری نشانیاں بالکل مخفی رہیں۔

بعض اضلاع اگرچہ چندر گپت بکرما جیت کی زیر عنان تمام سلطنت کی عام خوشحالی اور امن و امان کا بیّن ثبوت فاہیان کے روشن بیان۔ اور اس کے سالہا سال تک بلا دقت ہر جانب سفر کرنے سے ملتا ہے۔ مگر بعض اضلاع ایسے بھی تھے کہ جن میں یہ امن و امان اور عام خوشحالی مفقود تھی۔ اور جو دولت و آبادی کے لحاظ سے بہت کچھ گھٹ گئے تھے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ گیا کا شہر ویران اور تباہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے جنوب میں چھ میل کے فاصلے پر بدھ گیا کے مقدس مقامات کے گرد گھنا جنگل ہو گیا تھا۔ اور دامن کوہ کے قریب ایک وسیع علاقہ جو پانچویں صدی قبل مسیح میں آباد و معمور تھا۔ اب کہیں کہیں اس میں بستیاں پائی جاتی تھیں۔ دریائے راپتی کے بالائی کنارے سراوستی کے عالیشان شہر میں اب صرف دو سو خاندان رہ گئے تھے۔ کپل وستو اور کسی نگر کے مقدس مقامات اب تباہ و خستہ حال تھے۔ ان میں اب چند بھکشو اور ان کے ملازمین رہ گئے تھے۔ جو باوجود بربادی کے ان مقدس مقامات میں سکونت پذیر تھے۔ بھولے بھٹکے جاتریوں کی سخاوت سے بمشکل اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ اس انحطاط اور بربادی کے اسباب معلوم نہیں[1]۔

[1] ٹریولز باب ۲۰ و ۲۲ و ۲۴ و ۳۱۔

۴۱۳ء۔ کمار گپت کی تخت نشینی۔

بکرماجیت کا ایک بیٹا جو اس کی ملکہ دھرو ادیوی نام کے بطن سے تھا ۴۱۳ء میں عالم شباب میں تخت پر بیٹھا اور چالیس سال حکمران رہا۔ تاریخ میں اس کے پرپوتے سے اُسے ممیز کرنے کے لئے کمار گپت اول کہا جاتا ہے۔ اس بادشاہ کے زمانۂ حکومت کے واقعات بالتفصیل معلوم نہیں۔ لیکن بے شمار ہمعصر کتبات اور سکوں کی تقسیم کو دیکھتے ہوئے اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اس کے غیر معمولی طور پر طویل مدت حکومت کے دوران میں سلطنت کے حدود میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوئی تھی[1]۔ بلکہ اس کے برعکس اغلب یہ ہے کہ اس نے اس میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کیا تھا۔ کیونکہ اس نے بھی اپنے دادا کی طرح اپنی مہاراجگی کا اعلان کرنے کے لئے اشومیدھ کی رسم ادا کی تھی۔ اور یہ بات ممکن نہیں معلوم ہوتی کہ اس نے یہ کام بغیر کامیاب جنگوں کے محض لاف زنی ہی کی غرض سے کیا ہو۔ مگر موجودہ مواد سے مخصوص اور بیّن واقعات کے متعلق کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اس کی حکومت کے آخری حصے یعنے پانچویں صدی کے وسط میں اس کی سلطنت کو ہنوں کے جرگوں کے حملوں سے ایک سخت دھچکا پہنچا تھا۔ یہ لوگ شمالی مغربی دروں سے ایک بارگی ملک پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اور تمام شمالی ہند پر

---

[1] کمار گپت کے عہد سلطنت کا ایک تاریخی واقعہ ایسا ہے جس کا ذکر میں بضبط سن کر سکتا ہوں ۴۲۸ء میں چین میں ایک راجہ یو۔ ای (" محبوب قمر " = چندر پیارا (؟)) کے پاس سے ایک سفارت آئی تھی جو کا۔ پی۔ لی کی سلطنت پر حکمران تھا۔ جس کا اب تک پتہ نہیں لگا (دیٹرس۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۴۰)۔

طوفان محشر انگیز کی طرح پھیل گئے تھے۔ ہنوں کے حملے اور اس کے ساتھ سلطنت گپت کی بربادی پر بحث کرنے سے پہلے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں کی ہندوستانی زبان۔ علم ادب۔ علوم وفنون اور مذہب کی ارتقاء پر شاہان گپت کے اثر اور ان کی حکومت کی خصوصیات پر مختصراً ایک نظر ڈال جائیں[1]۔

[1] دیکھو ڈاکٹر۔ آر جی بھنڈارکر کا عالمانہ مضمون :- اے پیپ انٹو دی ارلی ہسٹری آف انڈیا فرام دی فاونڈیشن آف موریا ڈائنسٹی ٹو دی ڈاؤن فال آف دی امپیریل گپتا ڈائنسٹی" (۳۲۲ ق م سے تقریباً ۵۰۰ء تک)۔ جوجے۔ بمبئی۔ آر۔ اے۔ ایس سے دوبارہ شائع کیا گیا ہے کشان خاندان کے متعلق ناقبول نظام سنین کے باوجود یہ مضمون ہند قدیم کی بہترین تاریخ ہے جو اب تک لکھی گئی ہے۔

باب دوازدہم

سلطنت گپت (جاری)۔ اور گورے ہن

از ۴۵۵ء تا ۶۰۶ء۔

سنہ ۲۰۰ ق م سے سنہ ۲۰۰ء تک بدھ مذہب کا عام رواج۔

شمالی ہند۔ کشمیر۔ افغانستان اور سوات کے ممالک میں سنہ ۲۰۰ ق م سے سنہ ۲۰۰ء تک بدھ مذہب کے عام طور پر مروج ہونے کا ثبوت اس زمانے کے بے شمار بدھ مذہب کے آثار اور کتبات سے ملتا ہے جو تقریباً تمام کے تمام صرف جین یا بدھ مذہب ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جین مذہب نے جو بدھ مت سے بہت کچھ مشابہت رکھتا ہے کبھی عوام کے دلوں میں گھر نہیں کیا۔ اگرچہ متھرا اور دیگر مقامات میں اس کو نہایت عقیدت سے ماننے والے لوگ موجود تھے؛

مگر ہندو مت معدوم نہ ہوا تھا۔

مگر ہندوؤں کا قدیم اور راسخ طریق عبادت۔ جو برہمنوں کے ہاتھ اور ان قربانیوں کے ذریعے سے ادا کی جاتی تھی۔ جس سے بدھ اور جین مذہب والے خاص طور پر متنفر تھے ملک سے کسی زمانے میں مفقود و معدوم نہ ہوا تھا۔ اور ہر زمانے میں اس کو عوام الناس اور حکومت کی جانب سے مدد پہنچتی رہتی تھی۔ کشان فاتح کڈفائسس دوم کو اس کے مفتوحوں نے اس قدر مغلوب کر لیا کہ اس نے اپنی رعایا کے عقائد کے مطابق شو کی پرستش کو اس جوش و خروش سے

اختیار کیا کہ اس ہندی دیوتا کی تصویر اس نے اپنے سکوں پر منقوش کرائی اور خود اس کے پرستار ہونے پر فخر کیا۔ اس قسم کی اور بعض باتیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانے میں بدھ مذہب بلا شک وشبہ ہندوستان کا عام مذہب تھا اس میں بھی ہندوؤں کے دیوتاؤں کو لوگوں نے بالکل فراموش نہ کر دیا تھا بلکہ ان کی پرستش بدستور سابق جاری تھی ؎

بیرونی بادشاہوں کا مذہب۔ بعض صورتوں میں بدھ مت کا مہایان فرقہ برہمنی مذہب کے مقابلے میں بے ذات بیرونی بادشاہوں کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث ہوتا تھا۔ اور یہ بات کچھ زیادہ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ ان میں برہمنوں کے مذہب کے خلاف بدھ مذہب کو ترجیح دینے کا رجحان پایا جاتا ہو۔ لیکن واقعات سے یہ بات بیّن طور پر ثابت نہیں ہوتی کہ انھوں نے بالخصوص بدھ مذہب کو دوسرے مذہبوں پر مرجح سمجھا ہو۔ بدھ مذہب کے چند ممیز سکّے وہ ہیں جو کنشک نے مضروب کرائے تھے۔ کیونکہ اس نے کم از کم اپنی آخری عمر میں اس مذہب کے پیشواؤں کی خاص غور و پرداخت کی۔ اور یہی حال اس کے جانشین ہوشک کا تھا۔ لیکن اس سے اگلے بادشاہ باسودیو اول نے پھر نئے سرے سے کڈفائسس دوم کی طرح شوی پرستش اختیار کر لی تھی۔ اسی طرح مہراشتر کے آخری زمانے کے سک ستر پ بھی بجائے بدھ مت کے برہمنوں کے عقائد کی طرف زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں۔ اور کم از کم یہ تو یقینی ہے کہ انھوں نے بجائے مقامی زبانوں کے برہمنوں کی زبان سنسکرت کی زیادہ سرپرستی کی ؎

مہایان اور ہندو مت میں تعلق۔ بدھ مذہب کے فرقے مہایان کا ارتقا جو آخر میں کنشک کے وقت یعنے دوسری صدی کے شروع سے عام طور پر جاری اور ساری ہو گیا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ برہمنی مذہب پھر دوبارہ زندہ ہو رہا تھا۔

چنانچہ بدھ مت کا یہ نیا فرقہ ایک بڑی حد تک ہندو مت کے مشابہ تھا۔ اوران دونوں کا تعلق اس قدر گہرا تھا کہ ایک ماہر علم کو بھی بسا اوقات یہ فیصلہ کرنے میں دقت پیش آتی ہے کہ کسی خاص مورت کا تعلق کس فرقے سے ہو سکتا ہے ؎

سنسکرت کا احیا برہمنی ہندومت[1] اصل پنڈتوں کا مذہب تھا جنکی مقدس زبان سنسکرت تھی۔ یہ زبان پنجاب کی قدیم مقامی زبان کی ایک نہایت مصنوعی اور بدلی ہوئی صورت تھی۔ اور جس طرح بتدریج پنڈتوں کا رائی اور رعایا پر مذہبی اور معاشرتی معاملات میں اثر زیادہ ہوتا گیا اسی طرح اس مخصوص زبان کے شیوع کی حدود بھی وسیع ہوتے گئے یہاں تک کہ بالآخر تمام سرکاری کاغذات میں اس نے مقامی زبانوں کی جگہ لے لی۔ تیسری صدی قبل مسیح میں اشوک نے اپنے فرامین کو عوام الناس کی ایسی زبان میں شایع کیا تھا جس کو وہ بخوبی سمجھ سکتے تھے۔ لیکن دوسری صدی عیسوی کے درمیان ستر پ ردرادامن کو اس بات کا احساس تھا کہ صرف سنسکرت زبان ہی میں اس کے کارناموں کا اعلان و اشتہار بہترین طریقے سے ہو سکتا ہے۔ مگر ان صفحات میں اس مضمون پر بحث کرنا بالکل ناممکن ہے۔ اور صرف یہ کہ دینا ہی کافی ہے برہمنی مذہب کے ساتھ برہمنوں کی مقدس زبان سنسکرت کا شیوع اور توسیع بھی پہلو بہ پہلو جاری تھی ؎

خاندان گپت کے زمانے میں ہندوؤں کا ردعمل۔ بہرحال اس بات کے خواہ کچھ ہی اسباب کیوں نہ ہوں مگر یہ امر واقعی ہے کہ عوام کے دلوں میں برہمنی مذہب کی وقعت اور اس کے ساتھ ہی ساتھ زبان سنسکرت کا احیاء دونوں دوسری صدی عیسوی میں ظاہر ہو چکے تھے۔ تیسری صدی

[1] جو ناظرین کہ اس مسئلے کو اور زیادہ تفصیل سے مطالعہ کرنے کے خواہشمند ہوں وہ ملاحظہ کریں پروفیسر آٹو وشنک کی کتاب :- "پالی اینڈ سنسکرت ان اہرم ہسٹوریکل اینڈ جیوگرافیکل فریالٹسن آف گرینڈر انسکرپشنز انڈین" مطبوعہ سٹرسبرگ ۱۹۰۳ء ؎

میں گجرات اور سراشٹر کے ستریوں نے اس کی مدد کی۔ اور چوتھی اور پانچویں صدیوں میں شاہان گپت نے اُسے معراج پر پہنچا دیا۔ یہ بادشاہ اگرچہ بدھ اور جین مذہبوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرتے تھے اور کم از کم ان میں سے تین ذاتی طور پر مقدم الذکر میں خاص دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے وہ راسخ الاعتقاد ہندو تھے۔ اور بالعموم ان کے مشیر کار برہمن تھے جو سنسکرت کے ماہر اور فاضل ہوتے تھے[1]۔ دوسری صدی کے آخر اور اس ردعمل کے شروع زمانے ہی میں پشی متر کے اشومیدھ کی رسم کے ادا کرنے میں بدھ مت کی مخالفت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ چوتھی صدی میں سمدر گپت نے اس قدیم رسم کو اور بھی زیادہ شان و شوکت کے ساتھ ادا کیا۔ اور پانچویں صدی میں اس کے پوتے نے اس کا اعادہ کیا۔ بہرحال اور زیادہ تفصیل میں پڑے بغیر اس تمام معاملے کو مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ سکوں۔ کتبوں۔ اور عمارتوں کی مجموعی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ خاندان گپت کے زمانے میں برہمنی ہندو مت کا احیاء ہو رہا تھا وہ بتدریج بدھ مذہب کی جگہ قائم ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی عوام کی علمی زبانوں کے مقابلے میں جن کی سرپرستی شاہان اندھرنے کی تھی اب "قدیم" سنسکرت کا بول بالا تھا اور حکومت اس کی سرپرست ہو گئی تھی۔

بکرماجیت اور کالی داس۔	اغلب یہ ہے کہ اجین کے راجہ بکرم کے متعلق جس کی نسبت فرض کیا گیا ہے کہ اس نے بکرمی سمت جو ۵۸ ق م سے شروع ہوتا ہے قائم کیا تھا۔ جو

حکایات زبان زد خلایق ہیں ان میں چندر گپت دوم بکرماجیت کے کارناموں کا ایک مخلوط رنگ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ یقینی ہے کہ اس نے

---

[1] جن تین کا اوپر ذکر ہوا وہ حسب ذیل ہیں:۔ چندر گپت اول اور سمدر گپت جو بدھ کے سرپرست تھے اور نرگپت بالادت جس نے نالندا میں عمارات تعمیر کرائیں اور جس کو ہیون سانگ مذہب کا راسخ الاعتقاد ماننے والا سمجھتا تھا۔

چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں اجین کو فتح کیا تھا۔ روایت کے مطابق راجہ بکرم کے دربار میں سنسکرت علم ادب کے نورتن حاضر تھے۔ اور ان نورتنوں میں سب سے زیادہ درخشاں کالی داس تھا۔ جس کے سنسکرت زبان کے خدائے سخن ہونے میں تمام نقادانِ فن متفق ہیں۔ میرے خیال میں یہ بات اب بالکل پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کالی داس پانچویں صدی عیسوی میں گذرا ہے اور اغلب یہ ہے کہ اس کی تصانیف کا زمانہ طولانی تھا اور غالباً تیس برس تک وہ ان میں مشغول رہا۔ اگرچہ اس عظیم الشان شاعر کے سنین زندگی کا تعین ناممکن ہے مگر غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یا تو چندرگپت دوم کے عہد حکومت کے آخری حصے یا کمارگپت اول کے شروع زمانے میں تصنیف شروع کی تھی۔ اور اس طرح اجین کے راجہ بکرم اور کالی داس کا روایتی تعلق نظائر عقلی سے بھی ثابت ہو جاتا ہے[1]؛

---

[1] چند سال سے کالی داس کی سنین زندگی پر بہت کچھ بحث مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ اور نومبر ۱۹۱۱ء تک کے تمام بیانات کا ملخص بی۔ لیبخ نے اپنے مضمون "دیلس ڈیٹم ڈس کالی داسا" (انڈوجرم فورسخنگن سیٹمبرگ۔ جلد ۳۱۔ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۰۳-۱۹۸)۔ میں پیش کر دیا ہے۔ اس سے قبل کے زیادہ اہم حوالے حسب ذیل ہیں:۔ میک ڈونل "ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر" (۱۹۰۰ء) صفحہ ۳۲۴۔ اس میں کالی داس کو پانچویں صدی کے شروع کا بتلایا گیا ہے۔ مسٹر کیتھ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۳۹-۴۳۳) بھی کالی داس کو چندرگپت دوم ہی کے زمانے کا بتلاتا ہے۔ لیکن "رگھوونس" ایکٹ چہارم میں ہنون کا ذکر ہونے کی وجہ سے اس کتاب کا اتنے قبل زمانے کا ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۷۳۹-۷۳۱ اور انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۶۵۔ ڈاکٹر ہارنل کا نظریہ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۱۲) جس کے مطابق چھٹی صدی عیسوی کے نصف اول میں گذرا ہے کسی نے قبول نہیں کی۔ اور میرے نزدیک اس کے دلائل و براہین بھی

زمانۂ گپت میں علمی چہل پہل۔

خاندان گپت کا زمانہ جو اپنی انتہائے وسعت میں ۳۲۰-۶۵۵ء تک اور خاص کر چوتھی اور پانچویں صدی کا زمانہ ہے۔ بہت سے علوم و فنون کے صیغوں میں خاص ہیجان اور علمی تلاطم کا زمانہ تھا۔ ایسا کہ اس کا مقابلہ تاریخ انگلستان میں ایلیزبیتھ اور اسٹوارٹ کے زمانے سے کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح اس زمانے میں ہندوستان میں کالی داس کی شہرت کے سامنے تمام مصنفین کی شہرت ماند پڑ گئی تھی اُسی طرح انگلستان میں شیکسپیر کے مقابلے میں سب لکھنے والے ہیچ ہو گئے تھے۔ لیکن بعینہٖ جس طرح کہ اگر شیکسپیر ایلیزبیتھ کے زمانے میں اپنے ڈرامے نہ لکھتا تو بھی اس کے لٹریچر میں کمی واقع نہ ہوتی اسی طرح اگر کالی داس کی کتابیں باقی نہ رہتیں تو بھی اور لوگوں کی کتابیں اس قدر موجود تھیں کہ ان سے اس زمانے کو احیاء علم و فن سے تمیز کر سکتے ہیں۔

علم ادب۔

مشہور ناٹک ''مٹی کی چھوٹی گاڑی'' جو ہندوستان کے سب سے زیادہ دلچسپ ناٹکوں میں سے ہے پانچویں یا چھٹی عیسوی کا خیال کیا جاتا ہے۔ ایک اور مشہور و معروف ناٹک

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:۔ غلط ہیں۔ یہ بات کچھ زیادہ بعید از قیاس نہیں کہ کالیداس کی پرانی تصانیف مثلاً ''نسمہار'' (اگر وہ اس کی تصنیف ہو) اور ''میگھدوت'' ۴۱۳ء سے پہلے ہی یعنے چندرگپت دوم کے زمانے ہی میں لکھی گئی ہوں۔ لیکن خیال ہے کہ کمار گپت اول کا زمانہ (۴۱۳-۴۵۵ء) وہ تھا جس میں شاعر کے بعد کی کتابیں تصنیف اور شائع ہوئیں۔ اور یہ ممکن بلکہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمام زندگی ہی اسی کے زمانے میں گذری تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سکند گپت کے تخت نشینی کے بعد تک برابر تصنیف و تالیف میں مشغول رہا ہو۔ لیکن بہر حال اس میں مجھے کسی قسم کا شک نہیں معلوم ہوتا کہ کالی داس پانچویں صدی ہی میں اس زمانے میں گذرا ہے۔ جب کہ خاندان گپت کی قوت و اقتدار انتہائے عروج پر پہنچا ہوا تھا۔

"مدرا راکشس" جس میں چندرا گپتا موریا کی غصب سلطنت کا حال مندرج ہے غالباً مقدم ذکر جتنا ہی قدیم ہے۔ پروفیسر ہلیبرنڈنٹ کے خیال میں وہ چندر گپت دوم کے وقت کی تصنیف ہے۔ (تقریباً سنہ ۴۰۰ء)۔

وایو پران جو موجودہ اٹھارہ پرانوں میں سب سے زیادہ قدیم ہے صریحاً اپنی موجودہ شکل میں چوتھی صدی کے نصف اول میں آئی۔ اور اسی طرح منو کا دھرم شاستر بھی گپت زمانے کے شروع میں عالم وجود میں آیا۔ مگر بہرحال اور زیادہ تفصیل اور اس طرح سنسکرت علم ادب کے مورخ کے فرائض میں دخل دیئے بغیر یہاں پروفیسر آر۔ جی بھنڈارکر کا خیال ظاہر کر دینا کافی ہے کہ اس زمانے میں "علم ادب میں ایک خاص ہیجان واقع ہوا" جس کا اثر نظم۔ دھرم شاستر اور دیگر شعبۂ فنون پر پڑا۔

فن

ریاضی اور علم ہیئت کے فنون میں زمانۂ گپت میں آریا بھٹ (پیدائش سنہ ۴۷۶ء) اور وراہمیر (وفات سنہ ۵۸۷ء) کے جیسے مشاہیر پیدا ہوئے۔ مسٹر کے جو اس معاملے میں مستند مانا جاتا ہے کہتا ہے کہ "وہ زمانہ جب کہ علم ریاضی نے ہندوستان میں ترقی کی سنہ ۴۰۰ء سے سنہ ۶۵۰ء تک کا ہے۔ اس کے بعد اس میں زوال آگیا"۔

فنون لطیفہ۔

فن تعمیر۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح سمدر گپت خود علم موسیقی کا شائق اور اس کا حامی اور مددگار تھا۔ دوسرے فنون پر بھی شاہان گپت نے اپنی عنایتیں مبذول کیں۔ اور ان کی سرپرستی میں وہ خوب پھلے پھولے۔ مگر زمانۂ گپت کی تمام یادگاروں اور عمارتوں کے مٹ جانے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ان کی سلطنت کے تقریباً تمام حصے کو مسلمان فاتحین کی افواج نے روند ڈالا اور اس پر مستقل طور پر قابض ہو گئے۔ اور یہ لوگ ہندوؤں کی عمارتوں کو شاذونادر ہی کبھی باقی چھوڑتے تھے۔ مگر گذشتہ سنین کی تحقیقات نے ایسی شہادتیں ہم پہنچا دی ہیں جن سے معلوم ہوتا کہ بدھ اور برہمنی مذاہب کی بے شمار عمارات پانچویں اور

چھٹی صدی میں تعمیر ہوئی تھیں۔ چند بڑی بڑی عمارتوں کے نمونے آج کل بھی چھوٹی چھوٹی جگہوں میں ایسے مقامات پر پائے جاتے ہیں جہاں تک اسلامی افواج کا قدم نہیں پہنچ سکا۔ اور اس زمانے کے چھوٹے چھوٹے مندر تو بہت ہی پائے جاتے ہیں۔ بہر نوع اتنا مواد موجود ہے کہ جس سے بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ فن تعمیر معراجِ ترقی پر پہنچ چکا تھا اور کامیابی کے ساتھ اس پر عمل کیا جاتا تھا؛

سنگتراشی، مصوری اور نقاشی۔ فن سنگتراشی جو ہندوستان میں فن تعمیر کے پہلو بہ پہلو ترقی کرتا تھا اس قدر تکمیل کو پہنچ گیا تھا جس کا اندازہ چند سال قبل پورے طور پر نہیں کیا جاتا تھا۔ اور اس کے بہترین نمونے اس قابل ہیں کہ ان کو ہندی سنگتراشوں کے اعلیٰ ترین کوششوں کا نتیجہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ مصوری کے جو نمونے اجنتا کی استرکاری اور اس کے ہم جنس مقام لنکا کے سیگریا (۴۷۹-۴۹۷ء) میں ملتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فن بھی اس قدر یا اس سے بھی زیادہ کامیابی کے ساتھ جاری تھا۔ شاہان گپت کے بعض سونے کے سکے ہی تمام ہندی سکوں میں اس قابل ہیں کہ انھیں فن لطیفہ کا نمونہ قرار دیا جا سکے؛

زمانہ گپت میں اس چہل پہل کے اسباب۔ مذکورۂ بالا بیان سے یہ تو بالکل اظہر من الشمس ہے کہ خاندان گپت کے لائق اور طولانی حکومت کے بادشاہوں کا زمانہ ہندوستان میں غیر معمولی علمی چہل پہل کا زمانہ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ خود شاہی سرپرستی سے اس میں بہت کچھ ترقی ہوئی تھی۔ مگر ایسے نتائج پیدا کرنے کے لئے صرف یہی ایک سبب کافی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے اور اسباب بھی ضرور ہونا چاہئیں۔ تجربے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مختلف اقسام کے تمدن کا تصادم اتصال باہمی علوم و فنون لطیفہ کی ترقی و تحریک کا بڑا باعث ہوا کرتا ہے۔ اور میرے نزدیک زمانہ گپت میں

اس تمام علمی رونق اور کارناموں کی بڑی وجہ ان ہی بیرونی تمدنوں کا اتصال تھا جو مشرق اور مغرب دونوں طرف سے ہندوستان میں واقع ہوا۔ چین کے ساتھ متواتر سلسلۂ رسل و رسائل قائم رہنے کی پوری پوری شہادت موجود ہے۔ اور اگرچہ رومتہ الکبریٰ کے ساتھ اس قسم کے تعلقات کی شہادت ایسی صریح نہیں لیکن پھر بھی تعلقات کے قیام میں کلام نہیں ہوسکتا۔ چوتھی صدی کے آخر میں چندرگپت ثانی بکرماجیت کی فتح مالوا و سراشتر نے شمالی ہند اور مغربی ممالک کے درمیان وسائل آمد و رفت قائم کردیئے تھے۔ اور اس طرح یورپی خیالات کے ہندوستان میں آنے کا راستہ صاف ہوگیا تھا۔ آریہ بھٹ پر اسکندریہ کے علوم ہیئت کا اثر بالکل نمایاں ہے۔ اور اسی طرح شاہان گپت کے رومی سکوں کی نقل بھی بالکل ظاہر ہے۔ فنون لطیفہ اور علوم ادب میں بیرونی اثروں کا ثبوت ذرا مشکل کام ہے۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اس اثر کی واقعیت ثابت ہوسکتی ہے۔ مثلاً دیوگڑھ میں "وشنو خفتہ" کے بت اور اسٹاک ہالم میں انڈی میان کے یونانی رومی سنگتراشی کے نمونوں میں جو تعلق ہے اس سے انکار کرنا ذرا مشکل ہے۔ بہرحال اس مقام پر اس مضمون سے مفصل بحث کرنا بالکل ناممکن ہے۔ مگر ذیل کے نوٹ میں جو حوالے دیئے گئے ہیں وہ ایسے طالب علم کے لئے کافی ہیں جو اس قسم کے تمام دلائل کی طلب و جستجو میں ہو جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ زمانۂ گپت کے علوم و فنون کی ترقی کا باعث ہندی اور رومی نمونوں کا اتصال و تعلق تھا۔ بعض نقادان فن کا خیال ہے کہ اجنٹا کی نقاشی میں چینی خیالات کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ان کا یہ خیال درست ہو[1]۔

---

[1] ناٹک "مٹی کی چھوٹی گاڑی" (مرچ چھکتکا) تاریخ تصنیف معلوم نہیں۔ پروفیسر لیوی کا خیال ہے کہ یہ کالیداس کے بعد کا ہے (انڈین تھیئٹر صفحہ ۲۰۸)۔ مگر میں دوسرے مصنفین سے متفق ہوں اور اس کو اس سے قبل کا سمجھتا ہوں۔ دیکھو اس کا ترجمہ مترجم رائڈر (ہارورڈ اورئینٹل سیریز)۔ "مدرا راکشس" کے متعلق دیکھو تھیئٹر

مذہب	سب سے پہلے چینی جاتری فاہیان جو پانچویں صدی کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- مصح و مترجم صفحہ ۳۹ (کولمبیا یونی - پریس این - دائی ۱۹۱۲ء) - ہلیبرنڈنٹ "ادیبر ڈیس کوتلیا شاستر - انڈفرڈنیٹش - ٹانی کا مضمون جے - آر - اے - ایس ۱۹۱۰ء صفحہ ۹۱۰ - وسنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۴۷ - پرانوں کی قدامت کے متعلق دیکھو مفصل بحث پرگیٹر کی کتاب "دی ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج" اور اس کتاب کا ضمیمہ ؎

ہندی اور یونانی علوم ریاضیات کے آپس کے تعلقات کی نسبت مسٹر کے خیالات کے لئے دیکھو جے - آر - اے - ایس - ۱۹۱۰ء صفحہ ۹۵۷ اور جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے - ایس - بی - ۱۹۱۱ء صفحہ ۸۱۳ ؎

فنون لطیفہ اور فن تعمیر کے تمام مسائل کے متعلق دیکھو مصنف کی کتاب "اے ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" اور وہ تمام حوالے جو اس کتاب میں دیئے گئے ہیں ؎

ہندوستان اور چین کے مابین رسل و رسائل کے حوالجات کو دف نے اپنی کتاب "کرانالوجی آف انڈیا" ۱۸۹۹ء میں جمع کر دیا ہے - کا - پی - لی کے راجہ نے ۴۲۸ء میں ایک سفارت چین کو روانہ کی تھی (دٹیرس - جے - آر - اے - ایس - ۱۸۹۸ء صفحہ ۵۴۰) - تمام سفارتوں کی تعداد جن میں سے غالباً بعض کے اغراض محض تجارتی تھے ۵۰۲ - ۵۱۵ء تک چھ ہے - ان کے علاوہ جاتریوں اور داعیان مذہب کے سفیر وغیرہ تھے ؎ روستہ الکبریٰ کے ساتھ رسل و رسائل کے لئے دیکھو پر - بیوئی کتاب "انڈین امپیئر ٹو روم" کوئی ۱۸۷۳ء - اور رینو :- "ریلیشن پولیٹک ایٹ کمرشلیز دی ل امپائر رومین اوک ل ایشیا اورینٹل - اور دف کتاب مذکورۂ بالا ؎

شاہان گپت کے سکوں پر رومی اثر کے متعلق میرے مضمون "کائینج آف دی ارلی امپیریل گپتا کا ڈائنسٹیز" (جے - آر - اے - ایس ۱۸۸۹ء) میں مفصل بحث ہے - اور دیکھو سیول کا مضمون "رومن کائنز فاؤنڈ ان انڈیا" رسالہ مذکورہ ۱۹۰۴ء صفحہ ۶۳۷ - ۵۹۱ - سارناتھ کیسیا وغیرہ میں چند سال قبل جو بدھ مذہب کی خانقاہیں

اوائل میں ہندوستان آیا تھا اور اس کے بعد کے جاتری ہیون سانگ (جس نے ساتویں صدی کے نصف اول میں ہندوستان کا سفر کیا) کے بیانوں کا مقابلہ کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاندان گپت کے زمانے میں بدھ مذہب کو بہت کچھ زوال ہوگیا تھا لیکن اس زمانے کے رہنے والوں کو ابھی تک اس زوال و انحطاط کا اندازہ نہ ہوا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے سامنے زبردست خانقاہوں کا سلسلہ تھا اور ایسے بھکشو ان کے پیش نظر تھے جن کا بے انتہا اثر تھا اور جو عالیشان خانقاہوں میں سکونت رکھتے تھے۔ زمانۂ گپت کی جن عظیم الشان بدھ مذہب کی خانقاہوں کا انکشاف ہوا ہے اس نے تمام ماہرین آثار قدیمہ کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ شاہان گپت اگرچہ وہ مذہبًا برہمنی ہندو اور بالخصوص وشنو کے پجاری تھے لیکن قدیم ہندوستان کی روایات کے بموجب ہندی مذاہب کی ہر صورت کو عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چندر گپت اول نے جو سانکھیہ کے فلسفے کا پیرو تھا آخر زندگی میں بدھ مت کے عالم بسو بندھو کے دلائل و براہین پر کان دھرا اور اپنے بیٹے اور ولی عہد سمدر گپت کو اس کے سپرد کیا۔ اور اس کے بعد کے زمانے میں نرگپت بالادت کو جس نے مذہبی دارالسلطنت نالندا کے مقام پر خوبصورت عمارتیں تعمیر کرائیں ہیون سانگ ایک جوشیلا بدھ مت کا ماننے والا تصور کرتا ہے[1]۔

جنگ پشی متر خاندان گپت کے انتہائے عروج کا زمانہ صرف سوا صدی (۳۲۰-۴۵۵ء) کا تھا جس میں تین بادشاہ حکمراں رہے۔ کمار گپت اول کی موت سے جو بالکل صحت کے ساتھ اوائل ۴۵۵ء میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ زمانۂ گپت کی دریافت ہوئی ہیں وہ آرکیالوجیکل سروے کے سالانہ روئدادوں میں شائع ہوتی رہی ہیں (از ۱۹۰۳-۲ء)۔

[1] دیکھو ضمیمہ ص۔

متعین کی جا سکتی ہے۔ سلطنت کے زوال و انحطاط کی ابتدا ہو گئی۔ اس کی حکومت کے دوران ہی میں ۴۵۵ء کے قریب اس کی سلطنت کو ایک دولت مند اور قوی قوم پشی متر کے ساتھ جو اور کسی طرح تاریخ میں مشہور نہیں جنگ کی سخت مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔ شاہی افواج کو شکست ہوئی۔ اور اس فوجی صدمے اور مزاحمت کا اثر اتنا زیادہ ہوا کہ اس سے شاہی خاندان کی بقا اور استحکام معرض خطر میں آ گیا۔ لیکن سکند گپت یوو راجہ کی ہمت اور قابلیت نے اس بڑھتے ہوئے طوفان کو روکا اور دشمن کو شکست دے کر اپنے خاندان کی حیثیت پھر اسی طرح قائم کر دی۔ ایک ہمعصر کے بیان میں جو ذرا سی تفصیل ملتی ہے اس سے اس جنگ کی سختی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے یعنی جب ولیعہد سلطنت اپنے خاندان کے مصائب کے معدوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو ایک مرتبہ تمام رات اس کو زمین پر پڑ کر گذارنی پڑی تھی۔

ہنوں کی شکست ۴۵۵ء کے موسم بہار میں جب سکند گپت تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کو مصائب کے ایک خاصے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پشی متر کی قوم کا خطرہ تو اب زائل ہو چکا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اور زیادہ زبردست مصیبت کا سامنا ہوا۔ یہ وحشی ہنوں کی یورش تھی۔ جو وسط ایشیا کے جنگلوں سے اٹھی۔ شمال مغربی دروں میں سے ہوتی ہوئی طوفان بلاخیز کی طرح ہندوستان میں داخل ہوئی۔ اور ملک کے آباد

لہ فلیٹ کے خیال میں (انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ صفحہ ۲۲۸) یہ نربدا کے علاقے میں رہتی تھی۔ مگر اغلب یہ ہے کہ اور شمال میں سکونت پذیر تھی۔ پران پشی متر اور پٹو متر کو "متفرق" خاندانوں کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں۔ جو بظاہر بیرونی لوگ تھے۔ اور ان کے نام خاندان گپت کے ذکر سے پہلے شمار کرائے گئے ہیں (پرگیٹر "ڈائنسٹیز آف دی کالی ایج" صفحہ ۷۳)۔

شہروں اور سرسبز و شاداب میدانوں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ مگر سکند گپت نے بھی جو غالباً مسن اور کار آزمودہ تھا مناسب ہمت و جرأت سے کام لیا۔ اور ان وحشیوں کو ایسی سخت شکست دی کہ ایک مدت کے لئے ہندوستان بالکل مامون اور مصئون ہو گیا۔ اس کی ماں اب تک زندہ تھی۔ اور فتح کی خبر دینے کے لئے "کرشنا کی طرح جو اپنے دشمنوں کو قتل کر کے اپنی ماں دیوکی کی خدمت میں حاضر ہوا تھا" اپنی ماں کے پاس گیا۔ اس طرح اپنی ماں کی خدمت سے فارغ ہو کر اس نے اپنے باپ کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے ایک فتح منارہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ جس کے سرے پر وشنو دیوتا کا بت تھا۔ اور جس پر وحشی حملہ آوروں کے پنجے سے دیوتاؤں کے فضل و کرم سے ملک کی رہائی کا حال کندہ تھا[1]۔

مغربی صوبے یہ بات ظاہر ہے کہ ہنوں پر یہ زبردست فتح اس حکومت کے شروع ہی میں حاصل ہوئی ہو گی۔ کیونکہ ایک اور کتبے سے جو ۴۵۸ء میں کندہ کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ سکند گپت نے وحشیوں کو شکست دی تھی۔ اور شہر استر (کاٹھیاواڑ) کے انتہائی مغربی صوبے پر وہ بلا شرکت غیرے حکمراں تھا۔ مغربی صوبوں پر بادشاہ نے پرن دت نامی ایک نائب السلطنت مقرر کیا تھا جس میں شاہی ملک الشعراء کے قول کے مطابق تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ اور اس نے جوناگڑھ کے صدر مقام کی ذمہ داری کی حکومت اپنے بیٹے کے سپرد کی۔ جس نے وہاں قیام کے زمانے میں کوہ گرنار کے دامن کی جھیل کے قدیم بند کو نئے سرے سے باندھا۔ جو سکند گپت کی تخت نشینی کے سال پھر

---

[1] بنارس کے مشرق میں ضلع غازی پور کے بھتری کے مقام پر یہ مینار اب تک موجود ہے اگرچہ بت اب مفقود ہو چکا ہے۔ (کننگھم "آرکی آلوجیکل رپورٹ" جلد اول لوح ۲۹) اس مینار کے کتبے کو جس پر وہ واقعات درج ہیں جن کا ذکر متن کتاب میں ہوا فلیٹ نے بعد تصحیح و ترجمہ شائع کیا ہے (گپتا انسکرپشنز۔ نمبر ۱۳)۔ دیکھو جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۲۶۔

ٹوٹ گیا تھا۔ یہ رفاہ عام کا کام دوسرے سال جا کر ختم ہوا۔ اور وہیں پر وشنو کا ایک مندر بھی تعمیر کیا گیا[1]۔

مشرقی صوبے

اس کے تین سال بعد ضلع گورکھپور کے مشرق میں پٹنہ سے نوّے (۹۰) میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں ایک جین معطی نے پتھر کا ستون بادشاہ کے نام پر یادگار بنایا۔ اور اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سکند گپت کے شروع حکومت میں مشرقی اور مغربی دونوں صوبے اس کی سلطنت میں شامل تھے[2]۔

صوبجات متوسط

اس کے پانچ سال بعد ۴۶۵ء میں دریائے گنگا اور جمنا کے درمیانی علاقہ یعنے موجودہ ضلع بلند شہر میں سورج کے ایک مندر سے جو سکند گپت کے زمانے میں ایک دیندار برہمن نے تعمیر کیا اور اسی کے نام سے نامزد کیا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ وسطی صوبوں میں بھی مستقل حکومت قائم تھی[3]۔ اسی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل قرین قیاس ہے۔ کہ شروع زمانہ حکومت ہی میں وحشی حملہ آوروں پر فتح حاصل کی گئی ہوگی۔ اور یہ فتح ایسی فیصلہ کن تھی کہ ایک مدت تک اس کی وجہ سے سلطنت کے مختلف حصوں میں امن و اماں پھیلا رہا۔

تقریباً ۴۶۵-۴۷۰ء ہنوں کا نیا حملہ

لیکن ۴۶۵ء کے قریب ان خانہ بدوش اقوام کا ایک ازسر نو طوفان سرحد کی طرف سے در آیا۔ اور گندھار یا شمالی مغربی پنجاب پر قابض ہو گیا۔ جہاں ایک "بے رحم اور کینہ توز" سردار نے کشان کے تخت و تاج کو غصب کیا اور حد درجے کی وحشیانہ حرکتیں کیں[4]۔ اس کے تھوڑے زمانے کے بعد ہی ۴۷۰ء میں ہن

---

[1] فلیٹ کی گپتا انسکرپشنز۔ نمبر ۱۴۔

[2] ایضاً نمبر ۱۵۔ کھاؤن کا کتبہ۔

[3] ایضاً نمبر ۱۶۔

[4] سنگ ین۔ چینی جاتری ۵۲۰ء بیل کی ریکارڈس جلد اول صفحہ ۱۰۰۔ لیکن "گیلہ" کا

اندرون ملک کی طرف بڑھے اور پھر دوبارہ سکند گپت کی سلطنت کے عین قلب میں آکر اس پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن اب وہ گذشتہ مرتبہ کی طرح ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور بالآخر اس کو ان بیرونی اقوام کے متواتر حملوں کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دینا پڑا۔ غالب یہ ہے کہ ان حملہ آوروں کو برابر وطن سے امداد پہنچتی رہتی تھی۔ اور وہ سب کے سب ہندوستان کی لوٹ کے شائق تھے ؎

سکّوں میں کھوٹ کا ملایا جانا۔

سکند گپت کے زمانے کی مالی مشکلات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے آخری زمانے میں دفعتاً سکہ کھوٹا ہو گیا ہے۔ اس کے شروع کے زمانے کے چاندی اور سونے کے سکے اس کے پیشرؤں کے سکوں کے وزن سے بالکل مطابق ہیں۔ لیکن آخر میں ان کا وزن ہندو معیار سورن کے برابر کرنے کے لئے بڑھا دیا گیا ہے۔ مگر ان میں بجائے (۱۰۸) رتی خالص سونے کے صرف (۷۳) رتی رہ گیا ہے۔ سکہ کے اس طرح یک بیک کھوٹا ہو جانے سے جس کے پہلو بہ پہلو وہ بناوٹ میں خراب اور بھدا ہوتا گیا تھا صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہنوں کی جنگ کی وجہ سے جو بار پڑا وہ خزانہ نہ اٹھا سکا ؎

تقریباً ۴۸۰ع پرگپت کی تخت نشینی

سکند گپت نے بھی اور بہت سے ہندوستانی راجاؤں کی طرح بکرماجیت کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- نام جو بیل نے اس سردار کو دیا ہے اور جس کی نقل کننگھم وغیرہ کرتے چلے آئے ہیں محض فرضی ہے۔ اور ایک ترکی خطاب "تگین" کے غلط معنوں پر مبنی ہے۔ (دیکھو جو نیئر کی کتاب :- "لیس ٹرکس آکسی ڈنٹو" صفحہ ۲۲۵ حاشیہ) ؎

لہ کشان کے سکوں کی طرح گپت خاندان کے پرانے سکے بھی وزن میں اور ایک حد تک بناوٹ میں رومی سکہ "اوری" ہوتا ہے۔ مگر بعد کے سکے ہندو "سورن" کے مثل ہیں اور وزن میں کم و بیش (۱۴۶) گرین ہیں۔ اور بناوٹ میں بھی خراب اور بھدے ہیں ؎

وفات، غالباً ۴۶۸ء کے قریب قریب واقع ہوئی ہوگی۔ اس کے مرنے کے بعد سلطنت کا تو خاتمہ ہوگیا مگر خاندان شاہی باقی رہ گیا۔ اور مشرقی صوبوں میں کئی نسلوں تک برقرار رہا۔ سکندگپت نے کوئی ایسی اولاد نرینہ نہ چھوڑی تھی کہ وہ ایسی مصیبت کے زمانے میں سلطنت کی حفاظت کر سکتی۔ اور اسی وجہ مگدھ اور قرب وجوار کے صوبوں پر اس کا بھائی کمارگپت اول کا بیٹا پرگپت جو ملکہ انند کے بطن سے تھا۔ اس کا جانشین ہوا۔

سکے کی اصلاح

اس راجہ کا عہد حکومت بظاہر نہایت کم تھا۔ اور اس کے زمانے کا اگر کوئی واقعہ یادگار ہے تو وہ اصلاح سکّے کی دلیرانہ کوشش ہے۔ وہ نادر الوجود سکّے جن کی پشت پر سادت کا لقب منقوش ہے اسی پرگپت کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اور اگرچہ وہ وزن میں ہندو "سورن" کے برابر ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک میں (۱۲۱) گرین خالص سونا ہے۔ اس طرح قیمت میں وہ آگسٹس کے "اوری" کے برابر اور کشان اور پرانے گپت سکّوں کی قدر ذاتی سے زیادہ ہیں۔[1]

تقریباً ۴۸۵ء سے ۵۳۵ء تک۔ نرسمہ گپت

تقریباً ۴۸۵ء میں پرگپت کا جانشین نرسمہ گپت بالادت ہوا جس نے اپنے بدھ مذہب سے دلچسپی کا بیّن ثبوت مگدھ کے علاقے میں بمقام نالندا جو بدھ مذہب کی تعلیمات کا شمالی ہند میں مرکز تھا ایک خشتی مندر کی تعمیر سے دیا۔ جو ہیون سانگ کے قول کے مطابق (۳۰۰) فیٹ بلند تھا

[1] بھتری کی مہر کے کتبے کی شہادت (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۵۸ حصہ اول صفحہ ۸۴–۱۰۵) اور دوسرے کتبوں وغیرہ میں جو ظاہری تضاد پایا جاتا ہے اس کی مطابقت کی بہترین صورت وہی ہے جو متن کتاب میں اختیار کی گئی ہے۔ سونے کے سکّوں کے معیار کے متعلق دیکھو:۔ کننگھم:۔ کائنز آف میڈیول انڈیا صفحہ ۱۶

اور اپنی خوشنمائی اور سونے اور جواہرات کے استعمال کی وجہ سے اپنی آپ ہی نظیر تھا[1]۔ بالادت نے جو باہمت اور کامیاب طریقہ ہنوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کا اختیار کیا اس کا ذکر ابھی آئے گا ؛

تقریباً ۵۳۵ء کمار گپت دوم

نرسمہ گپت بالادت کے بعد اس کا بیٹا کمار گپت دوم تخت پر بیٹھا۔ اور اسی کے زمانے کی وہ کھوٹی چاندی کی خوبصورت مہر ہے جو ضلع غازی پور میں بھتری کے مقام پر پائی گئی ہے[2]۔ اس کی موت بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ہوئی۔ مگر اس کی حکومت کے واقعات کا حال مفقود ہے۔ اور جہاں تک معلوم ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کمار گپت دوم کی موت سے شاہی خاندان گپت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس کے باپ اور دادا کی طرح اس کی حکومت اس کے آباؤ اجداد کی قدیم وسیع سلطنت کے صرف مشرقی صوبوں پر مشتمل تھی ؛

مگدھ کے "بعد کے گپت" موکھری

یہ شاہی خاندان کا سلسلہ بالآخر ایک خاندان میں منتقل ہو جاتا ہے جس میں گیارہ راجہ گپت کے نام کے ہیں۔ اور جو بظاہر ایک بڑی حد تک مگدھ کے علاقے ہی میں مقامی راجاؤں کی حیثیت سے حکمراں تھے۔ ان ہی راجاؤں کو ماہرین آثار قدیمہ کی اصطلاح میں "مگدھ کے بعد کے گپت" کہتے ہیں۔ یہ راجہ اس صوبے میں بھی بلا شرکت غیرے حکمراں نہ تھے بلکہ ایک خاندان جس کے راجاؤں کے نام ورمن پر ختم ہوتے ہیں اور جو موکھری نام ایک قوم سے تھے ان کے شریک سلطنت و حکومت تھے۔ مگر ان دونوں خاندانوں میں علاقے کی تقسیم کے

---

[1] جونیئر ریلیجکس امنٹس صفحہ ۹۴۔ وٹیرس جلد دوم صفحہ ۱۷۰۔ بیل۔ جلد دوم صفحہ ۱۷۳۔ نلند آج کل وہاں ایک بڑ کا درخت ہونے کی وجہ سے بڑ گاؤں کے نام سے مشہور ہے۔ شمالی ہند میں ایسے نام بہت عام ہیں (بلاک ۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۰۴) ؛

[2] جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد ۵۸ (۱۸۸۹ء لوح ۶) ؛

اسلوب کا پتہ لگانا بالکل ناممکن ہے۔ آپس میں ان کے تعلقات بعض مرتبہ دوستانہ رہتے تھے اور بعض اوقات ان میں دشمنی ہو جاتی تھی۔ مگر ان کے متعلق جتنی تفصیلیں معلوم ہیں وہ کچھ اہمیت نہیں رکھتیں [۱۵]؛

چین کی بدھ مذہب کی سفارت

سلطنت مگدھ کے سیاسی انحطاط و زوال سے اس علاقے کے بدھ کی مذہبی تعلیمات کے مرکز اور مستقر ہونے کی حیثیت میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ آیا۔ یہ تعلیمات یہاں نالندا اور دیگر مقامات پر پال راجاؤں کے زیر سرپرستی مسلمانوں کی فتوحات تک برابر جاری رہیں۔ مگر بارھویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کے حملے سے یہاں کی خانقاہیں اور ان کے بھرپور کتب خانے سب کے سب آگ کے نذر ہو گئے۔ بہترین مثال اُس ادب و تعظیم کی جو آخری خاندان گپت کے زمانے میں بھی گوتم بدھ کے بیرونی پیرو اپنی مقدس زمین کی کرتے تھے اس واقعہ سے مل سکتی ہے کہ ۵۳۹ء میں اُود۔ تی یا سیوین نے جولینگ خاندان کا سب سے پہلا شہنشاہ چین اور بدھ مت کا پرجوش پیرو تھا ایک سفارت مگدھ کی طرف اس غرض سے روانہ کی کہ مہایان فرقے کی کتابوں کو تلاش کر کے حاصل کیا جائے اور ایک ایسے عالم کی خدمات مستعار لی جائیں جو ان کتابوں کا ترجمہ کر سکے۔ مقامی راجہ نے جو غالباً جیوت گپت اول یا کمار گپت تھا بخوشی اپنے شاہنشاہ دوست کی خواہشات کو پورا کیا۔ اور مشہور عالم پرمارتھ کو سفارت کے سپرد کر دیا۔ یہ سفارت معلوم ہوتا ہے کہ کئی سال تک ہندوستان میں مقیم رہی تھی۔ اس کے بعد پرمارتھ چین گیا اور اپنے ساتھ قلمی نسخوں کا ایک بڑا ذخیرہ لیتا گیا۔ جن میں سے اکثر کا اس نے ترجمہ بھی کیا۔ وہ کانٹن کے قریب ۵۴۶ء میں

---

[۱۵] ان خاندانوں کے حالات کے لئے دیکھو فلیٹ کی کتاب گپتا انسکرپشنز اور بھتری کی مہر پر ڈاکٹر ہارنل کے خیالات۔ موکھری قوم کے سکوں کے متعلق دیکھو برن کا مضمون:۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۸۴۳؛

پہنچا۔ ۵۴۸ء میں اس کو شاہنشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور ۵۶۹ء میں (۷۰) برس کی عمر میں چین ہی کے ملک میں مر گیا۔ اسی شاہنشاہ کے عہد حکومت (۵۰۲ء-۵۴۹ء) میں جنوبی ہند کے ایک راجہ کا بیٹا بودھی دھرم جو ہندوستان کا اٹھائیسواں اور چین کا پہلا گرو خیال کیا جاتا ہے چین میں ۵۲۰ء میں پہنچا۔ اور تھوڑی مدت کانٹن میں رہنے کے بعد آخر لونیک کے مقام پر آباد ہوگیا۔ اس کے خوارق عادات کو چینی مصور بہت کھینچتے رہتے ہیں[1]۔

آدت سین اور جیوت گپت دوم

"آخری خاندان گپت" کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ آدت سین تھا۔ جو ۶۴۷ء میں اپنے حاکم اعلیٰ ہرش کی موت کے بعد خود مختار ہو گیا۔ اور اپنی حکومت کی علو شان کے ثابت کرنے کے لئے اشومیدھ کی رسم بھی ادا کرنے کی کوشش کی۔ اس خاندان کا سب سے آخری بادشاہ جس کا نام معلوم ہے وہ جیوت گپت دوم تھا۔ جو آٹھویں صدی کے شروع میں برسر حکومت تھا۔ اسی صدی کے آخر میں یا نویں صدی کے شروع میں مگدھ بنگال کے پال راجاؤں کے ماتحت ہو گیا۔ اس خاندان کی تاریخ بعد کے کسی باب میں بیان ہوگی۔

۴۸۴ء سے ۵۱۰ء تک بدھ گپت اور بھانو گپت

مالوا کے مغربی صوبے میں بدھ گپت اور بھانو گپت دو راجاؤں کے نام ملتے ہیں جو ۴۸۴ء سے ۵۱۰ء تک برسر حکومت تھے اور بظاہر اس علاقے میں سکند گپت کے جانشین تھے۔ مگر بہرصورت ان میں سے موخر الذکر راجہ خود مختار نہ تھا بلکہ ہن سرداروں کا باجگذار تھا۔

خاندان ولبھی

پانچویں صدی کے آخر میں متبرک قوم کے جو غالباً ایک بیرونی قوم تھی۔ بھبتارک نامی ایک سردار نے

---

[1] بشل:- جاپانیز آرٹ جلد اول صفحہ ۲۲۔

جزیرہ نمائے سوراشتر کے مشرق میں ولبھی کے مقام پر قبضہ کیا اور ایک خاندان کی بنا ڈالی جو ۷۷۰ئہ تک قائم رہا۔ اور اس کے بعد خیال ہے کہ سندھ سے عرب کے حملہ آوروں نے اس کو برباد کیا۔ شروع میں ولبھی کے راجہ خود مختار نہیں معلوم ہوتے۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ ہنون کے باجگذار تھے۔ مگر ہنون کی سلطنت کی بربادی کے بعد ولبھی کے راجہ خود مختار ہو گئے۔ اور انھوں نے مغربی ہند اور خاص کر سوراشتر کے جزیرہ نما میں خاصی طاقت حاصل کر لی۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب ہیون سانگ وہاں گیا ہے تو ولبھی کا شہر بڑا متمول تھا۔ اور بدھ مذہب کی مذہبی تاریخ میں اس وجہ سے مشہور تھا کہ چھٹی صدی عیسوی میں یہاں اس مذہب کے مشہور علماء گنتھی اور ستھرمتی رہ چکے تھے۔ ہیون سانگ کے ایک اور نوجوان ہمعصر آئی ہنگ کا بیان ہے کہ اس کے وقت میں جنوبی بہار کا مقام نالندا اور ولبھی دو ایسے شہر تھے جن کا مقابلہ چین کے تعلیمی مراکز سے بخوبی کیا جا سکتا تھا۔ یہاں پر دور و دراز مقامات سے جوق جوق طلبہ آتے تھے اور دو یا تین برس تک مذہب بدھ کے فلسفے کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ اس بیان کے بعد ہیون سانگ کا وہ بیان بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ مو۔ لا۔ پو یعنے مغربی مالوا اور مگدھ ہندوستان میں وہ دو علاقے تھے جہاں علم کی سچی قدر کی جاتی تھی۔ کیونکہ ولبھی اور مو۔ لا۔ پو سیاسی طور پر ایک ہی تھے اور ان دونوں پر تمام شمالی ہند کے راجہ ہرش کا داماد دھروبھٹ حکمراں تھا۔ ولبھی کی بربادی کے بعد مغربی ہند کے صدر مقام کی جگہ انہلواڑہ (نہروالہ۔ یا پائن) نے لی۔ اور پندرھویں صدی تک اس کی یہ عزت برقرار رہی۔ اور اس کے بعد احمد آباد کو یہ حیثیت حاصل ہو گئی۔ شاید ناظرین کتاب کو مذکورۂ بالا بیان سے

ے بھاؤنگر کے شمال مغرب میں اٹھارہ یا بیس میل کے فاصلے پر ۔ ولا کے مقام پر ولبھی کے آثار عموماً زیر زمین مدفون ہیں۔ اس کی تاریخ برگیس نے آرکی آلوجیکل سروے آف ویسٹرن انڈیا۔ جلد دوم (۱۸۷۶ء) صفحہ ۸۰-۸۶ میں اور بھگوان داس اندراجی اور

اس امر کا کافی طور پر اندازہ ہو سکے گا کہ کیسے خاندان گپت کی وسیع سلطنت متفرق خاندانوں میں منقسم ہو گئی تھی ؛

ہن نقل مکان کی دوروین۔

مگر یہ ضروری ہے کہ قوم ہن کا ذکر جنہوں نے اس سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے اور تھوڑی مدت تک اس کے بڑے حصے پر قابض بھی رہے۔ زیادہ وضاحت سے کیا جائے۔ وہ خانہ بدوش اقوام جو ہن کے نام سے مشہور ہیں جب دوسرے ملکوں میں اپنے افراد کے لئے تلاش معاش و غذا میں ایشیائی جنگلوں سے مغرب کی طرف روانہ ہوئیں۔ تو وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک تو دریائے سیحون کی طرف بڑھا۔ اور دوسرا دریائے والگا کی سمت روانہ ہوا ؛

ہن یورپ میں اطلا۔

موخرالذکر ۳۷۵ء میں یورپ کے براعظم میں داخل ہوئے اور قوم گاتھ کو دریائے ڈینوب کے جنوب کی طرف ڈھکیل دیا۔ اس طرح وہ اس جنگ گاتھ کی بالواسطہ بنا ہوئی جس میں آخر کار ۳۷۸ء میں قیصر ویلنز نے جان دی دریائے والگا اور ڈینوب کے درمیان ممالک میں قوم ہن بسرعت تمام پھیل گئی۔ مگر متواتر اور کہنہ خلاف و شقاق اور کسی بڑے زبردست پیشوا کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ لوگ اس فوقیت سے جو ان کو حاصل تھی اس وقت تک کچھ فائدہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ جیکسن نے بمبئی گزیٹیر (۱۸۹۶ء) جلد اول حصہ اول صفحہ ۱۰۶ - ۷۸ میں دی ہے۔ اس خاندان کی سب سے آخری اور مکمل فہرست کیلہارن کی "سپلمنٹ ٹو لسٹ آف ناردرن انسکرپشنز" ضمیمہ بی صفحہ ۱۱ (ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۸ اپریل ۱۹۰۵ء)۔ ولبھی کی بربادی کی اندازاً تاریخ کے لئے دیکھو برگیس :۔ آرکی آلوجیکل سروے جلد ششم صفحہ ۳ - جلد نہم صفحہ ۴ - لیکن بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کو سندھ کے گوجروں نے تباہ کیا تھا۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد ۴ (۱۸۸۶ء) صفحہ ۱۸۱)۔ بڈدیہ (جین ازم صفحہ ۱۵) کا خیال ہے کہ یہ تباہی ۵۲۴ء میں واقع ہوئی ؛

نہ اُٹھا سکے جب تک کہ اٹلا ان میں نمودار نہ ہوا۔ اس نے چند سال کے لئے اس وحشی اور جنگلی قوم کو مجتمع کر کے ایک ایسی طاقت بنا دیا کہ "وہ ریونا اور قسطنطنیہ کے دونوں درباروں کو یکساں طور پر ڈرا اور دھمکا سکتا تھا۔"

تقریباً ۴۷۰ء ۔ ۴۵۳ء میں اس کی موت نے اس بند کو بالآخر توڑ دیا جس نے اس وحشی جرگے کے پشتارے کو مجتمع کر دیا تھا۔

چنانچہ اس واقعے کے بیس سال کے عرصے کے اندر ہی اندر یورپ کی ہن سلطنت کا شمالی ایشیا کی ایک نئی وحشی قوم کے سیلاب نے خاتمہ کر دیا۔[1]

۴۵۵ ۔ ۸۴ء وادی سیحون کے گورے ہن ۔ مگر ایشیا میں ہنون کی سلطنت زیادہ عرصے تک قائم رہی ۔ اس جرگے کا وہ حصہ جو دریائے سیحون کی وادی میں مقیم ہو گیا اور جو غالباً دوسرے حصے سے نسلاً بھی مختلف تھا ۔ افتالوی یا گورے ہنون کے نام سے مشہور ہو گیا ۔ رفتہ رفتہ اس نے ایرانی مدافعت و مقاومت کو اس وقت بالکل شکست کر دیا جب ۴۸۴ء میں شاہ فیروز ان کے مقابلے میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ ان ہی گورے ہنون کے جرگوں نے کابل کی کشان سلطنت پر بھی حملہ کیا اور اسی راستے سے ہندوستان میں داخل ہوئے ۔ ۴۵۵ء میں سکند گپت نے جس حملے کا سدِ باب کیا تھا وہ غالباً مقابلتاً کسی کمزور فوج نے شروع زمانے میں کیا ہو گا ۔ جو اپنے قدم اندرون ملک میں نہ جما سکی۔[2]

۵۰۰ء ترمان　اس کے دس سال بعد ہی یہ خانہ بدوش لوگ ایک

---

[1] گبن ۔ باب ۳۵۔

[2] ہارنل (جے ۔ آر ۔ اے ۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۲۸) کو سکند گپت کی عہد حکومت کے شروع ہنون کے حملے کی حقیقت سے انکار ہے۔ وہ بھتری کے کتبے کی تاریخ ۴۶۵ء بتلاتا ہے۔ مگر وجوہ اوپر بیان ہو چکے ہیں ان کی بنا پر میرا خیال ہے کہ یہ کتبہ ضرور شروع حکومت ہی میں لکھا گیا ہو گا ۔ اس میں ہنون اور پشیہ متر قوم دونوں کی شکست کا ذکر ہے۔

بڑی تعداد میں حملہ آور ہوئے گندھار یا پشاور کی سلطنت کو پسپا کیا۔ اس علاقے کو مرکز قرار دے کر جیسا کہ اوپر بیان ہوا وہ دریائے گنگا کے میدان کی طرف بڑھے۔ اور سلطنت گپت کا خاتمہ کر دیا۔ ۴۸۴ء میں ایرانی مقاومت کی ہزیمت سے ان جرگوں کو مشرق کی طرف نقل و حرکت کرنے میں بہت کچھ سہولت ہوئی ہوگی۔ اور اسی وجہ سے ان کو کثرت سے ہندوستان میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ اس ہندی حملے میں جو غالباً چند سال تک متواتر جاری رہا ان کا سردار ایک شخص ترمان نامی تھا۔ جس کے متعلق یہ یقین ہے کہ وہ ۵۰۰ء سے قبل ہی وسط ہند میں مالوہ کا بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اس نے "راجۂ مہاراجگان" کا ہندی لقب بھی اختیار کیا۔ اور یہ بھی یقینی ہے کہ بھانگپت اور ولبھی کا راجہ اور اور بہت سے مقامی بادشاہ اس کے باجگزار ہو گئے ہوں گے[۱]؀

تقریباً ۵۱۰ء مہرگل کی تخت نشینی

تقریباً ۵۱۰ء میں جب ترمان مر گیا تو جس ہندی علاقے پر قابض ہو گیا تھا اس کو وہ اس قدر مستحکم کر چکا تھا کہ وہ اس کے بیٹے مہرگل کے ہاتھ میں چلا جائے۔ ہندوستان میں مہرگل کا دار السلطنت ساکل پنجاب کا موجودہ شہر سیالکوٹ[۲] تھا؀

---

[۱] تین کتبے جن میں ترمان کا نام ہے معلوم ہو چکے ہیں :- (۱) صوبجات متوسط کے ضلع ساگر کے ایران مقام پر جس پر اسکے پہلے سن جلوس کی تاریخ ہے (فلیٹ گپتا انسکرپشنز نمبر ۳۶)۔ (۲) کوہستان نمک میں کرا کے مقام پر جس کی تاریخ ضائع ہو گئی ہے۔ (ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۲۳۸)۔ (۳) وسط ہند میں گوالیار کے مقام پر۔ اس پر ترمان کے بیٹے مہرگل کے پندرھویں سال کی تاریخ ہے (فلیٹ نمبر ۳۷)۔ ترمان کے چاندی کے سکوں پر جو شترا ستر کے ستریوں اور شاہان گپت کی نقل میں بنائے گئے ہیں ۵۲ سنہ کی تاریخ ہے۔ جو بظاہر کسی خاص ہن سال سے جو غالباً ۴۴۸ء کو شروع ہوتا تھا متعلق ہے۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۶۳ حصہ اول ۱۸۹۴ء صفحہ ۱۹۵)؀

[۲] مہرگل کا نام سنسکرت طرز تحریر میں مہر گل کے نام سے بھی پایا جاتا ہے۔ چینوٹ

ایشیا میں ہنون کی سلطنت کی حدود

اس زمانے میں ہندوستان ہنون کی سلطنت کا محض ایک صوبہ تھا۔ اس جرگے کا صدر مقام ہرات کے قریب باذغیس کے علاقے میں بامیان کے مقام پر تھا۔ اور دوسرا صدر مقام بلخ کا قدیم شہر تھا۔[1] وہ ہن بادشاہ جس کے پاس بامیان یا ہرات کے مقام پر ۵۱۹ء میں چینی سفیر سانگ ین آیا تھا۔ وہ ایک زبردست بادشاہ تھا اور چالیس ممالک سے وہ خراج وصول کیا کرتا تھا جو مغرب میں ایران کی سرحد سے لے کر مشرق میں غتن یعنے سرحد چین تک پھیلے ہوئے تھے۔ ۵۲۰ء میں گندھارا کے جس مقامی ہن بادشاہ کے دربار میں سانگ ین حاضر ہوا تھا وہ ضروری ہے کہ مہر گل ہی ہو۔ اس وقت وہ کشمیر (کی پن) کے بادشاہ کے ساتھ تین برس سے برسر پیکار تھا۔[2]

گلاس۔

تقریباً اسی تاریخ کے متعلق عیسائی راہب کاسمس انڈکو پلیسٹیز نا جس نے ۵۴۷ء میں ایک عجیب و غریب کتاب تصنیف کی تھی۔ ایک گورے ہن بادشاہ کا ذکر کیا ہے۔ جس کو وہ گلاس کا نام دیتا ہے۔ اس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ اور وہاں سے نہایت ظلم و ستم کے ساتھ خراج وصول کیا کرتا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اور شاہ کوٹ کے مقام پر جو پنجاب میں علی الترتیب اضلاع جھنگ و گوجرانوالہ میں واقع ہیں۔ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ترمان اور مہر گل کے سکوں پر جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۹۴ء حصۂ اول میں مفصل بحث ہے۔

[1] جونیئر:۔ "ٹرکو آکسی ڈنٹو" صفحہ ۲۲۴ و ۲۲۶۔ گرگان جس کو اکثر افتا و دار السلطنت سمجھا جاتا ہے فی الحقیقت ایران کا ایک سرحدی شہر تھا (جونیئر کتاب ایضاً صفحہ ۲۲۳ و ۲۲۵ حاشیہ)۔

[2] بیل ریکارڈس جلد اول صفحہ ۹۱ و ۱۰۰۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ کی۔ پن کا نام محض قیاسی ہے۔ سانگ۔ ین کے زمانے میں کی۔ پن سے مراد کشمیر تھی۔ ساتویں صدی میں کی پن سے مراد بالعموم (اگرچہ ہمیشہ نہیں) کپیس یا شمال مغربی افغانستان لی جاتی تھی (جونیئر:۔ سانگ ین صفحہ ۴۰۳ و ۳۹۰)۔

اور وصولیابی کے لیئے دو ہزار جنگی ہاتھی اور بہت سی فوج بھیجا کرتا تھا۔ یہ بادشاہ یقیناً مہر گل ہی تھا[1]؁

مہر گل کے مظالم تمام ہندی روایات مہر گل کو سفاک ظالم بتلانے میں متفق ہیں۔ وہ دراصل "ہندوستان کا اٹلا" تھا۔ اور اس کے مزاج میں ہنون کی سفاکی اور بے رحمی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی[2]۔ ہندوستان کے مصنفین نے کیونکہ ان وحشی حملہ آوروں کا جنھوں نے ربع صدی تک ان کے ملک کو بے رحمی سے تاخت و تاراج کیا کوئی مفصل حال نہیں چھوڑا اس لیئے لامحالہ ہم کو یورپ کے مصنفین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے تاکہ اس بربادی اور خوف کا اندازہ ہو سکے جو مدنی اقوام کو ان وحشیوں کے آنے سے سہنی پڑتی تھی؁

ہنون کی کیفیت ان کے متعلق اصلی بیانات کا ملخص گبن نے خوب کیا ہے:—

"ہنون کی کثرت تعداد۔ قوت۔ سرعتِ نقل و حرکت۔ اور سفاکانہ بے رحمی کو متحیر و پریشان گاتھ محسوس کرتے تھے۔ اس سے ڈرتے اور مبالغہ آمیز باتوں کے ساتھ ان کو بیان کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے کھیت اور گاؤں ان کی نظروں کے سامنے جلا کر خاکستر کر دیئے جاتے تھے اور ان کو مقتولوں اور کشتوں سے بھر دیا جاتا تھا۔ ان حقیقی ہیبتوں کے پہلو بہ پہلو وہ اعجاب اور نفرت بھی تھی جو ان لوگوں کے دلوں میں ہنون کی تیز آواز۔ نامہذب حرکات و سکنات اور ان کی عجیب و غریب

---

[1] مترجمہ میک کرنڈل (ہکلیوٹ سوسائٹی ۱۸۹۷ء) صفحہ ۳۷۰؁

[2] ہیون سانگ۔ راج ترنگنی۔ تارناتھ کے ترشنگ راجہ (شیفنر صفحہ ۹۴) غالباً مہر گل ہی مراد ہوگی؁

بدصورتی سے پیدا ہوتی تھیں........
دیگر انسانی اقوام سے وہ لوگ وسیع شانوں۔ چپٹی
ناکوں۔ اور سر کے اندر گھسی ہوئی چھوٹی چھوٹی
آنکھوں کی وجہ سے ممیز تھے۔ لیکن ان کے
ڈاڑھی گویا نہ تھی بلکہ نہ ہوتی تھی۔ اس لئے جوانی
میں نہ تو ان کی شکل بارعب ہوتی اور نہ بڑھاپے
میں وہ معزز اور قابل احترام معلوم ہوتے تھے[1]

قوم گاتھ کی طرح ہندوستانیوں کو بھی ان کے وحشی جنگوں کی وجہ سے ہر قسم کے مصائب برداشت کرنے پڑے۔ مزید براں یہاں کے لوگوں کو جو بدرجۂ غائت نفاست پسند اور ذات پات کے قواعد کے پابند تھے۔ ان وحشیوں کی قابل نفرت عادات وخصائل اس وجہ سے اور بھی زیادہ کریہہ معلوم ہوتی تھیں کہ ان کے نزدیک کوئی چیز پاک یا متبرک نہ تھی۔

تقریباً ۵۲۸ء۔ مہر گل کی شکست

آخرکار مہر گل کا ظلم وستم اس قدر ناقابل برداشت ہو گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندی راجاؤں نے مگدھ کے راجہ بالادت (یعنے نرسمہ گپت) اور وسط ہند کے ایک راجہ یسودھرمن کی سرکردگی میں اس بیرونی غاصب کے مقابلے کے لئے ایک اتحاد قائم کیا۔ تقریباً ۵۲۸ء میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور مہر گل کو شکست دے کر انھوں نے اپنے ملک کو اس کے ظلم وستم سے پاک کر دیا۔ مہر گل جنگ میں گرفتار ہوا۔ اور یقینی ہے کہ اگر بالادت کی علو ہمتی اور دریادلی بر روئے کار نہ آجاتی تو وہ قتل کر دیا جاتا۔ مگر بالادت نے اسے چھوڑ دیا اور بہت اعزاز کے ساتھ شمال کی طرف اس کے وطن روانہ کر دیا۔

[1] گبن باب ۲۶۔

مہرگل کشمیر میں۔ اسی اثنا میں مہرگل کے چھوٹے بھائی نے خاندان کے سرغنہ کی مصائب و مشکلات سے فائدہ اٹھا کر ساکل کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور اسے واگذاشت کرنے سے انکار کیا۔ کچھ تھوڑی مدت روپوش رہنے کے بعد مہرگل نے کشمیر میں پناہ لی یہاں کا بادشاہ اس سے بہت خاطر و مدارات سے پیش آیا اور ایک مختصر سے علاقے کا اُسے حاکم بنا دیا۔ چند سال تک تو اس جلا وطن بادشاہ نے اپنی حالت پر قناعت کی۔ لیکن اس کے بعد موقع پا کر اس نے بغاوت کی اور اپنے محسن کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس کام میں پوری کامیابی حاصل کرنے کے بعد اس نے گندھار کی ہمسایہ سلطنت پر حملہ کیا۔ یہاں کے بادشاہ پر جو غالباً خود بھی ہن قوم سے تھا اچانک دغابازی سے حملہ کیا گیا اور اسے قتل کر ڈالا گیا۔ اس کے بعد شاہی خاندان کا صفایا کیا۔ اور ہزارہا آدمی دریائے سندھ کے کناروں پر ذبح کئے گئے۔ اس وحشی حملہ آور نے جو بالخصوص تباہی و بربادی کے دیوتا شیو کا پرستار تھا بدھ سے مریخ و رنجان مذہب کے ساتھ خاص خصومت اور دشمنی کا اظہار کیا۔ اور نہایت بے دردی سے ستوپوں اور خانقاہوں کو برباد کر کے ان کے خزانوں کو لوٹ لیا۔

مہرگل کی موت مگر وہ اس غصب کردہ خزانوں سے حظ اُٹھانے کے لئے زیادہ زندہ نہ رہا۔ اور سال ختم ہونے سے پہلے ہی مر گیا۔ "اس کی موت کے وقت اولے اور بجلی کے طوفان آئے۔ دنیا تیرہ و تاریک ہو گئی۔ زمین میں زلزلہ پیدا ہوا۔ اور سخت طوفان برپا ہو گیا۔ اور مقدس ولیوں نے رحم کھا کر کہا کہ "بے شمار جانوں کے مارنے اور بدھ کی شریعت کو مغلوب کرنے کی وجہ سے وہ دوزخ کے اسفل ترین درجے میں ڈال دیا گیا ہے۔ جہاں وہ بے شمار زمانے تک ان ہی انقلابات میں پڑا رہے گا" اس طرح اس غاصب کو اپنی بدکاریوں کا ثمرہ اگر اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں تو ضرور مل گیا۔ اس کی تاریخ موت صحیح طور پر معلوم نہیں۔ مگر یہ یقینی ہے کہ یہ واقعہ

سنہ ۵۴۰ء کے لگ بھگ ہیون سانگ کی سیاحت کے ٹھیک ایک صدی قبل واقع ہوا ہوگا۔ اس کی موت کے متعلق بدشگونی اور نحوست کی حکایات و روایات کی تیز رفتاری سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس کی سفّاکی اور بے رحمی نے لوگوں کے دلوں پر کیا اثر کیا تھا۔ اور اس کا اور زیادہ بیّن ثبوت کشمیر کی اس روایت سے ہوتا ہے کہ ہاتھیوں کو غاروں میں لڑھکانے سے اسے ایک خاص لطف آتا تھا۱؎

یسودھرمن۔ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ وسط ہند کے ایک راجہ یسودھرمن نامی نے اس مفروضہ اتحاد میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو ملک کو مہرگل کے ظلم و ستم سے رہائی دینے کے لئے کیا گیا تھا۔ اس کا پتہ صرف تین کتبوں میں ملتا ہے۔ ہیون سانگ نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور ہون پر فتح پانے کا خاص ذریعہ مگدھ کے راجہ بالادت کو قرار دیا ہے۲؎۔ مگر یسودھرمن خود ہی اس تمام عزت و احترام کا

۱؎ ہیون سانگ:- بیل ریکارڈس جلد اول صفحہ ۱۶۷ - ۱۶۵ - وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۲۸ - یہ سمجھنا آسان نہیں کہ جانزی نے کیوں یہ فرض کر لیا (صفحہ ۱۶۷) کہ مہرگل اس سے "چند صدیاں" قبل گذرا تھا۔ اس کے چینی الفاظ سے کہا جاتا ہے کہ اور کوئی معنے نہیں لئے جاسکتے۔ (دیل انڈین انٹی کویری جلد ۱۵ صفحہ ۳۴۵)۔ وٹیرس کا خیال ہے کہ جس مہرگل کا ذکر ہیون سانگ نے کیا ہے وہ بہت پہلے زمانے کا مہرگل تھا۔ ڈاکٹر فلیٹ کا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ متن کتاب میں غلطی واقع ہوگئی ہو۔ ہیون سانگ کی سیاحت کا زمانہ سنہ ۶۲۹ء سے سنہ ۶۴۵ء تک ہے۔ کشمیر کی روایات کے لئے دیکھو اسٹین کا ترجمہ راج ترنگنی باب (۱) صفحہ ۳۲۵ - ۲۸۹؎

۲؎ میں اس امر کو مسلم الثبوت ماننے میں اپنے کو بالکل حق بجانب سمجھتا ہوں (مخالف بیان کے لئے دیکھو ہارنل کا مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۹۱) ہیون اور کتبات کے بیانوں میں جو بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے اس کو آپس میں ربط دینے کا وہی بہتر ذریعہ ہے جو متن کتاب میں استعمال کیا گیا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ بالادت

متصرف ہو بیٹھا۔ اور فتح و نصرت کی یادگاریں دو مینار نصب کرائے جن پر نہایت مبالغہ آمیز الفاظ میں اپنے بیرونی حملہ آوروں پر فتح پانے کا ذکر کیا۔ ان ہی کتبوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ان علاقوں پر اپنی حکومت قائم کی جن کو ہن اور شاہان گپت اپنے زیر تصرف نہ لا سکے تھے۔ ان ہی کے مطابق وہ برہم پتر سے لے کر مغربی سمندر تک اور کوہستان ہمالیہ سے لے کر کوہستان مہندر تک تمام شمالی ہند کا مالک تھا۔ موخر الذکر سے مراد غالباً کوہستان (گھاٹ) ٹراونکور کی انتہائے جنوب کی چوٹی (مہندر گری) ہے۔ لیکن اس تمام فخر و مباہات کے غیر معین اور عرفی الفاظ اور ہیون سانگ کی خاموشی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یسودھرمن نے اپنے کارناموں کے اظہار میں بہت کچھ افراط و تفریط سے کام لیا تھا۔ اور اس کے ملک الشعراء نے اس کی تعریف میں وہ باتیں بھی بیان کر دیں جن کا وہ مستحق نہ تھا۔ اس کے آباؤ اجداد اور جانشینوں کے متعلق قطعی کچھ معلوم نہیں۔ اس کا نام بالکل علیحدہ اور بلا کسی تعلق دنیا دی کے باقی رہ گیا ہے۔ اس وجہ سے یہ خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حکومت کا زمانہ بہت قلیل تھا۔ اور اس کی اہمیت اس سے کہیں کم تھی جس کا دعویٰ اس نے اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- شاہی خاندان گپت کے ایک فرد ہونے کی وجہ سے اپنے آپکو یسودھرمن کا حاکم اعلیٰ سمجھتا تھا اور یسودھرمن اپنی طرف سے اپنے آپکو خود مختار تصور کرتا تھا۔ مذکورۂ ذیل بیان جو ایک نقاد فن کے قلم سے ہے قابل غور معلوم ہوتا ہے:-

"کالہن جو چو لکیا خاندان کا باجگذار تھا ضرور بھیم دیو کی مدد کو گیا ہوگا۔ اور اس کا بھائی کیر تیپال بھی اس کے ہمراہ ہوگا۔ اور جیسا کہ باجگذار رجواڑے اکثر کیا کرتے ہیں۔ اور اس فتح کو بالا تمام اپنے نام سے ہی منسوب کر لیتے جو ان کے حاکم اعلیٰ نے حاصل کی تھی اور جس کے حصول میں انھوں نے اس کی مدد کی تھی۔ اسی طرح کلہن اور کیر تیپال نے یہ ظاہر کیا ہے کہ انھوں نے کاسہرد کے مقام پر ترشکوں کو شکست دی تھی۔ (ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۷)"

فصیح و بلیغ کتبوں میں کیا ہے[1]

تقریباً ۵۶۵ء۔ ایشیا میں ہن سلطنت کا خاتمہ۔

دریائے سیحون کی وادی میں ہنون کی سلطنت ہندوستان میں مہرگل کی وفات کے بعد بہت دنوں تک باقی نہیں رہی۔ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ترکی قبائل کے نمودار ہو جانے سے تمام صورت حالات تبدیل ہو گئی۔ ان ترکی قبائل نے جون۔ جون نام ایک حریف جرگے کو شکست دیکر ایران کے بادشاہ خسرو نوشیروان کے ساتھ جو اُس شاہ فیروز کا پوتا تھا جس نے ۴۸۴ء میں گورے ہنون کے مقابلے میں لڑتے ہوئے جان دی تھی اتحاد قائم کیا۔ اور ان دونوں اتحادیوں نے مل کر ۵۶۳ء اور ۵۶۷ء کے بین بین گورے ہنون کا قلع قمع کر دیا۔ تھوڑی مدت کے لئے ایرانی بلخ کے شہر اور ہنون کے علاقے کے بعض حصص پر قابض رہے۔ مگر ساسانیوں کے بتدریج کمزور ہو جانے کی وجہ سے ترکوں کو اس بات کا موقع مل گیا کہ جنوب کی طرف کپس تک اپنی حکومت کو وسیع کر لیں۔ اور ان ممالک پر متصرف ہو جائیں جو ہنون کی سلطنت میں شامل تھے[2]

ہون کے لفظ کا اطلاق اور مطلب

بعد کے سنسکرت علم ادب میں ہُون (ہُن) کے لفظ کا اطلاق شمال و مغرب سے آئے ہوئے کسی غیر ملکی شخص پر ایک مبہم اور غیر معین طریقے سے ہوتا ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح کہ قدیم زمانے میں یون یا آج کل ہندوستان میں ولائتی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ نام نہاد کی "شاہی"[3] راجپوت قبیلوں میں چھتیس میں سے ایک کا نام در اصل ہُون ہی تھا۔ اطلاق کے

---

[1] فلیٹ کی گپت انسکرپشنز نمبر ۳۳ و ۳۴ و ۳۵

[2] چونیز۔ کتاب مذکورہ بالا صفحہ ۹-۲۲۶

[3] بیوہلر" ایپی گریفیا انڈکا" جلد ۱ صفحہ ۲۲۵۔ سلوین لیوی" نوٹس جانیز سرانڈ"

اس ابہام سے ہون کی ان اقوام کے متعلق شبہ پیدا ہوتا ہے جن کے ساتھ چھٹی صدی عیسوی کے آخر اور ساتویں صدی کے شروع میں تھانیسر کے راجہ ہرش اور اس کا باپ متواتر برسرپیکار رہتے تھے۔ مگر یہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ مہرگل کی وفات کے پچاس سال کے عرصے کے اندر ہی اندر لفظ ہون کا اصل مفہوم بالکل فراموش ہو گیا ہو۔ اور اسی بنا پر راجہ ہرش حریفوں کو اصلی ہون کی دور افتادہ نو آبادیاں ہی تصور کرنا چاہیئے۔ جو سرحدی پہاڑیوں میں آکر آباد ہو گئی تھیں ؛

قوم گرو جرز۔ کتابوں اور کتبوں میں ہنون کا ذکر اکثر ایک اور قوم گرو جرز کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ جس کا نام آج کل بھی گوجر کی صورت میں باقی رہ گیا ہے۔ جو شمالی مغربی ہندوستان میں بہت پھیلی ہوئی ہے۔ قدیم گرجر معلوم ہوتا ہے کہ بیرونی آباد کار تھے۔ اور ان کا بہت قریبی تعلق اور ممکن ہے کہ خون کا رشتہ بھی ہنون کے ساتھ تھا۔ انھوں نے راجپوتانے میں ایک بڑی سلطنت قائم کر لی۔ جس کا صدر مقام کوہ آبو کے شمال مغرب میں پچاس میل کے فاصلے پر بھلمال یا سریمیل تھا۔ رفتہ رفتہ بھلمال کے گرجر۔ پرتہار راجاؤں نے قنوج کو فتح کر لیا۔ اور جیسا کہ چودھویں باب میں ذکر آئے گا۔ تمام ہند کے مہاراجہ ادھیراجہ بن گئے۔ بھڑوچ کی چھوٹی گرو جر سلطنت اسی بھیلمال کے خاندان ہی کی ایک شاخ تھی ؛

راجپوت قبائل کی ابتدا۔ اس مقام پر میں ایک ایسے امر کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جو ایک عرصۂ دراز سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ نمبر ۳ "لادیٹی دی کندر و گونم" (ہنوی سنہ ۱۹۰۳ع) صفحہ ۲۰۔ سنہ ۱۶۱۰ع میں جنوبی ہند کا ایک برہمن شاعر پرتگیزوں کو ہنون کہتا ہے۔ اور ان کو "نہایت قابل نفرین بے رحم۔ برہمنوں سے لاپروا۔ اور ذات سے ناآشنا ظاہر کرتا ہے" (برنل جس کو مدرس اسٹیفن نے انبوکرک صفحہ ۲۰۶ میں نقل کیا ہے) ؛

مشکوک تھا مگر اب شہادتوں کی موجودگی سے بالکل صحیح معلوم ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ راجپوتانے اور دریائے گنگا کے میدانوں میں جو غیر ملکی اقوام نقل مکان کر کے داخل ہوئیں۔ ان کا یہاں کے باشندوں کے ساتھ لڑتے لڑتے بالکل خاتمہ نہیں ہوگیا تھا۔ یقیناً ایک تعداد کثیر مر کھپ گئی مگر ایک تعداد باقی بھی رہ گئی تھی۔ یہ باقی ماندہ لوگ یہاں کے باشندوں کے ساتھ مل گئے۔ اور آج کل ان کی اولاد آبادی کا ایک بڑا جزو ہے۔ اپنے پیش رو سک اور یو۔ چی کی طرح یہ غیر ملکی اقوام بھی ہندو مت کی عجیب وغریب طاقت کا شکار ہوئے۔ اور بڑی تیزی سے انھوں نے ہندوؤں کی تہذیب اختیار کرلی۔ وہ قبائل یا خاندان جنھوں نے چھوٹے چھوٹے علاقوں کو قبضے میں کر لیا تھا بخوشی ہندوؤں کی ذات کشتری (چھتری) یا راجپوتوں میں شامل کر لیئے گئے۔ اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ شمالی ہند کی پریہار اور دوسرے راجپوت قبائل دراصل ان وحشی اقوام ہی کی تبدیل شدہ صورت ہیں جو پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان میں داخل ہوئی تھیں۔ ان ہی لوگوں میں ادنیٰ درجے کے افراد گرجر اور دیگر اقوام بن گئیں۔ جو عزت وسبقت کے لحاظ سے راجپوتوں سے کم درجے کی شمار ہوتی ہیں۔ جنوب کی طرف بھی بعینہ اسی طرح ہندوستان کے اصلی باشندوں کے قبائل واقوام نے بھی ہندو تہذیب قبول کرلی۔ اور بتدریج یہ گونڈ۔ بھر۔ کھروار وغیرہ اقوام چندیل۔ راٹھور۔ گھروار اور دیگر مشہور ومعروف راجپوت اقوام بن گئیں جن کے لیئے فوراً ایسے شجرۂ نسب گھڑ لیئے گئے جو چاند یا سورج تک پہنچتے ہوں۔ اس تمام ارتقاء کے طریقے پر مع امثلہ میں زمانۂ وسطیٰ کے دور میں شمالی ہند کی تاریخ لکھتے ہوئے زیادہ تفصیل سے بحث کروں گا؛

بیرونی حملے سے ہندوستان کی خلاصی۔ دریائے سیحون کی وادی میں افتالوی سلطنت کے استیصال سے ہندوستان میں وحشیوں کے آنے کا یا تو بالکل سد باب ہوگیا یا کم از کم اس میں بہت کمی

ضرور واقع ہوگئی۔ اور جہاں تک پتا چلتا ہے۔ مہرگل کی شکست[1] کے بعد تقریبًا پانچ صدی تک ہندوستان بیرونی حملوں سے بالکل آزاد رہا۔ ذیل کے ابواب میں یہ بتلایا جائے گا کہ بیرونی حملوں سے اسطرح بے خوف ہوجانے کے طول طویل زمانے کو ہندوستانیوں نے کس طرح استعمال کیا یا کس طرح وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھانے سے قاصر رہے ؛

چھٹی صدی کے نصف آخر کی تاریخ تقریبًا بالکل مفقود ہے۔

چھٹی صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کا تاریخی حال بہت ہی کم معلوم ہوتا ہے ۔ یہ یقینی ہے کہ اس زمانے میں کوئی حکومت اعلیٰ موجود نہ تھی۔ اور دریائے گنگا کے میدان کی تمام سلطنتیں ہُن اور اقوام متعلقہ کی تاخت و تاراج سے سخت درجہ تباہ و برباد ہوگئی تھیں۔ مگر بعض مقامی خاندانوں کے راجاؤں کے ناموں کی فہرست کے سوا اور کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جو کچھ دلچسپی رکھتا ہو ؛

مو۔ لا۔ پو۔

اس پُرآشوب زمانے میں ہندوستان جن مختلف ریاستوں میں منقسم تھا ان میں سے ایک خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ جو مختصر سا اشارہ ہیون سانگ نے اس کے متعلق کیا ہے اس سے بہت بحث اور تھوڑی غلط فہمی واقع ہوتی ہے ۔ ۶۴۱ئہ یا ۶۴۲ئہ کے اوائل میں جاتری بھروچ سے روانہ ہوا اور شمال مغربی سمت میں بڑی دور تک چلا گیا۔ مگر اس مسافت کا عرصہ غالبًا چینی متن کتاب میں مبالغہ سے بیان ہوا ہے۔) اور ایک ملک میں داخل ہوا جو مو۔ لا۔ پو کہلاتا تھا۔ یہ نام علم الاصوات کے

---

[1] مہرگل کی شکست تقریبًا ۵۲۸ئہ ۔ پنجاب پر محمود کا مستقل قبضہ ۱۰۲۳ئہ آٹھویں صدی میں عربوں کے سندھ کی فتح کا اثر اندرون ملک پر بالکل نہیں پڑا۔ اور اگر ساتویں۔ آٹھویں۔ نویں اور دسویں صدیوں میں وحشی اقوام نے کبھی یورش کی ہو تو اس کا حال بالکل نہیں ملتا ؛

اصول کے مطابق مالوا معلوم ہوتا ہے۔ اس کا گمنام صدر مقام جنوب مشرق میں ایک زبردست دریا یا ایک اور قرأت کے مطابق مہی کے کنارے پر واقع تھا۔ مگر اب تک اس کا موقعہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اگر اس "زبردست دریا" سے مراد دریائے سابرمتی لی جائے تو یہ شہر احمد آباد کے موقعے یا اس کے قریب واقع ہوگا۔ اگرچہ جاتری کے سفرنامے کے تمام بیانوں کی تطبیق بالکل ناممکن ہے اور اس کے علاوہ بعض تفاصیل اب بھی متنازع فیہ ہیں۔ لیکن بہرحال یہ بالکل صریح ہے مو۔ لا۔ پو کے ملک یا سلطنت میں دریائے مہی کا علاقہ۔ سابرمتی کی مشرقی سرزمین اور جنوبی راجپوتانہ کا غالباً رتلام تک کا علاقہ شامل تھا۔ مو۔ لا۔ پو کی سلطنت شمال گرجر کی سلطنت بھینمال۔ شمال مغرب میں آنند پور (درنگر) کی باجگذار ریاست۔ جو سابرمتی کے مغرب میں واقع تھی۔ اور مشرق میں اس ریاست (اونتی۔ یا مشرقی مالوا) سے محدود تھی جس کا صدر مقام اجین تھا۔ انند پور کے علاوہ دو اور ملک کی۔ تا (یا کی۔ جا) اور سو۔ لا۔ جا (یا۔ سو۔ لا۔ تھا) بھی مو۔ لا۔ پو کے ماتحت تھے۔ موخرالذکر ملک یقیناً سورٹھ (سراشٹر) یا جنوبی کاٹھیاواڑ تھا۔ مگر مقدم الذکر کی اصلیت اب تک متنازع فیہ ہے۔ اور مستند علما کا خیال ہے کہ اس سے مراد کیر (کھید۔ کھیتک) ہے۔ مگر دوسرے کہتے ہیں۔ کہ اس سے مطلب کچھ کا علاقہ ہے؛

دھروبھٹ۔ مشرقی کاٹھیاواڑ میں ولبھی (ولا) کا علاقہ جو مو۔ لا۔ پو اور سراشٹر کے درمیان واقع تھا۔ خود اپنے بادشاہ کے زیر حکومت خود مختار تھا۔ اس بادشاہ کا نام دھروبھٹ (جس کو کتبوں میں دھروسین بالادت لکھا ہے) تھا۔ اور وہ شمالی ہند کے مہاراجہ دھیراجہ ہرش (رسیلادت) کا داماد تھا۔ ہیون سانگ کے وہاں آنے سے چند سال قبل ہرش نے دھروبھٹ کو شکست دی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ازدواجی تعلق صلح کے وقت دونوں میں قرار پایا تھا۔ ۶۴۳ء میں جب ہرش قنوج اور پریاگ (الہ آباد) میں وہ عظیم الشان مجالس منعقد کر رہا تھا

جن میں ہیون سانگ بھی شریک تھا تو ولبھی کا یہ راجہ اور باجگذار راجاؤں کے زمرے میں اپنے خسر کے دربار میں حاضر تھا۔ جاتری مو۔لا۔پو اور اس کی تین باجگذار ریاستوں یعنے آنندپور۔سراشترا ور (۹) کچھ کے نظم ونسق سلطنت کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ اوراس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان ریاستوں پر براہ راست ہرش کی طرف سے حکومت ہوتی تھی۔ اوراس کا باپ چھٹی صدی کے آخر میں مالوا (غالباً مو۔لا۔پو) کے بادشاہ سے جنگ بھی کرچکا تھا۔ یہ امر کہ مو۔لا۔پو۔ اوراس کی باجگذار ریاست سراشتر کے درمیانی علاقہ ولبھی کے حکمرانوں کو بادشاہ کیوں کہا گیا ہے اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ ہرش (سیلادت) نے اپنے داماد کو قصداً نہ صرف ولبھی بلکہ مو۔لا۔پو۔ اور ریاست ہائے متعلقہ پر نیم خود مختار رہنے دیا ہوگا۔

مو۔لا۔پو کا راجہ سِیلادِت

مقامی حالات وبیانات کے مطالعے سے ہیون سانگ کی توجہ دھروبھٹ کے چچا سِیلادِت کی طرف مبذول ہوئی۔ وہ اس سے ساٹھ سال قبل مو۔لا۔پو کا راجہ تھا۔ یہ بادشاہ غیر معمولی عقل ودانش اور علم وفضل کے لحاظ سے مشہور اور بدھ مذہب کا نہایت جوشیلا پیرو تھا۔ جانداروں کی جانوں کی حفاظت میں وہ اس قدر مبالغہ کرتا تھا کہ احتیاط کے طور پر ہاتھیوں اور گھوڑوں کے پینے کے پانی کو بھی چھنوا لیتا تھا۔ کہ مبادا پانی میں رہنے والے کیڑوں کو گزند نہ پہنچے۔ اپنے محل کے ساتھ ہی اس نے ایک بدھ مذہب کا مندر بھی تعمیر کرایا تھا جو صناعی اور زیب وزینت کی وجہ سے قابل دید تھا اور وہاں ساتوں بدھوں کی مورتیں موجود تھیں۔ اس کا دستور تھا کہ ہر سال وہ ایک زبردست مجلس منعقد کیا کرتا۔ اور اس میں بھکشوؤں کو نہایت فیاضی سے انعام واکرام تقسیم کرتا۔ ہیون سانگ کے وہاں آنے تک یہ مذہبی رسم چند نسلوں سے برابر جاری تھی۔

مو-لا-پو کا راجہ سیلادت - دھرماوت - ایم-سلوین لیوی کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیندار راجہ درحصل ولبھی کے خاندان کا بدھ مذہب کا بادشاہ سیلادت اول جس کا لقب دھرمادت (یعنے شمس الدین) تھا-جس نے ۵۹۵ء-۶۱۰ یا ۶۱۵ء تک حکومت کی ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ سنین ہیون سانگ کے بیان سے ربط نہیں کھاتے لیکن یہ یقینی ہے کہ ولبھی کا راجہ دھروبھٹ سیلادت۔ دھرماوت کا بھتیجا تھا۔ اور اس کے علاوہ ہیون سانگ کا بھی بیان یہ ہے کہ وہ مو-لا-پو کے ایک سابق بادشاہ دیندار سیلادت کا بھتیجا تھا۔ ان تمام وجوہ کو پیش رکھتے ہوئے صرف یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ سیلادت دھرماوت اپنی ولبھی کی موروثی سلطنت کے علاوہ مو-لا-پو کی سلطنت پر بھی فاتحانہ حیثیت سے حکمراں تھا[1]۔ ان دونوں علاقوں کو آخر میں ہرش نے فتح کرلیا۔ اور یہ راجہ بھی اس کے ماتحت ہوگئے ؛

مو-لا-پو اجین سے مختلف ہے مذکورۂ بالا حکایت کی غلط فہمی کی وجہ سے مسٹر بیل اور چند دوسرے مصنفین نے غلطی سے یہ خیال کرلیا تھا-کہ مو-لا-پو یعنے مغربی مالوا درحقیقت سلطنت اجین یعنے اونتی یا مشرقی مالوا ہی ہے۔ اسی بناپر مسٹر بیل نے مو-لا-پو کے راجہ سیلادت کو "سیلادت راجۂ اجین" لکھ دیا تھا۔ اور یہ بالکل فراموش کردیا کہ ہیون سانگ نے اجین کے علاقے کا ذکر بالکل علیحدہ کیا ہے۔ یہ علاقہ اس کے زمانے میں مو-لا-پو کے علاقے کے برابر تھا اور ایک برہمن راجہ اس پر حکمراں تھا۔ ولبھی اور مو-لا-پو کا سابق راجہ سیلادت چھتری سمجھا جاتا تھا۔ اور کوئی وجہ یہ فرض کرنے کی معلوم نہیں ہوتی کہ

---

[1] ڈاکٹر ہارنل نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیم تر سیلادت درحصل ہنوں کا فاتح یسودھرمن تھا۔ مگر میرے نزدیک اس کو اس کے ثابت کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ (جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۲۲) ؛

اس کا کوئی تعلق اجین سے تھا؛

قنوج کے راجہ ہرش (سیلادت) کو اس کا دوست ہیون سانگ ویش ذات کا بتلاتا ہے۔ اگرچہ اس کا درجہ چھتری ہی کا تھا۔ غلطی سے مو۔لا۔پو اور اجین کی سلطنت کو آپس میں خلط ملط کر دینے سے ہرش کے زمانے کی تاریخ کے باب میں بہت کچھ ابتری اور خرابی واقع ہوئی ہے۔ اور اس کتاب کی طبع اول میں جو خیالات ظاہر کیے گئے تھے ان کی وجہ اس غلطی کا ازالہ ہی تھا۔ مگر وہ خیالات بذات خود چند وجوہ سے غلط تھے اور اب ان کو تازہ انکشافات کی بنا پر درست کر دیا گیا ہے[1]؛

---

[1] حاشیہ کے حدود میں محدود رہ کر مو۔لا۔پو کے نظریئے پر مکمل بحث کرنا ناممکن ہے۔ اس کے متعلق حوالے حسب ذیل ہیں:— ہیون سانگ (بیل جلد ۲ صفحہ ۲۷۰-۲۶۰ - ویٹرس جلد ۲ صفحہ ۲۴۸-۲۴۲) کننگھم "اینشنٹ جیاگریفی" صفحہ ۴۹۴-۴۸۹ - اسٹین ترجمہ راج ترنگنی جلد اول صفحہ ۶۶ - میکس میولر:— انڈیا وہاٹ اٹ کین ٹیچ اس صفحہ ۲۸۸ - پارنل:— (جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۰۳ء صفحہ ۵۵۳) - وی۔اے۔سمتھ (زیڈ۔ڈی۔ایم۔جی ۱۹۰۴ء صفحہ ۷۹۶-۷۸۷) برن (جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۰۵ء صفحہ ۸۳۳) - گریرسن (جے۔آر۔اے۔ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۹۶) برگیس (ایضاً صفحہ ۲۲۰) - انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۹۵) - سلوین لیوی (جرنل ڈیس سیونٹس۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۴۴-۸) - متن کتاب جو اس کتاب کی طبع اول سے بالکل مختلف ہے ان تمام مندرجہ بالا حوالوں پر مبنی ہے۔ بعض خاص باتیں قابل غور ہیں۔ مو۔لا۔پو میں بھنمال (بھلمال۔ بھنمال۔ بھلمال۔ اور سریمال) جو در اصل پی۔لو۔مو۔لو ہے شامل نہ تھا۔ یہ راجپوتانہ کی کیو۔جے۔لو۔ (گرجر) سلطنت کا صدر مقام تھا۔ اور اس میں اجین بھی جو ایک بالکل علیحدہ سلطنت (اونتی) کا مستقر اور شمالی عرض بلد ۲۳-۱۱ اور مشرقی طول بلد ۷۵-۴۷ میں واقع ہے شامل نہ تھا۔ ہیون سانگ کی کتاب کے تینوں متن میں دریا کا نام یا اسم عرفی ہو۔ہا = مہا لکھا ہے۔ صرف ایک متن ہے جس کی پیروی لیوی نے کی ہے مو۔ہی = مہی لکھتا ہے (ویٹرس)۔ مگر گردوپیش کے

خاندان گپت کی جدول سنین

سنہ عیسوی	واقعہ	کیفیت
تقریباً ۳۰۸ء	چندر گپت کی لکھوی شہزادی سے شادی ؛	سمت گپت کا قائم ہونا ۔ اس کا پہلا سال ۲۶ ۔ فروری ۳۲۰ء سے شروع ہوتا ہے ۔
۳۲۰ء	چندر گپت اول خود مختارانہ تخت نشین ہوا ؛	
تقریباً ۳۲۶ء	سمدر گپت تخت نشین ہوا ؛	
״ ۲۶-۳۳۰ء	شمالی ہند کی فوجی مہمات ؛	
״ ۵۰-۳۴۰ء	جنوبی ہند کی فوجی مہم ؛	
״ ۳۵۱ء	اشومیدھ ؛	

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا در اصل سابرمتی تھا نہ کہ مہی ۔ آنند پور کا ورنگر ہونا اب بالکل ثابت ہے ۔ کی ۔ تا یا کی ۔ چا بخوبی کھیت (کھیتک ۔ کھید) جو موجودہ ضلع کھیرا ہے کی آواز پیدا کرتا ہے ۔ لیکن سینٹ مارٹن ۔ جولین اور وٹیرس اس کو کچھ لکھتے ہیں ۔ اور میرے نزدیک بھی یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ سو ۔ لا ۔ چا (یا) سو ۔ لا ۔ تھا کا سورتھ یا سراشتر یعنے مغربی کاٹھیاواڑ ہونا بھی بالکل صریح ہے ۔ اس وجہ سے کہ اس میں یوہ شن ۔ تو یا یھوشن ۔ تو کے پہاڑ کا ذکر ہے جو در اصل اُجنتا (اُجَینَت یا اُجَنتا) ہے = گرنار ۔ دھرو بھٹ ہرش کا داماد تھا نہ کہ بیٹا (وٹیرس جلد ۲ صفحہ ۲۴۷) پی ۔ لو ۔ مو ۔ لو = بھلمل (وٹیرس جلد ۲ صفحہ ۲۵) ہیون سانگ کے آنے کی تاریخ کے لئے دیکھو وٹیرس جلد ۲ صفحہ ۳۳۵ ؛

سن عیسوی	واقعہ	کیفیت
تقریباً ۳۶۰ء	لنکا کے راجہ میگھورن کی طرف سے سفارت ۔	
" ۳۷۵ء	چندرگپت ثانی کی تخت نشینی ۔	
" ۳۹۵ء	مغربی ہند کی فتح ۔	
۴۰۱ء	اُدیا گری کا کتبہ ۔	۸۲ء س۔گ
۴۰۵-۱۱ء	سلطنت گپت میں فاہیان کی سیاحت ۔	۸۶-۹۲ء " "
۴۰۷ء	گڑھوا کا کتبہ ۔	۸۸ء " "
۴۰۹ء	مغربی وضع کے چاندی کے سکّے ۔	۹۰ء " "
۴۱۲ء	سانچی کا کتبہ ۔	۹۳ء " "
۴۱۳ء	کمار گپت کی تخت نشینی ۔	۹۴ء " "
۴۱۵ء	بلسر کا کتبہ ۔	۹۶ء " "
۴۱۷ء	گڑھوا کا کتبہ ۔	۹۸ء " "
۴۳۲ء	متھرا اور شمالی بنگال میں نٹور کے کتبے ۔	۱۱۳ء " "
۴۳۶ء	مندسور ۔	۱۱۷ء " "
"	بھردی کا کتبہ ۔	
۴۴۰ء	نقرئی سکّے ۔	۱۲۱ء گ۔س
۴۴۲ء	" "	۱۲۴ء " "
۴۴۷ء	" "	۱۲۸ء " "
۴۴۸ء	نقرئی سکّے اور منکوار کا کتبہ ۔	۱۲۹ء " "
۴۴۹ء	نقرئی سکّے ۔	۱۳۰ء " "
تقریباً ۴۵۰ء	جنگ پشی متر ۔	۱۳۱ء " "
۴۵۴ء	نقرئی سکّے ۔	۱۳۵ء " "
۴۵۵ء	نقرئی سکّے ۔	۱۳۶ء " "
۴۵۵ء	سکند گپت کی تخت نشینی ۔ پہلی جنگ ہُن ۔	۱۳۶ء " "

سن عیسوی	واقعہ	کیفیت
۴۵۶ء	گرنار کی جھیل کا بند دوبارہ تعمیر ہوا ؛	۱۳۷ء س-گ
۴۵۷ء	مندر اس مقام پر تعمیر کیا گیا ؛	۱۳۸ء ” ”
۴۶۰ء	کھاؤن کا کتبہ (گورکھپور) ؛	۱۴۱ء ” ”
۴۶۳ء	نقرئی سکے ؛	۱۴۴ء ” ”
۴۶۴ء	نقرئی سکے ؛	۱۴۵ء ” ”
۴۶۵ء	اندور کا کتبہ (ضلع بلند شہر) ؛	۱۴۶ء ” ”
۴۶۷ء	نقرئی سکے ؛	۱۴۸ء ” ”
تقریباً ۴۷۰-۸۰ء	دوسری جنگ ہن ؛	۱۵۱-۱۶۱ء ” ”
۴۷۳ء	مندسور کا کتبہ ؛	۵۳۰ء سن مالوی جاری تھا۔
۴۷۷ء	پالی زبان کا کتبہ (ایپی گریفیا انڈکا جلد دوم صفحہ ۳۶۳) ؛	۱۵۸ء س-گ
تقریباً ۴۸۰ء	پرگپت کی تخت نشینی (؟ پرکاسادت) ؛	
” ۴۸۵ء	نرسمہگپت بالادت کی تخت نشینی ؛	
” ۴۹۰-۵۱۰ء	ترمان ؛	
” ۴۹۰-۷۷۰ء	خاندان ولبھی ؛	
” ۵۱۰-۵۴۰ء	مہرگل ؛	اسکی شکست تقریباً ۵۲۸ء
۵۲۰ء	سنگ-ین گندھار کے گورے ہن بادشاہ کے دربار میں آیا ؛	
تقریباً ۵۲۸ء	بالادت اور یسودھرمن نے مہرگل کو شکست دی ؛	
” ۵۳۰ء	کمارگپت دوم تخت نشین ہوا ؛	
” ۵۳۵-۷۲ء	مگدھ کا " آخری خاندان گپت " ؛	
” ۵۹۵-۶۱۵ء	مو-لا-پو اور ولبھی کا راجہ سیلادت ؛	

ضمیمہ ص

بسوبندھو اور خاندان گپت

فہرست اسناد بسوبندھو مشہور بدھ عالم کی تاریخ اور ان شاہان گپت کا نام جن سے اس کے قریبی تعلقات قائم تھے ایسے مسائل ہیں جن کی بحث میں ضخیم رسالہ جمع ہو گیا ہے اور جن کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے ؕ

موجودہ کتب متعلقہ مسئلہ زیر بحث کی فہرست حسب ذیل ہے :-
انڈین انٹی کویری ۔ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۷۰ (پھٹک)۔ صفحہ ۲۶۴ (ہارنل) صفحہ ۳۱۲ ۔ (نرسمہچار) ۔ ایضاً ۱۹۱۲ء صفحہ ۱ (ڈی ۔ آر ۔ بھنڈارکر) صفحہ ۱۵ (ایچ ۔ پی ۔ شاستری) ۔ صفحہ ۲۴۴ (پھٹک) ۔ جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے ۔ ایس ۔ بی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۲۷ (ودیا بھوشن) ۔ اور ان میں سب سے زیادہ اہم نیول پیری کا "اسے پراپاس ڈی ل دیٹ ڈی وسوبندھو" (بل ۔ ڈی ل اکول فر ۔ ڈاکسٹریم اورئینٹ" جلد ۱۱ (۱۹۱۱ء) صفحہ ۳۹۰ ۔ ۳۳۹) ۔ ان تمام اشاعات اور خاص کر موخر الذکر میں بہت پرانی اسناد کے حوالے دیئے گئے ہیں ۔ اور ان میں سب سے زیادہ بامعنی ہیون سانگ (یون ۔ چانگ) مترجمہ واٹرس جلد اول صفحہ ۲۱۲ ۔ ۲۱۰ ۔ اور تنککسو کی تنقید پر مارتھ کی سوانح بسوبندھو پر ۔ جے ۔ آر ۔ اے ۔ ایس ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۳ ۔ ۴۴ ؕ

ایم نیول پیری کے دلائل ۔ میرے نزدیک ایم ۔ پیری کے دلائل اس امر کے ثبوت میں کہ بسوبندھو چوتھی صدی عیسوی میں گذرا ہے اور اسی صدی کے نصف آخر کے شروع میں مرا ہے

ایسے کرتے ہیں کہ ان کا توڑنا یا ان کو نہ ماننا لینا مشکل ہے[1] چنانچہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کی زندگی (تقریباً ۲۸۰ء سے ۳۶۰ء) کا بڑا حصہ چندر گپت اول اور سمدر گپت کے عرصۂ حکومت میں گذرا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں بادشاہ ۳۲۰ء سے ۳۷۵ء یا اس سے ذرا بعد ہوئے ہیں۔ ایم پیری کی طول طویل تقریر (جو بے شمار چینی کتابوں پر مبنی ہے) کی تلخیص حسب ذیل صورت میں پیش کی جا سکتی ہے:—

تقریباً تمام کی تمام چینی شہادتیں اس امر میں متفق ہیں کہ بسو بندھو اور اس کا بڑا بھائی اسنگ بدھ کے موت کے "(۹۰۰) برس بعد گذرے ہیں[2]۔ "نوسو برس بعد میں" وغیرہ تمام فقروں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "اس کے بعد نویں صدی میں" نہ کہ "دسویں صدی میں" جیسا تککسو نے فرض کر لیا ہے۔ چینی ادبی روایات بھی ہری ورمن اور بسو بندھو کو (۹۰۰) سنین کے

[1] پروفیسر میکڈانل نے یہ خیال مدت ہوئی ظاہر کیا تھا اور اس کی وجہ یہ تبلائی تھی کہ بسو بندھو کی کتب کا ترجمہ چینی زبان میں ۴۰۴ء میں ہوا تھا (ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۲۵)۔ مسٹر ایس۔ سی ودیا بھوشن بھی اپنی تحقیقات کی بنیاد تبت کی کتابوں پر رکھتے ہوئے یہی ثابت کرتے ہیں کہ بسو بندھو چوتھی صدی عیسوی میں ہی گذرا ہے۔ اور وہ اس کو تبت کے بادشاہ لہا۔ٹھو۔ ری کا ہم عصر تبلاتے ہیں جس کے متعلق فرض کیا جاتا ہے کہ وہ ۳۷۱ء میں مرا ہے۔ (جرنل اینڈ پروسیڈنگس آر۔ ایس۔ بی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۲۷)۔

[2] ان میں سب سے بڑا استثنیٰ ہیون سانگ ہے جو بسو بندھو کو "(۱۰۰۰) میں تبلاتا ہے"۔ واٹرس نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہمارا جاتری یہاں دو بھائیوں (بسو بندھو اور اسنگ) کا ذکر کرتا ہے جو گندھار کے رہنے والے تھے اور بدھ کی موت کے ہزار برس بعد گذرے ہیں (یعنے چینی حساب سے سن عیسوی کی تیسری صدی میں)"۔ (واٹرس۔ جلد اول صفحہ ۳۵۷)۔ یہ حساب تقریباً درست ہے۔ کیونکہ بسو بندھو تقریباً ۲۸۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس کا بھائی اس سے ذرا قبل۔

بُدھ کا بتلاتی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ دونوں مصنف ہمعصر خیال کئے جاتے ہوں گے؎

ہری ورمن کی کتاب کا ترجمہ کمار جیو (سنہ ۴۱۲-سنہ ۳۸۳ء بیچ میں) نے کیا تھا اور اس وجہ سے وہ سنہ ۴۰۰ء سے پہلے ہی لکھا ہوگا۔ اس بنا پر بسو بندھوا کی صدی میں گذرا ہوگا۔ اس کمار جیو نے سنہ ۴۰۴ء و سنہ ۴۰۵ء میں دو کتابوں (ست شاستر اور بودھی چِتّو یادن شاستر) کا ترجمہ کیا تھا۔ جو بسو بندھو کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض مصنفین اس کے نام کا اختصار کر کے صرف بسو ہی لکھتے ہیں۔ مگر اس میں کسی قسم کا کلام نہیں کہ ان کا مطلب بسو بندھو ہی سے ہوتا ہے۔ اور تکاکسو کی طرح اس بات میں بھی شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ دونوں کتابیں اسی کی لکھی ہوئی ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اس سے قبل ایک بسو بندھو اور بھی گذرا تھا۔ مگر یہ فرض کرنے کی کوئی موقر وجہ موجود نہیں۔ کمار جیو نے جس نے بسو بندھو کی ایک سوانح عمری بھی لکھی جو اب معدوم ہو گئی ہے۔ سنہ ۳۸۰ء کے قبل ست شاستر پڑھی تھی[1]؎

بسو بندھو کے بڑے بھائی اسنگ کی کتاب یوگا چار یا بھومی شاستر کے ایک حصے کا ترجمہ سنہ ۴۱۴ء اور سنہ ۴۲۱ء کے درمیان کیا تھا[2]۔ یہ ایک بڑی کتاب ہے اور مصنف نے پختہ عمر کے بعد ہی اسے لکھا ہوگا؎

یہ ہر ایک شخص مانتا ہے کہ بودھی روچی نے بسو بندھو کی ایک کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔ (وجر چھید کا پراجن۔ پارمتا سوتر۔ مترجمہ سنہ ۵۰۹ء یا

---

[1] تکاکسو کو اس امر سے قطعی انکار ہے کہ کمار جیو نے بسو بندھو کی کوئی سوانح عمری کبھی لکھی تھی۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۹)؎

[2] اگر یہ واقعہ بیان شدہ صحیح طور پر بیان کیا گیا ہے تو ثبوت کے لئے یہی ایک کافی ہے۔ تکاکسو نے اسنگ کے تین کتابوں کے نام گنوائے ہیں۔ (۱) سپت دس بھومی سوتر۔ (۲) مہایان سوترا اُپسیدس۔ (۳) مہایان سمپر گرہ شاستر (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۵)؎

۵۰۹ء) - اس مترجم کو "۱۰۰۰ء" کا تصور کیا جاتا ہے - یعنے وہ بسو بندھو سے تقریباً دو صدی بعد کا تھا؛

بسو بندھو کے جانشینوں کے متعلق ایم - پیری کا خیال ہے کہ گوئتمی چھٹی صدی کے شروع میں ستر متی اسی صدی کے آخر میں گذرا ہے - دِنّاگ ہی ایک ایسا مشہور بدھ مذہب کا مصنف ہے جس کو پانچویں کا کہا جا سکتا ہے[1] - چینی مصنفین "۹۰۰ء" اور "۱۰۰۰ء" میں بہت سے مشہور مصنفین کا ذکر کرتے ہیں - مگر ان کے دونوں کے درمیان میں کسی کا نام نہیں لیتے - اس غلط علمی کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ شاہان گپت کے زمانے میں ہندو مت کا دوبارہ احیاء شروع ہو گیا تھا؛

مذکورۂ بالا بیان کو پیش نظر رکھتے ہوئے لامحالہ یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ بسو بندھو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسّی برس کا ہو کر مرا تھا - چوتھی صدی عیسوی ہی میں گذرا تھا - اور اس صدی کے نصف آخر کے شروع میں مرا تھا - جیسا کہ میں اوپر کہہ چکا ہوں میں ان دلائل کو ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں دیکھتا؛

چندر گپت اول کی تاریخ - اب ہم کو اس شہادت کو جانچنا چاہیئے جس سے بسو بندھو اور شاہان گپت کا تعلق ظاہر کیا جاتا ہے - ان شاہان گپت میں سب سے پہلا جس نے شاہی کا رتبہ حاصل کیا چندر گپت اول تھا جس نے ۳۲۰ء سے ۳۳۰ء تک یا ممکن ہے کہ اس سے ذرا بعد حکومت کی ہے؛

تارناتھ کا بیان بسو بندھو اور شاہان گپت کے تعلق کے متعلق زیادہ مکمل بیانات دینے سے پہلے میں یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ تارناتھ کے بیان کے مطابق وہ زیادہ مگدھ میں رہا - اپنے بھائی

---

[1] تبتی روایات کے بموجب دِنّاگ بسو بندھو کا شاگرد تھا (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے - ایس - بی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۲۷)؛

اسنگ کے مرنے کے تقریباً پچیس برس بعد تک زندہ رہا۔ اور تبت کے بادشاہ لہا۔ تھتھوری گنجنگنسٹن کا ہمعصر خیال کیا جاتا تھا۔ یہ بادشاہ وسیلیف کے خیال کے مطابق مشہور و معروف بادشاہ سرنگ۔ بستن۔ سگمبو سے پانچ نسلیں پہلے گذرا تھا۔ (شیفنر صفحہ ۱۲۳ و ۲۹۱ و ۳۱۸) ۔ سرت چندرا داس کا بیان ہے کہ لہا۔ تھتھوری "۵۶۱ء میں پوری ایک صدی[۵] کامیابی سے حکومت کرنے کے بعد ایکسو بیس برس کی عمر میں مرا تھا" (جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۱۷)۔ یہ شہادت ایم۔ پیری کے ثبوت کے خلاف پڑتی ہے۔ مگر مجھے کچھ زیادہ وقیع نہیں معلوم ہوتی۔ سرنگ۔ لتن۔ گمپو (اس کا نام اکثر ایسا ہی لکھا جاتا ہے) "سب سے پہلا تبت کا بادشاہ جس کے حالات معلوم ہیں" ۶۳۰ء میں تخت پر بیٹھا تھا۔ (دیکھو ڈی ملوئی:۔ بود۔ پول او تبت صفحہ ۱۳۹ و ۱۶۴)۔

وسیلیف وسیلیف (ترجمہ "دل کے" صفحہ ۲۲۰ و ۲۲۱) نے بسو بندھو اور بکرماجیت کے تعلقات کی تمام کہانی تقریباً ویسی ہی بیان کی ہے جیسی کہ پرمارتھ نے کہی ہے۔ لیکن بکرماجیت کے بیٹے اور جانشین کا نام پرادت نہ کہ بالادت لکھا ہے۔

شاہان گپت کے ساتھ تعلقات کی تین شہادتیں اب میں ان تین کتابوں کو جانچنا شروع کرتا ہوں جن میں بسو بندھو کے شاہان گپت کے ساتھ تعلقات کی شہادت ملتی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وامن (تقریباً ۸۰۰ء)۔ (۲) پرمارتھ جس نے اپنی کتابیں ۵۴۶ء اور ۵۶۹ء کے درمیان لکھیں۔ (۳) ہیون سانگ (یون چانگ) جس نے اس تمام معاملے کی یادداشت غالباً ۶۳۱ء میں بسو بندھو کی جائے پیدائش یعنے پشاور کے مقام پر لی تھی۔ اور جس نے یقیناً اپنی کتاب ۶۴۸ء سے پہلے ختم کی تھی (واٹرس جلد اول صفحہ ۱۲)۔

---

[۵] مجھکو یقین نہیں کہ "پوری ایک صدی" حکومت کی ہو۔ بعض مصنفوں نے جیسا کہ اوپر آچکا ہے۔ بیان کیا ہے کہ لہا تھوری ۳۷۱ء میں مرگیا۔ یہ سنہ وسو بندھو کی صحیح تاریخ سے مطابق ہوتا ہے۔

شعر جس کو وامن نے نقل کیا ہے۔

مشہور منطقی وامن نے جس مصرعۂ شعر کو نقل کیا اور جسے سب سے پہلے پروفیسر پھٹک نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ بظاہر کسی بڑی قدیم کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔ جو غالباً بالاگپت کے خاندان کے بادشاہ کی ہمعصر اور شاید اسی خاندان کے شجرۂ نسب کے طور پر لکھی گئی تھی۔ اس عبارت پر انڈین انٹی کویری کے رسائل میں جن کا ذکر اس مضمون کے شروع میں کیا گیا ہے پوری مکمل و مفصل بحث ہے۔ مختلف متنازع فیہ مسائل میں پڑے بغیر میں یہ کہدینا چاہتا ہوں کہ میں بسوبندھو کی قرأت کو قبول کرتا ہوں۔ اور اس بات میں بھی متفق ہوں چندر پرکاش (پربھاؤ) ایک نام یا لقب ہے۔ اور وہ محض تعریفی لفظ جس کے معنے "چاند کی طرح کا چمکدار" ہوں نہیں ہے۔ اس کی تشریح میں "ساچیویا" کے لفظ سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ بسوبندھو اس نوجوان راجہ کا وزیر ہو گیا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا مطلب محض یہ ہو کہ وہ بادشاہ کا ایک مصاحب و ندیم تھا۔

پروفیسر پھٹک کے متن شعر کا صحیح شدہ ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"چندرگپت کا یہی نوجوان بیٹا چندر پرکاش۔ جو علماء کا مربی اور اپنے تمام کاموں میں کامیاب ہے بادشاہ ہوا۔" شارح لکھتا ہے کہ "علماء کا مربی" "اشارئے کی ایک مثال ہے اور یہاں اس سے مراد بسوبندھو کی وزارت ہے۔"

میرے نزدیک یہ فرض کر لینا بالکل قرین قیاس ہے کہ شارح کا مطلب یہاں بدھ مذہب کے مشہور عالم بسوبندھو سے ہی ہے۔ اور "اشارئے" کو اس طرح سمجھانے کے لئے اس کے پاس موقر وجوہ ضرور موجود ہونگے۔ لیکن اس شعر میں جس کا وامن نے حوالہ دیا ہے بسوبندھو کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ صرف ایک عام اور معلوم شدہ واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ چندرگپت کا نوجوان بیٹا چندر پرکاش علماء کا مربی اور سرپرست تھا۔ اور تشریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان بادشاہ اور بسوبندھو کی دوستی

اس قدر مشہور ہو گئی تھی کہ اُسے "اشارے" کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔
اگر شارح کی تشریح کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا یہ بیان ایم۔ پیری کے نظام سنین کے بالکل مطابق ہوتا ہے۔ اور اس حساب سے مذکورہ چندر گپت یقیناً چندر گپت اول ہی ہو گا جو ۳۲۰-۳۳۰ء تک یا اس کے ذرا بعد حکمراں تھا۔ اس کا بیٹا سمدر گپت ایک لائق اور فرزانہ بادشاہ تھا۔ علم موسیقی اور شعر گوئی میں کمال دسترس رکھتا تھا۔ اور یقیناً علماء کا مربی اور سر پرست تھا۔ ہرشین جس نے ایک فصیح و بلیغ سنسکرت نظم میں بادشاہ کی تعریف و مدح کی تھی اسی جماعت کا ایک فرد تھا۔[۱] اور یہ باور کرنے میں ذرا بھی دقت نہ ہونی چاہیئے کہ سمدر گپت کا نام شہزادگی کے زمانے میں چندر پرکاش تھا۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ خاندان گپت کے بادشاہ ایسے بہت سے نام استعمال کرتے تھے۔ اور رہا سمدر گپت کا ایک بدھ مذہب کے عالم کو اپنے دربار میں ملازم رکھنے کا حال سو وہ اس کے خاندان کے اور بادشاہوں کی طرح سمدر گپت سے بھی ہو سکتا تھا۔ بلا کسی استثنا کے شاہان گپت اپنے کتبوں اور سکوں سے برہمنی ہندو مت کے پیرو معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اس بات نے ان کو کبھی ذاتی طور پر بدھ مذہب میں دلچسپی لینے سے نہ روکا ہو گا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ہرش کا اس قسم کا حال تمام تاریخ والوں کو معلوم ہے۔ اس تمام بحث کا نتیجہ

---

[۱] اغلب یہ ہے کہ کاچ یا کچ جس نے چند سونے کے سکے بھی مضروب کرائے تھے سمدر گپت کا بھائی باپ کی وصیت کے مطابق سمدر گپت کے بادشاہ ہونے سے قبل (الٰہ آباد کے کتبے کی ساتویں سطر) چند ماہ تک حکمراں رہا تھا۔ (وی۔ اے۔ سمتھ "ابزرویشنز آن دی گپت کائینج" جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۳ء صفحہ ۹۵)۔ کاچ کی وقتی زمانہ حکومت تصور کر بھی لی جائے تو بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو سمدر گپت ہی سمجھا جائے۔ ہرشین کی نظم کے لئے دیکھو:۔ فلیٹ کی کتاب گپت انسکرپشنز۔ نمبر ۱۔

یہ ہے کہ وامن کا مذکورہ شعر مع شارح کی تشریح و تصریح کے ایم - پیری کے بسو بندھو سینن سے کے خیالات کے موافق اور ایک بڑی حد تک اس کا موئید ہے ؛

پرمارتھ کی سوانح بسو بندھو - اب ہم کو پرمارتھ کی شہادت پر غور کرنا چاہیئے - جس نے ۵۴۶ء اور ۵۶۹ء کے درمیان بسو بندھو کی سوانح عمری لکھی تھی - یہ کتاب چینی زبان میں محفوظ رہ گئی ہے اور اس کا ملخص ڈاکٹر تکاکسو نے جے - آر - اے - ایس (۱۹۰۵ء) میں پیش کیا ہے ؛

پرمارتھ کہتا ہے کہ اجودھیا کا راجہ بکرماجیت جو پہلے سانکھ کے فلسفے کا دلدادہ تھا اس کو بسو بندھو نے بدھ مذہب میں خفعہ لینے پر آمادہ کیا - اور اسی نے اس پر بھی آمادہ کیا کہ وہ اپنی ملکہ اور یوو راجہ کو اس کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیئے بھیجے - جب اس کا بیٹا بالادت بادشاہ ہوا تو اس نے بسو بندھو کو اجودھیا بلایا اور اس کی سرپرستی کی - اسی شہر میں بسو بندھو اسی برس کی عمر پا کر فوت ہوا - ایک برہمن نحوی بسوراتت نام جس کا مناظرہ بسو بندھو سے ہوا تھا بالادت کی بہن کا شوہر تھا[1] ؛

اس کتاب کے طبع دوم میں میں نے یہ فرض کیا تھا کہ پرمارتھ کے "بکرماجیت" سے مراد سکند گپت ہے - اور اس کے بیٹے بالادت کو نرا بالادت تصور کرنا چاہیئے جس کے سکے موجود ہیں اور جو پر گپت کا بیٹا تھا - غالباً پر گپت سکند گپت کا بھائی تھا - اور اس لیئے پرمارتھ کے لفظ "بیٹا" سے مراد "بھائی کا بیٹا" لینا چاہیئے - اور یہ عام طور سے معلوم ہی ہے کہ ہندوؤں کے ہاں اپنے اور اپنے بھائی کے بیٹوں میں کسی قسم کی تفریق و تمیز نہیں ہوتی ؛

[1] یہاں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ایک برہمن کی شادی ایک ایسے خاندان کی شہزادی سے ہوئی تھی کہ جو چھتری ہونے کا دعویٰ کرتا تھا ؛

لیکن جیسا کہ ایم پیری نے تقریباً ثابت کیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ بسو بندھو چوتھی صدی میں گذرا اور اسی صدی میں مرا ہے تو وامن کے "چندر گپت" کی طرح پرمارتھ کے "بکرماجیت" سے بھی مراد چندر گپت اول ہی ہوگی (سنہ ۳۲۰-۳۳۰ء)۔ اگرچہ اس بات کی کوئی صریح شہادت موجود نہیں کہ چندر گپت نے کبھی بکرماجیت کا لقب اختیار کیا تھا۔ لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہے کہ اس نے یہ لقب کیوں نہ استعمال کیا ہوگا۔ کیونکہ چندر گپت دوم اور سکند گپت دونوں اسی لقب سے ملقب تھے۔ مسٹر ٹامس نے چھتری کے طلائی سکوں کو جن پر بکرماجیت کا لقب منقوش ہے چندر گپت اول کی طرف منسوب کئے ہیں۔ اور اس نسبت کو ثابت بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سکے چندر گپت دوم کے تھے۔ بہرحال کسی شاہ گپت کے نام کے ساتھ بکرماجیت کے لقب ہونے سے تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ چندر گپت اول اجودھیا پر قابض تھا یا کہ یہ دہ وہاں اور پاٹلی پتر دونوں مقامات پر رہا کرتا تھا۔ اس کے نادر الوجود سکے موجودہ صوبے اور گردوپیش کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں[1]۔ اگر پرمارتھ کے

[1] چھتری کے نقش کے طلائی سکوں کی نسبت کے متعلق وی اے سمتھ نے اپنے مضمون "دی کائینج آف دی گپتا ڈائنسٹی" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۸۹ء صفحہ ۹۲) میں بحث کی ہے۔ خاندان گپت کے لقبوں کے متعلق دیکھو "ابزرویشنز" وغیرہ (رسالہ مذکورہ بالا صفحہ ۱۲۶)۔ چندر گپت ثانی نے "بکرماجیت" اور بکرم دونوں لقب (سونے۔ چاندی اور تانبے کے سکوں پر) اور سکند گپت نے (صرف چاندی کے سکوں پر) استعمال کئے تھے۔ کمار گپت اول نے مہندرادت اور مہندر کے القاب کو پسند کیا۔ کمار گپت دوم اور سکند گپت نے کرمادت کو۔ سکند گپت نے پرمادت کو۔ پرگپت نے پرکاش دت کو۔ اور نرگپت نے بالادت کو پسند کیا۔ مشرقی بنگال نے فرید پور کے ایک پرانی گپت کے

اجودھیا کے راجہ بکرماجیت سے مراد چندر گپت اول ہی لی جائے تو بالادت ورمن کے چندر پر کاش (پر بھاؤ) کی طرح سمدرا گپت کا ایک اور لقب ہوگا۔ اور اگرچہ کسی کتبے یا سکّے میں اب تک یہ لقب نہیں پایا گیا لیکن اس کا ہونا بالکل ممکن ہے۔ آخری بادشاہوں میں سے ایک نے جو غالباً سکند گپت کا بھائی پرگپت تھا پر کاش دت کا لقب دراصل استعمال کیا تھا۔

اس کے بعد ہم کو بسو بندھو کے ان حالات کی طرف توجہ کرنی چاہیئے جس کا ذکر ہیون سانگ نے کیا ہے۔ اور جن کو اس نے بسو بندھو کی جائے پیدائش پشاور (پرشپور) کے حال میں نقل کیا ہے۔ پرشپور کے مقام پر یہ جاتری غالباً ۶۳۰ء میں پہنچا تھا۔ اور چین میں اس کی کتاب ۶۴۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

جس روایت کا ذکر اس جاتری نے کیا ہے جو وہ دراصل اُسی روایت کی ایک اور صورت ہے جو پر مارتھ کی "سوانح عمری بسو بندھو میں مذکور ہے۔ ہیون سانگ کے قول کے مطابق بسو بندھو "بدھ کی موت کے (۱۰۰۰) سال کے اندر گذرا تھا" نہ کہ "(۹۰۰)" برس

لہ بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ کتبے میں مہاراجہ آدھی راجہ دھرمادت کا ذکر ہے۔ اور اس کو سکند گپت خاص لقب "اپرتیرتھ" بھی دیا گیا ہے۔ (ہارنل۔ انڈین انٹی کویری جلد ۲۱ صفحہ ۱۹۸ (۱۸۹۲ء) صفحہ ۴۵۔ دھرمادت کے لقب سے بدھ مت کی بو آتی ہے۔ کیا واقعی جیسا کہ ہارنل نے لکھا ہے یہ سمدر گپت کا ایک دوسرا نام تھا؟۔ بہرحال یہ لقب بسو بندھو کے مربی کے بالکل مناسب حال ہے۔ مگر اب (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۰۸) خود ڈاکٹر ہارنل ہی اس کو چھٹی صدی کا بتلاتا ہے۔ چندر گپت اول کے "راجہ درانی" کے تقریباً (۱۸) سکّوں میں سے چار کو اودھ کا بتلایا جاتا ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض اور بھی اجودھیا میں ملے تھے۔

کے اندر۔ وہ بکرماجیت کو سراوستی کا راجہ کہتا ہے نہ کہ اجودھیا کا۔ اور اس نے تمام ہندوستان پر تصرف حاصل کر لیا تھا۔ اس کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی سلطنت کو کھو دیا اور اس کا ایک گمنام جانشین ہوا۔ جو علماء کا سرپرست تھا۔ (وٹیرس جلد اول صفحہ ۴ - ۲۱۱)[1]

ایک اور جگہ (وٹیرس جلد اول صفحہ ۲۸۸) ہیون سانگ نے مگدھ کے ایک راجہ بالادت کا ذکر کیا ہے۔ جو بدھ مذہب کا پرجوش پیرو تھا اور جس نے مہرگل کو شکست دی تھی۔ یہ راجہ سکون کا نر بالادت معلوم ہوتا ہے۔ جو پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی کے ربع اول میں گذرا ہے۔ ہیون سانگ نالندا کے مقام پر ایک خانقاہ کا بھی ذکر کرتا ہے جس کو اسی بالادت کے بیٹے اور جانشین نے وجر کے مقام پر بنایا تھا۔ نلندا کے مقام پر بالادت "چیتیا" کا ذکر آئی سنگ نے بھی کیا ہے۔ (وٹیرس جلد دوم صفحہ ۱۷۱)۔ وجر نام کا کوئی بادشاہ تاریخ میں مذکور نہیں۔

جاتری کا یہ قول کہ یہ گپت راجہ سراوستی میں حکمران تھا پرمارتھ کے اس بیان کے بالکل مطابق ہے کہ وہ اجودھیا میں حکومت کرتا تھا۔ کیونکہ اغلب یہ ہے کہ چندرگپت اول سے لے کر سکندگپت تک تمام راجہ دونوں مقامات پر قابض تھے۔ مگر یہ باور کرنے کے کوئی وجوہ نہیں معلوم ہوتے کہ دونوں چندرگپتوں میں سے کسی نے اپنی سلطنت کو بھی کبھی کھو دیا تھا۔ سکندگپت کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ مگر یہ قول اس کے دو عالیشان پیشرووں پر ہرگز صادق نہیں آتا۔ اس راجہ کا بیان "جو علماء کی عزت افزائی کرتا تھا" چندرگپت کے اس بیٹے کے لئے بالکل موزوں ہے جس کے متعلق وامن نے

---

[1] وٹیرس نے اس کا ترجمہ "مشاہیر" کیا ہے۔ اور بیل نے "جس نے ان لوگوں کی سرپرستی کی جو علم و فضل کے لئے مشہور تھے"۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہرت جس کے ذریعے سے بادشاہ کی سرپرستی حاصل کی جا سکتی تھی علمی شہرت ہی تھی۔

وہ شعر نقل کیا ہے اور خاص کر سمدر گپت کے بالکل مناسب حال ہے؛

ہیون سانگ (یون چانگ) ہیون سانگ کی حکایت کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ پرمارتھ کی بہتر اور قدیم تر حکایت ہی کا ایک پرتو ہے۔ اور اس کو کوئی خاص اور علیحدہ اہمیت نہ دینی چاہیئے۔ سکّوں کا بالادت جس نے مہرگل کو شکست دی اور نالندا میں عمارتیں تعمیر کرائیں لسوبندھو کے مربی سے بالکل ممیز اور مختلف تھا؛

خلاصہ اگر ایم۔ پیری یہ کہنے میں حق بجانب ہے (اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضرور یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوا ہے) کہ لسوبندھو چوتھی صدی عیسوی میں گذرا اور مرا ہے تو خاندان گپت کا وہ بادشاہ جس نے اس کی سرپرستی کی ہوگی وہ ضرور چندر گپت اول کا بیٹا اور جانشین لائق و فرزانہ سمدر گپت ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ چندر گپت اول بکرماجیت کے لقب سے ملقب ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر اس لقب کو چندر گپت اول نے اختیار نہ بھی کیا ہو تو بھی کیونکہ خاندان گپت کے اکثر راجاؤں کا یہ لقب اسی وجہ سے اسے بھی یہ دے دیا گیا ہو۔ اور اس امر میں تو کسی قسم کا شک ہی نہیں کہ سمدر گپت اپنے باپ کی طرح اجودھیا اور سراوستی دونوں کا مالک تھا۔ اگر لسوبندھو اور خاندان گپت کے کسی راجہ کے تعلقات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہ ماننا پڑے گا کہ اپنی جوانی کے زمانے میں سمدر گپت کے نام چندر پرکاش (پربھاؤ) اور بالادت یا پرادت ہوں گے۔ اور ایسا مان لینے میں کسی قسم کی دقت بھی نہیں؛

اس لیئے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ سمدر گپت ہی نے مشہور و معروف بدھ مذہب کے عالم و گرو لسوبندھو کو اپنے دربار میں بلایا تھا۔ خواہ وہ وزیر کی حیثیت سے ہو اور یا مصاحب کی۔ اور یہ کام اس کے باپ چندر گپت اول کی مرضی اور خوشی سے ہوا تھا۔ اور یہ کہ اگرچہ سمدر گپت کا مذہب برہمنی ہندو مت تھا۔ لیکن اس نے جوانی کے زمانے میں بدھ مذہب کی تعلیم سے دلچسپی حاصل کی تھی؛

باب سیزدہم

حکومت ہرش از ۶۰۶ء تا ۶۴۷ء

ساتویں صدی تاریخ کے ماخذ

چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر کی تاریخ لکھتے ہوئے تاریخی مواد کی عدم موجودگی سے جو تکلیف مورخ کو پیش آتی ہے وہ ساتویں صدی عیسوی کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس زمانے کے لیے معمولی کتبوں اور سکون کے ماخذوں کے علاوہ اس کو خوش قسمتی سے وہ ادبی کتابیں بھی ملتی ہیں جن سے ہندوستان کے سیاسی حالات پر بالعموم اور ہرش کی حکومت کے متعلق۔ جو شمالی ہند میں چالیس سال سے زیادہ بادشاہ رہا۔ بالخصوص کثیر اور معتبر حالات بہم پہنچتے ہیں۔ ان میں سے پہلی تو وہ قابل قدر سیاحت نامہ ہے جو چینی جاتری ہیون سانگ نے لکھا تھا جس نے ۶۳۰-۶۴۴ء کے درمیان ہندوستان کے تقریباً ہر ایک حصے میں سیاحت کی تھی۔ اس سیاح نے ہر ایک صوبے کے متعلق کم و بیش مفصل بیانات دئے ہیں۔ اس سفرنامے کی حکایت کے ساتھ اس سوانح عمری کو ضمناً استعمال کیا جا سکتا ہے جو ہیون سانگ کے دوست ہیوئی۔ لی نے لکھی تھی اور جس میں بہت حالات ملتے ہیں۔ دوسری کتاب جس کا اوپر ذکر ہوا وہ مشہور ہرش چرت کی تاریخی نظم ہے۔ اس کا مصنف ایک برہمن شاعر بان نامی ہے جو ہرش کے دربار میں موجود اور اس کا مصاحب و ندیم تھا۔ اس کے علاوہ چین کی سرکاری تاریخوں میں بھی بعض اہم اور دلچسپ تفصیلیں ملتی ہیں۔ اور جب ان تمام ماخذوں کو استعمال کر لیا جائے تو حکومت ہرش کے

واقعات کے متعلق ہمارے معلومات اس سے کہیں زیادہ صحیح ہوتے ہیں جتنی کہ چندرا گپتا موریا اور اشوک کے سوا اور کسی قدیم ہندی بادشاہ کے ہوسکتی ہیں۔

تھانیسر کا راجہ پربھاکر وردھن۔ بہت قدیم زمانے سے تھانیسر (ستھانو ئیسور) کے ارد گرد کے علاقے کو "مقدس زمین" شمار کیا جارہا ہے۔ اور وہ "سرزمین کورو" کے نام سے معروف اور روایتی مشاہیر کے میدان جنگ ہونے کی وجہ سے مشہور رہا ہے۔ چھٹی صدی کے آخری حصے میں یہاں کے راجہ پربھاکر وردھن نامی نے اپنے ہمسایہ بادشاہوں کے مقابل جن میں اقوام مالوا۔ شمال مغربی۔ پنجاب کی ہن نو آبادیوں۔ اور گرجروں کی سلطنت جو غالباً راجپوتانہ اور ممکن ہے کہ پنجاب میں اس علاقے میں واقع تھی جس کو اب اضلاع گجرات و گوجرانوالہ کہا جاتا ہے۔ لڑ بھڑ کر بہت کچھ طاقت حاصل کرلی تھی۔ اس امر نے کہ اس کی ماں خاندان گپت سے تھی شاید اولوالعزمی کو اور تحریک دی۔ اور اس کو اس کے منصوبوں کی کامیابی میں مدد دی[1]۔

---

[1] اس خاندان کا شجرۂ نسب کتبوں میں مندرج ہے:۔ یعنی (۱) سون پت کی مہر "(گپتا انسکرپشنز نمبر ۵۲)۔ (۲) بنسکھیرا کی تانبے کی لوح (اپی گریفیا انڈکا جلد ۴ صفحہ ۲۰۸) مدھوبن کی تانبے کی لوح (ایضاً جلد ۱۔ صفحہ ۶۷)۔ پربھاکر وردھن کی ماں کا نام مہاسین تھا۔ اور خود اس کا نام پرتاپ شیل بھی تھا۔ اس کی ملکہ کا نام یسومتی تھا ہرش کا پورا نام ہرش وردھن تھا۔ وہ سکے جو صوبۂ اودھ میں فیض آباد کے مقام پر پائے گئے ہیں اور جن پر پرتاپ شیل اور سیلادت کے نام یا القاب پائے جاتے ہیں۔ وہ معلوم ہوتا ہے کہ علی الترتیب ان ہی پربھاکر وردھن اور ہرش کے مضروبہ ہیں۔ (برن۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۸۴۵)۔ ڈاکٹر ہارنل کا نظریہ اس سے بالکل مختلف ہے (ایضاً صفحہ ۴۴۶ ۱۹۰۹ء)۔

ہنون کے ساتھ اسکی جنگ۔

۶۰۴ء میں اس چست وچالاک و باہمت راجہ نے اپنے بڑے بیٹے راجیاوردھن کو جس کا ابھی عنفوان شباب ہی کا زمانہ تھا ایک زبردست فوج دے کر شمال مغربی سرحد کی طرف ہنون پر حملہ کرنے کے لیئے روانہ کیا۔ اس کے بہت سے وقفے کے بعد اس کا چھوٹا اور عزیز تر بیٹا ہرش جس کی عمر اس وقت مشکل سے پندرہ برس کی تھی ایک سوارہ فوج سمیت اس کے پیچھے بھیجا گیا۔ بڑا شہزادہ تو دشمن کی فکر میں پہاڑیوں میں داخل ہوگیا۔ مگر دوسرا وہیں پہاڑیوں کے دامن میں سیر و شکار میں جو وہاں بکثرت ملتا تھا مشغول ہوگیا ؛

۶۰۵ء راجیاوردھن کی تخت نشینی

ہرش اسی طرح سیر و شکار میں مشغول تھا کہ اس کو دارالسلطنت سے یہ اطلاع ملی کہ اس کا باپ بخار میں مبتلا اور نازک حالت میں ہے۔ یہ سن کر وہ فوراً تیزی کے ساتھ واپس روانہ ہوگیا۔ اور دارالسلطنت میں آکر اُسے معلوم ہوا کہ اس کے باپ کی حالت بالکل مایوسی کی ہے۔ بیماری نے بالآخر جلدی ہی سے اس کا کام تمام کردیا۔ اور قبل اس کے کہ بڑا بیٹا جو اپنی فوجی مہم میں کامیاب رہا تھا وراثت کا دعویٰ کرنے کے لیئے وہاں پہنچے سب کام ختم ہوچکا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دربار میں ایک فریق چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کرنے کا طرفدار تھا۔ مگر راجیاوردھن کے وقت پر پہنچ جانے سے ان تمام سازشوں کا یک لخت خاتمہ ہوگیا۔ اور راج وردھن اپنے باپ کے تخت کا مالک ہوا۔ ابھی اس کو تخت نشین ہوئے کچھ بھی وقت نہ گذرا تھا کہ اس کو ایک ایسی خبر ملی جس سے کہ اس نے مجبوراً پھر جنگ آغاز کی ؛

مالوا سے جنگ

ایک ہرکارہ یہ مصیبت افزا اور جانکاہ خبر لایا کہ ان شہزادوں کی بہن راجیاسری کے خاوند راجہ گرہورمن موکھری کو مالوا[1] کے راجہ نے قتل کردیا ہے۔ اور شہزادی کو نہایت بدسلوکی کے ساتھ

[1] اس مالوا کے موقع کے متعلق شکوک ظاہر کیئے گئے ہیں۔ تارناتھ (شیفنر صفحہ ۱۷۵) نے

قنوج میں "معمولی مجرم کی بیوی کی حیثیت سے پاؤں میں بیڑیاں پہنا کر قید کردیا"۔ راجیا وردھن نے اپنی بہن کے مصائب کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ اور فوراً (۱۰،۰۰۰) سواروں کی فوج لے کے سرپٹ کوچ کیا۔ اور اپنی غیر حاضری میں جنگی ہاتھی اور وزنی اسلحہ سے مسلح فوج کو اپنے بھائی کی سرکردگی میں چھوڑ گیا۔ معمولی جدوجہد کے بعد مالوا کے راجہ کو شکست ہوئی۔ مگر فتح کی تمام خوشی اس وقت خاک میں مل گئی جب یہ معلوم ہوا کہ فاتح راجہ کو مفتوح کے حلیف و مددگار وسط[1] بنگال کے سسانک نے دغابازی سے مشورے کے لئے بلا کر اس وقت قتل کردیا ہے جبکہ وہ بالکل اپنے آپ کو مطمئن و مامون سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ ہرش کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی بہن قید سے نکل بھاگی ہے اور کوہستان بندھیاچل کے جنگلوں میں کہیں پناہ گزین ہوئی ہے۔ لیکن مقام پناہ کے متعلق کچھ پتا نہ لگا۔

۶۰۶ء ہرش کی تخت نشینی

مقتول راجہ اس قدر نوجوان مارا گیا تھا کہ اُس کی کوئی اولاد بھی نہوئی تھی جو حکومت کا بار اُٹھانے کے قابل ہو۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ امراء و اراکین سلطنت بھی ہرش کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ کرنے سے پہلے تامل کرتے تھے۔ مگر اس وقفے میں جب ملک فتنہ و فساد کے مصائب میں پھنسنا شروع ہوا تو آخر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- "پریاگ میں ایک لوا" کا ذکر کیا ہے ممکن ہے کہ گرہورمن قنوج کا بادشاہ ہو۔ وہ اونتی ورمن کا بیٹا تھا جس کا نام جنوبی بہار کے ضلع شاہ آباد کے ایک کتبے میں پایا جاتا ہے (فلیٹ۔ گپتا انسکرپشنز صفحہ ۲۱۵)۔

[1] گوڈ (بان)۔ یہ غالباً ہیوکرن۔ سورن ہے (ہیون سانگ) مسٹر بیورج کے خیال کے مطابق صدر مقام رنگا ماتی جو مرشد آباد سے (۱۲) میل جنوب کی طرف واقع تھا۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی ۶۲ حصۂ اول (۱۸۹۳ء) صفحہ ۳۲۸-۳۱۵)۔ مگر منموہن چکراورتی نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ لکشمناوتی (لکھنوتی یا گوڑ) کا تھا (ایضاً جلد ۴ سلسلہ نو (۱۹۰۸ء) صفحہ ۲۸۱)۔

شیر کاران سلطنت کو جانشینی کے متعلق کچھ نہ کچھ فیصلہ کرنا ہی پڑا - بھندی کی رائے سے جو اس سے عمر میں فدا بڑا اس کا برادر عمزاد تھا - اور جن نے اس کے ساتھ تعلیم پائی تھی انھوں نے انجام کار ہرش کو بادشاہت کی ذمہ داریاں اپنے سر لینے کے لئے دعوت دینے کا ارادہ کیا - بعض وجوہ کی بنا پر جن کا اظہار اس تمام حکایت میں نہیں پایا جاتا ہرش نے اس امر کے قبول کرنے میں پس وپیش کیا - اور کہا جاتا ہے کہ دعوت قبول کرنے سے قبل اس نے بدھ مذہب کے ایک اکاس بانی سے مشورہ کیا - اس اکاس بانی سے اثبات میں جواب پاجانے کے بعد بھی جبکہ اس کی یہ کشیدگی خاطر خواہ وہ حقیقی ہو یا محض بناوٹی بالکل جاتی رہی تھی اس نے پہلے پہل شاہی خطاب اختیار کرنے کے مصائب سے بچنے کی کوشش کی اور اپنا لقب محض راج پتر (شہزادہ) سیلادت مقرر کیا۔[1]

ہرش کا سمت

ان عجیب وغریب تفاصیل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہرش کی تخت نشینی کے بارے میں کوئی خاص بات مانع تھی - اور اسی نے اُس کو بجائے اس کے کہ وہ وراثت کے طور پر تخت و سلطنت کا دعوی کرے محض ارکین وعمائد سلطنت کے انتخاب اور نامزدگی ہی پر اکتفاء اور اعتماد کیا ۔ "فنگ چہ" نامی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ "اپنی بیوہ بہن کی معیت میں سلطنت کا کاروبار انجام دیتا تھا - اور اس عبارت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ شروع میں اپنی بہن یا ممکن ہے کہ اپنے کسی شیرخوار بھتیجے کا مختار عام و مدارالمہام تصور کرتا تھا - یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ ۶۱۲ء کے قبل جبکہ وہ پہلے یا ساڑھے پانچ یا چھ برس حکومت کرچکا تھا - اس نے بادشاہت کا دعوی اعلانیہ نہیں کیا - اور اسی سال رسمی طور پر اس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہوئی - وہ سنہ جو اس کے نام سے مشہور ہوا اور جس کا پہلا سال ۶۰۷-۶۰۶ء تک ہے اکتوبر ۶۰۶ء سے اس وقت شروع ہوتا ہے جبکہ وہ پہلے پہلے بادشاہ ہوا ہے۔[2]

---

[1] ویٹرس جلد اول صفحہ ۳۴۵۔

[2] کیلہارن (انڈین انٹی کویری جلد ۲۶ صفحہ ۳۲ - ہرش کے سمت کے بیس کہتے دریافت

نوجوان ہرش کی اطاعت قبول کرنے میں تامل کے لئے ارکین سلطنت تھانیسر کے پاس خواہ کچھ ہی اسباب کیوں نہ ہوں۔ لیکن اس کی لیاقت نے بھنڈی کی صلاح کی پوری پوری تصدیق کر دی۔ اور اس نوجوان راجہ نے اپنے آپ کو بہت جلد حکومت و سلطنت کا اہل ثابت کر دیا۔

راجیاسری کا حصول تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی اس کے پہلے فرائض بین طور پر یہ تھے کہ اپنے بھائی کے قاتل سے بدلہ لے اور اپنی بیوہ بہن کو تلاش کرے۔ یہ دوسرا کام زیادہ اہم اور ضروری تھا اس لئے اگرچہ ایسا کرنے سے قاتل بچ کر نکل بھی جائے لیکن اس کو پورا کرنا واجب تھا۔ اور اس طرح جلدی کرنے میں حق اسی کی جانب تھا۔ کیونکہ راجیاسری مخلصی پانے سے بالکل ناامید ہو کر مع اپنے ہمراہیوں کے زندہ جل مرنے کے لئے تیار ہی تھی جب اس کا بھائی اصلی باشندوں کے بعض سرداروں کی مدد سے کوہستان بندھیاچل میں اس کی جائے پناہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوا۔ سسانک کے خلاف جنگ کی تفصیل معلوم نہیں۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقریباً بلا نقصان بچ کر نکل گیا۔ کیونکہ ۶۱۹ء تک وہ برابر حکمراں تھا۔[1] اگرچہ اس کے بعد اس کی سلطنت ہرش کے ماتحت ہو گئی تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ہوئے ہیں (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۵ ضمیمہ نمبر:۔ ۵۲۰-۵۲۸)۔ جب ۶۳۰ء میں ہیون سانگ ہرش کے دربار میں مقیم تھا تو راجہ کی حکومت کا شمار تیس سے زیادہ سال کا کیا جاتا تھا۔ (ریکارڈس جلد اول صفحہ ۲۱۳ "کچھ اوپر تیس برس تک ہندوستان کا مالک" لائف آف ہیون سانگ صفحہ ۱۸۳)۔ ۶۴۴ء کی پنج سالہ مجلس کا اس کی حکومت کے عرصے میں چھٹا موقع تھا (بیل۔ لائف آف ہیون سانگ صفحہ ۱۸۴)۔ ساڑھے پانچ (جولین) یا چھ (واٹرس) برس کا وہ وقفہ جو شمال کے زیر نگین کرنے میں صرف ہوا اس میں شامل نہیں۔

[1] گنجام کی تانبے کی لوح کا کتبہ مورخہ ۳۰۰ گ س۔ ۶۱۹-۶۲۰ء (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۶ صفحہ ۱۴۳)۔ ہیون سانگ نے سسانک کا ذکر ایک قریبی زمانے کے بادشاہ کے طور پر کیا ہے۔ مگر اس کے جانشین کا حال نہیں لکھا۔

ہرش کی فتوحات کی تجویز۔

اپنی بہن سے ملنے کے بعد جو ایک لائق اور بدھ مذہب سُمیتیا فرقے کے عقائد سے پوری واقف تھی راجہ نے اپنی تمام قابلیت اور ہمت ایک باقاعدہ فتوحات کی تجویز پر صرف کرنی شروع کی اور تمام ہندوستان کو ایک چھتر کے نیچے جمع کر دینے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اُس کے پاس (۵۰۰۰) ہاتھی (۲۰۰۰) سوار (۵۰۰۰۰) پیادے تھے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے رتھوں کو جو قدیم ہندی روایات کے مطابق ہندوستان کی فوج کا ایک حصہ شمار ہوتی تھیں بیکار سمجھ کے بالکل ترک کر دیا تھا۔ مگر بہر حال وہ ملک کے دوسرے حصوں میں اب تک مستعمل تھیں[سلہ]۔

پینتیس سالہ جنگ

اس سریع الحرکت تیز رفتار چالاک اور قوی فوج کو رکاب میں لے کر ہرش نے تمام شمالی ہند کو روند ڈالا۔ اور چینی جاتری کے خوبصورت الفاظ میں "وہ مشرق سے مغرب تک اُن کو مطیع کرتا چلا گیا۔ جو اس سے پہلے مطیع نہ تھے۔ اور اس عرصے میں سپاہیوں نے اپنے خود سر سے نہ اتارے اور ہاتھیوں کی جھولیں ان کے بدن سے علیحدہ نہ ہوئیں"۔ ساڑھے پانچ سال کی جنگ کے بعد تمام شمال مغربی علاقے اور غالبًا بنگال کا ایک بڑا حصہ مفتوح ہو گیا۔ اب اس کے فوجی ذرائع اس قدر وسیع ہو گئے۔ کہ وہ میدان جنگ میں (۶۰۰۰۰) جنگی ہاتھی (۱۰۰۰۰۰) سوار لا سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے پینتیس برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی۔ اور اس طویل عرصے میں اپنی تمام توجہ ان وسیع علاقوں کے نظم و نسق پر صرف کر دی[سلہ]۔ اس کی آخری جنگ ۶۴۳ء میں گنجام جو خلیج بنگالہ کے

سلہ ہندوستان کے عام ذکر اور بیان ہیون سانگ نے بیان کیا ہے کہ ہندی فوج کا سپہ سالار ایک چہار اسپہ گاڑی میں سوار اور ایک محافظ دستے کو اپنے گرداگرد لے کے چلتا تھا۔

سلہ جاتری کا یہ بیان کہ شمالی ہند کو زیر نگیں کرنے کے بعد جو ۶۱۲ء میں واقع ہوا۔ اس نے "تیس برس تک امن و امان سے بغیر ہتھیار اٹھائے حکومت کی" بالکل حرف بحرف

ساحل پر واقع ہے۔ بہادر اور جنگجو باشندوں کے مقابلے میں ہوئی ؛

پلکیسن دوم چلوکیا کے ہاتھوں شکست

اس کی طویل فاتحانہ زندگی میں صرف ایک دفعہ اس کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ خاندان چلوکیا کا سب سے بڑا راجہ پلکیسن دوم نے جس کے کارناموں کا ذکر ایک آئندہ باب میں آئے گا۔ فتوحات کی وسعت کے لحاظ سے ہرش پر سبقت لیجانے اور اس کے ہم سر ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور جس طرح ہرش نے شمالی ہند میں اپنے کو ادھیراجہ بنا لیا تھا اسی طرح جنوب میں پلکیسن نے بھی یہی کیا تھا۔ مگر شمالی ہند کے بادشاہ سے زبردست حریف کی مقاومت کی تاب کہاں لاسکتا تھا۔ اور اس کو برباد کرنے کی کوشش میں بذات خود حملہ کرنے کے لئے "پانچوں ہند کی افواج اور ملک کے بہتر سپہ سالاروں کی معیت میں" روانہ ہوا۔ مگر یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ دکن کے راجہ نے دریائے نربدا کے دروں کی ناکہ بندی اس طرح کی کہ ہرش کو ناکام و نامراد واپس جانا پڑا اور اس دریا کو اس نے سرحد تسلیم کیا۔ یہ مہم غالباً ۶۲۰ء میں واقع ہوئی[۱]؛

ولبھی سے جنگ

ولبھی کی جنگ جس میں دھروسین (دھرو بھٹ) دوم کو شکست فاش ہوئی اور اسے بھڑوچ کے راجہ کے علاقے میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ صحیح نہ مان لینا چاہئے۔ کیونکہ امر واقعی یہ ہے کہ اس کے بعد پلکیسن دوم اور ولبھی کے ساتھ لڑائیاں ہوئی تھیں۔" متن کتاب کی عبارت یہ ہے :۔ چیئو۔ اس۔ شہ۔ نین۔ ینگ۔ کو۔ پوچئے۔ یہاں حسب دستور چیئو کے لفظ سے مراد "شاہی لباس کا پہننا ہے" یعنے "نرمی سے اور خوش و خرم حکومت کرنا" (وٹیرس جلد اول صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۶)۔ اسی قسم کے فقرے بالعموم رسمی طور پر سنسکرت کے کتبوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں ؛

[۱] چین کے دائرۃ المعارف کا مصنف ما۔ تون۔ لن۔ (ملکس میولر۔ انڈیا صفحہ ۲۸۶) فلیط کی مجوزہ تاریخ ۶۰۹ء یا ۶۱۰ء ناممکن ہے۔ کیونکہ ہرش اس زمانے میں شمالی ہند کی فتح میں مشغول تھا ؛

پناہ لینی پڑی۔ جو غالباً خاندان چلوکیا کے راجہ پر اعتماد کرتا تھا غالباً سنہ ۶۳۳ء کے بعد اور سنہ ۶۴۱ء یا سنہ ۶۴۲ء میں ہیون سانگ کے مغربی ہند میں جانے سے قبل واقع ہوئی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ دھرو بھٹ کو مجبوراً صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ اور فاتح کی بیٹی سے شادی کر کے باجگذار راجہ کی حیثیت اختیار کرنی پڑی۔ غالباً اسی مہم میں آنند پور۔ کی۔ حیۂ یا (؟) کچھ۔ سورت یا جنوبی کاٹھیاواڑ کی فتح بھی عمل میں آئی۔ یہ سنہ ۶۴۱ء میں مو۔ لا۔ پو یا مغربی مالوا کے زیر سیادت[۱] تصور کیجاتی تھیں سب کی سب جو اس سے قبل ولبھی کا ماتحت تھا۔

سلطنت ہرش کی حدود وسعت حکومت کے آخری دنوں میں ہرش کی سلطنت تمام میدان دریائے گنگا (معہ نیپال[۲] کے) پر علاوہ مالوا۔ گجرات اور سراشتر کے کوہستان ہمالیہ سے لے کر دریائے نربدا تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور وہ تمام اس علاقے پر بلا شرکت غیرے حکمراں تھا۔ مگر نظم و نسق کی تمام تفصیلی باتیں مقامی راجاؤں کے ہاتھ میں بدستور سابق باقی تھیں۔ مگر مشرق میں آسام (کامروپ) کے دوردست علاقے کا راجہ بھی اپنے حاکم کا حکم بدل و جان بجالانے کے لئے تیار تھا۔ اور ہرش کا داماد یعنی انتہائے مغرب میں ولبھی راجہ اس کے دربار میں حاضر تھا۔

[۱] بھڑوچ کے راجہ ددّ۳ کا عطیہ (انڈین انٹی کویری جلد ۱۳۔ صفحہ ۷۰)۔ اس واقعے پر ایم۔ اٹنگاسن اپنے دلچسپ رسالہ "ہرش وردھن۔ امپرائٹ پوئٹ ڈی ل انڈ" (لووین سنہ ۱۹۰۶ء) کے صفحہ ۴۷-۴۹ تک بحث کی ہے۔

[۲] ایم۔ ایم سلوین لیوی اور اٹنگاسن (صفحہ ۴۷ و ۱۸۴) نے ہرش کی فتح نیپال اور اس ملک میں اس کے سمت کے رواج سے بالکل انکار کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک وہ دونوں اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ دیکھو انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۴۲۱۔ کیلہارن: لسٹ آف ناردرن انسکرپشنز۔ اپیی گریفیا انڈکا۔ جلد ۵۔ ضمیمہ صفحہ ۷۵۔

اس کے دورے

اس وسیع سلطنت کو قابو میں رکھنے کے لئے ہرش بجائے تنخواہ دار اور لائق افسروں کے خود ذاتی نگرانی پر جو وہ ان تھک کوششوں سے کیا کرتا تھا زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔ برسات کے موسم کے علاوہ جب کہ تمام جاہ وحشم کی معیت میں سفر کرنا ناممکن اور بدھ مذہب کے قواعد کے خلاف تھا۔ وہ ہر وقت سفر کرتا۔ بدکاروں کو سزا اور نیکوں کو انعام واکرام سے مالا مال کرتا رہتا تھا۔ اس وقت ایسے وسیع اور آرام دہ خیمے جیسے کہ شاہان مغلیہ استعمال کرتے تھے یا اب بھی انگریزی افسروں کے زیر استعمال رہتے ہیں۔ ایجاد نہ ہوئے تھے۔ اور ہرش کو محض ایک "سفری محل" ہی پر جو درختوں کی شاخوں اور سرکنڈوں کا بنایا جاتا تھا اکتفاء اور قناعت کرنی پڑتی تھی۔ یہ محل ہر منزل پر تعمیر ہوتا تھا اور بادشاہ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد جلا ڈالا جاتا تھا۔ وہ نہایت شان وشوکت سے سفر کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ علاوہ اور لوگوں کے سیکڑوں طبل نواز ہوا کرتے تھے جو اس کے ہر قدم پر سونے کے طبلوں کو بجاتے تھے سلطنت میں کسی اور راجہ کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ اس قسم کے طبل رکھے[2]

انتظام ملکی

۔ اُلم وبشی دو صدی قبل اپنے پیشرو فاہیانکی ہیون سانگ کو بھی ملکی انتظام پسند آیا تھا۔ اور اس کا خیال تھا کہ وہ رحم دلی کے اصول پر مبنی ہے۔ محاصل کا سب سے بڑا ذریعہ شاہی املاک کا لگان جو کم از کم بادی النظر میں پیداوار کے چھٹے حصے کی صورت میں

---

[1] بیل ریکارڈس جلد ۲ صفحہ ۱۹۳۔ وٹیرس جلد ۲ صفحہ ۱۸۳۔ اٹھارھویں صدی میں برما کے بادشاہوں کے ہاں بھی یہی قاعدہ جاری تھا۔ صرف ایک دن کے عرصے میں ایک فراخ اور خاصہ آرام دہ مکان شاہی عمارات کی وضع کا تیار ہوگیا تھا (سائمز۔ ابیسی ٹو آوا جلد اول صفحہ ۲۸۳ (کانسٹبل)۔

[2] بیل:۔ "لائف آف ہیون سانگ" صفحہ ۱۷۳۔

وصول کیا جاتا تھا۔ عمال کو تنخواہ کے عوض معافیاں دیگئی تھیں۔ رفاہ عام کے کاموں پر کام کرنے والوں کو مزدوری دی جاتی تھی۔ محاصل ہلکے تھے جو رقم رعایا سے ذاتی طور پر لی جاتی تھی وہ بھی مقدار میں قلیل ہوتی تھی۔ اور مختلف مذہبی کاموں کے لئے خیرات کا انتظام وسیع پیمانے پر تھا۔

پولیس اور جرائم شدید جرائم بالکل شاذ و نادر واقع ہوتے۔ مگر بظاہر شاہراہیں ایسی محفوظ و مصئون نہ تھیں جیسی فاہیان کے زمانے میں۔ کیونکہ ہیون کو متعدد دفعہ چوروں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اکثر اس کو لوٹ لیا گیا۔ اب جرائم کی معمولی قید تھی۔ مگر یہ قید تبت کی وضع پر بے رحمانہ ہوتی تھی ہیون سانگ کہتا ہے کہ قیدیوں کو وہ "اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ خواہ وہ مریں یا زندہ رہیں۔ اور ان کو جاندار تصور نہیں کیا جاتا"۔ اور تمام سزائیں زمانۂ گپت سے زیادہ خونی تھیں۔ بعض سخت جرائم اور یہاں تک کہ والدین کی نافرمانی کرنے کی سزائیں ناک۔ کان۔ ہاتھ یا پاؤں قطع کر دیئے جاتے تھے۔ مگر بعض اوقات اس سزا کو جلا وطنی سے بدل بھی دیتے تھے۔ معمولی جرائم کی سزا جرمانہ تھی۔ سچائی کے جانچنے کے لئے پانی۔ آگ۔ وزن یا زہر خورانی کی آزمائشوں پر بہت کچھ یقین کیا جاتا تھا۔ اور ان کو چینی جاتری نظر پسندیدگی دیکھتا اور بیان کرتا ہے۔

سرکاری اسلہ ہر ایک صوبے میں خاص افسر تھے جو اس کے تمام واقعات کی یادداشتوں کو قلمبند کیا کرتے تھے۔ اور ان کا فرض تھا کہ "اچھے اور برے۔ مصائب اور عمدہ ہر قسم کے واقعات کو قلمبند کرتے رہیں"۔ بلا شک و شبہ اسی قسم کے اسلہ کو کتبہ نویس اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔ مگر اب ہمارے پاس ان کا کوئی نمونہ نہیں پہنچا۔

تعلیم و علم ادب بظاہر تعلیم عام طور پر۔ اور بالخصوص برہمنوں اور بدھ مذہب کے بھکشوؤں میں مروج تھی۔ اور حکومت بھی علم کی قدر افزائی کرتی تھی۔ راجہ ہرش نہ صرف علم و فضل کا حامی اور سرپرست ہی تھا بلکہ وہ ایک مشہور و معروف خوش نویس اور مصنف تھا۔ قواعد صرف و نحو کی

ایک کتاب کے علاوہ سنسکرت کے تین موجودہ ناٹک اور نظم منظومات کے کئی تالیفات کے نام سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اور یہ مان لینے میں بھی کسی قسم کا تامل نہ ہونا چاہئے کہ ان کتابوں کے لکھنے میں ضرور کچھ نہ کچھ اس کا حصہ تھا۔ کیونکہ ہند قدیم میں مصنف بادشاہوں کے نام بہت ملے ہیں۔ ان میں سے ایک ناٹک "ناگانند" نام جس میں بدھ مذہب کی ایک روایت مذکور ہے ہندوستان کے بہترین ناٹکوں میں شمار ہوتا ہے۔ دوسرے ناٹک "رتناولی" (مالا) اور "پریدرسکا" ("مہربان بی بی") اگرچہ ایسے تازہ نہیں ہیں جیسے وہ جن کا پہلے مذکور ہوا لیکن الفاظ اور خیالات کی سادگی کی وجہ سے وہ قابل تعریف خیال کئے جاتے ہیں[1]۔

بان راجہ ہرش کے دربار میں علم کا سب سے بڑا جوہر بان تھا جو ذات کا برہمن اور ایک تاریخی افسانے کا مصنف تھا۔ جس میں اس نے اپنے مربی کے کارناموں کا ذکر مدح و تعریف کے الفاظ میں کیا ہے۔ یہ کتاب اگرچہ مضمون کے لحاظ سے خشک ہے۔ لیکن بہت کچھ لیاقت اس سے ظاہر ہوتی ہے۔ طرز تحریر میں اس کتاب میں بان نے بدترین طریقہ استعمال کیا ہے۔ مگر باوجود اس کے اس میں بہت سی، قابل تعریف اور روشن عبارتیں بھی ملتی ہیں۔ وہ مصنف جو سپہ سالار سکند گپت کے متعلق یہ کہے کہ "اس کی ناک اتنی لمبی ہے جتنا بادشاہ کا شجرۂ نسب" اس کے متعلق خود قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس کے تشبیہات و استعارے کیسے ہوں گے۔ لیکن بہرحال وہ اس سے بہتر بھی لکھ سکتا تھا۔ اور بادشاہ کی حالت نزع کا نقشہ اتارتے وقت اپنی پوری طاقت کا اظہار کرتا ہے "ناچاری اور بیکسی نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ درد اور تڑپ نے اس میں حکومت قائم کر لی تھی۔

---

[1] ان ناٹکوں کے لئے دیکھو:- ولسن ہندو تھیئٹر۔ لیوی تھیئٹر انڈین۔ بانڈ کا ترجمہ۔ "ناگانند" شاہی مصنفین کے لئے دیکھو انڈین انٹی کویری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱۔ اپنی کتاب کے تیسرے باب میں اٹنگاسین نے ہرش کے زمانے کی علمی تاریخ پر بحث کی ہے۔

تباہی اور بربادی نے اسے زیر نگین کر لیا تھا اور سستی اور اضمحلال نے اس میں گھر بنا لیا تھا..... وہ موت کی سرحد پہنچ چکا تھا۔ آخری سانس کے کنارے پر آ لگا تھا۔ "کاربزرگ" کی دہلیز تک پہنچ گیا تھا۔ لمبی نیند سونے والا تھا۔ موت کے ہونٹوں پر جم گیا تھا۔ بولنے بات کرنے سے ناچار۔ دماغ بیکار جسم کی تعذیب میں گرفتار تھا۔ زندگی کے خاتمے پر پہنچا ہوا۔ گرفتاری میں پھنسا ہوا تھا۔ آہیں بھرتا تھا۔ اور جمائیوں سے مغلوب ہو رہا تھا۔ تکلیف میں مبتلا اور درد و الم کے پنجے میں گرفتار تھا" اس قسم کی عبارتیں اگرچہ مذاق کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کی نہ ہوں لیکن مصنف کے زور قلم پر ضرور گواہی دیتی ہیں[1]۔

ہرش کے آخری دن

صرف ایک فوجی مہم سے اشوک کی سفاکی کو تسلی ہو گئی تھی۔ مگر ہرش کے لئے قبل اس کے کہ وہ آخری دفعہ اپنی تلوار ہاتھ سے رکھے سینتیس برس کی جنگ وجدل ضروری تھی۔ ان میں سے شروع کے چھ برس متواتر میدان جنگ میں ہی گذرے۔ اور باقی میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جنگیں جاری رہیں۔ اس کی آخری جنگ ۶۴۳ء میں گنجام (کونگوڈ) کے مقام پر ہوئی۔ اس واقعے کے بعد اس فاتح بادشاہ نے اپنے اسلحہ جدا کئے۔ اور اپنے باقی ماندہ دنوں کو امن و امان اور خدا پرستی اور زہد میں گذارنے کی کوشش کی۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اشوک کی تقلید کی کوشش کی تھی۔ اور اسی وجہ اس کے آخری زمانے کے تمام حالات بادی النظر میں محض اشوک ہی کے حالات کا ایک چربہ معلوم ہوتے ہیں۔

اس کی ریاضت و عبادت۔

اس زمانے میں راجہ نے بدھ مذہب کی صلح کل تعلیمات پر شدت سے عمل کرنا شروع کیا۔ اوّل اوّل اس کا تعلق ہنیان فرقے سے تھا۔ مگر بعد میں اس نے مہایان کے عقائد

---

[1] بان کی کتاب کا انگریزی ترجمہ مترجمہ ڈاکٹر ایف۔ ڈبلیو۔ ٹامس پروفیسر کاول متوفی شائع کردہ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۷ء۔ یہ ترجمہ لیاقت کی ایک زبردست فتح خیال کی جاسکتی ہے۔

اختیار کر لئے۔ وہ زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اور انسانی زندگی کی بغیر یہ واسکے بدھ مذہب کے عقیدہ اہمسا پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ "مذہبی نیکی کے بیج بونے میں وہ اس قدر منہمک ہو گیا تھا کہ سونا اور کھانا تک فراموش کر دیا تھا۔ اور تمام ملک میں اس سرے سے اس سرے تک جانور کے ذبح کی ممانعت کی۔ اور اس کے مرتکب کو سزائے موت کا اعلان کیا ہو

مذہب اور مفاد عام کے کام

تمام سلطنت میں اشوک کے نمونے کے رفاہ عام کے لئے ایسی عمارتیں تعمیر کرائیں جن سے مسافروں - غریبوں اور بیماروں کو نفع پہنچ سکے۔ شہروں اور دیہاتوں میں دھرم سالے بنائے گئے۔ جہاں کھانے پینے کا انتظام کیا گیا۔ اور طبیب مقرر کئے گئے جن کو حکم تھا کہ صاحب حاجت کو وہ بغیر بخل کئے دوائیں بہم پہنچائیں۔ اس کے علاوہ ہرش نے اشوک کی اس معاملے میں بھی پیروی کی کہ اس نے بہت سی خانقاہیں بدھ اور ہندومت کے لوگوں کے لئے تعمیر کرا دیں۔ زندگی کے آخری زمانے میں شاہی عطیات کا سب سے بڑا فیض پہلے مذکور مذہب کے حصے میں آیا۔ اور ان کے لئے بے شمار خانقاہیں تعمیر کرائی گئیں۔ اور دریائے گنگا کے کنارے پر ایک ہزار ستوپ بنائے گئے جن میں ہر ایک (۱۰۰) فٹ بلند تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب عمارتیں ایک بڑی حد تک لکڑی سے تعمیر کی گئی تھیں۔ کیونکہ ان کا نشان اب کہیں نہیں ملتا۔ مگر محض ستوپوں کی تعمیر میں خواہ وہ کیسے ہی کمزور ہوں ثواب سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ ہرش اور ہیون سانگ کے زمانے میں بدھ مذہب کا ہندوستان میں ظاہرا طور پر زوال ہو رہا تھا۔ مگر بھکشوؤں کی تعداد اب بھی بے شمار تھی۔ اور ان خانقاہوں میں جن کا نام جاتری نے لکھا ہے کم و بیش دو لاکھ بھکشو مقیم [۱] تھے۔ اس کثیر تعداد میں

[۱] جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۱ء صفحہ ۴۱۸-۴۲۱ ہو

راجہ کو ہمیشہ فیاضی اور بخشش وجود کا کافی موقع ملتا رہتا تھا؛

مذہب کی حالت

ساتویں صدی عیسوی کے دوران میں ہندوستان کے مذہبی عقائد اور عبادات کی جو تصویر ہمعصر مورخین نے کھینچی ہے۔ وہ عجیب وغریب اور دلچسپ تفصیلوں سے پر ہے۔ ہرش کے شاہی خاندان کے افراد مذہب کے معاملے میں اپنے ذاتی رجحان پر کھلم کھلا عمل کرتے تھے۔ اس کے جدا علیٰ پشیا بھوتی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بچپن سے ہی شو کا پرستار اور باقی اور تمام دیوتاؤں سے متنفر تھا۔ اسی طرح ہرش کا باپ بھی سورج کی پرستش کیا کرتا تھا۔ اور ہر روز سرخ کنول کے پھولوں کا ایک گلدستہ خالص لعل کے گلدان میں رکھ اپنے دل کے اسی رنگ کے خون کے ساتھ "اس کی بھینٹ چڑھایا کرتا تھا۔ ہرش کا بڑا بھائی اور بہن پکے اور راسخ الاعتقاد بدھ مذہب کے پیرو تھے۔ اور ہرش نے خاندان کے تینوں دیوتاؤں شو۔ سورج۔ اور بدھ[1] کے مابین اپنی عبادت وریاضت تقسیم کردی تھی۔ اوران تینوں کی عبادت کے لئے بیش بہا عمارتیں تعمیر کرائی تھیں۔ مگر زندگی کے آخری دنوں میں بدھ مذہب ہی کے عقائد نے اس کے دل میں سب سے زیادہ گھر کرلیا تھا۔ اور چینی "عالم قوانین" کی فصاحت وبلاغت کا اس پر یہ اثر ہوا کہ اس نے سمتیا فرقے کے پرانے ہینیان کے عقائد کو ترک کرکے مہایان عقائد اختیار کرلئے؛

شاہی انتخاب مذہب

شاہی خاندان کے انتخاب مذہب کا یہ طریقہ دراصل اس زمانے کے عام مذہبی خیالات کا پرتو اور نتیجہ تھا۔ اگرچہ دریائے گنگا کے میدان میں بدھ مذہب کی وہ حیثیت اب نہیں رہی تھی جو اس سے قبل کسی زمانے میں تھی۔ لیکن یہ اب بھی قابل وقعت لوگوں کے

---

[1] بدھ دیوتا نہا کے ذکر کرنا یقیناً درست نہیں۔ لیکن جب ساتویں صدی عیسوی میں بدھ مذہب کا ذکر ہو رہا ہو۔ تو یہ غلطی محض لفظی اور رسمی ہی رہ جاتی ہے؛

دنوں میں موثر تھا۔ جین مت شمالی ہند میں کبھی عام طور پر مروج نہ ہوا تھا۔ اور اگرچہ بعض مقامات بالخصوص ویسالی اور مشرقی بنگال میں اُس کا زور وشور اب تک قائم تھا۔ مگر اس کی ایسی حیثیت نہ تھی کہ وہ بدھ مت یا پرانوں کے ہندو مت کا حریف ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ پران مت جو ہندوؤں کے مذہب ہی کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔ اب بالکل بالاستقلال قائم ہو چکی تھی۔ اور سب سے قدیم پران اس وقت مقدس اور قدیم کتب تسلیم کی جاتی تھیں۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں بھی آبادی کا بڑا حصہ پرانوں کے دیوتاؤں ہی کی پرستش کرتا تھا۔ اور ہر مرد و عورت کو اختیار تھا کہ شو۔ سورج۔ اور وشنو وغیرہ میں سے جس کو وہ ذاتی خیالات کی بنا پر صحیح سمجھے اختیار کرے۔ عموماً مختلف مذاہب کے پیرو پہلو بہ پہلو امن و امان سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اس میں بھی شک و شبہ نہیں کہ بادشاہ کی طرح اور بہت سے لوگ بھی خدا کے فضل و کرم کے حصول کو یقینی سمجھ کے عوام کے دیوتاؤں کے سامنے درجہ بدرجہ سر جھکاتے تھے۔

سانگ کی مذہبی ایذا رسانی۔

لیکن اگرچہ مذہبی رواداری اور صلح و ہم آہنگی عام طور پر پھیلی ہوئی تھی مگر اس قاعدۂ کلیہ میں کبھی کبھی رخنہ بھی پڑتا تھا۔ وسط بنگال کا راجہ سانگ جس کا ذکر اس سے قبل بھی ہرش کے بھائی کو دغا بازی سے قتل کرنے کے ضمن میں آچکا ہے۔ اور جو غالباً خاندان گپت کا ایک رکن تھا۔ شو دیوتا کا پرستار تھا۔ اس کو بدھ مذہب سے نفرت کلی تھی۔ اور وہ ہمیشہ اُسے بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے پر تلا رہتا تھا۔ بودھ گیا کے مقام سے اس مقدس بودھی درخت کو اس نے اکھاڑ کر جلا دیا۔ جس پر روایات کے مطابق راجہ اشوک نے بے انتہا عبادات کی تھی۔ پاٹلی پتر کے مقام پر اس نے اس پتھر کو ریزہ ریزہ کر دیا جس پر بدھ کے قدم کے نشان بنے ہوئے تھے۔ خانقاہوں کو تباہ کر ڈالا اور بھکشوؤں کو دربدر آوارہ کر دیا۔ ان حرکات کا اثر نیپال کی

پہاڑیوں کے دامن تک پہنچا۔ یہ واقعات ایسے ہیں کہ ہیون سانگ کی شہادت سے جو ان کے تیس یا چالیس برس بعد یہاں آیا تھا۔ ان کے ثبوت کو اور زیادہ تقویت ہوتی ہے۔ اور غالباً وہ سنہ ۶۰۰ء میں واقع ہوئے تھے۔ قلیل مدت کے بعد مگدھ کے مقامی راجہ پورن ورمن نے جو اشوک کا آخری جانشین کہا جاتا ہے بودھی درخت کو نئے سرے سے نصب کرادیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کو اسی وجہ سے اس چیز سے خاص محبت بھی ہوگی جس کی تعظیم اس کا عظیم الشان جد اعلیٰ کیا کرتا تھا۔

مذہبی بغض۔ ان تفصیلات سے جن کا ذکر ہیون سانگ اور اس کے سوانح نویس نے کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات بدھ مذہب کے دو زبردست فرقوں میں سخت مذہبی بغض و عناد پھیل جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ پرانے ہندوؤں کے دلوں میں بدھ مذہب کو مورد عنایات شاہی دیکھ کر آتش بغض و حسد سلگنے لگتی تھی۔ اس لئے یہ بالکل صحیح ہے کہ ہند قدیم میں مذہبی رواداری کے متعلق تمام عام خیالات کو ذرا سوچ سمجھ کر قبول کرنا چاہیئے۔ حکومت کی طرف ایذا رسانی اور عوام کا جوش و خروش اگرچہ اکثر نہیں تو کم از کم بعض اوقات بروئے کار آجاتا تھا۔ اور مذہبی وجوہ سے بغض و عناد کا عام چرچہ پھیل جاتا تھا۔

مناظرے۔ خود ہرش بھی بعض اوقات کامل مذہبی رواداری اور مساوات کے توڑنے کا مرتکب ہوتا تھا۔ اکبر اور ہندوستان اور دیگر بادشاہوں کی طرح اس کو بھی حریف اور مدمقابل علماء کے مناظرے سننے کا شوق تھا۔ چینی جاتری کے دربار میں آنے کے بعد اس نے برضا و رغبت وہ تمام دلائل و براہین سنے جو جاتری نے مہایان فرقے کی عظمت و ترجیح کے متعلق بیان کئے۔ ان عقائد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے قبل بالکل ناآشنا تھا۔ قدیم ہندی سوسائٹی میں عورتوں کے پردے کی ان پابندیوں سے جس کا رواج مسلمانوں میں پایا جاتا ہے آزادی کی ایک عجیب مثال اس واقعے سے ملتی ہے کہ بادشاہ کی بیوہ بہن جاتری کے وعظ و درس کو

سننے کے لئے بادشاہ کے برابر پہلو میں بیٹھتی تھی۔ اور ان کے سننے سے جو خوشی اس کو ہوتی وہ اس کا اظہار نہایت صاف لفظوں میں کیا کرتی تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ایک چینی کتاب کا تو یہ بیان ہے کہ ہرش اپنی بہن کی معیت و شرکت سے سلطنت کا نظم ونسق انجام دیتا تھا[1]۔

ہرش کا اعلان مگر ہرش نے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اس کے مہمان عزیز کو مناظرے میں شکست نہ ہونے پائے۔

جب چینی جاتری کے عقائد کے مناظرے کے لئے حریف علماء کو دعوت دی گئی تو مناظرے کے قواعد وضوابط بہت کچھ انصاف پر مبنی نہ تھے۔ جب ہرش کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے حریف علماء مذہب کے ہاتھوں ہیون سانگ کی جان جوکھوں میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے تو اس نے ایک اعلان شایع کیا جس کے آخر میں اطلاعاً تحریر تھا:—

"اگر کوئی شخص "ماہر قوانین" کو ہاتھ لگائے گا یا اس کو ایذا پہنچائے گا تو اس کو فوراً سزائے موت دی جائے گی۔ جو کوئی اس کے برخلاف کچھ کہے گا اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے گی۔ مگر وہ تمام شخص جو اس کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، وہ میرے امن میں ہیں اور ان کو اس اعلان سے کسی طرح خوف زدہ نہ ہونا چاہئے۔"

اس کے بعد جاتری کا سوانح نگار سادہ لوحی سے لکھتا ہے:—

"اس وقت سے باطل پرست لوگ الگ ہو گئے۔ اور بالکل غائب ہو گئے۔ اور اس طرح جب اٹھارہ دن گذر گئے تو کوئی بھی ایسا باقی نہ رہا کہ مناظرے کے لئے رضامند ہوتا[2]۔"

---

[1] "ننگ۔ چہ" (وٹیرس جلد اول صفحہ ۳۴۵)۔

[2] بیل:— "لائف آف ہیون سانگ" صفحہ ۱۸۰۔ اس کتاب کی طبع دوم میں تارناتھ کی

قنوج کی مجلس۔ راجہ ہرش ہیون سانگ سے بنگال کے علاقے میں سفر کے موقع پر سب سے پہلے ملا۔ اور اس کے مکالمات سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنے "دارالسلطنت قنوج میں ایک خاص مجلس مہاتما بدھ کی تعلیمات کے اعلان و اشاعت کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ایک حکایت (شیفنر صفحہ ۱۲۸) جو اس نے کسی راجہ سری ہرش نامی کے متعلق بیان کی ہے غلطی سے قنوج کے راجہ ہرش پر اطلاق ہو گیا تھا۔ مورخ کا بیان ہے کہ راجہ سری ہرش نے بیرونی مذاہب کے (۱۲۰۰۰) آدمیوں کو بھلا پھسلا کر ایک چوبی عمارت میں بند کیا اور مع ان کی کتابوں کے انھیں جلا کر خاک کر دیا۔ اور اس طرح اس نے ایرانی اور سک قوم کے مذاہب کو ایسا کمزور کر دیا کہ اس میں صرف ایک سو ہی آدمی بچے۔ یہ سفاکی کہا جاتا ہے کہ ملتان کے قریب واقع ہوئی۔ پھر تارناتھ لکھتا ہے کہ سری ہرش نے اپنے گناہ کا کفارہ اتارنے کے لئے چار عالیشان خانقاہیں تعمیر کرائیں جو علی الترتیب مرد۔ (مارواڑ) مالوا۔ میواڑ۔ پٹوا۔ اور چیتور میں واقع تھیں۔ ان میں سے ہر ایک اتنی وسیع تھی کہ اس میں (۱۰۰۰) بھکشو سما سکتے تھے۔ میں نہ تو چیتور اور پٹوا کے موقع کا نشان دے سکتا ہوں اور نہ تاریخ ہی کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ لیکن بہر حال یہ ظاہر ہے کہ سری ہرش راجپوتانے میں غالباً مارواڑ کے علاقے کا مقامی سردار تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے، چھٹی صدی کا واقعہ ہے۔ ہرش مارواڑ میں پیدا ہوا۔ اور مغرب کی تمام سلطنتوں پر حکمراں تھا۔ (ایضاً صفحہ ۱۲۶)۔ اشٹکا سین ("ہرش وردھن"، صفحہ ۸۴) نے بھی غلطی سے اس مارواڑ کے ہرش کو قنوج کا ہرش تسلیم کر لیا ہے۔ اس نے اس آتش زدگی کے متعلق لنکا کی کتابوں کی شہادت سے نقل کی ہے۔ میں نے اب تک راجپوتانے کے بادشاہوں کی فہرست میں ہرش کا نام کہیں نہیں دیکھا۔ مگر میواڑ میں ایک قصبہ ہرش پور کے نام سے موجود تھا۔ (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۸۷)۔ جس کا نام ممکن ہے تارناتھ کی حکایت کے ہیرو کے نام پر رکھا گیا ہو۔

مقصد کے لئے منعقد کرے۔ ایک بڑی تعداد کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہرش دریائے گنگا کے جنوبی کنارے پر روانہ ہوا۔ اور مقابل کے کنارے پر اس کا حلیف کامروپ کا راجہ کمار اس سے ذرا تھوڑی تعداد کو ہمراہ لئے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ اس طرح آہستہ آہستہ چلتے چلتے ہرش کمار اور تمام خدم و حشم نوّے دن کے سفر کے بعد قنوج پہنچے۔ اور وہاں فروری یا مارچ ۶۴۳ء میں اقامت پذیر ہوگئے[1]۔ ہرش کا استقبال کامروپ کے راجہ کمار نے جو اس کے ساتھ ہی ساتھ آیا تھا۔ مغربی ہند کے ولبھی کے راجہ نے جو ہرش کا رشتہ دار تھا اور اٹھارہ دوسرے باجگذار راجاؤں نے کیا۔ اس کے علاوہ چار ہزار بھکشو جن میں ایک ہزار کے قریب بہار کی نالندا کی خانقاہ سے آئے۔ تین ہزار جین اور ہندو اس کی پیشوائی کے لیئے آئے ؟

رسوم | توجہ کے قابل خاص چیز ایک زبردست خانقاہ تھی جو اس مصرف کے لئے دریائے گنگا کے کنارے پر تعمیر کی گئی تھی۔ یہاں بدھ کا ایک طلائی بت جو بلندی میں راجہ کے قد کے برابر تھا ایک (۱۰۰) فیٹ بلند برج میں رکھا ہوا تھا۔ اسی قسم کا مگر اس سے بہت چھوٹا بت جو تین فیٹ بلند تھا ہر روز بڑے طمطراق سے گشت کے لئے اس طرح نکالا جاتا تھا کہ بیس راجہ اور تین ہاتھیوں کی ایک قطار اس کے جلو میں ہوتی تھی۔ شامیانے کو خود ہرش اپنے ہاتھ سے سکر دیوتا کے لباس میں ملبوس اٹھاتا تھا۔ اور اس کا حلیف کامروپ کا راجہ کمار جو تمام حاضرین راجاؤں سے مرتبے میں سب سے بڑا تھا۔ برہما کا لباس پہنے۔ ایک سفید چنور سے اس کی مکھیاں جھلتا تھا۔ راستے میں چلتے چلتے راجہ ہر طرف "سہ رتن" یعنے بدھ۔ مذہب اور رہبانیت کے نام پر موتی۔ طلائی پھول۔ اور دیگر قیمتی اشیاء نچھاور کرتا جاتا تھا۔ اور آخر میں ایک

[1] "موسم بہار کا دوسرا مہینہ تھا" (بیل۔ ریکارڈس جلد اول صفحہ ۲۱۸) ؟

خاص قربان گاہ کے سامنے جو اسی مقصد کے لیئے بنائی گئی تھی اپنے ہاتھ سے اس بت کو دھوتا۔ اور کندھے پر اُٹھا کر مغربی برج کی طرف لے جاتا۔ وہاں پہنچنے پر ہزار ہا ریشمی خلعتیں مرصع بہ جواہر اس پر سے خیرات اتارتا۔ کھانا کھانے کے بعد ایک عام مناظرہ منعقد کیا جاتا۔ جو ایسا ہی یکطرفہ ہوتا تھا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ؟

ہرش کے قتل کی کوشش

یہ تمام رسوم جو بہت دنوں تک جاری رہے۔ آخر چوکنا ہوشیار کرنے والے واقعات پر جا کر ختم ہو گئے۔ دفع الوقتی کے لئے جو خانقاہ بصرف زر کثیر بنائی گئی دفعتًا اس میں آگ لگ گئی۔ اور اس کا بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ لیکن جب خود راجہ نے اس کے فرو کرنے میں مدد دینی شروع کی تو آگ جلدی بجھ گئی۔ اور دیندار لوگوں نے اس کو اس کا معجزہ قرار دیا ؟

ہرش بہت سے شہزادوں اور راجاؤں کو ساتھ لے کر اس تمام نظارے کو دیکھنے کے لئے ستوپ کی چھت پر چڑھا تھا۔ اور وہاں سے نیچے اتر ہی رہا تھا۔ جب اچانک ایک مخبوط الحواس شخص خنجر ہاتھ میں لیئے اس پر جھپٹا اور اس کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ قاتل کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ اور جب بادشاہ نے بذات اس پر جرح کرنی شروع کی تو اس نے اقبال کیا کہ اسے بعض ایسے مرتدین نے شہ دے کر اس جرم کے ارتکاب پر آمادہ کیا تھا جو بدھ مذہب والوں کے مورد عنایات شاہی ہونے پر حسد کرتے تھے۔ اس پر پانچ سو مشہور برہمنوں کو قید کر لیا گیا۔ اور جب ان سے "جکڑ بند کر کے" سوال وجواب کیئے گئے تو انھوں نے اقبال کیا کہ اپنے حسد کی آگ بجھانے کے لئے انھوں نے خانقاہ کو آگ لگائی تھی۔ اور اس وقت جو افراتفری مچے اس سے فائدہ اٹھا کر بادشاہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ اقبال جرم بلا شک وشبہ تعذیب کے ذریعے سے حاصل کیا گیا تھا۔ غالبًا بالکلیہ غلط تھا۔ مگر خواہ غلط ہو خواہ صحیح اس کو تسلیم کر لیا گیا۔ اور اس کی بنا پر سازش کے تمام

سرغنوں کو سزائے موت دی گئی۔ اور کم و بیش (۵۰۰) برہمنوں کو جلا وطن کر دیا گیا؛

سنہ ۶۴۳ء۔ پریاگ کے مقام پر خیرات۔ قنوج میں کل کام کے ختم ہو جانے کے بعد ہرش نے چینی جاتری کو اپنے ساتھ دریائے گنگا اور جمنا کے سنگم پر پریاگ (اللہ آباد) کے مقام پر چلنے کے لئے دعوت دی تاکہ وہ وہاں کی موثر اور پر شکوہ رسوم کا بھی معائنہ کر سکے۔ اگرچہ جاتری وطن کی طرف واپس روانہ ہونے کا خواہشمند تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس دعوت سے انکار نہ کر سکا اور اپنے بادشاہ میزبان کے ساتھ مقام اجتماع کو چلا گیا۔ ہرش نے اس کو بتلایا کہ گذشتہ تیس برس سے اپنے آباؤ اجداد کی رسم کے مطابق اس کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر پانچویں برس ان دونوں دریاؤں کے مقام اتصال پر ریتی میں ایک زبردست مجلس منعقد کیا کرتا تھا۔ اور وہاں تمام جمع شدہ خزائن و ذخائر کو محتاجوں۔ غریبوں اور ہر مذہب کے علماء میں تقسیم کیا کرتا تھا۔ موجودہ موقعہ (سنہ ۶۴۳ء) اس سلسلے میں چھٹا تھا۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دستور اس وقت تک شروع نہ ہوا تھا جب تک کہ ہرش نے شمالی ہند کو زیر نگین نہیں کر لیا؛

روئداد عمل۔ اس مجلس میں تمام باجگذار راجہ حاضر تھے اور عوام کی ایک بڑی تعداد جو تخمیناً (۵۰۰۰۰) بیان کی جاتی ہے اور جس میں غریب یتیم۔ اور محتاج۔ اُن برہمنوں اور سنیاسیوں کے علاوہ شامل تھے جن کو خاص اسی مقصد کے لئے شمالی ہند کے اطراف سے بلایا گیا تھا۔ مجلس کا کام پچھتر روز تک جاری رہا۔ اور غالباً اپریل کے آخر میں جا کر ختم ہوا۔ کارروائی کا آغاز ایک شان دار جلوس کے ساتھ کیا گیا جس میں تمام راجہ مع اپنے خدم و حشم کے شامل تھے۔ مذہبی رسوم میں اس زمانے کے عقائد و خیالات کا ایک عجیب و غریب پرتو پایا جاتا تھا۔ پہلے دن بدھ کی مورت ایک ریتی میں ایک سقف عمارت

میں رکھی گئی۔ اور بیش بہا کپڑے اور دوسری قیمتی چیزیں تقسیم کی گئیں۔ دوسرے اور تیسرے دن علی الترتیب سورج اور شو کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ مگر ان کی خیرات بدھ کی خیرات کی مقدار سے نصف تھی۔ چوتھا دن بدھ مذہب کے دس ہزار مخصوص بھکشوؤں کو خیرات اور تحائف دینے میں صرف کیا گیا۔ ان میں سے ہر ایک نے سو اشرفیاں۔ ایک موتی۔ اور سوتی لباس اور ان کے علاوہ بہت عمدہ غذائیں اور شربت پھول اور عطریات تحفے میں پائے۔ اس کے بعد کے بیس دنوں میں بے شمار برہمنوں کو شاہی عطیات سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ آئے جن کو چینی مصنف ملحدین کہتا ہے۔ یہ جین اور دوسرے مختلف فرقوں کے پیرو تھے۔ اور ان دس دن تک ان میں خیرات تقسیم ہوئی۔ اتنا ہی زمانہ ان فقیروں میں خیرات کرنے میں لگا جو دور و دراز مقامات سے آئے تھے۔ ایک مہینہ غریبوں۔ محتاجوں اور یتیموں کو امداد پہنچانے اور خیرات تقسیم کرنے میں صرف ہوا۔"

خیرات کی مقدار

"اس تمام عرصے میں پانچ سال کی جمع پونجی سب کی سب صرف ہو گئی اور سوائے گھوڑوں۔ ہاتھیوں اور فوجی اسلحہ اور ساز و سامان کے جن کی ضرورت امن و امان کے قائم رکھنے اور سلطنت کی حفاظت کی وجہ سے پڑتی تھی کچھ باقی نہ رہا۔ ان کے علاوہ بادشاہ نے نہایت کشادہ دلی سے بلا ردو قدح اپنے جواہرات۔ اور مال و اسباب۔ کپڑے۔ گلوبند۔ بالے کنگن۔ مالے۔ گلے میں پہننے کے زیورات اور سر پر لگانے کے جواہرات سب کچھ دے ڈالے۔ اور جب سب کچھ دیا جا چکا تو اس نے اپنی بہن (راجیا سری) سے ایک پرانا لباس مانگ کر پہنا اور "وہ عالم کے

بھوں کی" پرستش کی۔ اور خوش ہوا کہ اس کا خزانہ
دین کے کاموں میں صرف ہوا۔"

ہیون سانگ کی رخصت۔

اس کے بعد یہ عجیب و غریب مجلس جو بادی النظر میں بہت کچھ اُس بھیڑ بھڑکے کے میلے کے مشابہ ہو گی جو آج کل بھی اس مقام پر لگتا ہے۔ ختم ہو گئی۔ اور ہیون کو دس دن اور رو کنے کے بعد اس کو واپس جانے کی اجازت دی گئی۔ راجہ اور کمار راجہ نے بمقدار کثیر سونا اس کے سامنے پیش کیا۔ مگر اس نے کمار راجہ کی دی ہوئی ایک پوستین کی ٹوپی کے سوا اور کچھ قبول نہ کیا۔ اگرچہ جاتری نے اپنے ذاتی منافع کے لئے روپیہ لینے سے سراسر انکار کیا۔ لیکن چین کی طرف اپنے دشوار اور مشکل سفر کے اخراجات کے لیئے رقم قبول کرنے میں بالکل تامل نہ کیا۔ اور اس کا انتظام بھی نہائت کشادہ روئی سے کیا گیا۔ چنانچہ ایک ہاتھی پر لاد کر تین ہزار طلائی اور دس ہزار نقرئی سکے اس کے ہمراہ کر دئے گئے۔ اودھت نام راجہ کو حکم ہوا کہ ایک دستے کو ساتھ لے کر جاتری کو سرحد تک پہنچا آئے۔ آہستہ آہستہ راستہ طے کرنے اور منازل میں طویل قیام کرنے کے بعد تقریباً چھ ماہ کے عرصے میں راجہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوا اور اپنے بادشاہ کے مہمان کو امن و امان سے پنجاب کے مشرق میں جالندھر کے مقام تک پہنچا گیا۔ جہاں ہیون سانگ نے ایک ماہ قیام کیا۔ یہاں سے وہ ایک نئے طلیعہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور نمک کے کوہستان کو بمشکل قطع کرنے کے بعد دریائے سندھ کو عبور کیا اور انجام کار پامیر کی سطح مرتفع پر سے گذرتا اور ختن میں سے ہوتا ہوا۔ ۶۴۵ء[1] کے موسم بہار میں اپنے وطن چین پہنچ گیا۔

---

[1] یون۔ چانگ چین کو واپس ہوا۔ اور ۶۴۵ء کے شروع اور تنگ۔ تائی۔ سنگ کی حکومت کے انیسویں سال چنگ۔ آن پہنچا (وٹیرس۔ جلد اول صفحہ ۱۱)۔ دیکھو نقشہ جو وٹیرس کی جلد دوم کے ساتھ ملحق ہے۔

اس کی موت

جاتری خالی ہاتھ وطن واپس نہ گیا تھا۔ اتفاقات یا رہزنی کی وجہ سے متعدد مرتبہ نقصانات برداشت کرنے کے باوجود وہ بدھ کے جسم کے ڈیڑھ سو ریزے بطور تبرکات اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہوا۔ ان کے علاوہ سونے اور چاندی کی بنی ہوئی بدھ کی چند مورتیں۔ اور (۶۵۷) قلمی نسخے جو بیس گھوڑوں پر لدے ہوئے تھے اس کے ساتھ آئے۔ اس کی باقی ماندہ زندگی ان ہی کتابوں کے ترجمے کرنے میں صرف ہوئی۔ اور ۶۶۱ء میں جب اس نے آخری مرتبہ قلم ہاتھ سے رکھا ہے تو وہ چوہتر کتابوں کا ترجمہ مکمل کر چکا تھا۔ اس کے بعد وہ تین سال اور عزت و احترام کے ساتھ زندہ رہا۔ اور جب مرا تو ایسی شہرت اپنے پیچھے چھوڑ گیا کہ کوئی بدھ مذہب کا عالم اس میں اس سے گوئے سبقت نہیں لے جا سکتا۔

۶۴۷ء ہرش کی موت۔

ہیون سانگ کے سفرنامے اور اس کے سوانح نگار کے صفحوں میں راجہ ہرش کی زندگی کے آخری واقعات کا پتہ ملتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے دوست کے رخصت ہونے کے تھوڑی مدت بعد ہی ۶۴۶ء کے آخر یا ۶۴۷ء کے شروع میں مر گیا۔

چین سے تعلقات۔

اپنی زندگی کے زمانے میں اس نے سلطنت چین کے ساتھ سیاسی تعلقات قائم کئے۔ ایک برہمن سفیر جس کو ۶۴۱ء میں اس نے چین کے شہنشاہ کے پاس روانہ کیا تھا ۶۴۳ء میں واپس آیا۔ اور اس کے ہمراہ ایک چینی سفارت بھی تھی جو ہرش کی مراسلت کا جواب لے کر آئی تھی۔ یہ سفارت معتدبہ مدت تک ہندوستان میں رہی۔ اور ۶۴۵ء سے پہلے واپس نہیں گئی۔ اس کے دوسرے سال ونگ۔ ہیون تسے کی سرکردگی میں جو پہلے سفارت کے موقع پر افسر اعلیٰ کا مددگار تھا۔ تین سواروں کی معیت میں ایک اور سفارت ہندوستان کی طرف روانہ کی۔

۶۴۷ء کے شروع یا غالباً ۶۴۶ء کے اواخر میں راجہ لاوارث مر گیا۔ اس کی زبردست شخصیت کے غائب ہو جانے سے تمام ملک میں ابتری اور بے چینی پھیل گئی۔ اور قحط کی وجہ سے اس میں اور زیادہ ترقی ہوئی؛

متوفی بادشاہ کے ایک وزیر ارجن یا ارُنا نے سو نے کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اور "وحشیوں" کی ایک فوج لے کر چینی سفارت کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ طلیعہ کے لوگوں کو قتل و قید کیا گیا۔ اور سفارت کے مال و اسباب کو جس میں وہ تحائف بھی شامل تھے جو ہندی راجاؤں کی طرف سے دیئے گئے تھے لوٹ لیا۔ مگر خوش قسمتی سے دو سفیر ونگ۔ ہیون۔ تسے اور اس کا مددگار رات کے وقت نیپال کی سرحد میں بھاگ کر نکل گئے؛

چینی سفیر کے ہاتھوں غاصب کی شکست۔

تبت میں، اس وقت مشہور و معروف بادشاہ سرانگ۔ تسن۔ گمپو بر سر حکومت تھا اور اس نے چین کی ایک شہزادی سے شادی کی تھی۔ اس بادشاہ نے ان دونوں پناہ گزینوں کی مدد کی اور بارہ سو چیدہ سوار مع نیپال کی (۷۰۰۰) امدادی فوج کے (کیونکہ اس زمانے میں نیپال تبت کا باجگذار تھا) ان کو دے کر روانہ کیا۔ اس مختصر سی فوج کو لے کر ونگ۔ ہیون۔ تسے میدان میں اترا۔ اور تین ہی دن کے محاصرے کے بعد اس نے ترہٹ کے صدر مقام پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ محصور فوج میں سے تین ہزار قتل کیئے گئے۔ اور دس ہزار قریب کے دریا غالباً باگمتی میں غرق ہو گئے۔ (؟) ارجن مفرور ہو گیا۔ اور ایک نئی فوج جمع کر کے پھر جنگ کا قصد کیا۔ مگر اس کے بعد پھر شکست فاش کھائی اور گرفتار ہوا۔ فاتح نے فوراً ایک ہزار قیدیوں کا قتل عام کیا۔ اور بعد کی ایک جنگ میں تمام شاہی خاندان کو قید کیا بارہ ہزار لوگوں کو گرفتار کیا۔ اور تیس ہزار سے زیادہ گھوڑے اور مویشی اس کے ہاتھ آئے۔ اس مہم کے عرصے میں پانچ سو اسّی (۵۸۰) قلعہ بند شہروں نے اس کی اطاعت قبول کی۔ اور مشرقی ہند کے راجہ کمار نے جو چند سال

قبل ہی ہرش کی مجلسوں میں شریک رہا کرتا تھا۔ فاتح فوج کے لئے کثیر تعداد میں مویشی۔ اور فوجی سامان سازوبراق بہم پہنچایا۔ ونگ۔ ہیون تسے غاصب کو اپنے ساتھ ہی چین لیتا گیا اور وہاں اس کارنامے کے بدلے میں اس کی عزت افزائی کی گئی۔ آخر میں سنہ ۶۵۰ء میں جب تنگ۔ تسنگ مرا اور اس کا مقبرہ تیار ہونے لگا تو عمارت کے دروازے پر تبت کے بادشاہ سرانگ۔ تسن۔ گمپو اور اس غاصب (؟) ارجن کے بت نصب کئے گئے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے تک ترہت تبت ہی کے ماتحت رہا۔ جو اس وقت ایسی قوی سلطنت تھی کہ چین کی مدمقابل مانی جاتی تھی۔ اس طرح اس عجیب و غریب حکایت کا خاتمہ ہوا۔ جس سے اگرچہ ماہرین علم قدیم برسوں سے واقف تھے۔ مگر اب تک مورخین ہند کی نظر سے اوجھل تھی[1]۔

ونگ ہیون تسے کی تیسری مرتبہ آمد

ایک مرتبہ اور ونگ۔ ہیون۔ تسے اپنے پرانے کارناموں کے مقامات کی طرف آیا کیونکہ سنہ ۶۵۷ء میں اس کو اس کے بادشاہ نے بدھ مذہب کے مقدس مقامات میں خلعتیں بانٹنے کے لئے نامزد کیا۔ وہ براہ لہاسہ جو اس وقت بالکل کھلا ہوا تھا اور اس سے قبل بہت سے چینی جاتریوں نے اسے استعمال بھی کیا تھا۔ نیپال ہوتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا۔ اور ویسالی۔ بودھی گیا۔ اور دوسرے مقدس مقامات کی زیارت کے بعد کپس یا شمالی افغانستان ہوتا ہوا ہندوکش اور پامیر کے راستے سے وطن واپس چلا گیا[1]۔

---

[1] ونگ۔ ہیون۔ تسے کی حکایت نے اپنے مضمون "لیس شہزدی ونگ۔ ہیون۔ تسے ڈلنس ل انڈ" (جے۔ ایشیاٹک سنہ ۱۹۰۰ء) میں بہ تفصیل بیان کی ہے۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۱۱ وغیرہ میں شائع ہوا ہے۔ اس غاصب کا نام چینی کتاب میں ن۔ نو۔ تی۔ او۔ لو۔ ن شیون لکھا ہے جو ارجن بھی بن سکتا ہے

کشمیر ساتویں صدی میں ہیون سانگ کے بیانات سے ہرش کی سلطنت کے حدود کے باہر ساتویں صدی میں ہندوستان کی سیاسی حالت پر بہت روشنی پڑتی ہے۔ شمال میں کشمیر کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ اور اس نے ٹکسلا۔ سمہپور (کوہستان نمک) اور دوسری پہاڑی ریاستوں[1] کو زیرنگیں کر کے اپنا باجگذار کر لیا تھا۔

پنجاب دریائے سندھ اور بیاس کے درمیان پنجاب کا بڑا حصہ ایک سلطنت میں شامل تھا جس کو جاتری تسہ۔ کیا یا چیہ کا کہتا ہے۔ اس کا صدر مقام ایک بے نام و نشان شہر تھا۔ جو ساکل (سیالکوٹ) کے پاس جو کسی زمانے میں مہر گل کا مستقر رہ چکا تھا واقع تھا۔ ملتان کا صوبہ جہاں سورج دیوتا کی پرستش کا زور و شور تھا۔ اور پو۔ فا۔ تو نامی ایک ملک جس سے غالباً ملتان کے شمال مشرق میں شمول ہوا ہے اسی سلطنت کے ماتحت تھے۔

سندھ۔ اس وقت سندھ میں عجیب و غریب بات یہ تھی کہ وہاں کا راجہ ذات کا شودر اور بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ اور بھکشوؤں کی زبردست تعداد تھی جن کو ملک کی طرف سے مدد پہنچتی تھی۔ یہ تعداد تخمیناً (۱۰۰۰۰) تھی۔ مگر جیسی تعداد تھی ویسے ان کے صفات نہ تھے۔ کیونکہ ان دس ہزار میں بڑی تعداد کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ کاہل الوجود۔ عیاش اور عشرت پسند تھے۔ دریائے سندھ کا کوئی علاقہ جس کو جاتری او۔ تیئن۔ پو۔ چی۔ لو کہتا ہے سندھ کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اور ارناسو بھی ہو سکتا ہے لیفٹننٹ کرنل ویڈل کا قابل قدر مضمون "تبت۔ انویژن آف انڈیا ان ۶۴۷ء اینڈ اٹس ریزلٹس" ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو۔ جنوری ۱۹۱۱ء میں اس زمانے میں تبت کی اصلی حالت اور حیثیت کو ظاہر کیا ہے اور ہرش کی موت، کے سنہ کی تصحیح کی ہے۔

[1] ارسا (یا ہزارہ)۔ پرنوتس (یا پونچھ)۔ راجپوری (یا راجوری) یعنے قدیم ابھار۔

سلطنت ہی کا ایک صوبہ تھا[۱]

اس کا دار السلطنت الور۔

دوسرے ذرائع سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کی سلطنت جس کے ماتحت بلوچستان کا علاقہ بھی تھا۔ اس زمانے میں دولتمند اور قوی تھی۔ اور آج کل کے زمانے کی بہ نسبت کہیں زیادہ سرسبز و شاداب اور معمور تھی۔ اس میں کوہستان نمک سے لے کر سمندر تک دریائے سندھ کی تمام وادی شامل تھی۔ اصلی ہندوستان اور اس کے درمیان "گم شدہ دریا" یعنے ہکرا۔ یا دہندہ جس کو ہیون سانگ سن تو نے لکھا ہے حد فاصل تھا۔ اس کا دار السلطنت جس کا نام جاتری نے پئی شن۔ پُو۔ پُو۔ لو لکھا ہے ہکرا کے مغربی کنارے پر ارور یا الور تھا۔ یہ ایک قلعہ بند اور وسیع شہر تھا جس کے کھنڈرات بھی ضلع سکھر میں رُوہی کے مقام سے پانچ میل جنوب مشرق (شمالی عرض بلد ۲۷° - ۳۹ - مشرقی طول بلد ۶۸° - ۵۹) میں پائے جاتے ہیں۔ ایک حکایت کے مطابق اس شہر کو سنہ ۹۵۰ء میں سیف الملک نامی ایک تاجر نے اس طرح برباد کیا کہ ایک خوبصورت لڑکی کو عیاش راجہ کے پنجے سے چھڑانے کے لئے اس نے دریا کا رخ اس طرح بدل دیا اور شہر کو تباہ کر دیا۔

راجگان سندھ

جاتری نے شودر ذات کے بدھ مذہب کے راجہ کا ذکر کیا ہے وہ لیسینگا دیوجی کا بیٹا سہرس رائے تھا۔ جس کے بعد اس کا بیٹا ساہسی اس کا جانشین ہوا۔ سہرس رائے کے

---

[۱] نشنہ۔ کیا اور پو۔ فا۔ تو اور آو۔ تین پُو۔ چی۔ لو سے جو ہندی نام مراد ہیں۔ ان کا صحیح اندازہ بالکل نہیں ہو سکتا۔ سندھ کے بہت سے ستوپ اور بدھ مذہب کے آثار جو اب تک بالکل نظر انداز کر دیئے گئے تھے۔ اب دریافت ہوتے جاتے ہیں۔ (آرکی آلوجیکل سروے۔ آف ویسٹرن انڈیا۔ پروگرس رپورٹ سنہ ۱۰-۱۹۰۹ صفحہ ۴۰)

زمانے میں ہی عربوں کی فاتح اور منصور فوج اپنے تازہ جوش و خروش کو پہلو میں لیئے ہوئے مکران (بلوچستان) میں داخل ہوئی۔ سہرس رائے نے ان کا مقابلہ کیا۔ شکست کھائی اور مارا گیا۔ اس کے تقریباً دو برس بعد ۶۴۴ء کے آخر میں حملہ آوروں نے مستقل طور پر مکران پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کے بیٹے اور جانشین ساہسی نے بیرونی دشمن کا مقابلہ کیا تو اس کا حشر وہی ہوا جو اس سے پہلے اس کے باپ کا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد عنان حکومت چچ نام ایک برہمن وزیر کے ہاتھ میں گئی۔ جس نے چالیس برس تک حکومت کی۔ سندھ پر عربوں نے ۷۱۰ء یا ۷۱۱ء (۹۲ھ) میں محمد ابن قاسم کے ماتحت حملہ کیا۔ اور اس نے جون ۷۱۲ء میں چچ کے بیٹے راجہ داہر کو شکست دے کر قتل کیا۔ اس سنہ کے بعد سندھ کی ہندو سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ صوبہ مستقل طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔[1]

وسط ہند۔ اجین اور وسط ہند کی دوسری سلطنتوں کے راجہ جو غالباً کم و بیش ہرش کے ماتحت تھے برہمنوں کی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ اجین کے علاقے میں بڑی گھنی آبادی تھی۔ اور بدھ مذہب کے پیرووں کی تعداد بہت کم تھی۔ بہت سی خانقاہیں بالکل ویران اور غیر آباد پڑی ہوئی تھیں۔ اور صرف تین یا چار جن میں تقریباً تین سو بھکشو رہتے تھے آباد تھیں۔ اس علاقہ میں۔ جس کو اشوک کی زندگی سے خاص تعلق اور سانچی کی عظیم الشان

---

[1] ریورٹی:۔ نوٹس آن افغانستان صفحہ ۵۷۔ ۵۶۶ و ۶۶۳۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصہ اول (۱۸۹۲ء) صفحہ ۲۳۳۔ ۲۳۹۔ ۲۵۱۔ ایلیٹ۔ ہسٹری آف انڈیا جلد اول۔ حاشیہ نمبر بی۔ صفحہ ۴۰۵۔ ریورٹی کے بیانات ایلیٹ سے زیادہ صحیح ہیں۔ اور موخر الذکر سے بعض غلطیاں رہ گئی ہیں۔ صفحہ ۴۰۵ پر جس نام کو ایلیٹ نے "کنوج" لکھا ہے وہ اصل میں ملتان کا ملحق علاقہ قنوج تھا۔

عمارات سے خاص وقعت حاصل تھی۔ بدھ مذہب کا یہ زوال و انحطاط ایک عجیب و غریب واقعہ ہے۔ جو اب تک سمجھ میں نہیں آیا۔

کامروپ۔ کامروپ یا آسام کا بھاسکر ورمن یا کمار راجہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ذات سے برہمن تھا۔ اور باوجودیکہ ہر ایک قسم کے علماء کی سرپرستی کے لئے تیار رہتا تھا۔ مگر بدھ مذہب سے اس کو علاقہ نہ تھا۔ لیکن شمالی ہند کے راجہ ادھیراج کا وہ اس درجہ مطیع تھا کہ وہ ہرش کے احکام کی خلاف ورزی نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ ہرش کے تمام رسوم کی ادائی میں وہ برابر شریک رہا تھا۔

کلنگ۔ کلنگ کا علاقہ جس کی فتح سے اشوک کو نو سو برس میں اس قدر روحانی تکلیف اٹھانی پڑی تھی۔ اب بالکل غیر آباد پڑا تھا۔ اور اس کا بڑا حصہ گھنے جنگل سے ڈھکا ہوا تھا۔ جاتری نے اپنی دلآویز طرز تحریر میں لکھا ہے کہ "قدیم زمانے میں کلنگ کی سلطنت میں گھنی آبادی تھی۔ ان کے ہاں کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ اور ان کی رتھوں کے دھرے ایک دوسرے سے ٹکرایا کرتے تھے۔ اور جب وہ اپنی آستینیں اٹھاتے تھے تو اچھا خاصہ ایک خیمہ بن جاتا تھا۔" اس تباہی اور بربادی کی وجہ روایتاً ایک ناراض ولی اللہ کی بددعا تھی۔

دوسری سلطنتیں کشمیر۔ نیپال۔ اور مغرب و جنوب کی سلطنتوں کا حال ہیون سانگ نے لکھا ہے اس کا ذکر آئندہ ابواب میں

لے: بھاسکر ورمن کی ایک تاریخ دسنہ کا تانبے کی لوح پر کندہ کیا ہوا کتبہ "دکن ریویو" جون ۱۹۱۳ء میں شائع کیا گیا ہے۔ اس واقعے سے کہ راجہ کے احکام بنگال میں اس کے صدر مقام کرن سورن سے نافذ کئے جاتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہرش کی ماتحتی میں بنگال پر بھی حکمراں تھا۔

اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔

ہرش کی موت کا اثر ہرش کی موت نے نفاق و شقاق کی ان تمام قوتوں کا شیرازہ توڑ دیا جو ہندوستان میں ہر وقت موجود اور کام کے لیئے مستعد رہتی ہیں۔ اور بند کے ٹوٹنے کا جو فطری اثر ہوا کرتا ہے وہ ہی ہوا۔ تمام سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہوگئی۔ جن کی حدود کبھی مستقل نہ ہوتی تھیں۔ اور ہر ایک دوسرے سے ہمیشہ دست و گریباں رہتی تھیں۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں جب ہندوستان اول اول مرتبہ یورپی اقوام کے پیش نظر ہوا ہے۔ تو اس کی یہی حالت تھی۔ اور یہی حالت اس کی ہمیشہ رہی ہے۔ سوائے مقابلتاً مختصر زمانوں کے جب کہ کسی قوی شوکت مرکزی حکومت نے تمام باہم مخالف اجزاء و عناصر ملکی کو اپنی گردشوں اور انقلابات کے ختم کر دینے اور کسی زبردست طاقت کی فرماں برداری کرنے پر مجبور کیا۔

ہندوستان کی طبعی حالت ہنوں کی یورش اور حملے کی وجہ سے ملک نے اس قدر مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کی تھیں کہ ہرش کی خود مختارانہ حکومت کو غنیمت اور نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ جب وہ مرا ہے تو بیرونی حملہ آوروں کے آنے کی وجہ سے ملک میں جو ناسور پیدا ہوگئے تھے ان کا اندمال ہو چکا تھا۔ اور بیرونی حملہ آوروں کے خوف سے نجات کلی کے احساس نے اب لوگوں کو کسی نجات دہندہ سے بالکل مستغنی کر دیا تھا۔ اور اسی وجہ سے اس کی موت کے بعد ہندوستان نے اپنی طبعی حالت کی طرف عود کیا۔ اور بدانتظامانہ خود مختاری حکومتیں قائم ہوگئیں۔

پانچ صدی تک بیرونی حملوں سے بالکلی نجات۔ آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں کے سندھ اور گجرات میں محض مقامی حملوں کے سوا ہندوستان کا اندرونی حصہ ۵۲۹ء میں مہرگل کی شکست سے لے کر گیارھویں صدی

کے اوائل میں محمود غزنوی کی یورشوں تک تقریباً پانچ صدی کے دوران میں کسی زبردست بیرونی حملوں سے بالکل بے خطر رہا۔ اور اس عرصے میں اس کو آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنے ہی ہاتھوں کرلے گو

انتظام مملکت۔ علم و ادب اور مذہب۔

سیاسیات میں کوئی ارتقاء واقع نہیں ہوا۔ کوئی بادشاہ ایسا فرزانہ اور لائق پیدا نہ ہوا جو چندرا گپتا موریا۔ اشوک۔ اور یا اس سے کم شاہان گپت۔ اور قنوج کے راجہ ہرش کی طرح تمام مخالف عناصر و اجزائے سیاسی کو ایک شیرازے میں جکڑ کے مستحکم کر دیتا۔ شمالی ہند میں سلطنت اعلیٰ قائم کرنے کی سب سے زیادہ کوشش قنوج کے راجہ مہر بھوج (تقریباً سنہ ۸۴۰ء سے سنہ ۸۹۰ء تک) نے کی۔ مگر بدقسمتی سے اس کے نظام سلطنت یا عادات و خصائل کے متعلق ہم کو کوئی معلومات دستیاب نہیں ہوئیں۔ مسلمانوں کے حملے کے بھاری صدمے نے بھی ان بے شمار ہندو ریاستوں میں کسی قسم کا اتحاد و اتفاق قائم نہ کیا۔ اور اس طرح یہ ریاستیں یکے بعد دیگرے عرب ترک اور پٹھان جرگوں کا جن میں کم از کم مذہبی جوش ایک علت مشترک تھا بہ آسانی شکار ہو گئیں۔ علم ادب اگرچہ باکثرت پھیلا اور مقامی درباروں کی سرپرستی میں تھا اُس معیار سے کہیں گھٹ گیا تھا جو کالی داس نے کسی زمانے میں حاصل کر لیا تھا۔ بدھ مذہب کے رفتہ رفتہ انحطاط سے ہندوستان کے مذہب پر برا اثر پڑا۔ یہ بدھ مذہب نامعلوم اثرات اور تبدیلیوں کی وجہ سے ہندو مت کے مختلف فرقوں میں ضم ہو گیا۔ صرف مگدھ اور گرد و نواح کے علاقے میں بدھ مذہب نے نئی نئی صورتوں میں چار سو سال (تقریباً سنہ ۷۸۰ء—۱۱۹۳ء) تک دھرمپال اور خاندان پال کے جانشینوں کی سرپرستی کی وجہ سے اپنی اصلی طاقت برقرار رکھی ؎

فنون لطیفہ

فن سنگتراشی اکثر جگہ تو ہندو دیوتاؤں کے بتوں کے بنانے اور بنگال میں تبدیل شدہ بدھ مذہب کی

خدمت گذاری میں صرف ہوتا تھا۔ اس کو مختلف کاری گروں نے متفرق شکلوں میں بہت کچھ ترقی دی۔ زمانۂ وسطیٰ کی ہندی سنگتراشی کی خوبصورتی اب تک زیر بحث ہی ہے۔ بعض نقادان فن تو اس کو ہندی طباعی کا انتہائی عروج سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے اس کو محض مضحکہ انگیز خیال کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے زمانۂ وسطیٰ کی مصوری کے تمام نمونے بالکل ضائع ہو گئے ہیں۔ اور اس لئے یہ کہنا بالکل ناممکن ہے کہ آیا مصوری میں ترقی ہوئی تھی یا زوال۔ لیکن بہرحال سکے ڈھالنے کے فن کا حال تو اس قدر خراب ہو گیا تھا کہ زمانۂ وسطیٰ کا کوئی سکہ ایسا نہیں ملا جس کو فن لطیفہ کے محاسن کے لحاظ سے خوبصورت کہا جاسکے۔

فن تعمیر

لیکن فن تعمیر نہایت عالیشان معیار پر پہنچ چکا تھا۔ اکثر اس زمانے کی تعمیر شدہ بے شمار عمارات مسلمانوں کی طویل حکومت کے زمانے میں برباد ہو چکی ہیں۔ لیکن جو کچھ حصہ اب باقی رہ گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو معمار عمارت کو شاندار طریقے سے شروع کرتے تھے اور اس عظمت و شان سے اختتام پر پہنچاتے تھے جس سے خواہ مخواہ ان کی داد دینی پڑے۔ اور آرائش و زیبائش کے افراط سے ان کو ہدف تیر ملامت بننا پڑا۔

چھوٹی چھوٹی ریاستیں

آئندہ کے تین ابواب میں ان چھوٹی چھوٹی ہندی ریاستوں کے نمایاں حالات بیان کیے جائیں گے جو اس وقت قائم ہوئیں جب کہ ہندوستان کو صدیوں تک اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں لینے کا موقع ملا تھا۔ ان حالات سے شاید ناظر کتاب کو اس حالت کا اندازہ ہو سکے گا کہ جب کبھی حکومت اعلیٰ کا ہاتھ اٹھ جائے تو ہندوستان پر کیا گذرتی تھی۔ اور اب بھی اگر موجودہ خود مختارانہ حکومت ذرا اپنا سایۂ عاطفت ہندوستان سے اٹھائے تو بہت ممکن ہے کہ اس کی وہی حالت پھر ہو جائے۔

ساتویں صدی عیسوی کی جدول سنین

سنہ عیسوی	واقعات
سنہ ۶۰۰	چینی جاتری۔ ہیون سانگ کی پیدائش ؛
تقریباً سنہ ۶۰۰	سسانک کے ہاتھوں بدھ مذہب کی ایذارسی ؛
سنہ ۶۰۵	تھانیسر کا راجہ راجیا وردھن تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۶۰۶	تھانیسر کا راجہ ہرش وردھن تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۶۰۶-۶۱۲	شمالی ہند کی ہرش کے ہاتھ فتح ؛
سنہ ۶۰۸	پلکیسن دوم چلوکیا کی تخت نشینی ؛
سنہ ۶۰۹	پلکیسن دوم چلوکیا کی تاجپوشی ؛
اکتوبر سنہ ۶۱۲	ہرش کی تخت نشینی۔ سنہ ۶۰۶ع اس کی سمت کا آغاز ؛
سنہ ۶۱۵	کبج وشنو وردھن (وشم سدھی) ونگی کا نائب السلطنت ؛
سنہ ۶۱۸	چین کے خاندان تنگ کا پہلا شہنشاہ کو۔ لتسو۔ تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۶۱۹-۲۰	سسانک کا گنجام کے مقام کا کتبہ ؛
تقریباً سنہ ۶۲۰	پلکیسن دوم چلوکیا نے ہرش کو شکست دی ؛
سنہ ۶۲۲	سنہ ہجری کا آغاز ؛
سنہ ۶۲۷	چین کا شہنشاہ تیئے۔ تسنگ تخت نشین ہوا ؛
سنہ ۶۲۸-۶۲۹	بنسکھیرا کے مقام پر ہرش کا کتبہ ؛
سنہ ۶۲۹	ہیون۔ سانگ نے اپنی سیاحت شروع کی ؛
سنہ ۶۳۰	تبت کے بادشاہ سہرانگ۔ لتسن گمپو کی تخت نشینی ؛
سنہ ۶۳۰-۶۳۱	مدھوبن کے مقام پر ہرش کا کتبہ ؛
تقریباً سنہ ۶۳۵	ہرش نے ولبھی کو فتح کیا ؛

سنہ عیسوی	واقعات
۶۳۶ سنہ	اوپن نے چین میں نسطوری عیسائیت کو سب سے پہلے روشناس کرایا ؛
۶۴۱ سنہ	ہرش نے چین کو ایک سفارت روانہ کی۔ تبت کے بادشاہ سرانگ تسن گمپو نے ایک چینی شہزادی سے شادی کی[1] ساسانی بادشاہ یزدجرد کو عربوں نے نہاوند کے مقام پر شکست دی۔ عربوں نے مصر کو فتح کیا ؛
۶۴۲ سنہ	پلکیسن دوم چلوکیا کی موت ؛
۶۴۳ سنہ	ہرش کی فوجی مہم گنجام کی طرف۔ ہیون سانگ سے اس کی ملاقات۔ لی۔ آئی سا پیو۔ اور ونگ۔ ہیون تسے کی چینی سفارت ہرش کی قنوج اور پریاگ کی مجالس۔ ہیون سانگ کی واپسی ؛
۶۴۵ سنہ	ہیون سانگ کا چین میں واپس پہنچنا ؛
۶۴۶ سنہ	ونگ۔ ہیون۔ تسے کی دوسری چینی سفارت ؛
۶۴۷ سنہ	ہرش کی موت ؛
۶۴۷-۴۸ سنہ	(؟) ارجن کا غصب۔ چینیوں۔ نیپالیوں۔ اور تبتیوں کے ہاتھ اس کی شکست۔ ہیون سانگ کے سفرنامے کی اشاعت ؛
۶۴۹ سنہ	چین کے شہنشاہ تیئے۔ تسنگ کی موت۔ اور کو۔ تسنگ کی تخت نشینی ؛
۶۵۷ سنہ	ونگ۔ ہیون۔ تسے کی تیسری سفارت ؛
۶۶۱-۶۵ سنہ	چینی سلطنت کی انتہائے وسعت ؛
۶۶۴ سنہ	ہیون سانگ کی موت ؛
۶۷۰ سنہ	تبتیوں کے ہاتھ سے چینیوں کی شکست ؛
۶۷۱ سنہ	چینی جاتری آئی۔ تسنگ نے اپنی سیاحت شروع کی ؛
۶۷۵-۸۵ سنہ	آئی۔ تسنگ کا نالندا میں قیام ؛
۶۹۱ سنہ	آئی۔ تسنگ نے اپنے حالات تالیف کیے ؛
۶۹۵ سنہ	آئی۔ تسنگ چین کو واپس ہوا ؛
تقریباً ۶۹۸ سنہ	تبت کے بادشاہ سرانگ۔ تسن گمپو کی موت ؛

[1] یہ تاریخ ویڈیل اور سرت چندر داس کے بیان کے مطابق ہے ؛

باب چہاردہم

زمانۂ وسطیٰ میں شمالی ہند کی سلطنتیں

از ۶۴۷ء تا ۱۲۰۰ء

الف

تبت اور چین سے تعلقات

ہندوستان کی شمالی سرحد پر چینی اثر۔

چینی حکومت کی اپنے دور ترین افتادہ مقبوضات کو بھی زیر تصرف رکھنے میں ضد اور الحاح کا ایک موجودہ نمونہ اس کے مسلمانوں سے کاشغر اور یونن۔ اور روسیوں سے کلجی کے واپس لینے کا واقعہ ہے۔ اسی طرح ساتویں اور آٹھویں صدی کی تاریخ میں اسی عادت کی مثالیں ملتی ہیں۔ کہ چین نے انتہا درجے کی کوشش اپنا اثر باقی رکھنے۔ اور ہندوستان کی شمالی سرحد کے ملکوں پر اپنی حکومت برقرار رکھنے میں کی ہے

افتالوی سلطنت ۵۰۲-۵۵۶ء

چھٹی صدی کے نصف اول میں "مغربی ممالک" میں چین کی طاقت بالکل ختم ہوگئی تھی۔ اور افتالوی یا گورے ہنون نے ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی۔ جس میں کاشغر (جس کو چینی مصنفین "چار محصور افواج" لکھتے ہیں)، کشمیر[1]

[1] کی پن۔ اس نام سے وی خاندان کے زمانے (یعنے چھٹی صدی عیسوی کے چینی

اور پشاور کے گرد کا علاقہ گندھار شامل تھا؛

۵۶۵ء مغربی ترکوں کی حکومت

تقریباً ۵۶۵ء ("۵۶۳-۵۶۷ء کے مابین") افغانوی سلطنت مغربی ترکوں اور ایرانیوں کے ہاتھ آئی۔ لیکن دریائے سیحون کے جنوبی ہوبجات پر موخرالذکر طاقت کا قبضہ بہت جلد ڈھیلا پڑ گیا۔ اور انجام کار دریائے سندھ تک کے تمام افغانوی علاقے کے مالک و وارث ترک بن گئے۔ چنانچہ ۶۳۰ء میں جب ہیون سانگ ہندوستان آرہا تھا تو راستے میں اس کی حفاظت کا ذمہ مغربی ترکوں کے سردار "یاکزن" نے اپنا پروانہ راہداری نافذ کرکے لیا تھا۔ جس سے کپس کے علاقے تک اس کی سلامتی کا وہ ضامن ہوگیا تھا[1]؛

چینیوں کے ہاتھوں شمالی ترکوں کی شکست ۶۳۰ء

اس سال جاتری کا زبردست مربی قتل ہوا۔ اور چینیوں نے تنگ خاندان کے دوسرے بادشاہ تائی۔ تسنگ کی سرکردگی میں شمالی یا مشرقی ترکوں کو ایسی شکست دی کہ مفتوح پچاس برس تک کے لئے چینیوں کے مطیع بن گئے؛

۶۴۸-۶۴۰ء کچا وغیرہ کی چینی فتح

شمالی ترکوں کے خطرے سے بالکل مخلصی پانے کے بعد اب چینی اس قابل ہوئے کہ اپنی طاقت کو مغربی اقوام کے مقابلے میں استعمال کرسکیں۔ اور ۶۴۰-۸ء تک وہ ترفان۔ کر، شہر اور کچا پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور اس طرح مشرق و مغرب میں تعلقات آمدورفت کے شمالی راستے پر متصرف ہوگئے؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ مصنفین کی اصطلاح میں کشمیر مراد ہے۔ (جو تنز؟ "سنگ ین" صفحہ ۳۷)؛

[1] کی-پن-جن تنگ خاندان کے زمانے یعنے ساتویں صدی عیسوی کے چینی مصنفین میں دریائے کابل کے شمالی علاقے یعنے کپس سے بالعموم مراد لی جاتی ہے؛

تبت سے دوستانہ تعلقات۔

اس وقت تبت پر مشہور و معروف بادشاہ سرانگ۔تسن گمپو (سن جلوس ۶۳۰ء) حکمراں تھا جس نے ۶۳۹ء میں لہاسا کا شہر آباد کیا۔ بدھ مت کو پہلے پہل ملک میں روشناس کرایا۔ اور ہندی علماء کی مدد سے تبتی حروف تہجی کا اختراع کیا۔ ابھی وہ بالکل نوجوان ہی تھا کہ اس نے نیپال کے بادشاہ کی بیٹی بھرکُتِ سے شادی کی۔ اور دو سال بعد ۶۴۱ء میں بہت کچھ مشکلات کے بعد اپنی فتوحات کے ذریعے چینی شہنشاہ تائی۔تسنگ کی بیٹی وین۔چنگ سے شادی کرنے میں بھی کامیاب ہوا۔ اور کیونکہ دونوں خواتین بدھ مت کی نہایت سرگرم پیرو تھیں۔ اس لیئے انھوں نے اپنے نوجوان شوہر کا مذہب بھی جلد بدل دیا۔ اور اس طرح تبت کی تاریخ کا مستقبل بالکل بدل دیا۔ مذہب نے کبھی اپنے مربیوں کی خوبیوں کے اظہار سے پہلو تہی نہیں کی۔ چنانچہ اس بادشاہ کو بدھ کا اوتار۔ آوَلوکیتسور یا نجات دہندہ تسلیم کیا گیا۔ اس کی نیپالی ملکہ جو "سبز تارا" اور چینی ملکہ کو "سفید تارا" کا خطاب دیا گیا۔ اس چینی شادی کا اثر یہ ہوا کہ سرانگ۔تسن۔گمپو کی زندگی کے زمانے میں ۶۹۸ء کے قریب اس کی موت تک چین اور تبت میں دوستانہ تعلقات قائم کر دیئے۔ اسی وجہ سے جب ۶۴۳ء میں چینی سفیر ہرش کے دربار کو آرہے تھے تو وہ متحدہ ممالک کے طور پر تبت اور اس کی باجگذار ریاست نیپال میں سے بآسانی گذر سکتے اور جب ہرش کی موت کے بعد وَنگ۔ ہیون۔تسے کا مصیبت سے سامنا ہوا تو ان دونوں ممالک نے اس کو چھڑانے کے لیئے افواج روانہ کر دیں[1]؎

---

[1] سرت چندر داس (جے۔اے۔ایس۔بی۔جلد اول حصہ اول (۱۸۸۱ء) صفحہ ۲۱۷ — ۲۲۲)۔ ویڈل:۔ "بدھزم آف تبت آر لاما ازم" (۱۸۹۵ء) صفحہ ۲۰۔۲۴۔ سرانگ۔تسن۔گمپو کی تاریخ پیدائش میں تبتی مورخین میں ۶۰۰ء سے ۶۱۷ء تک کا

سنہ ۶۵۹-۶۶۱ء چینی مغربی ترکوں کی سلطنت پر قابض ہوگئے۔

ترکوں کو مغلوب کرنے کا کام جیسے شہنشاہ تائی تسنگ نے شروع کیا تھا۔ اس کے جانشین کو۔تسنگ (سنہ ۶۴۹ء سے سنہ ۶۸۳ء) نے جاری رکھا۔ اور سنہ ۶۵۹ء تک چین مغربی ترکوں کے تمام علاقے کا برائے نام مالک بن گیا۔ اور اسی سال اس کا الحاق چینی سلطنت کے ساتھ کرلیا گیا۔

سنہ ۶۶۱-۶۶۵ء میں چین کا رعب وداب بہت بڑھ گیا تھا۔ اور اس کی شان وطاقت اس قدر زیادہ ہوگئی تھی کہ اس کے بعد پھر کبھی اس کو حاصل نہیں ہوئی۔ کپس (کی۔پن) سلطنت کا ایک صوبہ بنا ہوا تھا۔ اور شہنشاہ کے دربار میں ادیان یا وادی سوات سے اور ایران سے لے کر کوریا تک کے تمام ممالک کے سفیر شامل تھے؛

سنہ ۶۷۰ء کاشغر پر تبتیوں کا قبضہ

مگر سلطنت کی یہ عظمت وشان زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ سنہ ۶۷۰ء میں تبتیوں کے ہاتھ سے ایک شکست فاش کھانے سے چین کاشغر یا "چار محصور افواج" سے محروم کردیا گیا۔ اور یہ علاقہ سنہ ۶۹۲ء تک فاتحوں کے ہاتھ میں رہا۔ مگر اس سنہ میں چینیوں نے اسے دوبارہ حاصل کرلیا؛

سنہ ۶۸۳ء شمالی ترکوں کا آخری زوال۔

سنہ ۶۸۳ء اور سنہ ۶۹۱ء کے درمیان شمالی ترکوں نے سنہ ۶۳۰ء کی شکست سے کھوئی ہوئی طاقت کو بہت کچھ حاصل کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مغربی قبائل پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اختلاف ہے۔ لیکن موخرالذکر تاریخ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی کو ایم۔ ایل۔ ڈی ملو نے قبول کیا ہے۔ یہ مصنف لکھتا ہے کہ سرانگ۔تسن۔گمپو نے نیپالی اور چینی شاہزادیوں سے سنہ ۶۲۸-۶۳۱ کے درمیان شادی کی تھی۔ اس کے برخلاف ویڈل اور سرت چندر داس سنہ ۶۴۱ء پر متفق ہیں (ایل۔ڈی ملو:۔ بدھ پول آف تبت۔پیرس سنہ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۳۹ و ۱۶۴) چینیوں کے زعم میں انھوں نے تبتیوں کو شکست دی تھی۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ چینی شہنشاہ کبھی کسی مفتوح دشمن کو اپنی بیٹی نہ دیتا۔ اور یہ تو صریح ہے کہ چینی مورخین عادتاً اپنی تمام شکستوں کو فتوح ظاہر کرتے ہیں؛

بھی اپنی نگرانی اور حکومت قائم کرنے میں تھوڑے بہت کامیاب ہو گئے تھے۔ مگر وسط ایشیا کی قومیں اندرونی نفاق و شقاق کی لعنت سے کبھی آزاد نہیں ہوئیں۔ اور چینیوں کو اس قومی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا ڈھنگ معلوم تھا۔ انھوں نے یوگر۔ اور کرلک قبائل کی مدد سے ان قبائلی قصبوں میں دست اندازی کی اور دخل دینا شروع کیا۔ اوراس میں وہ یہاں تک کامیاب ہوئے کہ سنہ ۷۴۴ء میں یوگر ترکی سلطنت کے مشرقی حصے دریائے ارخون پر مسلط ہو گئے۔ اور مغرب میں کرلک "دہ قبائل" کے علاقے پر قابض ہو گئے۔ اور جھیل اسیک سکول کی مغرب میں ترکی سرداروں کی قدیم جائے سکونت تکمک اور تلس پر متصرف ہو گئے۔

سنہ ۶۶۵ء سے سنہ ۷۱۵ء تک۔ چین اور مغرب کے مابین راستۂ آمدورفت بند ہو گیا۔

سنہ ۶۶۵ء اور سنہ ۷۱۵ء کے درمیان چین کی حکومت دریائے جیحون (سردریا) اور دریائے سندھ کے درمیانی ممالک کے معاملات میں دخل دینے سے بالکل معذور ہو گئی۔ جنوبی جانب سے براہ کاشغر مغرب کی طرف کے راستے کو تبتیوں نے بند کر دیا تھا۔ اور ہندوکش کا کوہستانی راستہ عرب قائد قتیبہ کی فتوحات کی وجہ سے جو اسی زمانے میں وسط ایشیا میں اسلام کے مذہب اور سلطنت کی توسیع میں مشغول تھا مسدود کر دیا۔

سنہ ۷۱۵-۷۴۷ء ہندی سرحد پر چینی اثر کا احیاء۔

سنہ ۷۱۳ء میں ہیون تسنگ کی تخت نشینی سے چینی جدوجہد کا ازسرنو آغاز ہوتا ہے۔ اور اب جنگ اور سیاسی حکمت عملی کے ذریعے سخت ترین جدوجہد اس امر کی گئی کہ پامیر کے دروں کے راستے کو کسی طرح کھلا رکھا جائے اور عربوں اور تبتیوں کے زور کا جو اکثر متفق ہو جاتے تھے توڑ دیا جائے۔ سنہ ۷۱۹ء میں سمرقند اور دوسری سلطنتوں نے جو اسلامی افواج کی جھپیٹ میں آ گئی تھیں عربوں کے مقابلے کے لئے چین سے مدد مانگی۔

اوراس کے برخلاف عربوں نے ہندی سرحد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔ ادیان (سوات)۔ کھوتل (بدخشاں کے مغرب میں) اور چترال کے سردار مسلمانوں کی باتوں میں نہ آئے اور ان کو چین کے شہنشاہ نے اس کارگذاری کے عوض میں اسناد اور بادشاہ کا خطاب عطا کیا۔ اسی قسم کی عزت افزائی کیپسن۔ زابلستان (غزنی) اور کپیس اور کشمیر کے بادشاہوں کی کی گئی۔ عربوں اور تبتیوں کے سدِ باب کے لئے چین نے ان سرحدی ریاستوں کی تنظیم اور تنسیق میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ کشمیر کے راجہ چندرا پیڈ کو ۷۲۰ء میں شہنشاہ نے بادشاہ کا خطاب عطا کیا اور اسی طرح ۷۳۳ء میں اس کے بھائی مکتا پید کلیتادت کی عزت افزائی کی گئی۔[1]

اس کے چند سال بعد یعنی ۷۴۴ء اور ۷۴۷ء میں چین کی سلطنت کا اثر اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ شہنشاہ نے بحیرۂ خضر کے جنوب میں طبرستان کے بادشاہ تک کو خطابات عطا کئے۔ ۷۴۷ء میں ایک چینی فوج نے پامیر کی سطح مرتفع کو باوجود تمام مشکلات اور دشواریوں کے قطع۔ اور یسن کے بادشاہ کو زیر کیا۔[1]

۷۵۱ء عربوں اور کرلک کے ہاتھوں چینیوں کی شکست فاش

لیکن ساتویں صدی عیسوی کی طرح آٹھویں صدی میں بھی مغربی ممالک پر چینی حکومت و تسلط کی مدت نہایت قلیل تھی۔ ان کی سلطنت ۷۵۱ء میں چینی سپہ سالار سین۔ یی کی کرلک کی مدد سے عربوں کے ہاتھوں شکست کھانے سے پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ اس شکست کا اثر بالواسطہ یورپ کی تہذیب پر بھی پڑا۔ کاغذ بنانے کی صنعت جو اب تک دور افتادہ ملک چین کا اجارا سمجھی جاتی تھی چینی قیدیوں کے ہاتھوں سمرقند میں پہنچی۔ اور وہاں وہ یورپ میں گئی۔ جس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہے۔[1]

---

[1] چین اور ہندوستان کی شمالی سرحدی ریاستوں کے تعلقات کا مذکورۂ بالا بیان

بدھ مذہب تبت میں۔

تھی (دیا کھری)۔ سرانگ۔ دی۔ یتسن کی مدت دراز تک حکومت (سنہ ۷۸۹-۸۴۲ئ) کے دوران میں تبت کے ملک میں بدھ مذہب کی تبلیغ اس قدر جوش و خروش کے ساتھ کی گئی کہ اس میں ملک کے اصلی مذہب بون (یا یون) کی ایذا ہی سے بھی کام لینے میں تامل نہ کیا گیا ہندی علما سانت رکفشت اور پدم سمبھو کو شاہی دربار میں مدعو کیا گیا اور ان کی مدد سے مذہبی حکومت کا وہ نظام قائم کیا گیا۔ جو اب تک مذہب لاما کی صورت میں باقی ہے۔ تھی۔ سرانگ۔ دی۔ یتسن کا کام رلپکن (سنہ ۸۱۶-۸۳۸ئ) نے جاری رکھا اور اس میں ترقی دی۔ مگر اس کا جانشین لنگدرم بدھ مذہب سے متنفر تھا اور اس نے اس کی بیخکنی کے لیئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ سنہ ۸۴۲ئ میں ایک لاما نے بادشاہ کو قتل کر کے اپنے ہم مذہبوں کے مصائب اور تکالیف کا بدلا لیا۔ گیارھویں صدی (سنہ ۱۰۱۳-۱۱۴۲ئ) کے دوران میں مگدھ کے مبلغین مذہب نے تبت میں بدھ مت کو مستحکم طور پر سرکاری اور عام مذہب بنا دیا[۳]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ زیادہ تر پروفیسر جونیز کی عالمانہ اور قابل قدر کتاب "ڈوکیومنٹس سیر لیس تو کیو (ترکس) آکس ڈونٹو" (سینٹ پیٹرسبرگ سنہ ۱۹۰۳ئ) سے ماخوذ ہے۔ جغرافیائی حالات کے لیئے دیکھو دہی کتاب یا شنفورڈ کا نقشہ ملحقہ وٹیرس کی "آن یون چانگ" جلد ۲۔ سر ایم۔ اے۔ اسٹین نے بھی اپنی اینشنٹ ختن (سنہ ۱۹۰۷ئ) کے ابتدائی ابواب میں چین اور ہندوستان کی سرحدی ریاستوں کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔

[۱] یہ سنین جو متن کتاب میں دیئے گئے ہیں۔ سرت چندر داس اور ویڈل سے ماخوذ ہیں (انسائی کلو برٹ۔ گیارھویں طبع) ایم۔ ڈی ملو (صفحہ ۱۶۶-۱۶۵) نے سنہ ۷۹۶-۸۴۰ئ بیان کیا ہے۔

[۳] سرت چندر داس (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد اول صفحہ اول (سنہ ۱۸۸۱ئ) صفحہ ۲۲۴-۲۳۸)۔ ویڈل:۔ "دی بدھ ازم آف تبت آر لاما ازم" صفحہ ۳۴۔ لیوی:۔ "لی نیپال"۔ جلد دوم صفحہ ۱۷۷ و ۱۷۸۔ متن کتاب میں سنین مع ہیں جن کا

چین کے ساتھ تعلق۔

رلیکن کے زمانے میں چین کے ساتھ ایک زبردست جنگ ہوئی اور اس کے بعد کا ذکر سنہ ۸۲۲ء میں بھاسا کے ایک کتبے پر کندہ کرایا گیا۔ اس کے بعد کے زمانے میں تبت کی چینی سلطنت کے ساتھ تعلقات میں وقتاً فوقتاً بہت کچھ تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ لیکن بہر حال خواہ تعلقات کچھ ہی کیوں نہ ہوں ان کا اثر ہندوستان پر بالکل نہیں پڑا۔ چین کی تبت پر حکومت اصلی قائم ہونے کا زمانہ آخر سنہ ۱۷۵۱ء میں آیا۔ اور اس زمانے سے چینی حکومت نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ یورپی اقوام کو تبت میں آنے جانے سے روک دے۔ اور اس امر میں وہ ایک بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئی ہے۔ اس وجہ سے ایک مدت تک تبت کے تمام معاملات ہندوستان کی تاریخ سے بالکل علحدہ رہے۔۔ آٹھویں صدی عیسوی کے اثنا میں تبت کی طاقت کے عروج کی وجہ سے ہندی اور چینی سیاسیات کا تعلق بالکل ختم ہو گیا تھا۔ اور سنہ ۱۸۸۵ء میں بالائی برما کی فتح کے بعد ان تعلقات کا اعادہ اور احیاء ہوا۔ کیونکہ اب چینی اور ہندوستانی سلطنتوں کے حدود آپس میں مل گئے تھے۔ اسی زمانے میں تبت بھی جو صدیوں سے کم و بیش چین کا ماتحت رہا ہے پھر ہندی حکومت کے زیر نظر آیا اور اب اس کے معاملات انگریزی اور چینی سیاسیات کے مسائل میں گنے جاتے ہیں ؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ ذکر لیوی نے کیا ہے۔ ایم۔ ڈی ملو کو اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ وہ لنگدرم کی حکومت کے سنین سنہ ۹۰۲-۸۹۹ء بتلاتا ہے۔ (دیکھو اس کی کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱) ؛

ب

نیپال

نیپال کی حدود

زمانۂ موجودہ کی سلطنت نیپال ایک خاصی وسیع خودمختار سلطنت ہے جو مشرق میں سکم سے لے کر مغرب میں کماؤن تک پھیلی ہوئی ہے - اور ترہت - اودھ اور صوبۂ آگرہ کی شمالی سرحد سے اس کا طول (۵۰۰) میل ہے - ترائی کے تنگ میدان کے سوا پورا ملک پہاڑوں اور وادیوں کی ایک بھول بھلیاں ہے۔ حقیقی طور پر نیپال کا نام بہت محدود کر دینا چاہیئے - کیونکہ قدیم زمانے میں اس نام کا اطلاق اس چاروں طرف سے گھری ہوئی وادی پر ہوا کرتا تھا جو بیس میل لمبی اور پندرہ میل چوڑی تھی - اور جس میں صدر مقام کھٹمنڈو کے علاقے اور دوسرے شہر اور قصبے آباد ہیں - وہاں کی موجودہ حکومت کی حکمت عملی یہ ہے کہ یوروپین لوگوں کو سوائے اس وادی کے اور تقریباً تمام سلطنت سے کسی طرح باہر رکھا جائے - اور اسی وجہ سے اس ملک کے متعلق بہت ہی کم حالات معلوم ہیں ؛

سمدرگپت کے وقت میں -

نیپال یعنے اسی مذکورۂ بالا وادی کے متعلق جو بات سب سے قدیم معلوم ہوتی ہے وہ چوتھی صدی عیسوی کے سمدرگپت کا الٰہ آبادی کتبہ ہے اُس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کامروپ یا آسام کی طرح یہ ایک خودمختار سرحدی سلطنت تھی - اور خاندان گپت کو صرف خراج ادا کیا کرتی تھی - غالباً یہ خراج محض برائے نام تھا اور اطاعت بھی سلسلہ وار نہ تھی - آج کل کے زمانے میں بھی اگرچہ نیپال بہمہ وجوہ بالکل خودمختار ہے لیکن پھر بھی وہ شہنشاہ چین کو تحائف اور خراج بھیجتا رہتا ہے اور کسی نہ کسی طرح

اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے۔ لیکن پھر ایک برٹش ریزیڈنٹ اس کے دربار میں مقیم ہے اور وہاں کی حکومت کو اپنی خارجی پالیسی میں حکومت ہند کی مرضی پر عمل کرنا پڑتا ہے؛

اشوک کے وقت میں مقامی روایات یہ ثابت کرتی ہیں کہ سمدر گپت کے زمانے سے بہت قبل اشوک کے عہد حکومت یعنے تیسری صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ اس بادشاہ کے زیر اثر تھا۔ اور اس روایت کی صحت کا ثبوت ان عمارات سے ملتا ہے جو اشوک اور اس کی بیٹی کی طرف منسوب ہیں۔ اس کے علاوہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دامن کوہ کا میدان اس کی اصلی سلطنت میں شامل تھا۔ اور کیوں کہ پاٹلی پتر اور نیپال کی وادی میں کچھ بہت فاصلہ نہیں اس لئے یہ ممکن ہے کہ یہ علاقہ ان صوبوں میں شامل ہو۔ جن پر اشوک بذات خود بلا واسطہ اپنے دار السلطنت سے حکومت کرتا تھا؛

مقامی تواریخ۔ اشوک اور سمدر گپت کے درمیانی زمانے کے واقعات کا پتہ لگانا ناممکن ہے۔ مقامی تاریخیں بکثرت دستیاب ہوتی ہیں۔ مگر وہ ایسی ہیں کہ مورخانہ تنقید کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ اور اس کے علاوہ واقعات کو بھی بالکل روشنی میں نہیں لاتیں۔ چھٹی صدی اور ساتویں صدی کے اوائل میں حکمراں شاہی خاندان لکھوی قبیلے سے تھا۔ لیکن ویسالی کی لکھوی قوم سے اس کا اصلی تعلق معلوم نہیں کیا تھا۔ ہیون سانگ نیپال کے لکھویوں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ خوش عقیدہ اور عالم بدھ مذہب کے پیرو تھے[1]؛

ساتویں صدی اور اس کے بعد ساتویں صدی کے دوران میں نیپال کی حیثیت شمال میں تبت جو اس زمانے میں ایشیا کی ایک عظیم الشان طاقت تھی اور جنوب میں قنوج کے

[1] واٹرس جلد ۲ صفحہ ۸۴۔ غالباً جاتری خود نیپال نہیں گیا تھا؛

راجہ ہرش کی سلطنت کے درمیان ایک حائل سلطنت کی سی تھی۔ ٹھاکری خاندان کے بانی راجہ اَمْسُوَرْمَنْ (جو تقریباً ۶۴۲ء میں فوت ہوا) کے تعلقات اس کی بیٹی کی سرانگ۔ِتن۔گمپو کے ساتھ شادی ہوجانے کی وجہ سے تبت کے ساتھ نہایت گہرے تھے۔ یہ یاد ہوگا کہ یہی سرانگ۔ِتن۔گمپو شاہ تبت ایسا طاقتور تھا کہ اس نے چین کے شہنشاہ کو ۶۴۱ء میں مجبور کیا تھا کہ شہزادی وین۔چنگ کی شادی اس کے ساتھ کردی جائے[1]۔ اس بات کے باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ نیپال کا جنوبی ہمسایہ یعنی ہرش اس سلطنت کے معاملے میں دخل اندازی کیا کرتا تھا۔ اور اس نے وہاں پر اپنا قائم کیا ہوا سنہ بھی مروج کردیا تھا۔ اگرچہ ایم سلوین لیوی کا یہ خیال ہے کہ تبت کے اثر ورسوخ کی زیادتی کی وجہ سے ہرش کی دست اندازی بالکل ناممکن ہوگی۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ ہرش کی موت کے بعد تبتی اور نیپالی افواج نے چینی سفیر ونگ۔ہیون۔تسے کو سلطنت ہرش کے غاصب کے مقابل امداد بہم پہنچائی تھی۔ یہ بھی یقینی ہے کہ آٹھویں صدی کے شروع میں نیپال بدستور سابق تبت کا زیرنگین تھا۔ اور ایک مدت تک اس کی یہ حالت قائم رہی۔ اکتوبر ۸۷۹ء سے ایک نئے نیپالی سنہ کا آغاز شائد اس قیاس وخیال کو ثابت کردے کہ اس واقعے سے نیپال کی تبت کے ہاتھ سے مخلصی مراد تھی۔ مگر اس سنہ کے آغاز یا تبت سے مخلصی کی صاف وصریح وجہ معلوم نہیں۔ آٹھویں صدی کے نصف کے بعد چین سے ہندی اور نیپالی تعلقات کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ اور حال میں نیپال اور چین کے درمیان جنگوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ چھوٹی ریاست نے برائے نام سلطنت چین کی ماتحتی قبول کرلی۔

گورکھوں کی فتح

ان مختلف چھوٹے چھوٹے خاندانوں کی ابتر اور خون آشامی کی

---

[1] ملوایم۔ ڈی ملو کی رائے کے مطابق یہ واقعہ ۶۳۱-۲۸ء کے درمیان کا ہے۔ کتاب مذکورہ بالا صفحہ ۲۱۴

تاریخ میں جو ۱۷۶۸ء تک برسر حکومت رہے۔ کسی قسم کی دلچسپی نہیں پائی جاتی۔ مگر اس سنہ میں گورکھوں نے ملک کو فتح کر لیا۔ اور اس شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی جو آج کل ایسے مالک کل وزراء کی وساطت سے حکومت کرتا ہے جس نے بادشاہوں کی حیثیت کو محض برائے نام کر دیا ہے۔

نیپال کا بدھ مذہب قدیم اور پرانی شکل کے بدھ مذہب کو اشوک نے اس ملک میں سب سے پہلے پھیلایا چنانچہ روایات کے مطابق یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس کی بیٹی نے دارالسلطنت کے قریب بہت سی مذہبی عمارتیں قائم کرائی تھیں۔ جن کے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد کے سینکڑوں برس کی مدت میں ملک کی مذہبی حالت کے متعلق تقریباً کچھ معلوم نہیں۔ ساتویں صدی عیسوی میں وہاں کا مذہب مہایان فرقۂ بدھ مت کی ایک بدلی ہوئی صورت معلوم ہوتی ہے۔ جو ہندوؤں کے شو فرقے سے اس قدر مشابہ تھی کہ ان میں امتیاز مشکل ہے۔ مرور زمانہ سے مذہب میں فساد اور خرابی بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اب نیپال میں یہ عجیب و حیرتناک نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ خانقاہیں شادی شدہ "بھکشوؤں" سے جو ہر قسم کے دنیاوی کاموں میں مصروف ہیں بھری ہوئی ملتی ہیں[1]۔ نیپال میں بطور خود بدھ مذہب کے زوال و انحطاط کے جو اسباب عرصے سے بتدریج اپنا کام کر رہے ہیں۔ ان میں گورکھا حکومت کے افعال سے اور زیادہ تیزی پیدا ہو گئی ہے۔ کیونکہ یہ

[1] تبت کے بعض مذہبی فرقوں میں شادی شدہ بھکشوؤں کی اجازت ہے۔ (ایم ڈی ملو صفحہ ۱۷۶)۔ اور بنگال اور مشرقی ہندوستان میں وجریان فرقے نے ان کے وجود کو تسلیم کر لیا تھا۔ (این۔ این۔ واسو "ماڈرن بدھ ازم اینڈ اٹس فالوورس ان اڑیسہ" کلکتہ سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۴ و ۳ و ۱۷۱)۔

حکومت بدھ مذہب سے سخت متنفر ہے۔ اور یقین ہے کہ چند قرنوں میں نیپال کا بدھ مذہب بالکل نیست و نابود ہو جائے گا ؎

ہندوستان میں بدھ مذہب کا انحطاط۔

ہندوستان یعنے اس کی جائے پیدائش ہی سے بدھ مذہب کے ناپید اور معدوم ہو جانے کے وجوہ پر بہت کچھ بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے۔ اور اس میں کچھ غلط فہمی بھی واقع ہو گئی ہے۔ چند سال قبل تک ہی یہ فرض کیا جاتا تھا کہ بدھ مذہب برہمنوں کے مذہبی تعصب اور ایذا دہی کی وجہ سے نیست و نابود ہوا تھا۔ مگر یہ بالکلیہ صحیح نہیں ہے۔ سسانک جیسے بعض ہندو بادشاہوں نے وقتاً فوقتاً مگر نہایت ہی شاذ بلاشک و شبہ ایذا دہی کا سلسلہ شروع کیا۔ اور یہ ایذا دہی برہمنی مت کے ہندوستان میں دوبارہ قائم ہو جانے کی فی الجملہ وجہ ہو سکتی ہے............

بعض صوبوں میں سے بدھ مذہب کے بالکل ناپید ہو جانے کا سب سے بڑا اور اہم سبب یہ تھا کہ بتدریج اور نامعلوم طور پر بدھ مذہب ہندو مت کے رنگ میں رنگتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخر میں بسا اوقات ہندوؤں اور بدھ والوں کے علم الاوثان اور مورتوں میں امتیاز و تفریق تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسی ہی مطابقت اور اتحاد کا عمل خود آج کل ہماری آنکھوں کے سامنے نیپال میں جاری ہے۔ اور بعض طالبان علم کی نظر میں اس ملک کی خاص دلچسپی اسی میں پنہاں ہے کہ وہاں اس بات کا اندازہ بالکل صحیح طور پر لگ سکتا ہے کہ ہندو مذہب کس طرح اپنے حریف بدھ مت کو بتدریج جذب کئے جا رہا ہے[1]۔ یہاں اس نیم مردہ مذہب پر جود باؤ اس کے حریف مذہب کی طرف سے

---

[1] اسی طرح آج کل سکھوں کے فرقے کی زندگی کا بڑا انحصار سکھوں کی رجمنٹوں پر ہے ورنہ یہ بھی مدت ہوئی ہوتی کہ ہندو مت کا شکار ہو گئے ہوتے ؎

پڑ رہا ہے۔ اس میں حکومت کے طرز عمل سے بھی بڑی مدد مل رہی ہے جو اگرچہ عملی طور پر بدھ مذہب کے پیرو سے متعصبانہ برتاؤ نہیں کرتی لیکن اپنی تمام عنایات کا مورد ہندوؤں ہی کو قرار دیتی ہے[1]۔

ج

کامروپ یا آسام

سلطنت کی وسعت کامروپ کی قدیم سلطنت اگرچہ بہیئت مجموعی آسام کے برابر تھی۔ مگر بالعموم اس کا علاقہ موجودہ صوبۂ آسام کی حدود سے کہیں زیادہ تھا۔ اور مغرب میں دریائے کرتویا[2] تک پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ اس طرح اس میں کوچ بہار کی موجودہ ریاست اور ضلع رنگ پور دونوں شامل تھے۔ اس سلطنت کے متعلق قدیم ترین بیان جو مورخ کے لئے

---

[1] نیپال کے متعلق اکثر کتب پر ایک بڑی حد تک ایم۔ سلوین لیوی کی کتاب "لی نیپال" سبقت لے گئی ہے۔ (مطبوعہ جلد ۱-۲ ۱۹۰۵ء + جلد ۳ ۱۹۰۸ء) برٹ کی کتاب "ہسٹری آف نیپال" (کیمبرج ۱۸۷۷ء) میں روائتی تاریخ کے ایک ملخص کا ترجمہ ہے۔ یہاں کے سکوں کے متعلق "کیٹلاگ آف کائنز آئی۔ ایم" جلد ا صفحہ ۲۹۳-۲۸۰ میں۔ اور زیادہ تفصیل کے ساتھ ای۔ ایچ۔ ولش کے مضمون "دی کائینج آف نیپال" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۶۰-۶۶۹) میں مع سات لوحوں کے حال ملیگا۔ ہرش کے سنہ کے نیپال میں مروج ہونے کے متعلق دیکھو بیوہلر (انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ صفحہ ۱۵۲)۔ اولڈ فیلڈ کی "سکیچز فرام نیپال" بھی ایک عمدہ کتاب ہے۔

[2] بلاک مین نے اس نام کو کرتیا لکھا ہے۔ اور دوسرے اس کو کرتویا لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک بھی موخر الذکر نام صحیح بھی ہے۔

کارآمد ہو سکتا ہے وہ الٰہ آباد کے ستون پر سمدر گپت کا کتبہ ہے جو سنہ ۳۶۰ء یا سنہ ۳۷۰ء میں کندہ کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کامروپ کی ریاست خاندان گپت کی سلطنت کی حدود کے باہر اس کی سرحد پر واقع تھی۔ مگر خاندان گپت کی باجگذار اور ایک حد تک اس کی مطیع و فرماں بردار تھی[۱]۔

ہیون سانگ

اس کتبے کے بعد یہ دور افتادہ صوبہ پھر چینی جاتری ہیون سانگ کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ سنہ ۶۴۳ء کے اوائل میں جب وہ دوسری مرتبہ نالندا کی خانقاہ میں مقیم تھا تو اس کو مجبوراً اپنی مرضی کے برخلاف کامروپ کے راجہ کی دعوت قبول کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ راجہ اس اجنبی عالم کی زیارت و ملاقات کا متمنی تھا اور دعوت کا انکار ناممکن تھا۔ کامروپ کے دارالسلطنت میں تھوڑے عرصے قیام کرنے کے بعد قنوج کے راجہ ہرش سیلادت نے ایک ایلچی بھیجا کہ ہیون سانگ کو فوراً اس کے دربار میں بھیجدیا جائے۔ راجہ نے جواب دیا کہ بجائے ہیون سانگ کو اس کے حوالے کرنے کے وہ اس کا سر لے سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب ہرش نے اپنے ایلچی کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ اپنا سر ہی روانہ کردے تو کامروپ کے راجہ کی آنکھیں کھلیں اور اُس نے سوچ بچار کے بعد یہی بہتر سمجھا کہ اپنے بادشاہ کے حکم کو بجالائے۔ چنانچہ وہ جاتری کو ساتھ لے کر ہرش کی ملاقات کے لئے روانہ ہو گیا۔

بھاسکر ورمن یا کمار۔

اس بادشاہ کا نام بھاسکر ورمن تھا۔ مگر وہ کمار کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ وہ ایک نہایت قدیم خاندان کا رکن تھا جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہزار قرنوں سے زندہ اور باقی ہے۔ اور یہ کم از کم تقریباً یقینی ہے کہ وہ ہندو مت کا

---

[۱] جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۸ء صفحہ ۸۷۹۔

پیرو اور کوچ کا اصلی باشندہ تھا۔ ہیون سانگ اس کے متعلق کہتا ہے کہ وہ ذات کا برہمن تھا۔ لیکن اس کے نام کی وضع و قطع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود کو چھتری یا راجپوت سمجھتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فقرے سے جاتری کا مطلب یہ ہے کہ وہ برہمن ہندو مت کا پیرو تھا۔ ممکن ہے کہ وہ بعد کے زمانے میں سین خاندان کے راجاؤں کی طرح برہمن چھتری ہو۔ اس کے ملک میں بدھ مذہب کا نہ تو کہیں نام و نشان تھا اور نہ وہاں کوئی خانقاہ پائی جاتی تھی[1]۔

خاندان پال۔ اس کے بعد کی چند صدیوں تک کامروپ کی سیاسی تاریخ کے تقریباً کچھ حالات معلوم نہیں۔ یہ ریاست بنگال کے خاندان پال کے بعض راجاؤں کی سلطنت میں شامل تھی اور اس خاندان کے ایک راجہ کمار پال نے بارھویں صدی عیسوی میں اپنے وزیر ویدیا دیو کو یہ علاقہ شاہانہ اختیارات کے ساتھ دے دیا تھا[2]۔

قوم آہوم۔ تیرھویں صدی کے اوائل یعنی ۱۲۲۸ء کے قریب شان قوم کے ایک قبیلے آہوم کی یورشیں شروع ہوئیں۔ رفتہ رفتہ یہ آہوم سردار ملک کے مالک بن بیٹھے۔ اور انھوں نے ایک شاہی خاندان کی بنیاد ڈالی جو ۱۸۲۵ء میں انگریزوں کی فتح تک برابر قائم رہی۔ کامروپ کے شاہی خاندان کی تاریخ میں چونکہ محض مقامی دلچسپی ہے اس لیئے اس کو یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

مذہب دنیا کی نظروں میں اس صوبے کی عزت و احترام کے اسباب

---

[1] بیل:۔ جلد اول صفحہ ۲۱۷-۲۱۵-جلد ۲ صفحہ ۱۹۸-۱۹۵- وٹیرس جلد اول صفحہ ۳۴۹- جلد ۲ صفحہ ۱۹۷-۱۹۵- "لائف آف ہیون سانگ" صفحہ ۱۷۲۔

[2] کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۲۹۴- جے۔ ایلین:۔ "دی کائینج آف آسام" (نیومسمیٹک جرنل ۱۹۰۹ء صفحہ ۳۰۱-۳۰۰- مع تین لوحوں کے)۔

کچھ اور رہی ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جس میں سے ہوکر مغربی چین کے منگولی نسل کی اقوام یکے بعد دیگرے ہندوستان کے میدانوں میں داخل ہوتی رہی ہیں۔ اور آج کل بھی یہاں کے آباد قبائل تقریباً خالص الاصل منگولی ہیں۔ ان اقوام وقبائل کا مذہب مقامی اہمیت کے علاوہ اور بہت زیادہ توجہ طلب ہے۔ کیونکہ ہمیں پر بدھ مذہب اور ہندومت کے اس تنتری ارتقاء کا اصل منبع ملتا ہے جو زمانہ وسطیٰ اور زمانہ موجودہ کے بنگال کا خاص امتیاز رہا ہے گو ہاٹی کے قریب کا ساکھیا کا مندر ساکت ہندوؤں کا سب سے متبرک مقام ہے۔ جو دیوتاؤں کو عورتوں کی صورت میں پوجنے کے عادی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ تمام علاقہ ہندوؤں کی حکایات میں جادو اور سحر کا اصلی موقع تھا۔ آج کل رفتہ رفتہ قدیم قبائلی عقائد کو چھوڑ کر لوگ متعصبانہ طور پر ہندو عقائد اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور آسام کی تاریخ میں ایسے عمل کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ برہمنوں نے رفتہ رفتہ غیر آریہ نسل کے سرداروں میں اپنا رسوخ اور ان کے دلوں پر قابو حاصل کر لیا ہو۔ اور ان کو ہندومت کے وسیع دائرے میں شامل کر لیا ہو۔ تبدیل وجذب مذہب کے تمام وہ مختلف طریقے جن کا ذکر سر الفرڈ لائل۔ اور سر ایچ رسلے نے کیا ہے۔ یہاں وقتاً فوقتاً استعمال ہوتے رہے ہیں[1]۔

اسلامی حملہ آسام کی ایک اور خصوصیت اور اہمیت یہ ہے کہ وہ ہندوستان کے ان چند صوبوں میں شامل ہے جن کے باشندوں نے متواتر کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کی ترقی کے سیلاب کو روک دیا۔ اور ان کی باوجود متعدد کوششوں کے اپنی

---

[1] گیٹ: "ہسٹری آف آسام" کلکتہ ۱۹۰۶ء۔ سر الفرڈ لائل: "ایشیاٹک سٹڈیز" سلسلۂ اول باب ۵۔ رسلے: "سینسس آف انڈیا" ۱۹۰۱ء رپورٹ حصہ اول صفحہ ۵۱۹۔۲۱ و صفحہ ۵۳۱۔

خود مختاری کو برقرار رکھا۔ کامروپ پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی حملہ ایسا ہے جو اس کتاب کی حدود میں آتا ہے یہ حملہ محمد بن بختیار فاتح بنگال وبہار نے ۱۲۰۴ء (۶۰۱ھ) میں کیا۔ وہ دریائے کرتویا کے کنارے کنارے جو اس زمانے میں کامروپ کی مغربی سرحد تھا شمال کی طرف بڑھا۔ اور دارجلنگ کے شمال تک کوہستان کو قطع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر کیونکہ وہاں کسی جگہ قیام نہ کر سکا۔ اس لیئے مراجعت پر مجبور ہوا۔ مگر یہ مراجعت اس کے لیئے قیامت ہوگئی۔ کامروپ کے باشندوں نے اس زبردست سنگی پل کو جو دریا کے عبور کا صرف ایک ہی راستہ تھا شکست کردیا۔ اور اس وجہ سے اس کی فوج کے تقریباً تمام آدمی غرق آب ہوگئے۔ خود سپہ سالار بمشکل تمام تقریباً سو سواروں کی معیت میں تیر کر کنارے پر پہنچا۔ مگر اس ناکامیابی کا اس کو اس قدر رنج ہوا۔ کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ اس کے اگلے سال (۱۲۰۵ء ۶۰۲ھ) میں وہ قتل ہوگیا[1]۔ اس کے بعد کے اسلامی حملے بھی ایسے ہی ناکام ثابت ہوئے۔ اور اس ریاست نے ۱۸۱۶ء تک اپنی خود مختاری کو قائم رکھا۔ اس کے بعد برمیوں نے اس کو فتح کرلیا۔ اور ۱۸۲۴ء تک وہ اس پر قابض رہے۔ ان کو انگریزی افواج نے نکال باہر کیا اور ۱۸۲۶ء کے اوائل میں آسام سلطنت ہند کا ایک صوبہ قرار دے لیا گیا۔

---

[1] ریورٹی:۔ ترجمہ طبقات ناصری صفحہ ۵۶۰-۵۷۳۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۴۵ حصہ ۱ (۱۸۷۶ء) صفحہ ۳۰۳-۳۰۳۔ بلاکمین۔ ایضاً جلد ۴۴ حصہ ۱ (۱۸۷۵ء) صفحہ ۲۷۶-۲۸۵۔ میں نے یہاں ریورٹی کے سنین کی پیروی کی ہے۔

ک

کشمیر

کشمیر کی قدیم تاریخ

تاریخ کشمیر اگر با تفصیل لکھی جائے تو اس کے لئے ایک پورے دفتر کی ضرورت ہوگی۔ مگر اس جگہ بعض مہتم بالشان واقعات کا ذکر کر دینا ہی کافی ہوگا۔ وادیٔ کشمیر اشوک کے وقت میں خاندان موریا کی سلطنت میں۔ اور کنشک اور ہوشک کے عہد میں سلطنت کشان میں شامل تھی۔ راجہ ہرش اگرچہ اتنا قوی تو نہ تھا کہ کشمیر کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیتا۔ لیکن پھر بھی اس نے بدھ کے ایک فرضی دانت کے تبرک کو وہاں کے راجہ سے زبردستی وصول کیا اور قنوج لے گیا۔ اس سلطنت کی مستند تاریخ کرکوٹ خاندان کے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جس کی بنیاد درلبھ وردھن نے ہرش کی حین حیات میں ڈالی تھی۔ ہیون سانگ نے مئی سنہ ۶۳۱ء سے لے کر اپریل سنہ ۶۳۳ء تک دو برس کشمیر میں بسر کئے۔ اور وہاں ایک گمنام بادشاہ نے جو غالباً درلبھ وردھن ہی ہوگا اس کی بہت آؤ بھگت کی۔ اس بادشاہ اور اس کے بیٹے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ حکومت بہت طولانی تھا۔

سنہ ۷۲۰ء چندراپید
سنہ ۷۳۳ – ۷۶۹ء مکتاپید

موخرالذکر کے تین بیٹے بالترتیب اس کے جانشین ہوئے۔ ان میں سے سب سے بڑے بیٹے چندراپید کو سنہ ۷۲۰ء میں شہنشاہ چین نے خطاب شاہی عطا کیا۔ اس کے بعد اس کے تیسرے بھائی مکتاپید جو للتادت کے نام سے مشہور ہے کی بھی اسی طرح سنہ ۷۳۳ء میں عزت افزائی کی گئی۔ اس بادشاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے چھتیس برس حکومت کی۔

اوراس عرصے میں اس نے کشمیر کے زبردست رسوخ کو کشمیر کی پہاڑیوں کے باہر تک پھیلا دیا۔ چنانچہ ۷۴۰ء میں اس نے قنوج کے راجہ یسوورمن کو ایک شکست فاش دی[1]۔ اسی طرح اس نے دریائے سندھ کے کنارے پر تبتیوں۔ بھوٹیوں۔ اور ترکوں کو زیر کیا۔ مشہور و معروف سورج کے مندر مارتنڈ نے اس کی یاد اور عظمت کو فراموش نہیں ہونے دیا۔ یہ مندر جو اس نے تعمیر کرایا تھا اب تک موجود ہے۔ اس بادشاہ کے تمام کارنامے بہت کچھ مبالغے کے ساتھ کلہن کی تاریخ میں موجود ہیں۔

جیاپید۔ آٹھویں صدی کا خاتمہ

للتا پید کے پوتے جیاپید یا ونیادت کے متعلق اس کے دادا سے بھی زیادہ بعید از قیاس باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ غالباً یہ صحیح ہے کہ اس نے قنوج کے راجہ وجرایدھ کو شکست دی تھی اور تخت سے اتار دیا تھا۔ لیکن بنگال کے پونڈرو ردھن نام صدر مقام میں جو اس زمانے میں جینت نامی ایک راجہ کا مستقر تھا خفیہ طور پر آنے کا قصہ جس سے تاریخ کو کوئی تعلق نہیں محض خیالی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح نیپال کے ایک بادشاہ جس کا عجیب وغریب نام آرمڈی تھا کے برخلاف فوج کشی۔ اس کی گرفتاری۔ ایک مضبوط قلعے میں قید اور وہاں سے حیرت انگیز طور پر مخلصی محض وہمی اور قیاسی حکایات پر مبنی ہیں۔ لیکن اس کی سفاکی اور تعدی کی تفصیلات جو تمام تر اس کے حب مال پر مبنی تھیں۔ اور جس نے آخری زمانہ حکومت میں اس کے نام کو دھبا لگایا۔ ایسی ہیں کہ واقعات کے لحاظ سے قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں۔ اور خود آج کل کے کشمیری فرمارواؤں کی

[1] سنہ ۷۳۶ و ۷۴۷ء کے بین بین (لیوی اور چوینز کا مضمون "اٹنیریرڈا لنگ" منقول فی جرنل ایشیاٹک ۱۸۹۵ء صفحہ ۳۵۳)۔ دیکھو وی۔ اے۔ سمتھ کا مضمون:- "دی ہسٹری آف دی سٹی آف قنوج اینڈ آف یسوورمن" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ء صفحہ ۹۳-۷۶۵)۔

بداخلاقی کے بالکل مطابق ہیں۔ مورخ نے اپنے بیان کو ذیل کی عبارت وحاشیئے پر ختم کیا ہے:۔

"اس طرح اُس مشہور بادشاہ کی حکومت کے اکتیس برس گذرے۔ جو اپنے ارادے اور قوت عاملانہ پر پورا قابو نہ رکھ سکتا تھا۔ بادشاہوں اور مچھلیوں کی علی الترتیب دولت اور گندے پانی کی پیاس کے لئے جب شدت ہو جائے تو وہ خراب راستے اختیار کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ موت کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ مقدم الذکر کا یہ حال ان کی قسمت کے سبب ہوتا ہے اور موخر الذکر کا مچھیاروں کے ہاتھ سے"

جیاپید کے وجود کا ثبوت ان بے شمار سخت وحشیانہ سکوں سے ملتا ہے جن پر اس کا خطاب "ونیادت" منقوش ہے[151]

اونتی ورمن
سنہ ۸۵۵-۸۳ء

نویں صدی کے آخری حصے میں اونتی ورمن کا عہد حکومت علم ادب کی سرپرستی اور بدررو اور آبپاشی کے اہتمام (جو اس کے وزیر تعمیرات سُیا کے ماتحت اہتمام کو پہنچی) کی وجہ سے ممتاز ہے[152]

شنکر ورمن
سنہ ۹۰۲-۸۸۴ء

اس کے بعد کے بادشاہ شنکر ورمن نے میدان جنگ میں نام پیدا کیا۔ مگر وہ زیادہ تر رعایا سے مال واسباب کے چھیننے کے لئے قواعد وضوابط کے اختراع اور مندروں کے

---

[151] اسٹین:۔ ترجمہ "راجترنگنی" باب ۴۔ کیٹلاگ آف کائنز انڈین میوزیم جلد اصفحہ ۲۶۶ و ۲۶۹

[152] اسٹین:۔ ترجمہ راجترنگنی باب ۵ صفحہ ۱۲۶-۲

ٹیڑھے ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کے اخذ بالجبر کی تفصیلات اس وجہ سے قابل دید ہیں کہ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ایشیائی خود مختار بادشاہ کن کن نئے طریقوں سے اپنی رعایا کے مال و متاع پر قابض ہوا کرتے ہیں[1]۔

خاندان شاہیہ کا خاتمہ۔ اسی کی عہد حکومت کے دوران میں کنشک کی اولاد یعنے ترکی خاندان شاہیہ کے آخری بادشاہ کا ایک برہمن للیا نامی نے خاتمہ کر دیا۔ یہ ترکی شاہیہ خاندان کے بادشاہ کابل میں ۸۷۰ء (۲۵۶ھ) یعنے عرب سپہ سالار یعقوب ابن لیث کے اس شہر کو فتح کرنے تک حکمران رہے[2]۔ اس سنہ کے بعد دارالسلطنت دریائے سندھ کے کنارے او ہند کے مقام پر تبدیل کر دیا گیا۔ وہ خاندان جس کا بانی للیا تھا اور جو ہندو شاہیہ خاندان کے نام سے مشہور ہے سنہ ۱۰۲۱ء تک قائم رہا اور اس سنہ میں مسلمانوں نے اس کو بھی نیست و نابود کر دیا[3]۔

سنہ ۹۱۸-۹۱۷ء کا قحط۔ نوعمر راجہ پارتھ اور اس کے باپ پنگو کی نظامت کے زمانے میں سنہ ۹۱۸-۹۱۷ء میں ایک سخت قحط پڑا۔ جس کا ذکر ایک ہندو حکومت کے مورخ نے ان الفاظ میں کیا ہے:-

> "وتستا (یعنے دریائے جہلم) کا پانی ان لاشوں کی وجہ جو اس میں ایک مدت سے پڑی پڑی سڑ گئی تھیں دکھلائی نہ دیتا تھا۔ سرزمین پر ہر طرح ہڈیوں کے ڈھیر کے ڈھیر

---

[1] اسٹین:- راج ترنگنی باب ۵ صفحہ ۲۲۷-۱۲۸۔

[2] ریورٹی:- نوٹس "آن افغانستان" صفحہ ۶۳ و ۶۴۔

[3] اسٹین:- "زر گشت ڈر شاہیر فان کابل" (سٹٹگرٹ سنہ ۱۸۹۳ء)۔

نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ایک بھیانک
قبرستان معلوم ہوتا تھا۔ بادشاہ کے وزراء
اور فوج کے سپاہی چاول کو گراں قیمت پر
فروخت کرکے دولتمند بن گئے۔ بادشاہ
اس شخص کو اپنا وزیر بناتا تھا۔ جو رعایا کی
مصیبت کے باوجود اتنا روپیہ فراہم کردے
جس سے فوج کی تنخواہ چکائی جاسکے جس طرح
کوئی شخص اپنے آرام دہ گرم حمام کی کھڑکی سے
ان لوگوں پر نظر ڈالے جو اس کی دیوار تلے
ابرو باد کی تکالیف میں مبتلا ہوں اسی طرح
بدبخت پنگوا اپنے محل میں بیٹھا عیش مناتا تھا
اور رعایا بھوکوں مر رہی تھی[1]۔

وہ لوگ جو موجودہ زمانے کے طریقۂ امداد قحط پر نکتہ چینی کرنے کے عادی ہیں انھیں اس ناپاک تصویر پر خاص کر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اُنمتاونتی سنہ ۹۳۷-۹ء

پارتھ اپنی رعایا کو صرف چابکوں سے ہی سزا دیا کرتا تھا۔ مگر اس کا بیٹا انمتاونتی "جو بد معاشی کی حد کو پہنچ گیا تھا" اُس سے ایک قدم اور آگے بڑھا۔ اور لوگوں کو بچھوؤں سے ایذا دینے لگا۔ مورخ لکھتا ہے کہ "اس بادشاہ کی یادگار کی حکایات کو بیان کرنے کے ڈر سے میں بمشکل اپنی تاریخ کو جاری رکھنے کے قابل ہوتا ہوں۔ کیوں کہ ان حکایات ہی سے مجھ کو اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ میں گھوڑے کی طرح ڈر جاتا ہوں۔" اور تمام جرائم کے علاوہ پدر کشی بھی اس راجہ کے جرموں میں شامل تھی۔ اس کی وحشت کی تفصیلات اس قدر کراہت انگیز ہیں کہ ان کا اعادہ ناممکن ہے۔ خوش قسمتی سے اس کی

[1] اسٹین۔ ترجمہ راج ترنگنی باب ۵ صفحہ ۲۷۰-۲۷۱

حکومت کا عرصہ نہایت قلیل تھا۔ اور وہ ایک دردناک بیماری میں مبتلا ہوکر ۹۳۹ء میں مرگیا۔[۱]

سنہ ۹۵۰-۱۰۰۳ء
ملکہ دِدّا۔

دسویں صدی کے نصف آخر میں سلطنت کا تمام کاروبار ایک بدنیت اور بے اصول ملکہ دِدّا نامی کے ہاتھ میں تھا جو خاندان شاہیہ کے ایک بادشاہ کی دادی تھی۔ پہلے بادشاہ بیگم۔ پھر ناظمہ اور آخر کار تیئیس برس تک ایک ملکہ خود مختار کی حیثیت سے اس عورت نے نصف صدی تک اس بدبخت ملک کو برباد و تباہ کیا۔

سنہ ۱۰۰۳-۱۰۲۸ء
سنگرام۔

اس کے بھتیجے سنگرام کے زمانۂ حکومت میں ملک کو محمود غزنوی کے حملے کی وجہ سے مصائب برداشت کرنے پڑے۔ اور اگرچہ محمود نے اس کی افواج کو شکست دی لیکن اس کی کوہستانی سدراہ کی دشوار گذاری کی وجہ سے اس کی خودمختاری برقرار رہی۔

سنہ ۱۰۶۳-۸۹ کلس۔
سنہ ۱۰۸۹-۱۱۰۱ ہرش۔

گیارھویں صدی کے نصف آخر میں کشمیر کو جو بالعموم اپنے بادشاہوں کی طرف سے ناکام و ناشاد ہی رہا ہے کلس اور ہرش نام دو ظالم بادشاہوں کے ہاتھوں ناقابل بیان مصائب تکالیف و مصائب برداشت کرنا پڑے۔ موخرالذکر نے جو بظاہر ذرا دیوانہ بھی معلوم ہوتا ہے مندروں کے لوٹنے میں شنکر ورمن کی تقلید کی۔ اور بجا طور پر اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ اصل یہ ہے کہ دنیا کے بہت ہی کم ملک ایسے ہوں گے جو کشمیر کے بادشاہ اور ملکہ کی سی بیحیائی کے ساتھ شہوت رانی شیطنت سفاکی اور بیرحمی سے تخریب حکومت کی مثالوں میں لگا کھا سکیں۔

[۱] ایضاً باب ۵ صفحہ ۴۴۴-۱۴۴

سنہ ۱۳۳۹ء میں ایک مقامی مسلمان خاندان نے اس ملک پر قابو پایا۔ اور چودھویں صدی عیسوی کے دوران میں تمام ملک میں اسلام کا دور دورہ ہوگیا۔ مگر اس کی قدرتی دشوار گذار حالت کی وجہ سے وہ ہندوستان کے بادشاہوں کی حرص و آز کی آگ	سنہ ۱۳۳۹ء مسلمانوں کا مقامی شاہی خاندان۔

سے محفوظ رہا۔ تاوقتیکہ ۱۵۸۶ء میں اکبر نے اسے فتح کر کے سلطنت مغلیہ میں شامل کر لیا[1]۔



سلطنتہائے قنوج (پنچال)۔ پنجاب۔ اجمیر۔ دھلی گوالیار۔ اور مسلمانوں کا ہندوستان کو فتح کرنا

سلطنت قنوج کی تاریخ بیان کرنے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس مشہور و معروف مستقر سلطنت شہر کے	قنوج کا شہر۔

جو اب صوبجات متحدہ کے ضلع فرخ آباد میں مسلمانوں کی ایک بستی کے طور پر باقی رہ گیا ہے (شمالی عرض بلد ۲۷°-۳'۔ مشرقی طول بلد ۷۹°-۵۶') مختصر سے حالات بیان کر دئے جائیں۔ قنوج کا شہر بہت قدیم تھا۔ مہابھارت میں متعدد جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ اور دوسری صدی قبل مسیح میں پتنجلی نے ایک مشہور و معروف مقام کے طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔ مگر اب اس کو اس طرح برباد کیا گیا ہے کہ سوائے تھوڑے کرکٹ کے

---

[1] تاریخ کشمیر کی تمام تفاصیل اسٹین کے ترجمے و شرح راج ترنگنی میں ملیں گی۔

ڈھیروں کے اور کوئی چیز اس کے عالیشان محلوں مندروں اور
خانقاہوں کے نشان و اثر بتانے کے لیئے نہیں رہ گئی۔ بطلیموس
(ٹولمی)[1] کے جغرافیے میں جو ۱۴۰ئ کے قریب تصنیف ہوئی مشرحین
یہ فرض کر لیتے ہیں کنگورا اور کنوزگا کے ناموں کے صورت میں
چھپا قنوج کا دو دفع ذکر آیا ہے۔ مگر اس بات کی صحت کے لئے
کچھ بہت بڑی اسناد موجود نہیں ہیں قنوج کا سب سے پہلا مستند
بیان مع وہاں کے کم و بیش حالات کے چینی سیاح فا۔ہیان کے
سفرنامے میں ملتا ہے جو ۴۰۵ئ میں چندرگپت دوم بکرماجیت کے
عہد حکومت میں وہاں گیا تھا۔ اس کے یہ لکھنے سے کہ شہر میں فرقہ ہنایان
کی صرف دو خانقاہیں۔ اور ایک ستوپ تھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ
پانچویں صدی کے شروع میں قنوج کو کچھ اہمیت حاصل نہیں تھی۔ غالباً
شاہان گپت کی سرپرستی میں اس کی ترقی کا آغاز ہوا۔ لیکن وہ
اپنے انتہائے عروج کو یقیناً اس وقت پہنچا جبکہ ہرش نے اسے
اپنا دارالسلطنت بنا لیا۔ جب ۶۳۶ئ اور ۶۴۳ئ میں ہیون سانگ
وہاں مقیم تھا تو فا۔ہیان کے زمانے کے مقابلے میں ہاں زمین آسمان کا
فرق ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس جاتری نے وہاں بجائے ایک خانقاہ کے
سو خانقاہیں پائیں۔ جن میں (۱۰۰۰۰) سے کچھ اوپر دونوں فرقوں کے
بھکشو مقیم تھے۔ مگر ہندو مت بھی بدھ مذہب کے پہلو بہ پہلو موجود
تھا۔ اور وہاں اس کے دو سو سے زیادہ مندر اور ہزاروں پجاری دکھلائی
دیتے تھے۔ شہر جو نہایت مضبوطی سے قلعہ بند کیا گیا تھا دریائے گنگا کے
مشرقی کنارے پر تقریباً ۴ میل کے پھیلاؤ میں بسا ہوا تھا اور اس میں

---

[1] باب ۷۔ فصل ۱ حصہ ۵۲۔ فصل ۲ حصہ ۲۲۔ مترجمہ میک کرنڈل (انڈین انٹی کویری جلد ۱۳۔ صفحہ ۳۲ و ۳۸۰)

[2] ٹریولز باب ۱۸

بہت سے خوشنما باغات اور صاف وشفاف پانی کے تالاب واقع تھے۔ شہر کے باشندے بجیثیت خوشحال تھے۔ اور ان میں بعض خاندان بہت متمول تھے۔ وہ ریشم پہنتے تھے۔ اور علوم وفنون میں پوری دستگاہ رکھتے تھے[1]۔

اس کی فتح اور بربادی۔ اگرچہ نویں اور دسویں صدیوں میں قنوج کو متعدد دفعہ غنیم کی افواج نے فتح اور تباہ وبرباد کیا۔ لیکن یہ بہت جلد اپنی اصلی حالت پر بار بار آجاتا تھا۔ اور جب ۱۰۱۸ء کے اواخر میں محمود غزنوی اس کی دیواروں تلے پہنچا ہے تو وہ ایک زبردست اور عالیشان شہر تھا۔ جس کی حفاظت کے لئے سات قلعے تھے جو الگ الگ موجود تھے اور جس میں کہا جاتا ہے کہ (۱۰۰۰۰) مندر تھے۔ سلطان محمود نے مندروں کو منہدم کرایا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شہر کو اُسی حالت میں چھوڑ دیا۔ پنجپال کے دارالسلطنت کے باری کی طرف منتقل ہو جانے کی وجہ سے قنوج کی اہمیت اور آبادی میں بہت کچھ نقصان واقع ہوا ہو گا۔ اگرچہ بارھویں صدی عیسوی میں گرداڑ راجاؤں کے زیر حکومت اس نے کچھ تلافی مافات ضرور کر لی تھی۔ ۱۱۹۴ء (۵۹۰ھ) میں شہاب الدین کی افواج نے جب قنوج اور اس کے ساتھ راجہ جے چند کی تمام ریاست کو اپنے زیر نگین کیا تو شہر کی عظمت وشان ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔ اس کی آخری بربادی شیر شاہ کی قسمت میں لکھی تھی۔ اس نے ۱۵۴۰ء میں ہمایوں پر فتح پانے کی یادگار میں اسی کے قریب شیر سُور نام ایک نیا شہر بسایا۔ مسلمان مورخ اس بربادی کا ذکر لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اس بربادی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور خود بادشاہ کا فعل لوگوں کی نظر میں مقبول نہیں تھا[2]۔

---

[1] واٹرس جلد ۱ صفحہ ۳۴۰ بیل جلد ۱ صفحہ ۲۰۶۔

[2] ایلیٹ:۔ "ہسٹری آف انڈیا" جلد ۴ صفحہ ۴۱۹۔ مورخ عباس نے اپنی کتاب تقریباً

سلطنت پنچال

قنوج نے اگرچہ اپنی زندگی کے زمانے میں دو مرتبہ یعنے ساتویں صدی عیسوی میں ہرش کے زیر حکومت اور نویں اور دسویں صدی میں مہر بھوج اور مہندرپال کی سلطنت کے عرصے میں شمالی ہند کے دارالسلطنت ہونے کی عزت پائی لیکن درحقیقت وہ سلطنت پنچال کا صدر مقام تھا۔ مہابھارت کی حکایت کے مطابق شمالی پنچال مع اس کی دارالسلطنت اہچھتر کے دروں کے حصے میں اور جنوبی پنچال مع اس کے صدر مقام کامپلیا کے درو پد کے ہاتھ آیا۔ اہچھتر یعنے ضلع بریلی کا موجودہ مقام رامنگر جب ہیون سانگ ساتویں صدی میں وہاں گیا ہے تو وہ اچھا خاصا بڑا شہر تھا۔ کامپلیا غالباً ضلع فرخ آباد کا مقام کمپل ہے۔ اس کی تاریخ کے متعلق بالکل کچھ معلوم نہیں۔ لیکن یہ دونوں صدر مقام ہرش کے زمانے میں قنوج کی ترقی کی وجہ سے گمنام ہوگئے۔ اور اس کے زمانے کے بعد قنوج ہی پنچال کا بلاشرکت غیرے دارالسلطنت قرار پاگیا تھا۔

ہرش کے بعد کا فتنہ و فساد۔

۶۴۷ء میں ہرش کی موت کے بعد اس کی وسیع سلطنت میں فتنہ و فساد اور ابتری پھیل گئی ۶۵۰ء میں تبتیوں اور نیپالیوں کی مدد سے چینی سفیر کے ہاتھوں غاصب کے نیست و نابود ہونے پر پنچال کے علاقے پر کیا گذری اس کا حال بالکل ہم کو معلوم نہیں۔

آٹھویں صدی کے راجگان قنوج

ہرش کی موت کے بعد قدیم ترین راجہ جس کا نام معلوم ہے وہ یسو ورمن تھا جس نے ۷۳۱ء[۱] میں چین کو ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ۱۵۸۰ء میں اکبر کے عہد میں لکھی تھی۔ دیگر تفاصیل کے متعلق دیکھو:۔ دی اے سمتھ "دی ہسٹری آف دی سٹی آف قنوج" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۶۵-۷۹۳)۔ میرا یہ کہنا غلط تھا کہ شہاب الدین نے شہر کو لوٹا تھا۔

[۱] کننگھم:۔ آرکی آلوجیکل سروے رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۱۱۔

[۲] ایم۔ اسٹین ترجمہ راج ترنگنی باب نہم فصل ۵ صفحہ ۱۳۴ حاشیہ بحوالہ پوتھیئر۔

سفارت بھیجی اور اس کے نو یا دس برس بعد کشمیر کے للتا پید للتادت کے ہاتھ شکست کھا کر در بدر ہو گیا[1]۔ سنسکرت ادبیات کی تاریخ میں یسو ورمن کا نام اس وجہ سے روشن ہے کہ وہ مالتی مادھو کے مصنف بھو بھوماتی اور اس کے کم مشہور پراکرت کی زبان کے ایک مصنف واکپتراج کا مربی اور سرپرست تھا۔ اس کا جانشین غالباً وجرایدھ تھا۔ مگر اپنے پیشرو کی طرح اس کا بھی یہی حشر ہوا کہ کشمیر کے راجہ جیاپید کے ہاتھ شکست کھائی اور تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا[2]۔ اس کے جانشین اندرایدھ کا بھی جو ۷۸۳ء میں برسر حکومت تھا بد قسمتی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ اور ۸۰۰ء میں بنگال اور بہار کے راجہ دھرم پال نے اس کو تخت سے علیحدہ کر دیا۔ اس مشرقی صوبجات کے بادشاہ نے اگرچہ غالباً اطاعت اور خراج کا دعویٰ کیا ہو گا مگر پنچال کی سلطنت کو اس نے اپنے ہاتھ میں نہ رکھا۔ بلکہ اس کو چکرایدھ نامی ایک شخص کے جو غالباً مفتوح راجہ کا عزیز تھا سپرد کر دیا۔ یہ نیا راجہ گرد و نواح کے تمام راجاؤں کی رضامندی اور خوشی سے تخت نشین کیا گیا[3]۔ لیکن اس کی قسمت بھی اس کے پیشروؤں سے کچھ

---

[1] اسٹین ترجمہ راج ترنگنی باب ۴ صفحہ ۱۳۴-۱۳۶۔ لیوی اور چیونز "انٹر بڑاؤ کنگ" (جرنل ایشیاٹک ۱۸۹۵ء صفحہ ۳۵۳)۔ ان کے نزدیک اس واقعے کی تاریخ ۷۳۶ء اور ۷۴۷ء کے بین بین ہے۔

[2] کنو اور لینیمین: "کرپور منجری" ۳-۵ صفحہ ۲۶۶ "پنچال کے راجہ وجرایدھ کی دارالسلطنت قنوج کی طرف"۔ اسٹین کے ترجمے راج ترنگنی باب ۴ صفحہ ۱۷۴ میں جیاپید راجہ کشمیر کے ہاتھوں قنوج کے ایک راجہ کی شکست اور تخت سے اتارے جانے کے واقعات درج ہیں۔ قنوج کا یہ راجہ یقیناً وجرایدھ ہو گا۔

[3] ۷۸۳ء جین "ہری ونس" منقول از بمبئی گزیٹیر (۱۸۹۶ء) جلد ا حصہ ا صفحہ ۱۹۷ حاشیہ۔ بھاگلپور کی تانبے کی لوح (انڈین انٹی کویری جلد ۱۵ صفحہ ۳۰۴۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)۔ کھالمپور کی تانبے کی لوح (اپیی گرافیا انڈیکا جلد ۴ صفحہ ۲۵۲ حاشیہ ۳)۔

بہت اچھی نہ نکلی۔ سنہ ۸۱۶ء[1] کے قریب راجپوتانہ کی سلطنت گرجر پرتہار کے اولوالعزم راجہ ناگ بھٹ (جس کا صدر مقام بھلمال تھا) کے ہاتھ سے اس کو شکست ہوئی اور اُسے بھی تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا[2]۔

ناگ بھٹ اور رام بھدر۔ اغلب یہ ہے کہ ناگ بھٹ نے اپنی سلطنت کا صدر مقام قنوج کو قرار دے لیا تھا۔ اور یہ تو یقینی ہے اس کے بعد قرنوں تک یہ شہر اس کے جانشینوں کا دارالسلطنت رہا۔ اور اس طرح وہ ایک مرتبہ پھر خاصے عرصے کے لئے شمالی ہند کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ ناگ بھٹ کے وقت میں بیرونی حملہ آوروں کی اولاد گرجر اور مقامی حکمرانوں کی اولاد یعنے دکن کے راشٹر کوٹ (راٹھور) کے درمیان متواتر جنگ جاری رہی اور جنوبی راجہ گوبند سوم کو اس بات کا دعویٰ ہے[3] کہ اس نے نویں صدی کے اوائل میں اپنے شمالی حریف پر فتح پائی تھی۔ ناگ بھٹ کے جانشین رام بھدر (یا رام دیو) کے متعلق جس نے تقریباً سنہ ۸۲۵-۸۴۰ء تک حکومت کی کوئی خاص بات معلوم نہیں۔

مہر بھوج۔ رام بھدر کا بیٹا اور جانشین مہر جو اپنے خطاب بھوج کے نام سے زیادہ مشہور ہے تقریباً آدھی صدی تک حکمراں رہا (تقریباً سنہ ۸۴۰-۸۹۰ء)۔ اور وہ بلاشک و شبہ ایک زبردست بادشاہ تھا جس کی ریاست کو بلا مبالغہ ایک سلطنت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] گوالیار کا کتبہ۔ تخر۔ ڈی کے گزشانٹ ڈی دیسنشانٹ گا ٹنجن سنہ ۱۹۰۵ء "ایپی گرافیکل نوٹس" نمبر ۱۴۔ آرکی آلوجیکل سروے۔ اینول رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۰۴ء صفحہ ۲۷۷۔ دیکھو وٹیرس "آن یوان چوانگ" جلد ۲ صفحہ ۲۵۰۔ ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر۔ آرکی آلوجیکل سروے۔ ویسٹرن انڈیا۔ پروگرس رپورٹ سنہ ۱۹۰۷-۰۸ء صفحہ ۴۱-۳۶۔ اور جے۔ ولسن: "انڈین کاسٹ" (سنہ ۱۸۷۷ء) جلد ۱ صفحہ ۱۰۹؏

[2] ایک غیر مطبوعہ کتبہ جو پروفیسر ڈی آر بھنڈارکر کے پاس ہے۔ ("گرجرس" صفحہ ۴۔ جرنل بمبئی برانچ ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۲۰) ؏

اس میں یقیناً پنجاب کے ماورا ستلج کے اضلاع - راجپوتانہ کا بڑا حصہ - اور اگر تمام نہیں تو موجودہ صوبجات متحدہ آگرہ واودھ کا معتد بہ رقبہ اور گوالیار کا علاقہ شامل تھا - چونکہ بعد کے دو بادشاہوں کے متعلق یہ معلوم ہے کہ انتہائے مغرب میں سُراستریا کاٹھیاواڑ کا علاقہ ان کے زیر تصرف تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گجرات اور مالوا یا اونتی کے علاقوں پر قابض تھے - اس لئے بہت اغلب ہے کہ یہ دور افتادہ علاقے راجہ بھوج کے بھی زیر نگین ہوں - مشرق میں اس کی سلطنت کا ڈانڈا بنگال وبہار کے راجہ دیوپال کی سلطنت سے ملتا تھا - چنانچہ اس کے علاقے میں اس نے کامیابی کے ساتھ فوج کشی بھی کی تھی - شمال مغرب میں غالباً دریائے ستلج اس کی سلطنت کی حد فاصل تھا - مغرب میں دریائے ہکرا یا واہندہ جو اب گم ہو گیا ہے اس کے اور اس کے دشمنوں یعنے سندھ کے مسلمان سرداروں کی سلطنتوں میں حائل تھا - جنوب مغرب میں اس کا زبردست راشٹر کوٹ حریف سے جو مسلمانوں کا حلیف تھا متواتر اُس کی افواج کو ہشیار اور مسلح رہنا پڑتا تھا اور جنوب کی طرف اس کی ہمسایہ سلطنت ججا کبھکتی یعنے موجودہ بندیل کھنڈ کی ترقی پذیر سلطنت تھی - جو غالباً اس کی باجگذار بھی تھی - بھوج اپنے آپ کو وشنو کا اوتار فرض کرنے کا شائق تھا - اور اسی وجہ سے اس نے اپنا لقب "آدی وراہ" مقرر کیا تھا جو اس دیوتا کا ایک اوتار تصور ہوتا ہے - چنانچہ شمالی ہند میں خراب قسم کے نقرئی سکے جن پر یہ لقب منقوش ہے بکثرت پائے جاتے ہیں - اور ان کی اسی کثرت سے بھوج کے

لہ یہ تمام واقعات کیلہارن کی فہرست (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۵ ضمیمہ) کے نمبر ۴۲ ۵ و ۴ ۵ و ۱۰۰ وغیرہ - ہندی دول کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے لئے دیکھو المسعودی منقول نی ایلیٹ "ہسٹری آف انڈیا" جلد اول صفحہ ۲۳-۲۵ - "بمبئی گزیٹر" (۱۸۹۶ء) جلد اول حصہ اول صفحات ۵۰۲ و ۵۱۱ و ۵۲۶

عرصۂ حکومت کی طوالت اور اس کے راج کی وسعت کا پتہ لگتا ہے[1]۔ بدقسمتی سے اس کے زمانے میں کوئی مگاس تھنیز یا بان کے قسم کا شخص نہیں گذرا جو اس کے اندرونی انتظام سلطنت کا حال قلمبند کر جاتا۔ اس لئے بھوج کی سیاسیات کا اس کے عالیشان پیشروؤں کے نظام سلطنت سے مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔

مہندر پال۔ بھوج کے بیٹے اور جانشین مہندر پال نے (مہندر ائیدھ) جو وسیع سلطنت اپنے باپ سے ورثے میں پائی تھی اس کو بلا کم و کاست محفوظ رکھا اور پنجاب اور دریائے سندھ کی وادی کے سوا بہار (یا مگدھ) کی حدود سے لے کر بحیرۂ عرب تک تمام شمالی ہند پر حکمرانی کرتا رہا۔ اس کے آٹھویں اور نویں سنہ جلوس کے کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مگدھ بھی تھوڑی مدت کے لئے پرہار (پرتھار) کی ریاست میں شامل تھا۔ اس کا استاد (گرو) کرپورمنجری ناٹک اور دیگر کتب کا مشہور مصنف راجیسکھری تھا جو آخر میں مہندر پال کے چھوٹے بیٹے کے دربار میں بھی مقیم رہا[2]۔

بھوج دوم اور مہی پال۔ کم و بیش دو یا تین سال تک مہندر پال کا بڑا بیٹا بھوج دوم تخت نشین رہا۔ مگر وہ جلد مر گیا۔ اور اس کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی مہی پال اس کا جانشین ہوا۔ (سنہ ۹۱۰-۴۰ع[3]) سلطنت قنوج کے زوال و انحطاط کی ابتدا اسی کے زمانے سے ہوئی۔ سنہ ۹۱۶ع میں راشٹر کوٹ قوم کے راجہ اندر سوم نے نئے سرے سے

---

[1] کیٹلاگ آف کائنز ان انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۲۳۳ و ۲۴۱۔

[2] کنو اور لیمین: ”کرپورمنجری“ صفحہ ۱۷۸۔ نگران کا یہ قول (صفحہ ۱۷۹) کہ مہودیا کہ راجہ مہندر پال کو ڈگھوا۔ ڈبولی کی تانبے کی لوح کے کتبے میں اسی نام کے راجہ سے ممیز سمجھنا چاہئے اور اب غلط ثابت ہو چکا ہے۔

[3] کتبہ نمبر ۴۴۵۔ کیلہارن کی فہرست۔

قنوج کو فتح کیا۔ اور اس سے پرہار خاندان کی طاقت کو سخت صدمہ پہنچا[1]۔ اشتہر سنہ ۹۱۴ع تک مہی پال ہی کے ماتحت تھا۔ اور غالباً اس سنہ کے بعد جنوبی بادشاہ کی کامیابی کی وجہ سے اور دوردست صوبوں کے ساتھ یہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اندر سوم اس قابل نہ تھا کہ قنوج پر قابض رہ سکے اس لئے مہی پال نے چندیل قوم کے راجہ اور غالباً دیگر حلیفوں کی مدد سے اپنے دارالسلطنت کو پھر حاصل کر لیا[2]۔

دیوپال قنوج کی طاقت کے زوال اور ججاکبھکتی کی قوت کے عروج کا ثبوت اس واقعے سے ملتا ہے کہ راجہ دیوپال (تقریباً سنہ ۹۴۰-۹۵۵ع) کو بہ جبر وشنو کی ایک قیمتی مورت چندیل راجہ یسوورمن کے حوالے کرنی پڑی۔ جس نے اس کو ایک نہایت عالیشان اور خوبصورت مندر تعمیر کرا کے کھجوراہو کے مقام پر نصب کرایا[3]۔ یسوورمن نے اپنی طاقت سے کالنجر کے مضبوط قلعے کو فتح کیا اور قبضہ کر کے مستحکم کر لیا تھا اور بلا شک وشبہ وہ قنوج سے بالکل خود مختار ہو گیا تھا۔ یسوورمن کے جانشین دھنگ کے وقت میں جمنا پنچال اور ججاکبھکتی کی ریاستوں کے مابین حد فاصل قرار دیا گیا[4]۔

وجیاپال۔ دیوپال کے بعد اس کا بھائی وجیاپال تخت پر بیٹھا (تقریباً سنہ ۹۵۵-۹۹۰ع) اور اس کے زمانے میں خاندان کا قدیم مقبوضہ یعنے گوالیار کا علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کو کچھواہہ (یعنے کچھپگھاٹ) قوم کے سردار وجرادرمن نے فتح کر لیا جس نے اس مقام میں

---

[1] کیسے کی لوحیں (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۷ صفحہ ۳۰ و ۳۴)۔
[2] کیلہارن کی فہرست میں کتبہ نمبر ۳۵۳۔
[3] ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۱۲۱۔
[4] ایضاً جلد اول صفحہ ۱۳۴۔
[5] کیلہارن کی فہرست میں کتبہ نمبر ۱۴۷۔

ایک خاندان کی بنیاد ڈالی جو ۱۱۲۹ء تک اس قلعے پر قابض رہا۔ دسویں صدی کے تقریباً درمیان میں مولراج کے گجرات میں انہلواڑہ کے مقام پر سولنکی (چلکیا) خاندان کی بنیاد ڈالنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب قنوج کے راجہ کو مغربی ہند سے بھی کوئی سروکار نہ رہا تھا۔ گوالیار کا ...ار سلطنت چندیل کا باجگذار ہو گیا۔ جو اپنے راجہ دھنگ کی ماتحتی میں (۹۵۰ تا ۱۰۰۰ء) بظاہر اپنے حریف قنوج سے زیادہ قوی تھی۔[۱]

اسلامی حملے۔ اسی زمانے میں شمالی ہند کی راجپوت ریاستوں کے سیاسی معاملات مسلمان حملہ آوروں کی دخل اندازی کی وجہ سے پیچیدہ ہو گئے۔ ۷۱۲ء میں عربوں کی سندھ کی فتح کا کوئی اثر اندرون ملک کی سلطنتوں پر نہیں پڑا تھا۔ اور بہ ہیئت مجموعی عربوں نے اپنے جنوبی ہمسایوں یعنی راشٹرکوٹ کی زبردست سلطنت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ اور راجپوتانہ اور قنوج کی گرجر ریاستوں پر ان کے تمام حملے اپنی حیثیت میں سرحدی چھاپوں سے زیادہ نہ تھے۔ لیکن اب صورت حالات بدل گئی اور اسلامی افواج زیادہ کثیر تعداد اور قوت کے ساتھ شمال مغربی حدوں میں جن میں سے

۱؎ مولراج کے تین کتبے اگست ۹۷۴ء سے جنوری ۹۹۵ء تک کے موجود ہیں گجرات کی تواریخ کے بموجب وہ ۹۴۲ء سے ۹۹۷ء تک حکمراں رہا اس کو قنوج کے راجہ راجی کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ اور راجی غالباً قنوج کے بادشاہ مہی پال کا ایک خطاب تھا۔ جس نے ۹۱۰-۹۴۰ء تک حکومت کی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ مولراج کا نائب تھا اور موقع پا کر اس نے اطاعت کا جوا گردن سے اتار کر پھینک دیا اور خود مختار ہو گیا۔ دیکھو:- ایپی گرفیا انڈکا جلد ۱۰ صفحہ ۷۶ و ۷۷۔ جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۶۷ و ۲۶۹۔ ۹۶۱ء کی تاریخ جو میں نے اس سے قبل انہلواڑہ کی سلطنت کی بنیاد کی بیان کی تھی بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ مولراج کو ایک چوہان راجہ وگرہراج (ثانی) نے جو ۹۷۳ء میں زندہ تھا قتل کیا۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۶۶ و ۲۶۷ و ۲۶۹)

ہندوستان کے غنیم یکے بعد دیگرے گذرتے رہے ہیں ظاہر ہوئیں۔

سبکتگین اور جیپال۔

اس زمانے میں ایک عظیم الشان سلطنت جس میں دریائے سندھ کی وادی کا بالائی حصہ۔ اور سندھ کے شمال میں پنجاب کا بڑا علاقہ جو مغرب کی طرف کوہستان تک اور مشرق کی طرف دریائے ہکرا تک پھیلا ہوا تھا۔ شامل تھا۔ اس پر ایک راجہ جیپال نامی حکمراں تھا۔ جس کا صدر مقام بھٹنڈا تھا جو لاہور کے جنوب جنوب مشرق اور پٹیالہ کے مغرب میں واقع ہے۔ سبکتگین امیر غزنی نے ہندوستان پر سب سے پہلے ۹۸۶ء (۳۷۶ھ) میں یورش کی۔ اس کے دو سال کے بعد جیپال نے امیر غزنی کے علاقے پر حملہ کرکے اس کا بدلہ لینا چاہا۔ مگر شکست کھائی اور مجبور ہو کر ایک صلحنامہ لکھنا پڑا جس کی رو سے کثیر مقدار روپیہ نقد۔ بہت سے ہاتھی اور دریائے سندھ کے مغرب میں چار قلعے اس کو حوالے کرنے پڑے۔ جیپال کے نقض عہدنامے کی وجہ سے سبکتگین نے اس کو سزا دینے کے لئے سرحد پر لوٹ مار مچائی اور لمغان (جلال آباد) پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بہت جلد بعد (تقریباً ۹۹۱ء) جیپال نے اپنے ملک و سلطنت کی حفاظت کے لئے آخری کوشش کی۔ ہندی راجاؤں کا اتحاد جس میں چندیل کا راجہ گند۔ قنوج کا حکمراں راجہ راجیاپال اور دیگر راجہ شامل تھے قائم کیا۔ اس زبردست فوج کو جو اس طریقے سے جمع کی گئی تھی دریائے کرم کی وادی میں شکست فاش نصیب ہوئی۔ اور پشاور پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا۔ نومبر ۱۰۰۱ء میں جیپال کو سلطان محمود کے ہاتھ سے پھر شکست ہوئی۔ اس بے عزتی کو وہ نہ برداشت کرسکا اور اس نے خودکشی کرلی۔ اس کا جانشین اس کا بیٹا انند پال ہوا[1]۔

[1] اس تمام بیان میں جہاں تک عام خیالات کی مخالفت کی گئی ہے وہ ریورٹی کی سند پر مبنی ہے:۔ "نوٹس آن افغانستان" صفحہ ۳۲۰۔ البیرونی ("انڈیا" مترجمہ زخاؤ جلد اول صفحہ ۱۳۵) لکھتا ہے کہ "شاہ" انندپال کے جو ہمارے زمانے میں

راجیا پال - سلطان محمود۔

قنوج میں وجیا پال کی جگہ اس کا بیٹا راجیا پال جو بیرونی حملہ آور کے روکنے کی کوشش میں شریک ہوا تھا تخت پر بیٹھا۔ چند سال بعد (۹۹۷ء) سبکتگین کا تخت وتاج ایک تھوڑے سے تنازعہ کے بعد اس کے بیٹے نامی و نامور سلطان محمود کے ہاتھ آیا جس نے اپنی زندگی کا فرض قرار دے لیا کہ ہندوستان کے "کفار" پر یورشیں کی جائیں۔ اور ان کا مال ومتاع لوٹ کر غزنی لے جایا جائے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس نے ہندوستان پر کم وکاست سترہ حملے کیئے۔ اس کا دستور تھا کہ وہ اکتوبر میں اپنے دارالسلطنت سے روانہ ہوتا تھا۔ اور تین مہینے کے متواتر سفر کے بعد وہ ہندوستان کے سرسبز وشاداب ترین صوبے میں پہنچ جاتا تھا۔ ماہ جنوری ۱۰۱۹ء کے اوائل میں وہ قنوج کے سامنے نمودار ہوا۔ راجیا پال نے اپنے مستقر سلطنت کے بچاؤ کی کوئی بڑی کوشش نہ کی۔ اور ساتوں قلعے جو شہر کی حفاظت کے لیئے تھے ایک ہی دن میں محمود کے ہاتھ آ گئے۔ فاتح سلطان نے مندروں کو منہدم کرایا مگر شہر کو اصلی حالت میں چھوڑ کر مال غنیمت سے لدا پھندا غزنی پلٹ گیا۔ وقت اور موقع کی مناسبت کے لحاظ سے راجیا پال نے بہترین شرائط حاصل کیئے۔ اور اس کے بعد قنوج کو چھوڑ کر دریائے گنگا کے دوسری جانب باری کے مقام پر سکونت اختیار کی۔[1]

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- برسر حکومت تھا۔" ماگرد تھا جو اگر بھوتی نامی ایک نحوی گذرا ہے۔ اور اس کی کتاب بادشاہ نے کشمیر میں پنڈتوں کو انعام واکرام دیکر مقبول عام کرائی تھی۔

[1] راجیا پال کا نام جھوسی کے تانبے کی لوح ("انڈین انٹی کویری" جلد ۱۸ صفحہ ۳۴۔ کیلہارن کی فہرست نمبر ۶۰) اور دوبکنڈ کے کتبے (ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۲ صفحہ ۲۳۵) میں ملتا ہے۔ اب تک اس کو غلطی سے عتبی کے مطابق "رائے جے پال" پڑھا

گند اور محمود۔ ایسی بزدلی اور دون ہمتی سے راجیا پال کی اطاعت قبول کر لینا اس کے ہندو متحدین کو ناگوار گذرا۔ کیونکہ انھوں نے یہ احساس کیا کہ اس نے ان کے ساتھ دغا بازی کی ہے۔ چنانچہ اسی قصور کی سزا دہی کے لیئے چندیل کے راجہ گند کا ولیعہد ودّیا دھر گوالیار کے باجگذار سردار کی افواج کو ہمراہ لے کر ۱۰۱۹ء میں سلطان محمود کی واپسی کے بعد ہی فوراً قنوج پر حملہ آور ہوا۔ اور راجیا پال کو قتل کیا۔ جس کے بعد اس کا بیٹا ترلوچن پال اس کی چھوٹی سی ریاست کا مالک ہوا۔ سلطان محمود کو جب راجہ کی (جس کو وہ اپنا باجگذار سمجھتا تھا) شکست و سزا کا حال معلوم ہوا تو اس کے غیظ و غضب کی کچھ انتہا نہ رہی۔ اور اسی سال (۴۱۰ھ) کے موسم خزاں میں وہ پھر ہندو راجاؤں سے انتقام لینے کی غرض سے روانہ ہوا۔ ۱۰۲۰ء کے اوائل میں اس نے پرتہار کے نئے صدر مقام باری کو بلا دقت و مشکل فتح کیا۔ اور اس کے بعد وہ چندیل کے علاقے میں بڑھا۔ یہاں گند نے بظاہر ایک مہیب فوج اس کے مقابلے کے لیئے تیار کی۔ مگر چندیل راجہ کا دل اندر ہی اندر بیٹھ گیا اور وہ بھی راجیا پال

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ جا تارہا (ایلیٹ جلد ۲ صفحہ ۴۵)۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ بہت کچھ ابتری واقع ہو گئی ہے۔ ایلیٹ (ایضاً صفحہ ۴۵-۴۷ و ۴۶) نے بھٹنڈا کے خاندان کو اوہند کے شاہیہ خاندان میں ملا دیا ہے۔ اور اس طرح تمام بیان کو ناقابل فہم کر دیا ہے۔ جب اس نے اپنی کتاب لکھی ہے تو کتبات کا نام و نشان نہ تھا۔ اور اس کے بعد کے تمام مصنفین نے اس غلطی کو دور کیئے بغیر اسی کی پیروی کی ہے "طبقات اکبری" کا بیان بھی ایلیٹ (جلد ۲ صفحہ ۴۶۲) میں موجود ہے۔ باری کی سکونت کا حال البیرونی اور رشید الدین نے لکھا ہے۔ اس موضوع پر میرے مضمون "دی اگر جراس آف راجپوتانہ اینڈ قنوج" میں مفصل بحث ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۸۱-۲۷۶) ٭

کی طرح بغیر لڑے بھڑے میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ اس کی چھاؤنی کا مال ومتاع۔ اسلحہ اور ہاتھی سلطان کے ہاتھ آئے۔ اور اس نے بدستور سابق بہت سا مال غنیمت لے کر غزنی کی طرف مراجعت[1] کی ؛

راجیاپال کے جانشین۔ ترلوچن پال کی نسبت سوائے اس کے اور کچھ معلوم نہیں کہ اس نے ۱۰۱۹ء کے اواخر یا ۱۰۲۰ء کے آغاز میں سلطان محمود کے دریائے جمنا کے عبور میں بے سود مزاحمت کی اور ۱۰۲۷ء میں الہ آباد کا ایک گاؤں کسی کو عطا کیا[2]۔ ممکن ہے کہ ایک راجہ یسپال جس کا ذکر ۱۰۳۶ء کے ایک کتبے میں پایا جاتا ہے اس کا اس کے بعد ہی جانشین ہوا ہو[3]۔ ۱۱۹۴ء میں قنوج کی آخری فتح کے بعد بھی بعض گمنام راجہ جو غالباً مسلمانوں کے ماتحت تھے قنوج کے راجہ تسلیم کیئے جاتے رہے۔ ان میں چند سرداروں کے نام بھی محفوظ رہ گئے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ جونپور کے قریب ظفر آباد کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔ مگر یہ سردار گرجر۔ پرتہار کے شاہی خاندان سے نہ تھے جو بالکل ہی نیست ونابود ہو چکا تھا۔ ۱۰۹۰ء کے ذرا قبل قبیلہ گھرواڑ کا ایک راجہ چندر دیو نامی قنوج کو فتح کر کے اس پر قابض ہو گیا تھا۔ اور اسی راجہ نے یقیناً بنارس اور اجودھیا اور غالباً

---

[1] یہ تاریخ چندیل کے کتبوں سے حاصل ہوئی ہے (اپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۲۱۹ - جلد ۲ صفحہ ۲۳۵) اس کے ساتھ مسلمان مورخوں کے وہ بیانات بھی شامل کر لیئے گئے ہیں جو الیٹ (جلد ۲ صفحہ ۴۶-۴۷) میں منقول ہیں۔ انگریزی مصنفین نے اکثر تاریخیں غلط بیان کی ہیں ؛

[2] کیلہارن کی فہرست کا کتبہ نمبر ۶۰۔ کننگھم (کائنز آف میڈیول انڈیا صفحہ ۶۱) نے قنوج کے راجہ ترلوچن پال اور راجہ ہند کے شاہیہ خاندان کے اسی نام کے آخری بادشاہ کو آپس میں ملا جلا دیا ہے ؛

[3] کولبرک :۔ ایسیز جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ ؛

دہلی کے علاقے کو زیر نگین کر لیا تھا[۱] ۔ شہر دہلی تقریباً ایک صدی قبل ۹۹۳ء میں بسایا گیا تھا[۲]۔

قنوج کا گھرواڑ خاندان۔
گھرواڑ کا خاندان جو آخر میں راٹھور[۳] کے نام سے مشہور ہو گیا اور جس کی بنیاد چندر دیو نے ڈالی تھی ۱۰۹۰ء (۱۱۹۰ء) تک میں شہاب الدین کی فتح تک قائم رہا۔ چندر دیو کا

---

[۱] کیلہارن کی فہرست کا کتبہ نمبر ۷۵ - انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ صفحہ ۱۳ - راجہ چندر دیو کے عطیے کی تانبے کی لوح مورخہ ۱۰۹۰ء ضلع بنارس کے مقام چندراوتی میں پائی گئی اور آج کل لکھنؤ کے عجائب خانے میں محفوظ ہے (آرکی آلوجیکل سروے پراگریس رپورٹ نارتھ سرکل ۱۹۰۷ء صفحہ ۲۱ و ۳۹)۔

[۲] "نوٹس آن افغانستان" صفحہ ۳۲۰ - متوفی میجر ریورٹی نے مجھے بتلایا تھا کہ اس سنہ کے لیے اس کی سند "زین الاخبار" مصنف سعید ابو الحق ہے جس نے اپنی کتاب محمود اور اس کے بیٹوں کے عہد حکومت میں اس سنہ کی تھوڑی مدت بعد ہی تصنیف کی تھی۔ اس کے بعد کا ایک اور مصنف شہر کے بسانے کی تاریخ ۱۰۰ بکرمی بتلاتا ہے۔ مگر یہ صریحاً غلط ہے۔ لیکن اگر اس سنہ کو ہرش کا قائم کردہ سنہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ تاریخ ۷۰۵ء اور تقریباً آننگ پال کا زمانہ ہوتا ہے۔ ٹیفینتھالر سے یہ کہا گیا تھا کہ دہلی کو خاندان تمر کے ایک راجہ راسین نے ۳۰۳ ہ = ۹۱۹-۲۰ء میں آباد کیا تھا۔ (جیا گریفی ڈی ہندوستان - فرانسیسی ترجمہ برلن ۱۷۹۱ء صفحہ ۱۲۵)۔ بعض کتبات اور عام نظموں میں دہلی کا نام یوگنی پور بیان کیا گیا ہے۔

[۳] قنوج کے جس "راٹھور" خاندان کا ذکر بالعموم کتابوں میں پایا جاتا ہے محض قیاسی و وہمی ہے۔ یہ راجہ جیسا کہ گوبند چندر کی تانبے کی لوح مورخہ ۱۱۲۰ء میں جو بساہی کے مقام پر پائی گئی صاف معلوم ہوتا ہے گہلڑوال یا گھرواڑ قبیلے سے تھے۔ (فہرست کیلہارن کا نمبر ۷۷ - انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ صفحہ ۱۰۳)۔ اور اس امر کو گوتم قبیلے کی روایات بھی تسلیم کرتی ہیں۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد ۵۶ (۱۸۸۵ء) صفحہ ۱۱۰)۔ قنوج کے راجاؤں کو "راٹھور" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جودھپور کے "راٹھور"

پوتا گوبند چندر مدت دراز تک حکمراں رہا۔ اس کی حکومت کا زمانہ سنہ ۱۱۰۴-۱۱۵۵ء ہے۔ اس کے بے شمار اراضی کی عطیات اور سکوں کے بکثرت پائے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ایک مرتبہ پھر قنوج کی عظمت و شان قائم کرنے اور اپنی طاقت و قوت بہت کچھ بڑھانے میں کامیابی ہوگئی تھی[۱]؎

گوبند چندر کا پوتا جیا چندر تھا جو ہندی اشعار اور شمالی ہند کی حکایات میں راجہ جے چند کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کی بیٹی کو اجمیر کا دلیر راجہ پتھورا اٹھا کر لے گیا تھا؎

وہ اسلامی مورخین میں راجۂ بنارس کے نام سے مشہور تھا۔ اور غالباً یہ شہر ان کا دارالسلطنت تھا۔ اس زمانے میں وہ ہندوستان کا سب سے بڑا بادشاہ مانا جاتا تھا۔ اور کہا یہ جاتا ہے کہ اس کی سلطنت چین کی سرحد سے لے کر مالوا تک سمندر سے لے کر لاہور سے دس روز کی مسافت تک پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی اس وسعت کو باور کرنا ذرا مشکل ہے۔ شہاب الدین کا اس سے مقابلہ دریائے جمنا کے کنارے اٹاوہ کے ضلع میں چندا ور کے مقام پر ہوا۔ اور اس کی مہیب اور بے شمار فوج کو سخت خوں ریزی کے ساتھ شکست دی اور قتل کیا اس میں راجہ بھی شامل تھا وہ بنارس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جس کو اس نے لوٹا اور وہاں کا خزانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔۔۔ سرداروں کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک لڑکے کے ذریعے سے جو قتل عام سے کسی طرح بچ نکلا تھا راجہ جے چند (جیا چندر) انڈین انٹی کویری جلد ۴ صفحہ ۱۰۱ -- ۹۸) کی اولاد میں سے ہیں۔ اس قسم کی حکایات خاندانوں میں عام طور پر مشہور ہیں۔ مگر تاریخی حیثیت سے وہ قابل لحاظ نہیں۔ قنوج میں گہڑوار خاندان ابھی حکمراں نہیں رہا؎

[۱] اس خاندان کے عطا کیے ہوئے تقریباً سات عطیات معلوم ہیں۔ اور ان میں سے اکثر گوبند چندر کے عہد حکومت کے ہیں۔ سکوں کے لئے دیکھو:۔ کیٹلاگ آف دی کوائنز ان دی انڈین میوزیم جلد اول صفحہ ۲۵۰ و ۲۶۰؎

(۱۴۰۰) اونٹوں پر لاد کر لے گیا[1]۔ اس طرح قنوج کی خود مختار سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ جب گھرواڑ خاندان کے راجہ معدوم اور نیست و نابود ہو گئے تو ان کی جگہ مہوبا کے چندیل قوم کے سرداروں نے لی۔ جو آٹھ قرنوں تک قنوج اور اس کے مضافات پر حکمراں رہے[2]۔

سانبھر اور اجمیر کے چوہان۔ دہلی۔ کتبات میں چوہان (چاہُمان) نسل کے راجپوت بادشاہوں کا جو راجپوتانے میں سانبھر (سانبھری) پر جس میں اجمیر کا علاقہ بھی شامل تھا حکمراں تھے ایک طولانی شجرۂ نسب درج ہے۔ ان میں سے صرف دو فرماں روا قابل ذکر ہیں۔ بارھویں صدی کے وسط میں وگرہ راجہ (ویسلدیو۔ یا بیسلدیو) نے آبائی سلطنت کی وسعت میں بہت کچھ ترقی دی اور فرض کیا جاتا ہے کہ اس نے تمر خاندان کے ایک راجہ سے دہلی کو بھی فتح کیا۔ یہ سردار اس آننگپال کی اولاد میں سے تھا جس نے ایک صدی قبل وہ لال قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ جہاں آج کل قطب مینار قایم ہے۔ اور اس طرح اس شہر کو جو سنہ ۹۹۳ء میں آباد ہوا تھا مستقل کر دیا تھا۔ یورپ کے افراد دہلی کو ہندوستان کی بادشاہت کا مترادف سمجھنے کے اس قدر خوگر ہو گئے ہیں کہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ دہلی ہندوستان کے بڑے شہروں میں سب سے زیادہ جدید ہے۔ یہ سچ ہے کہ مبہم روایات نے دریائے جمنا کے کنارے اندرپت کے گاؤں کی اردگرد کی سرزمین کو قبل از تاریخ کے

---

[1] کامل التواریخ۔ ایلیٹ جلد دوم صفحہ ۲۵۱۔

[2] جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد اول (سنہ ۱۸۸۱ء) صفحہ ۴۹۔

[3] شجرۂ نسب کے لئے دیکھو۔ کیلہارن ایپی گریفیا انڈکا جلد ۸۔ سپلیمنٹ نادرن لسٹ صفحہ ۱۳۔ جو اجمیر کو تقریباً سنہ ۱۱۰۰ء میں اجیادیو چوہان نے آباد کیا تھا۔ اس کے اور اس کی ملکہ سومل دیوی کے سکے پائے جاتے ہیں۔ (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۰۹)۔

اندر پرست کی شان وشوکت کا مرکز قرار دے کر چار چاند لگا دئے ہیں۔ اور یہ حکایات ممکن ہے کہ صحیح ہوں یا شائد نہ ہوں۔ لیکن بہر حال تاریخی حیثیت سے دہلی کا شہر گیارھویں صدی کے وسط میں آننگپال کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ وہ مشہور و معروف لوہے کی لاٹھ جس پر چندر نام ایک راجہ کی مدح کندہ ہے اس کو تمر خاندان کے سردار نے اس کی اصلی جگہ سے جو غالباً متھرا تھی منتقل کر کے ۱۰۵۲ء میں ان مندروں کے ایک مجمع میں نصب کرایا تھا۔ جن کے سامان تعمیر سے آخر میں مسلمانوں کی عالیشان مسجد بنائی گئی[1]۔

وِگرہ راجہ یا وِیسَلدیو

وگرہ راجہ (چہارم) یا وِیسَلدیو جس کا خاندان تمر سے دہلی کا فتح کرنا ذرا مشتبہ ہے۔ خاص طور پر ایک ممتاز آدمی تھا۔ چند سال ہوئے کہ اجمیر کی جامع مسجد کی مرمت و ترمیم کے موقع پر چلاکردہ سنگ مرمر کے چھ تختے پائے گئے ہیں جن پر سنسکرت اور پراکرت میں عبارتیں منقوش تھیں۔ زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ دو نامعلوم ناٹکوں کے بڑے حصے ہیں۔ ان میں سے ایک "للت وگرہ راجہ ناٹک" وگرہ راجہ کی مدح میں لکھا گیا تھا۔ اور دوسرا "ہرکلی ناٹک" خود راجہ کی تصنیف معلوم ہوتا ہے[2]۔

[1] خیالی آننگپال اول کے دہلی کی بنا کرنے کی روایت محض غلط ہے۔ یہاں کے قدیم ترین آثار سوائے منتقلہ لوہے کی لاٹھ کے گیارھویں صدی عیسوی کے ہیں (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۳) لال قلعہ (یا لال کوٹ) کے لئے دیکھو کننگھم۔ رپورٹس جلد اول صفحہ ۱۵۴۔ اندرپت کے لئے دیکھو کرسٹیفن:۔ آرکیالوجی آف دہلی (۱۸۷۶ء) صفحہ ۱۰۸۔ فرنشا: "دہلی پاسٹ اینڈ پریزنٹ" (۱۹۰۲ء) صفحہ ۲۲۸۔ قنوج میں کوئی تمر خاندان نہ تھا۔ کننگھم کی تمام دلائل العتبی میں بجائے راجیاپال کے غلط طور پر رائے جیپال پڑھنے پر مبنی ہیں (رپورٹس جلد اول صفحہ ۱۵۰)۔

[2] کیلہارن: "برخسٹک انڈشر شوسپیل ان انسفٹن زو اجمیر" (برلن ۱۹۰۱ء)۔

پرتھوی راج یا رائے پتھورا

اس عالم فاضل سپاہی کا بھتیجا سامبھر اور اجمیر کا بادشاہ پرتھوی راج یا پرتھی راج یا رائے پتھورا تھا جو اشعار اور حکایات میں ایک دلیر اور جانباز عاشق مزاج اور بہادر و جوانمرد سپاہی کی صفات سے مشہور ہے۔ جانباز عاشق ہونے کی شہرت اس کو قنوج کے گھرواڑ راجہ جے چند کی بیٹی کے بھگا لے جانے سے حاصل ہوئی۔ جو ۱۱۷۵ء کے قریب کا واقعہ ہے۔ سپاہی ہونے کی حیثیت سے وہ اول تو چندیل راجہ پرمال کی شکست اور ۱۱۸۲ء میں مہوبا کی فتح اور دوسرے اسلامی حملے کی مزاحمت کے سبب بجا طور پر مشہور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رائے پتھورا کو شمالی ہند کا ہیرو صحیح معنوں میں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے حسن و عشق اور جنگ و جدل کے افسانے اس وقت تک عوام کے اشعار اور گیتوں میں زبان زد خلائق ہیں[1]۔

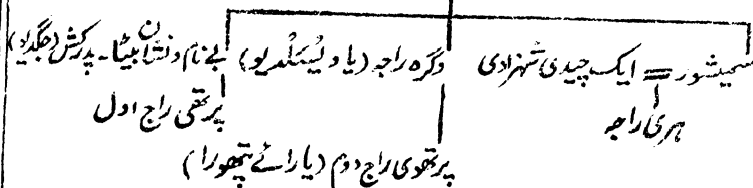
---

[1] پرتھی راج کے متعلق مشہور ترین کتاب ایک ہندی رزمیہ نظم "چند راسا" یا پرتھی راج راسا ہے۔ جو آج کل بھی صوبجات متحدہ میں بہت زیادہ مقبول ہے۔ یہ نظم پرتھی راج کے ملک الشعراء چند بردائی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس شاعر کی اولاد میں سے ایک شخص اس وقت تک جودھپور میں ان اراضی کی آمدنی پر اپنی زندگی بسر کر رہا ہے جو پرتھی راج نے اس کے جد اعلیٰ کو دی تھیں۔ اسی کے پاس ایک قلمی نسخہ ہے جس میں صرف (۵۰۰۰) اشعار ہیں۔ مگر اکبر کے وقت تک اس کی اولاد اس میں ایزاد کرتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اشعار کی تعداد (۱۲۵۰۰۰) تک پہنچ گئی۔ اصل کے ایک حصے کی نقلیں لی جا چکی ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ وہ تمام کی تمام جلد شائع ہو سکے گی (جنرل اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی فروری ۱۹۱۱ء۔ اینول رپورٹ صفحہ ۳۰)۔ "راسا" کی سنین کی ظاہری غلطی کا ازالہ اس دریافت سے ہوتا ہے کہ مصنف نے بکرمی سمت کے انندی قسم کو اختیار کیا ہے جو تقریباً ۳۳ء سے یعنی ۹۰-۹۱ سال قدم کے معمولی سنہ بکرمی سمت سے نوے یا اکانوے برس بعد شروع ہوتا ہے۔ (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۶ء صفحہ ۵۰۰) "انند" اور "سنند" کے اصطلاحات کا مطلب "بغیر"

ترائین یا تلاوری کی جنگ۔	شہاب الدین کے جو اس کے قبل ہی پنجاب کے ایک بڑے حصے کا مالک ہو چکا تھا ماتحت اسلامی افواج کا خوف شمالی ہند کے مخالف اور دشمن ریاستوں کے دل پر

اس قدر غالب آیا کہ اپنے تمام تفضیوں اور تنازعوں کو ایک مرتبہ برطرف

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ اور "مع" نند ہے اور نند کا لفظ مترادف ہے (۹۰) یا (۹۱) کا۔ اصل میں یہ "نو نندوں" کے لحاظ سے (۹) کا مترادف ہے۔ اور سو (۱۰۰ - ۹ = ۹۱) تفریق (۹) (۹۱) ہوتے ہیں (گریرسن) سنسکرت کی کتاب "پرتھوی راجہ وجیا" جو کشمیر میں بیوہلر نے دریافت کی تھی۔ تاریخ کی نظر سے مقدم الذکر کی نسبت زیادہ مستند ہے۔ سنہ ۱۱۷۸-۱۲۰۰ء کے درمیان غالباً سنہ ۱۱۹۱ کے بعد لکھی گئی تھی۔ شجرۂ نسب کے متعلق اس کے بیانات کی تصدیق کتبوں سے بھی ہوتی ہے۔ اس کتاب کے مطابق پرتھوی راج کا صحیح شجرۂ نسب حسب ذیل ہے :۔



چند کا یہ بیان کہ رائے پتھورا دہلی کے بادشاہ آننگپال کا نواسا تھا غلط ہے۔ ہربلاس سردا نے "پرتھوی راج وجیا" کا نادر الوجود نسخہ مع اور قدیم حوالہ جات کے جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۱۳ صفحہ ۲۵۹-۲۸۱ میں مفصل بیان کر دیا ہے۔ دگرہ راجہ کے متعلق اس بات کی صحت کہ اس نے دہلی کو فتح کیا تھا بہت مشتبہ ہے۔ (بیوہلر پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۹۳ صفحہ ۹۴) اور علو بجولی کے کتبے کے بائیسویں شعر سے اس کی تردید ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ (جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد ۵۵ (سنہ ۱۸۸۶ صفحہ ۳۱))ؔ

ہو کے اس غیر ملکی دشمن کی مخالفت کے لیے متحد اور کمربستہ ہو گئے۔ شروع میں قسمت نے ہندوستانیوں کی یاوری کی۔ اور ۱۱۹۱ء (۵۸۷ھ) میں پرتھوی راج نے تھانیسر اور کرنال کے درمیان ترائین یا تلاوری کے مقام پر حملہ آور کو ایسی سخت شکست فاش دی کہ وہ دریائے سندھ کے اُس پار پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۱۹۲ء میں سلطان شہاب الدین ایک نئے اور تازہ دم لشکر کے ساتھ واپس آیا اور اسی پرانے مقام پر پرتھی راج کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا۔ پرتھی راج ایک مہیب اور زبردست فوج پر سپہ سالار تھا جس میں باجگذار راجاؤں کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ مگر بارہ ہزار مسلمان سواروں کے حملے سے ہندوستانی افواج کو پھر وہی سبق ملا جو صدیوں پہلے سکندر اپنی فوجکشی کے زمانے میں ہندوستانیوں کو دے چکا تھا۔ اور یہ صریحاً ثابت ہو گیا کہ ہندوستان کی غیر تربیت یافتہ فوج مرتب و منضبط سواروں کے لشکر کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ پرتھی راج اس جنگ میں گرفتار ہوا اور بیرحمی سے قتل کیا گیا۔ اس کے دارالسلطنت اجمیر کے باشندے یا تو قتل ہوئے اور یا غلام بنا کر بیچ ڈالے گئے۔[1]

---

[1] ریورٹی:۔ ترجمہ طبقات ناصری صفحہ ۴۵۶ و ۴۵۹ و ۴۶۷ و ۴۶۸ و ۴۸۵ و ۴۸۶ اور ضمیمہ الف۔ بہت سی انگریزی کتابوں میں اس جنگ کی تاریخ بھی غلط لکھی ہے۔ اور میدان جنگ کا نام تراوڑی بھی غلط ہے۔ ۵۸۷ھ ۵۸۸ھ ۵۸۹ھ تقریباً ۱۱۹۱-۹۳ء کے برابر ہیں۔ جو ۲۹ جنوری ۱۱۹۱ء سے شروع ہو کر ۲۶ دسمبر ۱۱۹۳ء میں ختم ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی ایک یہ روایت کہ پرتھوی راج کو شہاب الدین اپنے ہمراہ غزنی لے گیا تھا۔ جہاں اس نے سلطان کو قتل کیا اور خود کام آیا بالکل غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ سلطان شہاب الدین کو ۶۰۲ھ (۱۲۰۵-۶ء) میں دمیک کے مقام پر فرقۂ ملاحدہ کے ایک مخبوط الحواس شخص نے قتل کیا تھا۔ قتل کی اصل جگہ مسٹر جی۔ پی۔ ٹیٹ کی دیکھی ہوئی ہے۔ اور اب اس کو

ہندوستان کی فتح۔

سنہ ۱۱۹۳ء و سنہ ۱۱۹۴ء میں دہلی اور قنوج دونوں فتح ہوگئے۔ اور مقدم الذکر سنہ میں ہندو مذہب کا سب سے مقدس مقام بنارس بھی فاتحین کے ہاتھ آیا۔ اور اب ان لوگوں کو برہمنوں کی سرزمین میں اسلام کے بول بالا ہونے کا یقین ہوگیا۔ سنہ ۱۱۹۶ء میں گوالیار کی حوالگی۔ سنہ ۱۱۹۷ء میں گجرات کے دارالسلطنت انہلواڑہ کی فتح اور سنہ ۱۲۰۳ء میں کالنجر کی اطاعت قبول کرنے سے تمام شمالی ہند کی فتح مکمل ہوگئی۔ اور سنہ ۱۲۰۶ء میں جب شہاب الدین فوت ہوا ہے تو:-

> تمام ہندوستان خاص (سوائے مالوا اور اس کے مضافات کے) کم و بیش اس کے ہاتھ میں تھا۔ سندھ اور بنگال یا تو بالکل فتح ہو چکے تھے اور یا ان کی فتح نہایت تیزی سے جاری تھی۔ گجرات پر سوائے دارالسلطنت انہلواڑہ (نہروال) کے قبضے کے اس کو کسی طرح کا قابو نہ تھا۔ ہندوستان کا بڑا حصہ بلا واسطہ اس کے افسروں کے ہاتھ میں تھا۔ اور باقی علاقہ زیر دست یا کم از کم باجگذار راجاؤں کے تحت تھا۔ ریگستان اور کچھ کوہستانی علاقہ محض غفلت کی وجہ سے خود مختار باقی رہ گیا تھا[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- پنجاب کے ضلع جہلم میں دھمیاک کا مقام قرار دیا گیا ہے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۶۸)۔

[1] الفنسٹن:- "ہسٹری آف انڈیا" طبع پنجم صفحہ ۳۶۳۔ شہاب الدین مختلف ناموں اور لقبوں سے مشہور ہے۔ وہ محمد ابن سام۔ محمد غوری یا معز الدین کہلاتا ہے۔ اسی طرح اس کا بڑا بھائی۔ اور شریک حکومت جس کا نام بھی محمد تھا

قوم گھرواڑ کا نقل مکان

مسلمانوں کے ہاتھوں قنوج کی فتح کا ایک بڑا اہم نتیجہ یہ نکلا کہ قوم گھرواڑ کثیر تعداد میں راجپوتانہ کے ریگستانی علاقۂ مارواڑ میں نقل مکان کر گئی۔ جہاں مقیم ہونے کے بعد وہ راٹھور کے نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ ریاست آج کل اپنے صدر مقام جودھپور کے نام سے مشہور ہے اور راجپوتانے کی ریاستوں میں سب سے زیادہ اہم خیال کی جاتی ہے[۵۱]۔ اسلامی افواج کے دباؤ کی وجہ سے راجپوتی قبائل کا اس طرح نقل مکان کا زمانۂ موجودہ میں ان کی تقسیم آبادی کو سمجھانے کے لئے ایک بڑی حد تک کافی ووافی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- شمس الدین اور غیاث الدنیا والدین دونوں ناموں سے مشہور ہے (ریورٹی - جے - اے - ایس - بی - جلد ۴۵ حصہ اول صفحہ ۳۲۸)۔ اس مضمون سے اس نظام سنین کی صحت کی پوری تصدیق ہوتی ہے جو اس کتاب میں اختیار کیا گیا ہے۔ راجہ جے چند دریائے جمنا کے قریب ضلع اٹاوہ میں چنداور کے مقام پر شکست کھا کر مارا گیا تھا۔ اور مسٹر بنرجی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اس بات کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ اس موقع پر قنوج کو لوٹا گیا تھا۔ اسلامی فوج اس کے بعد بنارس چلی گئی۔ لیکن قنوج کا علاقہ مع شہر کے ضرور مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا ہوگا۔ اغلب یہ ہے کہ فوج قنوج میں داخل نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ شہر گنگا کے کنارے پر واقع تھا۔ مگر ۱۲۲۶ء کے قریب یہ شہر یقیناً التمش نے فتح کیا تھا (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے - ایس - بی سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۶۱، ۶۵ و ۶۹)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۴ء میں قنوج اس قدر غیر اہم مقام متصور کیا گیا تھا کہ فاتحین نے اس کو اپنے عقب میں چھوڑنے کو کسی طرح خطرناک محسوس نہیں کیا۔

[۵۱] "امپیریل گزیٹیر" جلد ۱۴ صفحہ ۱۸۳۔ اصل راٹھور مارواڑ میں بالی کے مقام پر دسویں صدی میں ہی آباد ہو گئے تھے۔ (ایضاً جلد ۶ صفحہ ۲۸۷)

و

جیجا کبھکتی کے چندیل ۔ اور چیدی کے کلچری

جیجا کبھکتی اور چیدی ۔
دریائے جمنا اور دریائے نربدا کے درمیانی صوبے کا نام جو آج کل بندیلکھنڈ کہلاتا ہے اور جس کا کچھ حصہ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ میں شامل ہے ۔ قدیم زمانے میں جیجا کبھکتی تھا[1] ۔ اس کے اور زیادہ جنوب کا وسیع علاقہ جو آج کل صوبجات متوسط میں شامل ہے ۔ تقریبًا چیدی کی قدیم سلطنت کے برابر ہے ۔ زمانۂ وسطیٰ کی تاریخ میں یہ دونوں خاندان یعنے جیجا کبھکتی کے چندیل اور چیدی کے کلچری جن میں بعض اوقات شادی بیاہ کے ذریعے تعلقات پیدا ہو جاتے تھے ۔ اور جو عمومًا بھی دوستی یا دشمنی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے اکثر وابستہ رہتے تھے بہت مشہور و معروف ہیں ۔ گیارھویں صدی کے آغاز سے چیدی کا علاقہ دو سلطنتوں میں منقسم تھا ۔ ایک تو مغربی چیدی یا **ڈاہال** جس کا صدر مقام جبل پور کے قریب **تر پور** اور دوسرے مشرقی چیدی یا **مہاکوسل** جس کا دار السلطنت **رتن پور** تھا۔

چندیل کے پیشرو
دیگر چند خاندانوں کی طرح چندیل سب سے بعد نویں صدی عیسوی میں صفحۂ تاریخ پر نمودار ہوتے ہیں ۔
اننتا چندیل ۸۳۱ء کے قریب ایک پرہار سردار کو مغلوب کر کے

---

[1] یعنے صوبۂ جیجاک ۔ جیجاک یا جیجا کا نام کتبوں میں مذکور ہے (اپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۲۱۷) ۔ اس نام کا مقابلہ تر ابھکتی اور ترہوت سے کرو ۔ حکمراں قوم کا نام ہندی میں چندیل اور سنسکرت میں چنڈیلا ہے ۔

جیجا کبھکتی کے جنوبی حصے کا مالک ہوگیا۔ بھنمال کے اپنے ہم نفون کی طرح یہ پرہار قبیلہ بھی یقیناً ان گرجر یا گوجرا قوام سے متعلق ہوگا جو چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ قبیلۂ پرہار کا دارالسلطنت نوگاؤں اور چھتر پور کے درمیان موسہلنیا کے مقام پر تھا[1]۔ پرہار کے پیشرو گھرواڑ قبیلے کے لوگ تھے۔ جن کے بعض افراد نے قنوج میں وہ خاندان قائم کیا جس کو غلطی سے راٹھور کہا جاتا ہے۔

قوم چندیل کے منادر اور جھیلیں

راجگان چندیل عمارات تعمیر کرانے کے بڑے شوقین تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں جیسے مہوبا۔ کالنجر اور کھجراہو میں عالیشان مندر اور پہاڑوں کے درمیان میں زبردست بند باندھ کر خوبصورت جھیلیں بنائیں۔ اس قسم کے بند باندھنے اور جھیلیں بنانے میں چندیل نے دراصل گھرواڑ کی نقل کی تھی۔ کیونکہ بندیلکھنڈ کی بعض نہایت خوبصورت جھیلوں کو موخرالذکر قوم کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے۔

یسوورمن۔

قوم چندیل نے جو دراصل ہندو مذہب و تہذیب کا اثر لیئے ہوئے گونڈ تھے اور جن کا قریبی تعلق اسی قسم کی ایک اور اصل باشندوں کی قوم بھر سے تھا پہلے پہل چھتر پور کے قریب ایک چھوٹے سے علاقے پر قبضہ حاصل کیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ شمال کی طرف پھیلتے گئے یہاں تک کہ دریائے جمنا ان کا اور سلطنت قنوج کا حد فاصل قرار پایا۔ ممکن ہے کہ وہ شروع شروع میں راجہ بیجپال کے زبردست اور طاقتور راجاؤں بھوج اور مہندرپال کے باجگذار ہوں۔ لیکن بہرحال یہ یقینی ہے کہ دسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں

[1] ج۔ اے۔ ایس۔ بی ۱۸۸۱ء حصۂ اول صفحہ ۱۶

یہ لوگ بالکل خود مختار ہو گئے تھے۔ ہرش چندیل نے غالباً دوسرے متحدین کی مدد سے مہی پال کو دوبارہ قنوج کا تخت جہاں سے اندر سوم راشٹر کوت نے اسے ۹۱۶ء میں نکال باہر کیا تھا دلوا دیا۔ ہرش کے بیٹے اور جانشین نے کالنجر کے قلعے کو فتح کرکے اپنی قوت میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ چنانچہ وہ اس قدر طاقتور ہو گیا تھا کہ اس نے مہی پال کے جانشین دیو پال وشنو کی ایک مورت جس کو وہ کھجراہو کے اپنے تعمیر کئے ہوئے مندر میں نصب کرنا چاہتا تھا حوالے کرنے پر مجبور کیا۔[1]

دھنگ ۹۵۰-۹۹۹ء

یسو ورمن کا بیٹا راجہ دھنگ (۹۵۰-۹۹۹ء) جس نے سو برس سے کچھ زیادہ کی عمر پائی۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ تھا۔ کھجراہو کے بعض سب سے عالیشان مندر اسی کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے معرض وجود میں آئے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے وقت میں سیاسی معاملات میں پوری پوری شرکت کی۔ ۹۸۹ء یا ۹۹۰ء میں وہ اس اتحاد میں شریک تھا جو پنجاب کے راجہ جیپال نے سبکتگین کی مزاحمت کے لئے قائم کیا تھا۔ اور اجمیر اور قنوج کے راجاؤں کے ہمرکاب اس شکست میں بھی ان کا ہاتھ بٹایا جو ان اتحادیوں کو بنوں اور غزنی کے درمیان وادی کرّم (کرمہ) میں یا اس کے قریب کہیں نصیب ہوئی۔

گند ۹۹۹-۱۰۲۵ء

جب محمود غزنوی نے تمام ہندوستان کے ملک کو اپنی فوج کے پیروں سے روند ڈالنے کی خواہش ظاہر کی تو دھنگ کا بیٹا گند (۹۹۹-۱۰۲۵ء) اس اتحاد میں شریک ہوا جو ۱۰۰۸-۹ء (۳۹۹ھ) میں جیپال کے بیٹے انند پال نے ہندو راجاؤں میں قائم کیا۔ مگر یہ اتحاد بھی پہلی مرتبہ کی طرح حملہ آور کی

---

[1] ریورٹی "نوٹس آن افغانستان" صفحہ ۳۲۰۔

مزاحمت میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کے دس سال بعد جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے گند کے بیٹے نے قنوج پر حملہ کر کے وہاں کے راجہ راجیاپال کو جس نے مسلمانوں کے ساتھ بشرائط صلح کر لی تھی قتل کر دیا۔ لیکن ۱۰۲۳ء (۴۱۳ھ) کے اوائل میں اُسے خود مجبوراً کالنجر کا قلعہ محمود غزنوی کے حوالے کر دینا پڑا۔[۱] مگر بہر حال محمود نے اندرون ملک کے اپنی دوسری فتوحات کی طرح اس قلعے کو بھی اپنے ہاتھ میں نہ رکھا۔

کانگیا دیو اور کرن دیو کلچری (سنہ ۱۰۱۵-۱۰۷۰ء)

چیدی کا کانگیا دیو کلچری بھی (تقریباً سنہ ۱۰۱۵-۱۰۴۰ء) جو گند اور اس کے جانشینوں کا ہمعصر تھا ایک لائق اور اولوالعزم راجہ گذرا ہے۔ اس نے اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ یہ قرار دے لیا تھا کہ شمالی ہند میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ زبردست طاقت بنالے۔ چنانچہ اس کام میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوا۔ سنہ ۱۰۱۹ء میں اس کی حکومت ترہت کے دور دست علاقہ میں تسلیم کی گئی۔[۲] اس کے بعد اس کے بیٹے کرن دیو نے (تقریباً سنہ ۱۰۴۰-۱۰۷۰ء) باپ کا شروع کیا ہوا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو ترقی دی۔ چنانچہ سنہ ۱۰۶۰ء میں اس نے گجرات کے راجہ بھیم سے مل کر مالوا کے عالم و فاضل راجہ بھوج کو شکست دی۔ اس کے قبل سنہ ۱۰۳۹ء کے قریب وہ مگدھ کے پال خاندان کے راجہ پر حملہ آور ہو چکا تھا۔

---

[۱] طبقات ناصری۔ ایلیٹ جلد ۲ صفحہ ۴۶۷۔ اس کتاب میں سنہ ۱۰۲۱ء کو غلطی سے سنہ ۴۱۳ھ کے برابر قرار دیدیا ہے۔

[۲] بنڈل: "ہسٹری آف نیپال" (جے۔ اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۹۰۳ حصہ اول صفحہ ۱۸ طبع ثانی)۔ ایم۔ سلوین لیوی نے بنڈل کی تشریح کو رد کیا ہے (نیپال جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ حاشیہ) مگر تردید کے وجوہ قابل تسلیم نہیں۔ دیکھو آر۔ ڈی۔ بینرجی کا مضمون "دی پالاز آف بنگال" (میمائرس اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۹۱۳ء)۔

کیرتی ورمن چندیل ۱۱۰۰-۱۰۴۹ء

اس کے چند سال بعد کرن دیو کو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا سبق ان پے در پے شکستوں سے حاصل ہوا۔ جو اس نے چند غنیم بادشاہوں کے ہاتھ سے کھائیں۔ ان میں ایک شکست جو اس نے کیرتی ورمن چندیل (۱۱۰۰-۱۰۴۹ء) کے ہاتھ سے جس نے اپنے خاندان کی سلطنت کو بہت کچھ وسعت دے دی تھی کھائی زیادہ قابل توجہ ہے۔ چندیل قوم کے نادر الوجود سکوں کے قدیم نمونے اسی بادشاہ کے مضروبہ سکوں میں پائے جاتے ہیں جن کو اس نے چیدی کے راجہ کانگیا دیو کے سکوں کی نقل میں مضروب و رائج کیا تھا۔ ادبیات کی تاریخ میں کیرتی ورمن کا نام ایک عجیب و غریب تمثیلی ناٹک "پربودھ چندرودیا" ("طلوع قمر عقل") کی سرپرستی کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ ناٹک ۱۰۶۵ء میں یا اس کے قریب اس کے دربار میں دکھلایا گیا۔ اور اس میں نہایت ہوشیاری سے ناٹک کی صورت میں ویدانت کے فلسفے کو بیان کیا گیا ہے[1]۔

پرمال ۱۲۰۳-۱۱۶۵ء

قوم چندیل کا آخری راجہ جس نے تاریخ کی حیثیت سے کوئی کارنمایاں کیا وہ پرمودی یا پرمال (۱۲۰۳-۱۱۶۵ء) تھا۔ اس کا عہد حکومت ۱۱۸۲ء میں پرتھوی راج چوہان سے شکست کھانے اور ۱۲۰۳ء (۵۹۹ھ) میں قطب الدین ایبک کے ہاتھوں فتح کالنجر کی وجہ سے مشہور ہے[2]۔ شمالی ہند کی مقبول عام رزمیہ نظم "چند رائیسا" چندیل اور چوہان اقوام کی جنگوں سے بھری پڑی ہے۔

---

[1] اس ناٹک کا مفصل ملخص ایم۔ سلوین لیوی نے دیا ہے ("تھیٹر انڈین" صفحہ ۲۳۰-۲۲۹)۔

[2] تاج المآثر کے متن کتاب میں ایک اور تاریخ ۵۹۷ھ (۱۲۰۱-۱۲۰۰ء) بھی درج ہے (ریورٹی ترجمۂ طبقات۔ ضمیمہ ث (ڈی))۔

سنہ ۱۲۰۳ء (موسم بہار) کالنجر کی حوالگی

پرمال کی موت اور کالنجر کی فتح کا جو حال اس کے ہمعصر مسلمان مورخ نے لکھا وہ یہاں مثالاً نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس طریق عمل کا صحیح پتہ لگ سکے جس سے کہ ہندوؤں کی سلطنتیں مسلمان فاتحین کے ہاتھوں میں آتی گئیں :-

"کالنجر کا راجہ "پرمار مردود" میدان جنگ میں نہایت تھوڑی سی مزاحمت کرنے کے بعد قلعے میں پناہ گزین ہوا۔ اور آخر میں اپنے آپ کو حوالے کر کے "طوق غلامی" اپنی گردن میں ڈال لیا۔ اور وفاداری کے وعدے پر اس کے وہی اعزازات و مراتب قائم رکھے گئے جو محمود سبکتگین نے اس کے آباء و اجداد کو عطا کئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے خراج اور ہاتھی بھی دینے کا وعدہ کیا۔ مگر ایفائے وعدہ سے قبل ہی وہ اپنی موت سے مر گیا۔ اُس کے بعد اج دیو نام اس کا دیوان اپنے آپ کو حوالہ کرنے کے لئے اس قدر مستعد نہ تھا جس قدر کہ اس کا آقا تھا۔ چنانچہ اس نے اس وقت تک اپنے غنیم کو سخت تکلیف دی جب تک کہ خشک سالی کی وجہ سے قلعے کے تمام چشمے اور تالاب نہ سوکھ گئے۔ بروز دوشنبہ ۲۰ رجب المرجب کو محصور فوج سخت کمزوری اور بدحواسی کی حالت میں قلعے سے باہر نکلی اور بمجبوری اپنے وطن کو خالی کر دیا۔ . . . . اور کالنجر کا قلعہ جو دنیا میں اپنی مضبوطی کے لئے سد سکندر کی طرح مشہور ہے فتح ہو گیا۔ مندروں کی جگہ مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

تسبیح خوانوں اور موذنوں کی آواز آسمان تک پہنچنے لگی۔ اور بت پرستی کا نام و نشان تک مٹ گیا۔۔۔ پچاس ہزار آدمیوں نے طوق غلامی پہنا۔ اور تمام میدان ہندوؤں کی وجہ سے تیرہ و تار ہوگیا۔ ہاتھی اور مویشی۔ اور کثیر التعداد اسلحہ بھی فاتحین کے ہاتھ آئے۔"

اس واقعے کے بعد عنان فتح و نصرت مہوبا کی طرف پھیری گئی اور کالنجر کی حکومت پر ہزبرالدین حسن ارنل مقرر کیا گیا۔ اور جب اس نواح کے نظم و نسق سے پوری تسلی ہوگئی تو وہ بداؤن کی طرف چلا گیا جو ام البلاد ہندوستان کی سرزمین کے زبردست شہروں میں شمار ہوتا ہے[1]۔

چندیل کا آخری راجہ قوم چندیل کے راجہ بندھیل کھنڈ میں محض مقامی سرداروں کی حیثیت سے سولھویں صدی تک برابر قائم رہے۔ مگر ان کے حالات عام طور پر دلچسپی نہیں رکھتے[2]۔ چندیل کی قوم بھی

[1] تاج المآثر۔ جس کا ملخص ایلیٹ جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ میں درج ہے۔ ریورٹی ترجمہ طبقات صفحہ ۵۲۳۔ فاضل مترجم جو بالعموم صحت کا سختی سے پابند ہے۔ یہاں پر ایک سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے پرمار کو جو ایک شخص کا نام ہے "پرمارد" قوم کا نام قرار دے دیا ہے۔ کالنجر ضلع باندا میں واقع ہے:۔ شمالی عرض بلد ۲۵° - ۱ مشرقی طول بلد ۸۰° - ۱۹ - ۱ مہوبا ہمیر پور کے ضلعے میں ہے:۔ شمالی عرض بلد ۲۵° - ۱۸ مشرقی طول بلد ۷۹° - ۵۳ - ۱ ئہ

[2] اس موضوع پر میرے مضمون "دی ہسٹری اینڈ کائینج آف دی چندیل (چندیلا) ڈائنسٹی آف بندھیلکھنڈ (جیجا کبھکتی) فرام اے۔ڈی ۸۳۱-۱۲۰۳ء" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۱۴-۱۴۸)۔ پرمردی کا کتبہ اس مضمون کے شائع ہونے کے بعد دریافت ہوا تھا (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۱۰ صفحہ ۴۴)۔

تتر بتر ہو گئی۔ اور موجودہ زمانے میں ان کا سب سے بڑا اور قابل ذکر نمائندہ بنگال میں منگھیر کے قریب گدھور کا راجہ ہے۔

قوم کلچری کا آخری راجہ چیدی کے کلچری یا ہیہیا راجاؤں کا ذکر آخری مرتبہ سنہ ۱۱۸۱ء کے ایک کتبے میں ملتا ہے۔ مگر ان کے معدوم ہو جانے کے اصل حالات بالکل معلوم نہیں۔ مگر یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ ریوا کے بھگیل قبیلے کے لوگوں نے ان کی جگہ لی تھی۔ صوبجات متحدہ کے مشرقی ضلع بلیا کے ہائبنس راجپوتوں کو صوبۂ متوسط کے راجگان رتن پور کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور غالباً وہ قدیم ہیہیا نسل کی کسی شاخ کی اولاد ہیں۔ چیدی کے راجہ جو بعد کے زمانے میں ہوئے وہ ایک سنہ کو استعمال کرتے ہیں جس کا سلسلہ سنہ عیسوی کے ۹-۲۴۸ء کے برابر ہوتا ہے۔ یہ سنہ جو تریکوتک بھی کہلاتا ہے مغربی ہند میں ایجاد ہوا۔ چنانچہ اس کا استعمال پانچویں صدی تک میں پایا جاتا ہے[1]۔ مگر راجگان چیدی کے اس سنہ کو اختیار کرنے کے اسباب معلوم نہیں۔

---

[1] قوم کلچری کی تاریخ کے لئے دیکھو کننگھم :- رپورٹس جلد ۹ و ۱۰ و ۲۱ - اور کتبات جو اپیی گریفیا انڈکا میں درج ہیں۔ سنہ کے لئے دیکھو فلیٹ (ج-آر-اے-ایس سنہ ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۶۶)۔ اور کیلہارن (اپیی گریفیا انڈکا جلد ۹ صفحہ ۱۲۹)۔ ہائبنس راجپوتوں کے لئے دیکھو کرک :- "اتھنو گریفی کل ہینڈبک" (الٰہ آباد سنہ ۱۸۹۸ء) صفحہ ۱۵۶ و "ٹرائبس اینڈ کاسٹس آف نارتھ ویسٹ پراونسز اینڈ اودھ" جلد ۲ صفحہ ۴۹۳۔

ن

مالوا کے پرمار (پوار)

۸۲۰ء۔ مالوا کا پرمار خاندان

مالوا کا علاقہ دریائے نربدا کے شمال کی وہ سرزمین ہے جو قدیم زمانے میں اونتی یا سلطنت اجین کے نام سے مشہور تھی۔ یہاں کا خاندان پرمار اس وجہ سے قابل ذکر و توجہ ہے کہ وہ بعد کے سنسکرت ادبیات کی تاریخ میں بہت سے مشہور و معروف مصنفین کے ناموں کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس خاندان کی بنیاد نویں صدی کے اوائل میں ایک سردار اپیندر یا کرشن راج نے رکھی تھی اور تقریباً چار سو برس تک یہ خاندان برابر قائم رہا۔ یہ یاد ہوگا کہ اس کے قیام کا زمانہ وہی وقت ہے جب کہ مختلف علاقوں میں نئے نئے خاندان قائم ہوتے دکھلائی دیتے ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اپیندر کوہ آبو کے قریبی اضلاع چندراوتی یا اچل گڑھ سے جہاں اس کی قوم مدتوں سے آباد تھی آیا تھا۔

۹۷۴-۹۹۵ء راجہ منج

اس خاندان کا ساتواں راجہ منج جو اپنے علم و فضل اور فصاحت و بلاغت کے لئے مشہور ہے شاعروں کا نہ صرف مربی اور سرپرست تھا بلکہ خود بھی جیسا کہ منتخبات ادبیات سے جس میں بہت سے ایسے مضامین شامل ہیں جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ثابت ہوتا ہے۔ ایک مشہور و معروف شاعر تھا۔ مشہور مصنف دھنجیا اور اس کا بھائی دھنک ان مشاہیر میں شامل تھے جو اس کے دربار میں حاضر رہا کرتے تھے۔ مگر بہرحال وہ اپنا تمام وقت علم و فضل کی سرپرستی اور تحصیل میں ہی صرف نہ کرتا تھا۔ بلکہ اس کی زندگی کا بڑا حصہ اعلیٰ

قرب و نواح سے جنگ وجدل میں گذرتا تھا۔ اس نے چھ مرتبہ چالوکیا خاندان کے راجہ تیل دوم کو شکست دی۔ مگر ساتویں مرتبہ وہ ناکامیاب رہا۔ اور منج نے جو تیل کی شمالی سرحد یعنے دریائے گوداوری کو عبور کر چکا تھا شکست کھائی۔ گرفتار ہوا اور سنہ ۹۹۵ع کو اس کی گردن ماری گئی۔[1]

منج کا بھتیجا مشہور و معروف راجہ بھوج تقریباً سنہ ۱۰۱۸ع میں مالوا کے دارالسلطنت دھارا میں تخت پر بیٹھا۔	سنہ ۱۰۶۰-۱۰۱۸ع راجہ بھوج

اور چالیس برس تک شادکامی اور کامرانی سے حکومت کی اپنے چچا کی طرح اس نے ملکی اور فوجی دونوں قوانین میں پوری دستگاہ حاصل کی۔ اگرچہ آج کل نواح کی سلطنتوں اور ایک دفعہ محمود غزنوی کی افواج کے ساتھ اس کی لڑائی کے حالات بالکل فراموش ہو گئے ہیں۔ لیکن علم وفضل کے مربی اور خود ایک خوش سلیقہ مصنف کی حیثیت سے اس کا نام اب تک مشہور و مقبول ہے۔ اور اس کی شہرت اب بھی ہندوؤں میں بہترین بادشاہ ہونے کی حیثیت زبان زد عام و خاص ہے علم ہیئت۔ فن تعمیر۔ علم عروض اور دیگر علوم وفنون کی اکثر کتابیں اس کے نام سے منسوب ہیں۔ اور اس میں شک بھی نہیں کہ

---

[1] منج کے نام بہت مختلف ہیں:۔ واکپتی (اول)۔ اُتپل راج۔ اموگھ ورش۔ پرتھوی ولبھ۔ اور سری ولبھ۔ وہ سنہ ۹۷۴ع میں تخت پر بیٹھا۔ اور بیس برس بعد اس کی موت سنہ ۹۹۴-۹۹۷ع کے درمیان واقع ہوئی (بیوہلر۔ اپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۸-۲۲۲ و ۲۹۴ و ۳۰۲۔ فلیٹ بہ "ڈائنسٹیز آف کنریز ڈسٹرکٹس" طبع دوم صفحہ ۴۳۲۔ منقول فی بمبئی گزیٹیر سنہ ۱۸۹۶ جلد اول حصہ دوم۔ بھنڈارکر:۔ "ارلی ہسٹری آف دی دکن" ایضاً صفحہ ۲۱۴)۔ یہ حملے تعداد میں صرف چھ تھے نہ کہ سولہ جیسا کہ بیوہلر نے غلطی سے فرض کر لیا ہے (ہیگ ..... ڈسٹروپ صفحہ ۲ مقدمہ حاشیہ ۴۔ کولمبیا یونیورسٹی پریس سنہ ۱۹۱۲ع)۔

سمدرگپت کی طرح ایک غیر معمولی لیاقت اور قابلیت کا بادشاہ تھا۔ دھارا میں اس جگہ جہاں کسی زمانے میں بھوج کا سنسکرت کا مدرسہ تھا اور جو غالباً ایک علم کی دیوی سرسوتی کے نام کے ایک مندر میں منعقد ہوتا تھا وہاں آج کل ایک مسجد بنی ہوئی ہے[1]؀

بھوجپور کی جھیل بھوجپور کی عالیشان اور خوبصورت جھیل بھوپال کے جنوب مشرق میں واقع تھی۔ اس کا رقبہ ڈھائی سو مربع میل تھا۔ اور وہ پہاڑیوں کے درمیان ایک عظیم الشان بند باندھ کر تیار کی گئی تھی۔ یہی جھیل اس کی سب سے بڑی قابل قدر یادگار تھی۔ اور اس کے میر عمارت کی ہنرمندی اور دستگاہ پر دلالت کرتی تھی پندرھویں صدی تک یہ صحیح و سالم قائم رہی۔ اس کے بعد ایک مسلمان بادشاہ کے حکم سے بند کو توڑ کر اس کو پانی سے خالی کر دیا گیا۔ چنانچہ اس کے میدان میں اب نہایت زرخیز کھیت ہیں۔ اور اس کے درمیان سے ہو کر انڈین مڈلینڈ ریلوے گذرتی ہے[2]؀

آخری زمانے میں مالوا کی تاریخ۔ سنہ ۱۰۶۰ء کے قریب اس لائق و فائق راجہ کو گجرات اور چیدی کے متحدہ حملوں کے مقابلے میں شکست ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے خاندان کی

---

[1] آرکیالوجیکل سروے اینوئل رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۲۳۸-۲۴۳۔ جو کتابیں بھوج کے نام پر منسوب کیجاتی ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ مفصل اور مکمل فہرست یوفرکٹ کی "کیٹلاگس کیٹلوگرم" جلد اصفحہ ۴۱۸ و جلد ۲ صفحہ ۹۵ میں پائی جاتی ہے۔ بھوج کے سنین اور اس کے پیشرو سندھراج کے تاریخی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۷۰۔ اس کے دو کتبے دریافت ہوئے ہیں:۔ اول کی تاریخ سنہ ۱۰۱۹ء اور دوسرے کی سنہ ۱۰۲۰ء (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۰۱)؀

[2] ملکم:۔ سنٹرل انڈیا جلد اول صفحہ ۲۵۔ کننگھم۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۷ صفحہ ۳۵۰-۳۵۲ مع جھیل کے نقشے کے؀

عظمت بھی رخصت ہوگئی۔ تیرھویں صدی کے آغاز تک اس کا خاندان محض مقامی سرداروں کی حیثیت سے باقی رہا۔ جب کہ قبیلۂ تمر کے سرداروں نے اس کی جگہ لے لی۔ اور ان کے بعد چوہان راجاؤں کی باری آئی[1]۔ ۱۵۶۹ء میں اکبر نے اس خاندان کا قلع قمع کیا اور مالوے کو اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کرلیا۔

ح

بہار و بنگال کے خاندانہائے پال و سین

۶۵۰ء۔ بنگال کی تاریخ ناپید ہے

ہرش نے اپنے انتہائے عروج کے زمانے میں بنگال پر حاکم اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے تھوڑی بہت نگرانی مشرق میں دور دست سلطنت کامروپ یا آسام تک قائم رکھی تھی۔ اور مغربی اور وسطی بنگال پر تو کامل طور سے اس کے احکام و فرامین شاہی نافذ تھے۔ اس کی موت کے بعد اس میں شک نہیں کہ مقامی راجہ خود مختار ہوگئے تھے۔ مگر ارجن اور وَنگ۔ ہیون۔ تسے کی عجیب و غریب حکایت کے سوا جس کا ذکر تیرھویں باب میں ہوچکا ہے تقریباً ایک صدی تک بنگال کی تاریخ بالکل ناپید ہے۔ بنگال کی مقامی روایات کے مطابق وہاں کے سب سے زیادہ مشہور و معروف خاندان قنوج کے پانچ برہمنوں اور پانچ کائستھوں کی اولاد سے ہیں جن کو ایک بادشاہ آدِسُور نامی وہاں سے ملک میں صحیح

---

[1] ملکم سنٹرل انڈیا جلد اول صفحہ ۲۶۔

ہندو عقائد کی تبلیغ کے لیئے لایا تھا۔ کیونکہ بدھ مذہب کے زور و شور کے زمانے میں یہ عقائد بالکل فراموش ہو گئے تھے۔ مگر اس بادشاہ کا کوئی مستند حال اب تک دریافت نہیں ہوا۔ مگر بہرحال آدِسور کے وجود میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ وہ غالباً ایک مقامی راجہ تھا اور گور اور اس کے گرد و نواح کے علاقے پر حکمراں تھا۔ اندازاً سنہ ۷۰۰ء یا اس سے ذرا قبل کے زمانے کا اس کو تصور کر لیا جا سکتا ہے[1]۔

خاندان پال کا عروج۔

تقریباً سنہ ۷۴۰-۷۳۰ء آٹھویں صدی کے آغاز (سنہ ۷۴۰-۷۳۰ء) میں جب کہ بنگال فتنہ و فساد کی وجہ سے پامال ہو رہا تھا ایک سردار گوپال نامی راجہ منتخب ہوا۔ اپنی زندگی کے اواخر میں اس نے اپنی سلطنت کو مغربی طرف مگدھ یا جنوبی بہار تک وسیع کیا۔ اور کہا جاتا ہے کہ پینتالیس برس تک

---

[1] "اس وقت تک آدِسور کا کوئی قابل اعتبار حال دریافت نہیں ہوا۔ برہمنی حسب و نسب کے قدیم ترین مصنف جن کی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں ہری مسر اور ایرو مسر۔ آدسور کو پال راجاؤں سے قبل کا بتلاتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ قنوج سے پانچ برہمنوں کے آنے کے بعد سلطنت گور پال خاندان کے قبضے میں آ گئی تھی" (بی۔ سی۔ ہٹوپل۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۶۳ (سنہ ۱۸۹۴ء صفحہ ۴۸)

"جنوبی رادھ (یعنے ضلع بردوان) کا راجہ آدسور بنگال کے اس خاندان سور کے متعلق معلوم ہوتا ہے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ قنوج سے پانچ برہمنوں کو لائے تھے۔ یہ کہ ان کو پال خاندان نے سلطنت کے ایک بڑے حصے سے بے دخل کر دیا تھا بنگال کے شجرۂ نسب سے معلوم ہوتا ہے" "سوران بادشاہوں میں سے تھا جنھوں نے مہی پال کو کانچی کے راجہ راجندر کے حملے کے روکنے میں مدد دی تھی (ایچ۔ پی۔ شاستری:۔ میمائرس اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۳ نمبر ۱۔ (سنہ ۱۹۱۰ء) صفحہ ۱۰) آدسور کے محل کا موقعہ گور کے کھنڈروں کے شمال میں لکھنوتی کی فصیل کے برابر بیان کیا جاتا ہے۔ (ا ی۔ انڈ۔ جلد ۳ صفحہ ۷۲)"

حکمراں رہا۔ اس نے راجپوتانے کے گرجر راجہ وتسراج کے ہاتھوں شکست بھی کھائی[1]۔ وہ بدھ مذہب کا ایک دیندار پیرو تھا۔ اور اوُدنپوریا اُتنتپور یعنے موجودہ شہر بہار میں جو ایک زمانے میں پال خاندان کے آخری بادشاہوں کا دارالسلطنت بھی بننے والا تھا ایک عظیم الشان خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔ اور کیونکہ بانیٔ خاندان اور اس کے جانشینوں کے ناموں میں پال کا جزو شامل تھا اس لیئے آسانی کے لیئے عام طور پر اس خاندان کو "خاندان پال" ہی کہا جاتا ہے۔

سنہ ۶۸۰ء دھرم پال — اس خاندان کا دوسرا راجہ دھرم پال تھا۔ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے چونسٹھ برس حکومت کی تھی۔ مگر بہرحال اس کی حکومت کا زمانہ کم از کم اڑتیس برس ضرور رہا تھا۔ تبت کے مورخ تارناتھ نے صریحاً لکھا ہے کہ اس کی سلطنت شمال میں خلیج بنگالہ سے لے کر دہلی اور جالندھر تک اور جنوب میں کوہستان بندھیاچل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور تارناتھ کے اس بیان کی تصدیق اس واقعے سے ہوتی ہے کہ دھرم پال نے پنچال کے راجہ اندرایدھ یا اندرراجہ کو جس کا دارالسلطنت قنوج تھا شکست دے کر تخت سے اُتار دیا اور اس کی جگہ شمالی ہند کے دول کی رضامندی سے جن میں بھوج متسیا۔ مدرا۔ کرو۔ یدو۔ یون۔ اونتی۔ گندھار اور کیر کے راجہ شامل تھے چکرایدھ کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۸۰۰ء یعنے دھرم پال کے بتیسویں سنہ جلوس سے قبل (جیسا کہ اس کے عطیات کے کتبوں سے پایا جاتا ہے) میں ہوا[2]۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ پوندرودھن کے صوبے کے

---

[1] راشترکوٹ کے عطیات (انڈین انٹی کویری جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۶-۱۶۰۔ جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۴۔ ایپی گریفیا انڈکا جلد ۶ صفحہ ۲۴۸)۔ مسٹر آر۔ ڈی۔ بنرجی گوپال کی تخت نشینی کو چالیس یا پچاس برس قبل کا واقعہ تبلاتے ہیں۔ مگر مجھے ان کے بیان کی صحت میں کلام ہے۔

[2] بھاگل پور کی تانبے کی لوح (انڈین انٹی کویری جلد ۱۵ صفحہ ۳۰۴۔ جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۸)۔

چار گاؤں کے عطیئے کا فرمان پاٹلی پتر سے نافذ ہوا تھا[51]۔ ساتویں صدی عیسوی میں جب ہیون سانگ اس شاہی دار السلطنت میں آیا ہے تو اس نے اشوک کی تمام عمارات کو برباد و خستہ حالت میں پایا تھا۔ شہر میں کم و بیش ایک ہزار متنفس آباد تھے۔ جو پرانے موقع کے محض شمالی حصے میں دریائے گنگا کے کنارے ایک جگہ بستے تھے[52]۔ بظاہر جب سنہ ۸۱۰ء میں دھرم پال وہاں سکونت پذیر تھا تو شہر نے اپنی گم شدہ عظمت کو ایک حد تک پھر حاصل کر لیا تھا۔ بکرمسیل کی مشہور و معروف خانقاہ جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ (۱۰۷) مندر اور (۶) مدرسے تھے دھرم پال ہی نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ دریائے گنگا کے دہنے کنارے پر تعمیر کی گئی تھی۔ مگر اس کے اصلی اور صحیح موقع کا پتہ نہیں لگا[53]۔

دیوپال۔ نویں صدی

خاندان کا تیسرا راجہ دیوپال بنگال کے قدیم ترین برہمنی افسانوں کے خیال کے موافق خاندان پال کا سب سے زبردست اور طاقتور بادشاہ تھا[54]۔ اس کے سپہ سالار لاؤ سین نے آسام اور کلنگ کو فتح کیا تھا۔ اس کے عطیئے کا ایک فرمان جس پر اس کی تینتیسویں (۳۳) سنہ جلوس کی تاریخ ہے مدگگر یا منگھیر نافذ کیا گیا تھا[55]۔ اپنے خاندان کے دوسرے راجاؤں کی طرح اس کو بدھ مذہب سے ایک لگاؤ اور محبت تھی۔ چنانچہ اس کی نسبت مشہور ہے کہ اس نے "کفار" کے مقابلے میں جہاد کر کے ان کے چالیس قلعے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ کھالیمور کی تانبے کی لوح (اپی گریفیا انڈکا جلد ۴ صفحہ ۲۵۲)۔

[51] جیا سکندھاوار سے محض چھاؤنی مراد نہیں ہوتی (ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر)۔

[52] واٹرس جلد ۲ صفحہ ۸۷ و ۸۸۔ بیل جلد ۲ صفحہ ۸۲ و ۸۶۔

[53] ممکن ہے کہ اس کا موقعہ ضلع بھاگلپور میں پتھر گھاٹ کے مقام پر ہو (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۹۰۹ صفحہ ۱۳)۔

[54] جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۶۳۔ حصہ اول (سنہ ۱۸۹۴ صفحہ ۴۱)۔

[55] انڈین انٹی کویری جلد ۲۱ صفحہ ۲۵۴۔

برباد کئے تھے۔ روایتاً اس نے اڑتالیس برس حکومت کی[1]۔

دسویں صدی کے آخری حصے میں کامبوج نامی پہاڑی قوم کے یورش کرنے کی وجہ سے خاندان پال کی سلطنت میں رخنہ واقع ہوا۔ کیونکہ انھوں نے اپنے سرداروں میں سے ایک کو بادشاہ بنا لیا۔ اس کی حکومت کی یادگار دیناج پور کا ایک ستونی کتبہ ہے جو بظاہر سنہ ۹۶۶ء میں نصب کیا گیا تھا[2]۔

مہی پال اوّل تقریباً سنہ ۹۷۸-۱۰۳۰ء قوم کامبوج کو خاندان پال کے نویں بادشاہ مہی پال اول نے جو سنہ ۱۰۲۶ء میں حکمراں تھا نکال باہر کیا۔ اس کے متعلق یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ اس نے سنہ ۹۷۸ء یا سنہ ۹۸۰ء میں اپنی آبائی سلطنت کو نئے سرے سے حاصل کیا۔ اس کی حکومت کی مدت (۵۲) برس قرار دی جاتی ہے اور اس میں کچھ بہت زیادہ غلطی بھی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ کتبوں کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (۴۸) برس تک حکمراں رہا[3]۔ خاندان پال کے تمام راجاؤں میں

---

[1] شیفنر:۔ تارناتھ صفحہ ۲۰۸-۱۴۔ تارناتھ لکھتا ہے کہ دیو پال نے ورندر یعنے ضلع مالدا وغیرہ کو فتح کیا تھا۔ مگر اس کا ماننا ذرا مشکل ہے کیونکہ یہ علاقہ اس سے قبل بھی پال خاندان کے زیر تصرف ہوگا؛

[2] "دیناج پور پلر انسکرپشن" (جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس بی سنہ ۱۹۱۱ء صفحہ ۶۱۵)۔ اس پر سنہ ۸۸۸ کی تاریخ ہے اور اگر اس کو سکہ سن سمجھ لیا جائے تو وہ سنہ ۹۶۶ء کے برابر ہے؛

[3] سارناتھ کا کتبہ مورخہ سنہ ۱۰۲۶ء (وی۔ ای) انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۰۔ شمالی بہار یا ترہوت کے ضلع مظفر پور میں کانسی کی چند مورتیں پائی گئی ہیں جن کے کتبات مہی پال کے اڑتالیسویں سال کے ہیں (ہارنل۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۴ (سنہ ۱۸۸۵ء) صفحہ ۱۶۵ حاشیہ ۱۷۔ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی سنہ ۱۸۸۱ء صفحہ ۹ کے اختلافات قرأت محض قیاسی ہیں۔ کننگھم نے آرکیالوجیکل سروے رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ میں صحیح تاریخ بیان کی ہے؛

یہی راجہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اور اس کے نام کے گیت چند سال قبل تک بنگال کے بہت سے حصوں میں گائے جاتے تھے اور اب بھی اڑیسہ اور کوچ بہار کے دور دست حصوں میں سنائی دیتے ہیں۔ ۱۰۲۳ء میں کانچی کے چول راجہ راجندر نے اس پر حملہ کیا تھا۔ اسی کے عہد حکومت میں بدھ مذہب تبت میں جہاں وہ ایک صدی پہلے لنگدرم کے مذہبی تعصب کی وجہ سے ناپید ہو گیا تھا دوبارہ زندہ ہوا۔ مگدھ کے پنڈت دھرم پال اور دوسرے بزرگوں نے ۱۰۱۳ء میں شاہ تبت کی دعوت کو قبول کیا۔ اور وہاں جا کر گوتم بدھ کے مذہب کی دوبارہ عزت و توقیر قائم کی۔ اس کے بعد ایک اور تبلیغی مشن سنہ ۱۰۴۰ء میں مہی پال کے جانشین نیاپال کے عہد حکومت میں بھیجا گیا۔ اس مشن کا سرگروہ مگدھ کی خانقاہ بکرمسیل کا ایک رکن اتش تھا۔ اس نے تبت میں اپنے پیشروؤں کے کام کو جاری رکھا اور تبت میں بدھ مذہب کو مستحکم طور پر قائم کر دیا۔[1]

قبیلۂ کیورت کی بغاوت۔ نیاپال کے بیٹے وگرہ پال سوم نے جس نے چیدی کے راجہ کرن کو شکست دی تھی اور خود تقریباً ۱۰۹۰ء میں فوت ہوا۔ تین بیٹے مہی پال دوم۔ سورپال دوم اور رام پال چھوڑے۔ جب مہی پال تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے بھائیوں کو قید کر دیا۔ اور جبر و تشدد سے سلطنت کرنی شروع کی۔ اس کی اس تعدی اور ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغاوت پھیل گئی جس کا سرغنہ جیسی کیورت قوم

[1] سرت چندر داس (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد اول حصہ اول صفحہ ۲۳۶ و ۲۴۷)۔ تارناتھ کہتا ہے کہ مہی پال کی موت کی تاریخ اندازاً تبت کے ایک بادشاہ کھرال کے سنہ وفات کے برابر ہے۔ مگر اس موخرالذکر بادشاہ کا نام فہرستوں میں نہیں ملتا (شیفنر صفحہ ۲۲۵)۔ نظام سنین کے لئے دیکھو جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۶۹ حصہ اول (سنہ ۱۹۰۰ء) صفحہ ۱۹۲)۔

(یعنے کیوت ذات) کا سردار دلویا۔ یا دیوک تھا۔ یہ قوم اس زمانے میں شمالی بنگال میں بڑے زوروں پر تھی۔ انجام کار باغیوں نے مہی پال دوم کو قتل کیا اور اس کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ دیوک کے بعد اس کا کام اس کے بھتیجے بھیم نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور ورندر کا بادشاہ ہوگیا۔ رام پال کسی طرح قید خانے سے بھاگ نکلا۔ اور اپنی سلطنت کے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے مدد مانگنے کے واسطے ہندوستان کے اکثر ملکوں میں آوارہ پھرتا رہا۔ آخرکار سخت جدوجہد کے بعد اس نے ایک جری فوج جس میں راشتر کوٹ جن سے اس کا سسرالی رشتہ تھا اور دوسرے راجاؤں کی افواج شامل تھیں جمع کر لی۔ جنگ میں بھیم نے شکست کھائی۔ اور رام پال نے اپنے آبائی تخت و تاج کو پھر حاصل کر لیا[1]؂

رام پال کی حکومت سنہ ۱۰۸۴-۱۱۳۰ء رام پال کے متعلق تارناتھ کا بیان ہے کہ وہ ایک تیز فہم اور زیرک آدمی تھا۔ اور اس کی طاقت و قوت وسیع تھی۔ کیورت قوم کے غاصب کو شکست دینے کے بعد اس نے متھلا یعنے شمالی بہار جس میں موجودہ اضلاع چمپارن و دربھنگہ شامل تھے فتح کیا۔ اور یہ بھی بالکل یقینی ہے کہ کامروپ یا آسام کا علاقہ بھی اس کی سلطنت میں شامل تھا۔ کیونکہ اس کے بیٹے کمار پال نے اس ملک کی سلطنت مع تمام شاہی اختیارات کے ایک بہادر وزیر ودیا دیو نامی کے سپرد کر دی تھی۔ بدھ مذہب اگرچہ اس زمانے میں ہندوستان میں زوال پذیر تھا لیکن رام پال کی سلطنت میں وہ زور و شور پر تھا۔ اور مگدھ کے

---

[1] بھیم کے قتل اور متھلا کی فتح کے حالات ودیا دیو کی کموبی کے عطئے میں مذکور ہیں۔ (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۲ صفحہ ۳۵۵)۔ اور تفصیلات ایک متحدالعصر تاریخی نظم "رام چرت" سے حاصل ہوتی ہیں۔ جس کا مصنف سندھیا کر نندی ہے۔ اور جو نیپال میں پائی گئی تھی۔ وہ میائرس اے۔ ایس۔ بی جلد ۳ نمبر ۱ (سنہ ۱۹۱۰ء) میں شائع ہوئی ہے ؂

علاقے کی خانقاہیں ہزارہا بھکشوؤں سے بھری پڑی تھیں۔ تارناتھ اور بنگال کے بعض مورخین رام پال کو اس خاندان کا آخری یا کم از کم ایسا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں جس کی طاقت ذرا بھی وسیع تھی۔ لیکن کتبات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس خاندان کے پانچ راجہ اور گذرے تھے[1]۔

آخری راجگان پال

سنہ ۱۱۷۵ء میں گوبند پال حکمراں تھا۔ اور ملکی روایات کے مطابق اسلامی فتوحات کے وقت یعنی سنہ ۱۱۹۷ء میں اندردیمن (پال) مگدھ کا راجہ تھا۔ اور اس کے تعمیر کردہ قلعے اب تک

---

[1] جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول جلد ۶۳ (سنہ ۱۸۹۴ء) صفحہ ۴۶۔ جلد ۴۱ (سنہ ۱۸۸۲ء) صفحہ ۱۶۔ شیفنر ترجمۂ تارناتھ صفحہ ۲۵۰۔ اس خاندان کے نظام سنین کو نہایت مستحکم طور پر مصنف کے مضمون "دی پال ڈائنسٹی آف بنگال" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۴-۲۳۳) میں بتیس کتبات کی بنا پر قائم کر دیا گیا ہے۔ اس مضمون کے معرض تحریر میں آنے کے بعد جو سب سے زیادہ اہم کتبہ شائع ہوا ہے وہ دیناج پور کا ستونی کتبہ ہے جس کا حوالہ اوپر بھی دیا گیا ہے۔ راج شاہی کی ورندر ریسرچ سوسائٹی بنگال کی قدیم تاریخ پر بہت کچھ توجہ مبذول کر رہی ہے۔ اس کے آنریری سکریٹری نے بنگالی زبان میں پال اور سین خاندانوں سے متعلق ایک کتاب شائع کی ہے۔ اسی طرح اس کے ناظم (ڈائرکٹر) بابو اکشیا کمار متر اے۔ ایل نے اسی زبان میں کتبات کی ایک جلد بھی شائع کی ہے۔ مگر میں نے یہ کتابیں نہیں دیکھیں۔ سوسائٹی نے میرے پاس تین انگریزی کتابیں بھیجی ہیں جن میں سے دو کے نام "دی سٹونز آف ورندر" اور ایک کا نام "گائڈ بک" ہے۔ جس میں آثار قدیمہ کی اس نمائش کا حال ہے جو راج شاہی میں سنہ ۱۹۱۲ء میں منعقد ہوئی تھی۔ ان کتابوں سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ مسٹر آر ڈی۔ بنرجی نے مجھ کو اپنے پال خاندان کے مضمون کا پروف جو میمائرس اے ایس بی سنہ ۱۹۱۳ء میں شائع ہونے والا ہے بھیجا ہے۔ مہندر پال کے تین کتبے جیساکہ میرا اور دوسروں کا پہلے خیال تھا پال خاندان کے اس نام کے

منگھیر کے ضلع میں دکھلائی دیتے ہیں[1]۔

خاندان پال کی اہمیت۔ ہندوستان کے تمام شاہی خاندانوں میں خاندان پال نہایت عجیب و غریب خاندان ہونے کی حیثیت سے قابل یادگار ہے۔ خاندان اندھر کے سوا اور کوئی شاہی خاندان ساڑھے چار سو برس تک قائم نہیں رہا۔ دھرم پال اور دیو پال نے بنگال کو ہندوستان کی زبردست ترین سلطنت بنا دیا۔ اور اگرچہ بعد کے راجاؤں کی نہ تو سلطنت ہی کچھ زیادہ وسیع تھی اور نہ ان کا اثر کچھ ایسا زیادہ تھا لیکن پھر بھی ان کی سلطنت چھوٹی نہیں تھی۔ دسویں صدی کے آخری حصے میں کامبوج کے عظیم اور گیارھویں میں کیورت قوم کی بغاوت نے خاندان پال کی عظمت و حکومت میں سخت رخنہ ڈالا تھا۔ اور اصل میں یہی دو واقعات تھے جنھوں نے راجگان سین کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مگدھ یا جنوبی بہار اور شمالی بہار میں منگھیر کا علاقہ شروع سے آخر تک سوائے تھوڑے سے وقفے کے برابر راجگان پال کے قبضے میں رہا۔ مگر حکومت کی آخری صدی میں سین خاندان نے ان کو تقریباً تمام بنگال سے بے دخل کر دیا تھا۔ مقامی تاریخ کی تفصیلات ابھی تک قابل غور رہی ہیں[2]۔

علم و فن کی ترقی دھرم پال اور دیو پال کا عہد حکومت جو ۸۰۰ء سے ۸۹۲ء تک ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت تھی علوم و فنون کی ترقی و تہذیب کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ راجہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ دراصل گرجر۔ پرہار کے اسی نام کے راجہ کے ہیں۔

[1] بوچنن:۔ ایسٹرن انڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۳۔ کننگھم رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۱۳۵ و ۱۵۹ و ۱۶۲۔

[2] گرجر پرتہار قوم کے مہندر پال راجہ قنوج (تقریباً ۸۵۰ء) نے تھوڑی مدت کے لئے مگدھ پر قبضہ کر لیا تھا۔

دو نقاشوں دھیمان اور بتپالو (وتپال) نے مصوری، سنگ تراشی اور کانسی کی چیزیں ڈھالنے میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ اور ان کے زمانے کی کچھ نایاب یادگاریں اب بھی موجود بتلائی جاتی ہیں[۵۱]۔ خاندان پال کے زمانے کی کوئی عمارت صحیح و سالم باقی نہیں رہی۔ لیکن ان کی سلطنت کے وسطی اضلاع اور خاص کر دیناج پور کے تالابوں کے آثار اور کھنڈروں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مفادِ عام کے کاموں کی طرف اس سلطنت کی خاص توجہ تھی۔

بدھ مذہب کی سرگرمی۔

بلا استثنا سب کے سب راجگان پال بدھ مذہب کے جوشیلے پیرو تھے۔ اور علماء و فضلاء اور بے شمار خانقاہوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ دھرم پال جو یقیناً ایک غیر معمولی قابلیت کا شخص تھا۔ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جوشیلا مصلح مذہب تھا۔ گیارھویں صدی میں اس کے جانشین جو تنتر کی شکل کے بدھ مذہب کے پیرو تھے اکثر علماء کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے۔ جن میں ایک اتش تھا جس کا ذکر تبت کی تبلیغی مشن کے ضمن میں اس سے قبل ہو چکا ہے[۵۲]۔

خاندان سین کی ابتدا۔

کیورت کی بغاوت کے قریب (تقریباً ۱۰۸۰ء) یا اس سے چند سال قبل کلنگ نے طاقتور راجہ چوڑ گنگا

---

[۵۱] "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" صفحہ ۷-۳۰۵۔ ورندر ریسرچ سوسائٹی ان دونوں مصوروں کے مطالعے کی کوشش کر رہی ہے۔

[۵۲] دیکھو مسٹر این۔ این باسو کی کتاب "ماڈرن بدھ ازم اینڈ اٹس فالوورس ان اڑیسہ" پر مہا مہوپادھیا ہر پرشاد شاستری کا عالمانہ مقدمہ (کلکتہ ۱۹۱۱ء) جس کا ایک حصہ دراصل "آرکیالوجیکل سروے آف میور بھنج" جلد اول سے نقل کیا گیا ہے۔

(سنہ جلوس ١٠٧٦ء) نے اپنی سلطنت کو اڑیسہ کے انتہائے شمال تک وسعت دی۔ یا تو سامنتدیو نامی ایک سردار نے جو دکن سے آیا تھا اور چور گنگا کے فوجی افسروں میں شامل تھا۔ اور یا سامنتدیو کے بیٹے ہمنتسین نے کاسی پوریا کسیاری کے علاقے میں جو آجکل میور بھنج کی ریاست میں شامل ہے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ مگر ان دونوں سرداروں میں سے بظاہر کسی کو کچھ بڑی قوت حاصل نہیں ہوئی ؎

وجیا سین (تقریباً ١١١٩-٥٨ء)

لیکن سامنتدیو کے پوتے وجیا سین نے یقیناً بارھویں صدی عیسوی کے آغاز (١١١٩ء) میں بیٹے خود مختار بادشاہ کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ اور صوبۂ بنگال کا بڑا حصہ خاندان پال سے فتح کرلیا تھا۔ اس طرح اس نے مستحکم طور پر خاندان سین کی بنیاد رکھ دی۔ اس کے علاوہ اوردول کے ساتھ بھی اس نے کامیابی سے لڑائیاں لڑیں۔ اور کم و بیش چالیس برس تک حکومت کی۔ کلنگ کے راجہ چور گنگا کے ساتھ جس نے اکہتر برس تک اس ملک پر حکومت کی اس کے تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے ؎

بلال سین (تقریباً ١١٥٨-٧٠ء)

وہ سلطنت جو وجیا سین نے حاصل کی تھی تقریباً ١١٥٨ء میں اس کے مشہور زمانہ بیٹے ولال سین کے ہاتھ آئی جو بنگال کی روایات میں بلال سین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی کی بابت مشہور ہے کہ اس نے بنگال میں سب سے پہلے ذات کے قواعد و ضوابط کو رواج دیا۔ اور برہمنوں۔ ویدوں۔ اور کائستھوں میں "کلس" کا طریقہ جاری کیا۔ بعض بیانات کے مطابق اس نے گوریا لکھنوتی کو آباد کیا۔ مگر یہ باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ یہ شہر اس کے قبل زمانے سے موجود تھا۔ ضلع ڈھاکہ میں بکرم پور کے قریب رامپال کے مقام پر اس کے محل کے نشان و آثار اب تک دکھائے جاتے ہیں۔

سلہ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول جلد ٤٧ (١٨٧٨ء) صفحہ ٤٠٠۔ امپیریل گزیٹیر

خاندان سین کے تمام راجہ برہمنی ہندو تھے۔ اور اس وجہ سے ان کو بدھ مذہب کے پیرو خاندان پال کے اراکین سے خاص سبب نفرت کا تھا۔ اور ذات پات کے رواج میں بھی خاص دلچسپی تھی۔ بلال سین کا ہندو مت تنتر کی قسم کا تھا۔ برہمن نسّابوں کا بیان ہے۔ اس نے مذہبی داعیوں کو جن میں سب کے سب برہمن تھے۔ مگدھ۔ بھوٹان۔ چٹاکانگ۔ اراکان۔ اڑیسہ اور نیپال روانہ کیا تھا۔[۱]

لچھمن سین (تقریباً ۱۱۷۰ء–۱۲۰۰ء)

غالباً ۱۱۷۰ء کے قریب بلال سین کا جانشین اس کا بیٹا لچھمن سین ہوا۔ جس کو مسلمان مورخین نے "رائے لکھمنیا" لکھا ہے۔

بہار کی اسلامی فتح

بارھویں صدی کے آخر میں بہار اور بنگال سے پال اور سین خاندان دونوں مسلمانوں کے حملوں کی رو میں بہ گئے۔ کیونکہ ۱۱۹۷ء یا اس کے قریب قطب الدین ایبک کے سپہ سالار محمد ابن بختیار نے بہار پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا۔ اور اس کے ایک یا دو سال بعد نودیہ (ندیہ) پر بھی اچانک یورش کر دی۔ افواج اسلام کے سپہ سالار نے جس کا نام اس کے قبل بھی اس کی فوجی مہموں کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کے لئے ہیبت ناک ہو رہا تھا نہایت دلیری سے صدر مقام پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۲۴۳ء میں ان واقعات کے تقریباً معاصر مورخ کو اس فوج کے ایک بقیۃ السیف سے ملنے کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ مضمون رامپال۔ مہامہو پادھیا ہرپرشاد کے بیان کے مطابق بلال سین "نے کیورت کی مدد سے شمالی بنگال کو فتح کیا۔ اور انھیں بیوتر ذات بنانے کی جدوجہد کی" (مقدمہ صفحہ ۱۵۔ یہ کتاب ماڈرن بدھ ازم اینڈ اٹس فالوورس ان اڑیسہ مصنفہ این۔ این۔ باسو)۔ اسی مصنف کا مضمون پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی ۱۹۰۲ء صفحہ ۲–۷ ملاحظہ ہو۔

[۱] آرکیالوجیکل سروے آف میور بھنج جلد اول صفحہ ۴۶ حاشیہ۔

اتفاق ہوا اور اس نے اسے بتلایا کہ بہار کے قلعے پر صرف دو سو آدمیوں سے حملہ کیا گیا تھا۔ انھوں نے دلیری سے چور دروازے پر دھاوا کیا اور اس کے ذریعے سے قلعے پر قابض ہو گئے۔ بے حد مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اور "سر منڈے برہمنوں" یعنے بدھ مذہب کے بھکشوؤں کا اس کثرت سے قتل عام کیا گیا کہ جب فاتح سپہ سالار کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ کتب خانے کی کتابوں کے موضوع سے اُس کو مطلع کیا جائے تو کوئی ایسا شخص میسر نہ آسکا جو یہ خدمت انجام دیتا۔ کہا جاتا ہے کہ "آخر میں معلوم ہوا کہ وہ تمام شہر اور قلعہ ایک مدرسہ تھا۔ اور ہندی زبان میں کالج کو بہار کہتے ہیں[1]"

بدھ مذہب کا خاتمہ اس سفاکانہ عمل اور اسی قسم کی اور بیرحمی اور ظلم و تعدی کے کاموں نے بدھ مذہب کی کمر اس کے خاص وطن اور پاک زمین ہی میں توڑ دی۔ اس میں شک نہیں کہ چند لوگ، اگرچہ بالکل مایوسی کی حالت میں تھے اور چند سال تک ان قدیم مذہبی پاک مقامات کے گرد منڈلاتے رہے۔ اور آج کل بھی اس مذہب کے دھندلے سے نشان بعض نامعلوم اور گمنام مذہبی فرقوں میں پائے جاتے ہیں۔ جو کسی زمانے میں اسی علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن کوہستان ہمالیہ کے جنوب میں شمالی ہند کے علاقے میں بدھ مذہب کا آخری مرکز صرف ایک مسلمان سپہ سالار کی تلوار کے نذر ہوا۔ اور اس کے بعد پھر کبھی اس مذہب کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہوئی[2]۔ بہت سے بھکشو جو اس طوفان میں کسی نہ کسی طرح سے

---

[1] ریورٹی ترجمہ طبقات اکبری صفحہ ۵۵۲۔

[2] دیکھو ایچ۔ پی شاستری کے مضامین: "بدھ ازم ان بنگال سنس دی محمڈن کانکوئسٹ" اور "شری دھرم منگل: اے دستنٹ ایکو آف للتوستر" (جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۶۴ حصہ اول ۱۸۹۵ع صفحہ ۵۵-۶۸)۔ اور این۔ این باسو کی کتاب "ماڈرن بدھ ازم" جس کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے۔

زندہ بچ رہے نیپال تبت یا جنوبی ہند کی طرف بھاگ گئے ان پناہ گزین علماء کے اس طرح تبت میں آجانے سے پھٹن لامائے اعظم کو جسے کبلائی خاں نے مقرر کیا تھا اس بات کا موقع ملا کہ سنسکرت کی زبان سے تراجم کے ذریعے تبتی زبان کو مالا مال کردے۔ چنانچہ تیرھویں صدی کے آخر میں ان تمام تراجم کو تنگیور کے دائرۃ المعارف میں شامل کر دیا گیا۔ اور ہندی پنڈتوں اور تبتی علماء کی مشترکہ محنت کو چھپائی کے ذریعے سے جس کا علم ساتویں صدی عیسوی کے دوران میں چین سے تبت میں آچکا تھا محفوظ رکھا گیا[1]۔

خاندان سین کا خاتمہ

(۱۱۹۹ء) خاندان سین کا خاتمہ بھی اُسی قدر یا شائد اس سے بھی زیادہ آسانی سے کردیا گیا جس طرح کہ بہار کو فتح کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں مشرقی بنگال کا راجہ لچھمن سین تھا۔ جس کو مسلمان مصنف نے لکھا ہے کہ وہ بہت بوڑھا تھا اور اس کے متعلق (اگرچہ غلط طور پر) یہ مشہور تھا کہ وہ اسی سال تک حکمراں رہا تھا۔ اس کی پیدائش کے وقت جن خوارق عادات کا ظہور میں آنا بیان کیا جاتا ہے ان کی تصدیق راجہ غیر معمولی لیاقت و قابلیت سے ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلمان مورخوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے تمام راجہ اور رائے اس کی عزت کرتے تھے اور تمام ملک میں اس کی حیثیت وہی تھی جو مسلمانوں میں خلیفہ کی۔ معتبر اشخاص کا بیان

---

[1] جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف اے۔ ایس۔ بی فروری سنہ ۱۹۱۱ اڈریس صفحہ ۴۳ء

[2] لچھمن سین خواہ اس نے سنہ ۱۱۹۹ء تک اسی برس تک حکومت کی ہو یا نہ کی ہو مگر یہ ممکن ہے کہ ضعیف ہو گیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ جب وجیا سین کی طولانی حکومت کے بعد اس کا باپ بلال سین تخت پر بیٹھا ہو تو وہ بھی کمسن نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ لچھمن سین سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے تخت پر نہیں بیٹھا۔

تھا کہ کبھی اس نے کسی سے ناانصافی نہیں کی اور جود و سخا کے لیئے اس کا نام ضرب المثل ہو گیا تھا۔

اس کا دارالسلطنت نودیہ

یہ قابل احترام راجہ نودیہ کے مقام پر اپنا دربار منعقد کیا کرتا تھا۔ جو دریائے گنگا کے جنوبی علاقے میں شمال کی طرف موجودہ کلکتہ سے ساٹھ میل شمال کی جانب دریائے بھاگیرتی کے کنارے پر آباد تھا۔ انگریزی علاقے میں اس نام کا ایک ضلع ندیا اب بھی موجود ہے۔ اور ایک مدرسے کے لیئے مشہور ہے جو قدیم اسلوب پر قائم کیا گیا ہے۔

نودیہ کی فتح ۱۱۹۹ء

غالباً ۱۱۹۹ء میں محمدؐ ابن بختیار کے بہار فتح کرنے کے تھوڑی سی مدت کے بعد اسی سپہ سالار نے ایک فوج بنگال کی فتح کے لیئے تیار کی۔ اپنی فوج سے کچھ آگے وہ چند سوار لے کر بڑھا چلا گیا اور اچانک صرف اٹھارہ سواروں کی ہمراہی میں نودیہ کے سامنے پہنچا۔ اور درانہ شہر میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے یہ سمجھکر کہ وہ گھوڑوں کا تاجر ہے اس کی مزاحمت نہ کی۔ رائے (راجہ) کے محل کے دروازے پر پہنچ کر اس نے اپنی تلوار کھینچی اور اچانک محل کے نوکروں پر حملہ آور ہوا۔ راجہ جو اس وقت کھانا کھانے میں مشغول تھا اس واقعے سے بالکل مبہوت ہو کر رہ گیا اور (گھبراہٹ میں) ننگے پاؤں ہی محل کے پچھلے حصے کی طرف بھاگا۔ اور اس کا تمام خزانہ۔ بیویاں اور خواصیں۔ نوکر اور عورتیں حملہ آور کے ہاتھ آئیں۔ بے شمار ہاتھی بھی ملے۔ اور مسلمانوں کو اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ جس کا شمار ناممکن ہے۔ جب اس (یعنے محمدؐ) کی فوج پیچھے سے پہنچی تو تمام شہر کو قابو میں کر لیا گیا۔ اور اس نے

اسی کو اپنا صدر مقام مقرر کیا؛

اسلامی دارالسلطنت لکھنوتی

اسی مصنف کے قول کے مطابق رائے لچھمن سین وہاں سے بھاگ کر ضلع ڈھاکہ کے بکرمپور میں پناہ گزیں ہوا اور وہیں مر گیا[1]۔ فاتح سپہ سالار نے بھی نودیہ کو برباد کر دیا اور ہندوؤں کے قدیم شہر لکھنوتی یا گور کو اپنا مستقر قرار دیا سلطنت کے تمام حصوں میں اس نے اور اُس کے افسروں نے مسجد۔ مدرسے اور اسلامی خانقاہیں قائم کیں اور ان کے لیے اوقاف مقرر کیے۔ اور مال غنیمت کا بڑا حصہ قطب الدین ایبک کے پاس روانہ کر دیا گیا؛

بنگال اور بہار کی آخری ہند سلطنتوں کا خاتمہ نہایت بے عزتی اور بے حرمتی کی صورت میں ہوا۔ کیونکہ یہ یقینی ہے کہ اگر ان میں ذرا بھی ست ہوتا تو یہ اس طرح بغیر مزاحمت کے اپنے آپ کو فنا نہ ہونے دیتیں[2]۔ یہ بھی بالکل صریح ہے کہ لچھمن سین کا انتظام مملکت ازحد ابتر حالت میں ہوگا کہ ایک بڑی زبردست فوج بغیر اطلاع اور مزاحمت کے تمام بنگال کے علاقے سے گذر گئی۔ اور اٹھارہ سواروں کی مختصر سی جماعت نے اس کے محل پر قابو حاصل کر لیا؛

علم ادب

مگر خاندان سین کے آخری بادشاہ کا نظم و نسق سلطنت

---

[1] ریورٹی: ترجمہ طبقات ناصری" صفحہ ۵۵۷۔ ایلیٹ۔ ہسٹری آف انڈیا صفحہ ۳۰۹ جلد دوم؛

[2] خاندان سین ایک مقامی خاندان کی حیثیت سے اور چار نسلوں تک مسلمانوں کے ماتحت قائم رہے۔ اس خاندان کی تاریخی اسناد پر ضمیمہ ص میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ مگر نظام سنین اب تک پورے طور پر معین نہیں ہوا۔ اور اس میں سب سے بڑی مشکل بلال سین کے عہد حکومت کی طوالت کا معین کرنا ہے۔ اور باقی چھوٹے چھوٹے خاندانوں کے متعلق جن کا ذکر اس کتاب میں نہیں آیا دیکھو ڈف کی "دی کرانالوجی آف اینشنٹ انڈیا" کانسٹیبل ۱۸۹۹ء؛

خواہ کیسا ہی ابتر اور کمزور حالت میں کیوں نہ ہو۔ لیکن ذاتی خوبیوں اور سنسکرت علم ادب کے مربی و سرپرست ہونے کے لحاظ سے ہر طرح تعریف و توصیف کا مستحق ہے۔ کالیداس کے مشہور و معروف ناٹک "میگھدوت" کی تقلید میں لچھمن سین کے ملک الشعراء دھیوئی یا دھوئیک نے ایک ناٹک لکھا اور وہ اب شائع بھی ہو چکا ہے "گیتا گوبند" کا مشہور مصنف جیادیو بھی بظاہر اسی راجہ کے عہد میں گذرا ہے۔ اور اس کے علاوہ خود راجہ بھی شاعر تھا۔ اسی طرح اس کا باپ بلال سین بھی مصنف تھا ؎

ط

راجپوت قبائل

قبائل کا ظاہری غلبہ علم نسل انسانی کے متعلق اپنے خیالات و آراء کا اظہار۔ یا ہمی زاویوں پتلی اور موٹی ناکوں۔ لمبے یا چپٹے سروں۔ ذات پات کے اسرار وغیرہ پر بحث کرنا اس کتاب کے مقاصد میں شامل نہیں۔ اور یہاں سرسری طور پر بھی ان کا ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس باب کے ان حصوں کے مطالعے سے جن میں بہت سے راجپوت قبیلوں کا ذکر کیا گیا ہے ایک ہوشیار ناظر کتاب کے

لے دیکھو رسلے اور گیٹ کی "سنسس آف انڈیا" سنہ ۱۹۰۱ء جلد اول۔ روز "سنسس رپورٹ فار دی پنجاب سنہ ۱۹۰۱ء۔ اور مردم شماری کی دوسری رپورٹیں۔ ایبٹسن کی آؤٹ لائنز آف پنجاب ایتھنوگرافی۔ اور بیڈن پاول کا مضمون "نوٹس...... آن دی راجپوت کلینز" جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۸۹۹ء صفحہ ۶۳۔ ۵۴۴ ؎

دل میں متعدد ایسے شکوک و سوالات پیدا ہوجاتے ہیں۔ جن کا کسی نہ کسی طرح جواب دینا نہایت ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ راجپوت۔ پرہار۔ پوار۔ چندیل وغیرہ کون تھے۔ اور کیا وجہ ہے کہ ہرش کی موت اور مسلمانوں کے حملے کے درمیانی صدیوں میں ان لوگوں کے وجود اور معاملات سے ملک میں اس قدر ہیجان و اضطراب واقع ہوجاتا ہے۔ زمانۂ وسطیٰ اور زمانۂ قدیم میں تفریق کے وقت ان ہی راجپوتی قبائل کا شمالی ہند میں غلبہ سب سے زیادہ نمایاں امر ہے جس پر سب سے پہلے ہماری نظر پڑتی ہے۔ اور ہمارا دماغ اس غلبے کی اصلیت و حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ سوال کا جواب دینے سے ان کا پوچھنا زیادہ آسان ہے۔ اور مسئلہ زیر بحث میں واقعات اس قدر پیچیدہ۔ اور ان کے متعلق ہماری معلومات اس قدر محدود ہیں۔ کہ مختصراً اس کو حل کر دینا ناممکن ہے۔ لیکن پھر بھی اس موضوع پر اتنا بیان کر دینا کہ جس سے ناظر کتاب کو تمام شاہی خاندانوں کی اصلیت کے سمجھنے میں کامیابی ہو بیکار محض نہ ہوگا۔

کشتری آٹھویں اور نویں صدی عیسوی کے دوران میں شمالی ہند کے سیاسی تماشہ گاہ پر راجپوت قبائل کا یک بیک ہنودار ہونے کا واقعہ درحقیقت محض ایک دھوکا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہندوستان کے قدیم راجاؤں کی ذات یا قوم کے متعلق کسی قسم کی معلومات حاصل نہیں ہوئے۔ چنانچہ کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اشوک یا سمدرگپت کے خاندان ہندوؤں کے معاشرتی اصول کے مطابق کس درجے اور مرتبے کے تھے۔ اور اس کے علاوہ یہ بھی معلوم نہیں کہ جن زبردست بادشاہوں کے نام ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں وہ کہاں تک محض معمولی جانباز اشخاص یا کسی بڑی قوم کے سردار تھے۔ بعد کے زمانے میں تمام راجپوت اپنے آپ کو کشتری[1] خیال کرتے تھے۔ یہ کشتری قوم

[1] یعنی چار ورن کا نظریہ۔ برہمن۔ کشتری۔ ویش اور شودر۔ برہمن خود اسی قدر

"مکالمات بدھ" کی تصنیف کے زمانے میں بھی ہندوؤں کی سوسائٹی کا ایک جزو اعظم سمجھی جاتی تھی - اور یہ لوگ اپنے آپ کو بزعم خود برہمنوں سے برتر تصور کرتے تھے[1] - اور غالباً واقعہ یہ ہے کہ نہایت قدیم زمانے سے کشتریوں کے حکمراں قبائل جو ہر صورت میں زمانۂ مابعد کے راجپوتوں کے مماثل تھے - ملک میں موجود تھے - اور زمانۂ وسطیٰ کی طرح اس وقت بھی مختلف سلطنتیں قائم کر رہے تھے - لیکن ان کے تاریخی حالات تاریخ سے ناپید ہو گئے ہیں - اور صرف چند ایسے خاندانوں کے حالات باقی بچ گئے ہیں جو غیر معمولی طور پر نمایاں اور روشن تھے اور اس طرح یہ خاندان صفحۂ تاریخ پر منضبط ہو گئے ہیں - اور دوسرے بالکل فراموش ہو گئے ہیں - میرا خیال ہے کہ کشتری کا لفظ ہمیشہ مبہم معنوں میں استعمال ہوتا تھا اور اس سے مراد ایسے حکمراں خاندان لیئے جاتے تھے جو ذات کے برہمن نہ ہوں - ممکن ہے کہ بعض اوقات راجہ ذات کا برہمن ہو لیکن بادشاہی دربار میں برہمن کی اصلی جگہ وزارت تھی[2] کہ تخت و تاج ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چندر اگپتا موریا کشتری سمجھا جاتا تھا اور اس کا وزیر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- مخلوط النسل معلوم ہوتے ہیں جتنا کہ راجپوت تھے - ویش کی قوم کا تعین یقینی طور پر نہیں کیا جا سکتا - اور شودر شمالی ہند میں تقریباً بالکل ناپید ہیں - لفظ ورن کے صحیح معنوں کے لیئے (یعنے "ذاتوں کا ایک گروہ" نہ کہ "ذات") دیکھو کیتکر کی قابل قدر کتاب "ہسٹری آف کاسٹ ان انڈیا" بالخصوص جلد ا (۱۹۰۹ء) صفحہ ۷۷ - اس کی دوسری جلد سلاا میں طبع و شائع ہوئی ہے

[1] رہس ڈیوڈس بسے "ڈائلاگس آف بدھا" (سنہ ۱۸۹۹ء) صفحہ ۹۵ و ۱۱۹ - جے - آر - اے - ایس (سنہ ۱۸۹۴ء) صفحہ ۳۴۲ ؀

[2] ہیون سانگ نے چند برہمن راجاؤں کا ذکر کیا ہے مثلاً اجین - جھجوتی اور مہیسور پور کے راجہ (بیل جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱) - براہمکشتر کے لفظ کے معنوں کے لیئے دیکھو ضمیمہ ص ؀

چانکیا یا کوتلیا یقیناً برہمن تھا)۔

اس روایت میں خلل اندازی۔ زمانۂ قدیم اور زمانۂ وسطیٰ میں حقیقی فرق یہی ہے کہ مقدم الذکر کے متعلق روایات میں خلل پڑ گیا ہے۔ اور موخر الذکر کی تمام حکایات و روایات اب تک زندہ ہیں۔ خاندانہائے موریا و گپت اس قدیم زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہ صرف کتابوں۔ کتبوں اور سکوں سے ان کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ مدت ہوئی کہ وہ صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ اس کے برخلاف وہ قبائل جن کے خاندان زمانۂ وسطیٰ سے قائم ہوئے اب تک زندہ اور موجود اور بسا اوقات موجودہ آبادی کا جزو اعظم شمار ہوتے ہیں۔

"سیتھی" عنصر۔ ٹاڈ اور دیگر پرانے مصنفین نے مدت ہوئی اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ راجپوت قبائل ایک بڑی حد تک بیرونی یا ان کے خیالات کے مطابق سیتھی نسل کے ہیں۔ زمانۂ حال کی مزید مکمل تحقیق نے ان کے خیالات کی اور زیادہ تائید کی ہے۔ اور اب کم و بیش صحت کے ساتھ چند بڑے قبائل میں بیرونی خون کی آمیزش کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے کہ راجپوت اور ان قبائل میں جو ان سے کم درجے کے تصور کئے جاتے ہیں۔ کیا نسلی تعلق ہے۔

سک اور یو۔چی زمانۂ تاریخ میں نقل وطن کرنے کی قدیم ترین مثال قوم سک کی دوسری صدی قبل مسیح میں ملتی ہے۔ اس کے بعد پہلی صدی عیسوی میں دوسری مثال یو۔چی یا کشان قوم کے نقل وطن کی ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ موجودہ راجپوت قبائل میں کوئی بھی قبیلہ ایسا نہیں کہ جو اپنے شجرۂ نسب کو اس قدر قدیم زمانے تک مرتب کر سکے۔ تاہم اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ جب سک اور کشان اقوام کے حکمران خاندانوں نے ہندوؤں کی تہذیب اور مذہب کو

قبول کر لیا تو ان کو ہندوؤں کی کشتریوں کی ذات میں بلا تامل شامل کر لیا گیا مگر بہرحال یہ واقعہ محض قیاس کی بنا پر سمجھا جا سکتا ہے اس کا ثبوت ناممکن ہے۔

ہُن — مذکورہ بالا دو مثالوں کے بعد نقل وطن کا تیسرا واقعہ جس کا ذکر تاریخ میں ہے۔ وہ پانچویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی کے آغاز میں بیرونی وحشی اقوام کی ہندوستان پر یورش ہے۔ ایسی علامتیں ضرور موجود ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں بھی وسط ایشیا سے نقل وطن کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لیکن اگر ایسا ہوا ہے تو اس کے نشان بالکل مٹ گئے ہیں۔ اور جہاں تک تحقیقی علم کی بنا پر کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نویں اور دسویں صدی عیسوی کے یعنی مسلمانوں کے حملے سے قبل یہی تین بیرونی اقوام زبردست پیمانے پر ترک وطن کر کے ہندوستان میں داخل ہوئیں۔ چنانچہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ پہلی اور دوسری تو سک اور یو۔چی اقوام تھیں اور تیسری ہُن۔ یا سفید ہن تھے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سک۔ یو۔چی اور ہن محض ایسے نام ہیں جن سے ان گروہوں کی کثرت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ ورنہ ان میں بہت سے اور عناصر بھی شامل تھے۔ مقدم الذکر دونوں قوموں کی اولاد ہونے کا احساس مدت ہوئی کہ بالکل فراموش ہو چکا ہے۔ کابل کے خاندان ترکی شاہیہ کے بادشاہوں کو جنھیں نویں صدی [illegible] میں ہندو شاہیہ خاندان نے نکال باہر کیا تھا۔ قوم کشان کے زبردست بادشاہ کنشک کی اولاد ہونے پر فخر تھا۔ مگر ان کے بعد کے زمانے میں پیچھے کسی اور خاندان کے متعلق اس بات کا علم نہیں کہ یو۔چی کی قرابت اور عزیزداری پر فخر و مباہات کرتے ہوں۔

ہُنوں کے حملے کا اثر — ملکی روایتوں میں جو خلل واقع ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ تیسری وحشی قوم کی ہندوستان پر یورش ہے جس کو ہُون کہا جاتا ہے۔ ہُن کی یورشوں کا جو قلیل حال عام ادبی روایات میں

پایا جاتا ہے اس پر علم نسل انسانی - علم آثار قدیمہ - اور سکوں کے ذریعے
سے اس قدر روشنی ڈالی جا سکتی ہے کہ لامحالہ طالب علم کے دل و دماغ پر
یہ اثر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہن قوم نے ہندوؤں کے آئین و قوانین
اور رسم و رواج پر اس سے کہیں زیادہ اثر کیا تھا جتنا کہ پران اور دوسری
ادبی کتابیں ظاہر کرتی ہیں - بالعموم ہندو مصنفین "وحشی" اقوام کی
یورشوں کے بیان سے احتراز کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
اس موضوع پر ان میں آپس میں "خاموشی" کے لئے ایک سازش ہو جاتی
ہے - مثلاً وہ سکندر اعظم کے حملے یا وجود کا کبھی اشارۃً بھی ذکر نہیں کرتے
اور اسی طرح گجرات کے مورخین کی کتابوں میں محمود غزنوی کے سومنات
لوٹنے کا حال نہیں پایا جاتا[1] - اگر اس قتل و غارت کا تفصیلی حال مسلمان
مورخ نہ بیان کر دیتے تو ہندوستان کے علم ادب یا کتبات میں اس کا
پتہ ملنا بالکل ناممکن تھا - اس لئے یہ امر کچھ زیادہ تعجب خیز اور حیرت انگیز
نہیں کہ ہن قوم کی یورشوں کے طوفان کا ذکر ہندوؤں کے بیانات میں
بہت کم ملتا ہے - اور اس کی اصلی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے ہم کو ماہرین علم
آثار قدیمہ کی محنتوں اور مشقتوں پر دارومدار کرنا پڑتا ہے - مگر اس جگہ اس
پیچیدہ شہادت کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا بالکل ناممکن ہے - اور ناظرین کتاب
سے اس بات کی التجا کرنی پڑتی ہے کہ وہ اس امر کو تسلیم کر لیں کہ پانچویں
اور چھٹی صدی عیسوی کے دوران میں ہن اور دوسری متعلقہ وحشی اقوام
کے حملے نے شمالی ہند میں ہندوؤں کی معاشرت کو جڑ بنیاد سے ہلا دیا -
روایتوں کے سلسلے میں رخنہ ڈالا - اور ذات پات اور حکمران خاندان دونوں
امروں میں نیا انتظام ضروری ہو گیا - اس کے علاوہ ہن ہرش کے
کارناموں کی وجہ سے جب کہ وہ پینتیس ۳۵ برس تک ہندوستان میں ایک
ایسی طاقت کے قائم کرنے میں کامیاب ہوا جس نے کہ تمام مخالف عناصر کو

[1] بمبئی گزیٹر جلد اول حصۂ اول (۱۸۹۶ء) صفحہ ۱۶۴ حاشیہ ۵ و ۶

ایک جگہ لاکر جمع کردیا۔ اور تمام اقوام و مذاہب اس کی زبردست سلطنت کے دائرے میں آگئے ہن کے حملوں کے قیامت خیز اثر بہت کچھ تاریکی میں پڑ گئے[1]۔ مگر جب اس کی زبردست شخصیت کا اثر معدوم ہو گیا تو یہ تمام عناصر ایک مرتبہ پھر بروئے کار آئے اور فتنہ و فساد کے ایک غیر معلوم زمانے کے بعد نئے سرے سے سلطنتوں کی وہ تقسیم ہوئی جس کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے۔

گرجر۔ بظاہر یہ بالکل مسلم ثبوت ہے کہ ہن قبائل یا جرگوں نے راجپوتانہ اور پنجاب میں اپنی مستقل بستیاں قائم کی تھیں۔ ہن کے بعد ان تمام لوگوں میں سب سے زیادہ غالب عنصر گرجر کا تھا۔ جن کا نام اب بھی شمال مغربی ہندوستان میں گوجر کے لفظ میں باقی ہے جہاں اس کا اطلاق ایک کثیر التعداد اور منتشر قوم پر کیا جاتا ہے۔ گوجر جو ابتدائے حال میں گلہ بانی کا پیشہ کرتے تھے آج کل ہندوستان کی تقریباً ہر ایک ذات کی طرح زراعت پیشہ ہو گئے ہیں۔ جاٹ یا جٹ جو ان سے کہیں زیادہ کھیتی باڑی کے کام کو سرانجام دیتے ہیں بالعموم گوجروں کے ہم نسب تصور کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان دونوں کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنا ناممکن ہے۔ جاٹ یا گوجر کو بھی راجپوت یا کشتری نہیں سمجھے جاتے مگر پھر بھی پنجاب کے جٹ راجپوت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں[2]۔

گرجروں کی سلطنتیں زمانۂ وسطیٰ کے آغاز میں گرجر سلطنتوں کا زور اور اہمیت کا حال زمانہ حال ہی میں معلوم ہوا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ

---

[1] ہرش کی حکومت ۶۰۶ء میں شروع ہوئی۔ مگر اس کی زبردست سلطنت کا آغاز ۶۱۲ء سے ہوتا ہے اور یہ طاقت اپنے فنا ہونے یعنی ۶۴۷ء تک برابر قائم رہی۔

[2] یہ قوم صوبجات متحدہ میں جاٹ اور پنجاب میں جٹ کہلاتی ہے پنجاب سنسس رپورٹ ۱۹۰۱ء صفحہ ۲۲۴ و ۳۲۶۔

بھڑوچ کے مقام پر ایک مختصر سی گرجر ریاست تھی اور راجپوتانہ میں اس سے بڑی سلطنت تھی کے نام سے ماہرین آثار قدیمہ ہمول پہلے واقف تھے گر نویں۔ دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں بھوج اور قنوج کے دوسرے زبردست راجاؤں کا گرجر قوم سے ہونا حال ہی میں تسلیم کیا گیا ہے کتبوں کی تاریخوں کے پڑھنے میں چند غلطیاں واقع ہو جانے کی وجہ سے اس خاندان کی اصلی تاریخ بالکل تاریکی میں پڑی تھی۔ اور چند سال قبل ہی یہ تمام غلطیاں دور کی گئی ہیں۔ اب یہ ثبوت بالکل مسلم ہے کہ بھوج (تقریباً ۸۴۰ء تا ۸۹۰ء) اس کے پیشرو اور جانشین گرجر قبیلہ یا ذات کے پرتہار (پڑہار) فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرہار راجپوتوں کا مشہور و معروف قبیلہ گرجر یا گوجروں کی ایک شاخ تھا۔

اگنی کل کے قبائل

"چندر رائسا" اور بعد کے زمانے کی اور کتابوں میں عام روایت موجود ہے جس کی بنا پر راجپوتوں کے چاروں قبیلوں یعنی پوار (پرمار)۔ پرہار (پرتہار) چوہان (چاہمان) اور سولنکی یا چلکیا کو اگنی کل کہا گیا ہے۔ جن کا آغاز جنوبی راجپوتانہ میں کوہ آبو کے قربان گاہ کے اگنی کنڈ سے ہوتا ہے۔ اس افسانے کا مقصد اس تاریخی حقیقت کو منکشف کرنا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا چاروں قبائل کا

له یہ دریافت اے۔ ایم۔ ٹی جیکسن (بمبئی گزیٹر جلد اول حصہ اول ۱۸۹۶ء ضمیمہ ۳ صفحہ ۴۶۷)۔ ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر "گرجرس" (جے۔ بمبئی برانچ آر۔ اے۔ ایس جلد ۲۰) "اپی گریفیکل نوٹس" (ایضاً جلد ۲۱) اور پروفیسر کیلہارن "اپی گریفیکل نوٹس" نمبر ۲ دیوی گوالیار انسکرپشن آف مہر بھوج" کا کام ہے۔ اس اہم کتبے کو ہیرانند نے بھی بعد تصحیح "آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا اینول رپورٹ ۴-۱۹۰۳ء" میں شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر ہارنل نے اس دریافت پر اپنی "مختصر ہسٹری آف انڈیا" اور جے۔ آر۔ اے۔ ایس (۱۹۰۴ء) کے مضامین میں بہت زور دیا ہے ؎

ایک دوسرے سے تعلق ہے اور یہ کہ وہ تمام کے تمام پہلے پہل جنوبی راجپوتانہ میں ظاہر ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ مسٹر کرک نے بالکل صحیح لکھا ہے "اس سے آگ کے ذریعہ سے پوتر کرنے کی رسم کا پتا چلتا ہے جو جنوبی راجپوتانہ میں ادا کی گئی۔ اور جس کی وجہ سے یہ بیرونی اقوام ہندوؤں کی ذات اور معاشرت میں داخل ہونے کے قابل ہو گئیں"[1]

پرہار۔ اس امر سے کہ ان چار قبیلوں میں سے ایک یعنی پرہار یقیناً گرجر قوم سے تھا اس بات کے فرض کر لینے کے لئے بہت بڑی وجہ پیدا کر دیتا ہے کہ باقی تین کا سلسلہ بھی گرجر یا اسی قسم کی کسی اور بیرونی قوم سے ملتا ہوگا۔ چنانچہ اس طریقے سے راجپوتوں کے بعض مشہور ترین قبائل کی ابتداء کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ گرجروں کی نسبت یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ وہ سفید ہنون کے ساتھ یا ان کے تھوڑی ہی مدت کے بعد ہندوستان میں ظاہر ہوئے۔ اور راجپوتانہ میں بکثرت بس گئے۔ لیکن کوئی شہادت ایسی موجود نہیں جس سے یہ پتا چل سکے کہ وہ ایشیا کے کس حصے سے آئے۔ ان کا تعلق کس قوم سے تھا پوار قبیلے کے صدر مقام کوہ آبو کے قریب چندراوتی اور اچل گڑھ تھے۔ اور ساتویں صدی عیسوی میں پرہار اپنے صدر مقام بھنمال سے جو شمال مغرب کی سمت کوہ آبو سے پچاس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ راجپوتانہ کے ایک بڑے حصے پر متصرف و قابض تھے۔ سنہ ۸۰۰ء کے قریب گرجروں کے علاقے کے بادشاہ ناگ بھٹ نے دریائے گنگا کے کنارے کے شہر قنوج کو فتح کیا۔ اور اپنا دارالسلطنت وہیں منتقل کر لیا۔ اور اس طرح اس نے قنوج کے اس طولانی خاندان کی بنیاد ڈالی جو سنہ ۱۰۱۹ء میں محمود غزنوی کے شہر کو فتح کرنے تک وہاں

---

[1] "راجپوت ایند مرہٹہ" (جرنل رائل انتھروپالوجیکل انسٹیٹیوٹ سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۴۲ و

حکمران رہا۔ اس بات کا علم کہ قنوج کے وہ راجہ جو ۸۰۰ء اور ۱۰۱۸ء کے درمیان وہاں حکمراں تھے اور جن میں سے چند نے تمام شمالی ہند میں حکومت اعلیٰ حاصل کر لینے میں بھی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے ہندوستان میں آئی ہوئی بیرونی "وحشی" اقوام کی اولاد اور باوجود راجپوت ہونے کے دعوے کے موجودہ گوجروں کے بھائی بند تھے۔ ہندوستان قدیم کی تاریخی معلومات میں ایک قابل قدر اضافہ سمجھا جا سکتا ہے جو گذشتہ برسوں میں حاصل ہوا۔ اگرچہ دوسرے راجپوت قبیلوں کی تاریخ ابھی تک اس تفصیل سے معلوم نہیں ہوئی۔ مگر پھر بھی یہ فرض کر لینے کے خاصے وجوہ پیدا ہو گئے ہیں کہ ان قبائل کی ابتدا بھی اسی طرح ہوئی ہوگی۔ حقیقت میں معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی بیرونی قوم ہندو مذہب اور طرز معاشرت اختیار کر لیتی تھی تو اس کے حکمراں خاندان کشتری یا راجپوت تسلیم کر لیئے جاتے تھے اور ادنیٰ طبقے کے لوگ بتدریج اپنی قومی خصوصیات کو بالکل فراموش کر دیتے تھے اور ان کو ہندوؤں کی ایسی ذاتوں میں شامل کر لیا جاتا تھا جو ادنیٰ طبقے کی ہوں۔

جنوبی قبائل کی دیسی ابتداء

جنوبی ملک کے بعض زبردست قبائل کی ابتدا اس سے بالکل مختلف ہے۔ اور بظاہر یہ لوگ نام نہاد کے اصلی باشندوں گونڈ۔ بھر۔ کول وغیرہ کی اولاد ہیں۔ جن کو سر ہربرٹ رسلے نے "دراوڑ"[1] کے عجیب و غریب اور نامناسب نام کے تحت میں لا کر جمع کر دیا ہے۔ چندیل اور گونڈ میں جو آگے چل کر بھر سے

[1] "دراوڑ" سے مطلب وہ شخص لیا جاتا ہے جو "دراوڑ" یا تامل علاقے کا رہنے والا ہو۔ اس نام کا اطلاق بالکل مناسب طور پر انتہائے جنوب کی سرزمین۔ آبادی یا زبان میں کیا جاتا ہے۔ مگر اس کو شمالی اور متوسط ہند کی نام نہاد کی غیر آریا اقوام گونڈ بھر۔ کول۔ وغیرہ پر چسپاں کرنا بالکل نامناسب ہے۔ "دراوڑ" کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سنسکرت میں "تامل" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اور زبان کے لحاظ سے (بقیہ)

مل جاتے ہیں گہرے تعلقات کی شہادت موجود ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ چندیل درحقیقت وہ گونڈ یا بھر تھے جنھوں نے ہندی تہذیب اور مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور جب وہ طاقتور ہو گئے اور حکمرانی کرنے لگے جس کے لئے کشتری خاص کر مناسب سمجھے جاتے تھے تو وہ بھی کشتری یا راجپوت شمار ہونے لگے۔ اسی طرح گہروار کا تعلق بھی بھر کے ساتھ تھا۔ اور بندیل اور شمال کے راٹھوران ہی گہروار کی شاخیں ہیں۔ دکن کے زبردست قبیلے راشترکوت کا نام جس کی تاریخ آیندہ باب میں بیان کی جائے گی علم اللسان کے مطابق راٹھور ہی کی ایک دوسری صورت ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے دکن کے راشترکوت اور شمال کے راٹھور میں کسی قسم کے تعلقات یا قرابت کی کوئی شہادت دستیاب نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقدم الذکر کی ابتدا دکن کے اصلی باشندوں کی کسی نہ کسی اصلی قوم سے ہوئی تھی۔ بعینہ اسی طرح جس طرح چندیل ان گونڈ سے ممیز ہو گئے جو آج کل کی ریاست چھترپور کے علاقہ میں مقیم تھے[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اس کے معنی شیریں کے ہیں (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۲۹)۔

[1] چندیلوں کی ابتدا کے لئے دیکھو میرا مضمون جے۔ اے۔ ایس۔ بی جلد ۴۶ حصہ اول (۱۸۷۷ء صفحہ ۲۳۳) اور میرا رسالہ "دی ہسٹری اینڈ کائنیج آف دی چندیل ڈائنسٹی آف بندیلکھنڈ (جیجا کبھکتی) فرام ۸۳۱-۱۲۰۳ء" (انڈین انٹی کویری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۱۴-۱۴۸)۔ گہروار کے لئے دیکھو بیمز اور ایلیٹ "ریسز آف دی نارتھ ویسٹرن پراونسیز" اور شمال کی تمام دیگر اقوام کے لئے دیکھو مسٹر کرک کی کتاب چار جلدوں میں: "ٹرائیبس اینڈ کاسٹس آف این۔ ڈبلیو۔ پی"۔ راشترکوت کے متعلق مختلف خیالات کے لئے دیکھو بمبئی گزیٹر جلد اول حصہ اول (۱۸۹۶ء) صفحہ ۱۱۹-۱۳۴۔ ایضاً حصہ دوم صفحہ ۱۷۸ و ۳۸۴۔

شمالی اور جنوبی قبائل میں جنگ و جدل زمانۂ وسطی کے متواتر محاربے اس بات کو سمجھ لینے کے بعد کہ وہ شمال کی بیرونی اقوام کی اولاد اور جنوب کے اصلی باشندوں کے درمیان ایک کشمکش تھی زیادہ قابل فہم اور دلچسپ ہوجاتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ طرفین میں نظام ہمیشہ قائم نہیں رہتا تھا۔ اور لبا اوقات وہ دول جو فطرتی طور پر ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتی تھیں آپس میں دوستانہ تعلقات بھی قائم کرلیتی تھیں یا سب کے سب چند روز کے لئے مسلمانوں کے مقابلے میں مجتمع ہوجاتے تھے۔ مگر پھر بھی میرا خیال ہے کہ یہ کہنا بہ ہیئت مجموعی صحیح ہوگا کہ وہ قبائل جو اصلی باشندوں سے ترقی پاکر راجپوت ہوگئے بیرونی اقوام کی اولاد کے بنے ہوئے راجپوتوں سے جانی دشمن رہتے تھے۔ شمالی ہند کے ان قبائل میں سے جنھوں نے اس کشمکش میں شرکت کی چوہان۔ پریہار۔ تمر۔ اور پوار زیادہ ممتاز ہیں۔ اس کے برخلاف جنوب میں یہ شرکت کرنے والے چندیل۔ کلچری یا ہیہیا۔ گہروار۔ اور راشترکوٹ تھے۔ سولنکی یا چولکیا کی ابتدا ابھی متنازعہ فیہ ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اودھ کے علاقہ سے آئے تھے۔ اور اغلب یہ ہے کہ وہ دوسرے تینوں قبیلوں کی طرح جن کے ساتھ اگنی کے قصے میں ان کا نام بھی لیا جاتا ہے دراصل بیرونی اقوام کی اولاد ہی میں سے تھے[1]۔

خلاصہ۔ اس تمام مذکورۂ بالا بحث میں خاص خاص باتیں جن کو یاد رکھنا چاہئے یہ ہیں کہ کشتری یا راجپوتوں کی ذاتیں حقیقی طور پر نوآبادکار ہیں۔ جن میں وہ قبیلے شامل ہیں۔ جنھوں نے ہندوؤں کی رسم و رواج کو اختیار کرنے کے بعد حکومت کے کام کو اپنے

---

[1] بمبئی گزیٹیر جلد اول حصہ اول (۱۸۹۶ء) صفحہ ۴۵۴ وغیرہ۔ مخالف بیان کے لئے دیکھو اوجھا:- ہسٹری آف دی سولنکیز (ہندی میں) صفحہ ۱۲۔ ۱۴۔

ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اسی وجہ سے انتہا درجہ کی مختلف اقوام کے لوگ اس زمانے میں اور اب بھی راجپوتوں میں شامل کر دیئے گئے۔ اور موجودہ زمانے کے اکثر زبردست راجپوت قبائل دراصل یا تو پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی کی آئی ہوئی بیرونی اقوام کی اور یا گونڈ اور بھر جیسے اصلی باشندوں کی اولاد ہیں۔ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ ہندوستان کے بہت سے ان شریف خاندانوں کو یہ ثبوت ناگوار گذرے گا جو فطرتی طور پر برہمنوں کے بنائے ہوئے ان نسب ناموں کو ترجیح دیتے ہیں۔ جن میں چاند۔ سورج۔ یا اگنی کل کو ان کے آبا و اجداد تصور کیا گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ میرا بیان بہر نوع صحت پر مبنی ہے۔ اگرچہ یہ ضروری ہے کہ شہادت کی نوعیت کے لحاظ سے اس کو سمجھانا یا مختصراً بیان کرنا ناممکن ہے۔ حاشیۂ ذیل میں جو حوالے دیئے گئے ہیں اس سے متفحص طالب العلم کو اس مضمون کے آگے مطالعہ میں مدد ملے گی[۱]۔

[۱] دوسرے حوالے حسب ذیل ہیں:۔ ڈی اے سمتھ "دی گرجرس آف راجپوتانہ اینڈ قنوج" (جے آر اے ایس ۱۹۰۹ء جنوری و اپریل)۔ "دائٹ ہن کائن فرام دی پنجاب" (ایضاً جنوری ۱۹۰۷ء)۔ "دائٹ ہن کائن آف دیا گھرا کھا" (ایضاً اکتوبر ۱۹۰۷ء)۔ "دی آؤٹ لائیرس آف راجستھان" (انڈین انٹی کویری ۱۹۱۱ء)۔ اور ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر۔ "دی گرجرس" (جے۔ بمبئی برانچ۔ آر۔ اے۔ ایس جلد ۲۱)۔ اسی مصنف کا مضمون "گہلاٹ" (جرنل اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی۔ (نیو سیریز) جلد ۵ ۱۹۰۹ء) بہت قابل قدر ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ میواڑ یا اودے پور کے رانا جو ہمیشہ راجپوتانے کے راجاؤں کے سردار تسلیم کیے جاتے رہے ہیں۔ دراصل ناگر برہمنوں کی اولاد ہیں۔ اور ان کے آبا و اجداد بادشاہ ہو جانے کے بعد برہمکشتری مشہور ہو گئے۔ اور ولبھی کے راجاؤں کے ساتھ جو ہُن۔ گرجر قوم سے تھے ان کا بہت گہرا تعلق تھا بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ۔

ضمیمہ ض

خاندان سین کی ابتدا اور اس کا نظام سنین

مضمون کی دلچسپی میری کتاب کے ناظرین نے بنگال کی قدیم تاریخ میں جو غیر معمولی دلچسپی لی ہے اس کی بنا پر مجھے ضروری معلوم ہوا کہ خاندان سین کے متعلق متن کتاب کے بیانات کی تصدیق کے لیئے کافی جگہ نکالوں اور ان پر بحث کروں۔ کیونکہ یہ ایک بڑی حد تک اس کتاب کی طبع دوم کے بیانات سے مختلف ہیں۔ اور اس وقت بہت کچھ مواد مجھے ایسا حاصل ہو گیا ہے جو گذشتہ مرتبہ دستیاب نہ ہوا تھا۔

خاندان سین کی جانشینی۔ سین خاندان میں علی الاتصال باپ کے بعد بیٹا اس کا جانشین ہوتا رہا۔ ان کے نام اور جانشینی کی ترتیب بلا شک و شبہ کتبوں کے بیانات سے ثابت ہو گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے:— (۱) سامنت سین۔ (۲) ہمنت سین۔ (۳) وجیا سین (۴) ولال سین (بلال سین)۔ (۵) لچھمن سین۔ (۶) وسوروپ سین۔ نمبر ۱ و ۲ ایسے ہیں محض مقامی سرداروں کی حیثیت رکھتے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:— مسٹر جیمز کینیڈی کا فاضلانہ مضمون "میڈیول ہسٹری آف انڈیا ہندو پیریڈ سنہ ۶۵۰–۱۲۰۰ء" (امپیریل گزیٹیر سنہ ۱۹۰۸ء جلد ۲ باب ۸) احتیاط سے پڑھنا چاہیئے۔ اس میں ایسے واقعات بیان کیئے گئے ہیں وہ اکثر جگہ صحت طلب ہیں۔ اور اس کے نظری بیانات پر رد و قدح کی جا سکتی ہے۔ مسٹر کینیڈی نے گرجروں کی طاقت کا اندازہ کم لگایا ہے۔ مگر اس مضمون کے ساتھ جو فہرست کتب لگا دی گئی ہے وہ مفید ہو سکتی ہے۔

اور نمبر (۶) مشرقی بنگال میں نہایت کمزور حکمران تھا۔ ہندوستان کی عام تاریخ میں نمبر (۳)، (۴)، (۵) ہی قابل ذکر ہیں کیونکہ انھوں نے وسیع علاقوں پر حکومت کی تھی۔ اور ملک کے زبردست دول میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

معاملات جو متنازعہ فیہ نہیں۔ آج کل کوئی شخص یہ خیال نہیں کرتا کہ اس خاندان میں دو لچھمن سین تھے یا وہ لچھمن سین جس کا ذکر کتبوں میں آتا ہے۔ اس راے لکھنیا سے جدا ہے جس کو محمد بختیار نے طبقات ناصری کے بیان کے مطابق نودیہ (ندیا) سے نکال دیا تھا۔ یعنے طبقات کے راے اور کتبات کے لچھمن سین کو ایک ہی فرض کر لیا ہے۔ ایک اور معاملہ جس کا تصفیہ کیلہارن مرحوم کی مشقتوں نے فیصلہ اور بعد کی تحقیقات نے تصدیق کر دی ہے وہ اس سنہ کا آغاز ہے جو لچھمن سین کے نام سے مشہور ہے۔ اس سنہ کا پہلا دن ۷۔ اکتوبر ۱۱۱۹ء ہے اور اس کا پہلا سال ۱۱۲۰-۱۱۱۹ء تک شمار ہوتا ہے۔ ایک اور امر جس کو صحیح مان لیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ محمد بختیار نے ۵۸۹ھ میں جو تقریباً ۱۱۹۳ء کے برابر ہے مسلمانوں کے بہار کو فتح کرنے کے بعد اور شمال مشرقی سرحد پر جس کو طبقات کے مصنف نے تبت لکھا ہے حملہ کرنے سے قبل جو ۶۰۱ھ (اگست ۱۲۰۴ء تا اگست ۱۲۰۵ء) میں ہوا لچھمن سین کو نودیہ سے بے دخل کر دیا تھا۔

نودیہ کے فتح کی متنازعہ فیہ تاریخ مگر نودیہ پر یورش کی صحیح تاریخ کے متعلق بہت کچھ اختلاف رائے ہے۔ کیونکہ یہ تاریخ طبقات میں جو تفصیلات کے لیئے ہماری ایک ہی سند ہے مذکور نہیں۔ یہاں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ کتاب ۶۵۸ھ میں تکمیل کو پہنچی۔ اور یہ سنہ سنہ عیسوی کے تقریباً ۱۲۶۰ء کے برابر ہوتا ہے۔ مصنف کتاب جو منہاج سراج کے نام سے مشہور ہے صاف طور پر لکھتا ہے کہ ۶۴۱ھ (جون ۱۲۴۳ء سے جون ۱۲۴۴ء) میں اس نے محمد بختیار کے

بہار کے شہر پر یورش کا حال دو ایسے سپاہیوں سے سنا تھا جو اس حملے میں خود شامل تھے (مترجمہ ریورٹی صفحہ ۵۵۲) - چنانچہ اس وجہ سے اس واقعہ کے متعلق اس کا تمام بیان تقریباً معاصرانہ حیثیت رکھتا ہے۔ مگر نودیہ کی یورش کے متعلق وہ اتنا زیادہ خبردار نہیں معلوم ہوتا ؛

طبقات ناصری کا بیان۔ نہایت مختصر صورت میں مورخ کا بیان حسب ذیل ہے۔ بختیار کا بیٹا محمدؒ جو ترکوں کے خلج قبیلے سے تعلق رکھتا تھا ۵۸۹ھ میں قطب الدین ایبک سے ملازمت حاصل کرنے میں ناکامیاب رہا۔ ایک مدت گذرنے کے بعد جو غالباً ذرا طولانی تھی اس نے تھوڑی بہت فوجی قوت پیدا کرلی۔ اور مرزاپور کے علاقہ میں ایک جاگیر بھی اس کو حاصل ہوگئی "اسی جاگیر سے وہ منیر (منگھیر) اور بہار میں چھاپے مارا کرتا تھا" یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس نے "معتد بہ ذرائع۔ گھوڑے۔ اسلحہ اور آدمی جمع کرلیئے" اس کے علاوہ مصنف کہتا ہے کہ "اس نے اس حصۂ ملک میں برابر قتل وغارت کا بازار گرم رکھا" یہاں تک کہ بالآخر اس نے بہار کے قلعہ بند شہر پر حملہ کرنے کے لیئے ایک مہم تیار کی۔ چنانچہ جیسا کہ متن کتاب میں بیان کیا گیا۔ اس نے شہر کو فتح کیا اور اپنے آقا قطب الدین ایبک کے سامنے جو غالباً اس وقت ہندیلکھنڈ میں مہوبہ کے مقام پر مقیم تھا بے شمار مال غنیمت پیش کیا۔ وہ عزت و احترام جو محمدؒ ابن بختیار کے ساتھ روا رکھا گیا لوگوں کے لیئے باعث حسد ہوا۔ جو اس وقت تک زائل نہ ہوا جب تک کہ اس نے ایک مست ہاتھی کو شکست نہ دی۔ اس واقعہ کے بعد "وہ بہار کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسی اثنا میں نودیہ کے باشندے خوف زدہ اور اپنے بادشاہ رائے لکھمنیا یا لچھمن سین کو چھوڑ کر فرار ہوگئے" اس کے دوسرے سال بعد محمدؒ بختیار نے ایک فوج تیار کی۔ بہار پر حملہ آور ہوا۔ اور اچانک نودیہ کے شہر کے سامنے نمودار ہوا" (جیسا کہ متن کتاب میں ذکر ہوچکا ہے[1]) ؛

[1] مذکورۂ بالا بیان کے لکھے جانے کے بعد مسٹر ایس۔ کمار نے اپنی یہ رائے شائع کی ہے کہ

صحیح تاریخ تقریباً ۵۹۵ھ ہے

چنانچہ اب تمام شہادت پر دوبارہ غور کرنے کے بعد میں بلا تامل اس امر میں متفق ہوں کہ نودیہ پر حملہ کی تاریخ سنہ ۵۹۹ھ (جو ریورٹی کے خیال کے مطابق ہے) نہیں ہو سکتی۔ محمد بختیار کے مذکورۂ بالا کارنامے سنہ ۵۸۹ھ میں دہلی کی فتح کے چند سال بعد وقوع میں آئے ہوں گے۔ اس کے برخلاف منہاج سراج لکھتا ہے (ریورٹی صفحہ ۵۶۰) کہ "چند سال گذرنے کے بعد محمد نے "تبت" اور ترکستان کے لیے فوجی مہم تیار کی۔ یہ جانکاہ اور مصیبت انگیز مہم سنہ ۶۰۱ھ (اگست سنہ ۱۲۰۴ء سے اگست سنہ ۱۲۰۵ء) میں واقع ہوئی۔ اس لیے نودیہ کی فتح سنہ ۵۸۹ھ کے چند سال بعد اور سنہ ۶۰۱ھ کے "چند سال" قبل یعنی سنہ ۵۹۵ھ میں یا اس کے قریب واقع ہوئی تھی (نومبر سنہ ۱۱۹۸ء سے اکتوبر سنہ ۱۱۹۹ء)۔

رائے لکھمنیا کی اسّی برس کی مفروضہ سلطنت

مگر منہاج سراج کی بیان کردہ حکایت کی رو سے ہم سنہ کا تعین اور زیادہ صحت سے کر سکتے ہیں۔ اس کو یہ معلوم ہوا تھا کہ رائے لکھمنیا اپنی پیدائش کے بعد سے اسّی برس تک حکمران رہا۔ مگر یہ بیان جس کی تصدیق ایک حکایت سے بھی ہوتی ہے قرین قیاس نہیں ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے طولانی زمانۂ حکومت اڑیسہ کے راجہ چوڑ گنگا (۱۰۷۶–۱۱۴۷ء) کا ہے۔ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے دنیا کے کسی ملک کی تاریخ میں اسّی برس کے عہد حکومت کی مثال نہیں مل سکتی۔ ریورٹی اس اسّی برس کے عہد حکومت کی تصدیق منشی شیام پرشاد کے ایک بیان سے کرتا ہے جو میجر فرینکلن کے مصنفہ حالات گور میں مذکور ہے کہ لچھمن سین نے اسّی قمری سال (سنہ ۵۱۰–۵۹۰ھ) حکومت کی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- طبقات کی شہادت کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ لچھمن سین سنہ ۱۱۱۹ء میں تخت پر بیٹھا اور مسلمانوں کی یورش سے ایک زمانہ قبل مر گیا۔ مگر میرے نزدیک یہ خیال درست نہیں (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۸۶)۔

مگر یہ معلوم نہیں کہ منشی صاحب کے اس بیان کی سند کیا ہے۔ اس بات کی ایک اور دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ محمدؐ نے سنہ ۶۰۲ھ میں وفات پائی تھی اور بعض مورخین کے بیان کے مطابق اس نے بارہ برس لکھنوتی یا گور میں حکومت کی تھی۔ سنہ ۶۰۲ھ میں سے اگر بارہ برس تفریق کر دیئے جائیں تو ۵۹۰ھ رہ جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ بابو منموہن چکرورتی نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ محمدؐ کا عہد حکومت نودیہ کی فتح کے پہلے سے شمار کیا جاتا ہو۔ بہر حال نئے سرے سے تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد میں بلاک مین سے اسی برس کے عہد حکومت اور سنہ ۱۱۹۸ء میں نودیہ پر حملے کی تردید میں متفق ہوں"

نودیہ پر لچھمن سین کے سنہ ۸۰ میں حملہ ہوا۔	لیکن میں اب پروفیسر کیلہارن کی اس رائے کو قبول کرتا ہوں جو اس نے مدت ہوئی ظاہر کی تھی (انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ سنہ ۱۸۹۰ صفحہ ۷) کہ اسی سالہ عہد حکومت کی حکایت ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔

کیونکہ درحقیقت نودیہ پر لچھمن سین کے سنہ ۸۰ میں حملہ کیا گیا تھا۔ اور اس سنہ میں تاریخوں کا شمار بالعموم گذشتہ سالوں اور بعض مرتبہ سنہ حال کی بنا پر ہوا کرتا تھا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سنہ متنازعہ فیہ "گذشتہ" سال تھا تو سنہ ۸۰ مساوی ہوگا سنہ ۱۱۱۹ء + ۸۰ = سنہ ۱۲۰۰-۱۱۹۹ء (اکتوبر سے اکتوبر تک)۔ اور اگر سنہ "حال" تسلیم کیا جائے تو وہ سنہ ۱۱۹۸-۹۹ء (نومبر سے اکتوبر تک) ہوگا۔ غالباً یہ واقعہ سنہ ۱۲۰۰-۱۱۹۹ء کے موسم سرما یعنی سنہ ۱۱۹۹ء کے اواخر اور سنہ ۵۹۶ھ کے شروع میں ظہور پذیر ہوا تھا۔ اور ہم کو یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ سنہ ۵۹۵ھ یا ۵۹۶ھ میں نہ کہ سنہ ۵۹۰ھ میں جیسا کہ پہلے میرا خیال تھا۔ واقع ہوا ہوگا"

واقعہ جس کی بنا پر یہ سنہ شروع کیا گیا۔	نظام سنین کو اس قدر قائم کر لینے کے بعد ہم کو اس امر پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ وہ کونسا واقعہ تھا جس کی وجہ سے ۷ اکتوبر سنہ ۱۱۱۹ء میں نودیہ پر حملہ کے تقریباً اسی برس قبل

لچھمن سین کا سنہ شروع کیا گیا۔ بابو منموہن چکراورتی کا خیال ہے کہ سنہ کا آغاز اس خاندان کے سب سے پہلے راجہ جس کا نام تاریخ میں آتا ہے۔ سامنت سین کی تخت نشینی سے ہوا۔ مگر یہ شخص اس زمانے میں ایک گمنام مقامی سردار تھا اور یہ امر قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی تخت نشینی ایک نئے سنہ کا مبدأ قرار دیا گیا ہو لیکن ممکن ہے کہ لچھمن سین نے اپنے سنہ کا آغاز اپنے باپ بلال سین (وَ لّال سین) کی تخت نشینی سے کیا ہو۔ مگر یہ خیال جس کے مسٹر این۔این۔ باسو مؤید ہیں بلال سین کی تاریخ کی قطعی شہادت (اور وجیا سین کی تاریخ میں جو تصادم واقع ہوتے ہیں جن کا ذکر ابھی کیا جائے گا) کی بنا پر رد ہوجاتا ہے۔ تیسرا خیال جس کو میں خود بھی کم و بیش صحیح ماننے کے لیئے تیار ہوں یہ ہے کہ اس سنہ کا آغاز خاندان کے پہلے خود مختار راجہ وجیا سین کی تخت نشینی اور تاجپوشی سے ہوتا ہے۔ مگر بہر حال یہ ممکن ہے کہ اس کا شمار جیسا کہ تارناتھ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے اس کے باپ ہمنت سین کے زمانے سے شروع ہوا ہو؛

اسی کا ہم مثل واقعہ

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس سنہ کا آغاز وجیا سین کی تخت نشینی سے ہوا تھا تو یہ واقعہ شاہان گپت کے واقعہ سے بالکل مشابہ ظاہر ہوگا۔ ۲۰-۳۱۹ء کا سنہ گپت بھی چندر گپت اول کی تخت نشینی (یا تاجپوشی) ہی سے شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ اس خاندان کا سب سے پہلا بڑا اور خود مختار بادشاہ یہی تھا۔ اور اس وجہ سے نہ تو اس سنہ کا آغاز چندر گپت کے دادا گپت کے زمانے سے جو محض ایک مقامی سردار تھا یا اس کے بیٹے گھٹوتکچ کے عہد حکومت سے ہوتا ہے؛ مذکورۂ بالا امور کو فرض کر لینے کے بعد خاندان سین کا تمام نظام سنین

---

[۱] مسٹر آر۔ ڈی۔ بینرجی کو مسٹر ایس کمار سے اتفاق ہے اور ان کا خیال ہے کہ یہ سنہ لچھمن سین ہی کی تخت نشینی سے شروع ہوا تھا۔ اور یہ کہ وہ محمد بختیار کے حملے سے ایک مدت قبل مر چکا تھا؛

قابل فہم اور واقعات اور سنین کے لحاظ سے اپنی اصلی جگہ پر قائم ہوجاتا ہے
ادبیات میں بلال سین یا ولال سین کے متعلق ہم کو دو سنہ یعنے ۱۱۶۸-۱۱۶۹ء
اور ۱۱۷۰ء (سک سنہ ۱۰۹۰ و ۱۰۹۱) ملتے ہیں[1]۔

وجیا سین کے متعلق تین سنہ ہم کو دستیاب ہوتے ہیں۔ اس کو "چور گنگا کا دوست" بیان کیا گیا ہے۔ یہ چور گنگا نہایت غیر معمولی طور پر ۱۰۷۶-۱۱۴۷ء تک اکہتر برس حکمراں رہا۔ اور میرے نظام سنین کے مطابق جس کی ایک حد تک تائید بھی ہوتی ہے اس کی حکومت کا آخری حصہ وجیا سین کے اٹھائیس عہد حکومت کے برابر ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد دو باقی ماندہ سنہ ذرا مبہم اور نامکمل ہیں۔ ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجیا سین نے چار بادشاہوں یعنے نانیا۔ ویر راگھو۔ اور وردھن کو قید کیا۔ اسی کتبے میں یہ بھی لکھا ہے کہ "اس نے نہایت دلیری سے گوڈ کے سردار پر حملہ کیا۔ کامروپ کے راجہ کو مغلوب کیا اور کلنگ کے بادشاہ کو شکست دی۔" مگر مشکل یہ ہے اس تمام کتبے میں بادشاہوں اور ان کے ملکوں کی ترتیب بیان نہیں ہوئی۔ لیکن پھر بھی ہم کو تقریباً یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ راگھو سے یہاں کلنگ کے اس نام کا راجہ مراد ہے جو تقریباً ۱۱۵۶-۱۱۷۰ء (سک سنہ ۱۰۷۸-۹۲) میں وہاں حکمراں تھا۔ اور غالب یہ ہے کہ نانیا سے ترہوت کا راجہ نانیا دیو مراد ہو جس نے ۱۰۹۷ء میں سمرون کی بنیاد ڈالی اور بالآخر نیپال کی وادی میں کرناٹک خاندان کا بانی ہوا۔ مگر ویر اور وردھن کی شخصیت کو ہیں بالکل صحیح طور پر نہیں بتا سکتا۔ ان میں سے ایک یقیناً کامروپ یا آسام کا راجہ ہوگا۔ آسام کی ایک مقامی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سک سنہ ۱۱۱۱ (۱۱۸۹ء) میں ویرپال ایک شخص گذرا ہے جس کا بیٹا ایک زبردست بادشاہ ہوگیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک بے تاریخ کی تانبے کی لوح میں

[1] [illegible] ان تاریخوں کو بھی رد کرتے ہیں۔

کامروپ کے ایک راجہ کا نام ویربا ہو لکھا ہے۔ اس لیئے ممکن ہے کہ ویر سے کامروپ کا راجہ ہی مراد ہو۔

گور (گوڈ یا گورا) پر وجیا سین کو غالباً شروع حکومت میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ اس نے یہ فتح رامپال یا اس کے بیٹے کمارپال پر پائی ہو۔ اور اغلب یہ ہے کہ موخرالذکر ہی اس کا دشمن تھا جس کو اس نے شکست دی تھی۔ وردھن کا نام کسی تذکرے میں میری نظر سے نہیں گذرا مگر ممکن ہے کہ اس سے پال خاندان ہی کا راجہ مراد ہو۔ کیونکہ اس کا بھی امکان ہے کہ طویل عہد حکومت کے بعد رام پال کی موت نے پال خاندان کی حکومت وسلطنت کو کمزور کر دیا ہو[1]۔

شاہان سین کے خاندان کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ اس مضمون کو میں خاندان سین کی ابتدا اور عروج کے حال پر ختم کرتا ہوں۔ ان کے آباء و اجداد جنوب یعنے دکن سے آئے تھے۔ اور وہ کرناٹ کشتری یا برہمکشتری کے نام سے پکارے جاتے ہیں موخرالذکر لفظ کے معنے پروفیسر کیلہارن نے غلط سمجھے تھے۔ اور مسٹر آر۔ ڈی۔ بھنڈارکر نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ان کے خیالات جو ذات پات کی تاریخ پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔ اس قابل ہیں کہ ان کو بالکلیہ یہاں نقل کر دیا جائے:۔

"ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ چالکیوں کے ایک کتبے میں

---

[1] ان تمام امور مذکورۂ بالا کو مدنظر رکھتے ہوئے خاندان سین کا نظام سنین میرے نزدیک حسب ذیل ہے:۔

سامنت سین ۔۔۔۔	(مقامی سردار) تخت نشینی	سنہ ۱۰۸۰ع
ہمنت سین	(" ") "	سنہ ۱۱۰۰ع
وجیا سین	(بادشاہ) "	سنہ ۱۱۱۹ع
ولال سین	(") "	سنہ ۱۱۵۸ع
لچھمن سین	(") "	سنہ ۱۱۷۰ع یا سنہ ۱۱۸۰ع (؟)

گلہوٹ قوم کے ایک سردار بھرتری بھٹ کو "برہم۔ کشتر۔ آنوت" لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ بر نے یوں کیا ہے "وہ جس میں مذہبی مقتدا اور سپاہی دونوں کے صفات مجتمع تھے" مگر نیچے ایک حاشیہ بڑھا دیا گیا ہے اس اصطلاح کا جو کچھ اور مطلب ہے وہ یہ ہے کہ بھرتری بھٹ ذات کے لحاظ سے برہمکشتری تھا۔ قدیم ہند کی تاریخ میں بھرتری بھٹ ہی ایک ایسا راجہ ہے جس کو یہ لقب دیا گیا ہے۔ وجیا سین کے کتبے دیوپارا میں سامنت سین کو "برہم کشتریا نام کُل سہرۂ دام" لکھا ہے۔ اور اس عبارت کا ترجمہ پروفیسر کیلہارن نے "برہمن اور کشتریوں کا سردار" کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ "خاندان برہم کشتریہ کا سردار" ہونا چاہیئے۔ اور اس بات کی تصدیق کہ پچھلا ترجمہ صحیح ہے اس سے ہوتی ہے کہ "بلال چرت" میں سین خاندان کے بادشاہوں کے لیئے یہی اصطلاح استعمال ہوئی ہے"

چنانچہ برہم کشتریا کے قریب قریب ایک ذات برہمکشتری موجود ہے۔ جس کے اراکین پنجاب۔ راجپوتانہ۔ کاٹھیاواڑ۔ گجرات اور حتیٰ کہ دکن میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں۔ میری رائے میں یہ لوگ نئی قوموں کے جو آخر میں کشتری بن گئیں برہمن یا مذہبی مقتدا تھے"

اس کے بعد مصنف نے ریاست جودھپور کے

جلاہوں اور رنگ سازوں کی مثال دی ہے جو اولاً ناگر برہمن تھے اور پھر لکھا ہے کہ :-

"یہاں ہم کو ایک برہمکشتری ذات کی مثال ملتی ہے جس کے لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اولاً ناگر برہمن تھے - اور یہ امر اس بات کو صاف کرنے کے لیئے کافی ہے کہ گلہاٹ جو ابتدا میں ناگر برہمن تھے آخر میں کس طرح برہمکشتری یا کھتری ہو گئے - اور اس سے میرے اس نظریہ کو بھی تقویت پہنچتی ہے کہ برہمکشتری کی مختلف ذاتیں ابتداءً بیرونی اقوام کی برہمن جماعت سے تعلق رکھتی تھیں - اور جذب وضم کا عمل شروع ہونے کے بعد اور اس کی تکمیل سے قبل ان لوگوں نے مذہبی مقتدا کی حیثیت کو چھوڑ کر جنگ وجدل میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا"

خاندان سین اولاً برہمن تھا - مسٹر بھنڈارکر کا خیال بالکل صحیح ہے - اور اسی بنا پر اس خاندان سین کا جدِ اعلیٰ یقیناً دکن کا ایک برہمن تھا جو غالباً ہر برہمن کی طرح وزیر کے مرتبے پر ممتاز ہوگا - جب وہ وزارت کے عہدے کو چھوڑ کر بادشاہ بن گیا تو وہ برہمکشتری ہو گیا - اور اس کی اولاد کو کشتری سمجھ لیا گیا جس کی بنا پر ان کو ملک کے دوسرے حکمران خاندانوں کے ہاں جو کشتری سمجھے جاتے تھے شادی بیاہ کرنے کا حق حاصل ہو گیا - قیاس غالب یہ ہے کہ سامنت سین کلنگ یا اڑلیسہ کے راجہ چور گنگا کے ہاں ملازم تھا جس نے ۱۰۷۶-۱۱۴۷ء تک حکومت کی اس بادشاہ کا دعویٰ تھا کہ وہ ۱۱۱۸ء سے کچھ پہلے تمام اڑلیسہ کا مالک ہو گیا تھا - اور سامنت دیو کے شمالی اڑلیسہ کے علاقہ میں نیم خود مختار سردار بن جانے کی تاریخ غالباً گیارھویں صدی کے آخر ۱۰۸۰ء یا

سنہ ۱۰۹۰ء میں تلاش کرنی چاہیئے۔ اور ممکن ہے کہ وہ حکمراں سردار نہ ہو۔ اور اس کا بیٹا ہمنت سین پہلا شخص ہو جس نے راجہ کا رتبہ اور درجہ حاصل کیا ہو۔

خاندان سین کا قدیم ترین علاقہ

خاندان سین کا سب سے قدیم علاقہ جس کا ہم کو علم ہے دریائے سورن ریکھا کے کنارے موریا بھنج کی ریاست میں جو اڑیسہ کی انتہائی شمالی باجگذار ریاست ہے ضلع مدناپور کے پاس کاسی پوریا موجودہ کسیاری میں تھا۔ یہاں میں بابو نگندرا ناتھ باسو کی قابل قدر آرکی آلوجیکل سروے رپورٹ سے حسب ذیل عبارت نقل کرتا ہوں:—

"ہم نے بنگال کے پس چاتیا ویدک کی تاریخ میں جو آج سے تقریباً تین سو برس قبل کی کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی موجود ہے پڑھا ہے کہ سین خاندان کے راجہ ایک مقام کاسی پوری میں جو دریائے سورن ریکھا کے کنارے واقع تھا حکمران تھے۔ اس جگہ کے ایک حکمراں وجیا سین کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں بڑے کا نام مل اور چھوٹے کا سیامل تھا۔ دوسرے ہی نے مشرقی بنگال کو فتح کیا اور بکرم پور کو اپنا صدر مقام بنایا۔ "پس چاتیا کلمنجری" کے بیان کے مطابق سیامل ورم کی حکومت بکرم پور میں سک سنہ ۹۹۴ = سنہ ۱۰۷۲ء سے شروع ہوئی .... اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ کاسی پوری کا قدیم نام ہی موجودہ کسیاری میں تبدیل ہو گیا ہے۔"[1]

---

[1] اس بات کا اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے کہ کاسی پوری کس طرح تبدیل ہو کر کسیاری ہو گیا

اس عبارت میں مقامی تاریخ کے جن مسائل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کے بیانات جس کا وہاں حوالہ دیا گیا ہے۔ میری سمجھ سے باہر ہیں؛

فی الحال مجھے صرف یہی کہنا ہے کہ کاسی پوری یا کسیاری سین خاندان کا سب سے قدیم صدر مقام تھا۔ وجیا سین کے بیٹے کے لیئے سنہ ۱۰۷۲ء مقرر کرنا ذرا پیش از وقت معلوم ہوتا ہے[1]؛

تمام حوالوں کو حاشیوں میں بیان کرنے سے بچنے کے لیئے ان کو مذکورۂ ذیل بیان میں ترتیب وار جمع کر دیا گیا ہے؛

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ ممکن ہے کہ کاسی واری کے نام کا بھی کوئی شہر موجود ہو۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا نام کاس سین کا بگڑا ہوا ہے۔ یہ شخص تارناتھ کے بیان کے مطابق "چار سینوں" میں سے دوسرا تھا۔ اور اس کو ہمنت سین یا وجیا سین کہہ سکتے ہیں۔ مگر اغلب یہ ہے کہ اس سے دوسرا مراد ہے۔ کیونکہ اسی کے نام سے کاسی پوری کا تعلق ہے؛

[1] جب کتاب چھپ رہی تھی تو ذیل کا بیان ایک رسالے میں شائع ہوا تھا:۔ "یہ باور کیا جاتا ہے کہ خاندان سین کے راجاؤں نے جنھوں نے بارھویں صدی عیسوی میں خاندان پال کو بے دخل کیا تھا درندر کو فتح کر لینے کے بعد اس علاقے کے جنوب مغرب میں گوداگری کے قریب بیجیا نگر کو اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ اور یہ کہ بعد میں وہ لچھناوتی میں جو آخر میں گوڑھ ہو گیا منتقل ہو گئے" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس سنہ ۱۹۱۴ صفحہ ۱۰۱)۔ درندر یا موجودہ برند راج شاہی کے ضلع کا علاقہ ہے۔ گوداگری دریائے گنگا کے کنارے پر تجارت کی بارونق منڈی ہے۔ اور اس جگہ واقع ہے جہاں کلکتہ اور مالدا کی سڑکیں ملتی ہیں۔ گوڑ سنسکرت میں گور کے لکھنے کا ایک طریقہ ہے؛

حوالے

اسناد۔ ذیل کی مرتب فہرست میں وہ تمام اسناد مذکور ہیں جن پر سین خاندان کے متعلق متن کتاب اور اس ضمیمے کے بیانات مبنی ہیں۔ بہت پرانی کتابیں نظرانداز کردی گئی ہیں۔

عام اسناد۔ تارناتھ نے (شیفنر صفحہ ۷-۲۵۲) "چار سینوں" کے حالات سمجھنا اور ان کی تشریح کرنا مشکل ہے۔ اس نے بادشاہوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں:۔ (۱) گوسین۔ (۲) کاسن سین (۳) منت سین۔ (۴) راتھک سین۔ اور کہتا ہے کہ اگرچہ وہ ہر ایک راجہ کے عہد حکومت کا زمانہ نہیں بتا سکتا لیکن پھر بھی ان چاروں نے اسی برس سے زیادہ حکومت کی تھی۔ اگر اس عرصے کو لچھمن سین کے سنہ کے آغاز یعنے سنہ ۲-۱۱۱۹ء سے شروع کریں جو میرے خیال میں وجیا سین کی تخت نشینی سے شروع ہوتا ہے تو سنہ ۱۱۹۹ء تک یہ اسی برس کا زمانہ ہوتا ہے۔ مگر اس مدت میں چار نہیں بلکہ صرف تین بادشاہوں نے حکومت کی تھی۔ اور ممکن ہے کہ تارناتھ نے اس مدت کا شمار ہمنت سین کی تخت نشینی سے کیا ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو کاسن سین اور وجیا سین جیسا کہ گذشتہ نوٹ میں ظاہر کیا جاچکا ہے ایک ہی شخص ہیں۔ تارناتھ کے دوسرے ناموں کا معمہ میں حل نہیں کرسکتا۔ اس نے جس ترشک بادشاہ چندر کا حال لکھا ہے کہ اس نے تمام مگدھ کو فتح کیا۔ بکرم پور کو برباد۔ اور اودنت پوری (بہار) میں بے شمار بھکشوؤں کو قتل کیا۔ اس سے محمد بختیار مراد معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ اس کو کیوں چندر لکھا گیا۔ میری سمجھ سے باہر ہے۔ اس کے بعد وہ (صفحہ ۲۵۶) سین خاندان کے آخری راجاؤں کے نام گنواتا ہے:۔ (۱) گوسین دوم۔ (۲) بدھ سین (۳) ہرت سین اور (۴) پرتت سین۔ جو نہایت کمزور اور ترشک یا مسلمانوں کے ماتحت بادشاہ تھے۔

فتح نودیہ کا سنہ	بلاک مین :۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ حصۂ اول جلد ۴۴ (۱۸۷۵ء) صفحہ ۲۷۵؛ ریورٹی :۔ مذکورۂ بالا کا

جواب ایضاً جلد ۴۵ (۱۸۷۶ء) صفحہ ۳۲۰۔ اور ترجمۂ طبقات ناصری ضمیمۂ ث (ڈی)؛ منوموہن چکراورتی :۔ "اینڈکس آن سینا کنگس" جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی (سلسلۂ نو) جلد اول ۱۹۰۵ء صفحہ ۵۰۔ ۵۴ اور "سرٹن ڈسپیوٹڈ اینڈ ڈاؤٹفل ایونٹس ان دی ہسٹری آف بنگال محمدن پیریڈ" ایضاً جلد ۴ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵۱؛

لچھمن سین کا سنہ اور نظام سینن	مذکورہ مضامین کے علاوہ :۔ نگندرا ناتھ باسو :۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۶۵ (۱۸۹۶ء) صفحہ ۳۸۔ ۶؛ بابو اکشئے کمار مترا :۔ ایضاً جلد ۶۹

(۱۹۰۰ء) صفحہ ۶۱؛ کیلہارن :۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۹ (۱۸۹۰ء) صفحہ ۶؛ ایپی گریفیا انڈکا جلد اول صفحہ ۳۰۶؛ بیورج :۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۵۷ (۱۸۸۸ء) صفحہ ۱۔ ۷؛ آر۔ ڈی۔ بندھوپادھیا :۔ "مدھائینگر گرانٹ آف لچھمن سین" جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی جلد ۵ (سلسلہ نو) ۱۹۰۹ء صفحہ ۴۶۷؛

خاندان سین کے زمانے کا علم ادب	منوموہن چکراورتی :۔ "پون دوتم۔ یا ہوائی پیغام بائی دھوئیک۔ اے کورٹ پوئٹ اور لچھمن سین کنگ آف بنگال" جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے ایس بی (سلسلہ نو)

جلد اول (۱۹۰۵ء) صفحہ ۴۱؛ "سپلیمنٹری نوٹس آن دی بنگال پوئٹ دھوئیک اینڈ دی سین کنگس" ایضاً جلد ۲ (۱۹۰۶ء) صفحہ ۱۵؛ "سنسکرت لٹریچر ان بنگال ڈیورنگ دی سین رول" ایضاً صفحہ ۱۵۷؛

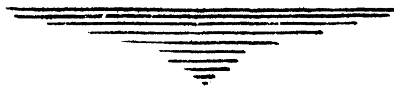
چوڑ گنگا اور جیا سین ان میں تطابق سینن	منوموہن چکراورتی :۔ "کرونالوجی آف دی ایسٹرن گنگا کنگس آف اڑیسہ" جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصۂ اول جلد ۷۲ (۱۹۰۳ء) صفحہ ۱۴۔ اس میں آنند بھٹ کی کتاب

"دلال چرت" کا حوالہ دیا گیا ہے؛

راگھو کے لئے دیکھو منموہن چکراورتی:- جے اینڈ پروسیڈنگس
اے۔ ایس۔ بی۔ (سلسلہ نو) جلد اول صفحہ ۹ ۴ ؛ نانیا کے لئے ملاحظہ ہو:-
سلوین لیوی کی کتاب "لی نیپال" جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ ؛ کیلہارن:- ایپی گریفیا
انڈکا جلد اول صفحہ ۳۱۳ - حاشیہ ۵۷ ؛ ویر نامی آسام کے بادشاہوں کے لئے
دیکھو:- گیٹ:- "رپورٹ آن دی پراگرس آف ہسٹاریکل ریسرچ ان آسام"
شیلانگ ۱۸۹۷ء صفحہ ۱۱ و ۱۹ ؛

سین خاندان کا پرانا صدر مقام۔	نگندرا ناتھ باسو:- "آرکی آلوجیکل سروے آف میور بھنج" شائع کردہ ریاست میور بھنج (۱۹۱۱ء) صفحہ ۱۲۲ ؛
برہمکشتر کے معنے	ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر "گہلٹ" جے۔ اینڈ پروسیڈنگس اے۔ ایس۔ بی۔ (سلسلہ نو) جلد ۵ (۱۹۰۹ء)

صفحہ ۱۸۷ - ۱۶۷ ؛ خصوصاً صفحہ ۱۸۶ - یہ ایک نہایت قابل قدر اور
اچھوتا مضمون ہے ؛



باب پانزدہم

دکن کی سلطنتیں

دکن

دکن کی اصطلاح یا لفظ کا اطلاق دریائے نربدا (نربدا) کے جنوب کے تمام حصۂ ملک پر ہو سکتا ہے۔ اور چنانچہ بعض اوقات ایسا کیا بھی جاتا ہے۔ لیکن بالعموم اس سے ایک محدود علاقہ مراد لی جاتی ہے جس میں مالابار اور تامل قوم کے ممالک شامل نہیں ہیں۔ اس طرح محدود ہو جانے کے بعد اس اصطلاح کا اطلاق صرف اس حصۂ ملک پر ہوتا ہے جس میں تلنگی بولنے والے لوگ آباد ہیں۔ اور اس میں مہاراشٹر کے ملک کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ میسور کے بعض حکمراں خاندان کا حال جن کا تعلق انتہائے جنوب سے اتنا نہیں جتنا کہ دکن سے آسانی کے لیئے اس باب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ موجودہ سیاسی تقسیم کے لحاظ سے دکن کا علاقہ اپنے محدود معنوں میں زیادہ نواب نظام الملک کے ممالک محروسہ میں شامل ہے۔

آب و ہوا کے لحاظ سے یہ ملک بہ ہیئت مجموعی ایک خشک اور کوہستانی سطح مرتفع ہے جس کو دو بڑے دریا گوداوری اور کرشنا سیراب کرتے ہیں۔ اور جنوب میں پہنچ کر موخر الذکر کے ساتھ اس کا معاون دریا تنگبدرا مل جاتا ہے۔

سنہ ۲۲۵-۵۵ء تاریخ بالکل تاریکی میں ہے۔

اس حصۂ ملک میں ساڑھے چار صدی یعنے سنہ ۲۲۵ء تک خاندان اندھرا جس کی تاریخ آٹھویں باب میں بیان کی جا چکی ہے حکمران رہا۔ پروفیسر آر۔ جی بھنڈارکر نے سنہ ۱۸۹۶ء میں اپنی

کتاب لکھتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ اندھر خاندان کے خاتمے کے بعد تین سو برس تک "ہم کو ان خاندانوں کا کچھ حال معلوم نہیں جو اس ملک میں برسر حکومت تھے"۔ اگرچہ اس وقت کے بعد اب تک اس سطح مرتفع کے جنوبی حصے کے حکمرانوں اور خاص کر خاندان کدمب (جو تیسری اور چھٹی عیسوی کے درمیان کنڑ اور میسور کے شمالی اضلاع پر حکمراں تھا) کا مزید حال معلوم ہو گیا ہے لیکن ماہرین آثار قدیمہ نے جو کچھ پتا لگایا ہے اس کو اس کتاب میں بالتفصیل بیان کیا جائے گا۔ اس علاقہ کا مغربی حصّہ یعنے مہاراشٹر معلوم ہوتا ہے کہ راشٹر کوت یا رٹ قوم کے راجاؤں کے زیر نگین تھا۔ یہی قوم تھی جو ایک مدت دراز کے بعد آٹھویں صدی کے درمیان میں تھوڑے زمانے کے لیئے تمام دکن پر حکمراں ہوئی[1]۔

چلکیا خاندان کا عروج

پہلے کی طرح اب بھی یہ کہنا بالکل حقیقت پر مبنی ہے دکن کی سیاسی تاریخ چھٹی صدی عیسوی کے درمیان میں خاندان چلکیا کے عروج سے شروع ہوتی ہے۔ اس خاندان کا دعویٰ تھا کہ ان کی ابتدا ر شمالی ہند کے راجپوتوں سے ہوئی تھی جنھوں نے دکن کی سطح مرتفع کے دراوڑ باشندوں پر جو چلکیا خاندان کے عروج سے پہلے ہی شمال کے آریہ خیالات و اوضاع و اطوار میں رنگے جانے شروع ہو گئے تھے اپنا تسلط جما لیا تھا[2]۔ چلکیا خاندان

[1] خاندان کدمب کے لیئے دیکھو:۔ رائس کی کتاب "میسور اینڈ کرگ فرام دی انسکرپشنز" (لنڈن۔ کانسٹبل اینڈ کو ۱۹۰۹ء)۔ نواب نظام الملک کے علاقے میں آثار قدیمہ کی تحقیقات کا کام بہت ہی کم ہوا ہے۔ مگر میسور میں ایک نہایت قابل عملہ اس کام کے لیئے مقرر ہے۔ جس کا افسر پہلے مسٹر رائس اور اب مسٹر آر۔ نرسمہیا ہے۔

[2] جہاں کہیں کہ بالخصوص بیان کر دیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ یہ تمام باب ڈاکٹر فلیٹ کی "ڈائنسٹیز آف دی کنریز ڈسٹرکٹ" اور پروفیسر آر۔ جی۔ بھنڈارکر کی "ارلی ہسٹری آف دی دکن" (بمبئی گزیٹیر۔ ۱۸۹۶ء) جلد اول حصۂ اول) کی طبع دوم پر مبنی ہے

کے آخری زمانے کے کتبات، جن میں ان کا تعلق اجودھیا سے ثابت کرنے اور ایک خاص شجرۂ نسب کے اختراع کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاریخی حیثیت سے بالکل بے کار ہیں۔ یہ باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ چلکیا یا سولنکی قوم چاپ کے قرابت دار تھے اور اس طرح ان کا تعلق گرجروں کے قبیلے سے تھا کیونکہ چاپ اسی کی ایک شاخ تھے۔ اور یہ بھی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ وہ نقل مکان کر کے راجپوتانہ سے دکن میں آکر آباد ہو گئے ہوں۔

۵۵۰ء پلکیسن اوّل اس خاندان کی بنیاد ایک سردار پلکیسن اول نامی نے ڈالی۔ اور تقریباً ۵۵۰ء میں واتاپی یعنے ضلع بیجاپور میں موجودہ بادامی کے مقام پر قابض ہو کر ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی۔ مگر وہ اور زیادہ وسیع سلطنت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اشومیدھ کی رسم ادا کر کے حاکم اعلیٰ ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اصلی اسناد کے حوالے ان دونوں کتابوں میں بالتفصیل ملیں گے۔ پروفیسر کیلہارن کے "سپلمنٹ ٹو دی لسٹ آف انسکرپشنز آف سدرن انڈیا" (اپی گریفیا انڈکا جلد ۸ ضمیمہ ۲) میں خاندانوں کی بہترین فہرستیں اور جنوری ۱۹۰۸ء تک کتبات کے مطالعہ کے بہترین نتائج جمع کر دئے ہیں۔ پلکیسن اور دوسرے بہت سے اشخاص کے نام جن کا ذکر آگے آئے گا مختلف قسم کے ہیں اور ان کے طریق تحریر میں بھی اختلاف ہے۔ یہ نام چاپ کے نسب نامے میں پایا جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر فلیٹ کو صرف یہی ایک ایسی مثال ملی ہے جہاں یہ نام چلکیا خاندان کے سوا اور کہیں بھی مستعمل ہوا ہو۔ اس امر سے مسٹر جیکسن کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ سولنکی یا چلکیا گرجر کے ہم قوم تھے۔ کیونکہ چاپ قوم ان ہی (گرجر) کی ایک شاخ تھی (بمبئی گزٹیر ۱۸۹۶ء جلد اول حصۂ اول صفحہ ۱۲۷ حاشیہ ۲ صفحہ ۱۳۳ وصفحہ ۴۶۳ حاشیہ ۲ وصفحہ ۴۶۷) کو

کیرتی ورمن اور منگلیس

اس کے دو بیٹوں کیرتی ورمن اور منگلیس نے خاندان کی سلطنت کو مشرق و مغرب کی طرف وسیع کیا۔ موخرالذکر نے جن اقوام و قبائل کو کم و بیش زیرنگین کیا ان میں کونکن (یعنے ساحل سمندر کا وہ حصہ جو مغربی گھاٹ اور سمندر کے درمیان واقع ہے) کے موریا بھی شامل تھے۔ جو ممکن ہے کہ قدیم موریا خاندان کی اولاد ہوں ؛

۶۰۸ء پلکیسن دوم

منگلیس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اور کیرتی ورمن کے ایک بیٹے میں جانشینی کے متعلق جھگڑا ہوا موخرالذکر اپنے حریف پر غالب آیا۔ اور واتاپی کے تخت پر ۶۰۸ء میں پلکیسن کے نام سے تخت پر بیٹھا اور آئندہ سال اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کی گئی۔ بیس برس یا اس سے کچھ زیادہ مدت تک اس قابل راجہ نے اپنی تمام ہمسایہ سلطنتوں کے مقابلے میں جارحانہ جنگ جاری رکھی۔ مغرب وشمال کی جانب لات یا جنوبی گجرات۔ گرجریا شمالی گجرات اور راجپوتانہ مالوا اور کونکن کے موریا قبیلے کو پلکیسن کی جارحانہ کارروائیوں سے مغلوب ہونا پڑا ؛

۶۰۹ء ونگی کی فتح

مشرق میں اس نے دریائے کرشنا اور گوداوری کے درمیانی علاقہ ونگی پر قبضہ کیا اور ۶۰۹ء میں اپنے بھائی کبج وشنو وردھن کو وہاں نائب السلطنت مقرر کیا۔ اس کا صدر مقام پشٹپور جو آج کل ضلع گوداوری میں پتھاپورم کے نام سے موجود ہے بنایا گیا[۱]۔ اس کے چند سال بعد تقریباً ۶۱۵ء میں یہ شہزادہ خودمختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اور مشرقی خاندان چلکیا کا جو ۱۰۷۰ء تک قائم رہا بانی ہوا۔ یہ خاندان بالآخر خاندان چول میں ضم ہو گیا ؛

جنوبی جنگیں

جنوبی ہند کے تمام خاندان چول۔ پانڈیا۔ کرل۔ یہاں تک کہ پلو خاندان چلکیا کے اس اولوالعزم

[۱] "رپورٹ آن اپی گریفی" مدراس۔ جی۔ او۔ نمبر ۵۷۴ جولائی ۱۷ ء ۱۹۰۸ء ؛

راجہ کی وجہ سے لڑائی پر مجبور ہوئے۔ اور یہ یقینی ہے کہ سعد کے ساتھ قائم نربدا کے جنوب کے تمام جزیرہ نما میں سب سے زیادہ ڈاک ہو گئے ؎ راجہ تھا؛

۶۲۰ء ہرش کی پسپائی۔ ونگی کی فتح کے تقریباً دس برس بعد اس نے شمالی ہند کے راجہ ادھیراجہ ہرش کے ایک حملے کو جس میں راجہ بذات خود شامل تھا کامیابی سے پسپا کیا۔ شمالی ہند کا یہ راجہ تمام ہند کو ایک چھتر کے نیچے جمع کرنا چاہتا تھا۔ مگر پلکیسن کی ہوشیاری اور فوجی قابلیت کے سامنے اس کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور اب دریائے نربدا ان دو سلطنتوں میں حد فاصل قرار پا گیا؛

۶۲۵ء ایران کے ساتھ تعلقات دکن کے اس راجہ کی شہرت ہندوستان کے باہر پہنچی اور ایران کے شاہنشاہ خسرو دوم نے بھی اس کا نام سنا۔ چنانچہ اس شاہنشاہ کی چھتیسویں سنہ جلوس یعنے ۶-۶۲۵ء میں پلکیسن دوم کی ایک سفارت اس کے دربار میں آئی[۱]۔ اس کے بدلے میں ایک سفارت ایران سے ہندوستان بھیجی گئی۔ اور ہندی دربار میں کماحقہ اس کی خاطر و مدارات بھی ہوئی۔ اجنٹا کے غار نمبر (۱) میں استر کاری کے ایک بڑی تصویر میں جواب

---

[۱] اس بات کی سند مسلمان مورخ طبری ہے جس کا مسٹر فرگوسن نے اپنے مضمون جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اپریل ۱۸۷۹ء میں ترجمہ اور اس کی عبارت کو نقل کیا ہے۔ اور دیکھو برگس :- "نوٹس آن دی بدھا ٹمپلز آف اجنٹا" (آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا نمبر ۹ بمبئی ۱۸۹۷ء) صفحہ ۹۲-۹۰+ اجنٹا کی استر کاری کی نقاشی کے لئے دیکھو مذکورہ بالا کتاب کی لوح ۴۔ اور جے۔ اے۔ ایس۔ بی حصہ اول جلد ۴۷ (۱۸۷۸ء) کی لوح ۲ و ۳ و ۴۔ اجنٹا کی نقاشی کی انڈیا آفس کی اٹلس۔ اور "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" صفحہ ۲۹۰ شکل ۲۱۰؛

بدقسمتی سے خراب ہوگئی ہے اب بھی ایرانی سفیر کے ہندی بادشاہ کے سامنے اپنے وکالت نامے کے پیش کرنے کا منظر اور اس کی رسوم دیکھی جاسکتی ہیں ؎

اجنٹا کی نقاشی

یہ تصویر ہندوستان اور ایران میں باہمی گہرے تعلقات کے ایک پرتو ہونے کے علاوہ ہندوستان کی فنون لطیفہ کی تاریخ میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اس سے نہ صرف اجنٹا کی بہت سی تصاویر کی تاریخ معین ہوتی ہے اور اس طرح اُس کے معیار کو اختیار کرکے دوسری تصاویر کی تاریخ کے تعین میں بھی مدد ملتی ہے۔ بلکہ اس بات کے امکان کو بھی پیش کرتی ہے کہ ممکن ہے کہ اجنٹا کی مصوّری براہ راست ایران اور اس طرح یونان قدیم کے فن کی تقلید سے پیدا ہوئی ہو[1] ؎

۶۴۲ء ہیون سانگ کی آمد۔

جب ۶۴۱ء میں ہیون سانگ پلکیسن دوم کے دربار میں آیا تو اس نے اجنٹا کے غاروں کی کماحقہ تعریف کی۔ اس وقت راجہ کا صدر مقام واتاپی نہ تھا۔ بلکہ ایک اور شہر تھا جس کو اب ناسک بتلایا جاتا ہے۔ جاتری کے دل پر پلکیسن دوم کی فوجی قوت کا گہرا اثر پڑا۔ خود اس کی رعایا بھی بدل وجان اس کی مطیع و منقاد تھی ؎

۶۴۲ء پلّو کے ہاتھوں پلکیسن دوم کی شکست۔

مگر پلکیسن کی خوشحالی اور خوش قسمتی کا زمانہ ختم ہوچکا تھا ۶۴۲ء میں طولانی جنگ کا (جو ۶۰۹ء سے برابر کانچی کے پلّو خاندان کے لئے متواتر مضرت رساں ثابت ہورہی تھی) رنگ پلٹا۔ اور اس کا نتیجہ پلکیسن کی تباہی اور موت ہوا۔ پلّو راجہ نرسمہورمن نے اس کے دارالسلطنت کو فتح کرکے لوٹا۔ اور غالباً اُسے قتل کردیا۔ اس کے بعد تیرہ برس تک

[1] دیکھو "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" صفحہ ۳۰۸ ؎

چلکیا خاندان کا اقتدار جس کو پلکیسن نے اس قدر جدوجہد کے ساتھ قائم کیا تھا معرض "التوا" میں پڑا رہا۔ اور پلَو تمام جنوبی ہند کے مالک ہو گئے۔

۶۵۵ء بکرماجیت اوّل

۶۵۵ء میں پلکیسن کے ایک بیٹے بکرماجیت اول نے اپنے خاندان کی سلطنت کو نئے سرے سے آراستہ کیا۔ اور پلَو کو شکست فاش دینے کے بعد ان کے قلعبند شہر کانچی پر قبضہ کر لیا۔ اس جنوبی سلطنت کے ساتھ ایک مدت تک جنگ جاری رہی جس میں کبھی ایک فریق غالب رہتا تھا اور کبھی دوسرا۔ اس کے عہد حکومت میں خاندان چلکیا کی ایک شاخ نے گجرات میں اپنے قدم جمائے اور یہاں آیندہ صدی میں اس نے عربوں کا جان توڑ کے مقابلہ کیا۔

۷۴۰ء بکرماجیت دوم

اس کے بعد کے عہد حکومت کا سب سے زیادہ نمایاں واقعہ یہی خاندان پلَو کے ساتھ جنگ ہے۔ چنانچہ ۷۴۰ء کے قریب بکرماجیت دوم نے ان کے دارالسلطنت پر نئے سرے سے قبضہ کیا۔

۷۵۳ء راشٹرکوتوں کی فتح

آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان میں دنتی درگا نام ایک سردار نے جو قدیم اور بظاہر اصلی قوم راشٹرکوت سے تعلق رکھتا تھا شہرت و قوت حاصل کی اور بکرماجیت دوم کے بیٹے اور جانشین کیرتی ورمن دوم چلکیا کو مغلوب کیا۔ اس واقعہ کے بعد خاندان چلکیا کی اصلی شاخ معدوم ہو گئی۔ اور دکن کی بادشاہت راشٹرکوت کے ہاتھ میں آ گئی۔ چنانچہ آیندہ سوا دو صدی تک وہ وہاں کے بادشاہ ہوا کیے۔

۵۵۰-۷۵۰ء مذہبی حالت

واتاپی کے قدیم خاندان چلکیا کی حکومت کے دو صدی کے دوران میں ملک کے اندر مذہبی لحاظ سے زبردست تغیرات وقوع میں آرہے تھے۔ بدھ مذہب اگرچہ اس وقت بھی با اثر اور آبادی کے ایک بڑے حصہ میں قائم تھا لیکن

بتدریج اس میں زوال آرہا تھا اور وہ برہمنی ہندومت اور جین مذہب کے مقابلے میں معدوم ہوتا جاتا تھا۔ ہندومت میں بھی قربانی کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی تھی۔ اور اس پر بے شمار کتابیں اور رسالے تصنیف ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ پرانی شکل کا ہندومت عوام میں مقبول تھا۔ چنانچہ پرانوں کے دیوتا وشنو۔ شیو وغیرہ کے ناموں پر ہر جگہ مندر تعمیر ہو رہے تھے۔ جو اس اجڑی حالت میں بھی اس زمانے کے راجاؤں کی شان و شوکت کی یادگار ہیں۔ اسی زمانے میں راسخ الاعتقاد ہندوؤں نے بدھ اور جین مذہب والوں سے غاروں میں مندر کھودنے کا فن سیکھا۔ اس قسم کا قدیم ترین مندر چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں منگلیس چلکیا نے بادامی کے مقام پر وشنو کے نام پر بنایا تھا۔ مرہٹوں کے ملک کے جنوبی حصے میں جین مذہب بالخصوص عوام الناس میں مقبول تھا۔ اس کے علاوہ آٹھویں صدی کے دوران میں زردشتی مذہب بھی ہندوستان میں مروج ہوا۔ خراسان کے جلاوطن پارسیوں کی پہلی آبادی ۷۳۵ء میں احاطۂ بمبئی کے ضلع تھانہ کے مقام سنجان پر قائم ہوئی۔[1]

تقریباً ۷۶۰ء
کرشنا اوّل

واتاپی کی فتح کے بعد دنتی درگا راشٹر کوٹ نے دوسری فتوحات بھی حاصل کیں۔ مگر کیونکہ عوام میں اس کی طرف سے ناراضی پھیل گئی اس لئے اس کے چچا کرشنا اول نے اُسے تخت سے اُتار دیا۔ اور خود اس نے راشٹر کوٹ کے قوم کی بادشاہت قدیم چلکیا کے علاقے میں مستحکم کر دی۔

کیلاس کا مندر

کرشنا اول کا عہد حکومت اس وجہ سے خاص کر مشہور ہے کہ اس کے زمانے میں کیلاس کا مندر الورا

[1] انڈین انٹی کویری ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۷۴

(شمالی عرض بلد ۲۰-۱۶- مشرقی طول بلد ۵-۷-۱۰) میں ایک چٹان میں تراشا گیا۔ جس کو ہندوستان کی فن تعمیر کی تاریخ میں ایک عجیب وغریب واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی مندر سنگی عمارتوں میں سب سے زیادہ ممتاز اور قابل قدر ہے۔ اس کو بہت سے مصنفین نے مع تصویروں کے بالتفصیل بیان کیا ہے۔ اور ان سب میں ڈاکٹر برگس اور مسٹر فرگوسن سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں[۱]۔

گوبند دوم اور دھرو

کرشنا کا جانشین اس کا بیٹا گوبند دوم ہوا۔ جو ایک مختصر سی حکومت کے بعد غالباً تخت سے بے دخل کر دیا گیا اور اس کا بھائی دھرو تخت وتاج کا مالک بن گیا۔ یہ ایک لائق اور جنگجو بادشاہ تھا۔ اور اس نے نزاعی جنگوں کو جو ہندوستانی راجاؤں کو اس قدر عزیز ہوتی ہیں کامیابی کے ساتھ جاری رکھا[۲]۔ اس کو بالخصوص بھنمال کے گرجر راجہ وتسراج کے شکست دینے پر بڑا فخر تھا۔ چنانچہ اس راجہ سے اس نے دو چھتر جن کو وتسراج نے گوڑ یا بنگال کے راجہ سے حاصل کیا تھا چھین لئے[۳]۔

تقریباً ۷۹۳-۸۱۵ء گوبند سوم

دھرو کا بیٹا گوبند سوم اس زبردست خاندان کا سب سے زیادہ قابل تعریف راجہ خیال کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کو شمال میں بندھیاچل اور مالوا تک اور جنوب میں کانچی تک وسیع کیا۔ اور کم از کم دریائے تنگبھدرا تک کا علاقہ براہ راست اس کے زیرنگیں تھا۔ اس نے اپنے بھائی

---

[۱] "کیو ٹمپلز" اور "آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا" جلد ۵۔ قدیم نام کی اصلی شکل ورُو را یا ایلا پور ہے۔

[۲] گوبند کا سنہ جلوس ۷۷۰ء اور ۷۷۹ء کے درمیان ہے (سکر سنہ ۷۰۱-۶۰۲ء) (پروگرس رپورٹ آرکی آلوجیکل سروے ویسٹرن انڈیا ۱۹۰۳-۱۹۰۴ء صفحہ ۶۰)۔

[۳] جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۹ء صفحہ ۲۲۵۔

اندراج کو لاٹ یا جنوبی گجرات میں نائب السلطنت (وائسرائے) مقرر کیا۔

تقریباً ۸۱۵-۸۷۷ء امو گھورش

اگلے بادشاہ امو گھورش نے باسٹھ برس حکومت کی۔ اور اس کے عہد کا طولانی زمانہ زیادہ تر دنگی کے مشرقی چلکیا راجاؤں کے ساتھ متواتر جنگ و جدل میں صرف ہوا۔ اس نے اپنا دارالسلطنت ناسک سے مانیا کھیت میں بدل دیا۔ اور یہی شہر ہے جس کو عرب مورخین مانکیر لکھتے ہیں اور جو آج کل مالکھیڈ کے نام سے نواب نظام الملک کی قلمرو میں موجود ہے (شمالی عرض بلد ۱۷°-۱۱ مشرقی طول بلد ۷۷°-۱۳) بڑھاپے میں یہ راجہ تخت سے دست بردار ہو گیا۔ اور باقی ماندہ زندگی کو ریاضت و عبادت میں بسر کیا۔ اس کا بیٹا کرشنا دوم اس کا جانشین ہوا۔ جینیوں کے دگمبر (یا ننگے) فرقہ کی امو گھورش نے فیاضی سے سرپرستی کی۔ نویں صدی کے آخر اور دسویں صدی کے شروع میں جن سین۔ گنبھدرا اور دیگر علماء کی سرپرستی میں جو ترقی جین مذہب کے اس فرقے کو حاصل ہوئی اس کو بدھ مذہب کے تنزل اور زوال کی ایک بڑی وجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ موخر الذکر رفتہ رفتہ اپنی قوت کو کھوتا رہا یہاں تک کہ بارھویں صدی عیسوی میں وہ دکن کے علاقے سے بالکل معدوم ہو گیا۔

۹۱۴-۱۶ء اندر سوم

اندر سوم نے مختصر عرصۂ حکومت (۹۱۴-۹۱۶ء) میں قنوج کے دور افتادہ مقام پر حملہ کیا اور کامیاب ہوا اور پنچال قوم کے راجہ مہی پال کو جو اس وقت شمالی ہند میں سب سے بڑا بادشاہ تھا تھوڑی مدت کے لئے تخت سے اتار دیا۔ اس جنگ کی وجہ سے سراشتر غالباً مہی پال کے قبضے سے نکل گیا۔ اور اس کے علاوہ

لہ دیولی کی لوحیں (اپی گرافیا انڈکا جلد ۵ صفحہ ۱۹۳)۔ ڈاکٹر فلیٹ نے غلطی سے مانیا کھیت کی تعمیر کو گووند سوم کے زمانے کا واقعہ تبلایا ہے۔

دوسرے مغربی صوبوں سے بھی جو اندر سوم کی تخت نشینی کے وقت اس کے زیر تصرف تھے اس کو دست بردار ہونا پڑا۔

۹۴۹ء چول راجہ کا قتل

کرشنا سوم راشٹر کوٹ کے زمانے کی جنگ چول خاندان کے ساتھ اس وجہ سے مشہور ہے کہ اس میں ۹۴۹ء میں چول خاندان کا راجہ راجادت میدان جنگ میں کام آیا تھا۔ اس زمانے کی جنگوں میں ہندو اور بدھ مذہبوں کی باہمی رقابت کی وجہ سے بہت کچھ وحشیانہ اطوار و طریقوں کی بنیاد پڑی تھی۔

۹۷۳ء چلکیا کی بحالی

راشٹر کوٹ کا آخری راجہ ککّ دوم تھا۔ جس کو قدیم خاندان چلکیا کے ایک فرد تیل یا تیلپ دوم نے ۹۷۳ء میں شکست دے کر مغلوب کیا۔ اپنے خاندان کی قدیم شان و شوکت کو نئے سرے سے قائم کیا۔ اور اس خاندان کا بانی ہوا جو کلیانی کے چلکیا خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا خاندان بھی اپنے قدیم ہمنام خاندان کی طرح سوا دو سو برس تک برسر حکومت رہا۔

راشٹر کوٹ کی فوقیت

آٹھویں صدی کے اوائل میں محمد ابن قاسم کے سندھ کو فتح کر لینے سے اس صوبے میں پورے طور پر اسلام کا سیاسی غلبہ قائم ہو گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ ہندوستان کی اصلی سرزمین اور اس صوبے میں "گم شدہ" دریائے ہکرا یا وہند حد فاصل تھا۔ اس دریا کے مشرق میں بھنمال کی گرجر ریاست نویں صدی کے شروع سے قنوج کے ساتھ متحد تھی۔ اور دریا کے مغربی کنارے کی اسلامی ریاست سے ہمیشہ برسر پیکار رہتی تھی۔ مگر اس کے برعکس راشٹر کوٹ راجاؤں نے معلوم کیا کہ ان کے مفاد کا ذریعہ کچھ اور ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے عربوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات برابر قائم رکھے۔ اور گرجروں کے ساتھ متواتر جنگ کرتے رہے۔ اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے مسلمان سوداگر اور سیاح

لہ کیمبے کی توجیہ (امپی گزیٹیا انڈکا جلد ۷ صفحہ ۳۶ - لسٹ نمبر ۱۹)۔

ہندوستان کے مغربی حصے میں وارد ہوئے۔ ان کا سلسلہ نویں صدی کے درمیان میں مسلمان تاجر سلیمان سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس نے اور اس کے بعد کے دوسرے سیاحوں نے اپنے حالات شائع کیے ہیں۔ یہ تمام لوگ اس امر میں متفق ہیں کہ "بلہرا" ہندوستان کا سب سے بڑا راجہ ہے۔ راشٹرکوٹ کے راجاؤں کو بلہرا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ ولبھ (یعنی محمود) کا لقب دیا کرتے تھے۔ اور یہ لفظ رائے کے ساتھ مل کر بآسانی "بلہرا" بن گیا تھا[1]۔ راشٹرکوٹ راجاؤں کی تعریف و توصیف مسلمان سیاحوں نے کی ہے جس کے وہ اپنے کارناموں کی وجہ سے ہر طرح مستحق ہیں۔ خواہ الورا کی صنعت بہترین ہو یا نہ ہو لیکن کیلاس کا مندر دنیا کی عجائبات میں شامل ہے۔ وہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر ہر قوم و ملت کو فخر اور بجا فخر ہو سکتا ہے[2]۔ اور اس سے اس بادشاہ کی عظمت و شوکت کا پورا پورا پتہ لگتا ہے جس کی سرپرستی میں وہ تعمیر کیا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مندر شاہی خرچ اور فیاضی کی بدولت تعمیر ہوئے اور سنسکرت علم ادب کی ہمت افزائی کی گئی۔

۹۹۵ء منج کا قتل خاندان چلکیا کے دوبارہ قائم کرنے والا راجہ تیل چوبیس برس تک حکمراں رہا۔ اور اس مدت میں اس نے اپنے خاندان کے تمام پرانے علاقے کو نئے سرے سے حاصل کر لیا۔

---

[1] ولبھ کا لقب یا خطاب جو جدا اور سری یا پرتھوی جیسے الفاظ کے ساتھ مل کر بھی استعمال ہوتا ہے۔ راشٹرکوتوں نے اپنے پیشرو خاندان چالکیا کی نقل میں اختیار کیا تھا۔ مسلمان مورخین ہندو راجاؤں کو "رائے" کہتے ہیں (بمبئی گزیٹیر ۱۸۹۶ء جلد اول حصہ دوم صفحہ ۲۰۹)۔ قدیم عرب جغرافیہ دانوں اور سندھ کے مورخوں کا ترجمہ ایلیٹ نے ہسٹری آف انڈیا جلد اول میں کیا ہے۔ سب سے پہلے پروفیسر بھنڈارکر نے بلہرا کے لفظ کا صحیح مفہوم ظاہر کیا تھا۔

[2] لیکن مسلمان شرک اور بت پرستی پر کبھی فخر نہیں کر سکتے اور اس سے ان کی بیزاری بجا اور قابل فخر ہے۔" (ناظر صاحب مذہبی)

نگر پھر بھی گجرات کا صوبہ اس کے ہاتھ نہ آیا۔ اس کا بہت سا وقت دھارا کے پوار (پرمار) راجہ کے برخلاف لڑنے میں گذرا۔ اور اس راجہ کا دعویٰ ہے کہ اس نے تیل کو چھ مرتبہ شکست فاش دی۔ مگر اپنی سلطنت کے آخری زمانے میں آخرکار تیل نے اپنی اگلی شکستوں کا بدلا لے لیا۔ اس کا دشمن دریائے گوداوری کو جو دونوں سلطنتوں کے درمیان حد فاصل تھا۔ عبور کرکے تیل کی حدود سلطنت میں داخل ہوا۔ مگر شکست کھائی اور قید ہوگیا۔ تھوڑی مدت تک تو اس کے مرتبے کے موافق اس کی بڑی خاطر و مدارات کی گئی۔ مگر جب ایک مرتبہ اس نے قید سے بھاگنے کی کوشش کی تو ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ اور در بدر بھیک منگوانے کے بعد اس کو قتل کردیا گیا۔ یہ تمام واقعات غالباً ۹۹۵ء میں ظہور پذیر ہوئے ؟

تقریباً ۱۰۰۰ء راج راجہ چول کا حملہ

اس کے دو سال بعد تیل مر گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ستیا سرایا راجہ ہوا۔ اس کے عہد حکومت کے دوران میں سلطنت چلکیا کو خاندان چول کے "راجہ راج" راجہ اعظم کے حملے کی وجہ سے سخت نقصان اور صدمہ اٹھانا پڑا۔ اس راجہ نے ایک لشکر عظیم کے ساتھ جس کی تعداد نو لاکھ بتائی جاتی ہے تمام ملک کو روند ڈالا۔ اور قتل و غارت کا اس قدر بیرحمی سے بازار گرم کیا کہ بچوں۔ عورتوں اور برہمنوں تک کو بھی اس ظالم کے پنجے سے نجات نہ ملی ؟

۱۰۵۲ء راجہ ادھراج چول کی وفات

۱۰۵۲ء میں سمیسور اول نے جو آہومل کے نام سے بھی مشہور ہے دریائے تنگبھدرا کے کنارے کپم کے مقام پر حکمران چول راجہ راجہ ادھیراج کو شکست دی۔ اور وہ اس جنگ میں جان سے مارا گیا۔[1] اس کے علاوہ سمیسور کا یہ بھی

---

[1] ڈاکٹر فلیٹ نے غالباً غلطی سے جنگ کپم کو ۲۰۔ جنوری ۱۰۶۰ء کا واقعہ قرار دیا ہے

دعویٰ ہے کہ اس نے مالوا کے علاقے میں دھارا اور جنوبی کانچی پر حملہ کر کے دونوں شہروں کو فتح کیا تھا۔ اور چیدی کے دلیر راجہ کرن کو شکست دی تھی ؏

۱۰۶۸ء سمیسور حلکیا کی خودکشی۔

۱۰۶۸ء میں سمیسور ایک مہلک قسم کے بخار میں مبتلا ہوا۔ اور جب اس کو اپنی جان سے بالکل مایوسی ہو گئی تو وہ شیو شیو کہ کے تنگبھدرا میں کود پڑا اور ڈوب کر مر گیا۔ ایسے حالات میں خودکشی کر لینا ہند و رسم و رواج کے بالکل موافق ہے۔ اور اس قسم کی اور مثالیں بھی ایسے راجاؤں کی دستیاب ہوتی ہیں۔ جنھوں نے اپنی زندگی کا خاتمہ اس طریقہ سے کر لیا تھا ؏

۱۰۷۶ء-۱۱۲۶ء بکرمانک کا عہد حکومت

بکرماجیت چہارم یا بکرمانک نے جو بلہن کی تاریخی نظم کا ہیرو ہے اپنے بھائی سمیسور دوم کو تخت سے بے دخل کر دیا اور ۱۰۷۶ء میں تخت و تاج کا مالک ہو گیا۔ اس نے نصف صدی تک امن و امان سے حکومت کی۔ مگر اس امن میں بھی بعض دفعہ رخنہ پڑ ہی جاتا تھا۔ اس کے متعلق مذکور ہے کہ اس نے جنوب میں کانچی کو فتح کیا۔ اور حکومت کے آخری حصے میں میسور کے شہر دور سمدر کے خاندان ہیوسل کے راجہ وشنوبہ کے ساتھ ایک سخت تیز و تند جنگ میں مبتلا ہو گیا۔ بکرمانک کی نظر میں اس کے کارنامے ایسے وقیع تھے کہ اس نے ایک نئے سنہ کے آغاز کرنے میں اپنے آپ کو ہمہ وجوہ مستحق سمجھا۔ چنانچہ اس کا سنہ ۱۰۷۶ء سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی کے نام پر مشہور ہے۔ مگر وہ عوام میں کبھی مقبول نہیں ہوا۔ اس کا دارالسلطنت کلیان یا ممالک محروسہ حیدرآباد دکن میں آج کل کا کلیانی شہر تھا۔ جس کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- (ڈاکٹر ریز ڈائنسٹی صفحہ ۱۸۴) ۱۰۵۲ء کی تاریخ پروفیسر کیلہارن نے دریافت کی ہے۔ کپم سے مراد بظاہر تنگبھدرا کے کنارے کا گاؤں ہے نہ کہ دریائے پالار کا اسی نام کا گاؤں ؏

سمیسور اول نے آباد کیا تھا۔ یہیں پر مشہور معروف قانون داں وجنانیسور کا وطن تھا۔ اور اسی کی کتاب متاکشرا بنگال سے باہر ہندو قانون کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔

سنہ ۱۱۵۶ء بجّل کا غصب

بکرما نک کی وفات کے بعد خاندان چالکیا کی طاقت میں زوال آنا شروع ہوگیا۔ اور سنہ ۶۲-۱۱۵۶ء کے درمیان یعنے راجہ تیل سوم کے عہد حکومت میں سپہ سالار افواج بجّل یا وجّن کلچریا نے بغاوت کی اور تمام سلطنت پر متصرف ہوگیا۔ چنانچہ سنہ ۱۱۸۳ء تک وہ اور اس کے بیٹے اس پر حکمراں رہے۔ مگر اس سنہ میں خاندان چالکیا کے ایک شہزادے سمیسور چہارم نے بجّل کے جانشینوں سے ملک کا ایک حصہ ازسرنو حاصل کرلیا۔ مگر وہ ہمسایہ سلطنتوں کے حملوں کو روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اور چند ہی سال کے عرصہ میں اس کی سلطنت کا بڑا حصہ مغرب میں دیوگری کے خاندان یادو اور جنوب میں دورسمدر کے خاندان ہیوسل کی سلطنتوں میں ضم ہوگیا۔

سنہ ۱۱۹۰ء خاندان چالکیا کا خاتمہ

کہا جاسکتا ہے کہ کلیان کے خاندان چالکیا کا خاتمہ سنہ ۱۱۹۰ء میں ہوگیا۔ اور اس کے بعد یہ راجہ محض مقامی سرداروں کی حیثیت سے رہ گئے۔

سنہ ۱۱۶۷ء فرقۂ لنگائت

غاصب بجّل کا عہد حکومت نہایت مختصر تھا۔ اور وہ سنہ ۱۱۶۷ء میں تخت و تاج سے دست بردار ہوگیا۔ مگر اسی مختصر سے زمانے میں ایک مذہبی انقلاب واقع ہوا جس سے شیو کے مذہب نے دوبارہ زندگی پائی، اور ایک نیا فرقہ قائم ہوا جس کا نام ویرسیوس یا لنگائت ہے اور جو اس وقت تک پورے زوروں پر قائم ہے۔ بجّل مذہباً جین تھا۔ اور روایت کا ایک پہلو یہ نکلتا ہے کہ اس نے فرقۂ لنگایت کے دو ولیوں کو بلاوجہ اندھا کردیا۔ اور اس کے بدلے میں سنہ ۱۱۶۷ء میں وہ خود قتل کیا گیا۔ اس کے بعد جیسا کہ بالعموم ہمیشہ ہوتا آیا ہے ان دونوں ولیوں کی خونریزی سے اس نئے مذہبی فرقے کی بنیاد پڑی جس کو بجّل کے برہمن وزیر بسو نے

قائم کیا تھا۔ مگر دوسری روایات میں یہ حکایت بالکل مختلف طور سے بیان کی گئی ہے۔ اور حقیقت پر ایسا گہرا پردہ پڑ گیا ہے کہ اصلی بات کا ظاہر ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے بالعموم کنڑی زبان بولنے والے اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ شیو کو مبدء حیات کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ اور اس کی پرستش کرتے ہیں۔ ویدوں کو قبول نہیں کرتے۔ اواگون (تناسخ) کے منکر ہیں۔ بچپن کی شادی سے محترز رہنا چاہتے ہیں۔ بیواؤں کی شادی پر زور دیتے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ اُن کے مذہب کا بانی ایک برہمن تھا۔ برہمنوں سے سخت متنفر ہیں ؎

بدھ اور جین مذاہب کا زوال و انحطاط

یہ نئے مذہبی فرقے جن میں وہ تجارت پیشہ لوگ بکثرت شامل ہو گئے تھے جن کی وجہ سے اس وقت تک جین اور بدھ مذاہب کو تھوڑی بہت قوت حاصل تھی۔ مقدم الذکر مذہب کی ترقی اور توسیع میں سدراہ ہوئے۔ بدھ مذہب کی بھی دم شماری ہو رہی تھی۔ چنانچہ بارھویں صدی کے نصف کے بعد دکن میں اس کے وجود کا پتا شاذ و نادر ہی لگتا ہے[1] ؎

دور سمدر کا خاندان ہیوسل

بارھویں اور تیرھویں صدی کے دوران میں ہیوسل یا ہیوسل خاندان یا قبیلے کے سرداروں نے میسور کے ملک میں بہت طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس خاندان کے شروع کے بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ بتی دیو یا بتنگ (تقریباً ۱۱۱۱ء تا ۱۱۴۱ء) تھا۔ اس نے اپنا دارالسلطنت دور سمدر موجودہ ہلیبڈ کو مقرر کیا۔ جہاں وہ مشہور و معروف مندر واقع ہے جس کو دیکھ کر مسٹر فرگیوسن خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اس کی حکومت کے اوائل میں اس کے وزیر گنگراج کے زیر حمایت جین مت کا

---

[1] آچار سار میں بدھ مذہب کی طرف بہت سے اشارے پائے جاتے ہیں "اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کنڑی زبان کے علاقے میں سک سنہ ۱۰۷۶ (سنہ ۱۱۵۴ء) میں بدھ کے ماننے والے بکثرت تھے" (پتھک۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۸۹) ؎

خوب بول بالا رہا۔ اور اس مذہب کے وہ مندر جن کو متعصب راسخ الاعتقاد چول حملہ آوروں نے برباد کر دیا تھا نئے سرے سے تعمیر کیئے گئے۔ مگر آخرکار مشہور مصلح رامانج کے زیر اثر آکر بادشاہ نے خود وشنو کا مذہب اختیار کرلیا۔ اور بلور اور ہلیبیڈ کی عالیشان عمارتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ اس نے اپنے نئے مذہب کی خدمت کس قدر دریادلی اور فیاضی سے کی تھی۔[1] تبدیل مذہب کے بعد اس نے اپنا نام وشنو وردھن یا وشنو مقرر کیا۔ اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور ہے۔ اپنے تذکروں میں وشنو نے بہت سی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے جنوبی ہند کے چول۔ چیر۔ اور پانڈیا خاندانوں کے راجاؤں کو شکست دی تھی۔ سنہ ۱۲۲۳ء کے قریب اس کے جانشین نرسمہ دوم نے جو اس وقت چول خاندان کے ساتھ متحد تھا درحقیقت ترچناپلی پر قبضہ کرلیا تھا[2]؂

ویر بلال

سنہ ۱۱۷۳-۱۲۲۰ء

وشنو کے پوتے ویر بلال نے اپنے طولانی عہد حکومت کے اثنا میں اپنی سلطنت کو میسور کے شمال تک وسعت دی۔ اس کو خصوصیت کے ساتھ اس بات پر فخر تھا کہ اس نے سنہ ۱۱۹۱-۲ء میں دیوگری کے خاندان یادو کے راجہ کو جس کی سلطنت شمال کی طرف واقع تھی شکست دی تھی۔ اس کی فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہوسل جنوبی ہند میں جس میں دکن کے جنوبی علاقے بھی شامل تھے

---

[1] فرگوسن اور میڈوز ٹیلر کی کتاب "آرکی ٹیکچر ان دھرواڑ اینڈ میسور" (مرے سنہ ۱۸۶۶ء)۔ وشنو کی حکومت اور عمارات کی تفصیل کے لیئے دیکھو مسٹر رائس کا مقدمہ ایپی گریفیا کرناٹکا جلد ۵ صفحہ ۱ اور خصوصاً صفحہ ۳۶۔ مسٹر ایس۔ کے۔ آئینگر نے خاندان ہیوسل کا نہایت عمدہ حال اپنے لکچر "دی میکنگ آف میسور" میں لکھا ہے۔ (مدراس سنہ ۱۹۰۵ء)۔ اور وہ انیشنٹ انڈیا میں دوبارہ شائع ہوگیا ہے؂

[2] ایپی گریفیا انڈکا جلد ۷ صفحہ ۱۶۲؂

سب سے بڑی طاقت ہوگئی ؀

۱۳۱۰ء خاندان ہیوسل کا خاتمہ

اس خاندان کی طاقت سنہ ۱۳۱۰ء تک برابر قائم رہی۔ مگر اس سنہ میں مسلمان سپہ سالار ملک کافور اور خواجہ حاجی ہیوسل کی سلطنت میں داخل ہوئے۔ ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ حکمراں راجہ کو گرفتار کیا اور اس کی دار السلطنت کو لوٹ لیا۔ اور آخر کار سنہ ۱۳۲۶ء یا ۱۳۲۷ء میں ایک اسلامی فوج نے اسے بالکل تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس کے چند سال بعد راجہ کے بیٹے کا ذکر بعد کی تاریخوں میں محض ایک مقامی راجہ کی حیثیت سے ہوتا ہے ؀

دیوگری کا خاندان یادو

دیوگری کے شاہان یادو سلطنت چلکیا کے باجگذار امراء کی اولاد میں سے تھے۔ وہ علاقہ جس پر وہ متصرف ہوگئے دیوگری (دولت آباد) اور ناسک کے درمیان واقع تھا اور اس زمانے میں سیون کہلاتا تھا۔ اس خاندان میں سے پہلا شخص جس نے کچھ سیاسی اہمیت حاصل کی تھی بِھلّم تھا۔ یہ سنہ ۱۱۹۱ء میں ہیوسل خاندان کے بادشاہ کے برخلاف لڑتا ہوا مارا گیا ؀

۱۲۱۰ء راجہ سنگھن

ان کا سب سے زیادہ زبردست راجہ سنگھن تھا جو سنہ ۱۲۱۰ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے گجرات وغیرہ ممالک پر فوج کشی کی۔ اور ایک ناپائدار سلطنت قائم کر لی جو وسعت میں چلکیا اور راشٹرکوٹ کی سلطنتوں کے ہم پلہ تھی ؀

۱۲۹۴ء سلطان علاءالدین کا حملہ

خاندان ہیوسل کی طرح یادو خاندان بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے تباہ ہوا۔ سنہ ۱۲۹۴ء میں جب دہلی کے سلطان علاءالدین نے دریائے نربدا کو جو سلطنت یادو کی شمالی حد تھا عبور کیا تو حکمراں راجہ رام چندر سے اس کے سوا اور کچھ نہ بن پڑی کہ اپنے آپ کو حملہ آور کے حوالے کر دے۔ اور بے شمار خزانہ دے کر جس میں کہا جاتا ہے کہ چھ سو من موتی۔ دو من ہیرے۔ لعل۔ زمرد اور نیلم وغیرہ شامل تھے اپنی جان بچائے ؀

۱۳۰۹ء ملک کافور سنہ ۱۳۰۹ء میں جب ملک کافور نے سلطان کے حملے کا اعادہ کیا تو پھر رامچندر ہر قسم کے مقابلے سے باز رہا۔ اور حملہ آور کی اطاعت قبول کر لی۔ وہ دکن کا آخری ہندو خود مختار راجہ تھا۔ دریائے کرشنا کے جنوب کے وسیع علاقوں میں سلطنت وجیانگر نے جو سنہ ۱۳۳۶ء میں قائم ہوئی سنہ ۱۵۶۵ء تک ہندوؤں کے آداب سلطنت کو نہایت آب و تاب سے جاری رکھا۔ اور انجام کار مسلمان بادشاہوں کے متحدانہ حملوں سے برباد ہو گئی؛

سنہ ۱۳۱۸ء خاندان یادو کا خاتمہ رامچندر کی وفات کے بعد اس کے داماد ہرپال نے غیر ملکیوں کے مقابلے کے لئے سنہ ۱۳۱۸ء میں ایک بغاوت برپا کی۔ مگر شکست کھائی۔ اس کی کھال اتارنے کے بعد اس کی عضو تراشی کی گئی۔ اور اس طرح آخر کار خاندان یادو کا خاتمہ ہو گیا[۱]؛

ہمادری یا ہماد پنت سنسکرت کا مشہور و معروف مصنف ہمادری جو بالعموم ہماد پنت کے نام سے مشہور ہے رامچندر اور اس کے پیشرو مہادیو کے عہد حکومت میں گذرا ہے۔ اس نے خاص کر اپنی توجہ ہندو مذہب کی رسوم اور دستور کے بیانات کو سلسلہ وار ایک جگہ جمع کر دینے پر خرچ کی۔ اور اسی بات کو مد نظر رکھ کر اس نے ہندوؤں کے قانون پر نہایت اہم کتابیں تالیف کیں۔ اسی کے متعلق اگرچہ غلطی سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سب سے پہلے مودی طرز تحریر کو لنکا سے لاکر اس ملک میں مروج کیا[۲]۔ اس نے اپنی ایک کتاب کے

---

[۱] خاندان ہیوسل کے متعلق سب سے نیا بیان رائس کی کتاب "میسور اینڈ کورگ فرام انسکرپشنز" سنہ ۱۹۰۹ء میں ملے گا؛

[۲] مودی طرز تحریر دراصل مشہور و معروف مرہٹہ سردار سیواجی کے سکرٹری بالاجی اوجی نے دریافت یا کم از کم مروج کیا۔ (ڈی۔ اے۔ گپتے۔ انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۰۵

مقدمے میں اپنے مربی کے خاندان کا نہایت قابل قدر تذکرہ قلمبند کیا ہے ؛

ضمیمہ

دکن کے بڑے بڑے شاہی خاندان[1]

الف ۔ واتاپی (بادامی) کے شاہان چلکیا سنہ ۵۵۰-۷۵۳ء

سلسلہ نمبر	نام	تخت نشینی کا قرین صحت سنہ	کتبوں سے معلوم شدہ سنین
	پلکیسن اول (ستیا سریا۔ رن بکرم ۔ ولبھ)	سنہ ۵۵۰ء	کتبات بالکل ناپید ہیں۔ (ولبھ کا خطاب یا لقب بعض دفعہ الگ اور بعض دفعہ دوسرے الفاظ مثلاً سری وغیرہ کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ صفحہ ۲۷ ۔ سر جی ۔ گیرسن نے اس کے حروف تہجی "لنگوسٹک سروے" جلد ۷ صفحہ ۲۰ میں نقل کیے ہیں ؛

[1] ان فہرستوں میں صرف بڑے بڑے خاندان کا ذکر ہے ۔ اور خاندان کی باقی شاخوں اور رشتہ داروں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ اس کتاب کی یہ فہرستیں ان فہرستوں سے ماخوذ ہیں جو پروفیسر کیلہارن نے ایپی گریفیا انڈکا کی جلد ۸ ضمیمہ ب (سنہ ۱۹۰۶ء) میں شائع کی تھیں ۔ ہر ایک خاندان کو اس کے اصلی بانی سے شروع کیا گیا ہے ۔ اور خیالی افراد کو بالکل ترک کر دیا گیا ہے ؛

نمبر شمار	نام	تخت نشینی کا قرین صحت سنہ	کتبوں سے معلوم شدہ سنین
۲	کیرتی ورمن (دلبھ۔ رن پراکرم وغیرہ)۔	سنہ ۵۶۶-۷ء	سنہ ۵۶۷ء
۳	منگلیس (دلبھ۔ رن وکرانت وغیرہ)	سنہ ۵۹۷-۸ء	سنہ ۶۰۱-۲ء
۴	پلکیسن دوم (دلبھ۔ ستیاسریا۔ وغیرہ)	سنہ ۶۰۸ء	سنہ ۶۱۲ء و سنہ ۶۳۴ء تاجپوشی سنہ ۶۰۹ء
		(سنہ ۶۴۲ء سے سنہ ۶۵۵ء تک وقفہ)	
۵	بکرماجیت اول (دلبھ۔ ستیاسریا۔ وغیرہ)	سنہ ۶۵۵ء	سنہ ۶۵۹ء
۶	ونیادت (ستیاسریا۔ دلبھ وغیرہ)	سنہ ۶۸۰ء	سنہ ۶۸۹ء و سنہ ۶۹۱ء و سنہ ۶۹۲ء و سنہ ۶۹۴ء
۷	وجیادت (ستیاسریا وغیرہ)	سنہ ۶۹۶ء	سنہ ۶۹۹ء و سنہ ۷۰۰ء و سنہ ۷۰۵ء و سنہ ۷۰۹ء
۸	بکرماجیت دوم ابنوارت وغیرہ)	سنہ ۷۳۳ء	سنہ ۷۳۵ء (؟)
۹	کیرتی ورمن دوم (نرپسمہراج۔ وغیرہ)	سنہ ۷۴۶ء	سنہ ۷۵۴ء و سنہ ۷۵۷ء (سنہ ۷۵۳ء میں راشٹرکوتوں کی فتوحات واقع ہوئیں۔ اور کیرتی ورمن محض ایک مقامی سردار رہ گیا)

ب۔ مانیاکھیت (مالکھیڑ) کے شاہان راشٹرکوٹ۔

سنہ ۷۵۳-۹۷۳ء

سلسلہ بیان	نام	تخت نشینی کا قرین صحت سنہ	کتبوں سے دریافت شدہ سنین
۱	دنتی درگا (کھدگا دلوگ وغیرہ)	سنہ ۷۵۳ء	سنہ ۷۵۳ء
۲	کرشنا اول (اکال ورش وغیرہ)	سنہ ۷۶۰ء	سنہ ۷۷۰ء (گوبندیو راجہ)
۳	گوبند دوم (پربھوت ورش وغیرہ)	سنہ ۷۷۵ء	سنہ ۷۷۹ء
۴	دھرو (نُرپم۔ سری ولبھ۔ یہ خطاب خاندان چلکیا سے لیا گیا تھا وغیرہ)۔	سنہ ۷۸۰ء	سنہ ۷۸۳ء (جینوں کی کتاب ہری ومس)
۵	گوبند سوم (پربھوت ورش وغیرہ)	سنہ ۷۹۳ء	سنہ ۷۹۴ و سنہ ۸۰۴ و سنہ ۸۰۸ و سنہ ۸۱۳۔
۶	اموگھ ورش اول (نرپ تنگ وغیرہ)	سنہ ۸۱۵ء	سنہ ۸۱۷-۸۷۷ء۔
۷	کرشنا دوم (کرشنا ولبھ وغیرہ)	سنہ ۸۸۰ء	سنہ ۹۰۲-۱۱ء
۸	اندر سوم (نتیا ورش وغیرہ)	سنہ ۹۱۲ء	سنہ ۹۱۴ء و سنہ ۹۱۶ء
۹	اموگھ ورش دوم	سنہ ۹۱۶-۷ء	ناپید
۱۰	گوبند چہارم (سورن ورش وغیرہ)	سنہ ۹۱۷ء	سنہ ۹۱۸-۳۳ء
۱۱	اموگھ ورش سوم (بدگ وغیرہ)	سنہ ۹۳۵ء	ناپید
۱۲	کرشنا سوم (کنّر وغیرہ)	سنہ ۹۴۰ء	سنہ ۹۴۰-۹۶۱ء
۱۳	کھٹگ (نتیا ورش وغیرہ)	سنہ ۹۶۵ء	سنہ ۹۷۱ء
۱۴	ککّ دوم (ککل وغیرہ)	سنہ ۹۷۲ء	سنہ ۹۷۲ء در سنہ ۹۷۲ء (خاندان چلکیا کا سنہ ۹۷۳ء میں تیل کے ہاتھوں احیاء)

ج۔ کلیانی (کلیان) کے شاہان چلکیہ۔ سنہ ۹۷۳-۱۱۹۰ء

نمبر شمار	نام	تخت نشینی کا قریب صحت سنہ	کتبوں سے دریافت شدہ سنین
۱	تیل دوم (تیلپ۔ آہوملّ وغیرہ)	سنہ ۹۷۳ء	سنہ ۹۹۳-۹۹۷ء
۲	سیتا سریا (ستیگ وغیرہ)	سنہ ۹۹۷ء	سنہ ۱۰۰۲ء و سنہ ۱۰۰۸ء
۳	بکرماجیت پنجم (تربھون مل)	سنہ ۱۰۰۹ء	سنہ ۱۰۰۹ء
۴	جیا سمہ دوم (جگدیک مل اول)	سنہ ۱۰۱۶ء	سنہ ۱۰۱۸ (؟) سے ۱۰۴۲ء تک
۵	سمیسور اول (اہومل وغیرہ)	سنہ ۱۰۴۲ء	سنہ ۱۰۴۴-۶۸ء
۶	سمیسور دوم (بھونائیک مل)	سنہ ۱۰۷۵ء	سنہ ۱۰۷۱-۵ء
۷	بکرماجیت چہارم (بکرمانک وغیرہ)	سنہ ۱۰۷۵-۷۶ء	سنہ ۱۰۷۷-۱۱۲۵ء
۸	سمیسور سوم (بھولک مل)	سنہ ۱۱۲۵-۲۶ء	سنہ ۱۱۲۸ء و سنہ ۱۱۳۰ء
۹	پرم جگدیک مل دوم	سنہ ۱۱۳۸	سنہ ۱۱۳۹ء و سنہ ۱۱۴۹ء
۱۰	تیل سوم (تیلپ۔ تریلوکیا مل وغیرہ)	سنہ ۱۱۴۹	سنہ ۱۱۵۴ء و سنہ ۱۱۵۵ء
۱۱	سمیسور چہارم (تربھون مل وغیرہ)	سنہ ۱۱۶۲	سنہ ۱۱۸۴ء و سنہ ۱۱۸۹ء (بجل کلچریا کا غصب سنہ ۱۱۵۶-۶۲ء میں سنہ ۱۱۶۷ء میں وہ تخت سے دست بردار ہوا۔ اور اس کی اولاد سنہ ۱۱۸۳ء تک سمیسور چہارم کے حریف رہی)؎

باب شانزدہم

جنوبی ہند کی سلطنتیں

حصّہ۔ الف

"تین سلطنتیں"

تامل قوم کا ملک جنوبی ہند اور دکن کی سطح مرتفع کے درمیان دریائے کرشنا اور تنگبھدرا حد فاصل ہیں۔ اس کی حیثیت اور تاریخ ہندوستان کے اور ممالک اور علاقوں سے بالکل جدا واقع ہوئی ہے۔ زمانۂ حال کی اصطلاح میں اگر ذکر کیا جائے تو اس وسیع علاقہ میں احاطۂ مدراس "شمالی سرکار" کے اضلاع وزیگاپٹم اور گنجام کو نکال کے۔ اور میسور۔ کوچن اور ٹراونکور کی دیسی ریاستیں شامل ہیں۔ یہ حصہ درحقیقت تامل قوم اور اس زبان کے بولنے والوں سے آباد ہے۔ اور اسی وجہ سے قدیم زمانے میں یہ تاملکم یعنے "تامل قوم کا ملک" کے نام سے مشہور تھا۔ قدیم ترین روایات کے بموجب تاملکم کی شمالی حد مدراس سے ذرا اوپر کی طرف مشرقی ساحل پر پلی کٹ تھی مغربی ساحل پر بدگر کے قریب سفید چٹان اور جنوب میں بھی واقع تھا۔ اور ان دونوں مقاموں کے درمیان سرحدی خط کوہ ونکٹ یاترپتی کے پاس سے جو مدراس کے شمال مشرق میں سو میل کے فاصلے پر واقع تھا گذرتا تھا۔ اور پھر بدگر سے جنوب کی طرف مائل ہوجاتا تھا[1]۔ بعد کی

[1] "دی تاملز اٹیٹین ہنڈرڈ ایرس ایگو" صفحہ ۱۰ و ۱۷

روایات کے موافق شمال مشرقی حد شمالی دریائے پنّار کے کنارے کے شہر نلور[۵۱] تک اور شمال مغربی حد منگلور کے جنوب میں دریائے چندر گری تک وسیع ہوگئی تھی[۵۲]۔ اس باب میں صرف تامل اقوام کی سلطنتوں اور خاندان ملوبیر بحث کی جائے گی۔ اس سے قبل پندرھویں باب میں میسور کے شاہی خاندانوں کا ذکر ہوچکا ہے۔ دکن کی سطح مرتفع کی سلطنتوں کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت گہرے تھے ؛

ٹولمی کا دمریکے یونانی جغرافیہ داں ٹولمی جس نے ۱۴۰ء میں اپنی کتاب تصنیف کی تھی جنوبی ہند سے بخوبی واقف تھا۔ وہ اس ملک کا نام دمریکے بتلاتا ہے۔ اور یہ لفظ تاملکم کی بگڑی ہوئی ایک اور صورت ہے۔ کیونکہ ل اور ر میں تبادلہ ہوسکتا ہے۔ مگر دو یونانی حروف (۸ ۵) میں اکثر التباس ہوجاتا ہے اس وجہ سے کتابی نسخوں میں وہ نام خراب ہوکے لمریکے پڑھ لیا گیا ہے[۵۳]۔ اس کے زمانے میں اس تمام وسیع علاقہ میں صرف ایک زبان یعنے تامل بولی جاتی تھی۔ ملایالم زبان جو اب مالابار میں بولی جاتی ہے چند صدی بعد تک اس قابل نہ ہوئی تھی کہ اس کو ایک جدا زبان کہا جاسکے۔ آبادی میں مختلف عناصر شامل تھے۔ مگران میں سے وِلَور یا تیر انداز (بھیل) اور ماہی گیر (شپاسس) سب سے زیادہ قدیم مانے جاتے ہیں۔ اور تامل قوم بظاہر بعد کے آئے ہوئے لوگ ہیں ؛

زمانۂ قدیم میں معاشرت کی حالت تامل زبان کی قدیم نظموں سے جو قابل ماہرین فن کے خیال کے مطابق سنہ عیسوی کی پہلی تین صدیوں میں

[۵۱] ایلیٹ :۔ "کائنز آف سدرن انڈیا" صفحہ ۱۰۸ ؛

[۵۲] دریائے چندراگری کریل اور تلو کے درمیان حد فاصل تھی ؛

[۵۳] ٹولمی :۔ باب ، فصل ، صفحہ ۸۵ ۔ بترجمہ میک کرنڈل انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۳۶۔ پیونٹنگیرین فہرستوں میں اس کا نام دمریکے بالکل درست لکھا ہے۔ (انڈین انٹی کویری جلد ۸ صفحہ ۱۴۴) ؛

لکھی گئی تھیں اس زمانے کی معاشرت کا بہت ہی اچھا ہوبہو نقشہ پیش نظر کرتی ہے۔ تامل قوم کی تہذیب و تمدن کی نشو و نما بالکل جداگانہ ہوئی تھی اور شمالی ہند کے تمدن پر اُس کی بنا نہ تھی۔ شمالی علاقے سے آئے ہوئے لوگوں نے جو مدرا وغیرہ کے شہروں میں آباد ہو گئے تھے یہ کوشش کی تھی یہاں بھی شمالی ہند کے ہندو رسوم اور ذات پات کے جھگڑوں کو مروج کریں۔ مگر ان کو سخت مخالفت کا سامنا ہوا چنانچہ ذات کا نظام جو اب ہند گزشتہ صدیوں سے جنوب میں اس قدر سختی سے مروج ہے اس زمانے میں نامکمل اور محض ابتدائی حالت میں تھا۔[1] عوام الناس کا مذہب "دیو پرستی" کی ایک صورت تھی اور یہی اب بھی دوسرے ناموں سے جنوب میں مروج ہے۔ مثلاً قدیم زمانے میں جنوبی ہند کی سب سے زبردست دیونی کُتّوئی یعنے "فاتح" تھی۔ اور اب اس نے ہندوؤں کے بتوں میں شیو کی بیوی اُما یا درگا کے نام سے جگہ حاصل کرلی ہے[2]۔

خوں خوار جنگیں تین زبردست سلطنتوں کے علاوہ جن کا ذکر عنقریب آئے گا۔ ایک سو بیس کے قریب ایسے سردار موجود تھے جو ملک میں کم و بیش خود مختاری کا دعویٰ رکھتے تھے۔ اور ہر وقت ایک دوسرے سے خونریز جنگ وجدال میں مشغول رہتے تھے۔ ان جنگوں کا ظلم و تشدد اس وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ جاتا تھا کہ طرفین اصلی باشندوں کو

---

[1] "دی تاملز اٹیین ہنڈرڈ ایرس ایگو" صفحہ ۳ و ۱۰ و ۳۹۔

[2] پوپ "اکسٹر کٹش فرام دی تامل پُرَپُورل وپنا مالیا اینڈ دی پُرَّ نانوزُ" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۸۹۹ء صفحہ ۲۴۲)۔ پوپ کا خیال جنوبی ہند کی نظموں کی قدامت کے متعلق اتنا دور تک پہنچا ہوا تھا۔ جتنا کہ جنوبی ہند کے علماء کا۔ لیکن بہرحال بعد کی تحقیقات سے قدیم تامل نظموں کا بہت ہی قدیم ہونا مسلم الثبوت ہو گیا ہے۔

فوج میں بھرتی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان ہی لوگوں کی اولاد مرور۔ کلر وغیرہ کے نام سے اب بھی موجود اور ملک میں فتنہ وفساد برپا کرنے کے لئے مشہور ہیں۔ ڈاکٹر پوپ کہتا ہے کہ "ان ہی برباد کن جنگوں کے نشان آج کل بھی ان ویران قلعوں کی صورت میں نظر آتے ہیں جن کے کھنڈر اب بھی کہیں کہیں دکھائی دیے جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے معتبر زمانۂ تاریخی کے شروع ہونے کے وقت آبادی نسبتہً قلیل اور منتشر تھی"

مذہب اصلی باشندوں کا مذہب "دیو پرستی" جب شمالی ہند کے تین مذاہب یعنے برہمنی۔ جین اور بدھ مت کی زد میں آیا۔ تو وہ ان کا مقابلہ نہ کرسکا۔ اور اس کو مجبوراً ان زیادہ مہذب مذاہب کے پس پردہ ہٹ جانا پڑا

جین مذہب جین مذہب کی روایات کے مطابق اس مذہب کو شمالی ہند کے ان نقل مکان کرنے والوں نے جنوب میں پھیلایا جو چندر اگپتا موریا کے زمانے کے بارہ سال کے قحط سے تنگ آکر اپنا وطن ترک کرکے جنوب میں چلے آئے تھے۔ بعض اسناد کے بیان کے مطابق یہ ۳۰۹ق م کا واقعہ ہے۔ یہ اجنبی میسور کے علاقے میں سرون بلگول کے مقام پر آباد ہوگئے۔ اور یہیں پران کے مذہبی مقتدا بھدر باہو نے جین کے پسندیدہ قاعدے کے مطابق اپنے آپ کو بھوک سے ہلاک کیا۔ سرون بلگون کے جین آبادی کے موجودہ مذہبی پیشوا کو بھدر اباہو کے جانشین ہونے کا دعویٰ ہے۔ اور جنوبی ہند کے تمام جین اس کو اپنا مذہبی پیشوا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کرچکے ہیں یہ حکایت چندر اگپتا موریا کی زندگی کے آخری دنوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کو بعض نقاد تسلیم کرلیتے ہیں۔ اور بعض رد کردیتے ہیں۔ بہرحال چندر اگپتا موریا کی خودکشی کے متعلق خواہ کچھ ہی خیال کیوں نہ ہو۔ مگر جینوں کے اس نقل مکان کی روایات کو رد کرنے کے لئے کوئی کافی وجہ دستیاب نہیں ہوتی۔ یہی وہ نقل مکان ہے جس کے ذریعے سے جنوب میں

مہابیر کا مذہب بدھ مت کے مبلغوں یا واعظوں کے ظہور سے نصف صدی قبل مروج ہو گیا۔ راجہ اشوک کے پوتے سمپرتی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سہستن کے زیر اثر آکر اپنا مذہب تبدیل کیا۔ اور جنوب میں ایک جماعت جین مذہب کی اشاعت کے لئے روانہ کی۔ اور وہاں یہ مذہب اس قدر مقبول ہوا کہ مسٹر رائس یہ کہنے میں بالکل حق پر ہیں کہ سنہ ۱۰۰۰ء کے اندر میسور کے علاقہ میں یہی مذہب سب سے زیادہ مروج تھا۔ اور اس کے علاوہ اور علاقوں میں بھی یہ کم و بیش پھیل گیا۔ خاندان پانڈیا کی سلطنت میں جین مت کو ساتویں صدی عیسوی ہی میں زوال آگیا تھا۔ مگر وہ میسور اور دکن میں صدیوں بعد تک برابر زور و شور کے ساتھ جاری رہا۔

بودھ مت اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں کہ اس علاقہ میں بودھ مت کو روشناس کرانے کا کام مہاراجہ اشوک کے بھائی مہندر اور ان دوسرے مبلغین نے کیا جن کو اشوک نے اس طرف تیسری صدی قبل مسیح میں روانہ کیا تھا۔ اور اگرچہ آئندہ چند صدیوں میں اس نے مقبولیت عامہ حاصل کر لی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب کبھی بھی جنوب میں حکمراں مذہب کی حیثیت حاصل نہ کر سکا ساتویں صدی عیسوی میں اس کا زوال و انحطاط شروع ہو گیا تھا۔ اور جین مت اور ہندو مت بتدریج اس کی جگہ لے رہے تھے۔ اس صدی کے بعد موخر الذکر دونوں مذہبوں کی آپس میں کشمکش جاری تھی۔ اور بعض دفعہ یہ رقابت نہایت وحشیانہ صورت اختیار کر لیتی تھی۔ جنوبی ہند میں شروع شروع کے

سلہ جین مت کی تاریخی روایات اور اختلاف کے لئے دیکھو جیکوبی ایس۔ بی۔ ای۔ جلد ۲۲۔ اور اس کے علاوہ بے شمار مضامین جو انڈین انٹی کویری جلد ۲ و ۹ و ۱۱ و ۱۳ و ۱۷ و ۲۰ و ۲۱ میں ہارنلی اور دوسرے علماء کے لکھے ہوئے ملیں گے۔ دیکھو رائس کی کتاب "میسور اینڈ کرگ فرام دی انسکرپشنز"۔

زمانے میں بودھ مت نے ذات سے گلوخلاصی حاصل کرلی تھی۔ مگر برہمنی مذہب کے خیالات اور عقائد کا اثر ایسا گہرا تھا کہ آخرکار بودھ مت کو نیچا دیکھنا پڑا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا شمالی ہند سے کہیں زیادہ جنوب میں ذات کے متعلق تمام قواعد وضوابط پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس مقام پر ہم اس موضوع پر اور زیادہ تفصیل سے بحث نہیں کرسکتے۔ مگر بہرحال بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ تامل اور کنڑی زبانوں کے ممالک میں اس مذہبی کشمکش اور رقابت کے متعلق ایک نہایت دلچسپ کتاب کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔

غلامی نامعلوم تھی

کہا جاتا ہے کہ قدیم تامل قوم میں غلامی بالکل مفقود تھی۔ مگاس تھنیز کا یہ قول کہ "بڑی بات یہ تھی کہ تمام ہندی آزاد تھے۔ اور ہندوستان میں غلام بالکل نہ پائے جاتے تھے"[1] غالباً صرف جنوبی علاقہ کی خبروں ہی پر مبنی تھا۔ اور اس کو جلدی کرکے تمام ہندوستان پر عائد کردیا گیا تھا۔ اسی نے تمام آبادی کو ساٹ جماعتوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور وہ جماعتیں یہ ہیں:۔ (۱) فلسفی (۲) کاشتکار۔ (۳) گوالے۔ اور چرواہے (۴) صناع اور تجار (۵) فوج کے لوگ (۶) ناظرین۔ اور (۷) مشیر سلطنت۔ ان کا ہم مقابلہ ان "زبردست

پانچ زبردست مجلسیں

پانچ مجلسوں" سے کرسکتے ہیں جو شاہان قوم تامل کے اختیارات کو محدود کرتی تھیں۔ اور جن میں عوام الناس مذہبی پیشوا۔ منجم۔ اطبا۔ اور وزرا شامل تھے[2]۔

صلح و جنگ

قدیم تامل علم ادب میں جن ہولناک اور مہیب جنگوں کی کثرت اور وحشت کے تذکرے پائے جاتے ہیں ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم تامل سلطنتوں میں امن کے تمام فنون اور

---

[1] یہ بیان مالابار یا کریل کے متعلق صحیح نہیں ہے (ڈبوآ کی ہندو مینرس۔ کسٹمز اینڈ سیرمینیز" طبع سوم صفحہ ۵۶)۔

[2] دی تاملز ایٹین ہنڈرڈ ایرس اگو صفحہ ۱۰۸ و ۱۱۴۔

معاشرتی زندگی کی تمام خوبیاں بالکل عنقا ہوں گی۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ نظم اور دوسرے مہذب فنون نہایت اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے تھے۔ اور کم از کم شہر کے باشندوں کے لئے وہ تمام آرام و آسائش کے سامان مہیا تھے جن کو مال و دولت سے خریدا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر بھی مگاس تھنیز کے ایک بیان سے ہم کو اس ظاہری تضاد کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ باوجود متواتر جنگ و جدل کے تجارت اور زراعت پیشہ لوگوں کی نہایت خوشحال اور دولتمند جماعت وہاں موجود تھی۔ یونانی سفیر کہتا ہے:۔

"دوسری جماعت میں زراعت پیشہ لوگ شامل ہیں۔ تمام آبادی کا بڑا جزو یہی لوگ ہیں۔ اور طبیعت کے لحاظ سے یہ نہایت نرم مزاج اور بزدل واقع ہوئے ہیں۔ ان کو فوج میں داخل ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جاتا۔ مگر یہ لوگ بلاخوف و خطر اپنی زمینوں کی کاشت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ فسادات اور وہاں کے معاملات میں حصہ لینے کے لئے کبھی شہر میں نہیں جاتے۔ چنانچہ اسی وجہ سے اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ملک کے ایک حصہ میں ایک ہی وقت جنگ کی صف بندی ہوتی ہے اور لوگ ایک دوسرے کا گلا کاٹتے ہیں۔ مگر دوسری طرف کاشت کار بالکل امن و اماں سے اپنے ہل چلانے اور زمین کھودنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور ان کے سپاہی ان کی حفاظت کرتے ہیں"

ممکن ہے کہ اس دل آویز تصویر میں تھوڑا بہت مبالغہ استعمال کیا گیا ہو۔ مگر بہرحال ہندوستان کے جس حصے سے مگاس تھنیز بخوبی واقف تھا۔ اس کے متعلق تو یہ ضرور درست ہوگا۔ کیونکہ یہاں جنگ میں صرف

وہ لوگ شریک ہوتے تھے جنھوں نے جنگ کو اپنا پیشہ قرار دے لیا ہو۔ اور یہ لوگ مرنج و مرنجان کاشت کاروں سے سروکار نہ رکھتے تھے۔ بالعموم قلعبند شہر بھی دروازوں اور فصیلوں سے گھرے ہوئے ہوتے تھے۔ اور شاذونادر ہی ایسا واقع ہوتا تھا کہ فاتح ان میں داخل ہو کر ان کو تہ و بالا کردے۔ متذکرۂ بالا امور کی وجہ سے تامل قوم کے لیئے یہ ممکن تھا کہ زمانۂ وسطیٰ کی فلارنس اور پیسا کے لوگوں کی طرح جنگ وجدال سے بھی سیر ہو لیں اور ساتھ ہی ساتھ تجارت اور زراعت کے سودمند پیشوں کو بھی جاری رکھیں۔

موتی مرچیں۔ پنّا تامل قوم کی سرزمین میں خوش قسمتی سے ایسی تین چیزیں یعنے مرچیں۔ موتی اور پنّا پائی جاتی تھیں۔ جو کسی اور جگہ دستیاب نہ ہوتی تھیں۔ یورپ کے بازاروں میں مرچیں سونے کے مول بکتی تھیں۔ اور ان کی قدر و قیمت اس قدر زیادہ تھی کہ جب ۴۰۹ء میں الرک قوم گاتھ کے بادشاہ نے روما پر تاوان جنگ عائد کیا تو اس تاوان میں (۳۰۰۰) پاؤنڈ مرچیں بھی شامل تھیں[۱]۔ جنوبی سمندر سے موتیوں کے نکالنے کا کام جو اب بھی سودمند ثابت ہو رہا ہے مدت مدید سے برابر جاری ہے۔ اور اس کی وجہ سے بیرونی ممالک کے تاجر جوق جوق یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔ پنّا جس کے متعلق پلینی نے صحیح کہا تھا کہ وہ زمرد سے ملتا جلتا ایک پتھر ہے۔ ہندیوں اور رومیوں کے ہاں نہایت قابل قدر سمجھا جاتا تھا۔ اور بسا اوقات صناعوں کی صناعی اس پر ختم کردی جاتی تھی۔ کیونکہ ہندوستان کے سوا اور سب جگہ یہ نایاب تھا اس لئے ہندیوں نے اس کی نقلیں بھی اُتار کر فروخت کرنی شروع کردی تھیں۔ پنّے کی تین ہندوستانی کانوں کا حال معلوم ہوا ہے ان میں سے ایک تو (۱) پُنّات کے مقام پر تھی جو میسور کے جنوب مغرب میں کنتور کے قریب دریائے کاویری کے معاون کبنی ندی پر واقع تھا۔ (۲) پدیور یا پیٹیالی۔ جو شہر کومبٹور کے مشرق جنوب مشرق میں

---

[۱] گبن۔ باب ۳۱

چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اور جہاں سے ۱۸۲۰ء تک برابر پنا نکالا گیا ہے۔ اور (۳) وانم باڑی جو ضلع سیلم کے شمال مشرق میں گولر کی سونے کی کانوں کے قریب واقع ہے۔ جن علاقوں میں ان کانوں کا نشان پتا ملتا ہے وہاں رومی سکوں کی کثرت اور بہتات سے قدیم زمانے میں جنوبی ہند کے جواہرات کی مانگ اور تجارت کی وسعت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس واقعے سے کہ اضلاع سیلم اور کوئمبٹور میں جو کرنڈم کا قیمتی پتھر پایا جاتا ہے اور اس کا نام بھی تامل زبان ہی میں ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیم یورپ ہندوستان کے جواہرات کی کانوں کی پیداوار سے بخوبی واقف تھا۔[1]

بحری تجارت اور بیرونی نو آبادیاں

تامل سلطنتوں کے پاس جہازوں کے زبردست بیڑے تھے۔ اور ان کے ساحلوں پر مشرق اور مغرب سے برابر بلا روک ٹوک جہاز آتے جاتے رہتے تھے۔

---

[1] پنے کی تجارت کے متعلق حوالے حسب ذیل ہیں:۔ ٹولمی۔ جغرافیہ باب ۷ فصل ۱۔ صفحہ ۸۶۔ مترجمہ انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۳۶۷۔ پلینی ہسٹری نیچرل باب ۳۷ فصل ۵۔ وبہاؤس "اکیومیرینیا جمز۔ اینشنٹ اینڈ ماڈرن" (انڈین انٹی کویری جلد ۵ صفحہ ۲۳۷۔ اسی میں پدیور کی کان کا مفصل حال بھی ملے گا)۔ وانم باڑی کی کان کا بیان مسٹر آر۔ سیول کی سند پر کیا گیا ہے (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۴ء صفحہ ۵۹۵) ٹولمی نے پنّات کو بالکل صحیح طور پر پونات لکھا ہے۔ یہ ایک مختصر سی قدیم ریاست تھی جس کا ذکر پانچویں یا چھٹی صدی کے ایک کتبے میں بھی آتا ہے۔ اور ۹۳۱ء کی کتاب برہتکتھا کوس مصنفہ ہریشین میں بھی اس کا نام پایا جاتا ہے۔ گنتور دریائے کبنی کے کنارے کا ایک گاؤں ہے۔ اور میسور کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ (دیکھو رائس "میسور اینڈ کرگ فرام انسکرپشنز" ۱۹۰۹ء صفحہ ۴ و ۱۰۔ اور انڈین انٹی کویری جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۔ و جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۶) فیروزے کی کانوں کے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھو بلفور کی انسائکلو پیڈیا۔

اوران میں بیرونی تاجر مرچیں ۔ موتی ۔ ہیرے اور ہندوستان کی دوسری اشیا کی خرید کے لئے آتے اور ان کی قیمت یورپی سکوں یا دوسری پیداوار کی صورت میں ادا کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ اس زمانے میں رومتہ الکبریٰ کا سکہ "اوری" جنوبی ہند اسی طرح ہر جگہ چلتا تھا جس طرح کہ آج کل انگریزی ساورن تمام براعظم یورپ میں رائج ہے ۔ اور اس کے علاوہ رومتہ الکبریٰ کا کالسنی کا چھوٹا سکہ جو کچھ تو یورپ سے آتا تھا اور کچھ مدرا کے شہر میں مضروب ہوتا تھا ۔ بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے مستعمل تھا[۱] ۔ اس امر کے باور کرنے کی بھی وجوہ موجود ہیں رومی رعایا کی ایک بڑی تعداد جو تجارت پیشہ تھی جنوب ہند میں پہلی دو صدی عیسوی کے دوران میں مستقلاً آباد ہو گئی تھی ۔ یورپین سپاہی جن کو "زبردست یون ۔ اور گونگے ملیچھ" کہا گیا ہے تامل بادشاہوں کی محافظ دستہ فوج میں داخل تھے ۔ اور "یونوں کے خوبصورت زبردست جہاز کرنیگنور کے قریب مرچ وغیرہ لادنے کے لئے پڑے رہتے تھے اور ان کی قیمت رومی سکوں کی صورت میں ادا کی جاتی تھی ۔ علاوہ ازیں یہ بھی بیان کیا گیا ہے اور صحیح ہے کہ مزرس (کرنیگنور) کے مقام پر آگسٹس کے نام کا ایک مندر بھی موجود تھا ۔ ایک اور بیرونی (یون) نوآبادی کاوِرِپَتّنم یا پُہار کے مقام پر قائم تھی ۔ یہ شہر اس زمانے میں ایک بارونق بندرگاہ تھا ۔ اور مشرقی ساحل پر دریائے کاویری کی شمالی شاخ کے دہانے پر آباد تھا ۔ مگر مدت ہوئی کہ یہ شہر اور بندرگاہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہیں ۔ اور اب ریت کے وسیع تودے کے نیچے دبے پڑے ہیں[۲] ۔ نظموں سے یونوں کی

---

[۱] سیول "رومن کائنز فاؤنڈ ان انڈیا" (جے ۔ آر ۔ اے ۔ ایس ۱۹۰۴ء صفحہ ۵۹۱ ۔ ۶۳۷ ۔ اور بالخصوص صفحہ ۶۱۳ ۔ ۶۰۹) ؛

[۲] مسٹر ایس کے ۔ آئینگر کے خیال کے مطابق یہ تباہی تیسری صدی عیسوی میں واقع ہوئی ؛

شراب۔ چراغوں۔ اور گلدانوں کی درآمد کا بھی پتا ملتا ہے۔ اور ان کے اس بیان کی تصدیق نیلگری کے ناتراشیدہ پتھروں کی قبروں کے ان برتنوں سے بھی ہوتی ہے جو کانسی کے بنے ہوئے ہیں اور بعینہٖ اسی نمونے کے ہیں۔ جیسا کہ شروع سنہ عیسوی میں یورپ میں بنتے تھے۔ اس کے علاوہ "پیری پلس" کے بیانوں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے[۱]۔

---

[۱] "دی تاملز ایٹیین ہنڈرڈ ایرس ایگو" صفحات ۱۶ و ۲۵ و ۳۱ و ۳۶ و ۳۸۔ پُہار کو پکار اور پکار بھی لکھا جاتا ہے "پیوٹن گیرین ٹیبلز" سے جو تقریباً ۲۲۶ء کے قدیم نقشوں کا ایک مجموعہ ہے (صحیح شیب۔ ۱۷۳۳ء۔ مینرٹ۔ لائپزگ ۱۸۲۴ء۔ چارس ریولنسر برسلز ۱۸۸۴ء۔ داکر آن دی ٹیبولا پیوٹن گیرینا۔ کیمبرج ۱۸۳۳ء۔ منقول از کیمبرج انٹی کویرین سوسائٹی کمیونی کیشنز۔ جلد ۵ صفحہ ۲۳۷)۔ اس بات کی سند ملتی ہے کہ آگسٹس کے نام کا ایک مندر مزرس کے مقام پر موجود تھا۔ چونکہ نقشے پر ایک عمارت کا خاکہ ہے اور اس پر "آگسٹس کا مندر" لکھا ہوا ہے۔ اور یہ خاکہ مزرس کے پاس ہی واقع ہے۔ مزرس کا کرینگنور ہونا ثبوت مسلم ہو چکا ہے۔ کاوِرِ پدنم = پُہار = کا کنتھی (برہوت کے کتبے میں اس کو کاکندی لکھا ہے۔ نمبر (۱۰۱) انڈین انٹی کویری جلد ۲۱ صفحہ ۲۲۵)۔ = کمرر ("پیری پلس" باب ۶۰۔ انڈین انٹی کویری جلد ۸ صفحہ ۱۴۹) = کھبیرس (ٹولمی باب ۷ فصل ۱ صفحہ ۱۳۔ انڈین انٹی کویری جلد ۷ صفحہ ۴۰۔ جلد ۸ صفحہ ۳۳۲)۔ کانسی کے برتنوں کے لئے دیکھو وہ مجموعہ جو برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ اور اس پر نام کے پرچے لگے ہوئے ہیں۔ انڈین انٹی کویری ۱۹۰۵ء صفحہ ۲۲۹۔ برکیس "این اکاؤنٹ آف دی پری ہسٹارک ایبس اینڈ مانومنٹس آف دی نیلگریز۔ لندن ۱۸۷۳ء۔ فٹ کی کتاب کیٹلاگ پری ہسٹارک انٹی کوئٹیز مدراس میوزیم ۱۹۰۱ء لوح ۱۰ اور ۱۳۔ پیری پلس (باب ۵۶) میں لکھا ہے کہ "ان بندرگاہوں میں آنے والے جہازات بہت بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرچوں اور لونگوں کے پتوں کا حجم اور مقدار زیادہ ہوتی ہے" اس کے بعد درآمد و برآمد کی تمام چیزوں کی مکمل فہرست

قدیم علم ادب اور فنون لطیفہ

جہاں تک میں اس معاملے میں رائے دے سکتا ہوں میرا اندازہ ہے کہ تامل زبان کی نظموں کی قدامت کے متعلق علماء و ماہرین فن کا خیال بالکل درست ہے۔ اور بہ حیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ تامل زبان کے علم ادب کا بہترین زمانہ پہلی تین صدی عیسوی میں گذر چکا ہے۔ ایک عالم کی رائے کے مطابق یہ زمانہ پہلی صدی عیسوی ہی کا تھا۔ مگر بہرحال اور ذرا بعد کا زمانہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے[۱]۔ نظم کے علاوہ اور فنون مثلاً موسیقی۔ ڈراما۔ مصوری۔ اور سنگتراشی میں بھی کافی ترقی ہوئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بت اور تصاویر سب کی سب ایسی چیزوں پر بنائی گئی تھیں جو اب فنا ہو چکی ہیں۔ اور ان کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے۔ ڈرامے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ دو قسم کا ہوتا تھا۔ اول تامل یا خاص ملکی رنگ کا جس کی مختلف قسمیں تھیں اور اس میں حسن و عشق کے افسانے جگہ پا سکتے تھے۔ اور دوسرے آرین یا شمالی جو اس سے زیادہ محدود ہوتے تھے۔ اور ان میں صرف گیارہ مقررہ مضامین پر طبع آزمائی کی جا سکتی تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔۔۔ درج ہے کہ ۲۱۵ء میں جب کر کلا نے اسکندریہ میں قتل عام کرایا تو اس وقت سے اس بندرگاہ کی ہندوستان کے ساتھ براہ راست تجارت بہت کم ہو گئی تھی (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۰۷ء صفحہ ۹۵۴)۔

[۱] گوور کا خیال تھا کہ "کورل" کا مشہور و معروف مصنف تروولوا "غالباً تیسری صدی عیسوی کے قریب گذرا ہے" (دی فوک سانگس آف سدرن انڈیا ۱۸۷۲ء صفحہ ۲۱۷)۔ مسٹر گوور جس طرح ہندوؤں کے دل و دماغ کی تہ تک پہنچا تھا اس طرح اور کوئی یوروپین مصنف اب تک نہیں پہنچ سکا۔ اور کوئی جنوبی ہند کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شائق ہو تو اس کو چاہئیے کہ اگر ممکن ہو تو اس کتاب کو ضرور پڑھ لے۔ مگر یہ کتاب اب بہت نادرالوجود ہو گئی ہے۔

"تین سلطنتیں" متذکرۂ بالا بیان سے جنوبی ہند کی تینوں سلطنتوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ جیسا کہ وہ شروع سنہ عیسوی میں تھا بخوبی ہو سکتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب کہ یہ سلطنتیں پہلی مرتبہ تاریکی سے ذرا نمایاں ہونے لگتی ہیں۔ اور ان کا تذکرہ قدیم دیسی علم ادب اور یونانی اور رومی مصنفین کی مختصر تحریروں میں ملتا ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کے علاوہ آثار قدیمہ اور سکوں سے بھی بعض شہادتیں دستیاب ہوتی ہیں۔ مگر اشوک کے فرامین بھتی پرلو کے صندوقچہ کے کتبے اور ان کے علاوہ چند اور کتبوں کے سوا اس قسم کی شہادت کچھ بہت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ عام روایات کے مطابق تامل سرزمین میں تین اور صرف تین زبردست سلطنتیں بیان کی جاتی ہیں۔ یعنی پانڈیا۔ چول۔ چیر یا کرل۔ ایک شاعر کہتا ہے:۔

> خوشگوار سرزمین تامل کی حدود اربعہ وسیع و فراخ
> سمندر اور ایسا بلند آسمان ہے جس تک
> طوفان کا اثر نہیں پہنچتا۔ اور اس سرزمین پر
> وہ بطور تاج کے قائم ہے۔ ان کی زمینیں وسیع
> اور زرخیز ہیں۔ اور اس سرزمین پر تین بادشاہ
> حکمران ہیں[۱]۔

اشوک نے چیر سلطنت کو کریل پتر یعنی "ابن کریل" لکھا ہے۔ اور اسی نام کی بگڑی ہوئی صورت پلنی کی کتاب اور "پیریپلس" میں بھی موجود ہے۔ موخرالذکر کتاب نے ستیاپتر کا نام بھی لکھا ہے۔ مگر یہ نام اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ یہ ثابت نہیں ہوا۔ مگر اغلب یہ ہے کہ یہ دوسرا نام دراصل مغربی ساحل پر کریل یا مالابار کے شمال میں ٹلو۔ سلطنت کا نام ہے۔ ٹلو سرزمین کا صدر مقام منگلور ہے۔ اس علاقہ میں ٹلو زبان

---

[۱] پُرننُورُ۔ نمبر ۳۵۔ تامل انٹی کویری جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۵۰۔

بولی جاتی ہے۔ جو کنڑی سے بہت زیادہ قریب ہے۔

سلطنت پانڈیا کا محل وقوع

اگر ملکی روایات کو صحیح مان لیا جائے تو سلطنت پانڈیا شمال اور جنوب میں جنوبی دریائے وِلّار (پُدکوتی) سے لے کر راس کماری تک اور مشرق و مغرب میں ساحل کارومنڈل سے لے کر درۂ اچھنکوول تک جس میں سے ہوکر جنوبی کرپل تاٹراونکور میں داخل ہوتے تھے۔ پھیلی ہوی تھی۔ اور اس طرح اس میں مدرا اور تناولی کے موجودہ اضلاع شامل تھے۔ بعض اوقات ٹراونکور کے جنوبی حصے بھی اس میں شامل ہو جاتے تھے۔

سلطنت چول کا محل وقوع

سب سے زیادہ معتبر روایات کے مطابق سلطنت چول (چول منڈلم) کے شمال میں دریائے پنار۔ اور جنوب میں جنوبی دریائے وِلار واقع تھا۔ یا بالفاظ دیگر یہ مشرقی یا ساحل کارومنڈل کے ساتھ نلور سے پدکوتی تک چلی جاتی تھی۔ اور یہاں سلطنت پانڈیا سے اس کا ڈانڈا مل جاتا تھا۔ مغرب میں یہ کرگ کی سرحد تک چلی گئی تھی۔ ان حدود کے اندر مشرق میں مدراس اور چند اور برطانوی اضلاع اور ریاست میسور کا ایک بڑا حصہ آگیا تھا۔ مگر قدیم علم ادب کی رو سے تامل قوم کی سرزمین کے حدود شمال میں بلیکٹ اور کوہ وینکٹ یاترُپتی سے جو مدراس کے شمال مغرب میں (۱۰۰) کے فاصلے پر واقع تھا آگے نہیں بڑھیں۔ اس کے برعکس ساتویں صدی عیسوی میں جب سلطنت چول سے ہیون سانگ واقف تھا وہ قریب قریب ضلع کڈپہ کے برابر تھی۔ اور جنوب کی طرف نہیں پھیلی ہوئی تھی۔ چول منڈلم یا ساحل کارومنڈل جس کو چینی درویش نے دراوڑ لکھا ہے اس زمانے میں شاہان پلوَ کے ہاتھ میں تھا جن کا دارالسلطنت کانچی یا کانجی ورم مدراس سے (۴۵) میل مغرب جنوب مغرب کی سمت واقع تھا۔

چیر یا کریل سلطنت کا محل وقوع

علماء کو اب اس امر میں پورا پورا اتفاق ہے کہ چیر اور کریل ایک ہی لفظ کی مختلف شکلیں ہیں[1]۔ کریل کا نام اب بھی خاصا زبان زد خلائق ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ سلطنت جنوبی کانکن یا ساحل مالابار جس میں موجودہ ضلع مالابار مع ٹراونکور اور کوچن کے شامل تھا میں قائم تھی۔ ٹراونکور کا جنوبی حصہ جس کا نام اس زمانے میں وین یا وینا دُ تھا پہلی صدی عیسوی میں پانڈیا سلطنت کا جزو تھا۔ بعد کے زمانے میں چیر سلطنت میں سرزمین کونگو یعنے موجودہ ضلع کوئمبٹور اور سیلم کا جنوبی حصہ بھی شامل تھا۔ مگر اس میں شک ہے کہ آیا قدیم زمانے میں بھی یہی حال تھا یا نہیں۔ بالعموم کریل کے لفظ کا اطلاق مغربی گھاٹ کی ناہموار سرزمین پر کیا جاتا ہے جو چندر گری دریا کے جنوب میں واقع ہے۔ مگر بہر حال تینوں سلطنتوں کے حدود میں وقتاً فوقتاً اختلاف واقع ہوتا رہتا تھا۔

پلّو خاندان

تقریباً چوتھی صدی سے آٹھویں صدی تک خاندان پلّو نے جنوبی ہند میں خوب عروج حاصل کیا۔ مگر خاندان پلّو کی کوئی خاص سرزمین نہ تھی جس سے وہ وابستہ ہوں۔ جب تک کہ یہ خاندان برسر حکومت رہا اس کی سلطنت بعض دفعہ چند اختلافات کے ساتھ تینوں سلطنتوں پر حاوی تھی۔ مگر اس کی حدود کا انحصار پلّو بادشاہوں کی قوت اور ہمسایہ سلطنتوں کی کمزوری پر ہوا کرتا تھا۔ اس واقعہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پلّو بعد کے زمانے کے

---

[1] کریل کنڑی زبان میں تامل لفظ چیرل کی صورت ہے۔ قدیم زمانے میں یہ ملک چیرلم یا چیرل ناڈ اور اس کے بادشاہ چیرل آندن یا چیرل اُرُم پورئی کہلاتے تھے۔ چیرل کے لفظی معنے سلسلۂ کوہستان ہیں اور اس طرح یہ لفظ مالابار کا مترادف ہے (پنڈت ڈی سیو یار رائن۔ تامیلین انٹی کویری نمبر ا صفحہ ۷۱-۶۹)۔

مرہٹوں کی طرح ایک لٹیری قوم۔ قبیلہ یا ذات تھی جس نے بزورِ شمشیر قوت و سلطنت حاصل کی اور صاحب ملک و مال راجاؤں کی گردنوں پر اپنی فرماں برداری اور اطاعت کا جوا رکھ دیا تھا۔ خاندان پلّو کی حکومت کی روایات اس قدر دھندلی ہیں کہ سنہ ۱۸۴۰ء سے قبل یورپی علماء کو ان کے وجود کا بھی علم نہ تھا۔ مگر اس سال تانبے کی لوح کے ایک کتبے نے سب سے پہلے ان کو دنیا میں روشناس کرایا۔ اس کے بعد اور بھی بہت سی دریافتیں ہو چکی ہیں۔ اور خاندان پلّو کی تاریخ کے لئے بہت کچھ مواد بہم پہنچ گیا ہے۔ مگر پھر بھی اس خاندان کی ابتدا اور تعلقات اب تک تاریکی ہی میں ہیں؛

جنوبی ہند کی تاریخ کی عام صورت

اس باب کے آئندہ حصوں میں تینوں تامل سلطنتوں کے سیاسی حالات جہاں تک کہ وہ اب تک معلوم ہو سکے ہیں بیان کئے جائیں گے۔ اور اس کے علاوہ پلّو خاندان کا بھی تذکرہ ہوگا۔ ان حکومتوں کے موقعے اور صورت احوال پہلے تذکرۃً بیان کر دی گئی ہے۔ مگر بہرحال ان جنوبی سلطنتوں کے ایسے مختصر حالات بیان کرنے کا زمانہ ابھی تک نہیں آیا۔ جو تسلی کے قابل ہوں اور اس وقت جو خاکہ کہ پیش کیا جا رہا ہے نامکمل اور عارضی ہے۔ مگر اس کتاب کی طبع اول و دوم کے اس بیان سے اگر اس کا مقابلہ کیا جائے۔ تو یہ کہیں زیادہ مکمل نظر آئے گا۔ لیکن جب تک وہ ماہرین فن جو اس خطّہ کی زبانوں اور روایتوں کے عالم ہیں ہر ایک خاندان کی الگ الگ تاریخوں کی تفصیل پر بحث نہ کریں گے اس وقت تک جنوبی ہند کی ایسی تاریخ لکھی جانی ناممکن ہے جس کو ہندوستان کی عام تاریخ میں جگہ دی جا سکے۔ خواہ ہماری کوشش کیسی نامکمل ہی کیوں نہ رہ جائے۔ مگر پھر بھی کوشش کرنا ضروری ہے۔ میرے خیال میں کوئی کتاب دنیا میں اب تک ایسی نہیں

لہ ایلیٹ:۔ "ڈائنسٹز آف سدرن انڈیا" صفحہ ۳۹؛

لکھی گئی جو مسلمانوں کی فتح سے پہلے کے جنوبی ہند کا حال جو اب تک جمع ہو چکا ہے۔ عام ناظرین اور شائقین کے لئے یکجا جمع کر دے۔ اس لئے مجھ کو اطمینان ہے کہ میری یہ کوشش خواہ وہ کیسی ہی ناکمل کیوں نہ ہو۔ رائیگاں نہ جائے گی۔ اور ماہرین فن جو موضوع کی مشکلات سے پوری طرح واقف ہیں میری فروگذاشتوں کی پردہ پوشی کریں گے ؛

مشکلات وہ مشکلات جو اس تاریخ کے لکھنے والے کو پیش آتی ہیں نہایت سخت ہیں۔ نویں صدی عیسوی سے قبل کی جنوبی ہند کی تاریخ کے ماخذ شمالی ہند کے ماخذ سے کہیں کم ہیں۔ اٹھارہ پرانوں میں جنوب کا ذکر کہیں خال خال ملتا ہے۔ قدیم کتبات نادرالوجود ہیں۔ سکوں سے بہت کم مدد ملتی ہے۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے نتائج مکمل طور پر ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔ اور قدیم علم ادب کی چھان بنات ابھی تک پوری نہیں ہوئی[۲]۔ اس کے برعکس نویں صدی کے بعد کتبات کی اس قدر بہتات ہے کہ ان کا سلجھانا ناممکن ہے۔ جنوبی ہند کے بادشاہوں اور رعایا نے آنے والی نسلوں کے لئے ہزارہا کتبے چھوڑے ہیں۔ جن میں سے بعض نہایت طویل ہیں چنانچہ مسٹر رائس کی "ایپی گریفیا کرناٹکا" کی آٹھ جلدوں میں جو دکن اور تامل سلطنتوں کے متعلق ہیں (۸۰۰ ۵) کتبے یکجا جمع ہیں۔ مدراس کے محکمۂ آثار قدیمہ نے ایک سال کے دوران میں (۸۰۰) کتبے نقل کئے ہیں۔ اور ان میں سے غالباً ایک بھی ایسا نہیں جو رائس کی کتاب میں شامل ہو۔ اور اسی طرح ہر سال اس مجموعہ میں بے شمار اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے

---

[۱] مسٹر ایس کے۔ آئنگر کے مجموعہ مضامین موسومہ "اینشنٹ انڈیا" (لوزک ۱۹۱۱ء) اگرچہ قابل قدر ہیں۔ اور آئندہ صفحات میں ان سے بہت کچھ استفادہ کیا گیا ہے۔ مگر کتاب مطلوبہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے ؛

[۲] جنوب ہند کے پران شمالی پرانوں سے بالکل جدا ہیں ؛

بعض کتبات کے طول کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ایک کتبہ تانبے کی اکتیس لوحوں پر کندہ ہے۔ اور اس کو حلقے کی شکل میں مضبوط باندھ دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جنوبی ہند کی قدیم تاریخ کے متعلق کتبوں کی تحقیق میں ہی علماء اور ماہرین فن کے سالہا سال خرچ ہو جائیں گے۔ اور روز انہ علم میں ترقی ہوتی رہے گی۔ ان تمام باتوں کو ناظرین کے گوش گذار کرنے کے بعد میں اب تینوں تامل سلطنتوں کے حالات جیسے کہ اس وقت ممکن ہے بیان کرنا شروع کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی خاندان پلو کو بھی روشناس کرائے دیتا ہوں جس نے کہ ایک مدت تک ان سلطنتوں کو اپنے زیر اثر رکھا۔

حصۂ ب

سلطنتہائے پانڈیا۔ چیرا۔ کیرل اور سیساپتر

"پانچ پانڈیا" بالعموم سلطنت پانڈیا جس میں تقریباً موجودہ اضلاع مدرا۔ اور تناولی مع ترچناپلی کے کچھ حصے اور بعض اوقات ٹراونکور کے بعض حصص شامل رہتے تھے۔ پانچ ریاستوں میں منقسم تھی۔ اور ان کے سردار "پانچ پانڈیا" کے نام سے مشہور تھے۔ مگر ان مختلف سرداروں کی حکومت کے حدود اربعہ کا حال بالکل معلوم نہیں ہے۔

کورکئی مشہور مورخ پلنی کے جیسے قدیم زمانہ یعنی پہلی صدی عیسوی ہی میں سلطنت کا مستقر مدرا یا کوڈل تھا۔ یہ بات باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ اس سے بھی قدیم زمانے میں حکومت کا صدر مقام کورکئی تھا۔ علاوہ ازیں اس امر کی بھی تھوڑی بہت شہادت ملتی ہے کہ زمانہ ما قبل کی تاریخ میں پانڈیا سرداروں کا دار السلطنت ضلع مدرا کے مشرقی ساحل پر ایک

شہر جنوبی منگلور تھا۔ تمام ملکی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کورکئی یا کولکائی ہی وہ شہر ہے، جہاں جنوبی ہند کا تمدن پھلا پھولا تھا۔ اور ان تین خیالی بھائیوں کا وطن تھا جنھوں نے پانڈیا چیرا اور چول سلطنتوں کو قائم کیا۔ یہ شہر جس کا نشان اب ضلع تنا ولی میں دریائے تامرا پرنی کے کنارے پر ایک حقیر گاؤں کی صورت میں باقی رہ گیا ہے۔ اپنی عظمت کے زمانے میں ایک زبردست بندرگاہ اور موتیوں کی تجارت کا مرکز تھا۔ جس کے ذریعے سے خاندان پانڈیا کے خزانے ہمیشہ بھرپور رہتے تھے۔

لہ پلنی۔ باب ۶ فصل ۲۳ (۲۶) اس نے ساحل مالابار کے بندرگاہ بکرے کی نسبت جس کو ٹولمی (باب ۷ فصل ۱-۸) نے بکرئی یا برکرے لکھا ہے تحریر کیا ہے کہ وہ کوتیم قیام گاہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "وہاں پنڈیاں برسرحکومت تھا۔ اور بندرگاہ سے دور ایک شہر میں جس کا نام موڈرا تھا سکونت پذیر تھا۔" اس کی تصنیف کے وقت وہاں کے راجہ کا نام لیکوبھتراس (کریل پتر) تھا جو ساحل مالابار پر حکومت کرتا تھا۔ کتاب پیریپلس (باب ۵۴ فصل ۵۵) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مزورس گو کریل پتر کی سلطنت میں شامل تھا۔ اور جنوب میں بکرے سلطنت پانڈیا کا جزو تھا۔ اور اس لیئے اس میں یقیناً موجودہ ریاست ٹراونکور کے جنوبی اضلاع شامل ہوں گے۔ اس علاقے کو دین یا دینا کہا جاتا تھا۔ بکرے اور دوسرے شہروں کے موقع محل کے لیئے دیکھو "دی ٹاملز اٹیٹین ہنڈرڈ ائیرس اگو" صفحہ ۲۰-۱۷۔ پلنی کی کتاب ۷۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اور یہ اس انتساب سے معلوم ہوتا ہے جو بادشاہ ٹیٹس کی تخت نشینی سے قبل اس کتاب کا کیا گیا۔ پیریپلس ۸۰ء اور ٹولمی ۱۴۰ء میں شائع ہوئیں۔ منگلور کے لیئے دیکھو انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ء صفحہ ۶۶ و ۷۲۔ شمالی منگلور کے متعلق جس کا موقعہ اب تک معلوم نہیں ہوا۔ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ سلطنت چول کا سب سے قدیم مستقر تھا۔

جب شاہی دربار پرانے شہر سے مدرا کو منتقل ہو گیا تو ولیعہد سلطنت محاصل اور تجارتی اغراض کی نگاہداشت کے لئے وہیں کورکئی کے مقام پر مقیم رہا۔ امتداد زمانہ سے کورکئی میں سمندر اس قابل نہ رہا کہ جہاز وہاں آکر ٹھیر سکیں۔ اسی وجہ سے انگلستان کے سنک بندرگاہوں کی طرح رفتہ رفتہ یہ شہر برباد ہو گیا۔

کایل اس کا تجارتی کاروبار ایک اور نئے بندرگاہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ جو دریا کے کنارے تین میل جنوب میں کایل کے مقام پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ بندرگاہ صدیوں تک ایشیا کی سب سے بڑی منڈی رہا۔ یہیں تیرھویں صدی عیسوی میں مارکوپولو غالباً متعدد مرتبہ اترا۔ اور عوام الناس اور بادشاہ کی شان و شوکت اور دولت و حشمت سے بہت کچھ متاثر ہوا[1]۔ مگر جن قدرتی قوانین کے عمل سے کورکئی برباد ہو چکا تھا ان کا اثر یہاں بھی ظاہر ہوا۔ اور کایل کو بےکار سمجھ کر چھوڑنا پڑا۔ پرتگیزوں نے مجبور ہو کر ٹُٹی کورن کو اپنی تجارت کا مستقر قرار دیا جہاں ریت کی کمی کی وجہ سے وہ خرابیاں پیدا نہ ہوتی تھیں جو قدیم بندرگاہوں میں تھیں۔ کایل کے موقعے پر اب مسلمان اور دیسی عیسائی مچھیاروں کی چند ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیاں باقی رہ گئیں ہیں[2]۔

قدیم بیانات۔ مگاس تھینیز کورکئی کو بطور بندرگاہ کے چھوڑ دینے کی اصل تاریخ کا پتہ لگانا بالکل ناممکن ہے۔ لیکن یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس کی دارالضرب میں مضروب ہوئے ہوئے تقریباً ۷۰۰ء تک کے سکے دستیاب ہوتے ہیں۔ کورکئی کے بادشاہوں کا خاص طغرائی امتیاز ایک گرز تھا جس کے ساتھ بسا اوقات ہاتھی کی بھی

---

[1] یُل کاٹ:۔ "انڈیا اینڈ دی اپاسل ٹامس" صفحہ ۸۵ و ۸۷۔ مارکوپولو پہلی مرتبہ غالباً ۱۲۸۸ء میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۹۳ء میں یہاں آیا تھا۔

[2] بشپ کالڈول:۔ انڈین انٹی کویری جلد ۶ صفحہ ۸۳۔ ۸۰ و ۲۷۹۔

شبیہ ہوتی تھی۔ اس کے برخلاف مدرا کے بادشاہوں کا خاندانی نشان ایک یا دو مچھلیاں ہوا کرتی تھیں[ل]؛

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے پلنی کے وقت میں سلطنت کا صدر مقام مدرا تھا۔ مگر سلطنت کا قیام اس وقت سے کہیں پہلے ہو چکا تھا۔ پانڈیوں کا نام مشہور سنسکرت نحوی کاتیاین کو جو غالباً[لا] چوتھی صدی قبل مسیح میں گذرا ہے معلوم تھا۔ اور اسی صدی میں چندرا گپتا موریا کے دربار میں سائلوکس انیکیٹر کے ایلچی مگاس تھینیز سے اس جنوبی سلطنت کے متعلق بہت عجیب و غریب باتیں بیان کی گئی تھیں۔ چنانچہ اس کی نسبت مشہور تھا کہ اس پر عورتیں حکمراں ہیں۔ اس سے کہا گیا تھا کہ "ہرقل کے ہندوستان میں ایک لڑکی ہوئی تھی جس کا نام اس نے پانڈیا (Pandaia) رکھا تھا۔ اور اس نے اس کو ہندوستان کا وہ حصہ دیدیا تھا جو جنوب کی طرف واقع ہے اور سمندر تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جن لوگوں پر کہ اس کی حکومت تھی ان کو (۳۶۵) گاؤں میں تقسیم کر دیا۔ اور حکم دیا کہ ہر روز ایک گاؤں کے باشندے ملکہ کے پاس شاہی خراج لے کر حاضر ہوا کریں۔ تاکہ ملکہ کو ہر وقت ایسے آدمی میسر آسکیں جن سے کہ وہ ان لوگوں کو خراج کی ادائی کے لئے مجبور کرے جو اس کے ادا کرنے سے انکار کر چکے ہوں"۔ اس ملکہ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اس کے باپ نے اسے (۵۰۰) ہاتھی۔ (۴۰۰۰) سوار اور (۱۳۰۰۰) پیادے دیئے تھے۔ اس کے پاس ایک معمور خزانہ تھا

[ل] لوین تھل:۔ "دی کائنز آف تناولی" (مدراس ۱۸۸۸ء) صفحہ ۹؛

[لا] بھنڈارکر:۔ "ارلی ہسٹری آف دی دکن"۔ طبع دوم۔ بمبئی گزٹیر (۱۸۹۶ء) جلد اول حصۂ اول صفحہ ۱۳۹۔ میں پروفیسر بھنڈارکر اور گولڈ سٹکر کی رائے متعلقہ پلینی اور کاتیاین کی قدامت کے بالکل متفق ہوں۔ کیونکہ پتنجلی (۱۵۰ء ق م) کی تاریخ کے تعین سے ان کے سنین بھی دریافت ہو جاتے ہیں؛

جو موتیوں کی تجارت سے حاصل ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ ایرین کہتا ہے کہ یونانیوں اور اس کے بعد رومیوں نے اس تجارت پر قبضہ کرنے کی بے سود کوشش کی تھی[۵۱]۔

رومۃ الکبرےٰ کے ساتھ تعلقات قدیم تذکروں سے ایک سفارت کا پتا چلتا ہے جو "شاہ پانڈیان نے ۲۰ ق م میں آگسٹس سیزر کے پاس روانہ کی تھی[۵۲]۔ اور کتاب "پیری پلس آف دی ارتھیرین سی" (تقریباً ۸۰ء) کا مصنف اور مشہور و معروف جغرافیہ داں ٹولمی (تقریباً ۱۴۰ء) دونوں سلطنت پانڈیا کی منڈیوں اور بندرگاہوں کے موقع اور نام سے پوری طور پر واقف تھے۔ ۲۱۵ء میں کراکلا کے اسکندریہ میں قتل عام کرانے سے جنوبی ہند اور مصر[۵۳] کی وساطت سے رومۃ الکبرےٰ کے ساتھ تجارت میں یا تو نقص پیدا ہو گیا اور یا وہ بالکل ہی بند ہو گئی۔ اسی وجہ سے صدیوں تک سلطنت پانڈیا کی تاریخ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔

قدیم بادشاہ زبان تامل کی قدیم ادبیات میں جس کی تحقیقات جنوبی ہند کے چند محب وطن حضرات نہایت تندہی سے کر رہے ہیں۔ بے شمار بادشاہوں کے ناموزوں اور بھدے نام یا القاب ملتے ہیں۔ اور

---

۵۱ مگاس تھنیز:۔ فرگمنٹ ۱-۱۶۔ ب ۵۸۔ شوئینبک کا متن اور میک کرنڈل کا ترجمہ۔ ایرین کی کتاب انڈکا باب ۸۔ ممکن ہے کہ یہ حکایت مالابار کے قانون وراثت کی وجہ سے جہاں ورثہ ماؤں کی طرف سے ملتا تھا رفتہ رفتہ گھڑ لی گئی ہو۔ مسٹر ایف۔ فاسٹ نے مجھے بتلایا ہے کہ جزائر لکادیو میں جب مرد سمندر کو چلے جاتے ہیں تو عورتیں ہی وہاں کا انتظام کرتی ہیں۔

۵۲ اسٹریبو۔ باب ۱۵۔ فصل ۴-۷۳۔ میری ویل:۔ ہسٹری آف دی رومنز انڈر دی امپائر جلد ۶ صفحہ ۱۱۸ و ۱۷۵۔

۵۳ جے۔ آر۔ اے۔ ایس۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۹۵۔

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو نہایت ہی قدیم زمانے میں گذرے ہیں۔ لیکن سب سے پہلا پانڈیا بادشاہ جس کے سنین کا تعین کسی قدر صحت کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ نیدم چیلین ہے۔ وہ دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے۔ اور کرکال چول کے پوتے نیدو مُڈی کلی۔ زبردست چیر بادشاہ چین کتون اور لنکا کے راجہ گجبا ہو اول کا کم و بیش ہمعصر تھا۔ اور جیسا کہ بالعموم ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ہوتا ہے کہ ہندی راجاؤں کے سنین کا تعین یہاں بھی بیرونی راجاؤں کی تاریخ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اگرچہ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ لنکا کی تاریخ کے سنین کا تعین مستقل طور پر ہو چکا ہے۔ لیکن پھر بھی پروفیسر گیگر کا بیان کردہ سنہ تقریباً صحیح سمجھ لینا چاہیئے۔ اس کے خیال کے مطابق گجبا ہو کی حکومت سنہ ۱۷۳ء اور سنہ ۱۹۱ء کے بین بین تھی۔

مدرا کا دارالعلوم اس زمانے میں سلطنت پانڈیا کی ایک خاص خصوصیت مدرا میں ایک دارالعلوم یا سنگم کا قائم کرنا تھا۔ جس کے اراکین نے تامل زبان کا بہترین علم ادب پیدا کیا۔ ترو ولوا کی مشہور و معروف کتاب "کرل" جو تامل قوم کے دل و دماغ میں پیوست ہو گئی ہے غالباً سنہ ۱۰۰ء کے ذرا قبل یا بعد کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ "پازیب کی رزمیہ نظم" اور "مرصع کمربند" اس سے ایک صدی بعد کی ہیں۔ موجودہ حالت میں سنہ عیسوی کے شروع صدیوں کی شاہان پانڈیا کی مسلسل تاریخ کا لکھنا بالکل ناممکن ہے۔ اور بہرحال ناظرین کو ان ہی چند باتوں پر اکتفا کرنا چاہیئے۔

لہ "دی تاملز ایٹین ہنڈرڈ ییرس اگو" صفحہ ۸۰ و ۱۸ و ۸۸ مسٹر گوورز نے لکھا ہے کہ ترو ولوا تیسری صدی میں گذرا ہے۔ (فوک سانگس آف سدرن انڈیا صفحہ ۲۱۷) دیکھو "اینشنٹ انڈیا" مصنفہ ایس۔ کے۔ آئینگر باب ۱۴ "دی آگسٹن ایج آف تامل لٹریچر" ڈاکٹر جے۔ لزارس نے "کرل" کے متعلق کچھ لکھا ہے (تامیلین انٹی کویری

ہیون سانگ سنہ ۶۴۰ء میں جب ہیون سانگ جنوبی ہند میں آیا تو اس نے غالباً موسم برسات سمیت اپنے وقت کا ایک بہت بڑا حصہ کانچی (کانجی ورم) میں صرف کیا تھا۔ یہی شہر اس زمانے میں خاندان پلوؔ کے راجہ نرسمہورمن کا جو اس وقت جنوب کا سب سے زیادہ زبردست راجہ تھا مستقر سلطنت تھا۔ مگر چینی جاتری نے اور زیادہ جنوب میں پانڈیا سلطنت کے علاقے میں سفر نہیں کیا تھا۔ بلکہ محض اپنے بدھ مذہب کے دوستوں کی کہی سنی روایات کے نقل کرنے ہی پر اکتفا کیا تھا۔ اس نے اس ملک کا نام ملکوُٹ یا ملکوُٹ بیان کیا ہے۔ مگر دار السلطنت کا نام نہیں لکھا۔ جو اس وقت غالباً مدرا تھا۔ علاوہ بریں وہ نظام حکومت کے متعلق بالکل خاموش ہے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ اس وقت راجہ پانڈیا کانچی کے زبردست پلوؔ راجہ کا باجگذار تھا۔ ملکوُٹ کے علاقے میں بودھ مذہب تقریباً بالکل نیست و نابود ہو چکا تھا۔ اور قدیم خانقاہوں کے محض کھنڈر باقی رہ گئے تھے۔ ہندوؤں کے دیوتاؤں کے نام کے مندر سیکڑوں کی تعداد میں تھے۔ اور ننگے (ڈگمبر) جین بھی تعداد کثیر میں پائے جاتے تھے۔ باشندوں کے متعلق مشہور تھا کہ ان کو علم و فضل کی تحصیل سے کچھ ذوق نہیں۔ بلکہ اپنا سب کا سب وقت وہ تجارتی اور خاص کر موتیوں کی تجارت اور بیوپار میں خرچ کرتے ہیں[1]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ جلد ۲ (سنہ ۱۹۱۳ صفحہ ۲۷-۵۳) اور اس کے علاوہ اس کی پہلی جلد میں اور بھی مفید مطلب مضامین ہیں۔

[1] بیل جلد دوم صفحہ ۲۳۰-۲۲۸ و واٹرس ۲۳۳-۲۲۸ (جلد دوم) دیکھو اس کے متعلق ہلٹش کے خیالات (انڈین انٹی کویری جلد ۱۸ صفحہ ۲۴۲) اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے پہلے کے بودھ اور ہندو مندروں کا کیا حشر ہوا۔

آٹھویں سے دسویں صدی تک

ایک کتبے سے ان شاہان پانڈیا کے ناموں کی ایک فہرست دستیاب ہوئی ہے جو آٹھویں صدی کے درمیان سے دسویں صدی کے شروع تک حکمران تھے۔ مگر ناموں کے سوا ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں۔ آریکیسرن کی بابت جو آٹھویں صدی میں گذرا بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے پلو راجہ کو شکست دی تھی۔ اور اس امر کے باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ ورگنورمن جس کو خاندان گنگ پلو کے راجہ اپراجت نے سری پُرمبیا کے میدان میں شکست دی تھی یقیناً ۳-۸۶۲ء میں تخت پر بیٹھا تھا[1]۔ اس زمانے میں سلطنت چول جو پلو اور پانڈیا کی دو زبردست سلطنتوں میں پس جارہی تھی۔ کمزور اور بیکار محض تھی۔ چنانچہ پلو خاندان کی دست درازیوں کی روک تھام کا کام تمامتر شاہان پانڈیا ہی پر جا پڑا تھا۔ ۸۴۰ء میں جب بکرماجیت اپلکیا نے نندی ورمن کو شکست دی۔ تو اس کی وجہ سے پلو خاندان کی طاقت میں بہت کچھ ضعف آگیا تھا۔ نویں صدی کے آخری حصے میں آدتیا چول سے شکست کھانے کی وجہ سے یہ خاندان اور زیادہ کمزور ہو گیا تھا[2]۔ دسویں صدی کے شروع سے شاہان پانڈیا نے مجبوراً چول سلطنت کے زور اور عروج کو تسلیم کیا۔ خود مختار یا باجگذار خواہ کسی حالت میں ہو۔ خاندان پانڈیا مدتوں تک برابر قائم رہا۔ اور کتبوں میں

---

[1] پروگرس رپورٹ۔ اپی گریفی ۷-۱۹۰۶ء۔ مدراس۔ جی۔ او۔ پبلک نمبر ۵۰۳ جون ۱۹۰۷ء صفحہ ۷۰-۶۲۔ اس رپورٹ میں جو متوفی رائے بہادر وی۔ دنکیا اور گل نے لکھی تھی۔ قدیم شاہان پانڈیا کے متعلق تمام معلومہ حالات کا ملخص موجود ہے۔ اور اس میں مسٹر ٹی۔ اے۔ گوپی ناتھ راؤ نے "ٹراونکور آرکی آلوجیکل سیریز" بالخصوص نمبر ۷ (۱۹۱۱ء) میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔

[2] "پروگرس رپورٹ۔ اپی گریفی ۶-۱۹۰۵ء" مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۴۹۲ ۲ جولائی ۱۹۰۶ء فقرہ ۱۰ و ۱۶۔

ہمسایہ سلطنتوں سے اس کی جنگوں کا حال برابر ملتا ہے۔ مگر ان واقعات میں کوئی ایسا واقعہ نہیں جو یادگار ہو۔

سلطنت چول کا عروج

سلطنت پانڈیا کو جنوب کی دوسری سلطنتوں کے ساتھ غالباً ۹۹۴ء میں چول بادشاہ راجہ راجہ اعظم نے اپنا باجگذار بنا لیا۔ اور وہ تقریباً دو صدی تک چول سلطنت کے زیر سیادت ہی رہی۔ مگر اندرونی معاملات ونظم ونسق دیسی راجاؤں ہی کے ہاتھ میں تھے۔ اور دونوں سلطنتوں کے تعلقات میں وقتاً فوقتاً تغیر وتبدل ہوتا رہا۔ تیرھویں صدی کے نصف اول میں سلطنت پانڈیا نے پھر ایک دفعہ کروٹ لی۔ اور اپنی کھوئی ہوئی طاقت تھوڑی بہت پھر حاصل کر لی۔

جینوں کی ایذادہی

۶۴۰ء میں جب چینی جاتری ہیون سانگ نے جنوبی ہند کا سفر کیا تو ڈگمبر فرقے کے جین اور اس مذہب کے مندر سلطنت پلو (ڈراوڈ) اور سرزمین پانڈیا (ملکوت) میں بکثرت موجود تھے۔ اس کے تمام بیان سے کہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس زمانے میں مذہبی تعصب اور ایذادہی جاری تھی۔ اور اس لئے ہم صرف یہ فرض کر سکتے ہیں کہ یہ ایذادہی جو تقریباً اسی زمانے میں ہو رہی تھی۔ جاتری کے وہاں آنے کے بعد شروع ہوئی ہوگی۔ یہ امر ثابت اور مسلم ہے کہ راجہ کون سندر یا نیڈمارن پانڈیا شروع میں جین تھا اور اس کی تربیت اسی مذہب کے مطابق ہوئی تھی۔ اس کی شادی ایک چول شہزادی سے ہوئی۔ اور اس کی بیوی نے مشہور سنیاسی ترجنا نسمبندر کی مدد سے اس کا مذہب شو فرقے میں تبدیل کرایا جس کے خاندان چول کے راجہ سرگرم حامی تھے۔ راجہ سندر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک نو مذہب کے معمولی جوش سے کہیں زیادہ جوش کا اظہار کیا۔ اور اپنے پرانے ہم مذہبوں کو جنھوں نے تبدیل مذہب سے انکار کیا۔ سخت وحشیانہ سزائیں دیں۔ چنانچہ کم وبیش آٹھ ہزار بے گناہوں کو زندہ کھال کھنچوا کر قتل کرا دیا۔ ارکاٹ کے علاقہ میں ترو تور (ترو تور) کے مقام پر ایک مندر کی دیواروں پر سنگتراشی کے چند ایسے نمونے موجود ہیں۔

جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اس ایذا دہی کے دکھلانے کے لئے بنائے گئے تھے۔ ان ہی نمونوں پر اس روایت کی صحت کا دارومدار سمجھا جاتا ہے۔ اس ایذا دہی کی اصلیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ ممکن ہے کہ اس کے بیان و اظہار میں مبالغے سے کام لیا گیا ہو۔ اس کی وجہ سے جنوب ہند میں جین مت کی حالت نہایت ہی ضعیف اور کمزور ہو گئی ؏

لنکا کے ساتھ جنگیں شاہان پانڈیا اور لنکا کے راجاؤں کے درمیان اکثر جنگ و جدل کا میدان گرم رہتا تھا۔ اس مدتوں کی جنگ میں سب سے زیادہ دلچسپ واقعہ تقریباً ۱۱۶۶ء[1] میں سلطنت پانڈیا پر فوج کشی کا ہے۔ یہ حملہ لنکا کے اولو العزم راجہ پراکرم باہو کی فوج نے اس کے دو سپہ سالاروں کی سرکردگی میں کیا تھا۔ اس واقعے کے دو مفصل بیان جو مختلف نقطۂ نظر سے لکھے گئے ہیں

---

[1] ترجنا سمبندر اور کون پانڈیا کے سنین کا تعین ۱۸۹۴-۵ء میں ہلش نے کر دیا تھا (اپی گریفیا انڈ کا جلد ۳ صفحہ ۲۷۷)۔ اس کے علاوہ دیکھو تامیلین انٹی کویری جلد ۱ (۱۹۰۹ء) نمبر ۳ صفحہ ۶۵۔ اس تاریخ کا تعین جنوبی ہند کی قدیم سیاسی اور علمی تاریخ کے لئے نہایت ہی اہم ہے ؏

اس مذہبی ایذا دہی کا ذکر ۶۲ ویں اور ۶۳ ویں "ترولیادل" (ولسن۔ مکینزی مینوسکرپٹ طبع دوم۔ کلکتہ ۱۸۲۸ء صفحہ ۴۱) میں پایا ہے۔ اور اس کا اعادہ ٹیلر ڈرگز نے بھی کیا ہے۔ (دی ہندو پنتھیان۔ مدراس صفحہ ۵-۱۴۱) اس میں ایک لوح کے ذریعے سے ان بے گناہوں کے عقوبتوں کا نقشہ بھی کھینچا ہے اس کے علاوہ دیکھو:۔ گربل ("کلکتہ ریویو" ۱۸۷۵ء صفحہ ۷۰)۔ اور ایلیٹ (کائنز آف سدرن انڈیا (۱۸۸۵ء) صفحہ ۱۲۶)۔ پانڈیا راجہ کا نام نیدمارن "پریاپران" میں ملتا ہے (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ صفحہ ۶۳)۔ تمام جنوبی بادشاہوں کے بہت سے نام اور القاب ہوتے تھے۔ اور اسی وجہ سے اس میں بہت خلط واقع ہو جاتا ہے۔ سنگتراشی کے لئے دیکھو سیول کی "لسٹس" جلد اول صفحہ ۱۶۷ ؏

دنیا میں موجود ہیں۔ لنکا کی تاریخ مہاونس میں قدرتی طور پر حملہ آوروں کی فوج کشی کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ان کو کہیں شکست سے سابقہ نہیں پڑا۔ مگر اس کے برخلاف مخالف بیان سے جو کانچی کے قریب اریکم کے مقام پر ایک طولانی کتبے کی صورت میں محفوظ رہ گیا ہے اور جو زیادہ قابل اعتبار ہے۔ پایا جاتا ہے کہ حملہ آوروں نے شروع شروع میں معتد بہ کامیابی حاصل کی۔ مگر انجام کار ان کو جنوبی راجاؤں کے متحدہ حملے کے سامنے پسپا ہونا پڑا۔ لنکا کی فوج کشی کی وجہ سے مدرا کے شاہان پانڈیا کی وراثت تخت و تاج کے متعلق ایک تنازع تھا۔ اور اس کے دعویدار دو شخص ویرا اور سندر[1] تھے۔ یہی دو نام ہیں جو اس خاندان میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک نام کے بار بار اعادے سے خاندان پانڈیا کی تاریخ کا خاکہ کھینچنا اور زیادہ مشکل ہو گیا ہے؛

بعد کے زمانے کے شاہان پانڈیا

پروفیسر کیلہارن نے بہت محنت و مشقت کے بعد سترہ شاہان پانڈیا کے سنین کا پتہ لگایا ہے۔ جو کم و بیش وسیع علاقے پر ایک طویل عرصہ یعنی ۱۱۰۰-۱۵۶۷ء تک حکمراں تھے۔ مگر کہا جاتا ہے کہ ناموں کی یہ فہرست اب بھی نامکمل ہے۔ اور ان میں سے اکثر راجہ محض مقامی سرداروں سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے[2]۔ زمانۂ وسطیٰ کا سب سے زبردست پانڈیا راجہ جتاورمن سندر اول تھا جس نے ۱۲۵۱ء سے کم از کم ۱۲۷۱ء تک حکومت کی۔ اور مشرقی ساحل کے

---

[1] اس واقعے کے متعلق تمام تفصیلیں اس مضمون میں ملیں گی جو مدراس۔ جی۔ او۔ پبلک نمبر ۹۲۲ و ۹۲۳۔ مورخہ ۱۹ اگسٹ ۱۸۹۹ء صفحہ ۱۴۔ ۸ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دیکھو ہلش: "کنٹری بیوشنز ٹو سنگھالیز کرانولوجی" (جے۔ آر۔ اے۔ ایس ۱۹۱۳ء صفحہ ۵۱۷-۵۳۱)؛

[2] "سپلیمنٹ ٹو دی لسٹ آف انسکرپشنز آف سدرن انڈیا" اپی گرفیا انڈکا۔ جلد ۸ ضمیمہ ۲ صفحہ ۲۴؛

تمام حصے پر نلور سے راس کماری تک قبضہ کر لیا۔ اس کے بعض سکے اب بھی دریافت ہوئے ہیں[1]۔ سنہ ۱۳۱۱ع اور اس کے بعد کے سنین میں ملک کافور اور دوسرے سرداروں کی سرکردگی میں اسلامی فتوحات عمل میں آئیں ان کی وجہ سے یہاں کی مقامی ریاستیں بالکل برباد نہیں ہوئیں۔ اگرچہ سیاسیات میں اس قدر تغیر و تبدل ضرور ہو گیا کہ اس سے تاریخی حدود قائم کر لی جائیں؛

سلطنت چیرا کریل کی طرف قدیم ترین حوالہ۔

سلطنت کریل یا چیر کا سب سے قدیم ذکر اشوک کے فرامین میں کریل پتر کے نام سے آیا ہے۔ اور یہی نام کچھ بگڑی ہوئی صورت میں پلنی اور "پیریپلس"[2] کے مصنف نے جو ان کے زمانے یعنی پہلی صدی عیسوی میں مستعمل تھا جو اسی وقت یا اس کے ذرا بعد کے زمانے سے شروع ہوتے ہیں قدیم تامل ادبیات سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطنت چیر میں پانچ اضلاع یا ناڈو شامل تھے۔ یعنی:۔ (۱) پولی ("ریتیلا") جو اگلیپلا سے دریائے پونانی تک پھیلا ہوا تھا (تقریباً شمالی عرض بلد ۱۰° - ۵۰)۔ (۲) کدم ("مغربی") جو دریائے پونانی سے ارناکلم تک جو دریائے پریار کے انتہائے جنوب کے قریب واقع ہے پھیلا ہوا تھا (تقریباً ۱۰° شمالی عرض بلد)۔ (۳) کُٹّم ("جھیلوں کی سرزمین") جو کوتیم اور کیولن کے گرد و نواح میں واقع تھی۔ (۴) وین۔ جو کیولن کے جنوب سے راس کماری تک چلا جاتا تھا۔ اور (۵) کرکا ("کوہستانی") یہ نمبر ۲ کے مشرق میں واقع تھا پلنی نے جس کو تنسر کا ذکر کیا ہے اُس سے مراد نمبر (۳) سے ہے؛

---

[1] انڈین انٹی کویری۔ سنہ ۱۹۱۱ صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸؛

[2] پلنی اور پیریپلس نے جنوبی صوبے کو سلطنت پانڈیا کا حصہ بتایا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شاہان پانڈیا مغربی ساحل کے چند بندرگاہوں پر قبضہ کرنے کی ہمیشہ کوشش میں رہتے تھے۔ اور بعض اوقات ان کو اپنے زیر تصرف کر بھی لیتے تھے؛

بندرگاہیں سنہ عیسوی کے شروع میں دو سب سے بڑے بندرگاہ جہاں سے مرچوں اور دوسری نادر اشیاء کی تجارت ہوا کرتی تھی مزرس یعنے دریائے پریار کے دہانے پر موجودہ کرینگنور تھا اور دوسرا ایکرئی یا ویکرئی۔ کوتیم کا بندرگاہ تھا۔ جنوب مشرق کی طرف اگر ہوا موافق ہو تو جولائی اور اگست میں عرب سے مزرس کا راستہ چالیس دن کا تھا۔ اور تاجر دسمبر یا جنوری میں اپنے کاروبار کے بعد وطن واپس جا سکتے تھے؛

یہ تمام بیانات جو یونانی اور رومی مصنفین نے وسعت اور طریقۂ تجارت کے متعلق محفوظ کر لئے ہیں بہت دلچسپ ہیں۔ مگر ان سے سلطنت کریل کی سیاسی تاریخ کے لکھنے میں کوئی مدد نہیں ملتی حقیقت یہ ہے کہ اس خاص موضوع پر اس وقت تک کسی قسم کا مواد دستیاب نہیں ہوتا۔ جب تک کہ سلطنت کا تعلق دسویں صدی میں ریاست چول سے قائم نہیں ہوا۔ مگر اس وقت کے بعد سلطنت چول کے کتبوں سے مغربی یعنے کریل کی حکومت پر بھی کچھ کچھ روشنی پڑتی ہے؛

دارالسلطنت کہا جاتا ہے کہ سلطنت چیر کا سب سے قدیم دارالسلطنت وبجی۔ ونجی یا کرور تھا۔ اس کی جگہ آج کل ایک گاؤں ترکرور واقع ہے۔ جو دریائے پریار پر کوچین سے تقریباً ۲۸ میل مشرق شمال مشرق کی سمت میں ہے۔ اس کے بعد دریائے پریار کے دہانے پر ترونجی کلم دارالسلطنت مقرر ہوا۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ضلع کوئمٹور میں کرور کا مقام سلطنت چیر کا دارالسلطنت تھا۔ مگر اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ یہ خیال غلط ہے[1]؛

---

[1] "دی تاملز ایٹین ہنڈرڈ ییرس اگو" صفحہ ۱۵۔ "انڈین انٹی کویری" جلد ۱ صفحہ ۲۲۹ جلد ۳۱ صفحہ ۳۴۳۔ ایپی گریفیا انڈکا جلد ۴ صفحہ ۲۹۔ "ساؤتھ انڈین انسکرپشنز" جلد ۳ حصۂ اول صفحہ ۳۰۔ قدیم شاہان چیر میں چند کے نام معلوم کئے گئے ہیں۔ مثلاً ستھانو رادی جو پرانکت اول کے باپ آدت چول کا ہمعصر اور دوست تھا (ایپی گرفی"

سرزمین کونگو

قدیم ترین زمانے میں جس کا کہ ہم کو علم ہے سرزمین کونگو جس میں ضلع کوئمبٹور اور سیلم کا جنوبی حصہ شامل تھا۔ سلطنت کیرل سے بالکل جدا تھی۔ مگر بعد کے زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ کیرل اور سرزمین کونگو دونوں مل کر ایک ہی سلطنت بن گئے تھے۔ اور اس کے بعد صرف سرزمین کونگو ہی کو سلطنت چیر کہا جاتا تھا۔ اور کیرل کا علاقہ اس سے جدا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ موجودہ صورت حالات میں ان تغیرات کے سنین معین نہیں کیئے جا سکتے۔ خود کیرل بھی ہمیشہ ایک ہی سلطنت نہیں رہا۔ اور آج کل بھی اس کا برطانوی علاقہ ضلع مالابار اور ٹراونکور اور کوچین کی دیسی ریاستوں میں منقسم ہے ؏

ایک قدیم بادشاہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ زبان تامل کے ادبیات کے بیان کے مطابق چین کُتُّوَن۔ جو سلطنت چیر کا ایک زبردست راجہ تھا۔ پانڈیا راجہ نیدم چلین۔ کریکال کے پوتے نیدمُدی کلی چول اور لنکا کے گجباہو اول کا ہمعصر تھا۔ اس لیئے دوسری تامل سلطنتوں کی تاریخ کی طرح سلطنت چیر یا کیرل کی بھی صحیح سیاسی تاریخ دوصدی عیسوی سے آگے کی نہیں لکھی جا سکتی۔ اور اصل تو یہ ہے کہ اس زمانے کے واقعات بھی بہت کم مذکور ہیں ؏

ٹراونکور یا جنوبی کیرل

ایک عالم و فاضل مصنف مسٹر پی۔ سندرام پلے کا جو ٹراونکور کے باشندے تھے۔ بجا طور پر یہ دعویٰ تھا کہ ان کا ملک ایک خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ کیونکہ یہاں اسلامی فتوحات کے سیلاب کا بہت ہی کم اثر پڑا ہے اس لیئے یہ رقبہ ایسا ہے کہ ہندوستان بھر میں یہیں کسی بیرونی اثر نے کام نہیں کیا اور یہیں ہندوستان کو خالص دیسی حیثیت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ ریاست ایک قسم کا عجائب خانہ ہے جہاں ہندوستان کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ صفحہ ۱۰۔ مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۹۱۹ مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۱۲ء)؏

قدیم ترین اقوام کے مذاہب قوانین۔ رسوم اور اوضاع و اطوار کے زندۂ جاوید نمونے موجود ہیں۔ اور اس محدود رقبے میں قدیم اور جدید کا مطالعہ اس خوبی سے ہوسکتا ہے کہ جس کا کسی اور جگہ میسر آنا ناممکن ہے۔ میں نے اس کے قبل بھی ایک جگہ اس خیال کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرائی تھی کہ ہندی آئین و قوانین کے صحیح مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا آغاز بجائے شمال کے جنوب سے کیا جائے۔

ٹراونکور کے راجہ ٹراونکور کی سیاسی تاریخ پر سب سے پہلے صحیح معنوں میں مذکورۂ بالا عالم نے ہی غور و فکر شروع کیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے تقریباً ایک سو سے زیادہ کتبے جو قدیم ویتلو تو حروف میں لکھے ہوئے تھے جمع کئے۔ اور ان کی مدد سے انھوں نے وہاں شاہی خاندان کا سراغ ۱۱۲۵ء تک نکالا۔ اور اس سنہ کے بعد دو صدیوں تک کے راجاؤں کی تقریباً مکمل فہرست بھی تیار کرلی۔ ان بیانات سے جو شائع ہوچکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ بارھویں صدی عیسوی کے شروع میں ٹراونکور یا جنوبی کریل راجہ راجندر چول کُلُتنگ کی سلطنت چول کا ایک حصہ تھا۔ اور بظاہر اس پر نہایت خوبی سے حکومت ہوتی تھی۔ اور بالخصوص ہاں کے گاؤں کی قدیم پنچایتوں کے طریق عمل کی تفصیلیں نہایت دلچسپ ہیں۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کسی صورت میں مرکزی نہ تھی۔ گاؤں کی پنچایتوں کو بہت کچھ انتظامی اور عدالتی اختیارات حاصل تھے۔ جن کو وہ شاہی عمال کی زیر نگرانی عمل میں

---

۵ "مسم ارلی سادرنسر آف ٹراونکورٹ" (انڈین انٹی کوئری۔ جلد ۲۴ (۱۸۹۵ء) صفحہ ۲۴۹ و ۲۷۷ و ۳۰۵ و ۳۳۳۔ ایضاً جلد ۲۶ صفحہ ۱۰۹) "مسیلینئس ٹراونکور انسکرپشنز" ایضاً جلد ۲۶ صفحہ ۱۱۳ و ۱۴۱۔ اس کے بعد کی تمام نئی تحقیقات کے نتائج مسٹر ڈی۔ نگم ایا کی "ٹراونکور سٹیٹ مینوئل" (تین جلد۔ تروندرم ۱۹۰۶ء) اور "ٹراونکور آرکی آلوجیکل سیریز" (از ۱۹۱۰ء) میں ملیں گے۔

لایا کرتے تھے۔

سلطنت چیر کے سکے

شاہان چیر کا طغرائے امتیاز کمان تھی ان کے سکے بہت نادرالوجود ہیں۔ اور صرف بعد کے زمانے کے دو نمونوں کے سکے جن پر کمان کا طغرا ہے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ سیلم اور کوئمبتور کی سرزمین کونگو میں پائے گئے ہیں۔ مجھے کریل یا ساحل مالابار کے سکوں کا کوئی حال معلوم نہیں[1]۔

مواد کی کمیابی

موجودہ صورت احوال ہیں میں سلطنت چیر یا کریل کی قدیم تاریخ کے متعلق صرف متذکرۂ بالا سطور ہی پر اکتفا کر سکتا ہوں۔ کالی کٹ کے زمورنوں کی تاریخ اس کتاب کی حدود سے باہر ہے۔ پروفیسر کیلہارن نے سلطنت کریل کے آخری زمانے کے راجاؤں اور سرداروں کے کتبوں کی ایک فہرست مرتب کر دی ہے۔ اور اس میں اکثر وہی کتبے شامل ہیں جو مسٹر سندرم پلے آنجہانی نے جمع کیے تھے[2]۔ مگر فاضل پروفیسر نے خاندان کی فہرست مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

سلطنت ستیا پتر

سلطنت ستیا پتر کے متعلق جس کا ذکر راجہ اشوک نے بھی کیا ہے اپنے قیاس اغلب کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔ اور اس موضوع پر اور کچھ زیادہ بحث کی گنجایش نہیں۔ یہ نام صرف اشوک کے فرامین ہی میں آتا ہے۔

---

[1] ٹفنل:۔ "ہنٹس ٹو کائن کلکٹرس ان سدرن انڈیا" (مدراس ۱۸۸۹ء) صفحہ ۱۷۔

[2] ایپی گریفیا انڈیکا جلد ۷ ضمیمہ ا د۔ نمبر ۶۶ - ۹۳۹ ان کتبات میں بالعموم کُلَّم یا مالابار کا سنہ جو ۸۲۴-۵ء سے شروع ہوتا ہے مستعمل ہے۔ اور تمام باتیں ان کتابوں میں ملیں گی جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ مگر یہ تفصیلات کچھ زیادہ دلچسپ نہیں۔

حصۂ ج

سلطنت چول

سرزمین چول کی روایتی حدود

ملکی روایات کے مطابق سرزمین چول (چول منڈلم) کے شمال میں دریائے پنّار اور جنوب میں جنوبی دریائے ولّارو واقع تھا۔ یا بالفاظ دیگر وہ مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ نلور سے پڈکوٹی تک پھیلی ہوئی تھی جہاں اس کا ڈانڈا پانڈیا کے قلمرو سے مل جاتا تھا۔ مغرب میں یہ کرگ کے علاقے تک جاتی تھی۔ ان متذکرۂ بالا حدود میں مشرق کے چند برطانی اضلاع کے علاوہ مدراس کا ضلع اور ریاست میسور کا ایک بڑا حصہ شامل تھا۔ جہاں تک کہ یقینی طور پر معلوم ہے سلطنت کا سب سے قدیم دارالسلطنت "اُریُور" یا قدیم "ترچناپلی" تھا۔ ایک شہر شمالی "منلور" نامی جس کا موقع و محل اب معلوم نہیں زمانۂ قبل تاریخ میں چول سلطنت کا مستقر تھا۔[۲]

سیاسی حدود کا تغیر و تبدل

متذکرۂ بالا حدود کے تعین سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ سلطنت چول کی سرحد ہمیشہ متعین ہی رہی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی ہے۔ سلطنت چول کی روایتی حدود دراصل نسلی حدود ہیں نہ کہ سیاسی۔

---

[۱] "کاسٹنز آف سدرن انڈیا"، صفحہ ۱۰۸۔ چول کو چوڑ۔ شول یا شور بھی لکھا جاتا ہے۔ کارومنڈل "چول منڈلم" کی ہی بگڑی ہوئی صورت ہے (یول اور برنل کی اینگلو انڈین گلاسری مضمون کارومنڈل) چول کے لفظ کا اطلاق قوم اور شاہی خاندان دونوں پر ہو سکتا ہے۔ مگر چول قوم کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ یہ لوگ موجودہ آبادی میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہ گیا ہے۔

[۲] انڈین انٹی کویری ۱۹۱۳ء صفحہ ۲۷۷۔

اور شمال اور مغرب میں تو یہ سرحد کم از تامل اور دیگر دراوڑ اقوام کی زبانوں میں حد فاصل ہے۔ مگر پھر بھی تامل زبان سلطنت پانڈیا اور قلمرو چول کی دیسی زبان ہے اور دریائے وِلّاڑو کے شمال و جنوب کے رہنے والوں کی نسلوں میں کسی قسم کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا ؛

سلطنت چول کا قدیم ترین ذکر۔ سلطنت چول سے حکومت پانڈیا کی طرح بینی بالکل ناواقف تھا۔ مگر کاتیاین کو کم از کم اس کا نام معلوم تھا۔ اور راجہ اشوک نے اس کی خود مختارانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور کیونکہ اس کا ثبوت مسلم ہے کہ اس عظیم الشان راجہ کی سلطنت کے حدود جنوب میں میسور کے شہر چتل دروگ میں کم از کم چودہ شمالی عرض بلد تک پھیلے ہوئے تھے اس لئے قیاس اغلب یہ ہے کہ راجگان موریا کے زمانے میں دریائے پنار سلطنت چول کا شمالی حد فاصل تھا۔ اس کے بعد کے زمانے میں یہ حدود شمال اور جنوب دونوں سمتوں میں زیادہ وسیع ہو گئے تھے۔ اور ان دونوں زمانوں کے درمیان میں خاندان پلّوا کی عظمت و شوکت کی وجہ سے اس کے حدود بہت مختصر رہ گئے تھے ؛

قدیم زمانے کی تجارت قدیم ادبیات اور یونانیوں و رومی مصنفوں کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی کی پہلی دو صدیوں کے دوران میں ساحل کارومنڈل یا چول کے بندرگاہ مشرق و مغرب کی تجارت کی منڈی بنے ہوئے تھے۔ سلطنت چول کے جہازوں کے بیڑے بجائے ساحل کے متوازی سفر کرنے کی دلیری سے خلیج بنگالہ کو عبور کر کے دریائے گنگا اور ایراودی کے دہانوں اور بحر ہند کو طے کر کے ملایا کے مجمع الجزائر میں پہنچتے تھے۔ ہر قسم کا مال و اسباب جو مصر سے کرمل یا ساحل مالابار پر آتا تھا۔ سرزمین چول میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتا تھا۔ اور اس کے برخلاف مغربی ساحل کے بندرگاہ اپنی تجارت کا تمام

سامان ساحل کے بازاروں سے جہاں سوتی کپڑا بکثرت تیار ہوتا تھا حاصل کیا کرتے تھے۔ چول کا سب سے بڑا بندرگاہ کاوِرِپَٹِیم دریائے کاویری کے دہانے پر واقع تھا۔ یہ شہر جو کسی زمانے میں عالیشان اور متمول تھا۔ جہاں بادشاہ کا ایک عالیشان محل واقع تھا اور جہاں بیرونی تاجر آکر اترتے اور آسایش و آرام کے علاوہ ہر قسم کا منافع حاصل کرتے تھے اب بالکل نیست و نابود ہوگیا ہے۔ اور آج کل اس کے بقایا آثار ریت اور مٹی کے نیچے دبے پڑے ہوئے ہیں[1]؎

کَرِکال سلطنت چول کا پہلا تاریخی یا نیم تاریخی راجہ کَرِکال ہے۔ اس کے متعلق قدیم شاعروں نے لکھا ہے کہ اس نے لنکا پر حملہ کیا تھا اور وہاں سے ہزار ہا قلی قید کرکے دریائے کاویری کا بند باندھنے کے لئے جس کا طول سو میل تھا، لایا تھا۔ اسی نے کاورِپٹنم کو آباد کیا اور اپنے مستقر کو واریور سے منتقل کرکے یہاں آبسا۔ اس کا عہد حکومت طولانی تھا۔ مگر اس کا بڑا حصہ اس نے اپنے ہمسایوں پانڈ اور چیر سے لڑنے بھڑنے میں صرف کیا۔ وہ غالباً پہلی صدی عیسوی کے نصف آخر یا شاید دوسری صدی عیسوی میں گذرا ہے۔ کَرِکال کے بعد اس کا پوتا نیندُ مدی کِلّی اس کا جانشین ہوا۔ اور اس کے عہد حکومت میں کاورِپٹنم کو سمندر نے تباہ کردیا۔ یہ راجہ چین کتون چیر اور لنکا کے راجہ گجباہو اول کا ہمعصر تھا۔ اس زمانے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم تھوڑی مدت کے لئے چیر راجہ تمام جنوبی ہند میں سب راجاؤں سے زبردست ہوگیا تھا۔ اور سلطنت چول کی عظمت ایسی رخصت ہوگئی تھی کہ صدیوں بعد تک اُس کی قسمت نے پلٹا نہ کھایا؎

خاندان پَلّوَ کا عروج مختلف ادبی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ عیسوی کی دوسری یا تیسری صدی میں سلطنت چول اور دوسرے

[1] "دی ٹاملز ایٹین ہنڈرڈ ییرس اگو" صفحہ ۲۵ و ۲۶ و ۳۸؎

تامل راجاؤں کی قوت وصولت میں ضعف آنا شروع ہوا۔ اور آرؤ اکریا اس ہی قسم کے دوسرے قبیلوں نے جو بظاہر تامل قوم سے بالکل ممیز تھے ان کی جگہ لینی شروع کی۔ۓ خاندان پلّو کے قدیم ترین کتبات سے جو چوتھی صدی عیسوی کے شروع کے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہی پلّو خاندان کا ایک راجہ سرزمین چول کے عین درمیان میں کانچی کے مقام پر حکمراں تھا۔ اور یہ تقریباً بالکل ممکن ہے کہ یہ پلّو خاندان بھی متذکرۂ بالا قبائل ہی میں سے ہوں۔ مگر بہرحال اصلیت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ یقینی ہے کہ جب تقریباً سنہ ۳۵۰ء میں سمدرگپت نے جنوب پر یورش کی ہے تو کانچی میں ایک پلّو راجہ برسرحکومت تھا۔ اور اسی وجہ سے خاندان چول کی سلطنت اس زمانے میں بہت مختصر سی رہ گئی ہوگی۔ اس کے بعد ساتویں صدی عیسوی تک سلطنت چول کی تاریخ کے متعلق کچھ معلوم نہیں ۔ؔ

ہیون سانگ اسی صدی کے نصف اول میں ہیون سانگ کے چول سلطنت کے متعلق بیانات بہت دلچسپ ہیں۔ مگر اس کے سفرنامے کے شارحوں کو ان کی اہمیت کا پورا اندازہ اور احساس

لہ "دی ٹاملز ایٹین ہنڈرڈ ییرس ایگو" صفحہ ۴۷-۴۸ ایس۔ کرشنا سوامی آئنگر کا مضمون "سم بائنٹس ان ٹامل لٹریری ہسٹری" (مالابار کوارٹرلی ریویو سنہ ۱۹۰۴ء) مسٹر کنکسبھائی کی کتاب میں سنین کو بہت قدیم قرار دیا گیا ہے مسٹر ایس۔ کے۔ اینگر کی کتاب "انیشنٹ انڈیا" (سنہ ۱۹۱۱ء) کا باب ۶۔ سلطنت چول کی بہترین تاریخ ہے۔ مسٹر کے۔ وی۔ ایس۔ ایر نے اپنے مضمون "کرکال اینڈ ہز ٹائمز" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۴۶) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ چھٹی صدی عیسوی کے نصف اول میں گذرا ہے مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اور میرے نزدیک یہ خیال شروع ہی سے بالکل غلط اصول پر مبنی ہے۔ اور اس سے تامل علم ادب کے تمام سنین غلط ہو جاتے ہیں ۔ؔ

نہیں ہوا۔ جنوبی ہند کی طرف اس کا سفر جس میں کہ وہ خاندان پلّو کے صدر مقام کانچی تک چلا گیا تھا یقیناً ۶۴۰ء میں ہوا تھا۔ اس وقت سلطنت چول (چو۔ لی۔ یا) ایک مختصر سی ریاست تھی۔ اور رقبہ میں (۴۰۰) یا (۵۰۰) میل سے زیادہ نہ تھی۔ اس زمانے میں اس کا مستقر ایک ایسا چھوٹا سا شہر تھا جس کا گرد اصرف دو میل تھا۔ ملک بہت کچھ ویران اور برباد پڑا ہوا تھا۔ اس میں جگہ جگہ گرم دلدلیں اور جنگل تھے۔ جن میں معدودے چند وحشی لوگ رہتے اور دن دہاڑے لوٹ مار کرتے تھے۔ بودھ مذہب کی چند خانقاہیں تھیں۔ مگر سب ویران اور برباد حالت میں۔ اور جو بھکشو ان میں مقیم تھے وہ بھی ان خانقاہوں کی طرح تباہ و خستہ حالت میں تھے۔ جین مت بالعموم مقبول عام تھا۔ مگر خال خال برہمنی مذہب کے مندر بھی پائے جاتے تھے۔ ملک کا موقع اس طرح بتلایا گیا ہے کہ وہ امراوتی سے کم و بیش دو سو میل جنوب مشرق میں تھا۔ اور اسی وجہ سے اس میں اضلاع مفوضہ کا ایک حصہ اور بالخصوص ضلع کڈپہ شامل ہوگا۔ چونکہ اسی علاقہ میں سخت گرمی اور وہ تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کا ذکر چینی درویش نے کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ ۱۸۰۰ء میں انگریزوں کے قبضہ میں آنے تک وہ برابر لوٹ مار کے لئے بدنام تھا۔ جاتری نے محض چول "سرزمین" کا ذکر کیا ہے۔ مگر بادشاہ کا نام نہیں لکھا۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ مقامی راجہ بالکل عضو معطل۔ اور کانچی کے زبردست پلّو راجہ نرسمہورمن کا جس نے دو سال بعد ہی چلکیا کی قوت کو توڑا تھا، باجگذار ہو[1]۔ سرزمین چول کے متعلق چینی جاتری کے بیان کے مطلب کی صحت کی تصدیق ضلع کڈپہ میں مقامی راجاؤں کے سنگی کتبوں کی دریافت سے ہوتی ہے جو آٹھویں صدی کے پہلے کے حروف میں لکھے ہوئے ہیں[2]۔

---

[1] بیل۔ جلد دوم صفحہ ۲۲۷۔ و ۲۳۰۔ و ٹیرس جلد دوم صفحہ ۲۲۴۔

[2] "رپورٹ آن ایپی گریفی" مدراس۔ جی۔ او۔ پبلک نمبر ۵۱۸ مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸۔ اور نمبر ۵۰۳ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۶ء۔ فقرہ ۴۳ ۱۹۰۸ء میں ریاست کڈپہ کی

خاندان پلوَ کا زوال و انحطاط

آٹھویں صدی کے شروع میں جنوب کی سلطنت اعلیٰ کی حکومت کے لئے دکن کے خاندان چلکیا اور کانچی کے خاندان پلوَ میں برابر بازار کارزار گرم رہا۔ اور چول بیکار محض سمجھے گئے۔ مگر ۷۴۰ء میں جب خاندان چلکیا کے راجہ بکرماجیت نے کانچی کے پلوَ راجہ کو شکست دی تو موخر الذکر کی طاقت ٹوٹ گئی۔ اب چول کو، جو اس سے قبل شمال میں پلوَ اور جنوب میں پانڈیا خاندان کے درمیان پسا جارہا تھا، اس بات کا موقع ملا کہ پھر اپنی پرانی عظمت کو قائم کرلے۔ اسی زمانے میں ہم کو ایک چول راجہ وجیالیا کا حال معلوم ہوتا ہے جو نویں صدی کے درمیان میں تخت پر بیٹھا اور چونتیس برس تک حکمراں رہا۔ اس کے بیٹے آدت نے (تقریبًا ۸۸۰-۹۰۷ء) اپراجت پلوَ کو شکست دی اور خاندان پلوَ کی عظمت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔

پران تک اوّل

۹۰۷ء میں آدت کے بیٹے اور جانشین پران تک کے تخت نشینی سے مورخ کو سنین کا پورا پورا مواد حاصل ہوجاتا ہے۔ اور وہ ایک بارگی کتبوں کی کثرت کی وجہ سے ایک جال میں پھنس جاتا ہے۔ صرف ایک سال یعنے ۹۰۶-۷ء میں ہی پران تک کے چالیس سے زیادہ ایسے کتبے نقل کیئے گئے جو اس کے تیسرے سنہ جلوس (۹۰۹-۱۰ء) سے لے کر اکتالیسویں سال (۹۴۷-۴۸ء) تک پہنچتے تھے۔ اس اولوالعزم راجہ نے صرف خاندان پلوَ کی طاقت ہی کے توڑنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جنوب کی طرف اپنی فتوحات کو اور زیادہ وسیع کرتے ہوئے سلطنت پانڈیا کے دارالسلطنت مدرا کو فتح کیا۔ اور اس کے راجہ کو بالکل بے خانمان کردیا۔ اور پھر لنکا پر فوج کشی کی۔

چول سلطنت کا نظام حکومت

پران تک اوّل کے بعض طویل کتبے گاؤں کے آئین و قوانین کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے خصوصًا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: ۔۔۔ حالت کے متعلق۔ دیکھو۔ ہملٹن کی کتاب "ڈسکرپشن آف ہندوستان" ۱۸۲۰ء جلد ۲ صفحہ ۳۲۳۔

قابل توجہ ہیں۔ کیونکہ ان میں مقامی معاملات کے تصفیہ اور گاؤں کی پنچائتوں کے تمام حالات تفصیل سے پائے جاتے ہیں۔ یہ پنچائتیں شاہی احکام کے ماتحت عدالتی اور انتظامی کام انجام دیتی تھیں۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مقامی حکومت خود اختیاری کی یہ صورت جو اس طرح مقبول خاص وعام تھی ایک مدت ہوئی کہ بالکل ناپید ہوگئی ہے۔ موجودہ حکومتوں کو بھی اگر ایسی ہی قابل دیہاتی پنچائتیں میسر آجائیں۔ تو ان کے لئے بہت سہولت اور آرام کا باعث ثابت ہوں۔ اس موضوع پر دو ہندی علماء نے غور کیا ہے۔ اور اس کے متعلق ان کی کتابوں کا مطالعہ سود مند ثابت ہوگا۔ آئندہ زمانے میں جب کبھی جنوبی ہند کی تاریخ تمام وکمال لکھے جانے کے قابل ہو جائے گی۔ تو یقیناً چول کے نظام سلطنت کے بیان کو اس میں نہایت نمایاں جگہ دی جائے گی[1]۔

پران تک کے جانشین — پران تک اوّل سنہ ۹۴۹ء میں فوت ہوا۔ اس کا بیٹا راجہ دت راشٹرکوٹ راجہ کرشنا راجہ سوم کے مقابلہ میں لڑتا ہوا تکلا کے مقام پر مارا گیا۔ اس کے بعد پانچ راجہ یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔ اور ان کی حکومتوں کا زمانہ قلیل اور فتنہ وفساد سے پُر تھا۔

راجہ راجہ دیو اعظم۔ سنہ جلوس سنہ ۹۸۵ء — سنہ ۹۸۵ء میں راجہ راجہ دیو اعظم کی تخت نشینی سے خاندانی تنازعات اور سازشوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اب سلطنت چول کا مالک ایک ایسا راجہ ہوا جس میں اتنی قابلیت تھی کہ وہ اس سلطنت کو جنوب کی سب سے بڑی سلطنت بنا دے۔ تقریباً

---

[1] ایس۔ کرشنا سوامی آئنگر:۔ "دی چول ایڈمنسٹریشن سنہ ۹۰۰-۱۳۰۰ء" (مدراس ریویو سنہ ۱۹۰۳ء) اور "اینشنٹ انڈیا" صفحہ ۹۱-۱۵۸۔ وی ونکیا:۔ "ولیج اسمبلیز ان سدرن انڈیا ان اینشنٹ ٹائمز" (آرکی آلوجیکل سروے۔ اینول رپورٹ سنہ ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۲۰۳-۲۱۱)۔

اٹھائیس برس کی عہد حکومت کے دوران میں اس نے متواتر فتوحات حاصل کیں۔ اور جب وہ فوت ہوا ہے تو سلطنت چول بلاشرکت غیرے جنوبی ہند کی حکومت اعلیٰ تھی۔ اور اس میں احاطۂ مدراس کا تقریباً تمام حصہ اور لنکا اور میسور کا ایک بڑا حصہ شامل تھا۔

لنکا وغیرہ کی فتح

اس نے اپنی فتوحات کا آغاز چیر بیڑے کی بربادی سے کیا۔ چودھویں سنہ جلوس میں اس کی فتوحات میں ونگی کے مشرقی خاندان چلکیا کی سلطنت کا علاقہ جس پر اس سے قبل پلوؔ قابض تھے۔ کرگ۔ سرزمین پانڈیا۔ اور دکن کی سطح مرتفع کے وسیع علاقے شامل تھے۔ اس کے بعد تین سال کے عرصہ میں ساحل مالا بار پر کیولن (کلم) اور شمال میں ریاست کلنگ بھی اس کی قلمرو سے ملحق کیئے گئے۔ اس کے بعد راجہ راجہ نے اپنی توجہ لنکا کی طرف مبذول کی۔ اور مدت مدید کی فوج کشی کے بعد بیسویں سنہ جلوس میں یہ جزیرہ بھی اس کی سلطنت میں مل گیا۔ ۱۰۰۵ء یا اس کے قریب اس نے اپنی تلوار ہاتھ سے رکھی۔ اور باقی ماندہ زندگی امن و امان سے گذاردی۔ ۱۰۱۱ء سے اس کا بیٹا راجندر خاندان چول کے دستور کے مطابق سلطنت میں اس کا شریک قرار پایا۔

خاندان چلکیا کے ساتھ جنگ

چلکیا اور پلوؔ کے خاندانوں میں عہد قدیم ہی سے سلطنت میں دشمنی اور رقابت چلی آتی تھی۔ جب پلوؔ خاندان کی طاقت ٹوٹ گئی اور چول نے حکومت اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے ان کی جگہ لی تو یہ رقابت بھی ان کو ورثہ میں ملی۔ اسی وجہ سے چول اور چلکیا میں چار سال تک میدان کارزار گرم رہا۔ اور انجام کار چلکیا کو جنھیں راشٹر کوتوں کی غلامی سے آزاد ہوئے بہت زمانہ نہ گذرا تھا، شکست ہوئی۔

بحری جنگیں

راجہ راجہ کے پاس ایک زبردست بیڑا تھا اور وہ اس کو نہایت کامیابی سے استعمال کیا کرتا تھا۔ چنانچہ انتیسویں سنہ جلوس میں اس نے بہت سے گمنام جزیروں پر

جن سے مراد غالباً لکادیو اور مالدیو ہے۔ قبضہ کر لیا تھا۔ یہ اس کا آخری کارنامہ تھا ؛

تنجور کا مندر اس نے اپنے دارالسلطنت تنجور (تنجُوؤُور) میں مندر تعمیر کرایا۔ اس کی دیواروں پر اس کے چھبیسویں سنہ جلوس میں اس کی تمام فتوحات کی تصاویر کندہ کرائی گئیں۔ یہ مندر اب تک راجہ راجہ کی عظمت وشان کی یادکو زندہ رکھنے کے لئے باقی ہے ؛

بودھ مذہب اگرچہ وہ بذات خود شو کا پرستار تھا۔ مگر اس میں مذہبی رواداری کا اتنا مادہ ضرور تھا کہ اس نے نیگپٹم کے بندرگاہ پر برمیوں کے بودھ مت کا مندر تعمیر کرا دیا۔ چنانچہ ایسے دو مندر پندرھویں صدی تک مقدس اور مرجع خاص وعام بنے رہے۔ ان میں ایک جو غالباً راجہ راجہ کا بنایا ہوا تھا۔ ۱۸۶۷ء تک تباہ وخستہ حالت میں باقی رہا۔ مگر اس سال جیسوئٹ فرقے کے پادریوں نے اُسے برباد کیا اور اس کے ملبے سے عیسوی عمارتیں تعمیر کرا لیں[۱] ؛

راجندر اوّل۔ گنگئی کونڈ سنہ جلوس ۱۰۱۸ء راجہ راجہ کا بیٹا راجندر چولدیو اول الملقب بہ گنگئی کونڈا س کا جانشین ہوا۔ اور اس نے اپنے باپ سے بھی زیادہ جوش وخروش اور کامیابی کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بیڑے نے خلیج بنگالہ کو عبور کر کے پردم یا پیگو کے قدیم پایۂ تخت کدارم (کِدارم) کو ہلہ کر کے فتح کیا۔ اور اس کے علاوہ اسی ساحل پر تکلم اور متم یا مرتبان کے بندرگاہوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان شہروں کی فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی مدت کے لیئے تمام سلطنت پیگو چول سلطنت کا ایک حصہ بن گئی[۲]۔ پیگو کے شہر میں سنگ سرخ کے جو دو ستون

---

[۱] انڈین انٹی کویری جلد ۷ صفحہ ۲۲۴۔ مع لوح۔ مدراس۔ جی۔ او۔ پبلک نمبر ۲۳-۱۲۲ مورخہ ۱۹ اگست ۱۸۹۹ء ؛

[۲] دی۔ کنگسبھائی:۔ دی کانکوئسٹ آف بنگال اینڈ برما بائی دی ملا مدرا

اب بھی موجود ہیں ان کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ چول راجہ نے اپنی فتح کی یادگاریں نصب کرایا تھا۔ یہ فتوحات ۲۵-۱۰۲۴ء کے درمیان واقع ہوئی تھیں[1]۔ پیگو کی فتح کے بعد نکو بار (نیک وارم) اور انڈمان کے جزیرے فتح ہوئے۔

اس کی جنگیں اور پایۂ تخت

اپنے عہد حکومت کے شروع سالوں راجندر چول دیو نے شمالی دول کے ساتھ متواتر جنگیں کیں۔ یہاں تک کہ اس کا مقابلہ بہار و بنگال کے راجہ مہی پال سے ہوا۔ اور اس کی فوجیں دریائے گنگا کے کنارے تک پہنچ گئیں۔ اس کارنامے کی یادگار میں اس نے گنگئی کوند کا لقب اختیار کیا۔ اور گنگئی کوندنے چول پورم کے نام سے ایک نیا دارالسلطنت بسایا۔ اس نئے شہر کے قرب و جوار میں اس نے ایک مصنوعی جھیل بنائی جس کا بند سولہ میل کا تھا۔ اور اس میں ایک وسیع رقبہ کی آبپاشی کے لیئے سب ضروری وسائل موجود تھے۔ اس شہر میں ایک عالیشان محل اور ایک زبردست مندر بھی تھا۔ جس میں ایک بت۔ دس گز اونچا سنگ موسیٰ کے ایک ٹکڑے سے تراشا ہوا موجود تھا۔ ان عمارتوں کے کھنڈر جن کو موجودہ زمانے کے کفایت شعاروں کے ہاتھ سے بہت کچھ گزند پہنچ چکے ہیں۔ اب بھی ضلع ترچنا پلی کے ایک ویران میدان میں اپنی پرانی شان و شوکت کو پہلو میں لیئے ہوئے تن تنہا کھڑے ہیں۔ مندروں کی سنگتراشی کے نمونے نہایت

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ (مدراس ریویو ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۵۱)۔ کدارم کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پردم سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھرے کھیتر کا مقام ہے (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲۔ صفحہ ۶ و ۱۶۰) تکولم = (ٹولمی کے) تکول (باب ۷ فصل ۲ و ۵۔ انڈین انٹی کویری جلد ۱۳ صفحہ ۳۷۳) یہ اب ایتھیا کہلاتا ہے (ایضاً جلد ۲۱ صفحہ ۳۸۳) اور موجودہ ساحل سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

[1] آرکی آلوجیکل سروے آف برما۔ پروگرس رپورٹ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۹۔

قابل تعریف ہیں[۱]۔ راجندر گنگئی کوند کی حکومت کے دوران میں قلمرو پانڈیا چول خاندان کے زیر حکومت رہی۔ اور اسی راجہ کا بیٹا۔ چول پانڈیا کے لقب سے اس علاقہ پر بطور نائب السلطنت کے حکمراں رہا[۲]۔

راجہ ادھراج یوُراجہ ۱۰۱۸ء ۔ راجہ ۱۰۳۵ء

راجندر کا سب سے بڑا بیٹا راجہ آدھراجہ جو ۱۰۱۸ء سے یوور سلطنت میں اپنے باپ کا شریک تھا[۳]۔ ۱۰۳۵ء میں اس کا جانشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے ہمسایوں کے ساتھ جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر کار وہ ۱۰۵۲ء یا ۱۰۵۳ء میں جنگ کپّم کے موقعہ پر چلکیا فوج کے ساتھ ایک گھمسان معرکہ میں مارا گیا۔ اس جنگ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ دریائے تنگبھدرا چول اور چلکیا سلطنتوں کے درمیان حدِ فاصل رہے۔ مگر باوجود راجہ آدھراجہ کی موت کے اس سلطنت کا بدلہ۔ اس کے بھائی راجندر پرکیسری ورمن نے جو وہیں میدان جنگ میں تخت نشین کر دیا گیا تھا لے لیا۔

اس راجہ اور اس کے تین جانشینوں کے عہد میں معمولی لڑائیاں

[۱] "ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون" شکل ۱۶۱-۱۵۹۔ اس عمارت کی تفصیلی پیمائش اور حال مع تصاویر نہایت ہی دلچسپ ثابت ہوگا۔

[۲] "رپورٹ آن ایپی گریفی" مدراس جی۔ او۔ پبلک۔ نمبر ۵۰۳۔ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء۔ فقرہ ۲۵۔

[۳] ولیعہد سلطنت یا یوُراجہ کو شریک حکومت بنانے کا چول خاندان کے دستور سے سنین جلوس اکثر اوقات مبہم ہو جاتے ہیں۔ مگر تاریخوں کا تعین بکمال خوبی پروفیسر کیلہارن نے کر دیا ہے (ایپی گریفیا انڈکا جلد ۸ ضمیمہ ۲ صفحہ ۲۶) کتبوں کے متعلق تمام تفصیلوں کا پتہ مضمون مذکورۂ بالا سے لگ سکتا ہے۔ بعد کی تمام دریافتوں کا پتہ "رپورٹس آن ایپی گریفی" مدراس جی۔ او۔ نمبر ۴۹۲ مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۶ء۔ اور نمبر ۵۰۳۔ مورخہ ۲۶ جون ۱۹۰۷ء اور بعد کے نمبروں سے لگ سکتا ہے۔

برابر جاری رہیں۔ مگر ان کی تفصیلوں میں کوئی ایسی بات نہیں جو قابل یادداشت ہو۔ ان میں سے سب سے زیادہ مشہور واقعہ جنگ کُوڈل سنگم ہے جو دریائے کرشنا اور تنگبھدرا کے مقام اتصال پر ہوئی تھی۔ اس میں ویر راجندر چول (س جلوس ۱۰۶۲ تا ۱۰۶۳ء) کے ہاتھوں چلکیا راجہ کو سخت شکست ہوئی۔ جب سلطنت چلکیا میں سلطنت کے دو دعویدار بھائیوں سمیسور دوم اور بکرماجیت کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوئی تو ویر راجندر چول نے موخرالذکر کا ساتھ دیا اور اس سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔

جنگ کُوڈل سنگم

سیاسی انقلاب: ادھراجندر

۱۰۷۰ء میں ویر راجندر فوت ہوا۔ اس کے بعد سلطنت کے متعدد دعویدار پیدا ہو گئے اور ان میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ بکرماجیت چلکیا جب اپنے دکن کے تخت و تاج پر پورے طور سے متمکن ہو گیا تو اپنے برادر نسبتی ادھراجندر کی مدد کے لیئے آمادہ ہوا۔ اور ۱۰۶۳ء میں اس کو چول سلطنت کا مالک بنا دیا۔ مگر یہ نیا راجہ ہر دلعزیز ثابت نہ ہوا اور دو سال کے بعد ۱۰۷۰ء میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کی موت سے زمانہ وسطیٰ کی عظیم الشان خاندان چول کی بالراست حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

خاندان چلکیا چول۔ کُلوتنگ اول ۱۰۷۰ء–۱۱۱۸ء

معلوم ہوتا ہے کہ ادھراجندر نے کوئی ایسی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی جو اس کے بعد تخت و تاج کو سنبھال لیتی۔ چنانچہ اس کا جانشین اس کا ایک عزیز راجندر رہا۔ جو بعد میں کُلوتنگ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ راجندر کی ماں گنگئی کوند چول کی بیٹی تھی۔ اور وہ ونگی کے اس مشرقی خاندان چلکیا کے راجہ کا بیٹا تھا جو ۱۰۶۲ء میں مرا۔ مگر راجندر نے چول دربار میں رہنا پسند کیا اور چند سال تک اپنے چچا کو ونگی پر حکمران رہنے دیا۔ ۱۰۷۰ء میں وہ ونگی کا راجہ ہوا۔ اور اس نے چار سال بعد جب ادھراجندر کو قتل کیا گیا تو وہ تمام چول سلطنت پر بھی متصرف ہو گیا۔ اس طرح وہ ایک نئے خاندان چلکیا چول کا بانی ہوا۔ اور کلوتنگ چول کا لقب اختیار کیا۔ مگر وہ

اس نئے منصب کا پورا اہل ثابت ہوا۔ اور (۴۹) برس تک اس نے نہایت ہی کامرانی کے ساتھ اس وسیع سلطنت پر حکومت کی۔ اس نے مشرقی گنگ راجہ اننتو رمن چوڈ کو شکست دے کر کلنگ کو دوبارہ فتح کیا۔ اندرونی انتظامات میں اس کی حکومت کا زمانہ اس وجہ سے خاص کر مشہور ہے کہ سنہ ۱۰۸۶ء میں تمام سلطنت کی اراضی کی پیمایش لگان کی تشخیص کے لئے نئے سرے سے کی گئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی سنہ تھا جس میں انگلستان میں ڈومز ڈے بک تیار ہوئی۔

رامانج مشہور و معروف ہندو فلسفی رامانج نے جو جنوب میں وشنو کے طریق کا سب سے بڑا بزرگ مانا جاتا ہے۔ کانچی میں تعلیم پائی۔ اور ادھراجندر کے زمانے میں ترچناپلی کے قریب سری رنگم کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ مگر خود راجہ شیو طریق کا معتقد تھا۔ اور اس کو رامانج سے دشمنی تھی۔ اسی وجہ سے وہ ادھراجندر کی موت تک میسور کے علاقے میں جا رہا۔ اس کے بعد یہ فلسفی سری رنگم میں واپس آگیا اور زندگی بھر وہیں رہا۔[1]

بکرم چول سنہ جلوس ۱۱۱۸ء کلوتنگ کا بیٹا اور جانشین بکرم چول اپنے آبا و اجداد کی روایات کے بموجب اپنے ہمسائیوں سے لڑتا بھڑتا رہا۔ اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے خاندان کو

---

[1] ادھراجندر۔ کلوتنگ۔ اور رامانج کے حالات لکھنے میں میں نے بھٹ ناتھ سوامی کے مضمون "دی چولاز اینڈ چلکیاز ان دی الیونتھ سنچری" (انڈین انٹی کویری سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲۱۷ - ۲۷) سے استفادہ کیا ہے۔ ان کا یہ مضمون تمام تر ایک منظوم تاریخ "دیویا سور چرت" سے ماخوذ ہے۔ اور ان کا ارادہ ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ جلد بعد تصحیح شائع کر دیں۔ متن کتاب سنہ ۱۸۸۵ء میں میسور میں شائع ہوئی تھی۔ کلوتنگ کے لقب کے معنی "خاندان کا بزرگ ترین فرد" ہیں۔

حکومت اعلیٰ بنا دیا تھا۔[1] اس کے بعد کے تین بادشاہ کسی طرح مشہور نہیں۔ اور ان کا زمانہ بھی کم تھا؛

کلوتنگ سوم — سنہ جلوس ۱۱۷۸ء

خاندان چول کا سب سے آخری بڑا بادشاہ کلوتنگ سوم تھا۔ اس نے سنہ ۱۱۷۸ء سے تقریباً چالیس برس حکومت کی۔ اس کے بعد جانشینی کے متعلق خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اور چول راجاؤں کی حیثیت بالکل گر گئی۔ سنہ ۱۳۱۰ء تک کی قلیل مدت کے لئے پانڈیا خاندان نے جنوب میں پھر اپنی پرانی حیثیت کو قائم کر لیا۔ مگر اس سال اور اس کے بعد کے زمانے میں ملک کافور کی اسلامی فوج کی فتوحات کے سامنے جنوبی ہند کی تمام ہندو ریاستوں کا زور ٹوٹ گیا۔ چودھویں صدی میں سلطنت وجیا نگر کی ترقی سے جزیرہ نما ہند میں ہندوؤں کا نئے سرے سے دور دورہ ہو گیا۔ اور تقریباً سنہ ۱۳۷۰ء میں انتہائی جنوب کا علاقہ سلطنت وجیا نگر کے ہاتھ میں آگیا[2]؛

حصہ د

خاندان پلو

خاندان پلو کی ابتداء

پلو کون تھے۔ کہاں سے آئے۔ اور کس طرح انھوں نے جنوب ہند میں اپنے آپ کو اتنی بڑی طاقت بنا لیا؟

---

[1] بکرم چول کے کارناموں کا بیان تامل زبان کی ایک نظم "بکرم چول اُلا" میں پایا جاتا ہے (انڈین انٹی کویری جلد ۲۲ صفحہ ۱۴۲)؛

[2] مدرا کے مسلمان سلاطین کے سکّے سنہ ۱۳۲۹-۳۰ سے ۱۳۷۷-۸ء تک پائے جاتے ہیں۔ (ہلٹش - جے - آر - اے - ایس - سنہ ۱۹۰۹ء صفحہ ۶۸۲)؛

یہ ایسے سوالات ہیں۔ جن کا موجودہ حالات میں شافی جواب نہیں دیا جاسکتا ۔

پلَوَ اور پہلَوَ کے دونوں الفاظ میں اس قدر مشابہت ہے کہ بعض مصنفوں نے اس قیاس کو بہت کچھ مان لیا ہے کہ پہلو اور پلو ایک ہی ہیں۔ اور اس طرح وہ آگے چل کر یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ کانچی کے پلَوَ راجہ ایرانی النسل تھے۔ مگر زمانۂ حال کی تحقیقات سے اب تک کوئی ایسے تاریخی واقعات معلوم نہیں ہوئے۔ جن سے اس قیاس کی تائید ہو سکے۔ زیادہ قرین قیاس بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پلَوَ یہیں ہندوستان کی کوئی ذات۔ قبیلہ یا قوم تھی[1] بعض اوقات ان کو "کرمب" سمجھ لیا جاتا ہے۔ جو بموجب روایت کے ایک زمانے میں ایک سمندر سے لے کر دوسرے سمندر تک تمام دراوڑی ملک پر متصرف تھے۔ لیکن مسٹر ونکیا نے بالکل درست کہا ہے کہ "اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا کرمب واقعی پلَوَ تھے یا ان سے بالکل جدا تھے"۔ مگر اول تو پلَوَ ہمیشہ تامل سلطنتوں کے جانی دشمن تھے اور دوسرے روایتیں ان کی سلطنت کی حدود کی تصریح نہیں کرتیں۔ ان دونوں واقعوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تامل قوم سے بالکل مختلف تھے۔ اور ان کی حکومت پانڈیا۔ چول اور چیر راجاؤں کے علی الرغم ان تینوں سلطنتوں پر پھیلی تھی۔ کیونکہ روایات کے مطابق یہی تین حکومتیں تھیں جن میں جنوبی ہند کا تمام علاقہ منقسم تھا۔ لیکن اگر ہم ان تمام قیاسات پر نظر کر کے یہ فرض کر لیں کہ پلَوَ اٹھارھویں صدی کے مرہٹوں کی طرح ایک غارت گر اور لٹیری قوم تھی۔ جس نے بزور شمشیر تقریباً چول سلطنت کو ہضم کر لیا۔ اور باقی تامل حکومتوں پر اپنا سکہ جما دیا۔ تو میرے نزدیک واقعات ایک بڑی حد تک اس قیاس کی تائید میں پائے جائینگے ۔

---

[1] مسٹر رِی کا خیال ہے کہ یہ نام تامل زبان سے مشتق ہے۔ پال بمعنی "دودھ" مذکر "ادن" (واحد) اور "اور" (جمع)۔ اور اس طرح پلَوَ کی وہی ذات ہے جو شمالی ہند میں گوالوں اور اہیروں کی ہے ۔

وہ ذاتیں جن کا تعلق پلَوَ سے تھا

پُدُوکوتیٔ کی باجگذار ریاست کا راجہ جو کلّر قبیلہ کا مسلم سردار ہے۔ اب تک اپنے آپ کو راجہ پلَوَ کہتا ہے اور اس قدیم شاہی خاندان کی اولاد میں سے ہونے کا دعویدار ہے۔ بقول سر والٹر ایلیٹ کلّر "ان قبائل میں سے ہیں جن کا پیشہ غارت گری اور لوٹ مار ہے" اور اس کے علاوہ ان کی "دلیرانہ۔ ان تھک۔ اور فوجی عادات وخصائل" ایسے ہیں جو قدیم پلَوَ خاندان کی تاریخی حالات سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔ زمانۂ حال سے ذرا قبل ہی کلّر کرناٹک کے ضلع جو باشندوں پر غالب تھے۔ اور مرہٹوں کے چوتھ کی طرح ان سے بھی روپیہ وصول کیا کرتے تھے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ پلَوَ بھی اپنی تمام سیاسی طاقت کو اسی طرح کام میں لاتے تھے۔ اور ان کی وسعت میں تامل سلطنتوں کی کمزوری اور غاصب قبیلہ کی طاقت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ پلّی ذات۔ اور وَلّال کی زراعت پیشہ ذات کے بعض طبقے بھی جو کلّر اور مَرَوَ ذاتوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں مشہور ہیں، پلَوَ کی اولاد ہونے کے مدعی ہیں[1]۔ ممکن ہے کہ "جرائم پیشہ" اقوام جن میں غالباً پلَوَ شامل تھے۔

---

[1] ایلیٹ:۔ "کائنز آف سدرن انڈیا"، صفحہ ۴۴ - ۴۰۔ کلّر (یا چوروں) کی ذات جو اس پیشہ کو آبائی سمجھتی تھی۔ صرف سرزمین مَرَوَ (ساحل کے پاس کا علاقہ) یا ان اضلاع میں پائی جاتی ہے جہاں مچھلیاں بکثرت دستیاب ہوتی ہیں۔ ملک کے حکمران بھی اسی ذات کے تھے۔ یہ لوگ چوری کے پیشے کو اپنے لئے یا اپنے ساتھیوں کے لئے باعث ننگ وعار نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ چوری کو محض اپنا ذریعۂ معاش اور موروثی پیشہ تصور کرتے ہیں۔ اور نہ ان کو اپنی ذات یا پیشے سے شرم آتی ہے۔ اگر کوئی کسی کلّر سے یہ پوچھے کہ اس کی ذات کیا ہے تو وہ بلا تامل جواب دے گا کہ وہ چور ہے۔ یہ ذات مدرا سے کے علاقے میں۔ جہاں یہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ شودروں میں سب سے زیادہ معزز مانی جاتی ہے۔ (ڈبوآ:۔ ہندو مینرس۔ کسٹمز اینڈ سیریمینیز مصحح بیوچمپ۔ طبع سوم صفحہ ۱۷)۔

عام آبادی کے اس حصہ سے تعلق رکھتے تھے جو تامل سے مختلف اور غالباً ان سے زیادہ قدیم تھا[1]؎

قدیم ترین پلّو راجہ

اس خاندان کے قدیم تذکرے چند تانبے کی لوحوں پر لکھے ہوئے عطیات کے کتبے ہیں جو ضلع گنتور میں پائے گئے ہیں۔ ان سے ایک راجہ کا حال معلوم ہوتا ہے جو کانچی میں حکمراں تھا۔ اور جس کی سلطنت امراوتی یعنے دریائے کرشنا کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ عطیات تقریباً چوتھی صدی عیسوی کے شروع کے ہیں۔ اور پراکرت زبان میں لکھے ہوئے ہیں۔ مگر ان میں سلطنت کی ابتدا کے متعلق اشارتاً بھی کچھ نہیں ملتا۔ مگر بہرحال یہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سلطنت تیسری صدی عیسوی ہی میں قائم ہوئی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرض کیا جاسکتا ہے کہ اس کا قیام اندھروں کی سلطنت کے بقایا پر ہوا ہوگا۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی ابتدا اس سے ذرا قبل ہوئی ہو۔ تمام مصنف اس امر میں متفق ہیں۔ کہ کانچی کا راجہ وشنوگپت جس کو ۳۵۰ء میں سمدرگپت نے شکست دی تھی خاندان پلّو ہی کا راجہ تھا۔ اور غالباً ونگی کے راجہ کا ہمعصر ہستی ورمن بھی پلّو ہی تھا۔ وشنوگپت اور ہستی ورمن دونوں کے دونوں نام خاندان پلّو کے شجرۂ نسب میں ملتے ہیں۔ کانچی کا راجہ سمہورمن (سنہ جلوس ۴۳۷ء[2]) بودھ مذہب کا پیرو تھا۔ اسی قسم کے چند صرف

---

[1] کڈون (یعنے جنگل کا باشندہ) تامل زبان میں پلّو کا مترادف ہے (انڈین انٹی کویری صفحہ ۱۴۳ جلد ۲۲)۔ اگر پلّو واقعی غیر ممالک کے اور ایرانی نسل کے تھے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کڈون کہے جائیں اور کلّر اور مرورز ذاتوں سے ان کا تعلق بھی ہو؎

[2] یہ تاریخ (سک ۳۵۹ء) اس سنہ کی سب سے قدیم تاریخ ہے۔ اور اس کو جین مت کی ایک کتاب کے خاتمہ سے اخذ کیا گیا ہے (آرکی آلوجیکل سروے آف میسور۔ رپورٹ ۱۹۰۸-۹ء صفحہ ۱۳۔ ۱۹۰۹-۱۰ء۔ فقرہ (۱۱۵) قدیم پلّو راجاؤں کے متعلق دیکھو:۔ ایلیٹ:۔ "کائنز آف سدرن انڈیا" صفحہ ۳۹۔ اور ہلٹزش (ایپی گرافیا انڈکا جلد ۸ ضمیمہ ۲ صفحہ ۱۹)؎

پراگندہ واقعات ہی خاندان پلَوَ کے قدیم راجاؤں کے متعلق معلوم ہیں ؛

سمہوشنو

چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر یعنے چلکیا خاندان کی تاریخ کے آغاز سے ۷۵۳ء یعنے راشٹر کوتون کے ہاتھوں ان کی بربادی تک پلَوَ اور چلکیا خاندانوں کا جو ایک دوسرے کو "فطرتی دشمن" سمجھتے تھے - ہمیشہ تعلق رہا - اور ان میں اکثر جنگ وجدال ہوتی رہی - ہر ایک خاندان کا اصلی مقصد یہ تھا کہ کسی طرح جنوبی ہند کی سلطنت کو بالکلیہ حاصل کرلے - اس تقریباً دو صدی کے عرصہ میں نو بادشاہوں تک شاہی خاندان کا شجرۂ نسب بالکل یقینی ہے[1] - ان راجاؤں کا آغاز سمہوشنو (سنہ جلوس ۵۷۵ء) سے ہوتا ہے - نرسمہوشنو کا دعویٰ ہے کہ اس نے لنکا کے راجہ اور تینوں تامل سلطنتوں کو شکست دی تھی ؛

مہندرورمن اوّل اس کے رفاہ عام کے کام

نرسمہوشنو کا بیٹا مہندرورمن اول (تقریباً ۶۰۰ تا ۶۲۵ء) اس کا جانشین ہوا - اس نے ترچناپلی - چنگل پت شمالی ارکاٹ اور جنوبی ارکاٹ کے اضلاع میں بہت سے سنگی مندروں کو کھدوا کر اپنا نام ہمیشہ کے لیئے روشن کردیا - اس کے علاوہ اس کی شہرت ارکاٹ اور آرکونم کے درمیان مہندرواڑی کے شہر کے کھنڈروں میں بھی باقی ہے - اسی شہر کے قریب اس نے ایک بڑا زبردست تالاب

---

[1] تفصیلات پروفیسر کیلہارن نے دی ہیں (کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۲۰) - ذیل کا تمام بیان (ان مقامات کے سوا جہاں خصوصاً تصریح کردی گئی ہو) تین کتابوں پر مبنی ہے - یعنے (۱) ونکیا "دی پلَوَ" (آرکی آلوجیکل سروے انڈیا - اینول رپورٹ ۱۹۰۶ء-۷ صفحہ ۲۴۳-۲۱۷) - (۲) ہلش کا "دی پلَوَ السکرپشنز آف دی سیون پیگوڈاز" (ایپی گرفیا انڈیکا جلد ۱۰ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۱-۱۴) - اور (۳) ری: "پلَوَ آرکی ٹکچر" ۱۹۰۹ء مع (۱۲۴) لوحوں کے یہ کتاب "آرکی آلوجیکل سروے" کی ۳۴ ویں جلد ہے - مسٹر ونکیا کی قبل از وقت وفات سے دنیا کو سخت نقصان پہنچا ہے ؛

مہندر بھی تعمیر کرایا تھا۔ چنانچہ وشنو کے نام کا ایک سنگی مندر اس تالاب کے کنارے پر اب بھی باقی ہے[1]۔

اس کی جنگیں

جنگ و جدل کے معاملے میں مہندر ورمن کو چلکیا راجہ پلکیسن دوم جیسے دشمن صعب سے سابقہ پڑا۔ چنانچہ اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے ۶۰۹ء یا ۶۱۰ء میں پلّو راجہ کو شکست فاش دی تھی۔ اسی زمانے کے قریب چلکیا راجہ نے ونگی کے صوبے کو جو پلّو سلطنت کا شمالی حصہ تھا اپنی سلطنت کے ساتھ ملحق کر لیا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی کو اس کی حکومت سپرد کر دی۔ یہی شخص ہے جس نے مشرقی خاندان چلکیا کی بنیاد ڈالی۔ قیاس غالب یہ ہے کہ ونگی کے ہاتھ سے نکل جانے کے احساس ہی سے پلّو خاندان کو جنوب کی طرف اپنی سلطنت کی وسعت کا خیال پیدا ہوا۔ اور یہ یقینی ہے کہ مہندر ورمن ترچنا پلی پر قابض تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع شروع میں جین تھا۔ اور تامل قوم کے مشہور مذہبی پیشوا نے اس کو شو کا پرستار بنایا تھا۔ تبدیل مذہب کے بعد راجہ نے جنوبی ارکاٹ کے مقام پاٹلی پترم کی زبردست جین خانقاہ منہدم کرا دی اور اس کی جگہ شو کے نام کا ایک مندر تعمیر کرا دیا۔ غالباً جین فرقے کے لوگ قدیم دارالسلطنت کے نام کو جنوب میں لے گئے تھے[2] اور مدراس کے قریب اس نام کا شہر آباد ہوا تھا۔ مگر بہر حال یہ واقعہ دلچسپ ضرور ہے۔

نرسمہو رمن تقریباً ۶۲۵ء-۶۴۵ء

مہندر ورمن کے جانشین نرسمہو رمن اول (تقریباً ۶۲۵ء-۶۴۵ء) کے زمانے میں خاندان پلّو کی طاقت انتہائے عروج کو

---

[1] "رپورٹ آن ایپی گریفی" مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۵۱۸۔ مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸

[2] "آرکی آلوجیکل سروے انول رپورٹ" ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۲۰۲۔ ۱۸۸۲ء میں جب مسٹر سیول نے اپنی کتاب "لسٹ آف انٹی کوٹیز" (مدراس۔ جلد اول صفحہ ۱۶۲) میں مہندر وادی پر نوٹ لکھا ہے تو اس وقت یہ علم نہ تھا کہ اس شہر کی بنا پلّو خاندان سے ہوئی ہے۔

پہنچ گئی۔ ۶۴۲ء میں اس نے اپنے دشمن پلکیسن دوم کا پایۂ تخت واتاپی فتح کرکے گذشتہ شکستوں کا بدلا لیا۔ اور غالباً اس جنگ میں خود پلکیسن دوم بھی مارا گیا۔ مگر یہ یقینی ہے کہ شکست ایسی سخت تھی کہ تیرہ برس تک خاندان چلکیا اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو پھر حاصل نہ کرسکا۔ اس کے برعکس پَلّوَ راجہ جنوبی ہند کا سب سے زبردست راجہ ہوگیا۔ اور اپنی سلطنت میسور اور دکن کے علاقوں تک وسیع کرلی۔ پَلّوَ راجہ کو اس مہم میں لنکا کے ایک شہزادے مانوم سے بہت کچھ مدد ملی۔ چنانچہ آخر میں شکر گذار ہندی راجہ کی فوج کی مدد سے اس شہزادے نے اپنے ملک کے تخت و تاج کو حاصل کرلیا[1]۔

ہیون سانگ کا کانچی میں قیام

ہیون سانگ ۶۴۰ء میں نرسمہورمن اول کے زمانے میں کانچی آیا اور ایک مدت تک اس نے وہاں قیام کیا۔ اس نے اس ملک کا نام جس کا پایۂ تخت کانچی تھا دراوڑ لکھا ہے۔ اور اس کا محیط ایک ہزار میل بتلایا ہے۔ اس لئے یہ علاقہ بہ ہیئت مجموعی حسب روایت "سرزمین چول" کے برابر تھا اور شمالی پنار اور جنوبی وَلار دریاؤں کے درمیان واقع تھا۔ زمین زرخیز تھی۔ اور اس کی کاشت باقاعدہ کی جاتی تھی۔ چنانچہ اس میں ہر قسم کا غلہ۔ اور پھل پھول افراط سے پیدا ہوتے تھے۔ دارالسلطنت پانچ یا چھ میل کے محیط کا زبردست شہر تھا۔ اور تمام سلطنت میں جاتری کو ایک سو سے زائد بودھ مذہب کی خانقاہیں ملیں[2] اور ان میں اندازاً دس ہزار سے زیادہ بھکشو مقیم تھے۔

---

[1] ماوس حصۂ دوم۔ باب ۴۷۔

[2] مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خانقاہوں کے کھنڈر کہاں ہیں؟ ایک زبردست عمارت "جہاں ملک کے تمام مشاہیر جمع ہوا کرتے تھے" کانچی کے جنوب میں واقع تھی اور اشوک کا بنایا ہوا سو فٹ بلند ایک ستوپ اس کے قریب ہی تھا۔

یہ سب کے سب لنکا کے لوگوں کی کثیر تعداد کی طرح مہایانا کے ستھور فرقے کے پیرو تھے۔ ہندو اور جین مذہبوں کے مندر تعداد میں کم و بیش اسّی تھے۔ اور جنوبی ہند کے اکثر اقطاع کی طرح یہاں بھی ڈگمبر یعنے ننگے جینوں کا زور تھا۔ زیادہ جنوب کی طرف سلطنت پانڈیا سے بودھ مذہب تقریباً ناپید ہو چکا تھا۔ کانچی کو جو ہندوؤں کے سات سب سے مقدس مقامات میں شمار ہوتا ہے۔ بودھ مذہب والے اس وجہ سے مقدس مانتے تھے۔ کہ وہاں ان کا ایک مشہور و معروف فلسفی دھرمپال پیدا ہوا تھا۔ یہ شخص نالندا کی خانقاہ کے ناظم کی حیثیت سے ہیون سانگ کے استاد سیلبھدر کا پیشرو تھا[1]۔

عمارات۔ چٹانوں سے کھدے ہوئے قدیم ترین مندر مامل پورم[2] کے مقام پر "سات مندر" (سیون پیگوڈاز) کے نام سے مشہور ہیں۔ یہی جگہ آج کل دھرم راج رتھ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مندر نرسنہ ورمن کے بنائے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس نے مہامل یعنے "شجاع اعظم" کا خطاب اختیار کیا تھا۔ اور اسی لقب پر شہر کا نام رکھا گیا۔ اسی قسم کے اور مندر بھی اس وقت تک جب کہ پلو کے موروثی دشمنوں نے ان کے دارالسلطنت کانچی پر قبضہ کر لیا تھا برابر پلو راجہ بناتے رہے۔ اور غالباً ان میں سے بعض مندروں کے ناتمام رہ جانے کی وجہ یہی آفت سماوی ہو گی۔

[1] بیل:۔ ریکارڈس۔ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۔ ۲۲۸۔ لائف صفحہ ۱۴۰۔ ۱۳۸۔ واٹرس۔ جلد ۲ صفحہ ۲۲۶۔ آئی۔ سنگ:۔ ریکارڈس آف دی بُدھسٹ ریلیجن"۔ ترجمہ تکسو۔ مقدمہ ۵۷ و ۵۸۔ متن کتاب صفحہ ۱۷۹ و ۱۸۱۔

[2] اس شہر کا نام مختلف طور پر لکھا جاتا ہے۔ مثلاً ماوَلی ورم۔ مہابلی پورم۔ مہاولی پور وغیرہ۔ مگر متن کتاب میں صحیح نام درج کیا گیا ہے۔ "بلی" یا "ولی" کا لفظ غلطی پر مبنی ہے۔

وہ خوبصورت اور عالیشان مندر جواب کانچی میں کیلاس ناتھ کے نام سے مشہور ہے نرسمہورمن دوم الملقب بہ راجسمہہ نے تعمیر کرایا تھا۔

پرمیشورورمن

سنہ ۶۵۵ع یا اس کے قریب پلکیسن کے بیٹے بکرماجیت اوّل چلکیا نے اپنے خاندان کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر حاصل کیا اور نرسمہورمن کے جانشین پرمیشورورمن سے اپنے باپ کی سلطنت پھر فتح کر لی۔ اس جنگ کے دوران میں پلوؤں کے پایۂ تخت کانچی پر چلکیا خاندان والے تھوڑی مدت کے لئے قابض و متصرف ہو گئے۔ اور دوسری طرف پلوؤں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے پیرو لنگلور مقام پر اپنے دشمنوں کو شکست دی تھی۔

نندی ورمن

یہ دوامی جنگ بعد کے راجاؤں کے زمانے میں بھی برابر جاری رہی۔ سنہ ۷۴۰ع میں بکرماجیت دوم چلکیا نے ایک مرتبہ پھر کانچی پر قبضہ کیا۔ اور نندی ورمن پلوؤں کو ایسی سخت اور قطعی شکست دی کہ اس واقعہ کو پلوؤں کی حکومت اور عروج کے خاتمہ کا آغاز سمجھنا چاہئیے۔ نندی ورمن، جو تقریباً سنہ ۷۲۰ع میں نرسمہورمن دوم کا جانشین ہوا سمہوشنو کے ایک بھائی کی اولاد ہونے کی وجہ سے اس راجہ کا رشتہ کا بھائی تھا۔ اس طرح جانشینی کے قواعد و ضوابط میں جو یکبارگی تغیر و تبدل واقع ہوا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عام انتخاب پر مبنی تھا۔ اور کانچی ورم (کانچی) کے مقام پر ویکنٹ پیرمال کے مندر میں ایسی سنگتراشی کے نمونے خستہ حالت میں موجود ہیں۔ جن کے ساتھ ان کا موضوع سمجھانے کے لئے عبارتیں بھی موجود ہیں۔ ان نمونوں کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اسی خاندانی انقلاب کی تصویر پیش کرتے ہیں[1]۔

اپراجست - نندی ورمن نے کم و بیش نصف صدی تک حکومت کی۔

---

[1] "رپورٹ آن ایپی گرافی" مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۴۹۲ مورخہ ۲ جولائی سنہ ۱۹۰۶ع نقرہ ۴-۲۔

اور اپراجت اس کا جانشین ہوا۔ اس نے سری پرمبیا کی جنگ میں پانڈیا راجہ ورگن ووم کو شکست دی۔ مگر نویں صدی کے آخری حصے میں خود آدت چول سے مغلوب ہو گیا[1]۔ اس واقعہ کے بعد پلو کی عظمت، جو اس سے قبل ۷۵۳ء خاندان چلکیا کی کامرانیوں کی وجہ سے بہت کچھ کمزور اور ضعیف ہو گئی تھی، اب بالکل ٹوٹ گئی۔ اور چول نے ان کی جگہ لی۔ اور جیسا کہ اس سے قبل بیان ہو چکا ہے۔ انھوں نے دسویں اور گیارھویں صدی کے دوران میں کم و بیش مکمل طور سے جنوب کی تمام سلطنتوں کو اپنے حیطۂ اقتدار میں لے لیا؛

راشٹر کوٹوں سے جنگ اپنے زوال و انحطاط کے زمانے میں بھی پلو سرداروں نے جنگ و جدل کا سلسلہ برابر قائم رکھا۔ آٹھویں صدی کے وسط میں جب خاندان چلکیا کی بربادی پر راشٹر کوٹوں نے ان کی جگہ لی تو دکن کی سلطنت اعلیٰ اور ان کے جنوبی رقیبوں میں عناد اور کشمکش کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور نئے فرمانرواؤں نے خاندان پلو کے ساتھ فوراً اپنے تنازعات کی یاد کو تازہ کیا۔ خاندان چلکیا کے برباد کن دنتی درگا کے چچازاد بھائی راجہ دھرو نے ۷۷۵ء میں پلو خاندان کو شکست فاش دی۔ اور اس کے بیٹے گوبند سوم نے ۸۰۳ء میں کانچی کے راجہ دنتگ سے خراج وصول کیا؛

شاہان گنگ دسویں صدی کے دوران میں ہم کو شاہان پلو اور گنگوادی یا میسور کے شاہان گنگ کے درمیان جنگوں کا پتہ چلتا ہے۔ موخر الذکر خاندان مغربی گنگ کے نام سے مشہور ہے، اور تاکہ ان کو اسی نام کے راجاؤں سے تمیز کیا جا سکے جو مشرق کی جانب کالنگ پر حکمران تھے اور کلنگ نگرم یعنے ضلع گنجام میں موجودہ مکھلنگم کا

[1] "رپورٹ آن ایپی گرافی" مدراس جی۔ او۔ پبلک۔ نمبر ۴۹۲۔ مورخہ ۲ جولائی ۱۹۰۶ء۔ فقرہ ۲۱ و ۲۵۔ اور نمبر ۵۰۲۔ مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۷ء۔ فقرہ ۲۴ و ۲۸۔ ۱۹؛

مقام ان کا صدر مقام تھا۔ کلنگ کے مشرقی خاندان گنگ کا سب سے زبردست مشہور راجہ اننتورمن چودگنگ تھا اس نے ۱۰۷۶ء سے ۱۱۴۷ء تک اکہتّر برس حکومت کی اور گنگا سے لے کر دریائے گوداوری تک کے خاصے وسیع علاقے پر اپنا تسلط جما لیا۔ اسی نے جگناتھ پوری کا مندر تعمیر کرایا تھا[1]۔

آخری یَلوَ راجہ خاندان یَلوَ کے آخری راجہ بڑی بڑی سلطنتوں کے محض باجگذار امرا اور عمال رہ گئے تھے۔ اور یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ راجہ بکرم چول کے باجگذاروں میں بارھویں صدی کے اوائل میں یَلوَ راجہ کی حیثیت سب سے زیادہ سمجھی جاتی تھی[2]۔ پتہ لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ محدود مقامی راجاؤں کی صورت میں وہ تیرھویں صدی تک باقی رہے۔ اور یَلوَ امرا کے نام تو سترھویں صدی تک سننے میں آتے ہیں۔ مگر اس صدی کے بعد یَلوَ کا نام امتیازی نسل یا قوم ہونے کے لحاظ سے بالکل مٹ جاتا ہے اور وہ کلّر۔ پلّی اور وَلّال ذاتوں میں ضم ہو جاتے ہیں[3]۔

---

[1] من موہن چکرادرتی: "کرانالوجی آف دی ایسٹرن گنگا کنگس آف اڑیسہ" (یہ ایک نہایت ہی اچھا مضمون ہے)۔ جے۔ اے۔ ایس۔ بی۔ جلد ۷۲ حصہ ۱ (سنہ ۱۹۰۳ء) مکھلنگم کے لیے جو پرلکیمدی سے کوئی بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دیکھو اپی گریفیا انڈکا جلد ۴۔ صفحہ ۱۸۳-۱۹۳۔ اور مدراس جی۔ او۔ پبلک نمبر ۸۲۹-۲۷ ۸۔ مورخہ ۲۵ اگست سنہ ۱۹۰۲ء مغربی گنگ خاندان کی تاریخ پر ڈاکٹر فلیٹ نے "کنریز ڈائنسٹیز" میں بحث کی ہے۔

[2] انڈین اینٹی کویری جلد ۲۱ صفحہ ۳۴۳۔

[3] یَلوَ کے کتبات کے مضامین کا ایک ملخص فلیٹ "بمبئی گزیٹیر" (سنہ ۱۸۹۶ء) جلد ۱۔ حصہ ۲ "ڈائنسٹیز آف دی کنریز ڈسٹرکٹس" طبع دوم میں جمع کر دیا ہے۔ یہ کتبے وہ ہیں جو سنہ ۱۸۹۶ء تک دریافت ہوئے تھے۔ اس کے بعد کی تمام دریافتوں پر دساؤتھ انڈین

مذہب | پانچویں صدی عیسوی میں سب سے پہلے تاریخی پلّو راجہ نے امراوتی میں ایک مورت مندر میں بطور نذرانہ پیش کی تھی۔ اس کے متعلق صریحاً یہ بیان موجود ہے کہ بودھ کا چیلا تھا۔ اور غالب قیاس یہ ہے کہ اس خاندان کے دوسرے اراکین بھی ضرور بودھ مذہب کے پیرو ہوں گے[1] مگر چند شہزادے بالخصوص شو کے مذہبی فرقے سے تعلق رکھتے تھے[2]۔ مہندر ورمن شروع زندگی میں جین تھا۔ اور شیو کے فرقے والوں کو اذیتیں پہنچاتا تھا۔ مگر آخر کار اس نے شیو کا مذہب اختیار کرلیا۔ اور اپنے پرانے دوستوں کو ستانا شروع کیا۔ اور ان کی سب سے بڑی خانقاہ کو منہدم کرادیا[3]۔

مگر ان خاص خاص واقعات کو نظرانداز کردینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بالعموم حریف اور مدمقابل مذاہب کے پیرو پہلو بہ پہلو صلح و آشتی سے رہتے تھے اور ہر ایک کی حکومت پوری پوری حفاظت کرتی تھی۔ کم از کم ہیون سانگ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۶۴۰ء میں یہی حال تھا۔ بعد کے تمام پلو راجہ بظاہر شو کے پرستار تھے۔ اور اس کے نشان یعنے بیل کو انھوں نے اپنے خاندان کا طغرا مقرر کیا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ انسکرپشنز" (اینول پروگرس رپورٹس آف دی آرکی آلوجیکل سروے)۔ کیلہارن کی "لسٹ" اور "سپلیمنٹ" (اپی گریفیا انڈکا جلد ۷ و ۸ ضمیمہ) اور دوسری کتب مذکورہ میں بحث کی گئی ہے۔

[1] امراوتی کا کتبہ نمبر ۳۹۔ (ساوتھ انڈین انسکرپشنز جلد اول صفحہ ۲۵)۔ اس کتبے کو نیچے سے اوپر کی طرف پڑھنا چاہیئے۔ میں نے راجہ سمہ ورمن اور اس بادشاہ کے ایک ہی ہونے کو فرض کرلیا ہے جو ۴۳۶ء (سک ۳۵۹ء) میں تخت پر بیٹھا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ کتبہ کسی قدیم ترکتبے کی نقل ہو۔ (دنکیا کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۲۴ حاشیہ ۹)۔

[2] مثلاً ہستی ورمن (اُتّورا)۔ وجیا سکند ورمن۔ وشنو گوپا ورمن۔

[3] ونکیا۔ کتاب مذکورۂ بالا صفحہ ۲۳۵ مع حواشی۔

ان میں دو بادشاہ مذہب کے معاملے میں ایسے جوشیلے تھے کہ ان کو (۹۳) شیوا کا بر مذہب کے زمرہ میں جگہ دی گئی ہے[1]۔

خاتمہ۔ میرا کام جو میں نے محض شوقیہ اپنے ذمے لے لیا تھا۔ ختم ہو گیا ہے۔ اور یہ کتاب اب اپنی نئی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ جہاں تک مصنف کا تعلق ہے یہی شکل اس کی آخری شکل معلوم ہوتی ہے۔ پچیس برس ہوئے کہ اس کا خاکہ تیار ہوا تھا۔ اور اس کے سولہ برس بعد وہ نہایت ناتمام صورت میں سب سے پہلے شایع ہوئی۔ اس ناتمام کتاب کو ناظرین نے جس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اس سے امید بندھتی ہے کہ اسے بھی وہی عزت و شرف حاصل ہوگا۔ اور اس سے ہند قدیم کی تاریخ کے مطالعہ میں جس میں اب ہندوستانی اور بیرونی علماء کثرت سے منہمک ہیں۔ مدد ملے گی اور اس میں دلچسپی پیدا ہو گی۔ مورخ کے تنگ و تاریک راستے پر روزانہ اس قدر روشنی کی شعاعیں پڑ رہی ہیں کہ مجھے قوی امید ہے کہ میرے بعد کے علماء ان مقامات سے جہاں ہر قدم پر میرا پیر پھلستا تھا اور لغزش پیدا ہوتی تھی۔ نہایت اطمینان قلب کے ساتھ گذریں گے۔

اس کتاب میں ہندوؤں کی ہندوستان کی سیاسی تاریخ سے بحث کی گئی ہے۔ یہی ملک واقعی طور پر برہمنوں کے وطن ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور اس میں اُس کی عجیب و غریب تمدن و تہذیب کی وجہ سے ایک خاص کشش اور فریفتگی پیدا ہو گئی ہے۔ ہندوؤں کے ہندوستان کی یہی اجنبیت بمقابلہ اسلامی یا برطانوی فتوحات کے اس کی تاریخ کو یورپین اور امریکن تمام ناظرین کے لئے خشک بنا دیتی ہے۔ مگر جو شخص ہندوستان کی موجودہ حالت کو کما حقہ سمجھنا چاہتا ہو اس کو

[1] ایضاً صفحہ ۲۲۹۔ حاشیہ ۱۱۔

چاہیئے کہ اپنا تھوڑا بہت وقت قدیم تاریخ کے مطالعہ میں بھی صرف کرے ؛

ہندوستان کی سیاسی تاریخ یونان۔ روم یا موجودہ یورپ کی تاریخوں سے اس معاملے میں مقابلہ نہیں کرسکتی کہ اس میں شہروں یا سلطنتوں کے آئین وقوانین کا ارتقا پایا جاتا ہے۔ دوسری ایشیائی اقوام کی طرح ہندوستانی بھی ہمیشہ خود مختارانہ حکومت ہی پر قانع رہے ہیں۔ اور ان دو حکومتوں کے درمیان فرق صرف خود مختار بادشاہوں کے مزاج اور قابلیتوں کا فرق ہی متصور ہوسکتا ہے۔ اور اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہوتی کہ آئین میں بھی کسی قسم کا ارتقا پیدا ہوا تھا۔ چندر اگپتا موریا۔ اشوک اور اکبر جیسے لائق وفائق بادشاہوں کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط بالعموم ان کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہوجایا کرتے تھے۔ حکومت ہند کا وہ دستورالعمل جو اب تبدیج تیار ہورہا ہے بیرونی اثرات سے متاثر ہے۔ جن لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیئے اس کو اختراع کیا جارہا ہے ان کی سمجھ سے باہر ہے۔ اور ممکن ہی نہیں کہ وہ بالعموم ہر دلعزیز ہوجائے ؛

تاریخ ہند کی سب سے اہم شاخ اس کی علمی ترقیوں کی تاریخ ہے۔ مگر کسی ملک کے فلسفی۔ مذہبی۔ علمی۔ ادبی اور فنون لطیفہ کی صحیح معنوں میں تاریخ لکھنے کے لیئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے سیاسی واقعات وانقلابات کی تاریخ مکمل کرلی جائے۔ وہ ناظرین جن کو ایسی تاریخ خشک یا بعض مرتبہ نفرت انگیز معلوم ہوتی ہو۔ ان کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کے وجود سے وقت وسنہ کے لحاظ سے اور زیادہ دلچسپ کتابوں کا لکھا جانا ممکن ہوگا ؛

تمت

فہرست اسماء رجال و مقامات قدیم تاریخ ہند

الف

Aphamiotai	افیموٹیٔ
Oxiknos	آکسی کناس
Arachosia	اراکوسیہ
Attalos	اٹلاس
Antigenes	انٹی جنیز
Agenor	اگنور
Alexander's Haven	الکزنڈرس ہیون
Arabis	اربس
Oreitai	ارٹیٔ
Arabioi	اربوئی
Apollophanes	اپالوفینز
Ichthyophagoi	اختھوفےگئو
Antipater	انٹی پیٹر
Antigonos	انٹی گونس
Ipsos	اپساس
Aelian	ایلین
Atheneaum	ایتھینم
Allitrochades	ایلی ٹروکیڈیس
Athenaios	اتھینیوس
Antiochs Soter	انٹی آکس سوٹر
Appain	اپین
Oldfield	اولڈفیلڈ
Otto Franke	آٹو فرینک
Emile Senart	امیلی سینارٹ
Edmunds	ایڈمنڈس

Epirus	اپیرس
Antigonos Gonatas	انٹی گونس گونٹس
Erymandrus	ارمینڈرس
Orosius	اروسئیس
Arsakes Theos	ارسکیز تھیوس
Azes	ازیس
Azilises	ازیلیسیس
Abdagases	ابڈگیسیس
Orthanges	آرتھگنیس
Origen	اوریجن
Agesilaos	اگےسلوس
Agathokleia	اگتھوکلیا
Agathokles	اگتھوکلیز
Amyntas	امنٹس
Antialkidas	انٹی الکڈس
Antimachos	انٹی میکس
Archebios	ارکیبیاس
Artemidros	ارٹی میڈراس
Epander	اپینڈر
Aniketos	انی کیٹاس
Augustus	اگسٹس
Ammiauces Marcellinus	امیئنس مارسی لیئنس
Otho	آتھو
Antoninus Pius	انٹونینس پئیس
Elagabalus	ایلاگبیلس

Alexander Severus	الکزنڈر سیورس
Oldham	اولڈہم
Endymion	انڈی میان
Attila	اٹلا
Ettinghausen	اٹنگاسن
Alfred Lyall	الفرڈ لائل
Ibbetson	ابٹسن
Alaric	الارک

ب

Buhler	بیوہلر
Bode (Mrs)	(مسز) بوڈ
Bayley	بیلی
Beal	بیل
Burgess	برگس
Block	بلاک
Bellew	بیلو
(Sir) Bindon Blood	(سر) بنڈن بلڈ
Bessus	بیسس
Boukephala	بوک فلا
Barclay Head	برکلے ہیڈ
Burnes	برنس
(Sir) Bartle Frere	(سر) بارٹل فیرر
Boedromion	بوڈرومیان
Bevan	بیون
Bendall	بنڈل
Burnouf	برناف
Burnett	برنیٹ
Beleokourus	بیلیکورس
Bardanes	برڈنیس
Petra	بطرے
Burdett	برڈٹ
Basil	باسل
Bushell	بُشل
Burn	برن
Beveridge	بیورج
Boyd	بائڈ
Blochmann	بلاکمین
Batauyal (U. C.)	بٹویل
Buchanan	بوچنن
Baden Powell	بیڈن پاول
Beames	بیمز
Breeks	بریکس
Burnell	برنل

پ

Pargiter	پرگیٹر
Petrie	پٹری

ت

ٹ

ٹراجن	Trajan
ٹیٹس	Titus
ٹیفینتھالر	Tieffenthalter
ٹیٹ (جی پی)	Tate (G. P.)
ٹفنل	Tufnell

ج

جان سٹل	John Still
جولیا ڈومنا	Julia Domna
جولین	Julien
جسٹن	Justin
جارڈائن	Jardine
جیکسن	Jackson
جوزف دہلمان	Joseph Dahlmann
جیولئنس	Julianus
جسٹینین	Justinian

چ

چاوُنیز	Chavannes
چزنی	Chesney
چینگ۔کیان	Chang-kien
چارلس ریولنز	Charles Ruelens

ڈ

ڈوسن	Dowson
ڈینی سن راس	Denison Ross
ڈایوڈورس	Diodorus
ڈیئونی ساس	Dionysos
ڈرٹا	Dyrta
ڈلفیا	Delphai
ڈرنگیانہ	Drangiana
ڈیمکاس	Deimachos
ڈرائسن	Droysen
ڈیمٹرئس	Demetrios
ڈیوڈیس	Diomedes
ڈیکیئوس	Dekaios
ڈورن	Dourin
ڈگلاس	Douglas
ڈیون کیسئس	Dion Cassius
ڈومیشین	Domitian
داکلیشئن	Diocletion
ڈف	Duff
ڈومزڈے بک	Domesday Book
ڈبوآ	Dubois

ر

روس	Rouse

ک

کاول	Cowell
کیلہارن	Kielhorn
کٹیسئس	Ktesias
کینڈوس	Knidos
کوئنٹس کرٹئس	Quintus Curtius
کونی بیر	Conybeare
کارڈیر	Cordier
کننگھم	Cunningham
کلپروتھ	Klaproth
کینڈی	Kennedy
کس پیے پیرس	Kaspapyros
کریٹراس	Kretros
کرسبی	Karasibie
کنڈسبی	Kondasbe
کلیوفس	Kleophis
کیانوس	Koinos
کتھوئی	Kathaioi
کبیرائی	Cabeiri
کورٹ	Court
کونسل	Consul
کریمس	Chremes
کنگسمل	Kingsmill
کوسنس	Cousens
کونگ اسوکا	Konig Asoka
کوسمبی	Kosambi
کرامول	Cromwell
کرک	Crooke
کارلائل	Carlleyle
کرن	Kern
کورسموئی	Chorasmioi
کرولانیومیسمیٹکا	Corolla Numismatica
کڈفائسس	Kadphises
کیلئاپ	Kalliope
کلیمنٹ	Clement
کاسمس انڈکو پلسٹیز	Cosmas Indico pleustes
کورنتھ	Corinth
کرسٹ	Kriste
کاسماکروسی	Cosma Korosi
کیوٹسیوکیو	Kieu-tsieu-Kio
کوزلکڈفیس	Kozola Kadaphes
کو-فو	Kao-Fu
کی-پن	Ki-pin
کلی گلا	Caligula
کموڈس	Commodus
کراکلا	Caracalla
کا-پی-لی	Ka-pi-li
کیتھ	Kieth
کے	Kaye
کنو	Konow

کولبرک	Colebrook
کنکیڈ	Kincaid
کیلوبتھراس	Caelobothras

گ

گوئٹے	Geothe
گیوریٖنو	Guerinot
گیگر	Geiger
گارڈنر	Gardiner
گائلز	Giles
گیرسن	Grierson
گوریئس	Gowraios
گلاسیا	Glausia
گلاکینکوئی	Glaukankoi
گنڈرس	Gandaris
گروٹ	Grote
گڈروسیئو	Gedrosioi
گراؤس	Growse
گانڈوفرس	Gandophares
گارب	Garbe
گرنوڈل	Grunwedel
گرمبٹیس	Grumbates
گئیس	Gaius
گلبا	Galba
گوور	Gover
گیٹ	Gait
گاتھ	Goth
گولڈسٹکر	Goldstucker
گربل	Gribble

ل

لیگاس	Lagos
لیوس رائس	Lewis Rice
لیوڈرس	Luders
لیگ	Legge
لیڈلے	Laidlay
لینڈرس	Landresse
لاکوپیرے	Lacouperie
لیوناٹاس	Leonnatos
لیسی ڈی مونیا	Lacedaemonia
لانگ مین	Longman
لوڈکے	Loadike
لیسئاس	Lysias
لن شیو	Lan-sheu
لیبخ	Liebich
لینگ	Laing
لاکمے	La Comme
لینمین	Lanman

ہرپلس	Harpolos
ہیلوت	Helot
ہیگ	Haig
ہارڈی	Hardy
ہملٹن	Hamilton
ہاجسن	Hdgson
ہپوکورا	Hippokoura
ہرکینیا	Hyrkania
ہیلیوکلیز	Heliokles
ہرمیاس	Hermaios
ہیلیوڈوروس	Heliodoros
ہڈرین	Hadrian
ہیلئوس	Helios
ہرکلیز	Herakles
ہیونگ-نو	Hiung-nu
ہَن	Han
ہیئز	Haes
ہُن	Hun
ہسیوین	Hsiao Yen
ہیو-لی	Hwui-li

ی

یول	Yule
یوڈیمس	Eudemos
یومینیز	Eumenes
یوکریٹائڈیز	Eukratides
یوسی بئس	Eusebius
یوتھی ڈیمس	Euthydemos
ین-کو-چنگ	Yen-Kao-ching
یورے لئن	Aurelian
یو-اے	Yue-ai
یوفرکٹ	Aufrecht

غلط نامہ قدیم تاریخ ہند

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۸	اگر	اگرچہ	۳۵	۶	درادر	دراوڑ
۵	۱۹	ہو گیا	آگیا	۳۷	۱۵	آرکی آلوجی کلا	آرکی آلوجی کل
۵	۲۱	سندھ	سندھیں				
۱۰	۲۰	جو	اور	۳۸	۱۹	انکا	انگا
۱۰	۲۲	یقین	تعین	۳۹	۱۴	انکا	انگا
۱۰	۲۴	انٹیکو پری	انٹیکویری	۴۱	۱۷	بنکال جین	(بنگال) میں
۱۱	۲۲	اسٹیسن	اسٹین	۴۱	۲۳	اسان	موجود
۱۳	۱۸	آرین	ایرین	۴۲	۵	اس	اس سے
۱۴	۲۱	بیگاس	لیگاس	۴۲	۲۴	ہرہست	بھرہت
۱۵	۲۴	ٹی سی۔ کومنی بیر	ایف۔سی کونی بیر	۴۳	۲۳	ہرہٹ	بھرہت
۱۷	۱۰	اس کے	ان کے	۴۵	۱۲	جا تستر	ابا تستر
۱۷	۱۵	ویس	دینس	۴۹	۱۱	کا اجین	یعنی اجین
۱۷	۲۳	پول	مین پول	۵۰	۱۱	ہوسکتا	کا ہوسکتا
۲۰	۱۵	کیوس	لیوس	۵۱	۲۴	Le	Ce
۲۴	۱۷	سمندرگپت	سمدرگپت	۵۵	۱	چندراگپت	چندراگپتا
۲۶	۱۵	زبان	بان	۵۵	۲۴	ملک کرنڈل	میک کرنڈل
۲۷	۶	یرال	یران	۵۶	۱	سندھ کی	سندھ کے
۲۷	۱۳	پارگیٹر	پرگیٹر	۵۶	۲	پرویون	پردیسیوں
۳۱	۵	ڈیرٹس	ویٹرس	۶۳	۱۸	پارمے تین	پارمے نین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۰	۱	مسکا	مسگا
۷۰	۶	مسکا	مسگا
۷۱	۱۳	"	"
۷۳	۱۳	"	"
۷۵	۱	اورامسکا	مسگا
۷۵	۱	اوروبھٹیں	اوروبٹیس
۷۵	۴	قطع	منقطع
۷۵	۹	کرلے ٹراس	کرٹیراس
۸۶	۲۲	بلامزاحمت	×
۹۱	۱۵	بادشاہ کی طرح	شاہانہ
۹۲	۲	بنکیا	نیکیا
۹۲	۲۲	ٹینگز	ٹینگر
۹۳	۱۴	الی سریز	ابی سریز
۹۸	۲۰	شلیسٹو	شلیٹو
۱۰۳	۲۰	انیس	انبس
۱۰۵	۱۲	ہو	ہوگا
۱۲۰	۱۸	ہائی فے سمس	ہائی نے سمس
۱۲۸	۲۲	سکندر	سکندر نے
۱۳۱	۷	آسٹروی	آسڈوئی
۱۳۲	۹	لیسی ڈی مون	لیسی ڈی مونیا
۱۳۴	۳	اطاعت التماس	التماس اطاعت
۱۳۵	۷	منظور کیا	اطاعت کو منظور کیا
۱۳۷	۱	سمجھ کر	سمجھ کر کہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۸	۵	جذر	جزر
۱۴۰	۱۹	اس لئے	اس لئے وہ
۱۴۲	۱	بیڑون	بیڑے
۱۴۸	۸	پرویٹی سڈی	پروینی سڈی
۱۴۹	۲۲	گو	کو
۱۴۹	۲۰	فوج	فوج کا
۱۵۳	۶	بونکل	بوکفلا
۱۵۵	۳	سنہ ۲۲۱	سنہ ۳۲۱
۱۵۵	۷	ابھی	امبھی
۱۵۵	۱۵	اٹننیگز	انٹی گونوس
۱۵۶	۱۶	کس	کہیں کہ
۱۵۷	۸	اور	وہ
۱۶۰	۱۴	آریانے	آریانہ
۱۶۰	۱۴	سترابی	کی سترابی
۱۶۰	۲۱	الیساس	ایپاس
۱۶۰	۱۵	مقبوضہ	مفوضہ
۱۶۳	۱۶	اٹیروسکرائیڈی	انیرڈس کرائبڈ
۱۶۳	۲۰	اس کو	اس پر
۱۶۵	۱۸	حصے	ہر حصے
۱۶۷	۱۲	دموتا	دھوتا
۱۶۷	۱۵	ایسا	ایسے
۱۷۲	۸	تو نصل	قونصل
۱۷۲	۱۴	کی	کی سلطنت
۱۷۲	۱۴-۱۵	کی سلطنت	×

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۵	۱	سپرد	سپرد
۱۷۶	۴	کرتے تھے	کرتی تھیں
۱۷۶	۱۹	کے	اور
۱۸۰	۱۸	گی	کی
۱۸۰	۲۲	گو	کو
۱۸۷	۱۷	اور	اور یا وہ
۱۹۹	۱	رکھے	رکھیں
۱۹۹	۵	جنگلوں	جنگوں
۲۰۱	۱۳	اس کی	×
۲۰۱	۱۳	اور	اور اس نے
۲۰۱	۲۲	گیڈریں	کیڈریں
۲۰۳	۴	جس	اُس
۲۰۳	۹	نہیں	ہیں
۲۰۳	۹	جامئت	حمائت
۲۰۳	۱۷	وہ	×
۲۰۳	۱۷	پہنچے	پہنچنے
۲۰۶	۱۵	ایمپٹن	ایمپن
۲۰۶	۲۳	ہے	ہے کہ
۲۰۹	۲۱	یا	تا
۲۰۹	۲۳	۱۹	صفحہ ۱۹
۲۱۱	۱۰	پور راجہ	پُور راجہ
۲۱۲	۱۳	یمس	یہیں
۲۱۳	۱۱	قصہ	قصے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۳	۲۰	سے	میں
۲۲۰	۲۴	کائلز	گائلز
۲۲۲	۱۳	میں	میں اُس
۲۲۴	۲۱	پائٹن	پائٹن
۲۲۴	۲۲	پا	یا
۲۲۸	۲۰	آد	آر
۲۲۸	۲۱	مارشش	مارشل
۲۲۹	۲۲	آتھ شپ	آتھ شپ آف دی
۲۳۴	۵	ہیں	ہیں جو
۲۳۴	۲۵	بدھی	بدھ
۲۳۴	۲۴	نلگیو	نگلیو
۲۳۴	۲۰	کمبی	لمبنی
۲۳۵	۱۹	نلگیرن	نگلیو
۲۳۵	۷	لنکا	لنکا کی
۲۳۵	۹	ان مقامی	مقامی
۲۴۲	۱۷	اور	اد
۲۴۳	۱	اد	اور
۲۴۴	۲	گریفیا	ایپی گریفیا
۲۴۷	۵	شکل	شکل میں
۲۴۸	۱۱	وجہ	وجہ سے
۲۵۳	۱۵	آدن	آؤز
۲۵۴	۲	حسیات	حیات
۲۵۷	۸	ہیں	میں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۷	۱۳	بھی	×
۲۵۸	۱۰	کیلے	بڑھ
۲۶۰	۱۰	سیاست	سیادت
۲۶۳	۷	اور بیورتھا	اور بیور
۲۶۴	۱۳	بجا	اُسے بجا
۲۶۶	۸	اِس	اِن
۲۶۶	۸	پیرو	ہیرو
۲۶۷	۲۶	کاسپلز	گاسپلز
۲۷۰	۱۳	حالت	حالت میں
۲۷۳	۲۳	اجنتر نگنی	راج ترنگنی
۲۷۵	۱۰	سلطنتِ	سلطنت
۲۷۵	۲۲	جیکن	جیکسن
۲۷۶	۳	تو	کو
۲۷۶	۲۲	ضمیمہ	ضمیمۂ ذ
۲۷۷	۱۸	کردیں	کردے
۲۷۷	۲۴	لیوڈرسل	لیوڈرس
۲۸۰	۱۰	الیپاس	ایپاس
۲۸۰	۲۴	بیونگ	بیونک
۲۸۲	۶	تھیاس	تھاآس
۲۸۲	۲۱	کھاریوالا	کھاریویلا
۲۸۳	۲۳	پرٹیگر	پرگیٹر
۲۸۷	۲۳	اسود میدھ	اَشوَمیدھ
۲۸۸	۱۹	بسرمتر	بسومتر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۸۸	۲۳	انٹی گوئٹمیز	انٹی گونٹینز
۲۹۰	۳	یولون	یولوئن
۲۹۱	۱۰	تقسیم	نیم
۲۹۳	۶	لیسومتر	بسومتر
۲۹۴	۱۱	رپورٹ	ریورٹ
۲۹۷	۲۴	پیرس	ہنڈرڈ ہیرس
۲۹۸	۱۵	ن	اور
۳۰۰	۲۱	لیوڈر	لیوڈرس
۳۰۱	۱۹	کھاردیلا	کھاریویلا
۳۰۱	۲۳	لیوڈر	لیوڈرس
۳۰۳	۴	واسشلی	واسشتی
۳۰۵	۲	رددرامن	رودرامن
۳۰۹	۲	پون	یون
۳۱۰	۲۳	ممکن	ناممکن
۳۱۱	۹	ہر	نہر
۳۱۱	۱۳	کارگی	گارگی
۳۱۱	۲۲	آس	اَس
۳۱۱	۲۴	اساجی	اے-جی
۳۱۳	۶	ق م	ق م میں
۳۱۳	۱۱	ہلم یوبر	ہمیرپور
۳۱۳	۱۳	اپالوڈوٹس سوٹر	اپالوڈوٹس سوٹر
۳۱۴	۴	ڈائنسٹیز	ڈائنسٹی
۳۱۴	۶	لیوڈر	لیوڈرس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱۵	۷	لیوڈر	لیوڈرس
۳۱۵	۷	۱۳۴۵	نمبر۳:۔۱۱۴۴
۳۱۵	۲۴	نان گھاٹ	نانا گھاٹ
۳۱۶	۲	نان گھاٹ	نانا گھاٹ
۳۱۶	۳	کنتبہ	کنہہ
۳۱۶	۳	کلاکرنی	مُلاکرنی
۳۱۶	۴	نان گھاٹ	نانا گھاٹ
۳۱۶	۱۴	سوانی	سواتی
۳۲۰	۱	(الف) متعلقہ صفحہ ۳۴۸	×
۳۲۰	۲	لیوڈر	لیوڈرس
۳۲۰	۴	۷۰	۷۱
۳۲۰	۴	سنہ تخت نشینی	سنہ تخت نشینی (اندازاً)
۳۲۰	۴	ـہ	ـہ
۳۲۰	۷	سند	سندر
۳۲۰	۸	ماتھی	ماتھری
۳۲۰	۱۰	ہو	ہوں
۳۲۰	۱۲	حامل	عامل
۳۲۱	۱	(ب) متعلقہ صفحہ ۳۴۸	×
۳۲۱	۱۷	چند	چندر
۳۲۱	۱۴	جیسوداسن	رجیوٗ دامن
۳۲۲	۱	(ج) متعلقہ صفحہ ۳۴۸	×
۳۲۲	۲	لیوڈر	لیوڈرس
۳۲۸	۲۴	نیوسمیٹک	نیومسمیٹک
۳۲۹	۷	کرانی	کرنی
۳۲۹	۱۳	سائرکیس	سائزکیس
۳۳۰	۱۳	اسمس	اسامس
۳۳۲	۱۵	جو ضرف دو سو ہیں	سوائے دو کے
۳۳۳	۱۸	کارب	گگارب
۳۳۴	۷	سہ دریا	سردریا
۳۳۶	۱۵	ہکا اور ہکاناس	ہگا اور ہگاناش
۳۳۷	۲۴	تاس	مٹاس
۳۳۷	۲۴	ٹاکینر	شاکینر
۳۳۹	۱	ماویس	میٹوس
۳۳۹	۶	ارتابوسں	ارٹبینس
۳۳۹	۱۵	اس	اور اس
۳۴۰	۳	ماویس	یگوس
۳۴۱	۶	تھا	تھی
۳۴۶	۴	گنڈوفروکسبی	گنڈوفریس
۳۴۸	۴	ڈرس	مزرس
۳۵۰	۳	گڈوناسس	گنڈفاشس
۳۵۲	۱۴	سوائے	×
۳۵۴	۱۱	دمیٹراس	ڈیمیٹرئش
۳۵۵	۲	ہرپیٹاس	ہرمیٹاس
۳۵۹	۱۰	آرلیباس	ارکیٹاس
۳۵۹	۲۰	نیلیفورس	نیکیفورس
۳۶۱	۲	پنٹلون	پنٹلیون

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۶۱	۵	ہیوے کلمئوس	ہیو کلمئوس
۳۶۱	۷	فلاالسنیاس	فلاکسنیاس
۳۶۱	۱۲	ایپی فینز	ایپی فنینز
۳۶۱	۱۹	ڈیلئوس	ڈیکیئوس
۳۶۱	۲۱	ڈیلئوس	ڈیکیئوس
۳۶۵	۹	کرسیٹنی	کرسیچنٹی
۳۶۵	۱۵	کرسیٹنی	کرسچینٹی
۳۶۵	۱۶	ہمسروس	بمروز
۳۶۶	۲۰	ارچ ڈنکین	آرچ ڈکن
۳۶۷	۱۸	جو	پرجو
۳۶۸	۷	کاسمسی	کاسمس
۳۶۸	۹	ریویر	زیویر
۳۷۲	۴	گئی	سکے
۳۷۲	۲۴	چونیر	چونیز
۳۷۴	۶	اراضی	علاقے
۳۷۸	۱۷	وادی	وادیٔ کابل
۳۸۰	۱۹	تاخ	تاغ
۳۸۱	۱۴	نقل	نقل میں
۳۸۳	۱۵	اورای	اوری
۳۸۶	۲۰	تھرسلش	تھرسٹن
۳۸۷	۱	سیئو	شیئو
۳۸۹	۲	جبس	کاجبس
۳۹۳	۳	جیشٹس	چشتن
۳۹۳	۶	درون کے	دروں سے
۳۹۵	۱	تھا	تھی
۳۹۶	۱۵	سلطنت	سلطنت چین
۳۹۷	۲۰	بھکشی	بھکتی
۴۰۱	۲۰	سیگر	سیگر کی
۴۰۷	۱۷	تیتی	تبتی
۴۰۷	۱۸	الیرجنہ	ریسرچز
۴۰۸	۸	سے	ہم سے
۴۰۹	۵	ہو	ہو گا
۴۱۱	۲۲	کارڈنر	گارڈنر
۴۱۴	۱۳	یاہلیک	باہلیک
۴۱۴	۱۷	کو	کی
۴۱۵	۹	جو	جنھوں نے
۴۱۵	۲۰	اہنیٔ مارسی لنیس	امینئس مارسی لنئس
۴۱۶	۱۹	سمئیک	سمیٹک
۴۱۷	۱۵	تیوری	تیو-می
۴۱۹	۵	چینی	چین
۴۱۹	۵	سُل	ہَن
۴۱۹	۱۷	دھٹیس	ویٹیلیس
۴۱۹	۱۸	وسپینڈس	وسپیئین
۴۲۰	۲	ڈومینشین	ڈومیٹین
۴۲۱	۱۶	پلیسرا	پلمیرا
۴۲۲	۳	پلمپرا	پلمیرا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۳۵	۱۴	جن	کو جن
۴۳۷	۵	پیسی متر	پشی متر
۴۳۹	۱۴	یو وراجہ	یُوَ راجہ
۴۴۱	۲۴	یلمادی	یلمادی
۴۴۲	۱۴	ادرسین	ردرسین
۴۵۰	۲۲	گودر	گوور
۴۵۰	۲۳	خوک	فوک
۴۵۲	۲۱	بھوسے	اور بھوسے
۴۵۷	۲۳	آٹووشک	آٹوفرنیک
۴۵۷	۲۴	سیزن	مینٹرن
۴۵۹	۱۴	ولیس	ڈیس
۴۵۹	۱۸	کینٹھ	کیتھ
۴۶۲	۲۴	تمدن کا اتصال تصادم	تمدنوں کا اتصال و تصادم
۴۶۶	۱۸	پر ہیوی	پر ہیلو
۴۶۶	۱۸	جو	یہ قوم
۴۶۹	۴	غلب	اغلب
۴۷۲	۱۸	پرمارت	پرمارتھ
۴۷۳	۶	لونیک	لوینگ
۴۷۳	۲۲	متبرک	میترک
۴۷۳	۲۳	بھیتارک	بھتارک
۴۷۴	۱۹	پائن	پاٹن
۴۷۷	۲۴	چینوٹ	اس کے سکے چینوٹ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۸۵	۱۴	سرمیل	سرمیال
۴۸۵	۱۷	بھیلمال	بھلمال
۴۹۱	۱۲	ارٹ	اٹ
۴۹۱	۱۳	پارنل	ہارنل
۴۹۲	۱۵	سینڈ	سینٹ
۵۱۴	۱۵	دھروبھنٹ	دھرَوَ بھٹ
۵۱۴	۲۳	ملکس	ہیکس
۵۱۴	۲۴	تلیط	فلیٹ
۵۱۶	۱۶	ہیون سانگ	طرح ہیون سانگ،
۵۱۷	۸	کی	کی سزا
۵۱۸	۲	کے	اُس کے
۵۱۸	۲۲	بانڈ	بائنڈ
۵۲۲	۱۵	سانگ	سسانک
۵۲۲	۲۳	عبادات	عبادت
۵۲۷	۶	چوکنا	چوکنا اور
۵۲۷	۱۶	بذات	بذات خود
۵۲۸	۲۵	سقف	سقف
۵۳۰	۱۹	طلیعہ	بدرقہ
۵۳۲	۶	طلیعہ	فوج
۵۳۵	۸	دہند	اوہند
۵۳۵	۸	نے	×
۵۳۵	۸	ہیون سانگ	ہیون سانگ نے
۵۳۶	۱۰	میں	پہلے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۴۵	۱۳	جو	کو	۶۴۰	۵	موریا بجنج	میور بھنج
۵۴۷	۵	تصبوں	قضیوں	۶۴۳	۱۷	اور	آف
۵۴۷	۲۳	کے زور کا	کا زور	۶۴۴	۵	ریسرح	ریسرچ
۵۵۰	۲	کے بعد	×	۶۵۴	۱۲ و ۱۳	ولتسرراج	وَلتسراَج
۵۵۶	۱۲	برنٹ	رائٹ	۶۵۸	۱۸	میں	کا
۵۵۸	۱۸	رہی	رہا	۶۶۳	۱۷	اگرچہ غلطی سے	(اگرچہ غلطی سے)
۵۶۴	۲۱	طرح	طرف	۶۶۹	۱۹	نظموں سے	نظمیں
۵۷۹	۱	کی	کا	۶۶۹	۲۴	بیونٹگیرین	بیونٹگیرین
۵۸۱	۵	تک	میں	۶۷۶	۲	گگولر	کولر
۵۸۵	۲۱	درنشا	ننشا	۶۸۵	۱۱	سیسا پتر	سیتا پتر
۵۸۹	۲۱	س	اُس	۶۸۶	۱۲	لیکو بھتراس	لیکو تبھراس
۵۹۷	۱۷	ہینڈ یک	ہینڈ بک	۶۹۱	۴	نرسہورمن	نرسمہورمن
۶۰۰	۱۸	یوفرکٹ	یوفرکٹ	۶۹۳	۳	پاٹڈیا	پانڈیا
۶۰۳	۲۱	پونڈرردرہن	پوندرو وردھن	۶۹۳	۱۸	جول	چول
۶۰۷	۱	دلویا	دویا	۷۰۱	۱۸	یونل	یول
۶۰۹	۲۲	ولنگھم	کننگھم	۷۰۳	۱۳	پانڈ	پانڈیا
۶۱۰	۱۸	نے	کے	۷۰۶	۱۲	کے	کی
۶۱۴	۱۶	راجہ	راجہ کی	۷۰۶	۱۵	سنہ ۷-۹۰۶	سنہ ۷-۱۹۰۶
۶۱۸	۲۵	چاورن	چاردرن	۷۱۰	۱	یہ	انھیں
۶۲۵	۹	کردیتا	ہوجاتی	۷۱۳	۷	ڈومز دے	ڈومز ڈے
۶۲۶	۲۴	بقیہ	×	۷۱۸	۹-۱۱	نرسمہو شنو	سمہو شنو
۶۲۷	۲۶	ٹرائبسی	ٹرائبس	۷۲۰	۱۵	دَلارُ	وَلّارُو
۶۳۱	۱۳	تک	سے	۷۲۳	۴	سنہ ۷۳۰ء	(سنہ ۷۳۰ء)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲۴	۷	تو	×	۷۲۵	۳	کہ	کہ وہ

صفحہ ۸ - سطر ۴ :—

"جن کے تعلقات ہمیشہ بیرونی ممالک سے رہے ہیں"

اس عبارت سے پہلے ذیل کا فقرہ بڑھا لیا جائے :—

"اور بیرونی دنیا کی توجہ کسی طرح بھی اپنی طرف اس قدر مبذول نہیں کرا سکتیں جتنی کہ شمالی ہند کی سلطنتیں"

تمت